اُردو

جلد ہفتم　　　　حصۂ بست و پنجم

جنوری سنہ ۱۹۲۷ ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

پانچ ہزار کا گراں بہا عطیہ

ہز ایکسلنسی راجۂ راجایان راجہ سر کشن پرشاد مہاراجہ
بہادر یمین السلطنتہ، جی - سی - آئی - ای
صدر اعظم دولت آصفیہ

ایک صاحب علم اور صاحب ذوق امیر ہیں ۔ آپ کی علمی سرپرستی اور ہنر پروری مشہور آفاق ہے ۔ اُردو کے دلدادہ اور اس کے ادیب اور شاعر ہیں ۔ حال میں ہز ایکسلنسی نے از راہ قدر دانی و نوازش جناب نواب مسعود جنگ بہادر کے توسط سے انجمن ترقی اُردو کو پانچ ہزار روپیہ سکۂ کلدار کا گراں بہا عطیہ مرحمت فرمایا ہے ۔ ہز ایکسلنسی کی اس فیاضانہ سرپرستی نے انجمن کے حق میں آب حیات کا کام کیا ہے ۔ انجمن ہز ایکسلنسی کے اس احسان کی ہمیشہ ممنون رہے گی —

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

فہرستِ مضامین

تصنیفات شیخ فریدالدین عطار

از

[جناب حافظ محمود خاں صاحب شیرانی پروفیسر اسلامیہ کالج لاهور]

شیخ عطار کی تصنیفات کے متعلق عجیب و غریب بیانات دیے گئے هیں' بعض نے ایک سو کتابوں کا اُن کو مالک مانا هے' سب سے قدیم بیان وہ هے' جو "مفتاح الفتوح" تالیف سنہ ۶۸۸ھ میں ملتا هے' وهو هذا:—

خدا وندشرع نوشتہ صد مجلد همہ علمے کہ او مانند مخلد

شین ضمیر شیخ کی طرف راجع هے۔ "مظهرالعجائب" میں بھی یہی تعداد بتائی گئی هے' چنانچہ:—

ز بحر علم دارم صد کُتب من درو بنہادہ ام اسرار اب من

لیکن دولت شاہ اور صاحب هفت اقلیم نے صرف چالیس کتابیں اور رسالے اُن کی طرف منسوب کئے هیں —

دولت شاہ نے شیخ کی مصنفات کے یہ نام دیے هیں:—

(۱) تذکرۃ الاولیاء (۲) اسرار نامہ (۳) الٰهی نامہ (۴) مصیبت نامہ
(۵) اشتر نامہ (۶) مختار نامہ (۷) جوهرالذات (۸) وصیت نامہ
(۹) منطق الطیر (۱۰) بلبل نامہ (۱۱) گل و هرمز (۱۲) سیاہ نامہ
(۱۳) هیلاج نامہ (۱۴) اخوان الصفا (۱۵) حیدر نامہ —

صاحب ہفت اقلیم نے ذیل کی فہرست دی ہے :—

(۱) الٰہی نامہ (۲) اسرار نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) وصلت نامہ
(۵) بلبل نامہ (۶) پندنامہ (۷) جواہر نامہ (۸) بےسر نامہ
(۹) خسرونامہ (۱۰) ولد نامہ (۱۱) حیدر نامہ (۱۲) اشتر نامہ
(۱۳) جوہرالذات (۱۴) مظہرالعجائب (۱۵) منطق الطیر (۱۶) گل و ہرمز
(۱۷) شرح القلب (۱۸) تذکرۃالاولیاء (۱۹) اخوان الصفا (۲۰) دیوان
(۲۱) لسان الغیب (اگرچہ فہرست میں نام شامل نہیں، لیکن انتخاب کلام دیا ہے)

قاضی نوراللہ شوستری کے ہاں یہ نام آتے ہیں :—

(۱) منطق الطیر (۲) الٰہی نامہ (۳) اسرار نامہ (۴) مظہرالعجائب

حاجی خلیفہ کے ہاں ذیل کی کتابیں ہیں :—

(۱) اسرار نامہ (۲) الٰہی نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ
(۵) تذکرۃالاولیا (۶) جوہرالذات (۷) حیدر نامہ (۸) خسرو نامہ
(۹) شتر نامہ (۱۰) منطق الطیر (۱۱) مصیبت نامہ (۱۲) مظہر العجائب
(۱۳) وصلت نامہ —

ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست کتب خانۂ اودھ میں یہ کتابیں مذکور ہیں :—

(۱) دیوان (۲) حقائق الجواہر، اس کا پہلا شعر ہے :—

اے خدائے سرّ ہر انساں توئی　　کاشف راز حقائق جاں توئی

(۳) بیسر نامہ (۴) مصیبت نامہ (۵) اسرارالشہود (۶) جوہرالذات
(۷) اشتر نامہ (۸) خسرو نامۂ کبیر (۹) خسرو نامۂ صغیر (۱۰) مظہرالعجائب
(۱۱) منطق الطیر (۱۲) بلبل نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) پند نامہ
(۱۵) خیاط نامہ (۱۶) کنزالحقائق (۱۷) ہفت وادی (۱۸) الٰہی نامہ
(۱۹) اسرار نامہ —

گیارھویں قرن ھجری کا ایک کلیات* کتب خانۂ بانکی پور میں ھے، جس میں حسب ذیل کتابیں ملتی ھیں :-

(۱) جوھر الذات (۲) مظہر العجائب (۳) منطق الطیر (۴) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۵) مصیبت نامہ (۶) لسان الغیب (۷) خیاط نامہ (۸) مفتاح الفتوح (۹) کنز الحقائق (۱۰) ھفت وادی (۱۱) اشتر نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) دیوان

کلیات کے علاوہ اس کتب خانے میں یہ کتابیں اور ھیں:-

(۱۴) اسرار نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) بے سر نامہ (۱۷) وصلت نامہ۔

اسی کتب خانے کے فہرست نگار مولوی عبدالمقتدر صاحب نے ذیل کی فہرست علیحدہ دی ھے :-

(۱) اسرار نامہ (۲) الہی نامہ (۳) مصیبت نامہ (۴) جوھر الذات (۵) اشتر نامہ (۶) مختار نامہ (۷) حیدر نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) سیاہ نامہ (۱۰) منطق الطیر (۱۱) گل و ھرمز (یا) خسرو نامہ (۱۲) پند نامہ (۱۳) وصلت نامہ (۱۴) وصیت نامہ (۱۵) بلبل نامہ (۱۶) اسرار الشہود (۱۷) گل و خسرو (۱۸) مظہر العجائب (۱۹) خیاط نامہ (۲۰) کنز الحقائق (۲۱) ھفت وادی (۲۲) لسان الغیب (۲۳) مفتاح الفتوح (۲۴) منصور نامہ (۲۵) کنز البحر —

انڈیا آفس لائبریری کے ایک کلیات نمبری ۱۰۳۱ میں مثنویات ذیل شامل ھیں: —

(۱) اشتر نامہ (۲) خسرو و گل (۳) بلبل نامہ (۴) پند نامہ (۵) منطق الطیر (۶) ھفت وادی (۷) بے سر نامہ (۸) کنز الاسرار (۹) دیوان

---

* فہرست بانکی پور، نمبر ۴۹، صفحہ ۹۳ -

(۱۰) وصلت نامه (۱۱) مفتاح الفتوح (۱۲) اسرار نامه (۱۳) کنزالحقائق
(۱۴) الٰہی نامه (۱۵) مصیبت نامه (۱۶) لسان الغیب (۱۷) جوهرالذات
(۱۸) مظہرالعجائب —

اسی کتب خانے میں ایک ستۂ عطار* هے، اس کی تاریخ کتابت سنه ۸۰۷ هجری و سنه ۸۱۲ هجری کے درمیان هے اور مثنویات ذیل پر شامل هے :-
(۱) اشتر نامه (۲) اسرار نامه (۳) خطبۂ الٰهی نامه (۴) بلبل نامه
(۵) مصیبت نامه (۶) وصلت نامه —

پروفیسر سراج الدین (آذر) کے کلیات میں یه کتابیں هیں :-
(۱) جوهرالذات، برمتن (۲) دیوان بر حاشیه (۳) مختار نامه، حاشیه (۴) دیباچۂ گل و هرمز، اشاعت اول (حاشیه) (۵) منطق الطیر، حاشیه (۶) هیلاج نامه، متن (۷) اسرار نامه، حاشیه (۸) اشتر نامه، متن (۹) الٰهی نامه، حاشیه (۱۰) مصیبت نامه، متن (۱۱) وصلت نامه، حاشیه، خاتمے کے اشعار نقل هونے سے رہ گئے هیں (۱۲) گل و هرمز، متن (۱۳) بلبل نامه، حاشیه (۱۴) نزهت الاحباب، حاشیه (۱۵) مفتاح الفتوح، حاشیه، صرف دو چند منقول هے —

عطار کے معلومه کلیات میں یه نسخه سب سے قدیم هے اور صحت کے اعتبار سے متوسط درجے کا هے - اِس کی تاریخ کتابت سنه ۸۵۷ هجری هے —
ستۂ عطار+ (ضمیمۂ فهرست کتب فارسیه برٹش میوزیم لائبریری) سنه ۸۸۹ هجری کا نوشته هے، اِس میں یه کتابیں داخل هیں :-
(۱) مختار نامه (۲) الٰهی نامه (۳) منطق الطیر (۴) مصیبت نامه (۵) اسرارنامه
(۶) وصلت نامه —

سنه ۱۲۸۹ هجری میں نولکشور نے جو کلیات چھاپا هے، اُس میں کتب ذیل

---

* فهرست انڈیا آفس نمبر ۱۰۳۴، صفحه ۶۱۸ + نمبر ۲۳۶، صفحه ۱۵۹ -

شامل ہیں :-

(۱) جوہر الذات' (جلد اول صفحہ ۲ - ۲۹۸' ایضاً جلد دوم' صفحہ ۳۰۰-۵۸۲) (۲) ہیلاج نامہ' صفحہ ۵۸۴ - ۷۰ ۷ (۳) الہی نامہ' صفحہ ۶۷۷-۹۴۳ (۴) مختار نامہ صفحہ ۹۴۶-۱۰۴۷ (۵) منطق الطیر' صفحہ ۱۰۵۰-۱۰۶۵ (۶) بلبل نامہ' صفحہ ۱۱۶۸-۱۱۸۴ (۷) نزہت الاحباب' صفحہ ۱۱۸۶-۱۱۹۵ (۸) مفتاح الفتوح' صفحہ ۱۱۹۸-۱۲۲۱ (۹) بے سر نامہ' صفحہ ۱۲۲۴-۱۲۲۹ (۱۰) پند نامہ' صفحہ ۱۲۳۲-۱۲۵۷—

کتب خانۂ آصفیہ' حیدرآباد کی فہرست میں عطار کی ایک اور تصنیف ملتی ہے' اُس کا نام 'آغاز عشق' ہے - مطبع مسیحائی نے ایک اور مثنوی موسوم بہ اسرار نامہ طبع کی ہے—

اس طرح عطار کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہوئی :—

(۱) آغاز عشق (۲) اسرارنامہ (۳) اسرار نامہ' (طبع مسیحائی پریس) (۴) اشترنامہ (۵) اسرارالشہود (۶) اخوان الصفا (۷) الہی نامہ (۸) بے سر نامہ (۹) بلبل نامہ (۱۰) پند نامہ (۱۱) تذکرۃ الاولیاء (۱۲) جوہرالذات (یا) جواہر نامہ (۱۳) حلاج نامہ (یا) منصور نامہ (۱۴) حقائق الجواہر (۱۵) حیدر نامہ (۱۶) خسرو نامہ (یا) گل و ہرمز (۱۷) خیاط نامہ (۱۸) دیوان (۱۹) سیاہ نامہ (۲۰) شرح القلب (۲۱) کنزالاسرار (۲۲) کنزالبحر (۲۳) کنزالحقائق (۲۴) لسان الغیب (۲۵) منطق الطیر (۲۶) مصیبت نامہ (۲۷) مختار نامہ (۲۸) مظہرالعجائب (۲۹) مفتاح الفتوح (۳۰) نزہت الاحباب (۳۱) وصیت نامہ (۳۲) وصلت نامہ (۳۳) ولد نامہ (۳۴) ہیلاج نامہ (۳۵) ہفت وادی—

مذکورۂ بالا مختلف فہرستوں سے یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ شیخ عطار کا کلام خود اُن کے اپنے زمانے میں مدوّن نہیں ہوا تھا- اُن کی وفات ایسے زمانے میں ہوئی جب کہ چنگیزی طوفان ایران کو زیر و زبر کر رہا تھا' اس لیے اس عہد میں بھی اِس کے جمع کیے جانے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا - آٹھویں صدی کی کوئی چیز

کسی کتب خانے میں موجود نہیں۔ نویں صدی کی متعدد چیزیں ملتی ہیں، اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِس عہد میں عطار کی تصنیفات اہل ذوق جمع کرنے لگے ہیں۔ اور چونکہ کوئی قدیم کلیات موجود نہیں ہے، اس لیے اپنے اپنے مجموعوں میں مختلف مثنویات جمع کر رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف مجموعوں میں مختلف چیزیں شامل ہوگئی ہیں۔ کلیات ایک طرف، ستّے اور سبعے ایک دوسرے سے نہیں ملتے نہ اُن میں کسی ترتیب کا لحاظ ہے، جیسا اور شعرا کے کلیات میں دیکھا جاتا ہے۔ اِس انتشار اور ابتری کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ عطار کے کلیات میں دیگر شعرا کی تصنیفات سہواً شامل ہوگئیں، دوسرا یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے خاص خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر اپنی تصنیفات شیخ کے کلام میں شامل کردیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ایک سرسری نظر ایسی کتابوں پر ڈالی جائے۔ میرا تبصرہ اُنہیں کتابوں پر محدود ہوگا، جو میری نظر سے گذر چکی ہیں —

(۱) آغاز عشق

کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد، دکن کی فہرست میں یہ کتاب درج ہے، جس کا نمبر ۱۵۵ ہے فہرست نگار نے اس کا نام "آغاز عشق" رکھا ہے۔ در حقیقت یہ کوئی نئی مثنوی نہیں ہے، بلکہ عطار کے خسرو نامہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ یہ ایک معما ہے کہ اِس کا نام 'آغاز عشق' کیوں رکھا گیا —

(۲) اسرارالشہود

ڈاکٹر اسپرنگر فہرست نگار* کتب خانۂ اودھ اور مولوی عبدالمقتدرخاں فہرست نگار+ کتب خانۂ بانکی پور اور مطبع خادم‌التعلیم لاہور (جنھوں نے سنہ ۱۸۹۴ ع میں اُس کو طبع بھی کردیا ہے) عطار کی تصنیف بیان کرتے ہیں اور بعض قلمی نسخوں میں بھی عطار کی طرف منسوب ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ

---

* فہرست صفحہ ۳۵۰ + فہرست صفحہ ۶۴

شیخ شمس الدین محمد لاهجی اسیری نور بخشی شارح گلشن راز کی تصنیف ہے، جو سید محمد نور بخش کے مرید ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۸۴۲ھ کے گرد و پیش میں لکھی گئی ہے۔ مطبوعہ کتاب کے صفحہ ۹ پر عنوان عذران کے تحت میں مصنف اپنے پیر کی مدح شروع کرتا ہے جس میں اشعار ذیل آتے ہیں :—

آں محمد نام عیسیٰ مرتبت ملک معنی را سلیماں منزلت

آمدہ از غیب نامش نوربخش بود چوں خرشید بامش نوربخش

صفحہ ۱۰ پر ایک شعر میں اس کا تخلص اسیری موجود ہے :—

ہریکے در دور خود گشتہ جنید چوں (اسیری)دیدہ آزادی زقید*

صفحہ ۹۲ پر ایک حکایت میں مصنف اپنے بعض حالات دیتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جذبۂ عشق الہی اس پر غالب آجاتا ہے، ایک ابدال سے اپنے آئندہ پیر سید محمد نور بخش کا نام سن کر اصفہان سے روانہ ہوتا ہے :—

صبحدم پنہاں ز خویش و اقربا بہر طوف کعبۂ صدق و صفا

آمدم بیروں ز شہر اصفہاں یک تن تنہا پیادہ بہرآں

تا مبادا دوستاں بیخرد مانعم آیند و کارم بد شود

مصنف یہ سفر غرۂ ماہ رجب سنہ ۸۴۲ھ کو اختیار کرتا ہے —

سال تار بخش بود بے کیف و کم هشتصد و چہل و دو بے بیش و کم

صفحہ ۹۴

سید محمد نور بخش بانی فرقۂ نور بخشیہ [سنہ ۷۹۵ھجری و ۸۶۹ ھجری] قاین میں ولادت پاتے ہیں اور خواجہ اسحٰق ختلانی کے مرید ہیں، جو سید علی ہمدانی کے مرید تھے۔ خواجہ نے آپ کو "نور بخش" کا خطاب عطا کیا، ختلان میں

---

*فرقۂ نور بخشی پر پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے نے ایک نہایت فاضلانہ مضمون اورنٹیل کالج میگزین (بابتہ سنہ ۱۹۲۵ع کے پہلے اور دوسرے نمبر میں لکھا ہے۔ میرا یہ شعر اسی مضمون سے حاصل کیا ہے —

ایک ھنگامے کے موقعے پر خلیفۃالمؤمنین بغداد ئےجانے پر شاہرخ پاشاہ نےآپ کو ھرات میں قید کردیا، سنہ ۸۲۶ ھجری میں آپ نے بھاگ کر اِس قیدسے رھائی پائیاور ایک عرصے تک بغداد، بصرہ اور کردستان میں سیاحت کے بعد آپ نے گیلان میں سکونت اختیار کی اور شاھرخ کی وفات پر (رے) تشریف لے آے، جہاں تاحین وفات قیام پذیر رھے—

(۳) اسرار نامہ

یہ وہ اسرار نامہ نہیں ھے، جو عطار نے بحر ھزج مسدس میں لکھا ھے اور عام فہرستوں میں اُس کا افتتاحیہ ھے * —

بنام آں کہ جاں رانور دیں داد　　خردرا در خدادانی یقیں داد

بلکہ یہ اور اسرار نامہ ھے جو بحر رمل مسدس میں ھے، اس کے پہلے دو شعر ھیں :—

افتتاح نامہا از نام تو　　ھر دو عالم جرعۂ نوش از جام تو

آں خدا وندے کہ در عرض وجود　　ھر زباں خود را بہ نقشے وانمود

اورخاتمے کا بیت ھے :—

دیدۂ حق بیں اگر بودے مرا　　او رخ از ھر ذرہ بنمودے مرا

یہ کُل آٹھہ صفحوں کا رسالہ ھے اور سنہ ۱۲۹۷ھ میں مطبع مسیحائی میں چھپ چکا ھے ۔ اُستادانہ کلام ھے ۔ مسائل تصوف کو مختصراً چھیڑا گیا ھے کہ دنیا میں خدا کے سوا کچھہ نہیں ۔ ذرّات عالم اُس کے مرآت ھیں اور اُسی کے عشق میں مست ھیں۔ عجز و انکسار زادِ راہ عشق ھے، طالب کو ھشت بہشت اور کونین سے کوئی سروکار نہیں۔ از روے معنی انساں جان عالم ھے، اور اُس کا دل لوح محفوظ ھے۔

---

* پروفیسر آزر کے کلیات میں پہلے دو شعر یوں ھیں :—

بنام آں کہ از خاک آدمی کرد　　ز کفلے و ز دودے آدمی کرد

جہاں دارے کہ جاں را نور دیں داد　　خرد را در خدا دانی یقیں داد

نور و ظلمات کا برزخ انسان ھی ہے اور انسان ھی مقصود عالم ہے۔ انسان اگر اپنی حقیقت شناخت کرلے تو کائنات کی حقیقت معلوم کرسکتا ہے۔ دل جام جم اور عرش رحمانی ہے، عشق کیا ہے؟ یہی قطرے کا دریا بنا لینا ! —

عشق چبود قطرہ دریا ساختن   از دو عالم باخدا پرداختن

شیخ عطار کے مقابلے میں اس کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ہوئی ہے۔ محض اہل مطبع کی شہادت پر اس کو عطار کا کلام نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ نہ وہ کسی کلیات میں شامل ہے اور نہ کوئی تذکرہ نگار اس کا ذکر کرتا۔ علاوہ بریں حاجی خلیفہ غالباً اسی مثنوی کو مولانا جلال الدین رومی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (کشف الظنون صفحہ ۹۵ جلد اول، طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری)—

۴) کنزالحقائق

اکثر تذکرہ نگار اس تصنیف کے متعلق خاموش ہیں۔ نویں صدی کے کلیات میں شامل نہیں، لیکن دسویں اور گیارھویں قرن ھجری کے کلیات میں موجود ہے، چنانچہ ایتھے انڈیا آفس کی فہرست* میں اور ریو برٹش میوزیم کے ضمیمۂ+ فہرست کتب فارسی میں اور مولوي عبدالمقتدر خاں بانکی پور کی فہرست میں‡ اس کو عطار کی تصنیف مانتے ہیں اور شعر ذیل افتتاحی بیان کرتے ہیں:-

بنام آنکہ جاں را نور دیں داد   خرد را در خدا دانی یقیں داد

لیکن یہ شعر اسرار نامۂ عطار کا افتتاحیہ ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے کتب خانۂ اودھ کی فہرست⊕ میں اور آئیو نات نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست△ میں بیت ذیل افتتاحی لکھا ہے :-

بنام آنکہ اول کرد و آخر   بنام آنکہ باطن کرد و ظاہر

---

* صفحہ ۶۱۵، نمبر ۱۰۳۱—   + نمبر ۲۳۵، صفحہ ۱۵۹—

‡ صفحہ ۹۸—   ⊕ صفحہ ۳۵۶—   △ صفحہ ۲۱۲، نمبر ۴۷۷—

کنزالحقائق کا میرے پاس بھی ایک نسخہ ہے' جس کا پہلا شعر اسپرنگر اور آئیوناف کے نقل کردہ شعر کے مطابق ہے - فہرست نگاروں نے اسی کتاب کا ایک اور شعر نقل کیا ہے یعنی :-

چو گفتم اندر و چندیں دقائق   نہادم نام او کنزالحقائق

یہ شعر خفیف سے اختلاف کے ساتھہ میرے نسخے میں موجود ہے - پہلے مصرع میں 'اندرو' کی بجاے 'اندریں' اور دوسرے میں' 'نام او' کی جگہ 'نام وے' ہے —

اِس مثنوی میں حمد و نعت کے بعد حضرت علی کی منقبت علحدہ عنوان سے چلتی ہے - "سبب نظم کتاب" میں شاعر کہتا ہے کہ : میرے چند دوستوں نے اسرار طاعت کے متعلق مجھہ سے سوالات کئے' میں نے اُن کی فہم کے مطابق جوابات کو نظم کر دیا اور اُس کا نام کنزالحقائق رکھہ دیا ہے - میرا مقصد نظم کہنے سے اظہار لیاقت نہیں ہے - چھہ ماہ کے عرصے میں' جب کہ سنہ ۷۰۹ ھجری تھا' یہ کتاب ختم ہوئی —

مرا مقصود ازیں جز معرفت نیست   خداداند کہ اظہار صفت نیست

ز ھجرت ھفصد و نہ شد' نہادم   اساسش را بشش مہ نظم دادم

اِس مثنوی کے بعض زیر بحث عنوان یہ ہیں :-

تحقیق ایمان و اسلام - شہادت - طہارت - صلوٰۃ - زکوۃ - روزہ - حج - جہاد نفس - شیطان - عشق - دنیا - بہشت و دوزخ - جان - عیسیٰ و دجّال - شناخت و تحقیق - عہد مہدی - آب حیواں - صراط وغیرہ —

نسخۂ ھذا' نہر والہ گجرات میں سنہ ۱۰۲۸ ھجری میں نقل ہوا تھا' جیسا کہ ورق اول کے صفحۂ الف کے ایک فقرے سے معلوم ہوتا ہے - اس کے مصنف کا نام اسی صفحے میں عبارت ذیل میں یوں لکھا ہے :--

"کنزالحقائق پہلوان محمود بن پوریاے ولی"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا نام پہلوان محمود ہے - عبارت منقولۂ بالا

کا راقم خواہ محب‌اللہ ہو، جس کی مہر پاس ہی لگی ہوئی ہے یا کوئی اور شخص، مگر اِس میں شک نہیں کہ وہ مصنف کی شخصیت سے بخوبی واقف تھا، کیوں کہ اُس مثنوی کے ساتھ ہی مثنوی ''گُلشن راز'' اسی کاتب کے قلم کی لکھی ہوئی ملحق ہے۔اس پر محب‌اللہ نے صاف لکھا ہے ''گُلشن راز من محمود چبستری در سنہ ۷۱۷ھ این در نظم سفتہ''
با وجودیکہ دونوں مثنویوں میں مصنفین کا نام 'محمود' عام ہے اور دونوں اُسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن وہ مغالطہ نہیں کرتا، پہلے کو پہلوان محمود کہتا ہے اور دوسرے کو محمود چبستری —

کنزالحقائق کے متن کی شہادت بھی محب‌اللہ کے بیان کی مؤید ہے، مصنف نے ایک سے زیادہ موقعے پر اپنا نام محمود دیا ہے۔ مثلاً حمد کے خاتمے کا یہ شعر :—

خدا وندا بحق نیک مرداں　　کہ مارا عاقبت محمود گرداں

تحقیق صلوٰۃ کے ذیل میں یہ بیت آتی ہے :—

برو جان پدر بشنو ز محمود　　کزیلش جز حقیقت نیست مقصود

اور زکوٰۃ کے ذکر میں :—

بیاموز ارندانی ایں طریقت　　ز محمود (از) زکوٰۃ (دیں) حقیقت

اور بہشت و دوزخ کے بیان میں :—

بہشت و دوزخت ... کہ مقصود　　کہ بشناسی بمعنی گفت محمود

یہ بھی یاد رہے کہ حاجی خلیفہ کے ہاں بھی یہ کتاب پہلوان محمود خوارزمی کی تصنیف بتائی گئی ہے (کشف الظنون جلد اول صفحہ ۳۲۳ طبع مصر)

فرہنگ آنندراج میں انجمن آرائے ناصری کے حوالے سے لفظ '' لت '' کی تشریح میں اسی شاعر کی ایک رباعی درج ہے، یہاں اُس کو پہلوان محمود مشہور بہ پوریائے ولی خوارزمی لکھا ہے، رباعی :—

آنیم کہ پیل برنتابد لت ما　　برچرخ زنند نوبت شوکت ما

گر در صف ماموران چهٔ گیرد جاے — آں مورچہ شیر گردد از دولت ما

(جلد سوم صفحہ ۹۱)

مذکورۂ بالا وجوہ کی بنا پراس کتاب کو عطار* کی تصنیف نہیں مانا جاسکتا

(۵) مفتاح الفتوح

اکثر کلیات میں موجود ہے اور تمام فہرست نگار عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں' لیکن میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی دیباچۂ تذکرۃالاولیاے عطار' طبع یورپ میں' انڈیا آفس کے ایک نسخے سے جس کا نمبر سہواً ۵۵۹' دیتے ہیں' اشعار ذیل نقل کرکے بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی زنجانی کی تصنیف ہے :—

بسال ششصد و هشتاد و ہو چار — شہور سال را بد آخر کار†

ز ذوالحجہ گزشتہ بُد دہ وپنج — کہ مدفوں کردم اندر دفتر ایں گنج

(صفحہ یو)

"مفتاح الفتوح" در اصل غزلیات کے ایک مجموعہ کا نام ہے' جس کو زنجانی مذکور نے ایک منظوم دیباچے اور اُس تعلی کے ساتھہ کہ وہ شیخ عطار کے روحانی فیضان اور اُنھیں کے طرز میں لکھہ رہا ہے' شایع کیا ہے - اس کا دعوی ہے کہ " شیخ نے خواب میں آکر مجھکو اِس تصنیف کا حکم دیا ہے " لیکن راقم اس قدر بد عقیدہ واقع ہوا ہے کہ اس ادعائی فیضان میں سرقے کا پہلو دیکھتا ہے' بات یہ ہے کہ اس زنجانی نے ایک منظوم دیباچہ لکھہ کر شیخ عطار کی چونسٹھہ غزلیات پر قبضہ کرلیاہے' کیوں کہ مفتاح الفتوح کی جس قدر غزلیات ہیں' دیوان

---

* والۂ داغستانی "ریاض الشعرا " میں پہلوان محمود کے متعلق بیان کرتا ہے کہ: اُن کا تخلص قتالی ہے' پدر محترم کی تقلید میں کشتی گیری کو اپنا پیشہ بنالیا- ریاضت جسمانی کے ساتھہ ساتھہ ریاضت روحانی میں بھی سبکے سر کردہ اور ولی کامل تھے - اصل میں اور کنج سے تعلق رکھتے ہیں - مثنوی کنزالحقائق سنہ ۷۰۳ ھ میں تصنیف کی' سنہ ۷۲۲ھ میں انتقال کیا اور خیوق خوازم میں مدفون ہیں —

† پروفیسر آذر اور نول کشور کے کُلیات میں یہ اشعار نہیں ملتے —

عطار سے اُڑائی گئی ہیں اور دلاوری یہ کی ہے کہ عطار کا تخلص تک بحال رہنے دیاہے، ساتھ ہی پردہ دری کے خوف سے یہ ہدایت کردی ہے کہ کتاب کو اغیار کی نگاہ سے دور رکھنا :—

وصیت کردم اے یاریگانہ　　کہ از ناساز پوشی ایں ترانہ

وہ اپنے دیباچے میں لکھتا ہے کہ "مینے ایک شب ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا، اُنھوں نے فرمایا کہ تم اپنےدوستوں کے لئے ایک رسالہ نظم کردو اور اُس کا نام مفتاح‌الفتوح رکھہ دو" :—

مرا گفتا چو بر خیزی تو از خواب　　کتابے جمع کن از بحر احباب

سخن کو اندرو روشن بہ برہاں　　تو مفتاح الفتوحش نام گرداں

(کلیات صفحہ ۱۲۰۰، نولکشور)

جب میں بیدار ہوا تو کاغذ، قلم، دوات لیکر لکھنے بیٹھا، لیکن کچھہ نہ لکھہ سکا - اِس کوشش میں دو ہفتے گزر گئے اور مینے اپنے آپ کو اس کام کے بالکل نا قابل پایا - بھلا کہاں میں اور کہاں یہ قیل و قال، اور نہ میری یہ مجال کہ بغیر اجازت کے کوئی کام کروں، اس لئے مناسب ہے کہ اس کوشش سے دست بردار ہوجاؤں - آں حضرت * نے سو مجلدات ہر علم پر لکھے ہیں، نہ اُنھوں نے کسی سے پڑھا اور نہ کسی سے تعلیم پائی، جو کچھہ لکھا، الہام خداوندی سے لکھا —

نکردم بے اجازت کار ہرگز　　نگویم ایں سخن زنہار ہرگز

خداوندش نوشتہ صد مجلّد　　ہمہ علمے کہ او ماند مخلّد

نہ برکس خواندہ، نے از کس شنیدہ　　بالہام از خدا بروے رسیدہ

(ایضاً صفحہ ۱۲۰۰)

---

* آں حضرت سے مراد شیخ عطار ہیں، گویا انھیں کے ارشاد اور فرمان سے کتاب مفتاح‌الفتوح تالیف ہوئی ہے —

میں اس فکر میں رہا کہ دیکھئے غیب سے کیا اطلاع دی جاتی ہے۔ آخر ایک روز مجھہ پر حالت طاری ہوئی، اس بیخودی کے عالم میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں: "اے مسکین تو آرایش لفظ و عبارت کے درپے نہ ہو اور معانی کو ضروری سمجھہ کر اُنھیں کی تقریر پر اکتفا کر" —

درین اندیشه بودم گاه و بیگاه — که تا خود چوں کنند از غیبم آگاه

بخود بودم فرو رفته یکے روز — بدم در سینهٔ تاب و جگر سوز

در آں دم حالتے دیدم نهانی — که شد بر خاطرم کشف معانی

در آں حیرانی و حیرت که بودم — بسمع دل ازاں حضرت شنودم

که اے مسکیں نگهدار ایں اشارت — مده آرایش لفظ و عبارت

تو تقریر معانی کن دریں کار — بجان و دل معانی دوست میدار

(ایضاً صفحه ۱۲۰۱)

اب میں جان و دل سے اُن کے ارشاد کا پابند ہوگیا اور جو کچھہ لکھتا ہوں، انہی کے فیضان میں لکھتا ہوں اور میں تو محض بہانہ ہوں۔ شعر گوئی اُن کے طرز کے بغیر نہ صرف بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ اب چونکہ آنحضرت نے اجازت دے دی ہے، میں بڑی تیزی کے ساتھہ شعر لکھہ سکتا ہوں اور میری طبیعت سے اعلیٰ شعر ڈھلنے لگے ہیں:—

بجاں گفتم شدم مشتاق رایش — سرم بادا فدائے خاک پایش

سخن ز آنجاست اے مرد یگانه — بهانه داں مرا اندر میانه

سخن بے طرز او بے ساز آید — اگر گوئی بکارے باز نآید

اجازت چونکه شد ز آنحضرت پاک — همی گویم سخن گستاخ و چالاک

چو ز آنحضرت اجازت شد چه باکم — نکو آید سخن از طبع پاکم

(کلیات صفحه ۱۲۰۱، طبع نولکشور)

اس دیباچہ کے بعد غزلیات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کی تمام غزلیں

ڈیوان عطار سے لی گئی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ مقدس سرقہ اب تک طشت از بام نہیں ہوا ۔

(۶) وصلت نامہ

اس کے کئی نسخے نویں قرن کے لکھے ہوئے آج بھی موجود ہیں، معلومہ نسخوں میں سب سے قدیم وہ ہے، جو انڈیا آفس* کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی تاریخ کتابت سنہ ۸۱۲ ہجری ہے۔ فہرست نگار عطار کا تسلیم کرسکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ایک مقام پر شیخ عطار† کا بیان کیا ہے، دوسرے موقعے پر شیخ بہلول‡ کا لکھاہے۔ نولکشور نے مثنوی حضرت شیخ بہلول کے نام سے اس کو چھاپ بھی دیا ہے - اور سنہ ۱۲۹۷ ہجری میں بار دوم طبع کیا ہے - ابتدائی شعر ہے:-

ابتدا اول بنام کردگار　　خالق هفت و شش و پنج و چهار

شیخ لقمان سرخسی اس کتاب کی مرکزی شخصیت ہیں، جن کو بایزید، جنید اور منصور سے مقدم مانا گیا ہے۔ گویا ایک طرف وہ بایزید اور امام جعفر صادق متوفی سنہ ۱۴۹ ہجری کے، اور دوسری طرف شیخ ابو سعید ابوالخیر متوفی سنہ ۴۴۰ ہجری کے ہم عصر مانے گئے ہیں اور اُن کی عمر ۱۷۳ سال بتائی گئی ہے:-

شیخ لقمان آں زماں با بایزید　　بود باقی تا بدور بو سعید

عمر او صد بود و هفتاد و سه سال　　دائما درقرب بود و در وصال

(مثنوی بہلول صفحہ ۲۲ نولکشور)

اس کتاب کے خاص مضامین یہ ہیں :- حمد و نعت، تخلیق آدم، حکایت بلال، حکایت از روے رموز، حکایت سلطان محمود (سلطان ایک ویرانہ میں جاتا ہے وہاں ایک دیوانہ رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ لقمان سرخسی ہیں۔ جو حسین سے

---

* فہرست صفحہ ۶۱۸، نمبر ۱۰۳۴　　† فہرست کتب خانۂ اودھ صفحہ ۳۵۵،

‡ ایضاً صفحہ ۳۷۰ —

ملنے آے تھے، اُس نے اناالحق آشکارا کہا تھا۔ جب لقمان پہنچے، وہ مرچکا تھا اور فرشتے اُس کو غسل دے رہے تھے اور نماز جنازہ کے بعد ایک سبز صندوق میں رکھہ کر آسمان کی طرف لے گئے، وغیرہ وغیرہ)، حکایت بہلول در بغداد، حکایت آوردن بایزید پوستین امام جعفر صادق (امام جعفر شیخ بایزید کے هاتھہ اپنا پوستین لقمان سرخسی کے لیے بھیجتے ھیں) حکایت منصور (منصور نامہ والی حکایت ھے، اور آئندہ اوراق میں مذکور ھے) حکایت فتح سومنات (جب محمود نے ایک لاکھہ فوج کے ساتھہ سومنات پر حملہ کیا، مشرک قلعہ بند ھوکر لڑے اور سنگ باری سے سلطانی فوجوں کا بیحد نقصان کیا۔ محاصرہ چھہ ماہ تک قائم رھا، لیکن غنچۂ مقصود نہ کھلا۔ ایک دن سلطان نے جناب الہی میں دعا کی۔ اُسی حالت میں اُس پر بے خودی طاری ھوگئی، عالم رویا میں دیکھتا ھے کہ ایک نورانی صورت بزرگ تشریف لاے ھیں، ایک خشت اُن کے هاتھہ میں ھے۔ وہ خشت اُنھوں نے قلعہ کی دیوار پر کھینچ ماری جس سے دیوار توٹ گئی، اتنے میں شاھی لشکر میں ایک شور مچ گیا۔ سلطان کی آنکھہ اِس شور سے کھل گئی، ایاز خاص نے آکر دیوار توٹنے کی مبارک باد دی، اور کہنے لگا کہ غیب سے ایک خشت آکر ایسی لگی کہ دیوار توٹ گئی۔ سلطان نے فرمایا: وہ خشت میرے پاس لاؤ۔ جب لائی گئی تو دیکھا کہ اس پر حضرت لقمان سرخسی کا نام کندہ تھا۔ سلطان شکریے میں شیخ سے ملنے جاتا ھے۔ لقمان محمود سے پیشین گوئی کرتے ھیں کہ مجھہ سے تھائی سو برس بعد شیخ محمد پیدا ھوں گے)، حکایت شیخ محمد مذکور و مرید او ابو بکر، حکایت برنائے ظریف، حکایت بوذر و صحابی، منزل خوف و رجا، حکایت یحییٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام، منزل انس و ھیبت، حکایت بایزید و سائل، منزل انس و جلیس، حکایت درویش مسافر و ابو سعید، منزل جمال با جلال، حکایت لقمان و پیر بخارا، در مناجات و ختم کتاب۔

وصلت نامہ کے اُن بعض بیانات سے جن کو اوپر درج کر آیا ھوں،

واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی ، کیونکہ اس میں خوارق کی ایسی فضا پیدا کر دی گئی ہے ، جو عطار کی طبعیت کے بالکل نا موافق ہے ، اس کے اکثر بیانات افسانوی حیثیت رکھتے ہیں اور تذکرۃ الاولیاے عطار کے بیانات کے خلاف ہیں - مثلاً شیخ لقمان سرخسی کو جو وجاہت یہاں دی گئی ہے ، وہ تمام روایات کے خلاف ہے - شیخ عطار نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے حالات میں اُن کے متعلق اِس قدر لکھا ہے کہ " وہ عقلاے مجانین میں سے تھے - ایک روز پوستین کے پیوند لگا رہے تھے کہ شیخ ابوسعید (جو ابھی طالب علم تھے) آنکلے ، لقمان نے کچھ نجاست اُن پر پھینک دی ، اُنھوں نے خوشی سے اس کو برداشت کر لیا - اِس پر لقمان نے کہا : لڑکے! میں تجھے اِس پوستین کے ساتھ سی دوں؟ - ابوسعید نے جواب دیا : آپ کی خوشی - پھر کچھ ٹانکے بھر کر بولے : ابوسعید! میںنے تجھے سی دیا ہے - اب لقمان اُٹھے اور ابوسعید کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے - راستے میں پیر ابوالفضل حسن ملے ، کہنے لگے : اے ابوسعید تمھارا راستہ ادھر نہیں ہے - اِس پر لقمان ابوسعید کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیکر چلتے بنے" (تذکرۃ الاولیاے عطار ، صفحہ ۳۲۴ ، جلد دوم)

امام جعفر صادق کا بایزید کے ہاتھ شیخ لقمان کے لئے پوستین بھیجنا تاریخی لحاظ سے نا ممکن ہے - جعفر صادق اور شیخ لقمان کے زمانوں میں جو فرق ہے ، ظاہر ہے - نہ لقمان کی درازی عمر کے متعلق کوئی روایت موجود ہے - رہا فتح سومنات کا واقعہ ، اس کے متعلق شیخ عطار اپنے تذکرے میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ : فتح سومنات شیخ ابوالحسن خرقانی کے خرقے کی برکت سے حاصل ہوئی تھی ، جو شیخ نے بر وقت ملاقات سلطان کو دیا تھا ، اُن کے الفاظ ہیں : —

" پس سلطان برفت بغزا ، درآں وقت بسومنات شد ، بیم آں افتاد کہ شکستہ خواہد شد - نا گاہ از اسپ فرود آمد و بگوشۂ شد وروے بر خاک نہاد و آں پیراہن شیخ را بردست گرفت و گفت الٰہی بحق آبروے خداوندایں خرقہ کہ مارا

بریں کفار ظفردهی که هرچه از غنیمت بگیرم بدرویشاں دهم - ناگاه از جانب کفار غبارے و ظلمتے پدید آمد ' تاهمه تیغ دریکدیگرنهادند وسی کشتند و متفرق سی شدند تاکه لشکر اسلام ظفر یافت - و آں شب محمود بخواب دید که شیخ سی گفت آبروے خرقهٔ ما بردی بردرگاه حق ' اگر دراں ساعت درخواستی جملهٔ کفار را اسلام روزی کردے " —

(تذکرة الاولیاء صفحه ۲۰۹ - ۲۱۰ جلد دوم سرتبهٔ نکلسن)

اِس بیان کی تائید تاریخ فرشته و تاریخ بناکتی وغیره سے هوتی هے - اب شیخ عطار وصلت نامے میں (اگر وه اِس کے مصنف هیں) اسی واقعه کو غیر ذمه دارانه طریقے پر لقمان سرخسی کی طرف منسوب نهیں کرسکتے —

پیر بخارا کی حکایت بھی اِسی قسم کے خوارق سے لبریز هے - پیر یه معلوم کر کے که شیخ لقمان سرخسی نماز نهیں پڑھا کرتے ' اُن کی هدایت کے لئے بخارا سے روانه هوتے هیں ' مگر اِس شان کے ساتھه که مع اپنے مریدوں کے شیروں پر سوار هیں اور کوڑوں کی بجاے هاتھوں میں سانپ هیں - لقمان نے جب از روے کشف معلوم کیا که پیر بخارا اس تجمّل کے ساتھه اُن کی هدایت کے لئے آتے هیں تو یه بھی ایک دیوار پر بیٹھه کر اُن کے استقبال کو روانه هوے - میں کهتا هوں کیا یه خرافات عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی هے - یه افسانے ایسے عهد کی یادگار هیں جب که دنیا میں انقلاب مغول کے بعد اوهام پرستی اور خوش عقیدگی کی لهر دوڑ گئی هے ' پاک باز اور فرشته صفات صوفیوں کی جگه اوباش اور عیّار لے لیتے هیں اور بزرگوں کی کرامات و خوارق کی تشهیر سے اپنی دکان فروشی کرتے هیں - لقمان سرخسی کی شعبده بازیوں کی نمایش سے جو هم ,, وصلت نامه " میں پڑھتے هیں ' عطار کو کوئی فائده نهیں پهنچ سکتا تھا - یه قصے صرف لقمان کی قبر کے مجاور کو فائده پهنچا سکتے هیں —

وصلت نامه کے مختلف اشعار سے ثابت هوتا هے که اس کے مصنف شیخ بهلول هیں ' چنانچه :

نام او کردم بوصلت نامه من — ز آنکه وصلت دیده ام از خویشتن
هر که میخواهد که او واصل شود — درد بهلولش همه حاصل شود

(مثنوی حضرت شیخ بهلول صفحه ۴ ، طبع نولکشور سنہ ۱۲۹۷ ھ)

گفتۂ بهلول از جاناں بود — هرچه گوید آیت و برهاں بود
گفتۂ بهلول را توحید داں — دائمش در ترک و در تجرید داں

(ایضاً صفحه ۲۹)

هست بهلول از قدم تاسر گناه — رحمتت کردہ است پیشیں رهلها (کذا)
محو گرداں اے خدا بهلول را — وارهاں از خویشتن ایں گول را

(ایضاً صفحه ۳۰)

بلکه شیخ بهلول نے ایک مقام پر شیخ عطار کی منطق الطیر سے ایک شعر بھی نقل کردیا ہے اور حوالہ بھی دے دیا ہے، کہتے ہیں: —

آنچنانکه گفت عطار امیں — در کتابِ منطق الطیر از یقیں
سایه در خورشید گم گردد مدام — خود همه خورشید گردد والسلام

(ایضاً صفحه ۲۹)

یہ حوالہ پروفیسر آذر کے کلیات (نوشتۂ سنہ ۸۵۷ ھ) میں موجود ہے۔ صرف اِس قدر فرق ہے کہ شعر عطار میں 'گردد' کی بجائے 'بینی' ہے۔ کلیات عطار، طبع نول‌کشور (صفحه ۱۰۷۷ منطق الطیر) میں بھی ملتا ہے۔ لہذا میں اِس شہادت، نیز انداز کلام و بیان کی بنا پر (جو عطار سے بالکل مختلف ہے) وصلت نامہ کو شیخ بهلول کی تصنیف مانتا ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ وصلت نامے کے بعض جدید نسخوں میں ایک دو شعر ایسے بھی ملے ہیں، جن میں عطار کا تخلص موجود ہے، مثلاً پروفیسر آذر کے وصلت نامہ مشمولۂ کلیات (سنہ ۸۵۷ ھ) اور مثنوی شیخ بهلول (نولکشور) میں ایک شعر ہے: —

درد آمد رہبر راہ عیاں عاشق بیدرد کے باشد رواں

(صفحہ ۲۶)

گیارھویں صدی کے ایک قلمی نسخے میں اِس کو یوں بدل دیا ہے :—

درد آمد بردر راہ عیاں عاشقست عطار بیشک درجہاں

لیکن یہ ایک بے باکانہ تقلیب ہے اور ہمیں عطار کے تخلص کی موجودگی سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے - عطار کے نام پر وصلت نامے کے انتساب کی غلطی نویں صدی ہجری سے پیشتر واقع ہوی ہے - اُس وقت سے اب تک یہ مثنوی شیخ ہی کی مانی جاتی ہے اور یہ بات کاتبوں کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہی ہے' اس لئے تعجب نہیں اگر کسی دل چلے کاتب نے اس پر عطار کے نام کی مُہر لگانی چاہی ہو - خوش قسمتی سے پروفیسر آذر کا وصلت نامہ ایسی تقلیب سے پاک ہے اگرچہ "گفتۂ بہلول از جاناں بود 'الخ' اور اس کے ہم ردیف شعر میں غلطی سے بہلول کی بجاے عطار لکھاگیا ہے' لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سہو ہے —

رہے شیخ بہلول * مجھکو افسوس ہے کہ میں سر دست اُن کا سراغ نہیں لگا سکتا

---

* میں یہ مضمون (تصنیفات عطار) ختم کرچکا تھا کہ پروفیسر آذر نے ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست " مجموعۂ کرزن " مرتبۂ ڈبلیو آئیو ناف جو اسی سال چھپی ہے' نہایت مہر بانی کرکے میرے پاس بھیجدی - فہرست مذکور میں (صفحہ ۱۶۴) ایک وصلت نامہ نمبر ۲۰۶ ' نوشتۂ سنہ ۱۰۶۶ ہجری کا مذکور آتا ہے' اُس کے خاتمے پر مصنف کا نام شیخ الشیوخ شیخ بہلول مرقوم ہے —

فہرست نگار کا بیان ہے کہ (۱) خاتمہ کے علاوہ متن میں کئی موقعوں پر بہلول تخلص ملتا ہے (۲) ایسے اشعار کی جگہ جن میں عطار کا تخلص آتا ہے ' خالی چھوڑدی گئی ہے (۳) وصلت نامہ کے اڑتالیسویں شعر :—

عاشقا ایں دم در آور سرجاں' تابیابی سر عشق لا مکاں '

کو افتتا حیہ شعر بنادیا گیا ہے (۴) دیباچے کے آخری شعر :—

گفت وصلت نامہ را عطار پیر ختم گرداں یا الہی دستگیر'

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

وہ کوئی غیر معروف شخص معلوم ہوتے ہیں - (ریو) نے ایک دیوان اور وصایا نامہ اُن کی طرف منسوب کرتے ہوئے فہرست برٹش میوزیم میں لکھا ہے کہ: اُن کا انتقال

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۲۰)

دو بالکل اُڑادیا ہے اور (۵) اس کے مقابل شعر کے مصرع:-

درد پہلو یش ہمہ حاصل شود '

کو تقلیب کر کے مصرع:

درد بہلولش مگر حاصل شود

میں تبدیل کردیا گیا ہے (۶) مختصر یہ ہے کہ شیخ بہلول نہایت چالاک سارق ہے' لیکن اُس کی دلاوری اِن اشعار میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے :-

آں چناں نم گفت عطار امیں | در کتاب منطق از نور یقیں
سایہ در خورشید گم گردد مدام | خود ہمہ خورشید گردد والسلام
قطرہ اندر بحر دریا اوفتد | در در خورشید والا اوفتد

یہ مصرع اصل میں یوں ہے :- "ذرہ بر خورشید والا اوفتد"

(محمود شیرانی)

گفتۂ عطار خود از مغز بود | لیک اندر صد لباس لغز بود
گفتۂ بہلول از جاناں بود | ہرچہ گوید آیت برہاں بود
گفتۂ بہلول را توحید داں | دائما در ترک و در تجرید داں

(۷) مثنوی ھذا بالخصوص حلّاج کے افسانے سے تعلق رکھتی ہے —

میں ان بیانات کے پڑھنے کے بعد بھی (جن کے ذکر کرنے میں تقدیم و تاخیر کا گنہگار ہوں) اپنے قدیمی نظریہ پر قایم ہوں اور اب بھی مصرہوں کہ مثنوی ھذا عطار کے شایان شان نہیں' نہ وہ اُن کے انداز میں مرقوم ہوئی ہے - اُس کی اکثر حکایات افسانوی نوعیت کی ہیں' جن کا عطار کے قلم سے نکلنا دشوار ہے - نمبر (۴) میں جو شعر درج ہے الحاقی ہے' نہ کلیات آذر میں موجود ہے' نہ نولکشور کی مثنوی میں - اُس کی زبان کی خامی میرے بیان کے بغیر ظاہر ہے - نمبر (۵) میں مصرع کو " درد پہلو یش ہمہ حاصل شود " پڑھنا شعر کو مہمل بنادینا ہے (۶) شیخ بہلول کے خلاف سرقہ کا الزام بے حقیقت ہے' بلکہ میں یہ کہونگا کہ ایسی خام اور سقیم نظم کا عطار کی طرف منسوب ہونا سخت ظلم ہے - (۷) کتاب میں منصور کی صرف ایک حکایت ہے' زیادہ حکایات شیخ لقمان کی ہیں - پوری فہرست مضامین گزشتہ سطور میں آچکی ہے —

سنہ ۹۷۰ ھجری سے پیشتر ہوا ہے۔ (ریو) کے ذہن میں غالباً شیخ بہلول دریائی ہیں، جو شاہ حسین خاں مشہور بہ لال حسین کے پیر تھے۔ شیخ محمود المعروف بہ محمد پیر نے اپنی مثنوی ''حقیقت الفقرا'' میں جو شاہ حسین کے حالات و کرامات میں ہے لکھا ہے کہ: شیخ بہلول شاعر بھی تھے اور مثنوی "آداب فقر" اُن کی یاد گار ہے —

نظم آداب فقر زوست میاں — همچو آیات مصحف از عثماں

لیکن اُن کا انتقال سنہ ۹۸۳ ھ میں ہوتا ہے:—

چوں شداو واصل خدائے احد — بود هشتاد و سہ د گر نہصد

اسی صدی میں ایک اور بہلول ملتے ہیں، جن کا پورا نام فریدالدین احمد جہانگیر نہیں ہے اور بقول "گلزار ابرار" سنہ ۹۴۷ ھ میں وفات پاتے ہیں - لیکن یہ تلاش بے سود ہے، کیونکہ ہمیں جس بہلول کی ضرورت ہے، وہ کم از کم آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں —

(۷) منصور نامہ (یا) حلاج نامہ

انڈیا آفس، بوڈلین اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہے اور فہرست نگار شیخ کی تسلیم کرتے ہیں، فاتحہ کا شعر ہے :—

بود منصور اے عجب شوریدہ حال — در رہ تحقیق اورا صد کمال

اکثر نے " منصورا ے''کو الف کے اسقاط کے ساتھ لکھا ہے - یہ مثنوی علاحدہ چھپ بھی گئی ہے اور قلمی بھی ملتی ہے۔ اس میں منصور کے خلاف فتویٰ لگنے اور دار پر چڑھائے جانے کے حالات درج ہیں، جو ہیلاج نامہ سے ملتے جلتے ہیں —

لکھا ہے کہ وہ پچاس سال تک اسرار پوش رہا، پھر اُس نے " اناالحق " کا نعرہ لگا کر اپنا راز فاش کردیا، اہل تقلید نے فتویٰ مانگا، تین سو ستّر عالموں نے کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ بغداد میں ایک سنسنی پھیل گئی - جب خلیفہ کو اس امر کی طلاع ہوئی، اگرچہ منصور کا دوست تھا، کیوں کہ اُس کی کئی تصنیفات پڑھ چکا تھا،

لیکن عوام اور جہلا کے خوف سے اُس نے منصور کے قید کئے جانے کا حکم دے دیا۔ جب منصور قید خانے میں لایا گیا، جیل میں اُس وقت چار سو قیدی تھے۔ منصور نے آتے ہی اُن سے کہا کہ: تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ۔ قیدی بولے: ہم لوگ بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے ہوے، ہاں کیسے جاسکتے ہیں؟۔ منصور نے اُن کے قریب آکر اپنا ہاتھ ہلایا، قیدیوں کی بیڑیاں کٹ کر گر گئیں۔ اُس وقت قیدیوں نے عرض کی: قید خانے کے دروازے بند ہیں ہم باہر نہیں نکل سکتے۔ منصور نے ایک اشارہ کیا اور دیوار میں چار سو رخنے نمودار ہوگئے، قیدی اِن منفذوں سے باہر نکل گئے۔قیدخانے کے مہتمم نے جب یہ کیفیت دیکھی، آکر اس کے قدموں میں گر پڑا۔ منصور نے اس کو بھی چلے جانے کا حکم دیا۔ داروغۂ جیل کے جانے کے بعد منصور مناجات الٰہی میں مشغول ہوگیا —

شبلی جنید کے پاس گئے اور منصور کے قید ہونے کی اطلاع دی۔ جنید اپنے شاگردوں کو لیکر قید خانے پہنچے، وہاں جاکر دیکھا کہ مخلوق کثرت سے جمع ہو رہی ہے۔ اجازت لیکر اندر گئے اور منصور کو ملامت کرنے لگے کہ: تم نے یہ کیا دیوانگی اختیار کی ہے، جو بات تم کہتے ہو وہ ہمارے پیشوا رسول‌اللہ نے بھی نہیں کہی، اناالحق کہنا کفر محض ہے۔ منصور نے جواب دیا: تم اِن اسرار سے بےخبر ہو، رسول‌اللہ نے "من رآنی" فرمایا، "لی مع‌اللہ" کہا۔ خود خدائے پاک نے "نحن‌اقرب" فرمایا، تم مبتلائے تقلید ہو، واصلین کے مرتبے کیا جانو۔ اِس پر ملاقات ختم ہوئی اور جنید باہر آگئے۔ لوگوں نے اُن سے فتویٰ طلب کیا، اُنھوں نے کہا: میں ظاہر پر حکم دیتا ہوں، باطن سے واقف نہیں۔ بعد از اں شبلی منصور کے پاس گئے، کہنے لگے: اے شیخ تو نے اپنا راز کیوں فاش کردیا، اگر سر کی خیر چاہتے ہو تو سر کا ترک کہو۔جواب میں منصور نے کہا: میں منصور نہیں ہوں، بلکہ :—

من خدایم من خدایم من‌خدا فارغم از کبرو کین و از ہوا

اول و آخر ظاہر، و باطن میں ہوں۔ میں سرتوحید کو آشکارا کرنے آیا ہوں،

تاکہ بقاے حق میں باقی رہوں' مصطفیٰ میرے پیشوا ہیں اور راہِ یقین کے رہنما ہیں - لیکن تم اِن غو غائیوں سے میرے لئے ایک روز کی مہلت مانگ لو' کیونکہ میرا ایک مخلص دوست جس کا نام شیخ کبیر (عبداللہ خفیف) ہے' کل تک یہاں پہنچنے والا ہے اور مجکو اُس سے ایک ضروری راز کہنا ہے' اُس کے بعد میں دار کے لئے طیار ہوں۔ دوسرے دن شیخ کبیر آئے اور سید ھے منصور کے پاس گئے۔ ملامت کے لہجے میں کہنے لگے: "اے۔ توحید پرست! تونے سرحق کو کیوں فاش کیا' تو پچاس سال صاحب اسرار رہا' اب کیا ہوگیا کہ اِس قدر بیخود ہوگیا" - منصور نے کہا: "تم کو معلوم ہے کہ بحر معنی بے نہایت ہے اور اناالحق تو اُس کی ایک ادنیٰ سی موج ہے۔ تم سے اگر لوگ فتویٰ مانگیں تو دیدینا" شیخ کبیر نے جواب دیا: "میں فتویٰ نہیں دے سکتا":—

شیخ گفتا آں چہ گفتی نے رواست   من ہمیدانم کہ ذات تو خداست

چوں دہم فتویٰ زجہل و از گماں   من عیاں دیدم خدا را ایں زماں

منصور نے کہا: خیر میرے کہنے سے دے دینا۔ شیخ کبیر اُس کے بعد چلے آئے - عوام نے فتویٰ طلب کیا' شیخ نے کہا: منصور نے کہلا بھیجا ہے کہ میں واجب القتل ہوں' مگر میری راے ہے کہ وہ اہل ظاہر کے نزدیک واجب القتل ہے' مگر باطن کے حال سے میں واقف نہیں - اِس کے بعد سب لوگ جمع ہوگئے - منصور آیا اور سولی پر چڑہ گیا' اناالحق کے نعرے لگانے لگا - حالت یہ ہوئی کہ سنگ و خشت' دار اور رشتہ تک سے اناالحق کی آوازیں آنے لگیں - ایک ظالم نے آکر اُس کا ہاتھہ کاٹ ڈالا - منصور نے اپنا لہو بھرا ہاتھہ چہرے پر مل لیا - شبلی نے دریافت کیا کہ تمنے ہاتھہ منہ پر کیوں ملا؟' اُس نے جواب دیا: میں نماز عشق ادا کرنا چاہتا ہوں اور یہ اُس کا وضو ہے۔ شبلی نے پھر سوال کیا کہ: تصوف کا کوئی رمز بیان کرو - اس نے کہا: اپنے آپ کو سب سے کمتر دیکھنا - ایک مرتبہ اور پوچھا کہ طریق عشق کا پتہ دو - منصور کا جواب تھا:—

گفت عشق ایں جا بود گردن زدن　　بعد ازانش آتش اندر سوختن

ان الفاظ کے ختم ہونے پر اس کا سر کاٹ دیا گیا - جب سر کٹکر گرا، اُس سے اناالحق کی آواز برابر آرہی تھی - تب منصور کے جسم کو جلا دیا اور ہوا اُس کی خاک اڑا کر پانی میں لیگئی—

منصور نامے میں یہ قصہ ہے، جو مختصراً یہاں بیان ہوا- اِس مثنوی کے ہیلاج نامہ سے، جہاں یہی قصہ ایک نہایت دراز طریقے پر بیان ہوا ہے، قدیمی تعلقات معلوم ہوتے ہیں—

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ منصور نامہ درحقیقت کوئی علحدہ مثنوی نہیں ہے، بلکہ وصلت نامہ کی ایک حکایت ہے، جو مطبوعہ وصلت نامہ میں صفحہ ۱۴ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰ پر ختم ہو جاتی ہے - نول کشور نے سنہ ۱۲۹۷ ھ میں وصلت نامہ کو بار دوم چھاپا ہے، لیکن اُس کا نام مثنوی حضرت شیخ بہلول رکھا ہے - پروفیسر آذر کے وصلت نامہ مشمولہ کلیات میں بھی یہ حکایت موجود ہے—

منصور نامے کے متعلق ایک حیرت خیزامر یہ ہے کہ وہ اشتر نامۂ شامل کلیات پروفیسر آذر میں بھی موجود ہے، جہاں خاتمہ پر " در رفع شدن ہستی منصور و پیدا شدن حق و ختم کتاب۔ " کی سرخی کے تحت میں پوری حکایت درج ہے - آخر سے تقریباً ایک صفحہ جو اصل قصے سے علاقہ نہیں رکھتا یا تو کاتب اتفاقیہ ترک کر گیا ہے، یا مختصر کرنے کی غرض سے نکال دیا گیا ہے - یہاں یہ سوال ہوتاہے کہ آیا منصورنامہ اصل میں وصلت‌نامہ کاایک حصہ ہے، یا اشترنامہ کا۔ اِس کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ فی الواقع وصلت نامہ کا ایک جزو ہے اور اشتر نامہ میں اُس کا ایراد غیر موزوں واقع ہوا ہے کیونکہ عین منصور نامے کے قبل قریب قریب منصور کی یہی حکایت ایک وسیع پیمانہ پر شروع کی جاتی ہے، جس میں منصور قیدیوں کو رہا کر کے اور داروغۂ قید خانہ کو روانہ کر کے قید خانے میں تنہا مناجات میں مصروف ہو جاتا ہے - مناجات کے اختتام کے بعد

باقی حکایت کو ختم کئے بغیر منصرر نامہ شروع ہو جاتا ہے، اور منصور نامے کے ختم پر اشتر نامہ بھی ختم ہو جاتا ہے-بہر حال منصور نامہ کو علحدہ تصنیف، ماننے میں ہم حق بجانب نہیں، اگرچہ وصلت نامے کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے شیخ بہلول کی تصنیف ہے—

(۸) بے سر نامہ

امین احمدرازی کی فہرست میں شامل ہے-تمام فہرست نگار عطار کا مانتے ہیں اور چھپ بھی چکا ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے:—

من بغیر تو نہ بینم درجہاں قادرا پروردگارا جاوداں

یہ ایک ترجیع بند ہے اور ہر بند کے ترجیعی ابیات یہ ہیں: —

من خدایم من خدایم من خدا فارغم از کبروکنیہ وز ہوا

سّر بے سر نامہ را پیدا کنم عاشقاں را درجہاں شیدا کنم

بے سر نامہ میرے خیال میں کسی علحدہ وجود رکھنے کا مستحق نہیں ہے، اُس کی تعمیر کا اکثر مواد منصور نامے سے لیا گیا ہے، فرق یہ ہے کہ منصور نامہ کا موضوع منصور ہے۔ لیکن بے سر نامہ میں یہ منصب شیخ عطار کو دیدیا جاتا ہے جو کبھی صیغۂ متکلم اور کبھی صیغۂ غائب میں دکھاے گئے ہیں- بے سر نامے میں اصل قصے کی ترتیب، واقعات کی کوئی پروا نہیں کی گئی ہے اور نہ نفس قصہ سے سروکار رکھا گیا، اصل مقصد اتنا ہے کہ منصور کا درجہ عطار کو دیا جاے اور حدیث دار ورسن کی تجدید کی جاے - اس کتاب کو شیخ عطار کی طرف منسوب کرنا انسانی فہم و شعور پر بیداد توڑنا ہے، اس کے اثبات کیلئے ہمکو کسی کد و کاوش اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہے- اسقدر جاننا کافی ہے کہ بے سر نامہ منصور نامے کی ایک مسخ شدہ شکل ہے - فارسی ادبیات میں ایسے دلیرانہ سرقے کی مثال مشکل سے ملیگی - میں بخوف طوالت بے سر نامہ کے سارے گورکھہ دھندے کو سلجھانا نہیں چاہتا، صرف بعض امثال پر قناعت کرتا ہوں:-

بیسر نامه	منصور نامه (از ابتدائے حکایات)
(۱) بود عطارے عجب شوریدہ حال	(۱) بود منصورے عجب شوریدہ حال
در رہِ تحقیق اوراصد کمال	در رہ تحقیق اورا صد کمال
(۲) حال او حال عجب بود اے پسر	(۲) حال اوحال عجب بود اے پسر
نے چو حال ایں کسان بے خبر	نے چو حال ایں خسیسان بےخبر
(۳) در رموز سرحق بے پردہ بود	(۳) او رموز سرحق بے پردہ بود
نے کہ ہمچوں ماؤ تو در پردہ بود	نے کہ چوں ما راہ را گم کردہ بود
(۴) او یقین خویش حاصل کردہ بود	(۵) او یقین خویش حاصل کردہ بود
در یقین خویش واصل گشتہ بود	در یقین خویش و اصل گشتہ بود
(۵) در علوم دیں وتوفے داشت او	(۸) در علوم دیں و توفے داشت او
ہیچ علمے را فرونگذاشت او	ہیچ علمے را فرونگزاشت او
(۶) عالماں ازعلم او در ماندہ اند	(۹) عالماں از علم او در ماندہ اند
عارفاں از عرف او وا ماندہ اند	عارفاں از عرف او وا ماندہ اند
(۷) عاشقاں از عشق او حیراں شدند	(۱۰) عاشقاں از عشق او گریاں شدند
ہردم از نوع دگر بریاں شدند	ہر دم از نوع دگر بریاں شدند
(۸) بعد پنجہ سال او اسرار یافت	(۱۴) بود پنجہ سال او اسرار پوش
از فریدالدیں لقب عطار یافت	ناگہاں از وے بر آمد صد خروش
(بند ششم بیسر نامۂ قلمی)	(مثنوی * حضرت شیخ بہلول صفحہ ۱۴ طبع نولکشور سنہ۱۲۹۷ھ)
(۷) مردماں گفتند ایں چہ کردۂ	(۱۳) شبلیش گفت ایں زماں چہ دیدۂ
روے خود در خوں چرا آلودۂ	دست در ساعد چرا مالیدۂ

---

* میرے پاس منصور نامہ علحدہ بھی ہے، مگر قلمی ہے اس لئے اس کے اشعار مثنوی شیخ بہلول مطبوعہ سے نقل کر رہا ہوں —

بےسر نامہ	منصور نامہ
(۸) گفتم ایندم میگزارم من نماز	(۱۵) گفت ایندم میگزارم من نماز
پس بخوں سازم وضوے پاکباز	پس وضو سازم بخوں اے پاک باز
(۹) ایں نماز عشق را آنجا وضو	(۱۶) کیں نماز عشق را ایں جا وضو
راست ناید جز بخونِ خوبرو	راست ناید جز بخوں اے خوبرو
(۱۰) بعدازاں گفتند سرا اے مرد کار	(۱۷) بعداز آں شبلی بگفت اے مرد کار
از تصوف ایں زماں رمزے بیار	از تصوف ایں زماں رمزے بیار
(۱۱) گفت(کذا) کمترزیں کہ می بینی بہ بیں	(۱۸) گفت کمترزیں کہ می بینی بہ بیں
تا ترا در راہ حق باشد یقیں	تا ترا در راہ حق باشد یقیں
(۱۲) بار دیگر گفتم اے صاحب نظر	(۱۹) باردیگر گفت کاے صاحب نظر
از طریق عشق دہ مارا خبر	ازطریق عشق دہ مارا خبر
(۱۳) گفت ایں جا بس بود گردن زدن	(۲۰) گفت عشق ایں جا بود گردن زدن
بعد ازاں برسوختہ آتش زدن	بعد از انش آتش اندر سوختن
(۱۴) انیکہ گفتم ایں چنیں شد حال من	(۲۲) ایں بگفت و ایں چنیں شد حال او
منتشر شد در جہاں احوال من	منتشر شد در جہاں احوال او
(بند دہم)	(صفحہ ۱۸ - بیت ۱۴ - ۲۲
(۲) پیشواے ماست ہمچوں مصطفیٰ است	(۵) پیشواے ماہمہ چوں مصطفیٰ است
لاجرم تو آنچہ گوئی کے رواست	لاجرم آنچہ تو گفتی نیست راست
(۳) بعد از آں عطار گفت اے کورو کر	(۸) بعد ازاں منصور گفتش شو بدر
وز رموز سر عشق اے بے خبر	از رموز سرّ معنیٰ بے خبر
(۴) توبہ بندے صورتے در ماندۂ	(۹) تو برہنہ صورت واماندۂ
کے تو حرف حق احمد خواندۂ	کے تو ہرگز حرف احمد خواندۂ

بے سر نامه

(۵) "لی مع الله" گفت احمد دربیاں
تو کجا دانی که هستی بے نشاں

(۶) راز من گفتست احمد ازصفا (کذا)
تو کجا دانی که هستی بیوفا

(۷) تو بصورت همچو کافر ماندهٔ
واصل حق را تو کافر خواندهٔ

(۸) خرقهٔ ناموس را پوشیدهٔ
وانگهی سالوس را کوشیدهٔ

(۹) بت پرستی میکنی در زیر دلق
می نمائی خویش را صوفی بخلق

(۱۰) تو سلوک راه را گم کردهٔ
لاجرم در صد هزاراں پردهٔ

(۱۱) وانگاهی کردهٔ این خرقه را
می فریبی هر زماں این فرقه را

(۱۲) در خودیء خود گرفتار آمدی
لاجرم در عین پندار آمدی

(۱۳) راه تجرید و فنا راه تو نیست
تو سخن کم گوے کآں راه تو نیست

(۱۴) رو که در تجرید ماندی مبتلا
سرّ توحید از کجا تو از کجا

(۱۵) رو که راه بے نشاں راه تو نیست
عقل تو از راه معنی در شکیست

(بند هشتم- بے سر نامه قلمی)

منصور نامه

(۱۰) "من رآنی" گفت احمد درمیاں
توکجا دانی که هستی بے نشاں

(۱۱) "لی مع الله" گفت احمد ازصفا
تو کجا دانی که هستی بیوفا

(۱۳) تو ز صورت همچو کافر ماندهٔ
واصل حق را تو کافر خواندهٔ

(۱۴) خرقهٔ ناموس را پوشیدهٔ
وآنگهی سالوس را کوشیدهٔ

(۱۵) بت پرستی میکنی در زیر دلق
می نمائی خویش را صوفی بخلق

(۱۶) تو شکوک راه خود را کردهٔ
لاجرم در صد هزاراں پردهٔ

(۱۷) وانگاهی کردهٔ این خرقه را
می فریبی هر زماں این فرقه را

(۱۸) در خودی خود بدگرفتار آمدی
لاجرم در عین پندار آمدی

(۱۹) راه تجرید وفنا راه تو نیست
تو سخن کم گوے کآں راه تو نیست

(۲۰) رو که در تقلید ماندی مبتلا
سر توحید از کجا و تو کجا

(۲۱) رو که راه بے نشاں راه تو نیست
عقل تو از راه معنی در شکیست

(مثنوی شیخ بهلول ص۱۶، بیت ۲۱۰۵)

بیسر نامے کے کل دس بند ہیں - نولکشور کے بیسر نامۂ (مشمولۂ کلیات) میں' بندوں میں بے ترتیبی ہے اور متن بھی بے حد غلط ہے ' اس لئے میں نے بیسر نامۂ قلمی مملوکۂ پروفیسر آذر سے کام لیا ہے --

(۹) خیاط نامہ

اس کی ابتدا ہے :--

بنام آنکہ ہستی زو نشاں یافت نفوس ناطقہ زو نور جاں یافت

اور کتاب کا نام اس بیت میں واقع ہوتا ہے :--

چو بر کاغذ نہادم نوک خامہ نوشتم نام ایں خیاط نامہ

اکثر فہرست نگار مثلاً اسپرنگر ' ایتھے ' عبدالمقتدر خاں اور آئیوناف' شیخ عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں' لیکن حاجی خلیفہ (کشف الظنون جلد اول صفحہ ۴۷۲ طبع مصر سنہ ۱۳۱۱ ھجری) اس کو خیاط کا شانی کی تصنیف بیان کرتا ہے- فہرست نگار خیاط کو بہ تخفیف تشدید 'یا' پڑھتے ہیں' لیکن بیت مذکورۂ بالا میں یا پر تشدید موجود ہے - مجکو اِس مثنوی کے مطالعے کا موقعہ نہیں ملا --

(۱۰) کنزالاسرار

اِسٹوَرٹ نے اِس کا نام " کلمت کنزآمخفی " لکھا ہے - ڈاکٹر ایتھے نے ' کنزالبحر' ایک اور نام بتایا ہے - اُس کے خاتمے میں یہ شعر آتا ہے :--

رساند نفع را بر خاص و عام ایں کہ در ششصد نود نہ شد تمام ایں

اگرچہ نسخوں میں "ششصد نود نہ " ملتا ہے' لیکن ڈاکٹر ایتھے نے اس کو سہو کاتب پر محمول کرکے اُس کا نسخہ 'پنجصد نود نہ' یا ' ششصد نواز دہ ' تجویز کیا ہے * جو قابل قبول نہیں - میرزا محمد کہتے ہیں: " و اتیہ در فہرست کتب فارسیہ دیوان ہند .... بیت کنزالاسرار را حمل بر غلط بودن نسخہ کردہ است و ایں

---

* فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس نمبر ۱۰۴۱ (۸)

سہواست .... و ایں .... کتاب از عطار نیست .... و " کنزالاسرار معلوم نیست از کیست *" آئیو ناف اس معاملے میں میرزا محمد سے بالکل متفق ھے۔ کنزالاسرار کا میرے پاس بھی ایک نسخہ ھے، جس سے معلوم ھوتا ھے کہ اِس کے مصنف کا تخلص تربتی ھے، اُس نسخے میں تاریخ تصنیف سنہ ۶۹۹ ھ کے بجاے سنہ ۷۹۹ھ دی گئی ھے، چنانچہ خاتمے کے چار بیت یہاں نقل کردئے جاتے ھیں :—

گناہ من فزوں از کف دریاست　　فزوں تر ھم ز اوراق شجرھاست

گناہ تربتی از حد بروں است　　کہ من از چہ می گویم فزونست

بیا مرز و بنقد آں بلدۂ حق　　دھد ایں نسخہ را با خالق رونق

رساند نفع ھم برخاص و عام ایں　　کہ در ھفصد نودنہ شد تمام ایں

بہلول کی حکایت کے آخر میں بھی شاعر اپنا تخلص لایا ھے :—

نصیحت ھاے مسکیں تربتی را　　بگوش خود بگیرد مرد دانا

بناداں ھرچہ میؔ گوئی دریغ است　　ازآں کہ آفتابش زیر میغ است

اس نسخہ کی ابتدا میں نثر کا ایک دیباچہ بھی ھے، جو اِس طرح شروع ھوتا ھے :—

" الحمد لله رب العالمین، والعاقبة للمتّقین، ولاعدوان الّا علی الظالمین۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من حفظ علی اُمّتی اربعین حدیثاً ممایحتاجون الیه کتب الله فقیهاً عالماً۔ وبر امید ایں وعدہ ھر کہ یاد دھد اُمت من (کذا) چہل حدیث را کہ ازاں چیز کہ محتاجند آدمیاں بآں چیزھا، نویسد خداے تعالی ویرا فقیه عالم"

پہلے صفحے میں اُسی طرح سے کئی حدیثیں نقل ھیں اور اُن کا فارسی ترجمہ بھی ساتھہ ساتھہ دیدیا ھے۔ لیکن بد قسمتی سے ساتھہ والا ورق موجود نہیں ھے، جس میں دیباچے کا بقیہ حصہ ھونا چاھئے۔ تاھم اِس قدر صاف سمجھہ میں آتا ھے

---

* مقدمۂ انتقادی تذکرۃالاولیاے عطار صفحہ یو۔

کہ مصنف نے اُس مثنوی میں چہل حدیث بیان کی ہیں اور احادیث کے مناسب حال حکایات بھی درج کردی ہیں۔ بہرحال "کنزالاسرار" شیخ عطار سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ــــ

۱۱- وصیت نامہ

دولت شاہ* نے شیخ کی تصنیفات کی فہرست میں اِس کو شامل کیا ہے۔ اِستیورٹ نے اپنی فہرست میں اُس کا نام 'اوسط نامہ' بتایا ہے†۔ پروفیسر‡ میترا نے 'مثنوی مصباح' لکھا ہے اور فہرست نگار عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔ اِس مثنوی کا پہلا شعر ہے :ــ

اے بناست کار ہارا افتتاح   نیست بے نام تو در امرے فلاح

لیکن اِسی مثنوی کے ایک شعر سے جو پروفیسر میترا نے فہرست کُتُب§ فارسیۂ ریاست کپور تھلا سنہ ۱۹۲۵ء میں نقل کیا ہے: معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے، وہ یہ ہے :ــ

چوں گذشت از ہجرت خیرالانام   ہشتصد و پنجاہ و دو این شد تمام

اِس لئے ہمیں ماننا چاہئے کہ اس کتاب سے عطار کو کوئی تعلق نہیں

(۱۴) مظہرالعجائب

دولت شاہ اس تصنیف سے واقف نہیں - امین احمد رازی، قاضی نوراللہ شوستری اور حاجی خلیفہ اِس کا ذکر کرتے ہیں - معلومہ نسخوں میں سب سے پُرانے برٹش میوزیم§ اور بانکی پور@ کے کُتب‌خانوں میں ہیں، اِن پر کوئی

---

*تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۱۹۰ مرتبۂ پروفیسر براون –

†منقول از فہرست کتب فارسیۂ انڈیا آفس–

‡ دیال سنگھ کالج لاہور میں عربی اور فارسی کے پروفیسر اورپنجاب یونیورسٹی میں لیکچرر ہیں–

§صفحہ ۱۰۴ و نمبر ۱۸۴ –

§ ایڈ نمبر ۶۶۲۱، صفحہ ۵۷۹، جلد دوم، فہرست کتب فارسیہ–

@ نمبر ۴۹، صفحہ ۶۵ (۲)، فہرست کتب فارسیہ –

تاریخ نہیں، لیکن فہرست نگاروں کی راے میں گیارھویں صدی کے نوشتہ ہیں، اِس سے گمان گزرتا ہے کہ "مظہرالعجائب" گذشتہ تصنیفات کے مقابلے میں سب سے کم عمر ہے - تمام فہرست نگار حسب معمول عطار کی تصنیف مانتے ہیں —

جب میں اِس کتاب کے تبصرے کے لئے آمادہ ہوا تو لاہور میں اُس کا ایک نسخہ تک موجود نہ تھا، مجبوراً میںنے اپنے حلاّل مشکلات پروفیسر سراج الدین آذر کی خدمت میں دستگیری کی التجا کی، اُنھوں نے کوشش کر کے تھوڑے ھی عرصے میں تین نسخے مہیّا کردئے، میں اُن کی اِس مہربانی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں- اِن میں سے ایک نسخہ یار علی نے کلکتہ * میں ۱۵ جمادی‌الاول سنہ ۳۳ عالمگیری موافق ۱۱۲۰ھ میں نقل کیا تھا - اس نسخہ کے ۶۶۲ صفحات اور فی صفحہ تیرہ، چودہ، پندرہ یا سولہ سطریں ہیں، اِس لئے اشعار کی تعداد تخمیناً نو یا دس ہزار کے درمیان ہوگی - ابتدا کا شعر ہے :-

آفرین، جاں آفرین جاں جاں زآں کہ ہست او آشکارا ہم نہاں

چونکہ کتاب چھپی نہیں ہے، اس لئے اِس کے بعض عنوان یہاں نقل کئے جاتے ہیں :—

در بیان کتاب خویش - روایت نجم‌الدین کبریٰ، در آمدن سید کائنات بحجرۂ علی علیہ السلام - گفتن نے نجم‌الدین کبریٰ را حال خود - سپردن پدر شیخ

---

* سنہ ۱۷۰۰ع مطابق سنہ ۱۱۱۲ھ کے قریب ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیہات سوتانتی، کالی کتا اور گوبند پور شہزادہ عظیم‌الشان صوبہ دار بنگال سے خرید کر کلکتہ کی بنیاد ڈالی - تعجب ہے کہ ایسے ابتدائی زمانے میں مسلمان کاتب کلکتے پہنچ جاتے ہیں- مگر تاریخ جلوس عالمگیری اور تاریخ ہجری آپس میں مطابق نہیں ہیں- سنہ ۳۳ جلوس عالمگیری سنہ ۱۶۹۰ع مطابق ۱۱۰۲ھ کے مطابق ہے، جب کہ کلکتہ کا دنیا میں وجود ھی نہیں تھا، سنہ ۱۱۲۰ھ میں اورنگ زیب زندہ نہیں تھا، کیوں کہ سنہ ۱۱۱۸ھ میں وفات پاچکا ہے - اگر کاغذ، خط اور سیاھی کی شہادت کا لحاظ کیا جاے تو نسخۂ ہذا کی تاریخ تیرھویں قرن ہجری کی ابتدا میں ماننی پڑیگی۔

رابعلم ' دیدن شیخ پیر سالک و رسیدن بسید ناصر ' آوردن جبرئیل سیبے بنزد سید کائنات ' درآتش رفتن بوذر غفاری با امیرالمؤمنین ' در واقعهٔ پیرسالک که پیش شیخ آمد - قصهٔ جنگ خندق - شکستن ایاز گوهر رابفرمان سلطان محمود ' قصهٔ سید با شیروغلام - دربیان اهل مناصب - قصهٔ شقیق بلخی و امام موسی کاظم و هارون الرشید - قصهٔ پادشاه احمد ' قصهٔ خواجه ابرار و امام ابوبکر - قصهٔ حکیم و پیر عراقی - پنددادن شیخ حسین فرزندرا - قصهٔ پادشاه عادل وامیران ظالم - قصهٔ عیّاران خراسان و بغداد - سوال کردن پیر سالک از عطار - سوال از شیخ شبلی - در واقعهٔ خواجهٔ نیشا پوری ورفتن شیخ —

اس کتاب § کی ایک خصوصیت یہ ھے کہ ذو بحرین ھے ' یعنی صفحہ ۳۴۷ تک بحر رمل مسدس میں اشعار ملتے ھیں اور شعر: —

گنهگارم زفعل بد گنهکار خداوندا توئی دانای اسرار

سے بحر ھزج میں طبع آزمائی کی جاتی ھے ' اور بیت:

باز نقلے هم ز شبلی گویمت سرے ازاسرار غیبی گویمت (ص ۵۸۵

سے دوبارہ رمل کی طرف مراجعت کی جاتی ھے اور خاتمے ٭ تک یہی وزن رھتا ھے —

چند کلمے جوھرالذات اور مظھرالعجائب کے تعلقات کی نسبت کھنے مناسب معلوم ھوتے ھیں ' اگر چہ دونوں کتابوں میں زبان اور مضمون کے لحاظ سے کوئی اتحاد نہیں ' تا ھم صاحب "مظھرالعجائب" مصر ھے کہ جوھرالذات میری تصنیف ھے '

---

§ علامہ محمد بن عبدالوھاب قزوینی نے مقدمۂ تذکرۂ "عطار" میں اور پروفیسر براون نے جلد دوم "تاریخ ادبیات ایران" میں شیخ عطار کے اکثر حالات اسی کتاب کے حوالے سے نقل کر کے اس کو ایک نا واجب امتیاز دے دیا ھے —

٭ ایک مقام پر چند صفحات کے لئے پھر بحر بدل دی گئی ھے - اس قسم کی اور مثالیں بھی ھوں تو کوئی تعجب نہیں —

اور قدم قدم پر اس کا اعلان کرتا ھے اور سینکڑوں موقعوں پر دونوں کتابوں کا نام ساتھہ ساتھہ لاتا ھے اور دعوی کرتا ھے کہ اگرچہ میںنے سوکتابیں لکھی ھیں ' لیکن "جوھر" اور "مظہر" اِن میں نہایت قیمتی اور چوٹی کی کتابیں ھیں : —

جوھر ذاتم جہاںرا جاں بود ز آنکہ او از معنئے قرآں بود
مظہرمن را لسان الغیب داں اوست اسرار دو عالم رازباں (ص ۶۲۰)
زمظہر گردی تو انسان کامل زجوھر ذاتمن گردی تو واصل (ص ۵۳۲)
مظہرم می خوان وجوھر گوشدار تا بیابی در معنی بیشمار (ص ۱۲۴)

اِن بیانات سے خیال پیدا ھوتا ھے کہ دونوں کتابیں ایک ھی مصنف سے علاقہ رکھتی ھیں ' لیکن اِن کی زبان ' انداز کلام اور تاریخی معلومات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ھوتا ھے کہ دونوں کتابوں کے مصنف دو مختلف شخص ھیں ' مثلاً : الفاظ " حقیقت " اور "جاگاہ " وغیرہ جو صاحب جوھر کے لئے عصاے پیری کا حکم رکھتے ھیں ' مظہر میں مطلق غیر حاضر ھیں۔ بعض باتیں ان میں مشترک ھیں ' مثلاً : مظہر میں "ابا " کا استعمال خال خال موقعوں پر نظر آتا ھے ' مگر جوھر کے مقابلے میں بہت کم ھے - اداے مضمون میں ' دونوں کتابوں میں ' بے ترتیبی اور طوالت کا ڈھنگ موجود ھے - دماغی قابلیت اور شاعری کے لحاظ سے دونوں مساوی ھیں ' صرف انیس بیس کا فرق ھے - ایک ھی لفظ یا فقرے کی تکرار سے اشعار کی ابتدا ھونا جو "جوھرالذات" کا خوفناک پہلو ھے "مظہر" میں اس سے بھی وسیع پیمانے پر نظر آتا ھے - ناصر خسرو کو دونوں کتابوں میں ایک قابل حرمت حیثیت حاصل ھے - "جوھر" میں حضرت علی کا ذکر نہایت احترام اور توقیر کے ساتھہ ملتا ھے ' لیکن وہ عقیدت اور خلوص غیر حاضر ھے ' جو مظہر میں نمودار ھے ' یہاں حضرت علی کو وھی رتبہ حاصل ھے ' جو "جوھر " میں منصور کو دیا گیا ھے ' تاھم صاحب مظہرالعجائب کہتا ھے : —

از براے روح احمد جوھرم وز براے روح حیدر مظہرم۔

اس سے میں خیال کرتا ہوں کہ مصنف مظہرالعجائب نے غالباً "جوہرالذات" کو دیکھا تک نہیں، کیونکہ یہ کتاب جس کا "ہیلاج نامہ" ایک سلسلہ ہے، درحقیقت منصور کے لئے لکھی گئی تھی - "جوہرالذات" میں روا داری کی روح موجود ہے اور تمام فرقوں حتیٰ کہ گبر و ترسا و یہود کو بھی مساوی مان لیا گیا ہے - مظہر میں مذہبی جوش غالب ہے اور مصنف سوائے اپنے عقیدے کے لوگوں کے سب پر تبرا بھیجتا ہے - جو ہر میں منصور کی طرح دار پر چڑھائے جانے کی آرزو بیحد زبردست ہے، لیکن صاحب مظہر کو عام انسانوں کی طرح اپنی جان عزیز ہے —

یہاں مظہر کی بعض خصوصیات لسانی بیان کی جاتی ہیں :

ابا، بمعنی با :-

آں امامے کو بحق اسرار گفت ۔۔۔ هم ابا منصور هم بادار گفت (ص ۴)

رو تواین بیعت ابا مظہر بہ بند ۔۔۔ تاشوی درملک معنی سر بلند (دیگر)

زانکہ حیدر در درون یار گفت ۔۔۔ هم ابا منصور هم بادار گفت

باشش، بمعنی سکونت :-

اے برادر علم معنی دانش است ۔۔۔ زاں مرا در کوے معنی باشش است (دیگر)

هر کرا باشد سعادت رہنموں ۔۔۔ جاے باشش باشدش شاپور و توں

زائدہ، بجاے زائیدہ :-

خود نظامی بود از من زائدہ ۔۔۔ دادہ ام او را بمعنی فائدہ

قبولند = مضارع :-

اگر من راستی گویم ملولند ۔۔۔ طریق راستی را کے قبولند

رافض بجاے رافضی :-

اے منافق تو مرا رافض مخواں ۔۔۔ زآنکہ هستم من محب خانداں

هر کہ رافض خواندم ملعوں شود ۔۔۔ همچوسگ دایم سرش درخوں شود

روافض بجاے رافضی :-

زنا دانی روافض خوانیم تو   ز دین مصطفیٰ میرا نیم تو

خارج بجاے خارجی : -

ازیں مردم بسے دیدیم خارج   ازاں کردیم شاں از دوست خارج

تذکیرہ بجاے تذکرہ :-

کتابے را کہ تذکیرہ نامست   سر او را شربت کوثر بجامست (دیگر)

محبّان علی خواہی بدانی   بذکر اولیا تذکیرہ خوانی

بعض اسالیب ایسے موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی مولانا روم مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہے—

(مظہرالعجائب)   (مثنوی معنوی- طبع نولکشور سنہ۱۹۰۰ع)

استون بجاے ستون :—

چار یارند لیک در مذہب یکند   گرچہ تقلید ست استون جہاں

چار استون شریعت بیشکند   ہست رسواہر مقلد زامتحاں (ص۴۸۶)

خانۂ در شرع احمد ساختند   پر پئے غیر است سر از بہر من

چار استون اندرو پرداختند   خانۂ سمع و بصر استون تن (ص۴۰۸)

اشکست بجاے شکست :—

گفت ایں در را چرا اشکست تو   اے در ازا شکست خود برسر مزن

بعد ازیں خواہد شدن اشکست تو   کز شکستن روشنی خواہد شدن (ص۳۱۰)

اشکاف بجاے شکاف :—

مرا خود طاقت اشکاف نبود   پس کنیزک آمد ازا شکاف در

چنیں زجرے بہ او اطلاف نبود   دید خاتوں را بپردہ زیر خر (ص۴۲۴)

اِس کے علاوہ سلطان محمود کے حکم سے ایاز کے گوہر توڑنے کی حکایت دونوں مثنویوں میں عام ہے- مولانا روم کی غزل کا ایک مشہور شعر ہے :—

من ز قرآں بر گزیدم مغز را   پوست را پیش سگاں انداختم

مظہرالعجائب میں یوں آتا ہے :—

روز قرآں مغز گیرد پوست ساں　　پوست را انداز پیش کرگساں

شیخ عطار کی عادت کے برخلاف مصنف مظہرالعجائب اپنے متعلق بہت کچھ کہنے سننے کا عادی ہے، چنانچہ سب سے زیادہ حکایتیں اُس نے اپنے ہی متعلق لکھی ہیں۔ یہاں وہ جستہ جستہ حالات دیے جاتے ہیں، جو کتاب هذا کے دوران میں مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے ہیں—

اپنے نام کے لئے کہا ہے :—

هست نام من محمد با فرید　　گشته عطارے معانی بر مزید

من زباب علم عطار آمدم　　لا جرم گویاے اسرار آمدم

اور حسینی ہونے کا دعویٰ ہے :—

حسینی ام ازاں بامن بکیلی　　یزیدی، کشتنی در خون نشینی

جاے ولادت نیشاپور اور تونی الاصل ہیں :—

خود مرا مولد بہ نیشاپور بود　　لیک اصل من ز کرہ طور بود (دیگر)

اصل من از تون و نیشا پور جاے　　باشدم در مشهد سلطاں سراے (دیگر)

اصل من از تون و شاپور ر هری　　خاک طوس است جوهر من از علی

ایام طفلی میں جب تون میں قیام تھا، برابر آٹھ ماہ تک شدید بیماری میں مبتلا رہے، مرض روز بروز ترقی کرتا گیا، حتیٰ کہ والدین اُن کی زندگی سے مایوس ہوگئے، کفن آگیا اور قبر طیار ہوگئی۔ یہ بوجۂ اشتداد مرض بے ہوش تھے، اِس عالم میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ آے اور محبت کے لہجے میں اُن سے کہا: — میاں لڑکے ڈرو مت! ہم تمھیں اچھا کرنے آے ہیں۔ تم زندہ رہوگے اور تمھارا کلام بہت مقبول ہوگا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر اُن کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے:- صاحبزادے! تم ہمارا نام بھی جانتے ہو؟ سنو! میں علی ہوں، تم مجھ کو تو تون، طوس، کاشان، حلہ، نیشاپور، سبزوار، روم، نجف، آمل اور ساری میں تلاش کرنا۔

مریض نے اپنا سر حضور کے قدموں پر رکھ دیا - آنحضرت کے جانے کے بعد پسینہ آیا اور خداے پاک نے صحت عطا کردی - اس حکایت کا پہلا شعر ہے :-

من بدم در توں بوقت کودکی گشتہ بیمار و گذشتہ از خودی (ص ۶۱۴)

ایک حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ : جب والد نے مجھہ کو تعلیم کے لیے بٹھایا تو میرا اُستاد بھی میرا ادب کرتا تھا، وہ ایک فاضل شخص تھا، حکمت لقمان و تصوف میں کامل - جفر روحانی طریقے سے بے واسطہ امام جعفر سے سیکھی تھی - نجم‌الدین کبریٰ کئی مرتبہ اُس سے ملنے آے، لیکن وہ فخرالدین (رازی) سے ناخوش تھا - تین سو باستھہ عارف اُس کی خدمت گزاری میں مصروف رہتے تھے - ایک روز یہ اُستاد جس کا نام زبان پر لانا گستاخی سمجھتا ہوں کہنے لگا کہ: میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ دروازے سے کوئی شخص داخل ہوا، جب قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ رسول‌الله ہیں - میں دوڑ کر آپ کے قدموں میں گرگیا؛ اب میں نے جو دیکھا تو آپ کے ہمراہ حضرت علی بھی تھے - رسول‌الله نے فرمایا: جانتے ہو میرے ساتھہ کون ہیں؟ - میں نے عرض کی: اے ختم‌الانبیا! پہچانتا ہوں، یہ وہی ہیں جو میرے ایمان ہیں اور آپ کے بعد امام کل، تمام آفاق اِنہی کی ذات کے پرتو سے روشن ہے، تمام نبیوں کے امام اور پیشوا یہی ہیں؛ آدم یہی ہیں اور عیسیٰ ابن مریم اور منصور بھی یہی ہیں - تب رسول(ص) نے فرمایا : تم اولیاؤں کی سی باتیں کرتے ہو - اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: صبح کے وقت تمھارے پاس ایک امیر مع ایک بندے کے آے گا، اُس کو تم میرا جام اسرار پلادینا، کیونکہ وہ عطار ہوگا، اور عالم پر ہمارے اسرار کھولیگا —

او بود عطّار و عطر افشاں شود بوے معنیش ہمہ در جاں بود

تم کو چاہئیے کہ عرفانیات میں اُس کو درس دو، نہ زہدیات میں - ہم نے اُس کو علم سلطانی، انفاس حکیمی، جفر حیدری، تخت اولیا، تاج انبیا، سِرّ لو کشف، اور نور من عرف، عطا کیا ہے - مصنف کہتا ہے کہ: جب میں نے استاد سے یہ خواب سنا،

میرے جسم میں ایک بجلی سی دوڑ گئی، میں ولایت کے لیے بے تاب ہوگیا اور مختصر یہ کہ جب مرشد نے بدرجۂ غایت مجھ کو وارفتہ دیکھا، ارشاد کیا کہ: علوم صوری کو دل سے بھلا دو، میں حکم بجا لایا اور پورے ایک چلے شیخ کی خدمت میں رہا اور اپنے مقصد پر فائز ہوگیا۔ بعد میں اجازت لے کر رخصت ہوا اور عزلت نشین ہوگیا۔ اس حکایت کی ابتدا ہے:—

چوں پدر این بندہ را تعلیم کرد اوستادم ہم مرا تعظیم کرد

ایک موقعے پر کہتے ہیں کہ میں نے سات سو دس کتابیں پڑھی ہیں، تب کہیں جاکر علم الٰہی حاصل ہوا:—

ہفصد و دہ من کتب را خواندہ ام تا معانی خدا دانستہ ام (ص ۲۶۳)

دوسرے موقعے پر یہ تعداد ایک ہزار بتائی ہے:—

دو پانصد خود کتاب اولیا را دوبارہ خواندہ ام خرد اولیا را

ایام طفلی میں سترہ سال تک مشہد میں رہے اور مزار امام رضا پر راتوں کو اوراد و وظائف پڑھتے رہے، آخر روح امام نے اُن کا مقام نیشاپور تجویز کیا:—

بوقت کودکی من ہفتدہ سال بمشہد بودہ ام خرشرقت و خوشحال

بمال کودکی بر آستانش بہ شب ہا خواندہ ام ورد زبانش

مرا از روح او آمد مدد ہا دگر گفتا کہ شا پور است ترا جا

جس زمانے میں "مظہر" لکھی جا رہی تھی، اُس وقت ایک سلطان ابوالقاسم حکمراں تھا۔ اُمرا نے اُس کو ظلم کے راستے پر چلایا۔ اُن کے پیرنے اُمرا کو سمجھایا، لیکن اُنھوں نے پادشاہ کو ظلم سے نہیں روکا۔ شیخ ناراض ہو کر چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد سلطان نے کسی ملک پر چڑھائی کی، اُس ملک کے ایک حقیر سردار نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ اِسی سلسلے میں ترکوں کے متعلق ایک پیشین گوئی کی ہے کہ میرے بعد ترک دنیا کو تباہ کر دینگے اور بہت جلد، بعد اُن کی سلطنت بھی تباہ ہو جائیگی —

بعد من ترکان کنند عالم خراب　　بس دل مسکیں که سازندش کباب
بر ندارد سلطنت شاں درجہاں　　عاقبت ویراں شود شاں خانماں (ص ۲۳۹)

متعدد موقعوں پر ناصر خسرو کا ذکر کیا ھے ' بلکه اُس کی حمایت بھی کی ھے : —

ناصر خسرو که اندو هے گرفت　　رفت او خود گوشۂ کو هے گرفت
ناصر خسرو ز سر آگاہ بود　　نے چو تو خود مرتد و گمراہ بود
ناصر خسرو بحق پے بردہ بود　　از میان خلق بیروں رفته بود
یار اویک غار بود و تار بود　　او بنور و نار حق درکار بود

اسی حکیم کی ایک حکایت لکھی ھے که: ایک روز ایک پیر سالک مجھسے ملنے آیا - اثنائے گفتگو میں میں نے اُس سے کہا که: کوئی عجیب قصه آتا هو تو سناؤ - پیر سالک نے کہا که: آج میں وہ قصه سناتا هوں جو میں نے ایسے سالک سے سنا ھے' جو حکیم هونے کے علاوہ منصور حسینی کی طرح شاہ تھا (یعنی شاہ ناصرخسرو)
از کہاں حکمت او آگاہ بود　　اوچو منصور حسینی شاہ بود (ص ۷۹)

اُس نے بیان کیا که: ایک مرتبه بغداد میں میرا گذر هوا - کیا دیکھتا هوں که ایک شخص سر بسجدہ ھے اور چاروں طرف خلائق کا هجوم ھے ' وہ شخص مناجات میں مشغول تھا ' جب مناجات ختم هوئی ' افسر نے جلاد سے کہا : بڑھو اور اپنا کام کرو - جلاد اُس کو ایک بلند طاق پر لےگیا اور وهاں سے گرادیا' وہ شخص گر کر مرگیا اور اُس کی لاش آگ میں جلا دی گئی - میںنے مقتول پر وجه سیاست دریافت کی - مجھسے کہا گیا که دجلے کے کنارے کچھه لوگ جمع تھے ' اُن میں سے هر ایک اپنے اپنے عقیدے اور مسلک کے مطابق گفتگو کر رها تھا - کسی نے کہا : سب کی اصل حضرت آدم هیں - دوسرے نے کہا : رسول اللہ هیں - ایک نے کہا: نبوت کو فضلیت ھے - دوسرے نے کہا : نبوت پر ولایت کو شرف حاصل ھے - اِس پر سوال اُٹھا که ولایت کس کا حق ھے - متوفی نے کہا : حضرت شاہ ولایت کا' جو افضل هیں

اور جو اِس پر یقین نہیں رکھتا، کافر ہے - مصنف کی دینی حرارت ذیل کے اشعار سے واضح ہوتی ہے :—

خود خدا قفلے ترا برجاں زدہ راہ دینت بیشکے شیطاں زدہ

زاں نمی دانی امام خویش را بیشکے افتادی از مادر خطا

بستر مادر ترا خود پاک نیست گر ترا مردود گویم باک نیست (ص ۸۰)

جب لوگوں نے اُس سے ایسی باتیں سنیں، زد و کوب کی، ہاتھ باندھ دیے اور شیخ (قاضی) کے پاس لے گئے - شیخ تمام گفتگو سنکر سخت طیش میں آیا، بولا کہ: یہ شخص رافضی ہے، کیونکہ باجماع اہل سنت، ولایت پیغمبر کا حق ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ تھے، ولی نہیں تھے :—

ایں ولایت حق پیغمبر بود پیش اہل سنت ایں باور بود

او خلیفہ بود، کے بود او ولی ویں ولایت را نبی دارد نبی

لیکن دیکھو میں بھی اُس کو کیسی سزا دیتا ہوں - یہ کہکر اور خچر پر بیٹھ کر، بارگاہ خلافت کی طرف روانہ ہوا - حاجب نے شیخ کی آمد کی اطلاع خلیفہ کو دی - خلیفہ نام سنتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور استقبال کرکے لایا - شیخ نے تمام ماجرا بیان کیا - خلیفہ نے کہا: یہ تو ایک خفیف معاملہ ہے، میں نے ایسے ہزاروں انسان قتل کئے ہیں، فرزندان علی تک کو نہیں چھوڑا - اُسی وقت ایک ترک امیر کو، جس کا نام "اصیل مرد گیر سمرقندی" تھا، حکم دیا کہ جاؤ پہلے اس مجرم کو قتل کرو اور پھر اُس کی لاش کو جلا دو - شیخ نے اس موقع پر یہ اضافہ کیا کہ تمھیں اِس کار نیک میں بڑا ثواب ملیگا —

جب ناصر خسرو نے یہ ماجرا سنا، اُس کو بیحد رنج ہوا، تب اُس نے بد دعا کی: —

چوں بدید آں ناصر خسرو چناں گفت بینائی و دانا بیگماں

گفت یارب تو بحق جد من دور گرداں شاں ز صدق جد من

ناصر خسرو کا بیان ہے کہ میں ایک شب اپنے گوشے میں ملول و غمگیں بیٹھا تھا کہ اتنے میں غیب سے میرے کانوں میں آواز آئی کہ خدا کا عذاب اِس شہر پر نازل ہونے والا ہے، تو یہاں سے نکل جا :—

یک شبے بودم بکنجے درد مند   با دل مجروح و جان مستمند
یک ندا آمد بگوشم کاے حکیم   خیز رو زیں شہر من بیروں سلیم
کز خدا آمد بلاے بے حساب   اوّلش رنج آید و آخر عذاب (ص ۸۲)

میں علی الصباح اِس شہر سے نکل کھڑا ہوا - آخر شہر میں ایسی وبا پھوٹی کہ نہ شاہ بچا، نہ اُس کا لشکر اور نہ وہ شیخ —

شاعر کئی مو قعوں پر اپنی تصنیفات کا ذکر کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ہیں :—

زبحر علم دارم صد کتب من   در و بلنها دوام اسرار لب من (ص ۳۶۰)

کہتا ہے، پہلے تین کتابیں لکھیں ، پھر ایک ، پھر تین

باوّل سہ کتب تقریر کردم   بآخر یک کتب تحریر کردم
جواہر نامہ با مختار نامہ   ز شرح القب من رہ برد خامہ
ترا معراج نامہ پیش حق خواند   جواہر نامہ ات خود ایں سبق خواند
ترا مختار نامہ چوں بہشت است   بشرح القب دنیا چوں کنشت است
ز بعد ایں کتب خواں سہ کتب را   کہ تا گردد و جودت خود مصفا
بوصلت نامہ داں وصل معانی   ز بلبل نامۂ ما وا نہانی
ز ہیلا جم جہاں در لرزش آمد   فلک ازقدرتش در گردش آمد (ص ۳۵۷)

ایک مقام پر سولہ کتابوں کے نام گنائے ہیں، یعنے: (۱) مظہر (۲) وصلت نامہ (۳) ہیلاج نامہ (۴) اسرار نامہ (۵) منطق الطیر (۶) خسرو وگل (۷) الہی نامہ (۸) پند نامہ (۹) مصیبت نامہ (۱۰) بلبل نامہ (۱۱) اشتر نامہ (۱۲) تذکرۃ الاولیاء (۱۳) معراج نامہ (۱۴) مختار نامہ (۱۵) جواہر نامہ (۱۶) شرح القب —

بداں خودرا که در مظهر تو بینی ——— ز وصلت نامه نام اظهر تو بینی
بداں خودرا که هیلاجم چنیں گفت ——— که از اسرار نامه در تواں سفت
بداں خود را که مرغ لا مکانی ——— کتاب طیر مارا آشیانی
بداں خود را ز خسرو داں تو گل را ——— الهی نامه گفتست ایں معما
بداں خود را که پند من شفیقست ——— مصیبت نامه ات ایں دم رفیقست
بداں خود را که بلبل نامه داری ——— باشتر نامه کے میخانه داری
بداں خود را اگر تذکیره داری ——— جمیع اولیا را دیده داری
بداں خود را که ایں معراج نامه ——— بهفتم آسماں دارد نشانه
بداں خود را که ایں مختار نامه است ——— در عالم را از وهم دام و دامست
بداں خود را جواهر نامه کن گوش ——— بشرح القلب من فی الحال می نوش (ص ۴۵۶)

کتابوں کی تعداد سوله هوتی هے' لیکن ستره بتائی هے —

بداں خود را که ایں هفده کتب را ——— نهادم بر طریق علم اسما (ص ۴۵۶)

اور تمام اشعار کی تعداد دو لاکهه دو هزار اور ساتهه بیان کی هے :—

شمار بیت ایںها را بگویم ——— من از کشت معانی تخم رویم
دویست و دو هزار و شصت بیت است ——— زیاده یا کهی میداں که قید است (ص ۴۵۶)

یه تعداد مبالغه سے خالی نهیں' کیونکه شرح القلب اور تذکرۃ الاولیا' نثر کی کتابیں هیں - اور معراج نامه ایک ایسی کتاب هے' جس سے نه تذکره نگار واقف هیں- اور نه فهرست نگار - رهیں باقی تیره کتابیں ' ان کے ابیات کی تعداد کسی حالت میں اٹهاسی هزار سے زیاده نهیں هوسکتی —

مظهر کے دیباچے میں اِن کتابوں کے نام لئے هیں :—

جوهر ذاتم عجائب بوده است ——— همچوں اشتر نامه مستی کرده است
گر تو از مرغ حقائق پے بری ——— منطق الطیرم بخواں تا بشنوی
ور تو اسرار ولایت گوش کن ——— و آں گهے جام نبوت نوش کن

رو مصیبت نامہ را از سر بخواں   تاشود حاصل ترا مقصود جاں
گر تو از خسرو یکے گل داشتی   بلبل مسکین خود بگذاشتی
گر الہی نامہ را گیری بگوش   جام وحدت را بگیری نوش نوش
گر تو پندم را بیابی در جہاں   رو عزیزش دار ہمچو جان جاں
رو بذکر اولیا مشغول شو   و آں گہے چوں تزکرہ مقبول شو (ص۱۳-۱۴)

کہا ہے کہ میںنے بہت کتابیں لکھی ہیں، لیکن مظہرالعجائب کو سب پر فوقیت ہے۔

کتب بسیار دارم در جہاں   لیک مظہر را عجائب نیک داں (ص۱۴)
کتب بسیار دارم گر بخوانی   از و دنیا و عقبیٰ را بدانی
بداں کیں مظہرم جان کتبہا است   درو اسرار دین حق ہویدا است (ص۳۵۷)

اُن کو عباسیوں نے بہت بلایا اور زمرۂ علما میں رکھنا چاہا، لیکن یہ گئے نہیں، وجہ ظاہر ہے، یہ حقگو تھے اور وہ حق بات نہیں سنتے تھے:—

مرا عباسیاں بسیار خوانند   مرا بر عالماں خود جہانند (کذا-نشانند؟)
اگر من راستی گویم ملولند   طریق راستی را کے قبولند (ص۵۷۳)

ایک حکایت میں جو ص۴۷۶ سے شروع ہوکر ص۵۷۹ پر ختم ہوتی ہے، کہا ہے کہ: ایک پیر سالک نے آکر مجھہ سے تیس سوال کئے اور اُن کے جواب طلب کئے۔ میں یہ سوالات سن کر حیران رہگیا دل میں کہنے لگا کہ الہی! ان سوالوں کا جواب کیونکر دے سکوں گا۔ مجھہ میں یہ توفیق نہیں اور یہ ظالم تمام اسرار غیب مجھسے دریافت کر رہا ہے۔ ان سوالوں کا جواب صرف ہاتف غیبی ہی دیسکتا ہے۔ میں اِسی شش و پنج میں تھا کہ ہاتف تشریف لایا اور اُس نے مجکو اُن کے جوابات تعلیم کردیئے۔ جب پیر سالک نے مجھسے جوابات سنے، بولا کہ: اگر یہ حال ہے تو مجکو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئے، میرا اصل مقام عقبیٰ ہے۔ یہ کہکر اُٹھا اور جان دے دی:

سرا از خود ہمیں معنیٰ تمام است   مرا عقبیٰ بایں معنیٰ مقام است

قدم در راہ بنہاد او وجاں داد   بمعشوق حقیقی او رواں داد

یہ قصہ عطار کے توبہ کرنے اور اُن کے کوچۂ تصوف میں آنے کے قصے سے بہت کچھہ ملتا جلتا ھے اور ممکن ھے کہ تذکرہ نگاروں نے اُلٹا سیدھا تراش کر اُسی کو اور غرض سے اِستعمال کرلیا ھو' یا یہ قصہ اُس قصے کی بنیاد پر تراشا گیا ھو —

متعدد مرقعوں پر دشمنوں کے جور و تشدد' اُن کے مذھبی عناد وغیرہ کا ذکر آتا ھے - حب مرتضیٰ کی بنا پر ظالموں نے ایک مرتبہ کامل سال بھر قید رکھا اور مکان لوٹ لیا - آخر حضرت مرتضیٰ نے رحم کیا' قید سے رھائی مل گئی اور جائداد بحال ھو گئی —

تو بر عطار کردی ظلم بسیار   کہ داری در دل خود حب کرّار
ز بہر ایں مرا یکسال در بند   بکردند آں لعیناں در کھو بند (کذا)
ز بہر ایں تمام ملک و مالم   بغارت برد او باخواد سالم (کذا)
یقینم داں تمام بند گانم   کشیدند و نماند یکتاے نانم
بآخر مرتضیٰ دریافت مارا   بکرد او دفع از ما ایں بلا را
بحق بود و بحق درخواست کرداو   ھمہ طفل و معاشم راست کرد او
مرا بکشاد او از بند ایں قوم   ز تا یکے مرا او داد ایں بوم
مرا او داد جان تو دریں دھر   بزو بر جان دشمن نوش خوں زھر (ص ۴۰۶)

یہی شکایت دوسرے موقعے پر یوں دُھرائی ھے :—

اے منافق! آں چہ با من کردۂ   کلبۂ ما مثل گلخن کردۂ
خان و مانم را بتاراج سگاں   دادۂ تا خاطرت گیرد اماں
قصد کشتن نیز کردی لیک شاہ   داد اندر کوئے خود مارا پناہ
روسیہ گشتی بدستت ھیچ ماند   زاں ترا شیطان ملعون خویش خواند
کردۂ عطار را تو قصد خوں   کردۂ خود را تو از جنّت بروں

بہر حب مرتضیٰ مارا کشی　　در دو عالم خویش را رسوا کشی (ص ۴۴۶)

دشمنوں نے ایک بار اُن کے قتل کے لئے وسیع پیمانے پر طیاریاں کیں اور اُن کو مع فرزند کے گرفتار کرلیا - ایک لاکھہ کی تعداد میں جمع ہوگئے جن میں فاضل شیوخ و قاضی و اکابر سے لیکر بازار کے دکاندار تک شامل تھے - ہرایک اُن کے خون کا پیاسا تھا' بالآخردریا' میں پھنک دیا اِس بےبسی کے عالم میں اُنھوں نے خدا کی طرف رجوع کی - الہام ہوا کہ: اے عطار مطلق خوف نکر تو دشمنوں کے پنجے سے رہا ہوجائیگا - قدرت الہی ملاحظہ ہو کہ اُس ہجوم میں سے شہباز کی طرح اُڑتے ہوے نکل گئے *

تو اے ناپاک کردی جور بسیار　　نہ می اندیشی تو از جور عطار

چہ حاصل کردی از جور چنیں تو　　چہ کردی بہر خون مانگیں تو

جزاے تو خدا در حشر بدهاد　　کہ خواهم کرد از تو پیش حق داد

ازیں ظلمے کہ بر عطار کردی　　علی را تو ز خود بیزار کردی

ز بہر مرتضیٰ کردی بما جور　　جهو داں فخر دارند برتواےکور

کہ حیدر را چرا تو دوست داری　　ز بہر ایں بریزم خوں بزاری

---

* میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی نے لسان‌الغیب سے' جو اسی شاعر کی تصنیف ہے' بعض ایسے ابیات نقل کئے ہیں' جو اِس‌واقعے پر مزید روشنی ڈالتے ہیں :—

بر سر مسند براق تر کماں　　در چنیں ظلمے کشادہ او زباں

بر سر من کردہ تر کان اتفاق　　تا بریزد خوں کہ دارد او نفاق

اے فقیہ ایں جا بمن پیچیدۂ　　فتوئے در خون من بنوشتۂ

قصد جان و مال و عرضم کردۂ　　پارۂ جانم ز من ببریدۂ

در بدر از دست تو افتادہ ام　　در توکل دل بجاناں دادہ ام

گرد عالم گشتہ ام از دست تو　　گفتہ ام بیدادیت را گو بگو

جمع گشتند خلق بہر قتل ما　　جرم عطار است حب مرتضیٰ

عاقبت مارا زدست ایں سگاں　　حق خلاصی داد از وہم و گماں

بغض حیدر سود نبود اے فقیہ!　　آں زیان جانت باشد اے سفیہ

[مقدمۂ تذکرۂ عطار ص یا]

خلاصم کرد حیدر از بلایت — کشم از دوش صورت ایں روایت
قریب صد هزار آدم دریں باب — فگندندت ترا عطارا در آب
چو یونس حق ترا از بطن ماهی — نهاد و کرد آزاد از تباهی
تمام ملک از شیخان فاضل — ز قاضی و اکابر هم زکامل
تمام خلق، عام و خاص بازار — همه گشتند بر قتلم روا دار
همه در قتل و خونم میل کردند — سرا باپور اندر خیل کردند
دریں حالت نیایش در فتادم — در توبه برویم بر کشادم
ز حق جستم خلاصی نیز خلقاں — به بیں از حق تعالیٰ نص و برهاں
بالهامم ندا در داد یزداں — که اے عطار تو خود را مترساں!
خلاصی ایں زماں از دست ایشاں — ازیں معنی مکن خاطر پریشاں
بالهام الٰهی همچو شهباز — پریدم از میاں شاں چشم کن باز (ص ۴۰۱-۴۰۲)

مظهرالعجائب* کے جلاے جانے کا اشارہ کئی موقعوں پر موجود هے۔ تعجب هے که ابهی مظهر ختم بهی نهیں هوئی هے که دشمن اُس کے جلانے کے منصوبے کر رهے هیں، حالانکه شاعر اُس کے چهپانے میں بهت کچهه اهتمام کرتا هوگا:-

---

* مظهر کے جلاے جانے کا ذکر لسان‌الغیب میں بهی ملتا هے۔ میں میرزا محمد کے مقدمه سے اشعار ذیل نقل کرتا هوں:-

ز آں بسوزی مظهرم کاں اسم اوست — غافل از سر خدا و دید دوست
اے سمرقندی حذر از سوزشش — چوں کنی ز آتش دریں‌جا پوششش
لعنت حق باد بر سوزنده اش — چونکه یزداں از در خود رانده اش
تو یزید عصر مانی اے پلید — میکنی نفس حسین ایں جا شهید
اے سمرقندی مکن ایں کار تو — می فرستی خویش را در نار تو
مظهرم گوئی بباید سوختن — چشم مظهر خواں بباید دوختن
در جهاں خوانند مظهر را کساں — بر تو خواهند کرد لعنت بیکراں
(مقدمهٔ تذکرهٔ عطار، ص یب)

بسوزی مظہر عطار را تو وگر نوری بگیری نار را تو
کلام و ہم حدیث و اسم حق را بسوزی و نداری ہیچ پروا
تو سوزی اسم ایشاں جسم سوزند قبائے ظلم و جور و مکر دوزند (ص۴۳۱)
بنادانی بسوزی مظہرم را در و بینی چو نام حیدرم را (ص۴۰۰)

علیٰ ہذا مختلف مقامات پر اپنے ناظرین کو ہدایت کرتا ہے کہ مظہر کو نا اہلوں اور خارجیوں سے محفوظ رکھنا:-

من فہمایم جملہ اسرارت تمام لیک ایں مظہر نہاں باشد ز عام
کن ز نا اہلاں کتابم را نہاں زانکہ دیدم من درو حق را عیاں
جوہر و مظہر بکفہے باز نہ خود ورا سر پوش از اسرار نہ
تا نیفتد او بدست خارجی منکر مظہر بباشد خارجی
بعد من گر خوانی ایں مظہر تمام ز اظہارش تو نگہدار از عوام

اور مظہر کے خوش نصیب کاتب سے وعدہ کیا ہے کہ میں تجھے ساتھ لیے بغیر کبھی جنت میں قدم نہ رکھوں گا:—

با خدا بستم بمعنے عہد نو بے تو باشد خود بہشتم نا نکو
بے تو اے کاتب نہ باشم در بہشت زانکہ ایں مظہر شدستم سر نوشت (ص۶۱۹)

اور ساتھ ہی اِس کتاب میں اعتقاد نہ رکھنے والوں پر دوزخی کا فتویٰ لگا دیا ہے :—

ہر کہ شک آرد بمظہر دوزخیست زانکہ ایں مظہر نشان جنتیست (ص۶۲۰)

مصنف مذہباً اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا ایک رکن بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی گویا ہے کہ میں حضرت علی کو وصی مانتا ہوں اور شیعہ نہیں ہوں:-

من بدیں اہل سنت رفتہ ام بر طریق اہل سنت بردہ ام
کہ عطار است سنی نیست شیعہ نبودہ او بدین با مطیعہ (کذا)
منم سنی و اسرارم عیانست جہاں اندر جہاں اندر جہانست

ولیکن پیر و میر ما علی است　　از آں کو وارث علم نبی است
دگر او را وصی دانم بحکمش　　نبودہ در جہاں خود عدل و ظلمش (ص ۴۳۱)

دیباچے میں اگرچہ شیخین کے لیے اس نے ایک شعر لکھا ہے :-

از ظہور مصطفی آگاہ شو　　با ابوبکر و عمر ہمراہ شو

لیکن جو مذہبی ماحول اُس کتاب میں پیدا کیا گیا ہے سنی معتقدات کے عین منافی ہے، بلکہ یہ سنی ہیں جو اِس کے سب وشتم کے آماج ہیں۔ شاعر نے اپنی لعنت اور دشنام کے تمام تیر پوری طاقت کے ساتھ اُن پر برسائے ہیں، وہ سنیوں کو اپنی تمام بد قسمتی کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔اُنھوں نے اُسے قید کیا، پھر لوٹ لیا اور قتل کرنا چاہا۔ وہ تقلید اور چاروں مصلّوں سے سخت بیزار ہے، چاروں اماموں کی تضحیک کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک چاروں مصلّوں کو ماننے والے مردود ہیں، ع:

چار دیدن کار مردوداں بود .

اہل سنت کو اُن کے دشمن ناصبی کہتے ہیں (جو در اصل خوارج کا نام تھا) مصنف بھی اُن کو اسی نام سے پکارتا ہے، لیکن جائے حیرت یہ امر ہے کہ وہ اُن کو خارجی بھی کہتا ہے اور رافضی بھی۔ مزید بر آں منافق، مقلد، پیروان معاویہ، عباسی، تقلیدی اور راویوں کے پیرو بھی کہتا ہے۔ جو لوگ دین علی کے پیرو نہیں ہیں اور چار مذہب کے ماننے والے ہیں، شاعر کے نزدیک وہی رافضی ہیں :-

ہر کہ در دین علی نبود درست　　رافضی خوانم من او را از نخست
(دیگر) ندانستی کہ رافض کیست اے سگ　　بگویم تا شود خود خشک ایں رگ
روافض آنکہ دین شہ ندارد　　بکوے مرتضی ایں رہ ندارد
روافض آنکہ دین غیر دارد　　بکوے غیر حیدر سیر دارد
روافض آنکہ از توحید دور است　　بہ علم چار مذہب خود صبور است

ناصبی بادینکے بیدین شدہ　　او ز سر تا پاے خود سنگیں شدہ
ایں جماعت دشمنان حیدرند　　پیش ما لایق بہ تیغ و خنجرند (ص ۳۲۰)

چار مذهب

خانۂ * دین نبی کردند خراب — خون مومن ریختن دیدند صواب
چار مذهب بهر ایشاں ساختند — دین ایشاں را بروں انداختند
بوحنیفه گفت کیں دیں مهمل است — پیش من دین نبی خود مجهل است
من دهم احیائے دین مصطفی — زانکه علم من ندارد خرد فنا
شافعی گفتا که قول من حق است — پیش من گفت نبی خود مطلق است
هر چه گویم از روایت راست است — این معانی از دل من خاست است
احمد حنبل بگفتا قول من — بهتر است از قول دیگر در سخن
گفت من چوں گفت پاکاں روشن است — آں زماں نبود که بیروں از تن است
گفت مالک آں امام راست گوے — بردہ ام در علم شوخش راست گوے
من به شرع مصطفی در تاختم — هم چو عیسی در رهش خر یافتم (ص ۳۲۸)

---

* اس نقلی عطار کے مقابلے میں اصلی عطار کے اشعار بھی ملاحظه هوں :—

جهانرا هم امام و هم خلیفه — کرا می‌دانی الا بوحنیفه
جهاں علم و دریاے معانی — امام اول و نعمان ثانی
چراغ امت آمد آنسرا فراز — چراغی کو عدو رامی نهد گاز
قضا کردند بروے عرضه ناگاه — به نپذیرفت آنجان و دل آگاه
نبی بنهاد گنجے جمله رحمت — بحصهٔ بو حنیفه کرد قسمت
گرت از مهر کوفی حاصلے نیست — چو کوفت جز خرابه منزلے نیست
چرا چوں چرخ مقلوبی تودارى — دگر مطلب چو مطلوبے تودارى
چوداري شافعی و بو حنیفه — توئی هم مالک دیں هم خلیفه
وگرایں دارى اما آں ندارى — دلے دارى و لیکن جاں ندارى
چو ایشا نند هر دو چشم دیں را — بنه سرایں دو چشم راه بیں را (خسرونامه قلمی)

مطبوعه خسرو نامے سے یه اور منقبت اصحاب ثلثه کے اشعار اهل مطبع نے خارج کردئے هوں ' میں نے پروفیسر آذر کے کلیات سے اُن کو نقل کیا ھے - یه بھی یاد رھے که شیخ عطار اپنی مثنویات میں ائمۂ اربعه کا نهایت احترام سے ذکر کرتے ھیں اور ان کی حکایات بھی نقل کرتے ھیں —

مظہر جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اعزاز میں لکھی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام کتاب اُن کے عشق و وجدان سے معمور ہے۔ شاعر نے اُن کی تمجید اور تمہید میں ایسی مبالغہ آمیز زبان استعمال کی ہے، جس سے خود رسول اللہ کے امتیاز یکتائی کو صدمہ پہنچنے کا خطرۂ عظیم ہے۔ حضرت علی کا مرتبہ تمام مقدس ہستیوں، فرشتوں اور انبیاؤں سے بالا مانا ہے۔ الوہیت کے اگرچہ تمام خطابات اُن کو نہیں دیے گئے، تاہم "بعد از خدا بزرگ توئی" میں تو کوئی گنجائش احتمال نہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:—

همی اسرار عرفاں مرتضیٰ است	همی درجان منصور او خدایست
خدا او را ولی الله خوانده	برفعت مصطفیٰ اش شاه خوانده
بهر قرنے بروں آید بلونے *	ازو آباد میداں ایں دو کونے (ص ۳۵۲)
گفت پیغمبر که شاهی ز آن تست	مظهر سرّ الهی جان تست
درهمه روے زمیں او مقتدا است	ایں همه درشان شاه اولیاست
شاه عشق و شاه موسیٰ، شاه طور	شاه سرور، شاه اکبر، شاه نور
شاه یوسف، شاه یعقوبست و خضر	شاه الیاس است در دریاے خزر
شاه اسمٰعیل و ابراهیم داں	یا چو اسحٰق و چو هارونش بخواں
شاه بوده با جمیع انبیا	هم هو بوده بمعنیٰ رهنما
شاه بوده با محمد درعیاں	هم هو دیده همه سر نهاں
شاه با عیسیٰ است و با روح الله است	رفته او بر عرش علیین وراست

---

* اس شعر سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف حلول کا معتقد ہے اور خود اس کو اعتراف ہے کہ اس پر اس قسم کے الزام لگائے گئے ہیں:—

"تا نگویندت وجودی یا حلول	تا نگویندت چو رافض بو الفضول
بعض گویند اتحادی بوده است	یا بکیش ملحداں هم رفته است"

شاہ جبرائیل و میکائیل ہم | شاہ اسرافیل و عزرائیل ہم
زانکه حیدر در درون یار گفت | هم ابا منصور و هم با دار گفت
هم ازو یعقوب و هم موسیٰ شنید | هم ازو عطار و هم کبریٰ شنید
هم ازو جبریل و هم آدم شنید | هم ازو عیسیٰ بن مریم شنید
هم ازو سیّد بمعراجش شنید | هم ازو این جملهٔ عالم شنید

شاعر کے نزدیک ولاے علی کے بغیر نجات نا ممکن ہے :—

گر ترا عمرے دوصد باشد بسال | وند رین عمرت بخوانی علم قال
روزه گرداری تو خرد عمر دراز | ور بشب دایم گزاری تو نماز
بے ولاے او نیابی هیچ نور | روسیه باشد ترا خرد در حضور

اگرچه بارہ اماموں کا قائل ہے اور اُن کی مدح بھی دیباچے میں موجود ہے۔ تا ہم امام جعفر صادق کا زیادہ گرویدہ معلوم ہوتا ہے اور متعدد مقامات پر اپنے آپ کو جعفری * کہتا ہے :—

من طریق جعفری دارم چو باب | خوردہ ام از ساقی کوثر شراب
سرد آنست کو بدین جعفر است | یا چو سلمان او بدین حیدر است
اے ترا نشناخته جز جعفری | این معانی را ز فهم ما بری

---

* شیعوں میں ایک فرقہ جعفریہ بھی ہے، جو امام حسن عسکری کے بعد اُن کے بھائی جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ لیکن اثنا عشری اس امام کو کذاب کہتے ہیں (از مرات المذاہب)۔ بعض نے لکھا ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوے اور نہ ان کا کوئی فرزند محمد نامی پیدا ہوا، اس لئے جعفری امام مہدی کی ولادت کے منکر ہیں (مذاہب الاسلام صفحہ ۳۱۴) ہمارا مصنف بہر حال امام حسن عسکری کے بعد (جن کو غلطی سے ابوالحسن عسکری، شعر:

بوالحسن دان عسکری را در جہان | بوالحسن دان مہر او در جان جان

لکھتا ہے) غیبت امام مہدی کا قائل ہے، چنانچہ:

یا الٰہی مہدیے از غیب آر | تا جہاں نے عدل گردد آشکار

اس لئے اس کا شمار اثنا عشریوں میں ہونا چاہئے، جو اپنے مذہب کو حضرت امام جعفر کی طرف منسوب کر کے اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں —

راہِ حق چوں راہ جعفر راست است   خارجی از من چہ جہت خواست است
ایں کتب دارد لباس جعفری   معرفت گفتہ باہل معنوی
ترا مظہر ز جعفر داد پیغام   ترا مظہر ز لطف اوست انعام

اِس نظم کو عطار کی طرف منسوب کرنے میں کئی امور دامنگیر تامل ہیں۔ جن کو مختصراً ذیل میں لکھا جاتا ہے :—

(۱) اُس کی زبان جس کا میرزا محمد قزوینی بھی * دبی زبان سے اقرار کرتے ہیں، عطار کے حقیقی کلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتی - اُن کا خیال ہے کہ طبیعت میں یہ اضمحلال بڑھاپے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے، لیکن میری سمجھہ سے باہر ہے کہ ایک مشاق شاعر جو مدۃالعمر پر گوئی کے لئے معروف ہو، انحطاط و پیری کے دور میں اسقدر ستھیا جائے کہ معمولی جملوں میں صرف و نحو کی غلطیوں کا ارتکاب کرے - اِس کی سیراب طبیعت کی تمام روانی اور طوفان خیزی بالکل مفقود ہوجائے اور معمولی ترکیب اور بندش کی لغزش، جملوں کی بے ربطی اور الفاظ کے بے محل استعمال کا مرتکب ہو، وزن وقوافی کے معمولی قواعد کو بالائے طاق رکھدے - نظم میں اسقدر اختلال اور لغزش، البتہ اختلال دماغ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے، نہ اضمحلال طبیعت کی طرف - عطار کی یہ تصنیف بہت کچھہ مولانا آزاد کے دورجنوں کی یادگار "جانورستان" اور "سپاک و نہاک" سے مماثل ہے۔

---

* میرزای موصوف کے اصل الفاظ یہ ہیں :—

" یکے از تالیف آخری عطار مظہر العجائب است و در مقدمۂ ایں کتاب غالب کتب مصنفہ اش را کہ از جملہ تذکرۃالاولیا ست نام می برد و اشعار ایں کتاب بالنسبۃ بسایر اشعار عطار تفاوت واضح دارد در پستی و سستی و قدرے رکاکت- وہر کس منطق الطیر و الہی نامہ وخسرووگل و دیوان عطار را مطالعہ کردہ باشد، برائے او قدرے مشکل است، اعتقاد کند کہ صاحب مظہرالعجائب باآنہا یکے بودہ است و ظاہراً علت ایں انحطاط و خمود طبع است درسن کہولت " - (مقدمۂ تذکرۂ عطار، ص ط - ی مرتبۂ پروفیسر نکلسن)

لیکن میں اس نظریے کا بھی معتقد نہیں ہوں ' کیونکہ شاعر اپنی تصنیف کی خامیوں سے باخبر ہے اور رفع اعتراض کی بیسود کوشش کرتا ہے - اس کی صرف و نحو کے متعلق ایک بے باکانہ انداز میں کہتا ہے :—

جوہر و مظہر باہل دل دہم صرف ونحو ش را باہل گل دہم

دوسرے موقعے پر کہا ہے :—

جوہر من نیست شرح نحو وصرف ز آنکہ او در نقطۂ گشتست حرف

گویا وہ اپنی ذات کو اِن فنون کے ضوابط کی پا بندی سے بالا سمجھتا ہے۔ یہی نہیں' ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے کہ: میںنے یہ کتاب عام زبان میں اس لئے لکھی ہے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں - میں اسی کو نفیس عبارت میں لکھہ سکتا تھا' لیکن عامۃالناس اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جاتے —

من ایں مظہر بلفظ عام گفتم گہے پختہ و گاہے خام گفتم

کہ فہم خلق دز وے خرش بر آید ز جہل و کبر خود بیروں بر آید

وگر نہ خود بالفاظ شریفش ہمی گفتم کہ می آمد شریفش

ولے درویش از و محروم میماند بہ پیش خادم مخدوم میماند

اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ شخص کوئی بہروپیا ہے' جس نے خاص مقاصد کو مد نظر رکھکر شیخ عطار کا سوانگ بھر لیا ہے - چونکہ اس کے پاس نہ عطار کا دماغ ہے' نہ اُن کی طبعیت اور نہ علمیت' اس لئے یہ تمام اضمحلال ہے اوراسی لئے خیالات میں اسقدر ابتذال اور عبارت میں خامیاں ہیں' جس کے پڑھنے سے طبعیت متنفر ہوجاتی ہے - ایک شخص عطار کا تخلص اختیار کرنے اور اس تخلص کی رٹ اگانے سے (جیسا کہ مصنف اِس تصنیف کے دوران میں دیکھا جاتا ہے)عطار نہیں بن سکتا —

(۲) تاریخی لحاظ سے نظر ڈالتے ہوے متعدد خامیاں اور پائی جاتی ہیں - مشاہیرکے زمانوں اور اُن کے سنین و سال سے مصنف بےخبر معلوم ہوتا ہے -

شیخ نوری کو عطار کا ہم عصر خیال کرکے ایک حکایت تراشتا ھے' جس میں شیخ نوری اس کے گھر آتے ھیں اور حرب صفین ونہر وان کی تاریخ سناتے ھیں :

خواجۂ نوری بما ھمخانہ شد — از وجود ناقصاں بیگانہ شد
علم معنی از وجودش ھمچو نور — شعلہ می زد بر طریق کوہ طور
یک شبے در پیش من آں بحر راز — از حکایات شہاں می گفت باز
از معانی و مشایخ و ز علوم — از احادیث نبی و از نجوم
گفت و گوے بود مارا خود بہم — از مقالات صحابہ بیش و کم
گفتمش از حرب صفین گو سخن — و ز مصاف نہرواں ھم یاد کن

حالانکہ شیخ نوری جنید کے ہم عصر ھیں اور سنہ ۲۹۴ ھجری یا سنہ ۲۹۵ ھجری میں وفات پاتے ھیں اور پھر لطف یہ ھے کہ شاعر ان کو ایک حکایت میں شیخ شبلی کے وعظ میں بھی حاضر مانتا ھے—

حسین منصور کا اُس نے نیا نام رکھا ھے یعنے منصور حسینی:-

جام اسرار معانی نوش کُن — ھمچو منصور حسینی جوش کُن
از کمال حکمت او آگاہ بود — ھمچو منصور حسینی شاہ بود

عطار حسین بن منصور کے حالات ایک معقول پیرائے میں اپنے تذکرے میں لکھ چکے ھیں' جس میں اُنھوں نے حسین کے متعلق صوفیوں کی تمام روایات کو جمع کردیا ھے' لیکن عطار کا یہ مثنوی جو تذکرۃالاولیا کی تصنیف کا مدعی بھی ھے' تذکرے کے بیانات کے بالکل برعکس ایک طویل حکایت منصور کے متعلق لکھتا ھے جس میں شقیق بلخی جاکر خلیفہ ھارون‌الرشید کو سمجھاتے ھیں کہ تم نے چونکہ منصور کو قتل کرادیا ھے اور وہ حضرت موسیٰ کاظم کا آدمی تھا' اس لیے تمھیں چاھئیے کہ اب جاکر حضرت امام سے اس قتل کی معافی مانگو- ھارون‌الرشید پر شیخ کی نصیحت کا اس قدر اثر ھوتا ھے کہ سیدھا حضرت موسیٰ کاظم کی خدمت میں پہنچتا ھے' معذرت خواہ ھوتا ھے اور کہتا ھے کہ اب تک آپ کی طرف سے غافل

رهنے کی معافی مانگتا هوں، آیندہ آپ جو حکم دیں گے، بسرو چشم بجا لاؤں گا۔ آپ حقیقت میں همارے پیشوا هیں، کیونکہ آپ هی نقد خیر المرسلین هیں اور میرا ملک در حقیقت آپ کی ملک هے، جس طرح منصور کے الفاظ آپ کے الفاظ تھے :-

من ترا دانم که ملکم حق تست   گفتهٔ منصور هم از نطق تست

دشمن آپ کی تاک میں تھے اور منصور کو بھی اسی لیے لپیٹا گیا کہ وہ آپ کے محبت کیشوں میں تھا اور آپ کی درگاہ پر سجدے کیا کرتا تھا وہ برابر پانچ سال تک میرے کان بھرتے رہے کہ جب منصور امام کے آستانے پر پہنچتا هے، سینکڑوں سجدے* کرتا هے :-

دیگر آنکه چوں برون آید ز پیش   سر نهد بر آستاں صد بار پیش

روے و موے خود بمالد بر زمیں   خود خدا را سجدہ باید ایں چنیں

میں طرح دیتا رہا اور لوگوں سے کہتا رہا کہ اس میں کیا هرج هے، خود شیخ بایزید بسطامی جب عیدین میں امام جعفر صادق کے هاں جاتے تو آستانے پر سجدہ کرتے۔ معاملات کی ابھی یہی صورت تھی کہ منصور نے نعرۂ اناالحق بلند کیا، علما نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا ۔ میرا اگرچہ اس معاملے میں کوئی قصور نہیں هے، لیکن التجا کرتا هوں کہ آپ میرے اس جرم سے درگزریں۔ امام نے فرمایا: اگرچہ باطن میں تم کو میرے ساتھ عداوت تھی، مگر اس مرتبہ تم کو معاف کرتا هوں کیونکہ تمھارا اعتراف گناہ اخلاص مندانہ هے، مگر آئندہ محتاط رهنا اور اهل دین کے ساتھ مخلصانہ پیش آنا۔ ذرا ادھر کونے میں تو دیکھو، کون کھڑا هے؟۔ خلیفہ نے کونے میں نگاہ ڈالی دیکھا تو منصور حلاج کھڑا تھا ۔ هارون نے ایک چیخ ماری اور بے هوش هوگیا —

---

* صفویوں نے جب وہ صاحب‌الزماں کے نائب مان لیے گئے هیں، سجدہ کی رسم کو رواج دیا، کوئی تعجب نہیں اگر اس قسم کے قصوں سے، اس رسم کی حرمت ملوائی گئی هو —

اِس قصے کی لغویت ناظرین میری مدد کے بغیر معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ منصور حلاج اور ہارون‌الرشید کے زمانوں میں ایک صدی سے زیادہ کا فرق ہے۔ خلفیہ ہارون‌الرشید سنہ ۱۹۳ ہجری میں وفات پاتا ہے اور منصور سنہ ۳۰۹ ہجری میں دار پر چڑھایا جاتا ہے۔ شیخ شقیق بلخی متوفی سنہ ۱۹۵ ہجری اور ہارون‌الرشید کی ملاقات کا ذکر خود شیخ عطار نے اپنے تذکرے میں کیا ہے اور تمام گفتگو بھی درج کردی ہے* جو زیادہ تر پند و موعظت پر شامل ہے—

(۳) سب سے اہم مصنف کے مذہبی عقائد ہیں' جو عطار کے معتقدات سے مشرق و مغرب کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں سنی معتقدات کے متبع ہیں' اصحاب اربعہ و ائمۂ اربعہ کے مداح و ثناخواں ہیں' یہ شخص اس اقرار سے کہ سنی ہے' شروع کرتا ہے' لیکن ایسے جذبات اور معتقدات کا اظہار کرتا ہے جو شیعہ جماعت سے بالخصوص تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر ایسے عقیدے کی' جو سنیوں کے نزدیک قابل احترام ہے' تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ سنیوں کو نئے نئے ناموں سے پکارتا ہے' ائمۂ اربعہ کی مذمت کرتا ہے؛ اصحاب ثلثہ کے لیے اس تصنیف کے دوران میں اس کا قلم خاموش ہے' مگر یہ ایک ایسی فروگذاشت ہے جو اُس نے کسی خاص مصلحت کے زیر اثر روا رکھی ہے' جس کی تلافی اپنی دوسری تصنیف لسان‌الغیب میں کر دیتا ہے۔ جہاں علی‌الاعلان اور بقول‡ مرزا محمد

* تذکرہ جلد اول صفحہ ۱۹۸' طبع یورپ۔ علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے لیے جو اس کتاب کے پہلے سوانح ہیں اور تذکرۂ عطار پر دیباچہ لکھ رہے ہیں' یہ امر ناممکن تھا کہ ایسے قصے پڑھنے کے بعد بھی اس کتاب کی لغویت اور عطار کے نام پر افترا ہونے کے راز سے ناواقف رہتے' تاہم اُنھوں نے اسے اور اسی مصنف کی دوسری خرافات لسان‌الغیب کو عطار کی تصنیف قبول کر لیا۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ اُن کی تاریخ دانی پر اُن کا مذہب غالب آگیا—

‡ میرزا کے الفاظ ہیں: "و دریں کتاب در اظہار تشیع خود بصراحت و بدون تقیہ گوید" — (مقدمۂ تذکرۂ عطار' صفحہ یب)

بن عبدالوهاب قزوینی "بدون تقیه" کہتا ھے:—

شیعۂ پاکست عطار اے پسر　　جنس ایں شیعہ بجان خود بخر

ما ز فارق التجا بر کندہ ایم　　پے ز نورین شما ببریدہ ایم

بوحنیفہ را ز دست بگزار تو　　خود برو اندر پے کرار تو

(تذکرۂ عطار، مقدمۂ میرزامحمد قزوینی، ص یب)

میں یہ ماننے کے لیے طیار ھوں کہ عطار تمام عمر سنی رھکر بڑھاپے میں اپنا مذھب تبدیل کر سکتے تھے، لیکن ان کے لیے نئے شیعہ ھونے کی حیثیت سے اپنی تصنیف میں اس مذھب کی تمام روایات و معتقدات کا ماحول پیداکرنا سخت دشوار تھا - یہ بات وھی شخص کرسکتا ھے، جو ابتداھی سے اس مذھب کا پیرو ھو - اس کی تردید میں شاید یہ کہاجاے، جیسا میرزا محمد بن عبدالوھاب قزوینی نے کہا ھے کہ عطارنے تقیہ کرلیا تھا - اول تو یہ خیال کرنا کہ عطار عمر بھر تقیے کے پردے میں زندگی بسر کرتے رھے، ناممکن سامعلوم ھوتا ھے - دوسرے میرزا محمد * معترف ھیں کہ یہ کتاب نجم‌الدین کبری کی وفات کے بعد لکھی گئی ھے، جو سنہ ۶۱۸ ھ میں تاتاریوں کے ھاتھ سے شہید ھوتے ھیں - تاتاریوں کو اگر چہ ھم اپنے نقطۂ نظر سے وحشی کہنے کے عادی ھیں، لیکن انتظامی قابلیت کا وصف اُن میں بڑی حد تک موجود تھا، اُنھوں نے آتے ھی اپنی سیاسیات کو مد نظر رکھکر سنّیوں کی کثیر تعداد کے برخلاف شیعہ جماعت کی، جو قلیل تعداد میں تھی، مراعات اور تقویت شروع کردی تھی، اس لئے میں نہیں سمجھہ سکتا کہ چنگیزیوں کے عہد میں عطار کے لئے اصول تقیہ کی پابندی کی کیا ضرورت تھی - عطار جیسا کہ اس کتاب سے معلوم ھوتا ھے، نیشا پور میں مقیم تھے اور نیشا پور تاتاریوں کے قبضے میں تھا - میں نہیں جان سکتا کہ تقیہ کا انتساب

---

* تذکرۂ صفحۂ یز —

ایک ایسے صوفی کی طرف جو ہمیں بے تعصبی اور روا داری کی تلقین کرتا ہے اور اپنی وسیع مشربی سے ہفتاد و دو فرقہ کی نجات میں یقین رکھتا ہے کس قدر صحیح مانا جا سکتا ہے - ہمیں اسرار نامہ کے یہ اشعار* یاد رکھنے چاہییں، جو تلقین اُن میں ہے اُس کی آج بھی ضرورت ہے :—

الا اے در تعصب جانت رفتہ   گنا* خلق با دیوانت رفتہ

ز نادانی ولے پر زرق و پر مکر   گرفتار علی گشتی و بو بکر

گہے این یک بود نزد تو مقبول   گہے آں یک بود از کار معزول

گر این یک بہ گر آں دیگر تراچہ   کہ تو چوں حلقۂ بر در ترا چہ

ہمہ عمرت دریں محنت نشستی   ندانم تا خدا را کے پرستی

ترا چند از ہوا راہ خدا گیر   خدایت گر ازیں پرسد سرا گیر

یقیں دانم کہ فردا پیش حلقہ   یکے گردند ہفتا دو دو فرقہ

چگویم جملہ ار زشت ار نکویند   چو نیکو بنگری جویائے او یند

خدا یا نفس سرکش را زبوں کن   فضولی از دماغ ما بروں کن

دل ما را بخود مشغول گرداں   تعصب دار را معزول گرداں

(۴) ایک نہایت عجیب بات یہ ہے کہ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں کبھی کوئی لغو دعوے نہیں کرتے، نہ اُنھیں الہام ہوتا ہے، نہ کرامت کے مدعی ہیں؛ حتیٰ کہ اپنے مرشد کی طرف بھی کوئی کرامت منسوب نہیں کرتے؛ اگرچہ دیگر مصنفین کے نوشتہ ایسے قصے اپنے تذکرے اور دیگر تصنیفات میں ذکر کر جاتے ہیں - اس سے ہم اُن کی طبیعت کی متانت اور واقعیت پسندی کا اندازہ لگا سکتے ہیں- اگر کوئی وصف اُنھوں نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، تو یہ ہے کہ: "دنیا میں ذلیل ترین ہستی میں ہوں" - شیعہ بنکر اُن کی طبیعت مطلق

---

*گذشتہ صفحات میں بعض ایسے اشعار نقل کر آیا ہوں جن میں عطار نے متعصبین سے خطاب کیا ہے اُن پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے —

بدل جاتی ھے اور اخلاق میں اس قدر ابتذال پیدا ھوجاتا ھے کہ ھر قسم کی غیر ذمہ‌دارانہ تعلیاں ابلہ فریبی کے لئے شروع کر دیتے ھیں - اُن کا اُستاد اُن کی تعظیم اِس لئے کرتا ھے کہ رسول اللہ اُس کو خواب میں آکر ھدایت کر گئے ھیں- ایک لاکھ انسان اُن کے قتل کے لئے جمع ھوجاتے ھیں' لیکن یہ اپنی کرامت سے باز بلند پرواز کی طرح اُڑتے ھوے نکل جاتے ھیں اور جاے حیرت یہ امر ھے کہ اتنے بڑے معجزے کے باوجود اُن کے دشمن اُن کے دشمن رھتے ھیں اور بدستور درپئے آزار ھیں- ایک پیر سالک آکر تیس سوال دریافت کرتا ھے' یہ اپنے آپ کو اُن کے جوابات کا نا اھل پاکر بہت خفیف ھوتے ھیں - لیکن ھاتف غیبی عین وقت پر آکر جوابات تعلیم کردیتا ھے - میں پوچھتا ھوں' کیا یہ لغویت عطار کی طرف منسوب کی جاسکتی ھے؟

(۵) مصنف کی طبیعت پر بجاے صوفیانہ ترک و تجرید و فنا' مذھبی بلکہ فریقی جذبات زیادہ غالب ھیں- جس طرح عشق علی کرم‌اللہ وجہہ اس کے قلب میں موجزن ھے' بغض نواصب بھی اسی طرح جوش و خروش کے ساتھ لھریں مار رھا ھے' اُس کی زبان اِس قدر عامیانہ اور بازاری ھے کہ عطار جیسے فرشتہ صفت انسان کی طرف منسوب کرنا من قبیل محالات ھے' کیوں کہ یہ نقطۂ نظر صوفیانہ معتقدات و احساسات کے بالکل منافی ھے —

(۶) وہ مدعی ھے کہ میں نے سو کتابیں لکھی ھیں' لیکن اپنی تصنیفات کی زائد سے زائد جو تعداد دی ھے' سولہ ھے' اور یہ وھی کتابیں ھیں' جو اور ذرائع سے بھی ھمکو معلوم ھیں- ھر پھر کر کئی موقعوں پر انھی ناموں کو دھراتا ھے - اب اگر یہ اصلی عطار ھوتا تو زیادہ نہیں' کم از کم باقی کتابوں کے نام ھی بتا دیتا - عطار کی تصنیفات سے اِس کی بے خبری کا یہ عالم ھے کہ دیوان عطار سے ناواقف محض ھے - وصلت نامۂ شیخ بہلول کو عطار کی تصنیف مانتا ھے - تذکرۃالاولیا اور شرح‌القلب کے متعلق اِس کو یہ علم نہیں کہ وہ

نثر میں ھیں' یا نظم میں' اِس لئے اُن کے اشعار کی تعداد اپنے مفروضہ شمار دو لاکھ دو ھزار اور ساتھ میں شامل کرلیتا ھے' لیکن دیوان کے اشعار کو داخل نہیں کرتا' کیونکہ اُس کے وجود سے ناواقف ھے۔ وہ ایک فرضی تصنیف "معراج نامہ" کا ذکر کرتا ھے' جس کے وجود سے کوئی شخص واقف نہیں۔ جوھرالذات اور ھیلاج نامہ کے تعلق سے مطلق بےخبر ھے ــ

(۷) اِس کا دعویٰ ھے کہ جوھرالذات میری تصنیف ھے اور اِس دعوے کی تصدیق کی غرض سے دونوں کتابوں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتا ھے' لیکن جوھرالذات ھرگز ھرگز اِس کی تصنیف نہیں ھوسکتی' کیونکہ زبان و انداز کلام اور موضوع کے اختلاف کے علاوہ مصنف جوھر' ھیلاج نامہ میں کہتا ھے کہ یہ میری آخری کتاب ھے:

کتاب آخر است این تابدانی　　اگر تو زھرہ داری این بخوانی

جوھر کا مصنف فنافی المنصور ھے' اِس کا عقیدہ ھے کہ ھیلاج کے ختم ھونے کے بعد اُس کی شہادت کے سوا اور کوئی مرحلہ باقی نہیں رھتا ــ

بگو ھیلاج و آں کہ جاں بر افشاں　　دل و جاں بر رخ جاناں برافشاں (ص۵۶۱)

اور خود منصور کا پیکر مثالی اِس کو اسی قسم کی ھدایت دیتا ھے' جو ھم جوھرالذات کے تبصرے میں دیکھ آئے ھیں' لیکن بعد میں یہ مثل عطار منصور کا عاشق زار اور شہادت کا طلبگار ایک نیا سوانگ بھرتا ھے' مظھرالعجائب پر قلم اُٹھاتا ھے۔ لسان الغیب نظم کرتا ھے' حب علی اور بغض ناصبی کا وعظ کہتا ھے۔ عطار نہ ھوے بھان متی کا تماشا ھوگیا! مصنف جوھر' جوش شہادت میں' جیسا کہ گذشتہ صفحات میں دیکھا جا چکا ھے' بیتاب ھے' لیکن مصنف مظھر جب ایک لاکھ آدمی اِس کے قتل کرنے پر مستعد ھوتے ھیں' ایک معجزے کے ذریعے سے اپنی جان بچاتا ھے' اس لئے ضروری ھوا کہ دونوں کتابوں کے مصنفین کو دو مختلف اشخاص تسلیم کیا جائے ــ

(۸) مظہرالعجائب میں ایک دلچسپ لفظ "تومن" یا "تومان" ملتا ہے۔ اس لفظ کی موجودگی دلالت کرتی ہے کہ یہ کتاب عطار کے عہد سے بہت بعد لکھی گئی ہے۔ کیونکہ لفظ تومان چنگیزیوں کے ساتھ ساتھ ایران میں آتا ہے، اور سب سے پہلے بحیثیت فوجی اصطلاح رواج پاتا ہے۔ "جہانکشاے جوینی" پہلی کتاب ہے، جس میں یہ لفظ ملتا ہے:

"تمامت خلائق را دہ دہ کردہ و از ہر دہ یک نفس را امیر نہ دیگر کردہ و از میان دہ امیر، یک کس را امیر صد نام نہادہ و تمامت صد را در زیر فرمان او کردہ و بدیں نسبت تا ہزار شود و بدہ ہزار کشد، امیرے نصب کردہ و اورا امیر تومان خوانند" — (جہانکشا، صفحہ ۲۳، جلد اول)

"چنگیز خاں توریاے تقشی را با دو تومان لشکر مغول نام زد کرد تا از عقب او از آب سندھ بگذشت" — (جہانکشاے جوینی صفحہ ۱۱۲)

بعد میں مالیات کی اصطلاح بھی بن گیا، مثلاً:

"و حقوق دیوانی آں ولایت با آنچہ داخل آں تومان است، پانزدہ تومانی و یک ہزار و پانصد دینار است" (نزہت القلوب حمداللہ مستوفی، صفحہ ۱۴۴، طبع ملک الکتّاب)

عطار کا اس لفظ سے آشنا ہونا، اول تو بعید ہے اور پھر اُس کا اِس طرح استعمال کرنا کہ گویا فارسی کا روز مرّہ ہے اور بھی مشکل ہے، امثال ذیل ملاحظہ ہوں:

صد توماں باتست ایں خود قیمتش خود بکشتی و ببردی حرمتش (ص۱۴۳)

مال عالم داشت گویند صد تومن لیک پوشش شاں نبودہ در بدن (ص۲۹۳)

در آں عصر او دو مہ میر تمن بود بسالے او دو ساعت پیش زن بود

مرتضیٰ دیدی کہ سرہا چوں گرفت صد تمن جان بداں افزوں گرفت

(۹) شیخ عطار اپنی اصلی تصنیفات میں، اگرچہ انوری و خاقانی کا ذکر

کرتے ہیں، لیکن شیخ نظامی کے نام سے واقف نہیں، تاہم مصنف مظہرالعجائب (جو اسم بامسمیٰ مظہرالعجائب ہے) اُن کا ذکر کرتا ہے چنانچہ :

گہ نظامی را بیاری در سخن   گہ بنظامی بگوئی من لدن

گہ ہمی گوئی نظام دین منم   گہ فراز عرش علیین منم

بلکہ ایک موقعے پر ایک بے معنی دعویٰ کیا ہے کہ نظامی نے مجھ سے روحانی استفادہ کیا ہے :

خود نظامی بود از من زائدہ   دادہ ام اورا بمعنے فائدہ

کیا یہ بے حقیقت لاف نظامی کے شعر :

مرا خضر تعلیم گر بود دوش   برازے کہ آمد پذیر اے گوش

کی تشریح ہے ؟

(۱۰) ہمارا مصنف پیشین گوئیاں کرنے کا نہایت مشتاق ہے۔ ترکوں کے متعلق اُس کی ایک پیشین گوئی گذشتہ صفحات میں مرقوم ہوچکی ہے یعنے :

بعد من ترکاں کنند عالم خراب   بس دل مسکیں کہ سازندش کباب

ظاہر ہے کہ شاعر اس بیت میں چنگیزی طوفان کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ چونکہ اس عہد سے پہلے مغول دنیاے اسلام پر چھا چکے ہیں، اِس لیے اس بورہیے نے یہ پیشین گوئی جڑ دی —

اسی طرح ناصر خسرو کی بد دعا سے شہر بغداد میں وبا کے پھیلنے، خلیفہ اور اُس کے لشکر کے تباہ ہونے کا ذکر کرتا ہے :

بعد ازاں آں شاہ با لشکر تمام   جملہ مردند و نماند از خاص و عام

آں بلا بر جان اہل بغی بود   ز آنکہ از خونش بدانرا سعی بود   (ص ۸۳)

یہ وبا نہیں ہے، بلکہ ہلاکو کے حملۂ بغداد کی طرف تلمیح ہے —

(۱۱) ایک اور پیشین گوئی کی ہے کہ میرے بعد ایک درویش روم میں ہوگا جو میرے عقائد کی شراب سے سرشار ہوگا اور میرا خرقہ پہنے گا، تم کو چاہئیے کہ اِس کے

ہاتھہ سے جام وحدت نوش کرو:

شمۂ از آں ز بعد من بروم	عارفے گوید ز اصل ہر علوم
گر تو اہل وحدتی رو گوش کن	جام وحدت را ز دستش نوش کن
از ہماں جامے کہ من نوشیدہ ام	و ز ہماں خرقہ کہ من پوشیدہ ام
او نیوشد او بپوشد شمس دیں	ایں معانی را بود سر پوش دیں (ص۲۰۳-۲۰۲)

مولانا جلال الدین رومی کی طرف اس سے زیادہ صاف اور صریح تلمیح ہو بھی نہیں سکتی- شمس دیں سے مراد شمس تبریز ہیں—

(۱۲) اگر اب بھی اس جعلی عطار کے متعلق شبہ ہے تو ذیل کے ابیات پر غور کرلیا جاے:

گر تو اے شاعر بہ بینی مظہرم	ور بخوانی یکزمانے جوہرم
آں زماں معلوم گردد شعر تو	خط و خالے خود نیابی اندرو
شعر حافظ خواں* و با قاسم نشیں	زانکہ ایشانند با ملا قریں
بعد من اسرار ایشاں گوش کن	روز خنب عشق شاں سی نوش کن

یہ بھی ایک قسم کی پیشین گوئی ہے- حافظ سے مراد خواجہ حافظ شیرازی متوفی سنہ ۷۹۲ ہجری ہیں -اور قاسم سے مراد شاہ قاسم انوار ہیں'جو سنہ ۸۳۵ ہجری یا سنہ ۸۳۷ ہجری میں انتقال کرتے ہیں—

جو شخص ماضی کے مشاہیر کے زمانوں اور اُن کے سنین و سال میں فاحش اور یاس انگیز اغلاط کا مرتکب ہو' وہ مستقبل کی تاریک لوح کے اسرار کیا پڑھ سکے گا- اس لیے ہمیں مصنف مظہرالعجائب کے دعوۓ غیب گوئی کو یک قلم ترک کرکے اصل حقیقت کو بے نقاب کر دینا چاہئے کہ یہ کتاب ایک افتراے عظیم ہے' جو فرشتہ صفت عطار کے نام پرباندھی گئی ہے—

---

* تعجب ہے کہ ایسی صریح شہادت کوصرف نظر کرکے جو اس تصنیف کی مجعولیت کے حق میں موجود ہے' علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی دنوا کو عطار کے تشیع اور تقیہ اور خمود طبع کا افسانہ سنا رہے ہیں —

مولانا روم، خواجہ حافظ اور شاہ قاسم انوار کے ذکر سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب نویں صدی ھجری کے منتصف اول کے خاتمے کے بعد کسی وقت لکھی گئی ہے، بلکہ میں دسویں قرن کے ربع اول میں اس کا زمانہ ماننے کےلیے آمادہ ہوں اور میرے وجوہ یہ ہیں:

(۱) اس کے قلمی نسخے گیارھویں صدی سے پرانے نہیں ملتے —

(۲) مصنف اپنے آپ کو' نیز حسین منصور کو حسینی کہتا ہے - اس لفظ کا رواج نویں صدی میں کم، لیکن دسویں صدی میں بہت زیادہ ہوجاتا ہے ' خود صفوی اِس کے استعمال کو فروغ دیتے ہیں —

(۳) سجدے کی رسم، جس کا منصور کے قصے میں ذکر آتا ہے ' صفوی عہد میں غالباً رواج پاتی ہے —

(۴) سنیوں کے خلاف اِس کتاب میں جو تشدد کا لہجہ اختیار کیا گیا ہے، ایسے زمانے میں ممکن ہے جبکہ ملک میں شیعہ حکومت بر سرا قتدار ہو —

الغرض شاہ اسمعیل صفوی سنہ ۹۰۷ ھ - سنہ ۹۳۰ ھ کا عہد اس تصنیف کے لئے بہت موزوں معلوم ہوتا ہے، جب کہ مذھبی لحاظ سے ایران نئی کروٹ لے رہا تھا، جدید سیاسی انقلاب نے مذھب اثنا عشری کو صدر میں جگہ دیدی تھی ' سنی بزور شمشیر شیعہ بنائے جارہے تھے ' اُن کے علما قتل کئے جارہے تھے ' جس نے انکار کیا، تلوار کے گھاٹ اتار دیاگیا - زندہ ایک طرف ' مردوں کی قبریں اُکھڑوا کر پھنکوادی گئیں اور اُن کی ھڈیوں کو جلا دیا گیا - اصحاب ثلثہ کے خلاف بغاوت کی آگ چار سو مشتعل تھی ' حضرت فاروق اعظم جن کی بدولت ایران نے نعمت دین اسلام حاصل کی تھی ' آج اُنھیں کے نام پر لعنت و نفرت کی آوازیں مسجد و منبر سے بلند ہو رہی تھیں - شاید اسی موقعے کے لئے شیخ عطار نے اپنی الہامی زبان میں اشعار ذیل لکھے تھے :

عجم ز اوّل جہود و گبر بودند   از آں گوے مسلمانی ر بو دند

کسے کا جدادش ایماں ازعمریافت   زمہراوچرا امروزسرتافت (خسرونامۂ عطار)

جب زندہ سنیوں کو بزور شمشیر شیعی بنایا جا رہا تھا تو کوی تعجب نہیں اگر مردہ سنی مشاہیر کو بزور قلم ذاتی یا مذہبی اغراض کی بنا پر اسی مذہب کے دائرے میں لانے کی کوشش کی گئی ہو' چنانچہ مظہرالعجائب اور لسان الغیب اسی قسم کی کوشش کا نتیجہ ہیں —

عطار اگرچہ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں اور نہ کسی جدید فرقے کے پیشوا ہیں' لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی شہرت سے فائدہ اُتھانے کی غرض سے مختلف فرقوں نے اُن کو اپنی اپنی اخوت کا رکن بنانے کی کوشش کی ہے - جوہرالذات میں فنا فی المنصور کی حیثیت سے دکھاے گئے ہیں - مظہرالعجائب میں ایک اثنا عشری شیعہ کے لباس میں پیش کیے گئے ہیں ' حیدر نامہ میں اُنہیں حیدری بنانے کی کوشش کی گئی ہے ' لیکن اُن کی تصنیفات جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں' یہ ہیں :

(۱) اسرار نامہ (۲) الہی نامہ (۳) پند نامہ (۴) تذکرۃالاولیا (۵) خسرو نامہ (۶) دیوان (۷) شرح القلب (۸) منطق الطیر (۹) مصیبت نامہ (۱۰) مختار نامہ —

رہیں باقی پچیس کتابیں' اُن میں تیرہ غیر عطار ثابت ہوچکی ہیں - باقی کتابیں یہ ہیں :—

(۱) اخوان الصفا (۲) اشتر نامہ (۳) بلبل نامہ (۴) حقائق الجواہر (۵) حیدر نامہ (۶) سیاہ نامہ (۷) لسان الغیب (۸) کنزالبحر (۹) نزہت الاحباب (۱۰) وصیت نامہ (۱۱) ولد نامہ (۱۲) ہفت وادی —

اِن میں اُشتر نامہ ' بلبل نامہ ' نزہت الاحباب اور ہفت وادی میری نظر سے گذر چکی ہیں' لیکن اُن کا تبصرہ بعض وجوہ کی بنا پر سر دست ملتوی کرتا ہوں' لسان الغیب اور حیدر نامہ اگرچہ میری نظر سے نہیں گذریں' لیکن یہ دونوں کتابیں

علی الاعلان مجعول مانی جاسکتی ہیں - یہی کیفیت حقائق الجواہر کی ہے - کنزالبحر اور کنزالاسرار اصل میں ایک ہی چیز ہیں —

(۱۲ - ۱۳) جوہرالذات و ہیلاج نامہ

اگرچہ مصنف اِن کو علحدہ علحدہ کتابیں مانتا ہے، لیکن میں اتحاد مضمون و زبان کی بنا پر دونوں کا تبصرہ ایک ہی ساتھ مناسب سمجھتا ہوں - اشتر نامہ، جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں بتائی گئی ہیں - لیکن میرے نزدیک جوہرالذات اور ہیلاج نامہ ایک ہی شخص کی تصنیف معلوم ہوتی ہیں - دونوں مثنویوں سے اکثر تذکرہ نگار واقف ہیں اور فہرست نگار بالاتفاق عطار کی طرف منسوب کرتے ہیں - اُن کے قدیم نسخے وہ ہیں، جو نویں قرن * ہجری کے نوشتہ ہیں اور کئی کتب خانوں میں ملتے ہیں —

جوہرالذات ایک ضخیم مثنوی ہے جو نول کشور کے مطبوعہ کلیات کی پوری پہلی جلد پر محیط ہے، اس کی دو جلدیں اور ۵۸۲ صفحات ہیں - ہیلاج نامہ ص۵۸۴ سے شروع ہوکر ص۷۷۰ پر ختم ہوتا ہے - فی صفحہ بیالیس ابیات ہیں، اس حساب سے دونوں مثنویوں کے اشعار کی تعداد بتیس ہزار کے قریب ہے —

جوہرالذات کے بعض ممتاز عنوان یہ ہیں:—

جلد اول :— تکریم بنی آدم، امامت امیرالمؤمنین علی، حکایت پیر، توحید صرف و بقاے کل، خطاب پدر وپسر و مقالات ایشاں، حکایت پیر، رو گردانیدن شیطان، در مشقت کشیدن آدم از شیطان و شرف انسان، اسرار قربت شیطان، تخلیق آدم فی صورت الرحمٰن، و ھو معکم اینما کنتم، پیدا آوردن حوّا از پہلوے آدم، اسرار اعیان کل، رفتن ابلیس دربہشت بہ تلبیس در دہان مار، مناجات شیطان، اسرار

---

* سب سے پرانا نسخہ وہ ہے جو پروفیسر آذر کے کلیات نوشتۂ سنہ ۸۵۷ھ میں شامل ہے - دوسرا نسخہ برٹش میوزیم میں آر (۳۵۳-) ہے جو سنہ ۸۷۷ھ کا نوشتہ ہے -

یافتن حضرت علی کرم‌الله وجهه و در چاه گفتن' اسرار نے ' اسرار نفس مردم' سوال امیرالمؤمنین علی کرم الله وجهه و جواب دادن نے در اسرار ها ' مکر شیطان‌با آدم' وحدت صرف و یکتائی ذات وصفات' سوال از منصور و جواب او ' تقریر شیخ‌ابوسعید مهنه' نگاه کردن درویش در کواکب و جواب هاتف' در پے نشانی حسین منصور' مناجات شیخ اکافی' در التماس کردن فنائے کل از شیخ حسین منصور ' در سرنگاه داشتن ' سوال از حسین منصور و جواب دادن او- حکایت مرد پاکباز ' در اثبات ذات کل ' آگاهئی د ل در اسرار و از تقلید دور شدن' صفت و صل و راز کل وغیرہ وغیرہ —

جلد دوم :— سوال از منصور در سر آدم' صفات جان و دل' صفات عناصر' قصهٔ منصور و اعیان او ' صفات فیض و حکمت حکما' عین ذات و صفات و قدرت وقربت اسرار الهی' در آگاهی دادن دل در عین منزل' جو هو حقیقت' صفت دنیا' کشف اسرار حقیقت در نمود صور' در صفت حضرت محمد علیه افضل‌الصلوٰة' گنج جان‌ودل' صفات حضرت پیر‌دانا' صفت معراج‌عین‌العیان' صفت کنت کنزاً مخفیاً' در عیان جام منصور' سوال از منصور در عیان عشق و جواب او' عیان در دنیا و راز منصور' اسرار حسین منصور' در تفسیر الله نورالسموات والارض' در عیان دیدار صورت و معنی سر منصور ' سوال صاحب راز از منصور' درواصل شدن سالک و اعیان منصور ' سوال از ابلیس و جواب دادن او' سوال از حسین منصور در اسرار ابلیس ' حکایات و ابلیس اسرار و ے وغیرہ وغیرہ —

هیلاج نامه :- در اسرار عشق بهر نوع' نموداری هیلاج' جواب منصور شیخ جنید را' فنا و بقائے کل' جواب منصور در خطاب حق عز و جل' اعیان جان' حقایق اسرار' سلوک سالک' نموداري عشق' شریعت و طریقت و حقیقت جمله یکیست' کشف حجاب' نموداري یقین' موتوا قبل آن تموتوا' هدایت در رہ شریعت' اسرار دل و جان و تفسیر قرآن' حکایت حقیقت منصور' جواب منصور شبلی را'

سوال بایزید از منصور و جواب وے، نمودارِی سر توحید، گریستن بایزید بر حالت و بیخودی منصور، اسرار گفتن منصور بر دار، سخن گفتن شیخ جنید و شیخ کبیر در کار منصور، نکوهش کردن جاهلے مغرور منصور را و جواب آں، جواب شیخ جنید شیخ کبیر را، عین‌الاعیان توحید، سوال جنید از منصور در حقیقت شرع و جواب آں، سخن گفتن منصور با شیخ کبیر، اسرار گفتن منصور با شیخ کبیر، راز گفتن جنید با شیخ کبیر از هوا دارِی منصور، اسرار گفتن عبدالسلام در حضور منصور، اسرار گفتن عبدالسلام با شیخ جنید، در نمودارِی شیخ کبیر با منصور، سخن گفتن شیخ کبیر با منصور از نمودارِی قصاص، فریدالدین عطار در نمودارِی خود و اسرار منصور —

اِن سرخیوں کو پڑھ کر ناظرین یہ خیال کریں گے کہ بڑے جلیل‌القدر اور اهم مباحث اِن کے تحت میں مذکور هوں گے، لیکن ایک عنوان کے ذیل میں آدمی دس صفحے پڑھ جاے اور پھر بھی یہ نہ کہہ سکے کہ اس نے کیا سیکھا اور بعض اوقات تو سرخیاں بالکل براے بیت هیں—

مصنف اپنا نام فریدالدین محمد بیان کرتا هے:

حقیقت من محمد نام دارم　　از و پیدا حقیقت کام دارم

فریدالدین محمد هست نامم　　محمد دادہ این جا جمله کامم　　(ص۳۷۰)

وہ اپنے تخلص "عطار" کے ذکر کرنے کا بیحد شائق هے، کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نہیں، جس میں تخلص مذکور نہ هو —

جواهرالذات میں بیان کیا هے کہ میں اشتر نامے میں بعض اسرار بیان کرآیا هوں:

ز اشتر نامه سر کار دیدی　　حقیقت دیدہ و دیدار دیدی　　(ص۳۰)

لیکن یہ کتاب اس سے افضل هے :

از اشتر نامه این بهتر نمودم　　ز هر دو عالم این بر تو نمودم　　(ص۴۶)

اکثر مقامات پر وہ اپنے قتل اور منصور کی طرح دار پر چڑھاے جانے کی

پیشین گوئی کرتا ھے :

جواھرذات بر گو آشکارہ　　چو خواھد کرد یارت پارہ پارہ

(ص ۳۰، دیگر)

کہ می بینم کہ چوں منصور عطار　　بخواھد سر بریدن زود ناچار

(ص ۴۳، دیگر)

شدستم کشتہ چوں منصور اسرار　　مرا آویختن اندر سر دار

(ص ۴۰۶)

اُس کا خیال ھے کہ جب جوالذات کو پورا کرکے ھیلاج نامہ ختم کر چکوں گا، تب مجھہ کو پارہ پارہ کیا جاے گا :

جواھرنامہ باقی چند ماند است　　ز بہر ایں دام دربند ماند است

رسانی ایں تمام آخر بپایاں　　دگر ھیلاج سر ذات جاناں

بگوئی بعد جوھر آشکارہ　　کنندت آں زماں سر پارہ پارہ　　(ص ۳۲۵)

اس شہادت کی بشارت حضرت علی نے خواب میں آکر مصنف کو دی ھے :

شبے دیدم جہاں جان فدایش　　شدہ افتادہ اندر خاک پایش

ازو پرسیدم احوالم سرا سر　　مرا بر گفت اندر خواب حیدر

بگفتم رازھا در خواب آں شاہ　　مرا از کشتن او کرداست آگاہ

مرا گفتا کہ اے عطار ماندہ　　ز سر عشق بر خور دار ماندہ

بسے گفتی ز ما ایں جا حقیقت　　ببردی نزد ما راہ شریعت

حقیقت بر تو ایں در بر کشادیم　　ترا گنج یقیں در دل نہادیم

بکش رنج ایں زماں چوں گنج داری　　ز ما در عشق ھاں دن پائے داری

ترا خواھند کشتن آخر کار　　کہ کردی فاش ایں جاگاہ اسرار

کسے کو راز ما گوید حقیقت　　نبگزاریم او را در طبیعت

حقیقت گفت منصور آں خود دید　　دریں جاگہہ جفاے نیک وبد دید (ص ۶۹۱)

مختصر یہ ھے کہ مصنف بے شمار موقعوں پر اپنے قتل و شہادت کی غیب گوئی کرتا ھے - اِس کا یہ عقیدہ بھی ھے کہ وہ مظہر منصور یا نمودار منصور ھے- ھیلاج نامہ کے دیباچہ میں کہتا ھے کہ: جب میں جواھر نامہ کو ختم کرچکا' اس فکر میں مبتلا ھوا کہ دیکھیے آیندہ کیا اسرار ظاھر ھوں - اسي فکر میں ایک روز گوشۂ تنہائی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں میری نگاہ ایک دیوانے پر پڑی جو چپ چاپ آکر میرے سامنے کھڑا ھو گیا - اور پوچھنے لگا کہ تو اس قدر خاموش اور ملول کیوں ھے؟ جس کا تو طالب تھا وھی مطلوب سامنے کھڑا ھے' تو نے سب سے قطع تعلق کرلیا ھے اور تیری شہادت کے سوا اب کوئی مرحلہ باقی بھی نہیں رھا' لہذا تجھے لازم ھے کہ کشف اسرار کرے اور حقیقت کے پردے اُٹھادے' اس کتاب کو تو میرے نام پر لکھنا- میں نے اس سے دریافت کیا' آپ کا نام کیا ھے؟ - اس نے جواب دیا: میں منصور حلاج ھوں' اور عالم میں ھیلاج کے نام سے معروف ھوں - تیری جان میں میں ھی گویا ھوں اور میری ھی وجہ سے تجھکو گویائی حاصل ھے' یہ کہکر میرے قریب آیا' میرے ھاتھ اور سر پر بو سے دیے اور میرے سر پر اسرار کا تاج رکھدیا - اس وقت میں نے آنکھ اٹھا کر ھیلاج کو دیکھنا چاھا' لیکن وہ غائب ھوچکا تھا اور مجکو ایک نشانی دے گیا تھا' یعنے میرے سر پر ایک کلاہ چھوڑ گیا تھا - جب مجھے ایسي ٹوپی مل گئی ھے تو جس قدر فخر کروں بجا ھے - اسرار حلاج کی یہ آخری کتاب ھے' جو میں لکھ رھا ھوں ' اس میں معنے کے بیشمار خزانے ھیں *

چو جوھر نامہ کردم فاش آخر نمودم صورت نقاش آخر
بکنجے در نشستم زار ماندہ ضعیف و ناتوان و خوار ماندہ
دریں اندیشہ کہ از بادہ جوھر چہ اسرار آید ایں جاگاہ ظاھر

---

* اس قصے پر غالباً وہ روایت جو نفحات الانس (ذکر عطار) میں ملتی ھے کہ نور منصور ڈیڑھ سو سال بعد عطار پر تجلی کرتا ھے ' ناسیس پاتی ھے یا یہ قصہ اس روایت کی بنیاد پر نشو و نما پاتا ھے —

نظر کردم یکے دیوانہ دیدم   ز عالم صورتے بیگانہ دیدم
کہ آمد پیش من ایں عاشق زار   لب از ہم بر کشاد و گفت اسرار
زمانے بود ایں جا ساکن و خوش   دگر آورد سر بیروں ز آتش
مرا گفتا چرا در غم نشستی   در معنے بروے خود بہ بستی
نہ وقت آمد کہ دیگر رازِ جوئی   دگر اسرار جاناں باز جوئی
تو ایں دم عاشقی و راز دیدہ   جمال دوست در خود باز دیدہ
طلب کردی ودیدی روے مطلوب   رسیدی ایں زماں در ذات محبوب
چرا فارغ نشیلی زود بر خیز   دگر در عشق و ذوق فقر آویز
چو کردستی دریں جا جہلگی ترک   بجز کشتن نماندستت دگر برگ
کنوں باید کہ گوئی سر اسرار   حقیقت فاش گردانی دگر بار
بنام من کتابے نغز آری   وگر ہوشے دگر با مغز آری
بنام من دہی بنیاد ایں جا   دہی امروز ایں جا داد مارا
خدایم ایں زماں من واقف خود   درون جان تو من واصف خود
بدو گفتم کہ اے جاں چیست نامت   کہ حق داد است ایں جا گاہ کامت
جوابم داد من منصور حلاج   مرا نامست در آفاق ہیلاج
کنوں بنویس مر اسرار مارا   نگہ میدار سر گفتار مارا
درون جان تو مائیم گویا   توئی از من شدہ در عشق گویا
بگفت ایں آں گہے نزدیم آمد   چراغے در دل تاریکم آمد
بدادم بوسۂ بر دست و بر سر   نہادم بر سر از اسرار افسر
نظر کردم پس آں گہہ سوے بالا   کہ تا بینم مبارک روے ہیلا
ندیدم ہیچ صورت درمیانہ   مرا بخشیدش آں گہہ یک نشانہ
کلاہے بد نشانے بر سر ما   کہ آں باشد بعالم افسر ما
بخود گفتم کہ هاں بر خیز وخوش باش   کہ بنمود است آئینگ روے نقاش

سر افرازی کن اے بے سرور آخر — که این جا نیستت هم سرور آخر
کتاب آخراست این تا بدانی — اگر تو زهره داری این بخوانی
(هیلاج نامۂ قلمی - کُلیات پروفیسر آذر)

یہ مثنویاں عطار کی دیگر تصنیفات مثلاً الٰہی نامہ، اسرار نامہ، منطق‌الطیر اور مصیبت نامہ کے ساتھہ کوئی نسبت نہیں رکھتیں، عطار اگرچہ پر گو ہیں، تاہم اُن کے ہاں زبان کا لطف اور متانت کافی مقدار میں موجود ہے۔ اُن کا قاعدہ ہے کہ جس مسئلے کو چھیڑتے ہیں، اسی کو پیش نظر رکھکر اور غیر ضروری امور سے بچکر، ایک خوش مذاقی کے ساتھہ اپنے ضروری دلائل اور آرا بیان کر دیتے ہیں۔ صاحب جوہرالذات اِس بارے میں عطار کے بالکل برعکس ہے، وہ سب کچھہ کہہ جاتا ہے، لیکن نفس مضمون کو تشنہ چھوڑ جاتا ہے، پھر اُس کے بیان کرنے کا ڈھنگ عجیب و غریب ہے۔ ہر مضمون کے متعلق ایک پر اسرار فضا پیدا کر دیتا ہے۔ ہر چیز اُس کے نزدیک ایک راز ہے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ وہ اس کے گرد اسی طرح گھومتا ہے، جس طرح ایک بلی کسی چوہے کے گرد دبوچنے کے بجائے چکر لگاتی رہے۔ جن اسرار کے انکشاف کا وہ دعویٰ کرتا ہے بجائے اس کے کہ اُن کا حال سوچے، یا اُن کے حل کی کوشش کرے، اُن کا وظیفہ یا ورد شروع کردیتا ہے۔ جوبات آسانی سے پانچ شعروں میں کہی جاسکتی ہے، ہمارا مصنف اُن کو پچاس بیت میں ادا نہیں کرسکتا۔ اُس کا ہر دوسرا مصرع برائے بیت ہوتا ہے —

قدم قدم پر کشف حقیقت و اسرار کا مدعی ہے، لیکن اگر اسرار بیان کرنے کا یہی ڈھنگ ہے، جو اُس نے اختیار کیا ہے تو ایسے بیان کرنے سے اُن کا بیان نہ کرنا بہتر ہے —

اک مرغ ہے خوش لہجہ کہ کچھہ بول رہا ہے — کھلتا نہیں کچھہ اس کے سوا تیرے بیاں سے

لیکن پیشتر اس کے کہ میں اور امور کی طرف توجہ کروں مجھہ کو چند الفاظ اُس کی زبان اور طرز کے متعلق کہنے ضروری ہیں —

خاص خاص روز مرہ، محاورے، خیالات، الفاظ اور بندشیں مل کر بحیثیت مجموعی، کسی مصنف کی شخصیت یا اُس کے انداز تحریر کو قائم کرتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہمارا شاعر ایک طرز خاص کا مالک ہے، جو اس کو نہ صرف عطار سے بلکہ دیگر شعرا سے بھی ممیز کرتی ہے۔ اس کے ہاں حقائق و اسرار کے بیان کرنے کی خاص خاص اصطلاحیں ہیں جو دیگر مصنفین نے کم استعمال کی ہیں۔ مثلاً :

دید، دید دید، بود، بود بود، بودنبود، واصل دیدار، سر، راز، جان، جان‌جان، کل، لقا، عیان، عکس عیان، عیان عیان، عیان در عیان، عیان عشق، عین‌الیقین، نمود ار، حقیقت (ذات مصطفوی) شریعت (قول و فعل او) یکرنگی، بے نشانی، نقش، نقاش، نقش طبیعت، جانان، شاہ، دار طبیعت، عین طبیعت، قربت لا، دار، اعیان ذرات، عین تمام، وصال کل، عیان یار، در وجود مردن، عین پرگار، مغز، پوست، عین طبیعت، رمز مطلق، دیدار دید، دیدار اعیان، کل دید، نقطۂ پرگار، کل لقا، ہیلاج جہان، عیان عقل وغیرہ—

'ابا'، 'ابر' اور 'اپے' جیسے حروف اپنی قدیمی شکل یعنی 'ابا'، 'ابر' اور 'اپے' کی صورت میں ملتے ہیں اور ہم کو حیرت ہے کہ یہ شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ کے دور کے یادگار جواہرالذات اور ہیلاج نامہ میں کیسے نمودار ہوگئے، حالانکہ عطار کی اور مثنویات میں نظر نہیں آتے۔ امثال :

منم الله و رحمن و رحیم	اپے صورت یقین حد قدیمم	(ص۳۹۹)
اپے غم شد هر آنکو برد فرمان	ترا ورنه فتاد او سوے زندان	(ص۳۳۷)
ره دور و عجب در پیش داری	ابا خود پیر پیش اندیش داری	(ص۳۴۰)
دمے گوید ملت دیدار دارم	ابا تو اندرین سر کارها دارم	(ص۳۴۱)
محمد با علی دارند بیشک	وجود لحمک لحمی ابریک	(ص ۳۳)
بسے گشتی ابر گرد کهر تو	که با ز این جا بری بوے اگر تو	(ص ۲۵)

لفظ "حقیقت" بمعنی در حقیقت مصنف کا تکیہ کلام بن گیا ہے امثال :

حقیقت پیر از خود رفت بیروں | که بیروں بود او از هفت گردوں
نه پردہ بود نے شاہ جہاں تاب | حقیقت گم شدہ او اندر و یاب
همه در پردہ گم دید ریقیں دوست | حقیقت مغز گشت و در عیاں پوست (ص ۳۷)

یه اشعار میں نے صرف ایک صفحے هی سے نقل کردیے هیں- ان کے علاوہ حضرت علی کی بشارت کے اشعار بھی ملاحظه هوں—

دوسرا تکیه کلام 'جاگه' 'جایگه' اور 'جاگاہ' هے' جو جوهر اور هیلاج کے طول و عرض میں هر مقام پر موجود هے- میں کهتا هوں: وہ صفحه نہایت بد نصیب هے جهاں یه الفاظ نه هوں' امثال :

جهال من ندیدہ غافلا تو | دریں جا گاہ اے بے حاصلا تو (ص۴۹۹)
شد ایں جا گاہ اندر آخر کار | اگرچه برکشید او رنج و تیمار
در آخر گشت ایں جا گاہ واصل | شدش مقصود ایں جا گاہ حاصل (ص۱۹۸)
مرا ایں جایگه او منفعل کرد | دمادم پیش خلقانم خجل کرد (ص۱۹۵)
ترا ایں گلشن ایں جا گه خوش آمد | ازاں اصلت ز باد و آتش آمد (ص۱۸۹)
ز تیر عشق ایں جاگه بدرزد | پس آنگه بودت ایں جاگه بسوزد (ص۱۷۳)

"سے" جو ماضی نا تمام اور حال کی علامت هے' اصل فعل سے دور لایا جاتا هے :

چرا خوں میخوری در خاک فانی | ازاں می رہ نبردی و ندانی (ص۲۰۳)
درونت روشنائی دارد ایں جا | درونت می جدائی دارد ایں جا (ص ۲۰۴)
نفرانی یافت آخرمی رهائی | چرا بیچارہ در قید و هوائی (ص۳۴۳)
بجز خورشید می تاباں نباشد | ندیدی ایں ترا تا واں نہا شد (ص۳۴۸)
نمی دانی که می آخر چه بودت | ز بهر چیست ایں گفت و شنودت (ص۱۲۸)

'من' 'تو' 'او' اور 'ما' وغیرہ مفعولی معنوں میں لائے گئے هیں :

تو دارم درجهاں و کس نه دارم | که عمرے سوے دیدت می گزارم (ص۲۱۶)

چو من دیدی ملت بنمایم این راز حجاب اندازم این دم آخرت باز (ص۳۳۹)

تهامت مست و حیران اند جانا بروز و شب تو می خوانند جانا (ص۱۸۴)

تو مارا ذات مارا بین و ماجوے هر آں راز یکه میداری بها گوے (ص۱۹۱)

زهے حسن تو داده ماه را نور که در آفاق او دیدیم مشهور (ص۲۱۷)

راے زائده کی مثالیں :

خبر دادم شمارا از شمارا که خواهد بود تاں آخر فنارا (ص۴۳۹)

گماں بردار اے بنموده خودرا فگنده تهمتے در نیک و بدرا (ص۳۳۹)

نمیدانی جوابے دادن او را که باشد در خور جاناں نکورا (ص۳۴۰)

ز بعد خالق کون و مکاں را ثنا بر خاتم پیغمبراں را (ص۵۸۸)

حاصل بالمصدر "گفت و گو" کے ٹکڑے کرکے حروف جاره و غیره درمیان میں لاے جاتے هیں :

درم بکشاده در گفت و در گوے بگوا کنوں‌دگردر جست‌و درجوے (ص۶۶۸)

بگوید اں زماں خاکستر او انا الحق همچناں درگفت و در گوے [۷۵۸]

در اول لعنتم چوں کرده بد او بهر زه دانم این‌جا گفت یا گو (ص۴۸۵)

ز عقل سفل چه گفت و چه گویست نمود صورتست‌وجست و جویست (ص۱۱۷)

من از فتوی چناں کردم ابا او که تا کوته شود این گفت ویں گو [ص۷۵۹]

الف زائده :

ترا ایں جاست ابراهیم در تن شود در عاقبت ایں جا بت اشکن (ص۵۰۲)

عربی الفاظ میں تصرفات :

عام کی جمع عوام هے، لیکن مصنف "اعوام" لایا هے :

کنوں اے شیخ ایں اعوام مسکیں بصورت اندریں شورند و در کیں (ص ۷۶۵)

(دیگر) طلبگار تو اند ایں جا نجومات کجا دانند از سر علومات (ص ۳۶۸)

معاینه بر وزن‌مفاعله هے، مصنف نے بروزن مفاعیله استعمال کیا هے :

معائینہ جہاں خود نمود است   کہ با عطار در گفت و شنود است
معائینہ مرا کرد است واصل   حقیقت بود او شد جان و هم دل
معائینہ دل و جانم یکے کرد   ز دیدار خود و این جایگہ کرد (ص ۵۱۲)

ان مثنویوں کی مرکزی شخصیت حسین بن منصور حلاج ہے' جس کو مصنف ہمیشہ منصور کے نام سے یاد کرتا ہے- یہ مثنویاں گویا اِس کے اقوال و افعال و کرامات کی داستانیں ہیں- مخلوق خالق کے لیے اور عبد و معبود کے لیے جس قدر احترام دکھا سکتا ہے' وہ سب احترام منصور کے لیے دکھایا گیا ہے- خود منصور اپنے لیے ایسی زبان استعمال کرتا ہے' جو بشریت کی حدود سے گذر کر الوہیت کی فضا میں گونجتی ہے' اور بندے اور خدا میں کوئی امتیاز نہیں رہتا- حلاج کے جو قصے یہاں ملتے ہیں' عام طور پر معلوم بھی نہیں ہیں- منصور کی طفلي کی ایک حکایت کلیات میں (ص۵۲) سے شروع ہوکر (ص۶۹) پر ختم ہوتی ہے' میں اس کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں:

مصنف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر سے سنا ہے کہ چین میں ایک تاجر تھا' جو سفر کا بے حد شائق تھا' اس بوڑھے تاجر کے ایک لڑکا تھا' چندے آفتاب و چندے ماہتاب' جس قدر حسین و جمیل تھا' اسی قدر متقی اور راست باز تھا- خدا کے ذکر کے سوا کوئی چیز اُس کو پسند نہ تھی- ایک مرتبہ یہ لڑکا اپنے باپ کے ہمراہ سفر کو گیا' راستے میں ایک دریا آیا' جس کو عبور کرنے کے لیے اُنہیں کشتی میں بیٹھنا پڑا- اتنے میں ملاح نے کہا کہ: طوفان آ گیا ہے- لڑکے نے اپنے باپ سے کہا: باوا جان! یہ خوفناک مقام ہے' آؤ کشتی چھوڑ دیں' اور کہیں چل کر پناہ لیں' کیونکہ مجھے الہام ہوا ہے- باپ نے کشتی میں ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا اور کہا: اے فرزند! نادانی نہ کر اور طفلی کی ضد سے باز آ' اور بتا کہ یہ بات تجھکو کس طرح معلوم ہوئی- اُس نے جواب دیا کہ: جب تمھارے پاس دولت کثیر ہے تو پھر کیوں دریا کے سفر سے اپنی جان جوکھوں

میں ڈالتے ھو۔ تاجر نے جواب دیا : اے فرزند! دنیا ایک عزیز مقام ھے اور انسان ایک روپے کے دس کرنے کی غرض سے تمام خطروں کا مقابلہ کرتا ھے۔ دیکھو اپنی اسی کشتی میں بڑے بڑے تاجر موجود ھیں اور سب اسی امید میں آے ھیں کہ نفع کمائیں۔ لڑکے نے جواب دیا: اے پدر محترم! اس سے کیا فائدہ؛ دریا میں آنے اور فنا ھونے سے حاصل؟ تمھیں ابدی نیکنامی کے استحصال کی کوشش کرنی چاھئیے۔ یہ سب لوگ روپیہ اور دولت بٹورنے والے ھیں اسی لیے امید اور بیم کی دو عملی میں گرفتار ھیں؛ محض دنیا کمانا جانتے ھیں اور عقبیٰ کا کوئی کام نہیں کرتے؛ اِن کے درمیان مجھکو تم نے بٹھا کر خود مجھے اپنی نگاھوں میں ذلیل بنا دیا۔ افسوس! اس مقام سے میں اور کہیں جا بھی نہیں سکتا۔ تاجر نے کہا: لڑکے! خاموش رہ' یہی بات تھی تو آیا نہ ھوتا اور اب آگیا ھے تو جھگڑا نہ کر۔ میرے لئے دنیا میں سب سے عزیز شے تو ھے اور تیرے ھی لیے یہ تمام صعوبتیں برداشت کرتا ھوں۔ تجھے ساتھ لانے سے میرا مقصد یہ ھے کہ تو بھی کچھ تجربہ کار ھوجاے۔ لڑکے نے کہا : باوا جان! میں دنیا داری کی باتیں سننا نہیں چاھتا' مجھ سے اگر کوئی ذکر کرو تو شریعت کا کرو۔ میں سیمرغ بحر لامکاں ھوں اور نور شرع مصطفیٰ ھوں۔ جس طرح دریا کے عجائبات لا تعداد ھیں' میرے اسرار بھی غیر متناھی ھیں۔ تاجر نے کہا: فرزند! یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات! اپنی حد سے قدم نہ بڑھا اور بے عقلی کی باتیں نہ بنا' اس میں تیری سبکی ھے' تو نے ایک بات پوچھی تھی میں نے اُس کا جواب دے دیا۔ بھلا حقیقت کہاں اور تو کہاں' تو تو ابھی نادان لڑکا ھے۔ لڑکے نے کہا: باوا جان! مجھکو لڑکا نہ سمجھو' مجھ میں نمود عشق ربانی ھے' اگر تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ھو تو خیر' مگر مجھ کو گمراہ کرنے کی کوشش مت کرو؛ میں سب سے فارغ اور سب سے آزاد ھوں؛ میری رھنما عین ذات ھے' تم بیشک میرے پدر محترم ھو' لیکن میری حقیقت سے واقف نہیں۔ تم کشتی دیکھتے ھو اور میں دریا کو دیکھتا ھوں' میں اِس بحر میں گوھر اِلّا دیکھتا ھوں۔ اب تاجر کو خیال

ھوا کہ لڑکا دیوانہ ھوگیا ھے - کہنے لگا: لڑکے! یہ سودا تجکو کب سے ھوگیا ھے کہ تو اپنے آپ کو واصلین میں شمار کرنے لگا' اگر اب خاموش نہ رھا تو میں تجھے دریا میں پھینک دوں گا؛ میری عقل حیراں ھے کہ تو حدود شرع سے باھر نکل رھا ھے' تجکو لازم ھے کہ "عیان عقل" سے کام لے - لڑکے نے جواب دیا: باوا جان! تمھیں یہ خیال ھے کہ میں کوئی خبیث ھوں' حالاں کہ عالم جاں میں سب عین جاناں' ھیں- اس کشتی میں میں ایک بحر اعظم ھوں' اگرچہ تمھارے ساتھہ بحر ھستی میں ھوں؛ لیکن میں اپنی صدت کا دریگانہ ھوں- میں یہ باتیں کیوں نہ کہوں' جب جانتا ھوں کہ راست ھیں - تم نے مجکو دریا میں پھینک دینے کی دھمکی دی ھے' میں کہتا ھوں تم ضرور اسے پوری کرو - میں اسرار حقیقت کا مالک ھوں اور انوار طریقت میرے دیکھے بھالے ھیں- اگر تم نجات دارین حاصل کرنی چاھتے ھو تو مجکو اس بحر ھستی میں تنہا چھوڑ دو - تقلید میری دامنگیر نہیں ھے' میں اس دریا سے نکل جاؤں گا - تمھارا خیال ھے کہ میں غرق ھوجاؤں گا لیکن میں کہتا ھوں کہ مجکو کون و مکاں سے باھر اُڑجانا چاھئے - میں ذات ھوں' پھر کس لئے کشتئی صفات میں رھوں' مجکو خدا کا حکم ھے کہ دفعتاً گم ھوجاؤں - اس دریا میں میں منصور ھوں اور تمام عالم میں مشھور ھوں - کونین میرے اسرار ھیں' لیکن میں نا محرموں کی آنکھوں سے مخفی ھوں - میں اسرار کادریاے لاھوتی ھوں' جو دریا میں نا پدیدار ھوجائے گا - علم و حکمت حق کا دریا ھوں' راز مطلق کو افشا کردوں گا - دریاے علم اور بحر تنزیل ھوں اور صورت تبدیل کردوں گا—

دریں دریا منم با با الهی   گواهی می دهندم ماه و ماهی

دریں دریا منم الله بنگر   نمود دید "الا الله" بنگر

منم با با نمود دیدار الله   دریں دریا منم عین هوالله

منم منصور و بنمایم ترا دید   که میگوئی ابا من عین تقلید (ص ۵٦-۵۷)

جب یہ جوش بھرے الفاظ کشتی والوں نے سنے سب دنگ رھگئے - آخر وہ قطب

سر فراز جوہر احترام کا مستحق تھا، اُٹھا اور کہنے لگا : اب تمہارے ساتھ رہنے میں مجکو تکلیف ہوتی ہے' اِس لئے رخصت ہوتا ہوں - اے پدر محترم !

وداعت کردم و خواہم شدن زود ز بہر شرع از من باش خوشنود (ص۵۷)

میں جاتا ہوں اور میرا راز اکسٹھ سال کے بعد بغداد میں ظاہر ہوگا - کیا تم نے سورۂ طہ نہیں پڑھی —

درختے دید موسیٰ آں شب از دور ز صد سالہ رہ آں جا گہہ پر از نور
بیک جذبہ بشد آں نیک بخت او ز قربت تا سوے نور درخت او
ہمی زد آں درخت انی "انا اللہ" کہ گردد از نمود شاہ آگاہ
درختے یافتست ایں قربت درست کہ میداند کہ بود بودش از اوست
رواست* "انی انا اللہ" از درختے ز وصل ایں جا بگوید نیک بختے
رواست انی انا الحق گر بگوئی بوقتے کز خودی خود نگوئی
چو حق دیدم پدر در عین تحقیق حقیقت حق شدم از سر توفیق (۵۷-۵۸)

منصور اس کے بعد حقیقت اعیان و صفات کُل اور دنیا سے قطع تعلق پر اپنے خیالات سناتا ہے' اس کے بعد ایک بوڑھا جو واصلین میں سے تھا' منصور سے سوالات کرتا ہے

---

*یہ استدلال اگرچہ یہاں بے محل واقع ہوا ہے' لیکن صوفیانہ نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت میں کوئی شک نہیں کیونکہ شیخ عطار اپنے تذکرے میں (ص ۱۳۶ جلد دوم) اس کو بیان کرتے ہیں : "مرا عجب آمد از کسے کہ روا دارد کہ از درختے "انا اللہ" بر آید و درخت درمیاں نہ چرا روا نباشد کہ از حسین انا الحق بر آید و حسین درمیان نہ" پھر یہی شعر انہوں نے خسرونامہ (ص طبع تمر ہلند) میں یوں لکھا ہے :

رواست انی انا اللہ از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

پروفیسر آذر کے کلیات میں بھی موجود ہے - لیکن تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہی شعر بجنسہ مثنوی گلشن راز محمود چبستری میں بھی موجود ہے' صاحب جوہرالذات عطار کے اشعار کو اکثر مسخ کردیا کرتا ہے' چنانچہ اس شعر کے متن میں بھی تقلیبہ کردی ہے -

اور منصور ان کے جواب دیتا ہے' آخر بوڑھا اُس کا معتقد ہوجاتا ہے۔ منصور زور دیتا ہے کہ جہان جاں' طلب کرو اور باقی سب قیل و قال چھوڑ دو - اپنی خودی سے مرجاؤ اور برقع صورت کو اتار کر پھینک دو - دریا سے جواہرات معانی رولنا چاہییں ' کشتی کا کیا کروگے وہ محض نہود خردی ہے- اسی کشتی نے ہفتاد ودوملت کو غرق کر دیا ہے-البتہ ایک اور کشتی ہے وہ کشتی حقیقت ہے'اس میں محمد [صلعم] اورعلی [کرم] مقیم ہیں' تم اُن کا دم بھرو اور گوہر مراد حاصل کرو*—

ز دریا جوے دریاے معانی ز کشتی جز نہود خرد ندانی

دریں کشتی بسے گشتند غرقہ دریں بودند ہفتاد و دوفرقہ

یکے کشتی دیگر ہست در یاب در آں کشتی حقیقت زرد بشتاب

محمد با علی آں جا مقیم است ازاں ذرات کل باترس و بیم است

دم ایشاں زن وہر دو جہاں شو نہودار زمین و آسماں شو

جب منصور یہ باتیں کرچکا' اُٹھا اور لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوگیا- تماشائی حیران رہگئے' بوڑھے باپ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہوگیا- جب ہوش میں آیا' سمندر میں کود پڑا اور جان دے دی† —

منصور سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ: تم جو 'راز مطلق' بلنے کا دعوی کرتے ہو اور کہتے ہوکہ حق کو میں نے عین مطلق دیکھا ہے' مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم کو غیب کے حالات کس طرح معلوم ہوئے اور اپنے قتل کے متعلق تم نے کیسے اطلاع حاصل کرلی؟- منصور نے جواب دیا کہ: میں نے اپنے قتل کی 'نہود' کو دیکھہ لیا ہے؛ بغداد میں میرا سر برباد ہوگا؛ یہ باتیں مجھہ پر منکشف ہوگئی ہیں- حج کے راستے میں منصور سے یہ سوال کیا گیا تھا؛ سائل نے دوبارہ کہا: غیب کی

---

*پرانی روایات منصور کوشیعہ بیان کرتی ہیں- مجالس المومنین میں بھی شیعہ تسلیم کیا گیا ہے -

† منصور کی طفلی کی یہ حکایت کسی تذکرے میں نہیں ملتی -

بات خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے مجھ کو تمھاری بات کا یقین نہیں آتا، البتہ اگر کوئی زبردست شہادت (نمود) دو اور کوئی راز دکھاؤ تو مانوں گا۔ منصور نے جب یہ بات سنی، اپنی نگاہ اُس پر جمادی اور کہا: تو میری 'دید دید' میں اچھی طرح سے دیکھ! کیونکہ میں وہی ہوں جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے:

نظر نیکو کن اندر دید دیدم   کہ من ہستم کہ جملہ آفریدم   (ص۲۴۹)

اب جو آدمی نے غور سے دیکھا تو اُس کو آسمان ہفتم سے بھی بلند پایا۔ حیرت و استعجاب سے اُس پر محویت طاری ہوگئی اور مست لگا رہ گیا۔ اہل قافلہ یہ نظارہ دیکھکر حیران رہ گئے۔ پوچھنے لگے کہ: اے منصور تو نے اس پر کیا کر دیا ہے؟۔ منصور نے کہا کہ: میں نے اُس کو نور دکھادیا ہے، وہ تمام باتوں سے بے خبر ہے اور دیدار مولیٰ میں مستغرق ہے۔ اِس وقت وہ جسم و جاں سے صاف ہوکر دیدار عین العیان میں محو ہے، جب ہوش میں آے گا تب بولنے لگے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا اور کہا کہ: اب ہوش میں آجا۔ وہ مرد ہوش میں آتے ہی اُس کے قدموں میں گرگیا اور رونے لگا، بولا کہ: مجھ پر تیرا عین العیان ظاہر ہوگیا ہے، میں تیرا غلام ہوں اور تو سلطان آفاق ہے اور دنیا میں تیرا ہی شور ہے۔ یہ کہتے کہتے اُس نے ایک نعرہ مارا اور جان دے دی۔ قافلے والوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اُن میں جو صورت پرست تھے، اُنھوں نے ایک شور مچا دیا، کہنے لگے کہ اِس شخص نے جادو سے کام لیا ہے، اس لیے قتل کا مستوجب ہے۔ منصور نے اُن سے کہا: اے گمراہو! میں دیدار الٰہی ہوں، مجھ میں یہ طاقت موجود ہے کہ تمھارے شور و غوغا کو فرو کردوں، لیکن اظہار راز کا یہ وقت نہیں ہے، کیونکہ تمھارے درمیان ایک پیر واصل موجود ہے، جو صاحب درد ہے، مجھ کو اُس کی خاطر منظور ہے، لہذا تم کو معاف کرتا ہوں۔ یہ الفاظ کہے اور قافلے والوں کی آنکھوں سے غائب ہوگیا* (ص۲۴۹-۲۵۱)۔

جوہرالذات میں حکیم ناصر خسرو کا ذکر بھی احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

---

* اس حکایت کے متعلق بھی تذکرہ نگار خاموش ہیں —

سلسلۂ کلام یہ ہے کہ: خون کی اصل کیا ہے؟ - کہتے ہیں کہ خون کی اصل حیوان اور نبات سے نہیں ہے، بلکہ نبات کی اصل فیض ہے اور فیض کی اصل نور ذات ہے۔ اور جان و دل کی اصل قطرۂ خون نہیں ہے† - لیکن یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے - تم یوں سمجھہ لو کہ فیض نور سے نبات ظاہر ہوتی ہے اور حیوان کو زندگی دیتی ہے؛ اِس فیض نبات اور وجود حیوانی سے جسم انسان پیدا ہوتا ہے - حکما نے اس بارے میں بہت کچھہ بحثیں کی ہیں اور اس کی تشریح میں کتابیں بھردی ہیں، لیکن ناصر (خسرو) نے اِس سرّ کو معلوم کیا؛ یہ حکیم ایک سرّ پاک تھا :

و لیکن کرد ناصر سر اظہار ببباید می بسفتن آں بناچار (ص۳۱۹)

حکمت میں اُس کا کمال عین الیقین کی حد تک تھا، اس لیے وہ مخلوق سے پوشیدہ ہوگیا - اور اس طرح چھپ گیا، گویا صورت اور معنے کے پردے ہی سے غائب ہوگیا - جس طرح حکمت میں سب پر غالب تھا اسی طرح اسرار میں پیش پیش تھا - آخر میں اُس نے عزلت اختیار کرلی اور عین ذات و قربت تک پہنچ گیا - خداے پاک نے اُس کی حکمت میں اِس قدر ترقی دی کہ اُس کو خداے بیچوں کا دیدار بھی میسر ہوگیا - جب اُسے جمال ربانی حاصل ہوگیا، مخلوق سے متنفر ہوگیا - اُس نے دیدار خداوندی کیا اور عین اُس کی ذات بن گیا؛ خدا میں پنہاں ہوگیا اور اُس پر تمام راز منکشف ہوگئے - اُس کا اکثر بیان عقل اور جان کے متعلق تھا - کیونکہ اُس کی عقل اور جان عین‌العیان تھی - وہ کوہ قناعت کی طرف چلا گیا اور اُس قربت میں پابند سلوک رہا اور چھپ گیا - قاف قربت میں پہنچکر اپنے اوپر دنیا کا دروازہ بند کر دیا اور فنا کا دروازہ کھول لیا - اِس قاف قناعت میں اُس قدر رہا کہ حدو برہان کو اس کے وجود سے راحت ملی - دنیا کے اور حکیم اُس کے مقابلے میں ہیچ ہیں - جو شخص قاف قناعت میں مسکن بنالیتا ہے، تین باتیں اختیار

---

† کیا عطار جیسے فاضل طبیب سے خون کی اصلیت پر اسی قسم کی تحقیقات کی توقع کی جاسکتی ہے ---

کرلتیا هے، کم آزاری، کم خوری اور عبادت - اصل مردانہ هونی چاهئے، پھر تو آدمی ناصر خسرو کی طرح اپنے مطلوب تک پہنچ سکتا هے :

هر آنکو اندریں قاف قناعت گو بزد، پیش گیرد هر سہ عادت

کم آزاری و کم خوردن حقیقت پس آنگہہ طاعت از عین شریعت

ببایہ اصل اول همچو مرداں رسد چوں ناصر خسرو بجاناں (ص ۳۱۹)

جوهرالذات میں منصور اگرچہ هر وقت مصنف کے پیش نظر هے، تاهم اِس مثنوی میں خارجی مضامین بھی کافی موجود هیں، لیکن یہ هیلاج نامہ هے، جو تمام و کمال منصور کے ذکر اور اُس کے کمالات و مقالات سے لبریز هے - اِس کتاب میں بڑے بڑے صوفی مثلاً جنید، با یزید، شبلی اور شیخ کبیر عبداللہ خفیف اور عبدالسلام، منصور کے معتقد و مداح کی حیثیت سے دکھائے گئے هیں - وہ باری باری منصور سے اسرار و حقائق پر سوالات کرتے هیں اور منصور اُن کے جواب دیتا هے - بعض اِس کے متعلق متشکک بھی هیں تاهم اِس کے سامنے مجال دم زدن نہیں رکھتے —

شیخ کبیر عبداللہ خفیف شیراز میں رهتے هیں اور اُن کے اور منصور کے درمیان ایک راز هے - منصور کے تعلقات اُن سے قدیم هیں اور یہ بھی اُس کے سرگرم معتقد هیں —

عبدالسلام یہ ایک غیر معروف بزرگ هیں، مگر منصور کے بے حد معتقد - اپنے پیر کے کہنے سے منصور کے عقیدت مند هیں اور پیر کو منصور کا راز حضرت خضر کی زبانی معلوم هوتا هے —

جنید کو منصور کے متعلق کچھہ شکوک هیں، خود براہ راست منصور کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور شیخ کبیر سے کہتے هیں کہ دیکھئے همارے زمانے میں بیشمار اولیا هیں اور اُن سے پیشتر بھی گذرے هیں وہ سب واصلین میں میں سے تھے اور خدا کے نزدیک اُن کے بڑے درجے تھے، لیکن کسی نے اناالحق نہیں کہا سب کے سب هوالحق کہتے رهے، خود رسول پاک نے ایسا دعوی نہیں کیا - رسول

نے لوگوں کو شریعت کی دعوت دی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حدود میں قائم رہے - شریعت صرف اسی لئے ہے کہ نیک و بد اور حق و باطل میں تمیز کردے - اب ذرا اس منصور کی کیفیت ملاحظہ کیجئے کہ ہردم اناالحق کے نعرے لگا رہا ہے' روشنی اس سے دور ہوگئی ہے' کیونکہ شرع محمدی سے بھٹک گیا ہے' عوام الناس جاہل ہیں' اُن کو ہمارے قرب کی کیا خبر' اِس لئے ہر کس و ناکس کے سامنے اس راز کا افشا کرنا قرین مصلحت نہیں —

منصور شیخ کبیر کو خطاب کر کے جواب دیتا ہے: شیخ کبیر! تم نے سنا جو جنید نے شرع کے متعلق کہا؟ مجکو بایزید نے مان لیا' لیکن یہ نہیں مانتے - میں ان کو معذور سمجھتا ہوں' با یزید کے پیر ہوے تو کیا ہوا —

اگرچہ شیخ و پیر بایزید است　　و لیکن پختۂ بس نارسید است　　(ص۷۳۳)

حالانکہ تم نے میرے وہ تمام خوارق جو میںنے تری وخشکی پر کیے ہیں' جب کہ ڈھائی سال تک میں اور تم ساتھہ رہے' بیان کردئیے ہیں اور یہ سب باتیں واقعیت سے تعلق رکھتی ہیں' لیکن جنید ہیں کہ شرع پیش کرتے ہیں - اور مجھے دیوانہ قرار دیتے ہیں - یہ نہیں جانتے کہ میں اپنی 'عین منزل' پر پہنچ گیا ہوں اور تمام حجاب دور ہوچکے ہیں- جب میں 'نمودار خدا' ہوں تو انبیا اور اولیا سب کچھہ ہوں - خدا مجھسے ہم کلام ہے - کیا رسول اللہ سے صرف جنید ہی واقف ہیں' بچہ بچہ جانتا ہے کہ محمد [صلعم] ہمارے ہادی ہیں' لیکن حقیقت محمدیہ سے کون واقف ہے؟ - محمد [صلعم] مجھہ میں ہیں' در حقیقت وہی میرے رہنما ہیں اور یہ محمد[صلعم] ہیں' جو اناالحق کہہ رہے ہیں :

محمد میزند در ما اناالحق　　ہمی گوید سراسر سرّ مطلق

وصال مصطفی درجان منصور　　چوخورشید است کل نورعلی انوار　　(ص۷۳۴)

محمد [صلعم] نے جو یہ راز آشکارا نہیں کیا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو دعوت شریعت منظور تھی' اس لئے حقیقت کو آشکارا نہیں کیا اور شریعت ہی بیان

کرتے رہے، حقیقت اُنھوں نے صرف علی کو بتائی - اگر جنید میرا عین الیقین حاصل کرلیں تو میں انھیں دکھادوں کہ مصطفیٰ مع تمام انبیا موجود ہیں —

اگر ایں جا جنید پاک دینم بماند یکزماں عین الیقینم
نمایم مصطفیٰ اورا دریں دم تمامت انبیا با دید آدم (ص۷۳۴)

بایزید منصور کے اِس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے آپ کو اُس کا غلام غلاماں بیان کرتے ہیں —

تو دیدی آنچہ ایں جا کس ندید است غلامے از غلاماں بایزید است (ص۷۰۹)

خود منصور اپنے لئے ایسے دعوے کرتا ہے، جو ولایت اور نبوت سے گذر کر الوہیت کی حدود میں داخل ہیں :—

تعالیٰ اللہ منم منصور حلاج همہ بر رحمت من گشتہ محتاج
تعالیٰ اللہ منم خورشید و اختر مرا گویند کل اللہ اکبر
تعالیٰ اللہ منم ایں جا خداوند وجود خویش از من جملہ پیوند
الست اندر ازل گفتم ابد را نمایم چوں نمودم نیک و بد را
خداوندی مرا زیبد کہ دانم تمامت در یقیں راز نہانم
ز صنع آفرینش جملہ پیداست زنور ذاتم ایں جا کہ ہویداست
یکے ذاتم منزہ در ہمہ من فگندہ در تمامت دمدمہ من (ص۷۱۴)
بجز منصور ایں جا نیست اللہ کہ از اسرار رحمان وے آگاہ
خدا منصور و منصور است خالق وصال اینست ایں جا اے خلائق
خلائق من خدایم تا بہ بینند نمودم می نمایم تا بہ بینند
خلائق من خدایم در نمودار زعشق خویش امروزم بریں دار
خلائق من خدا یم چند گویم ہمہ خواہند تا پیوند جویم (ص۷۵۴)

خود مصنف منصور کے عشق میں اس قدر سرشار ہے کہ اُس کا جذبۂ محویت اور فنائیت کی حد تک پہنچا ہوا ہے - وہ کہتا ہے کہ: جب تک میں زندہ ہوں، اُسی

کے اسرار بیان کرتا رھوں گا' بلکہ یہ منصور ھی ھے' جو میری جان میں بول رھا ھے:

بجز حلاج چیزے می نہ دانم — کہ بارے گویم و از وے بخوانم
زنم ھر لحظہ دم از عشق منصور — اگرچہ می نماید در دلم شور
مرا تا جاں بود زو راز گویم — ازو در قصہ مردم باز گویم
مرا تا جاں بود در دیر فانی — ھمہ گویم از و سر معانی
ھمہ منصور می بیند درونم — ھمو خواھد بُد آخر رھنمونم
حقیقت او ست ایں دم سر گفتار — کہ می گوید درون جان عطار (ص۶۸۸)

ایک نہایت عجیب امر یہ ھے کہ مصنف نے جہاں منصور کو پچاسوں مقام پر خدا کہا ھے' وھاں متعدد موقعوں پر رسول اللہ اور حضرت علی کو بھی خدا کے نام سے یاد کیا ھے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو — و گرنہ اوفتی اندر بلا تو (ص۳۱۰)
علی با مصطفیٰ ھر دو خدا یند — کہ دم دم راز در جاں می نمایند (ص۲۹۳)
علی با مصطفیٰ ھر دو خدایند — نمودند و دگر کل می نمایند (ص۳۵۰)

تمام مورخین کے برخلاف مصنف حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا قائل ھونے کے باوجود حضرت اسحٰق کی شہادت میں بھی اعتقاد رکھتا ھے:

اگر کشتہ شوی مانند اسحق — تو باشی بیشکے دیدار آفاق (ص۳۶۱)
اگر ھم بود اسحق گزیدہ — ز عشق روے تو شد سر بریدہ (ص۳۶۹)
گہے در کسوت اسحق گردی — بریدہ سر بخود مشتاق گردی (ص۳۸۱)
چناں کن خویش را تسلیم مشتاق — کہ سر ببریدہ اندر عشق اسحق (ص۴۲۴)

جوھرالذات اور ھیلاج نامہ جس قدر مشہور ھیں' معلوم ھوتا ھے اِس قدر پڑھی نہیں گئیں' ورنہ اُن کی شہرت اب تک ماند ھوجاتی۔کتابیں کیا ھیں' دریاے اعظم ھیں' جن کی گود میں تیس بتیس ھزار اشعار موجیں مار رھے ھیں۔ فارسی ادبیات میں شاید اِس قدر تھکا دینے والی' غیر دلچسپ' کند اور دل اُچاٹ کردینے

والی کوئی کتاب نہ ہوگی جیسی یہ کتابیں، جو عطار کی طرف خدا جانے کس گناہ میں دنیا نے منسوب کی ہیں۔ علمی و ذہنی لحاظ سے اِن کا شمار ادنی درجہ کی تصنیفات میں ہونا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ باوجود کوشش بلیغ، میں ان مثنویوں کو پورا ختم نہ کرسکا، نہ مجھہ میں، حالانکہ مجھہ کو اقرار ہے کتابوں کے معاملہ میں خاصہ تحمل ہے، اس قدر تاب تھی کہ اِن کو پورا پڑہ سکوں۔ ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ذوق جن میں مجھہ سے زیادہ استقلال ہے، اِن کے نشیب و فراز اور معلومات سے ہم کو اطلاع دیں—

اِن مثنویوں میں خوارق، اسرار اور کرامات کی فضا پیدا کر دی گئی ہے، جو بہت کچھہ عطار کی واقعیت پسند طبیعت کے منافی ہے۔ مصنف خواب دیکھنے اور بشارتیں سننے کا عادی ہے۔ وہی مسائل جن کو شیخ اپنی عقل اور استدلال کے زور سے حل کردیا کرتے ہیں، اِن مثنویات میں اسرار بن گئے ہیں۔ معمولی سے معمولی مسئلہ ہمارے مصنف کے نزدیک ایک سر ہے اور یہ سر بغیر کسی انکشاف کی کوشش کے ایک طویل سمع خراشی کے بعد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر کسی اور سر کی باری آتی ہے اور اِس کے ساتھہ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے۔ ہر مضمون اِس کی علمی اور دماغی استعداد کی بے بضاعتی کا راز الم نشرح کر رہا ہے۔ عربی اس کو آتی نہیں، مجھہ کو اُس کی فارسی دانی میں بھی شک ہے۔ ہمارا ناظم صرف الفاظ کو وزن کا جامہ پہنانا جانتا ہے۔ قافیے کا بھی چنداں پابند نہیں، مل گیا تو خیر ؛ نہ ملا تو وزن ہی پر گزارا کرلیا۔ سلسلۂ بیان غیر مستقل، طویل اور بے ترتیب ہے۔ جیسے کسی مجذوب کی بڑ یا کسی نیم مست کی ہذیاں سرائی۔ جو مطلب اس کو ادا کرنا ہوتا ہے، اُس کے لئے الفاظ نہیں ملتے اور جو الفاظ ملتے ہیں وہ مطلب ادا نہیں کرتے؛ اِس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعر اکثر مبہم اور مہمل بن کر رہ جاتا ہے۔ شاعر کا ذخیرۂ الفاظ بے حد محدود ہے، حالانکہ بتیس ہزار اشعار لکھے ہیں، لیکن اِس کثیر ذخیرے سے ہم چند نئے لغت بھی نہیں سیکھتے؛ یہی حالت

اُس کی معلومات کی ہے - عطار اپنی اصلی تصنیفات میں قدم قدم پر جدید اطلاع دیتے ہیں اور اُن کی مثنویاں تاریخی دلچسپی کا قابل قدر سامان بہم پہنچاتی ہیں' لیکن اس بے مایہ شاعر کی جھولی میں جو لحظہ بلحظہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ میں عطار ہوں' سوائے منصور کی چند حکایتوں کے ' جن کو نہ تاریخ جانتی ہے اور نہ روایت پہچانتی ہے' جدید معلومات کے سلسلے میں کچھہ بھی نہیں - جو مطلب ایک شعر میں کہا جا سکتا ہے' شاعر اُسی مطلب کو دس شعر میں ٹھہتک ٹھہتک کر' اور رک رک کر بیان کرتا ہے - اس طرح حشو و زوائد نے ایک ممتاز حیثیت اختیار کرلی ہے اور طوالت اِن مثنویوں کا عام جوہر بنگئی ہے - ان کتابوں کا بدترین پہلو ایک ہی خیال کی بار بار تکرار ہے' جس سے قاری نہ صرف اُکتا جاےگا' بلکہ دق ہوجائیے گا - وہی ایک بات ایک دفعہ نہیں کہی گئی' بلکہ دس مرتبہ' اس پر بھی قناعت نہیں' دس مرتبہ اور تکرار کی؛ چند ورق لوٹیے توبیس مرتبہ پھر وہی خیال دھرا یا گیا ہے' اشعار کیا ہیں' پلٹنیں ہیں' جو الگ الگ وردی پہنے کھڑی ہیں - مثلاً :

ز شاگردان خود آگاہ می باش و لیکن از دروں با شاہ می‌باش
ز شاگرداں نظر کن راز بیچوں کہ ایشانند نور هفت گردوں
ز شاگرداں نظر کن خویش بنگر ترا بنہادہ سر در پیش بنگر
ز شاگرداں نظر کن تابدانی کہ از ایشاں حقیقت باز دانی
ز شاگرداں نظر کن راز بنگر همی انجام وهم آغاز بنگر
ز شاگرداں‌نظرکن هفت گردوں حقیقت بعد ازاں مرراز بیچوں (ص ۴۵۹)

میں اسی قدر نمونے پر اکتفا کرتا ہوں' ورنہ " ز شاگرداں نظر کن " کی پلٹن کے ابھی‌سترہ جواں اورباقی ہیں- میں ناظرین‌سے استدعاکرتا ہوں کہ اِن اشعار کےمعنوں پر غور نہ‌کی جاےاگر بالفرض ایسا کیاجاے تو غالب مرحوم کا یہ مصرع بھی یاد رهے

یہ ہے وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہوا

کچھ اِن اشعار پرحصر نہیں، تمام کتاب اسی صنعت میں لکھی گئی ہے —
ذرا ''ترا این جاست'' کا رسالہ ملاحظہ ہو :—

ترا این‌جاست ز ان‌ز یشان‌ندیدی — تو از آنسان بجاناں کل رسیدی
ترا این جا ست وصل و روشنائی — حقیقت نور دیدار خدائی
ترا این جاست بود کل مسلم — کہ دیدستی زخود دیدار آدم
ترا این جا ست آ دم آشکارہ — تو در او، او بتو این جا نظارہ
ترا این جا ست آدم تاکہ دیدی — کہ در دم دید آدم را بدیدی [ص۵۰۲]

اس رسالے میں اڑتیس سوار ہیں- اس کے بعد '' دل آگاہ '' کا توپخانہ ہے، جس میں تین اوپر چالیس توپیں ہیں :—

دل آگاہ می باید دریں راز — کہ دریا بد وِصال این جا نگہ باز
دل آگاہ می با ید دریں جا — کہ این در باز بکشاید دریں جا
دل آگاہ می باید دریں سر — کہ اسرارش ھمہ آمد بظا ھر [ص۵۰۴]

اِس کے عین بعد '' ھمہ وصلست'' کے بائیس اونچی کھڑے ہیں :—

ھمہ وصلست ھجراں رفت از پیش — ھمہ جانست مرجاں رفت از پیش
ھمہ وصلست و دیدار است این جا — دلت جاناں نہ پندار است این جا
ھمہ وصلست و دیدار است بیچوں — و لیکن تو شدہ این جا دگر گوں [ص۵۰۵]

الغرض کہاں تک لکھا جاے، یہی ایک ایسا مہیب منظر ہے، جس کو اِن مثنویوں کا سیاح ھفتخوان رستم سے زیادہ دشوار گزار اور نا قابل عبور مانتا ہے —

جوھرالذات کی پہلی جلد میں [جو نسبتاً میرے مطالعے میں زیادہ آئی ہے] موقعے موقعے پر اعلیٰ درجہ کی شاعری کے نمونے ملتے ہیں اور میرے لئے یہ امر موجب حیرت تھا کہ وہی شخص جس کی دماغ سوزی بالعموم ایک مبتذل قسم کی شاعری پیدا کرنے کی عادی ہے، ایسے نفیس اور عمدہ اشعار لکھ سکے، مثلاً:—

الا اے جان و دل را درد و دارو — تو آں نوری کہ لم تمسسہ نارو

تو در مشکات تن مصباح نوری | ز نزدیکی که هستی دور دوری
ز روزنهاے مشکلات مشبک | نشیمن کردۀ خاک مبارک
زجا جه بشکن و زیتت بروں ریز | بدور کوکب دُرّی در آویز
ترا با مشرق و مغرب چه کارست | که نور آسماں گردت حصارست
[ز بینائی مداں ایں فرد فرهنگ * | کهکنجشکے به بیندبستفرسنگ] (ص۲۹)

یا یه اشعار :—

مگر می کرد درویشے نگاهے | دریں دریاے پر دُر الٰهی
کواکب دیدچوں درشب افروز | کهشب از نورایشاں بود چوں روز
تو گفتی اختراں استاده اند ے | زباں با خاکیاں بکشا ده اند ے
کهھاں اے غافلاں هشیار باشید | بریں در گه شبے بیدار باشید
چرا چندیں سراندر خوابآرید | که تا روز قیامت خواب دارید
رخ در ویش بیدل ز آں نظاره | زچشمش در فشاں شدچوں ستاره
خوشش آمد سپهر کوز رفتار | زباں بکشاد چوں بلبل بگفتار
که یا رببام زندانت چنیں است | کهگوئی چوں نگارستان چیں است
ندانم بام ایوانت چسانست | که زندان تو بارے بوستانست [ص۱۹۰]

---

* خطوط هلالی میںنے ڈالے هیں' کیوں که یه شعر اشعارگذشته سے کوئی تعلق نهیں رکھتا' لیکن جوهرالذات کے قلمی نسخوں میں اسی مقام پر ملتا هے۔ اسرار نامه میں شیخ عطار نے اس شعر کو مع اسی قسم کے دیگر اشعار کے حیوانات پر انسانی تفوق کے استدلال میں لکھا هے' چنانچه :--

بآوازِ خوش خود سر مهفراز | که در ابریشم و نے هست آواز
خوش آوازئے بلبل ازتو بیش است | که سرمستخود وآواز خویش است
زشنوائی خود چنداں بمغروش | که بانگیے بشنود ده میل خر گوش
ز بویائی خود رو قصه کم گوے | که از یک میل موشے بشنود بوے
تو گر بیشی ازیں جمله ازانی | که بس گویا و بس پاکیزه جانی

اب ان اشعار اور اُن سہل اشعار میں، جو ٹھیک اِن سے پہلے درج ہوے ہیں، رات دن اور زمین و آسمان کا فرق ہے۔میں شروع ہی سے ان کو کالاے دزدیدہ مانے ہوے تھا، آخر اسرار نامۂ عطار میں اُن کا سراغ مل گیا۔ یہ ابیات اسرار نامۂ عطار طبع ایران کے ص ۳۰ اور ص ۱۱۱-۱۱۲ پر ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد مقامات* اور ہیں جہاں تین تین، چار چار، پانچ پانچ، اشعار اسی اسرار نامہ سے لیے گئے ہیں، بخوف طوالت ان کی فہرست پیش کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ مجھہ کو یقین ہے کہ اِن مثنویوں میں جو بہتر اشعار ہیں، بیرونی ہیں اور اسرار نامہ کا تو اس قدر ناس کیا گیا ہے کہ نا گفتہ بہ ہے —

جب ہم اِن کتابوں کا عطار کی دیگر تصنیفات سے مقابلہ کرتے ہیں تو اِن میں اس قدر نمایاں اور زبردست فرق دیکھتے ہیں کہ ہمیں اِن بزرگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو اُنہیں عطار کی تصنیف مانتے ہیں۔ 'ابا' ۔ 'ابر' اور 'ابے' عطار نے اپنی تصنیفات میں استعمال نہیں کیے۔ 'جاگہہ' 'حقیقت' وغیرہ عطار کے تکیہ کلام نہیں۔ اسرارنامہ، عطار نے ساٹھہ سال کی عمر میں لکھا ہے۔ جوہرالذات اور ہیلاج نامہ اگر در حقیقت انہی کی یادگار ہیں تو اسرار نامہ کے بعد لکھے گئے ہوں گے۔ اب ایک

---

* ذیل میں بعض ایسی اور مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں، جن میں صرف شمار صفحات و اشعار پر قناعت کی جاتی ہے :

جوہرالذات	ص۴۴، اشعار ۱-۲-۳-۴،	اسرار نامہ طبع ایران،	ص ۴۵، ابیات ۸-۹-۱۰-۱۱
,,	ص۵۰، اشعار ۱۳-۱۴-۱۵،	,,	ص۱۴۸، ابیات ۱۳-۱۴-۱۷،
,,	ص۵۰، اشعار ۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲،	,,	ص۸، ابیات ۹-۱۰-۱۱-۱۳-۱۴
,,	ص۷۱، اشعار ۲۲-۲۳-۲۵،	,,	ص۸۰، ابیات ۶-۷-۸،
,,	ص۹۹، اشعار ۲۹-۳۰-۳۱،	,,	ص۱۲۳، ابیات ۱۵-۱۶-۱۷،
,,	ص۱۸۰، اشعار ۱۷-۱۸،	,,	ص۹۵، ابیات ۲-۵،

اس دزدی کا دائرہ ابھی اور وسیع ہے اور تلاش سے متعدد مقامات اور نکل آئیں گے۔

شصت سالہ پختہ کار شاعر، جو ضرورت سے زیادہ پر گو ہے اور جس کو مضامین اس افراط کے ساتھ سوجھتے ہیں کہ وہ اُن کی کثرت آمد سے نالاں ہے، اس دور کی تصنیف میں اِس قدر بدل جائے گا کہ بالکل نئی زبان اور نئی روش اختیار کرلے گا، اس کی شاعری اِس قدر پھسپسی گھٹیل اور گوفت پیدا کرنے والی ہوجائے گی، جس سے انسانوں کی طبیعت مکدر ہونے لگے۔ وہی شاعر جس کا خسرو نامہ؛ نظامی کی ''شیرین و خسرو'' کے ہم پلہ مانا جاسکتا ہے، بعد میں ایسی مبتذل شاعری اختیار کرسکتا ہے، میں ماننے کے لیے طیار نہیں—

شیخ عطار، حسین بن منصور حلاج کے مبسوط حالات اپنے تذکرے میں لکھ چکے ہیں۔ وہ اگرچہ حسین کو عبداللہ خفیف، شبلی اور ابوالقاسم کی شہادت پر کاملین میں شمار کرتے ہیں، تاہم کوئی غیر معمولی عقیدت، اُس کی نسبت نہیں جتلاتے۔ تذکرے کے علاوہ مثنویات میں بھی کئی موقعوں پر اس کی حکایات ملتی ہیں، اُن میں بھی حسین کو کوئی خاص احترام نہیں دیتے، لیکن جوهرا لذات اور هیلاج نامہ میں، حسین ایک ایسے پیرایے میں پیش کیا گیا ہے، جس کے سامنے جنید اور شبلی جیسے درخشاں آفتاب، شمع بے نور معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اس طاقتور ہستی سے ادنیٰ ادنیٰ سوالات پوچھتے ہیں اور آخر میں اُس کے معتقد ہوجاتے ہیں۔ منصور کو اپنے خوارق پر ناز ہے اور اُس کے دعاوی اس قدر بلند ہیں کہ استغراق، محو اور محویت کے خط حد بندی کو توڑ کر حلول اور اتحاد کی ارض ممنوعہ میں داخل مانے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ خود عطار ہمیں اطلاع دے چکے ہیں کہ زنادقہ کا ایک ایسا گروہ بھی ہوا ہے، جو اتحادی اور حلولی ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ''حلاجی'' مشہور کیا ہے۔ وہ اگرچہ اِس کے اقوال کو سمجھے نہیں، لیکن اس کے قتل اور جلائے جانے پر فخر کرتے ہیں۔ چنانچہ بلخ میں دو شخصوں کا وہی حشر ہوا جو منصور کا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ عطار بحیثیت تذکرہ نگار اہل اللہ کے حالات اور زمانوں سے بخوبی واقف تھے، یہ مان کر اگر وہ جوهرالذات اور هیلاج نامہ لکھتے،

تو ظاہر تھا کہ ایسے صریح اغلاط مثلاً منصور اور بایزید کی گفتگو کے بے سرو پا واقعات نہیں لکھتے، حالانکہ بایزید کی وفات کا واقعہ سنہ ۲۶۱ ھجری یا سنہ ۲۶۴ھ میں پیش آتا ھے اور منصور سنہ ۳۰۹ ھجری میں دار پر چڑھایا جاتا ھے - پھر لطف یہ ھے کہ بایزید کو جنید کا مرید بتایا جاتا ھے، ان دونوں بزرگوں میں بایزید اقدم ھیں، اور شیخ عطار ھم کو اطلاع دیتے ھیں کہ جنید بایزید کے اس قدر معتقد تھے کہ، کہا کرتے تھے: "بایزید کا ھماری جماعت میں وھی مرتبہ ھے، جو حضرت جبرائیل کا ملائکہ میں ھے" - یہ اور دوسری صریح غلط بیانیاں، جو اِن کتابوں کے اوراق میں نظر آتی ھیں، عطار کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں —

حکیم ناصر خسرو اِسماعیلیوں کا داعی ھونے کی بنا پر، نیز سیاسی وجوہ سے ان ایام کے خراسانیوں میں جو اکثر حنفی اور شافعی تھے، نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ اِس لیے بہت کم مصنفوں نے اِس کا ذکر کیا ھے - محمد عوفی نے شاعر کی حیثیت سے بھی "لباب الالباب" میں اس کا ذکر نہیں کیا، نہ شیخ عطار نے اپنی مثنویات میں اِس کا ذکر آنے دیا - لیکن جوھرالذات میں اس عظمت کے ساتھ اس کا ذکر آتا ھے کہ ایک طرف حکما کا سرتاج اور دوسری طرف ولی کامل دکھایا گیا ھے - دشمنوں کے خوف سے، حکیم موصوف یمگان میں آکر پناہ لیتا ھے، اس واقعہ کو مصنف نے حکیم کے ذوق سلوک اور گریز از خلق کے نام سے تعبیر کیا ھے :

در آخر حکمتش افزود بیچوں — خدا را باز دید او بے چہ و چوں
خدا را باز دید او آخر کار — گریزاں شد ز خلق او کل بہ یک بار
خدا را باز دید و ذات او شد — کہ ایں معنی یقین ذات او بد
در آں قربت کہ بودش حد و امکاں — سلوکے کرد و خود را کرد پنہاں
بسوے قاف قربت رفت و بنشست — دراز عالم بروے خود فرو بست (ص ۳۱۹)

حکیم موصوف نے اِن ایام میں جس قسم کا سلوک اختیار کیا تھا، اس کی حقیقت اُن قصائد سے ظاہر ھوتی ھے، جو اِس نے اسی عزلت نشینی کے زمانے میں

لکھے ہیں اور بعض نواصب و مدح مستنصر اسمٰعیلی کی آوازوں سے گونج رہے ہیں؛
یہ قصیدے آج بھی موجود ہیں اور چھپ چکے ہیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت
میں ڈالنے والا یہ امر ہے کہ جہاں عطار نے جنید کو بایزید کا پیر بنا دیا اور
ناصر خسرو کو ولی کامل بنادیا، وہاں وہ حسین بن منصور کا نام بھی بھول گئے اور
اسی عام غلطی کے شکار بن گئے، جس میں شعرائے ایران مولانا رومی کے زمانے
سے مبتلا ہیں، جوہرالذات اورہیلاج نامے میں حلاج کا نام منصور بتایا گیا ہے، جو
بالکل غلط ہے، اُس کا نام حسین ہے اور منصور اس کے باپ کا نام ہے، شیخ عطار
اپنے تذکرے میں ہمیشہ اُس کو حسین کے نام سے یاد کرتے ہیں، یا بعض
وقت حلاج کے خطاب سے پکارتے ہیں، لیکن کبھی منصور کے لفظ سے یاد نہیں کرتے۔
اُن کی مثنویوں میں بھی منصور کی کئی حکایتیں ملتی ہیں، مثلاً منطق الطیر:

چون شد آن حلاج بر دار آن زمان جز انا الحق می نرفتش بر زبان

[کلیات ص ۱۱۰۵] اور الہی نامہ:

چو ببریدند ناگہ بر سر دار سرو دو دست حلاج آن چنان زار

[کلیات ص ۸۲۱] اور الہی‌نامہ:

پسر را گفت حلاج نکو کار بچیزے نفس را مشغول میدار

[کلیات ص ۹۱۱] اور اسرار نامہ:

بشب حلاج را دیدند در خواب بریدہ سر، بکف در جام جلاب

[ص ۴۵، طبع ایران]

یہاں ہر موقع پر حلاج کے خطاب سے لکھا ہے - قصہ مختصر، یہ بعض وجوہ ہیں
جن کی بناپر میں اِن دونوں کتابوں کو عطار کی تصنیف ماننے کے لئے
طیار نہیں —

مولانائے روم کے ”سخندان“ کے حوالے سے ’جامی‘ نے ایک روایت لکھی ہے کہ:
نور منصور ڈیڑھ سو سال بعد شیخ عطار کی روح پر تجلی کرکے ان کا مربی بن گیا

میں خیال کرتا ہوں کہ اس روایت کے زیر اثر مثنوی جوہرالذات وغیرہ تصنیف ہوتی ہیں اور یہ کوئی تنہا اقدام نہیں ہے، بلکہ اشترنامہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ روایت بالا کی تصدیق دیباچۂ ہیلاج نامہ سے ہوتی ہے، جہاں منصور کے پیکر مثالی کی آمد کا مفصل مذکور ملتا ہے۔ چونکہ ان مثنویوں میں عطار کی شہادت کا علی التواتر ذکر آتا ہے، بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ خواب میں آکر شہادت کی بشارت دیتے ہیں کہ: "منصور نے ہمارے اسرار کھولے، سزا پائی، جو منصور نے کیا وہی تم نے کیا، اس لیے ہم تم کو جام شہادت پلائیں گے"۔ اس بنا پر ضروری ہوا کہ شیخ کی شہادت کے اثبات میں کوئی چیز لکھی جائے، چنانچہ بے سرنامہ * مرقوم ہوا۔ یہ یاد رہے کہ جوہرالذات میں منصور کی طرح اہل ظاہر کے ہاتھوں شہید ہونے کی پیشین گوئی کی گئی ہے:

بخواہم کشتنت مانند حلاج   نہم بر فرقت این جا ہم چو او تاج   (ص۷۹۹)

ز عشقت آگہم اے بر تر از نور   کہ خواہم رفت بردارت چوں منصور   (ص۳۲۹)

اس لیے بے سرنامہ اسی عقیدے کی صدائے بازگشت ہے، لیکن موجب حیرت یہ امر ہے کہ اہل ظاہر نے یہ تہمت اپنے سر سے ہٹاکر تاتاری وحشیوں کے سر منڈھ دی، جس سے اہل ظاہر و اہل باطن کی روایات کے اختلاف نے ہمارے نزدیک بالفاظ صاحب جوہرالذات "ایک سر" کی شکل اختیار کرلی ہے، اور میں اکثر سوچتا رہا ہوں کہ اس فرضی عطار کی یہ آرزو:

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد   من جلوہ دہم بار دگر دار و رسن را

کبھی قوۃ سے فعل میں بھی آئی یا نہیں—

---

* بے سر سے مراد عطار ہیں، چنانچہ ہیلاج نامے میں بھی ایک موقعہ پر اسی نام سے پکارا گیا ہے:

سرافرازی کن اے بے سر در آخر   کہ این جا نیستت ہم سرور آخر

مبادیات تیاتر

از

(جناب مولوی نور الٰہی و محمد عمر صاحبان)

اُردو کے صفحات پر بارہا یہ ذکر آچکا ہے کہ دنیا کے ہر تیاتر نواز ملک میں، ڈراما نے مذہب کی گود میں پرورش پائی، لیکن جب مذہب نے اس کے سر سے دست شفقت اُٹھالیا تو اس نے اپنی آزادی کا اعلان کرکے اپنا حلقۂ اثر اسقدر وسیع کر دکھایا کہ خود مذہب کو کئی مرتبہ اپنی بقا کے لئے اِس سے استمداد کرنی پڑی - اس لئے اس مضمون میں اب اتنی ندرت نہیں رہی کہ اُسکا اعادہ بار خاطر ہونے سے محفوظ ہو —

یہ بھی اجمالاً بیان کیا گیا ہے کہ نقالی اور انسان نے ایک ساتھ جنم لیا اور وہ انسان کی سرشت کا اسقدر ضروری جزو ہے کہ دنیا کے عہد طفولیت کی تاریخ کو اٹھا کردیکھو تو معلوم ہوکہ ارتقائے انسانیت کی کتنی منزلیں اِسی کی بدولت طے ہوئیں - تا ایں دم انسان کا بچّا اسی کے سہارے چلنا ' بولنا ' کھانا ' پینا ' اڑنا وغیرہ سیکھتا ہے' کبھی گھوڑا بنتا ہے' کبھی گائے - کبھی انجن کی طرح دوڑتا ہے اور کبھی موٹر کی طرح آواز نکالتا ہے - غور سے دیکھیے تو یہ سب قدم ترقی ادراک کی طرف اُٹھ رہے ہیں اور اِن سب میں نقالی اُسکی دستگیر اور رہنما ہے - اسی نقالی کا ترقی یافتہ اور مہذب نام "ڈراما" ہے تہذیب اور شایستگی کا مدار تجربات انسانی پر ہے اور یہ تجربات کیا ہیں ؟

محض افعال انسانی کی نقل جو قبول و ترک دونوں کو شامل ھے۔ پس انکو منصۂ شہود پر لانا تہذیب عالم کی ترقی کے لئے ایک ناگریز امر ھے - جب ان کے صم و بکم مظاھر مثل تاریخ ، تذکرہ ، سیر و روایات ، انسان کو پختہ کار بنانے کی اھلیت رکھتے ھیں تو اُن کا چلتا پھرتا ، منہ بولتا مرقع (ڈراما) جواثر انسان کے دل و دماغ پر کریگا، وہ کتنا مہتم بالشان ھوگا - اگریہ سچ ھے کہ " شنیدہ کے بود مانند دیدہ " تو اسے بھی سچ مانئے کہ تأثر کے اعتبار سے کسی کتاب کا مطالعہ ڈراما سے آگا نہیں کھا سکتا - حضرت انسان کے دیگر سوانح نگار، واقعات سے ایک قدم آگے نہیں بڑہ سکتے اور جو کچھہ از منۂ ماضیہ میں ھوچکا اُسے بیان کر کے اپنا دفتر لپیٹ لیتے ھیں - لیکن ڈراماجو فطرتِ انسانی کا ماھر کامل ھے، اُن سے بہت آگے نکل جاتا ھے اور ممکنات کومعرض بحث میں لاکر یہ بھی دکھاتا ھے کہ فلاں کام کامآل ایک ایسی صورت میں بھی ممکن ھے، جو آج تک رونما نہیں ھوئی - تاریخ آپ کو " محو غم دوش " تو کردیگی، مگر " فکر فردا " پر آمادہ کرنا ڈراماھی کا کام ھے، وہ آپ کو بتلائیگی کہ دنیا نے کیا کیا - ڈراما آپکو دکھائیگا کہ دنیا کو کیا کرنا چاھیے - انہیں وجوھات پر مہذب دنیا میں ڈراما کو پریس ، پلیٹ فارم اور ممبر (پُلپِت) پر تر جیح دیجاتی ھے ۔ اگر کسی خزاں رسیدہ چمن سے، اس کے ایام بہار کا اندازہ نہیں ھوسکتا تو یہ فعل بھی بر خود غلط ھے کہ متداول ھندوستانی ناٹکوں سے فن ڈراما کا کوئی معیار قایم کیا جائے —

ھمارے موجودہ سٹیج یقیناً ابتذال کی آخری حد تک پہنچ چکا ھے اور ذوق سلیم کو اِن ڈراموں کی نمایش گوارا نہیں - بھلا ان بھنگڑ خانے کی نقلوں کو فن سے کیا نسبت - لیکن اِس افسوس ناک حالت کا ذمہ دار فن ڈراما نہیں کہ اُس کی طرف تو کوئی آنکھہ اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا - بلکہ اِس کی ذمہ دار وہ ھستیاں ھیں، جن کا ذکر سطور آئندہ میں آئیگا۔ کیا آج سے تیس چالیس برس پہلے کے رسائل و جرائد دیکھکر آپ کہہ سکتے ھیں کہ گالی گلوج اور فواحشات کے

اس سنداس سے زمیندار، ھمدم، ھمدرد، اردو، سہیل، معارف، زمانہ، بہارستان وغیرہ جیسے وقیع اور پر وقار اخبار اور رسالے پیدا ہونے ممکن ھیں۔ جس طرح ھندوستانی پریس کا ماضی ننگ صحافت تھا اور مآل باعث فخر و ابتہاج ھے، اسی طرح ھمارا سٹیج اگر آج ننگ فن ھے، تو ارباب نظر کی ذراسی توجہ سے وہ کل معراج کمال پر پہنچ سکتا ھے۔ ان سطور کو حوالۂ قلم کرنے سے فقط اتنی غرض ھے کہ ذرا ڈراما کی حقیقت آئینہ ھوجائے اور کھوٹے کھرے میں تمیز ھوسکے—

ڈراما کسے کہتے ھیں؟

ڈراما اُس مضمون سے عبارت ھے، خواہ نظم میں ھو یا نثر میں، جس میں افعال کے ذریعے انسان کی معاشرت، تمدن یا طریق کار کی تصویر اُتاری جائے۔ ڈراما ایک روداد ھے، جو عملاً کر کے دکھائی جاتی ھے، اور تذکرے کو اس میں مطلقاً در خور حاصل نہیں ھوتا۔ ڈراما ایک مکالمہ ھے، جس سے ایک ایسا نتیجہ برآمد ھوتا ھے، جو بخط راست افعال انسانی سے مترتب ھوتا ھو، اور : (۱) تماشائیوں کے سامنے (۲) سٹیج پر (۳) کھیل کر دکھایا جائے—

"ڈراما اُن لوگوں کا لٹریچر ھے، جو مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کرسکتے"۔ "ڈراما انسان کے اشرف المخلوقات ھونے کی زندہ دلیل ھے"۔ "ڈراما انسانیت کا وہ زبردست حربہ ھے کہ جس پر پڑتا ھے، اُسے پاش پاش کر دیتا ھے۔ اور جو اُس پر گرتا ھے چکنا چور ھوجاتا ھے"—

"ڈراما: "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں" کی متحرک تشریح ھے"۔ اِس کا مقصد بے ضرر تفریح، بلا زحمت تعلیم، بلا حجت نصیحت اور بےساختہ مواعظت ھے۔ سیاسی اور مذھبی پروپاگنڈا کے لیے مسلمہ طور پر بے خطا آلہ ھے۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں ایک ھندوستانی تھیٹریکل کمپنی کے اشتہار پر یہ شعر لکھا ھوتا تھا :

بشر کرتے ھیں جو کچھ نیک و بد کام
دکھا دیتے ھیں ھم ھر اک کا انجام

ٹریجڈی اور کومیڈی اس کی حقیقی اور قدیم اصناف ہیں۔ (۱) ٹریجی کومیڈی (Tragi Comedy)' (۲) برلیٹا' (Burletta) (۳) میلو ڈراما' (Melo Darma) (۴) فارس (Farce)' (۵) برلسک (Burlesque) (۶) اکسٹر یواگنزا (Extrauegenza) (۷) اوپیرا (Apera) (۸) اوپیرا کامک (Apera Camic) (۹) اوپیرا ایسیریا (Apera Seria) (۱۰) اوپیرا بفا (Apera Buffa) (۱۱) ماسک (Masque) اور متعدد اقسام کامیڈی محض بدعات ہیں اور ان کا مقصد نری تفریح اور دل لگی ہے۔ ماہران فن نے انہیں ڈراما تسلیم نہیں کیا۔ ٹریجڈی اعمال انسانی کے اُس پہلو کو بے نقاب کرتی ہے' جس میں وہ تنازع بقا کی اُلجھنوں میں پھنسا چلا جاتا ہے۔ فطرت' سماج یا ملک کے قوانین کی خلاف ورزی کی پاداش میں' ایک مصیبت میں گرفتار ہوتی ہے' لیکن اس کے اخفا یا مآل کار سے بچنے کی کوشش میں ایک اور غلطی کر بیٹھتی ہے اور نئی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں۔ بالآخر اِس کی زندگی اِسی کشمکش کی بھینٹ چڑھتی ہے۔ ٹریجڈی کے دیکھنے سے انسان کے دل میں جذبات ترحم' صلۂ رحمی اور مآل اندیشی پیدا ہوتے ہیں اور وہ تزکیۂ نفس کا باعث ہوتی ہے۔ ظلم و جور' بغض و حسد' رشک و رقابت' بے وفائی و بد عہدی وغیرہ کا انجام چلتی پھرتی صورت میں دکھاتی ہے' اور دکھا کر خاموش ہو جاتی ہے —

اس کے دیکھنے سے دل پر ایک ایسا پائدار اور رقت انگیز اثر ہوتا ہے' جو برسوں کے مطالعہ سے حاصل ہونا معلوم۔ اِس کے افراد کی گفتگو' وقار' سنجیدگی اور فلسفہ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس کامیڈی بذل و ظرافت کے پردے میں انسان کی خامی' سادہ لوحی اور تلون مزاجی کے کرشمے دکھاتی ہے۔ اس کے افراد تڑاق پڑاق باتیں کرتے ہیں' جس میں تصنع بیش از بیش ہوتا ہے اور بسا اوقات ضلع جگت پر بھی اُتر آتے ہیں۔ ٹریجڈی ہمیں دکھاتی ہے کہ دنیا مصیبتوں کا گھر ہے' اِس میں جا بجا پھندے لگے ہیں' جن میں پھنس کر انسان

کبھی کا نہیں رہتا اور گو دنیا غیر فانی ہو، مگر اُس کی ہر چیز آنی جانی ہے - اُس شخص کو بھی، جس نے ساری زندگی بے غل و غش گزاری ہو، موت کا دھڑکا لگا رہتا ہے، کوئی مسرت نہیں، جو ہمیشہ بہار ہو - چین کا کوئی پہلو نہیں، جسے سدا قرار ہو - ٹریجڈی اہل نظر کے سامنے ایک دفتر معرفت کھول دیتی ہے اور اُس کا ہر سین اُنھیں یہی سبق دیتا ہے کہ:

ٹھوکر سے بچکے چلیے فکر مآل کیجیے

ماضی کے تجربے سے اصلاح حال کیجیے (آغا حشر کاشمیری)

کامیڈی انسان کو علائق حیات سے دور کھینچ لی جاتی ہے اور ہنسی مذاق میں ایک آئینہ ہمارے سامنے کر دیتی ہے - مگر ہم اپنے چہرے کے عیوب دیکھکر کھوے نہیں جاتے، بلکہ ہنس پڑتے ہیں- پس ٹریجڈی کا مقصد اصلاح عمل و نفس اور کامیڈی کا اصلاح اخلاق و وضع ہے - ایک فلسفی گریاں ہے، تودوسری فلسفی خنداں، ایک (تھیکرے)ہے، تو دوسری (ڈکنز) ایک [حالی] ہے تو دوسری[اکبر] —

[ارسطو] ٹریجڈی کی یہ تعریف کرتا ہے کہ: "وہ کسی موزوں، معروف اور مکمل روئداد کی ایسی نقل ہے، جسے حرکات سے ادا کیا جائے اور کوئی واقعہ روایت کے طور پر نہ سنایا جاے - لازم ہے کہ یہ روئداد کوئی حجم رکھے، اُس کی زبان خوش آئند ہو اور اس کے ذریعے ترحّم اور خوف کے جذبات بیدار ہوں"- کامیڈی کے متعلق اس کی یہ رائے ہے کہ: "یہ بد اخلاق اشخاص کی نقل ہوتی ہے، لیکن اس میں کسی کے تمام و کمال معائب نہیں گنے جاتے، بلکہ صرف انھی کی کھلی اُڑائی جاتی ہے، جو مضحکہ خیز ہوں اور صرف وہی عیب تضحیک پیدا کرتے ہیں، جن سے رنج وتکلیف کا پہلو نہ نکلتا ہو" —

سسرو (Cisro) کا قول ہے کہ کامیڈی حیات انسانی کی نقل، رواج کا آئینہ، اور صداقت کا عکس ہے —

جارج میرڈتھ (G.Meredith) کامیڈی کو معقولیت کا سر چشمہ سمجھتا ہے—

ڈوناٹس [Donatis] کے عندیے میں کامیڈی وہ کہانی ہے، جسمیں سماج اور اُس کے ارا کین کی مختلف عادات اور رواج بتائے جائیں، جس سے یہ معلوم ہوکہ کونسی باتیں قابل اخذ ہیں اور کونسی واجب الترک ؟ -

جویس سیزر اسکالگر [J.S.S.Caliger] رقمطراز ہے کہ کامیڈی کی طرح ٹریجڈی بھی حقیقی زندگی کی وضع پر ڈھالی جاتی ہے، لیکن اس میں حیثیت افراد، فطرت عمل اور نتیجے کی رو سے فرق ہوتا ہے- کامیڈی کے افراد، دھقانوں اور جہلاسے لیے جاتے ہیں - آغاز میں کامیڈی ایک الجھنوں کی پوٹ پیش کرتی ہے اور آخر میں جب یہ اُلجھنیں کھلتی ہیں تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے - اُس کی زبان وہی ہوتی ہے، جو افراد متعلقہ کے حلقے میں بولی جاتی ہے- بنوع دیگر ٹریجڈی کے افراد بادشاہوں اور شہزادوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور اُن کی گفتگو شاندار اور پر وقار ہوتی ہے - ٹریجڈی کا آغاز پر سکون، لیکن انجام ہولناک ہوتا ہے، یہ لازم نہیں کہ نتیجہ افسوسناک ہو - ٹریجڈی کے لئے صرف اتناھی بس ہے کہ اُس میں کسی کیرکٹر کی موت واقع ہو —

کاسٹل ویٹروو Castelvetr o کہتے ہیں کہ ٹریجڈی انسانوں کی نہیں بلکہ ان کے افعال کی نقل ہوتی ہے —

جین ڈیلاٹیل (Jean De La Taille) کی رائے ٹریجڈی کے متعلق یہ ہے کہ: اس کا حقیقی اور واحد مقصد ہمارے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا ہے، اور اس کے حصول کے لئے مضمون درد ناک اور تلخ نوا ہونا چاہئے جیساکہ کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے بچوں کو یا خود اپنے تئیں ہلاک کرے- کہانی میں اس طرح کے امرا کا ذکر نہ ہو، جو سزا کے مستحق ہوں- بالکل نیک دل اور مرنجان مرنج اشخاص کے لئے ٹریجڈی میں کوئی جگہ نہیں - قدیم علمائے ہند ٹریجڈی کے جواز سے منکر ہیں اور پرا چین ہندوستانی ناٹک سب کے سب کامیڈی کی طرز پر لکھے گئے ہیں، مگر اُن کے افراد میں اعلیٰ طبقے کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں- موجودہ ہندوستانی

ستیج تھیٹھ ٹریجڈی اور کامیڈی سے قطعاً نا آشنا ھے اور ھمارے یہاں کے ڈرامے' میلوڈراما یا ٹریجی کامیڈی کی بگڑی ھوئی شکل ھیں —

اصطلاحات

دیگر علوم و فنون کی طرح ڈراما اور ستیج بھی خاص اپنی اصطلاحوں کے مالک ھیں' لیکن اِن میں سے بہت کم ھندوستان میں متعارف ھیں اور یہ کوتاھی اکثر ڈراما اور مغربی لٹریچر کے سمجھنے میں دقت پیدا کرتی ھے۔ اگرچہ حافظ محمد عبداللہ ڈراما نگار اور ایکٹر نے سنہ ۱۸۸۹ ع میں چند اصطلاحات کی تشریح کی تھی اور مرزا محمد ھادی مرزا لکھنوی نے بھی سنہ ۱۸۸۷ ع میں اِس ضمن میں تھوڑا سا کام کیا ھے' لیکن یہ دونوں مساعی چنداں جامع نہیں' اس لیے ضروری معلوم ھوتا ھے کہ چند ضروری اصطلاحات پر غور کیا جاے اور دیکھا جاے کہ کس طرح ھم انھیں اپنی زبان میں جذب کرسکتے ھیں' آیا اُن کا ترجمہ کرنا مفید ھے یا اُنھیں بجنسہ انگریزی لفظوں میں رھنے دیا جاے؟ کیونکہ اُن میں' سے اکثر ھمارے یہاں انگریزی ھی میں بولی جاتی ھیں اور اُن کے ترجمے کی ترویج وقت اور محنت چاھتی ھے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ھے کہ ستیج والے کسی بیرونی مشورے پر کان دھرنا گوارا ھی نہیں کرتے' نیز ترجمے کو رائج کرنے میں اُنھیں کسی فائدے کی اُمید بھی نہیں ھوسکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھنا ھے کہ تھیٹریکل کمپنی کے عملے میں پارسی' گجراتی' مدراسی' بنگالی' پنجابی' لکھنوی' دھلوی' مختلف صوبوں کے آدمی ھوتے ھیں۔ اس لیے اصطلاحات ایسی ھونی چاھئیں' جن پر وہ سب من حیث الجماعت یکساں طور پر حاوی ھوسکیں۔ ھم اِس وقت فقط اُن کی تشریح و توضیح پر قناعت کرتے ھیں —

(۱) ایکٹ Act

ناٹک کا ایک باب (حافظ)

تماشے کا ایک حصہ یا مرقع کا ایک باب۔ کشاکش۔ (مرزا) پہلے تماشے کے اُس حصے کو کہتے تھے' جس میں تمام ایکٹر ستیج سے چلے جایا کرتے تھے۔ اب اُس حصے کو

کہتے ہیں، جب واقعات کی ایک کڑی مکمل ہوکر، ایکٹروں کو تھوڑی دیر کے لیے دم لینے کا موقع دیتی ہے—

(۲) ایکٹر Actor

تماشہ کرنے والا (حافظ)

تماشہ گر (مرزا)

ستھری اونک فن کا ماہر، جذبات انسانی کا محرک ترجمان، واعظ بالفعل و بلاقول

(۳) ایکٹر پروف Actor Proof

اُس ڈراما کو کہتے ہیں، جس کے لیے کسی ماہر ایکٹر کی ضرورت نہ ہو، ہر ایک ایکٹر، ہر ایک پارٹ کرسکتا ہو—

(۴) آڈی ٹوریم Auditorium

وہ جگہ جہاں تماشائی بیٹھتے ہیں، اس کے علیٰ قدر محصول مختلف درجے ہوتے ہیں—

(۵) اسائیڈ Aside

علاحدہ - (عام) دل میں (آزاد) وہ الفاظ جو کوئی ایکٹر دوسرے ایکٹروں سے ذرا علاحدہ ہوکر کہتا ہے اور یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسرے ایکٹر اسے نہیں سن رہے، یہ اصطلاح فن کی نقیض قرار پاکر متروک ہوچکی ہے، اب صرف پرانے ڈراموں میں دیکھی جاتی ہے - ہندوستان میں ہنوز رائج ہے—

(۶) آڈی ڈی انس پروف = Audiance Proof

وہ ڈراما جو ہر طبقے کے تماشائیوں کو یکساں طور پر خوش کرسکے

(۷) بکس سین Box Scene

ایک مکمل کمرے کا سین

(۸) بکس آفس پلے Box office play

وہ تماشہ جس پر بہت آمدنی ہو، یعنی زیادہ ٹکٹ فروخت ہوں—

(۹) بزینس Business

ایکٹر کی وہ حرکات و سکنات جو شارح حال ہوں - بالخصوص ایسی حرکت جو ضرورت تکلم کو محو کردے - ہمارے تھیٹروں میں اسے ایکٹ موشن (Act motion) کہتے ہیں جو دراصل "بتانا" ہے - لیکن بزنیس (Business) بتانے سے بلند تر چیز ہے - اس میں تمام اعضا و جوارح کو کام کرنا پڑتا ہے - اب اس پر بہت پابندیاں عاید کی گئی ہیں اور بلا ضرورت محض تحسین کلام کے لیے حرکت کرنا قطعاً منع ہے —

(۱۰) کاسٹ = Cost

وہ ایکٹر جن میں ڈراما کے کیرکٹروں کے پارٹ تقسیم کئے گئے ہوں—

(۱۱) کامیڈی Comedy

وہ قصہ جس کا انجام خوشی پر ہو —

کھوریا (مرزا)

داستان بہجت اہل ایران

بزمیہ (رسالۂ اُردو)

اس پر بحث ہو چکی ہے —

(۱۲) کیو Cue

کسی فقرے کے آخری چند الفاظ جو کسی فرد کے سٹیج میں داخل ہونے یا کسی تقریر یا فعل کے آغاز سے یا کسی سین کے بننے سے پیشتر سٹیج پر بولے جائیں - Bite your cues کے معنی ہیں کہ کسی تقریر کے ختم ہوتے ہی اپنی تقریر شروع کردو—

(۱۳) ڈراما ٹسٹ Dramatist

مصنف مرقع - مرقع نگار (مرزا)

اسے پوئیٹ (poet) اور پلے رائٹ (Play wrijht) بھی کہتے ھیں ' ادبیات میں تھیٹر پوئیٹ کے نام سے بھی یاد کرتے ھیں —

(۱۴) ڈراماٹک پرسنز = Dram atis personal

اهل ڈراما — (سید تفضل حسین ' ناڈر)

تخته' ناٹک — (عام اردو ڈراما نگار)

فہرست اشخاص — (مرزا)

اشخاص — (ڈاکٹر عابد حسین)

اشخاص ڈراما — (عام)

ارکان ڈراما —

افراد اهل مجلس — (ایران)

کسی خاص ڈراما کے کیرکٹروں کی فہرست

(۱۵) ڈینومنٹ کٹیاسٹرافی Dinument Catastrophe

انجام

ڈراما کا منتہی واقعہ ' جیسے کامیڈی میں شادی اور ٹریجڈی میں آخری بڑے کیرکٹر کی موت —

(۱۶) ڈراپ سین Drop Scene

وہ پردہ جو هر ایکٹ کے اختتام پر گرتا ھے (حافظ) وہ پردہ جو هر ایک کشاکش کے اختتام پر گرتا ھے - نہائش بند (مرزا -) آج کل یورپ میں اس پردے کو بلائینڈ Blind کہتے ھیں ' کیونکہ وهاں بالعموم ایک هی پردہ استعمال هوتا ھے ' باقی سین سینری سے بنائے جاتے ھیں - جن کے لیے بڑی بڑی مشینیں کام کرتی ھیں - سٹیج بھی پھرنے والا هوتا ھے ' اُسے جدھر چاھیں گھما سکتے ھیں - ایکٹ کے اختتام پر جو پردہ گرتا ھے' اُسے کرٹین (Curtain) کہتے ھیں —

(۱۷) ڈریس دی سٹیج (Dress the Stage)

ایکٹروں کو سٹیج پر اس طرح کھڑا کرنا کہ سین میں ایک شان دلاویزی پیدا ہو جائے —

(۱۸) ڈراما ٹرجی Dramaturgy

نٹ شاشٹر

ڈراما لکھنے اور اسے تمثیل کرنے کا فن

(۱۹) انٹرنس Entrance

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر داخل ہونا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ میں آنا داخلہ درآمد (مرزا)

اس سے نہ صرف کسی ایکٹر کا سٹیج پر آنا مراد ہے بلکہ اس سے اس طریق کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے وہ داخل ہوتا ہے۔ اس میں وہ فقرہ بھی آجاتا ہے جس کے بولے جانے پر اُسے داخل ہونا چاہئیے۔ اس میں وہ امور بھی شامل ہیں جن کے انصرام کے لیے وہ سٹیج پر آتا ہے—

(۲۰) اگزٹ Exit

کسی خاص ایکٹر کا سٹیج پر سے چلا جانا (حافظ)

کسی تماشہ گر کا تماشہ گاہ سے چلا جانا۔ خارجہ۔ برآمد۔ رفت (مرزا)

کسی ایکٹر کا اگزٹ لائن بول کر سٹیج سے عارضی یا دائمی طور پر چلے جانا وہ فقرہ جو تمام باخبر ڈراما نگار بہت توجہ سے لکھا کرتے ہیں۔ اور ایکٹر سٹیج سے نکلنے کے وقت اسے بڑی احتیاط سے بولا کرتا ہے تاکہ اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس کے کام کا اثر تماشائیوں کے دل و دماغ پر رہے—

(۲۱) انسمبل Ensemble

جملہ افراد ڈراما کے عمل متحدہ کا نتیجہ —

(۲۲) فیٹ پارٹ Feat Part

اس پارٹ کو کہتے ھیں جس میں ایکٹر کو اظہار کمال کا موقع ملے —

(۲۳) فٹ لائیٹ Foot Light

وہ لمپ جو سٹیج کے سامنے زمین پر رکھے جاتے ھیں - اب یورپ میں انھیں استعمال نہیں کیا جاتا - اور فٹ لائٹ سے صرف سٹیج کے مرادی معنے لئے جاتےھیں- کسی ایکٹر کے تماشائیوں پر اپنا رنگ اثر جمانے کو To get over the foot light کہتے ھیں —

[۲۴] فلائی Fly

سٹیج کے اوپر کی تمام جگہ اور جو کچھہ اس میں ھو - تمام اسباب جو سینری لگانے میں استعمال کیا جائے —

[۲۵] گرین روم Green room

وہ کمرہ جہاں ایکٹر اپنے فارغ وقت میں بیٹھا کرتے تھے زمانہ حال کے مغربی تھیٹروں میں اب یہ کمرہ نہیں بنایا جاتا - ھر ایکٹر کا اپنا علحدہ کمرہ ھوتا ھے —

[۲۶] گیگ Gog

اُس فقرہ کو کہتے ھیں جو کتاب میں نہ لکھا ھو اور ایکٹر کی فقرہ کو کئی بار مختلف نمائیشوں میں استعمال کرے تو اُسے ویز [Wheeze] کہتے ھیں —

[۲۷] ھسٹری اونک آرٹ Historionic art

ایکٹری کافن —

[۲۸] لائنز Lines

سطر

مصرع

فقرہ

سٹیج کی اصطلاح میں الفاظ کو کہتے ھیں —

[۲۹] **لبریتّو** Libreto

گانوں کی کتاب گائن

[۳۰] **میک اَپ** Make up

بھروپ بھرنا-پینٹ کرنا

کسی ایکٹر کا مختلف چیزیں استعمال کرکے اپنی وضع وقطع اور شکل وشباہت کو ڈراما کے کیرکٹر کے مطابق بنانا —

یورپ میں اب یہ جداگانہ فن تسلیم کیا جاتا ہے —

[۳۱] **ارکسٹرا** Orchestra

سازندے:— وہ جگہ جہاں ساز بجائے جاتے ہیں - سٹیج کے سامنے کی نزدیک ترین جگہ - اعلیٰ نشست —

[۳۲] پرو لوگ Prologue

تمہید عنوان [تماشہ گروں کی اصطلاح میں مجرا کہتے ہیں] وہ نظم جو جو قبل شروع موقع وارد کی جائے [مرزا] —

ابتدا میں پرولوگ یا کورس اس فرد کو کہتے تھے' جس کی نسبت یہ فرض کیا جاتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا - یہ پلاٹ کی کمزوریوں کو اپنی توضیح سے دور کیا کرتا تھا - مگر یہ ڈراما کا کوئی کیرکٹر نہیں ہوتا تھا' بعد میں اُس شخص کو کہنے لگے جو آغاز تماشہ میں سٹیج پر آکر تماشائیوں کو اس کے مطالب سے مختصر الفاظ میں آگاہ کیا کرتا تھا - پھر اس نظم کو کہنے لگے جو تماشہ شروع ہونے سے پہلے بہترین ایکٹر پڑھا کرتا تھا' اُس میں زیادہ‌تر ممکن اعتراضات کا جواب‌دیا جاتا تھا' اب متروکات میں داخل ہے - سنسکرت ڈراموں میں اِن فرائض‌کو نندی یا سوتر دھار ادا کیا کرتے تھے — ہمارے ڈراموں کے آغاز میں جو حمد یا نندی ہوتی ہے' وہ اسی پرولوگ کی باقیات سے ہے - چوں کہ اُس کا ڈراما کے انکشاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا' اس‌لئے

یہ یقیناً محض حشو اور تضیع اوقات ہے —

[۳۳] پروسی نیم Proscenium

سٹیج کا وہ حصہ جو ڈراپ سین کے سامنے ہوتا ہے - ڈراپ سین اور اس کا فریم —

[۳۴] پرا پرٹی Property

اُن چھوٹی چھوٹی چیزوں کو کہتے ہیں، جن کی کھیل کے دوران میں انکشاف داستان کے لئے ضرورت پڑتی ہے - ہر ڈراما کی پراپرٹی بالعموم مختلف ہوتی ہے، اُس کے مہتمم کو " پراپ Prop " کہتے ہیں —

[۳۵] پلے بل Play bill

ڈراما کا مختصر پروگرام، جس میں بتایا گیا ہو کہ فلاں پارٹ فلاں ایکٹر کریگا —

[۳۶] پلے بک Play book

وہ کتاب جس میں ڈراما کا تمام متن مع حواشی درج ہو —

[۳۷] پلے ڈے Play day

یوم نمائش وہ دن جب ڈراما کی نمائش ہوتی ہو —

[۳۸] پلے گوئر Play goer

تیاتر نواز وہ شخص جو بالالتزام تھیٹر جاتا ہو —

[۳۹] پلے ہوس Play house

وہ مقام جہاں ڈراما دکھایا جاتا ہو —

[۴۰] پلے ٹائیم Play time

تماشے کا وقت —

[۴۱] پلے اے پارٹ Play a part

پارٹ کرنا - اب کسی پارٹ کو ایکٹ کرنا نہیں کہتے، بلکہ پلے [play] کرنا

کہتے ھیں- پارٹ کرنا ھندوستانی اصطلاح ھے —

[۴۲] پروڈیوس Produce

تیار کرنا - ڈراماکو ستیج کے لئے بھمہ وجوہ مکمل کرنا- اُس کے مہتمم کو پروڈیوسر Producer کہتے ھیں —

[۴۳] پلاٹ Plot

کہانی ' روئداد ' کتھا ' واقعات کا ترتیب وار ستیج پر ظہور میں آنا - اُس کی صحت کا معیار یہ ھے کہ اُس میں حسب ذیل تین باتوں میں سے دو پائی جائیں :

[الف] کشمکش [Struggle]

[ب] دل بستگی [Interest]

[ج] حیرت آمیز انتظار [Suspense]

[۴۴] پرامپٹ Prompt

لقمہ دینا :— ایکٹر کے حافظے کو تازہ کرنے کے لئے کسی فقرے کے پہلے چند الفاظ بتانا پرامپٹ کرنے والے کو (پرامپٹر) کہتے ھیں - یہ کتاب ھر حیثیت سے مکمل رکھنے کا ذمہ دار ھوتا ھے' اور کسی حد تک نقاد کے فرائض بجا لاتا ھے - اس کتاب کو' جو اس غرض سے استعمال کی جاتی ھے اور صحت کے لحاظ سے بہترین ھوتی ھے' پرامپٹ بک کہتے ھیں —

(۴۵) ریہرسل Rehearsal

مشق' تعلیم' ایکٹروں کا اپنے پارٹ مل کر دوھرانا - اس کے دوران میں ڈراما میں ضروری ترمیم و تنسیخ ھوتی رھتی ھے —

(۴۶) سین Scene

ایک ایکٹ کا وہ حصہ' جس کے واقعات مندرجہ ایک وقت اور ایک مقام پر ظہور میں آئیں - (حافظ)

ایکٹ کا ایک جزو، جس کے واقعات ایک وقت اور ایک موقع پر واقع ہوں۔

نمائش ۔ (مرزا)

مجلس — (اہل ایران)

نمائش — (طالب)

جھلک — (آزاد)

منظر — (عام)

جھانکی — (ہندی)

واقعات کے یکے بعد دیگر رونما ہونے کی ترتیب (انگلستان)

چند ایکٹروں کے سٹیج پر ہونے، یا اُن میں کسی اور ایکٹر کے آجانے سے ایک نئے سین کا آغاز ہوتا ہے (فرانس)

مکالمہ مابین چند افراد ڈراما — (سپین)

(۴۷) سین ۔ پلاٹ Scene Plot

ڈراما کا وہ خاکا جس سے ایکٹروں کا انٹرینس Entrance، اگزٹ (Exit) سینوں (سینز) اور فرنیچر کی ترتیب معلوم ہوتی ہے۔

(۴۸) سنیریو Scenario

ڈراما کا مختصر ترین خاکا جس سے اور خاکے بنانے میں مدد ملے۔

(۴۹) سیچوایشن (1) Situation

(2) To build a big moment

ایکٹروں کی وہ تحیر آمیز حالت جو دوران عمل میں پیدا ہو جاے۔ ڈراما کی روح رواں یہی ہوتی ہے۔

(۵۰) سٹ Set

ہر حیثیت سے مکمل سین۔

(۵۱) سٹیج Stage

تماشہ کرنے کا مقام — (حافظ)

تماشا گاہ — (مرزا)

تھیٹر کا وہ چبوترہ جس پر آکر ایکٹر کام کرتے ھیں، سٹیج کے متعلق جملہ سامان اور کمرے اس میں شامل ھوتے ھیں - فعل کی صورت میں اس کے معنے سٹیج کرنے کے ھیں—

(۵۲) سٹیج ڈائرکٹر Stage Director

وہ شخص جو سٹیج کے لئے ایکٹروں کو تیار کرے - یہ سٹیج کی ترتیب کا سامان کرتا ھے ، ایکٹروں کو مناسب حال بزنس (business) بتاتا ھے، سینری کے متعلق ھدایات دیتا ھے ، مگر سٹار ایکٹر اس کے زیر اثر نہیں ھوتے - اس کے فرائض پروڈیوسر Producer سے ملتے جلتے ھیں—

(۵۳) سٹیج منیجر Stage Manager

تماشا کے دوران میں یہ شخص سٹیج کا انتظام کرتا ھے - ایکٹر پراپ، لائٹ مین، شفٹر، سب کے سب اِسی کے اشارے پر چلتے ھیں - ایکٹ کرنے کے سوائے باقی تمام تفصیلات کے متعلق اِسی کا حکم ناطق ھے - بسا اوقات سٹیج ڈائرکٹر کے فرائض بھی ادا کرتا ھے—

(۵۴) سٹیج کریفٹ Stage Craft

سٹیج کا پیشہ ، جسے پروفیشن Profession بھی کہتے ھیں، ڈراما لکھنے اور ادا کرنے دونوں پر حاوی ھے—

(۵۵) سٹیج فرائٹ Stage Fright

تماشائیوں کے سامنے سٹیج پر جانے سے جھجھکنا—

(۵۶) سٹیج سٹرک Stage Struck

وہ شخص جو سٹیج کا اس قدر متوالا ھو جاے کہ خود ایکٹر بننے کا خواھاں ھو—

(۵۷) ستیج وسپر Stage Whisper

اسائیڈ (Aside) کا دوسرا نام

(۵۸) ستیج ڈائرکشن Stage Direction

هدایات ستیج، هدایات تمثیل، اِن هدایتوں میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کوئی ایکٹر کس وقت اور کس طرف سے ستیج میں داخل ہو، کہاں کھڑا ہو کر گفتگو کرے، کب اور کس راستے سے باہر نکل جاے—

(۵۹) سالولکی So'iliquy

کلام شخصی، گفتگو انفرادی، گفتگوے عالم تنہائی، وہ گفتگو جو کوئی ایکٹر عالم تنہائی میں خود بخود کرتا ہے اور کبھی کبھی تماشائیوں کو مخاطب کرلیتا ہے - اِسے مانولوگ (Monologue) بھی کہتے ہیں - یہ اصطلاح متروکات کی فہرست پر چڑھ چکی ہے، مگر ہندوستان میں رائج ہے —

(۶۰) ستار — Star

چیف ایکٹر (ہندوستانی ستیج) نامور، بلند پایہ ایکٹرس یا ایکٹر - جو پارٹ بالخصوص ایسے ایکٹر کے لیے لکھا جاتا ہے، اُسے ستار پارٹ کہتے ہیں —

(۶۱) ستیجی — Stagey

اُس ڈراما کو کہتے ہیں، جو ستیج ہونے کے قابل ہو—

(۶۲) تھیٹر — Theatre

تماشہ خانہ — (مرزا)

تیاتر — اهل ایران

سنگت شالا — (ہندی)

(لغوی ! دیکھنا = نظارہ) ستیج اور آڈی ٹوریم کی مجموعی عمارت - وہ مقام جہاں تماشائیوں کو دکھانے کے لیے تماشہ کیا جاے - انگریزی میں صرف انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مگر فرانسیسی میں ڈراما اور ستیج دونوں پر حاوی ہے -

اُس کا مفرس تیاتر بھی انھی معنوں کا حامل ھے —

(۶۳) ٹریجڈی — Tragedy

وہ قصہ جس کا انجام غم ھو - ترا غوڈ - ترا جیڈ (مرزا)

داستان الم — (اھل ایران)

المیہ — (رسالۂ اُردو)

(سطور بالا میں اس پر روشنی ڈالی گئی ھے —

(۶۴) ٹو لٹریری — Too literary

وہ ڈراما جس کا ادبی پہلو اتنا بلند ھو گیا ھو کہ سٹیج کے مصرف کا نہ رھا ھو - عام طور پہ اسی ڈراما کہتے ھیں ' جس میں لمبی لمبی تقریروں کی بھر مار ھو —

(۶۵) ٹو پریشز — Too Precious

ریہرسل کی اصطلاح - اس کا مطلب ھے کہ ھر لفظ پر مت زور دیتے چلے جاؤ -

(۶۶) تھیم — Theme

وہ خیال جو ڈراما کی تہ میں مضمر ھوتا ھے - اور جس کے گرد سارا پلاٹ گھومتا ھے —

(۶۷) ونگ — Wing

پردوں یا سینری کے وہ اجزا جو دونوں پہلوؤں پر لگائے جاتے ھیں —

(۶۸) چپ - راست - وسط Right - Left - Centre

(الف) ایڈی توریم میں سٹیج کی طرف منہ کر کے کھڑے ھو جائیں تو ھمارا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا - اور سٹیج کا وہ جو ھمارے سامنے ھے اس کا وسط ھے - یا : —

(ب) ایکٹر جب تماشائیوں کی طرف منہ کرکے سٹیج پر کھڑا ھو تو اُس کا چپ و راست سٹیج کا چپ و راست ھوگا' اور اسی چپ و راست کا

درمیانی حصہ وسط ہے—

اصول و قواعد

ڈراما کا منتہاے کمال (Illusion) نظر فریبی پیدا کرنا ہے، یعنی جہاں تک ممکن ہو نقل مطابق اصل دکھائی دے، بلکہ سحویت کا وہ عالم پیدا ہوجاے کہ واقعات اپنے حقیقی لباس میں اُن کے سامنے دوڑتے نظر آئیں - ایسی تمام باتیں، جن میں "کیوں" اور "کس طرح" کی گنجائش ہو، باوجود اپنی گونا گوں دلچسپی کے نظر فریبی پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہیں - پس سب سے بڑی بات اِسی کیفیت کا پیدا کرنا ہے - یہ کام اتنی وسعت نظر چاہتا ہے کہ اگر وجدان صحیح شامل حال نہ ہو، اور سٹیج کے لوازمات سے آگاہی تام نہ رکھتا ہو، تو کوئی شخص تمام عمر کے مطالعہ سے بھی ڈرامانگاری پر قدرت حاصل نہیں کرسکتا - اسی اصول کو مد نظر رکھکر ماہرین فن نے چند قواعد وضع کیے ہیں، جن سے فن ڈراما کی فہمید میں مدد ملتی ہے - یہ قواعد ڈراما نگاری میں راہنما کا اور ڈراما فہمی میں معیار کا کام دیتے ہیں - ان قواعد سے چند ایک کی تلخیص حسب ذیل ہے—

(ارسطو*)

ارسطو نے Poetics کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے نکات ڈراما پر بحث کی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اُس کے زمانے میں ڈراما کن اصول و قواعد کے تحت لکھا جاتا تھا - یہ کتاب مدت مدید تک عربوں کے قبضے میں

---

* ارسطو (Aristotle) (سنہ ۳۸۴ ق-م سنہ ۳۲۲ ق - م) یونان کے شہر سٹاگیرا میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۸ سال کی عمر میں 'ایتھنز' میں آکر بیس سال تک افلاطون (Plato) کے ساتھ کام کرتا رہا - افلاطون کے مرنے کے کچھ عرصہ بعد فیلقوس (Phillip) شاہ مقدونیہ کے پاس چلا گیا، جہاں ۸ سال تک اس نے سکندر کی اتالیقی کے فرائض ادا کیے، جب فیلقوس بھی مرگیا تو وہ واپس ایتھنز آگیا اور باقی عمر درس و تدریس میں مشغول رہا—

رهی اور یورپ کو اُس کا کچھہ بھی علم نہ ہوا - قریباً سنہ ۹۳۵ ع میں ابوبشر نے اس کا ترجمہ سریانی سے عربی میں کیا - بارھویں صدی میں ایک مور (Moor) عالم نے اس عربی ترجمہ کی تلخیص شائع کی - تیرھویں صدی میں ہرمن فاسی (Herman) ایک جرمن فاضل نے اس ملخص کو لاطینی میں منتقل کیا - سنہ ۱۴۹۸ ع میں جیو رجیو والا (Gior jiovalla) ایک اطالوی ادیب نے اس کا لاطینی میں ترجمہ وینس سے شائع کیا - سنہ ۱۵۰۸ ع میں اصلی کتاب یونانی زبان میں شائع ہوئی - سنہ ۱۵۳۶ میں الیسنڈرو ڈیپازی (Allessandro De pazzi) نے اصلی یونانی متن کے ساتھہ لاطینی ترجمہ شائع کیا اور سنہ ۱۵۴۸ میں رابرٹ ٹیلو (Robert Tello) نے اس کی اولین شرح لاطینی میں پیش کی سنہ ۱۵۴۹ ع میں برنارڈوسگنی (Bernardo sqjne) نے پہلی دفعہ اسے اطالوی زبان کا لباس پہنایا - بالآخر لوڈویکو کاسٹل ورٹو (Lodottico cost-lverto) نے اس کی ضخیم و حجیم شرح شائع کی ' اصول اتحاد ثلاثہ اس کتاب سے مستنبط کیا اور سارے یورپ میں اس بحث کی آگ روشن کی ' جو آج تک بجھنے میں نہیں آئی - ارسطو کی یہ کتاب ڈراماٹرجی فن ڈراما کا سنگ بنیاد ہے - اصول اتحاد ثلاثہ کو ارسطو سے منسوب کیا جاتا ہے مگر اس میں کلام نہیں کہ اس میں کاسٹل ورٹو کی تعریف کو بہت کچھہ دخل ہے - بہر حال یہ اصول بالواسط یابلا واسطہ جملہ دیگر قواعد و ضوابط کا مصدر ہے --

اصول اتحاد ثلاثہ (Three unites Des Trais unites) یہ چاہتا ہے کہ :

(۱) ہر ایک ڈراما میں صرف ایک عمل یعنی ایک پلاٹ یا کہانی ہو ٹھر بھر (Unity Of Action) اِسے اتحاد عمل کہتے ہیں' اس کے متعلق ارسطو کے الفاظ یہ ہیں " پس یہ لازم ہے کہ جیساکہ دیگر فنون نقل میں ایک نقل صرف ایک چیز کی نقل ہوتی ہے ٹریجڈی میں بھی کہانی صرف ایک ہی عمل کی نقل ہو. کہانی عمل کی نقل ہوتی ہے اور یہ پورے عمل کی نقل ہونی چاہئے - اور معاملہ کے

جزویات کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اگر اس میں سے کسی کو اس کی جگہ سے ھٹاکر لکھیں اور رکھیں تو تمام کہانی کچھ کی کچھ ھوجاے اور بدل جاے ' کیوں کہ وہ باتیں جن کا عدم وجود کہانی کے لئے برابر ھو' کوئی معقول فوق پیدا نہیں کرتی' اور اس لئے وہ کہانی کا کوئی جز ولاینفک نہیں ھو سکتی ")

(۲) ھر ایک ڈراما کے واقعات ایک دن کے عرصے میں ختم ھوجائیں' اسے اتحاد زمان (Unity of time) کے نام سے موسوم کیا ھے بالفاظ ارسطو " ٹریجڈی سورج کی ایک گردش تک محدود ھے' اس عرصے سے تجاوز کرنا ناروا ھے")

(۳) تمام واقعات ایک مقام (Place) پر ظہور میں آئیں' اس کا نام اتحاد مکان (Unity of place) ھے - اتحاد عمل سے یہ مدعا ھے کہ ایک سے زیادہ کہانیوں کے اجتماع سے خلط مبحث نہ ھونے پاے' کیونکہ بیک وقت دو پلاٹوں کا دیکھنا کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا - اور ان پلاٹوں کا تصادم بسا اوقات تکدر خاطر کا موجب ھوتا ھے - شارحین نے اس کی یہ توضیح کی ھے کہ ایک ڈرامے میں صرف ایک جذبے کی نمائش ھونی چاھئے - مسرت و غم' غیض و شفقت' وفا شعاری و بد عہدی' ظلم و ترحم کو ایک ھی ڈراما میں مدغم کرنے سے کیریکٹر کی شان میں فرق آجاتا ھے اور تاثیر پیدا نہیں کرسکتا - اس اصول کا امتحان اس طرح ھوسکتا ھے کہ آپ دو کتابیں اُٹھالیں' پہلے ایک کتاب کا پہلا باب پڑھیں' پھر دوسری کا' اسی ترکیب سے دونوں کتابوں کے باقی ابواب پڑھ کر دیکھیں کہ آپ کے دماغ کی کیا حالت ھوتی ھے اور اس کے مطالب سے آپ کس قدر متمتع ھوتے ھیں - اتحاد عمل در حقیقت نفسیات کے اس اصول پر مبنی ھے کہ انسانی توجہ ایک ھی وقت میں دو مختلف یا متضاد مناظر یا مباحث کو احاطہ نہیں کرسکتی - اتحاد ثلاثہ کے معترضین کی طرف سے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں نکلا جو اتحاد عمل کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے - دنیا

بھر کی ڈراما ٹرجی (Drumaturgy) میں یہ اصول داخل مسلمات ہے۔ بیشک جب انگلستان میں سٹیج جہلا کے قبضے میں آگیا تو اُن کی تفنن طبع کے لیے ٹریجی' کامیڈی' تمثیل ہونے لگی اور چند دنوں کے لئے پیرس میں کامیڈی آف ٹئیرز Comedy of Tears نے رواج پایا۔ ان ڈراموں میں حسرت و غم کے مناظر پہلو بہ پہلو دیکھنے میں آتے ہیں اور تماشائی ایک آنکھ سے ہنستے اور دوسری سے روتے ہیں' جب یہ بدعات سٹیج پر آئیں تو ناقدان فن نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ فریق مقابل نے یہ جواب دیا کہ چونکہ ان ڈراموں میں پلاٹ در اصل ایک ہی ہوتا ہے اور ظرافت کا عنصر فقط تفنن طبع کے لئے مستزاد کیا جاتا ہے' اس لئے اتحاد عمل کی نزاکت میں فرق نہیں آسکتا۔ مگر اس بات کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا کہ وہ باتیں جو داستان کے انکشاف کے لئے ضروری نہ ہوں' محض حشو اور داخل اخراج ہیں' اس لئے وہ اتحاد عمل کے مقصد کو پورا نہیں ہونے دیتیں' خصوصاً جب یہ ظاہر ہے کہ اس تمسخر کے بغیر ڈراما کی روانی میں فرق نہیں آتا۔ اس بحث و تمحیص کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس قبیل کے ڈراموں کی بہار بہت جلد نذر خزاں ہو گئی اور پھر ڈراما نگار اساتذہ نے اس میدان میں قدم نہ رکھا۔ قدیم ہندوستانی ڈراموں میں اتحاد عمل کا التزام پایا جاتا ہے' اگرچہ اِن میں بالعموم بدون شک ظرافت کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے' مگر اس کے کارنامے پلاٹ سے اس طرح دست بگریباں ہوتے ہیں کہ اگر انہیں ناٹک سے نکال باہر کیا جائے تو ساری کتھا کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اُردو زبان کے اولیں ڈراما یعنی ''اندر سبھا امانت'' میں بھی اتحاد عمل کی پوری پوری پیروی کی گئی ہے' اس کے بعد جو ڈرامے لکھے اور کھیلے گئے' ان میں بھی ایک ہی کہانی ہوتی تھی۔ کچھ عرصہ گزرا تو چھوٹے چھوٹے ڈراموں کے تمثیل ہو جانے کے بعد ایک نقل دکھانے کا رواج ہوا' پھر ایسے ڈرامے لکھے گئے' جن میں ظریفانہ کیرکٹروں کو اور اُن کی باتوں کو کہانی میں سمو دیا جاتا تھا۔ بالآخر سٹیج پر وہ رنگ

غالب آیا، جو آج کل چھایا ہوا ہے اور جس میں ایک سنجیدہ اور دوسری ظریفانہ دو مختلف کہانیاں ایک ساتھ سٹیج کی جاتی ہیں - حال میں ہمیں ایک ڈراما دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس سے کم از کم تین پلاٹ اخذ ہو سکتے ہیں- بعض ڈراما نگاروں نے ذرا اور جدت سے کام لیکر سرے سے پلاٹ ہی اُڑا دیا - اِن ڈراموں میں اِدھر اُدھر کی باتیں اور نظارے سلسلۂ داستان کو قائم نہیں ہونے دیتے اور ہر بے ترتیبی ایک نئے پلاٹ کا ایما کرتی ہے—

ابتدا میں اتحاد زماں صرف یہ چاہتا تھا کہ داستان کے واقعات ایک دن کے اندر ختم ہو جائیں، پھر یہ قید لگائی گئی کہ یہ واقعات اسی قدر وقت میں ختم ہوں، جو اُن کے سٹیج کرنے میں صرف ہو- اس سے ان نقائص کا سد باب منظور ہے کہ زیادہ عرصے کے واقعات کو چند گھنٹوں میں کر دکھانا حقیقت سے بعید ہو جاتا ہے اور نظر فریبی (Illusion) پیدا نہیں کرسکتا - نیز مرور ایام کے ساتھ کیرکٹروں کے قد و قامت، شکل و شباہت میں جو تغیر واقع ہوتا ہے، اُس کا اظہار ناممکن ہو جاتا ہے اور سلسلے کی کڑی ملانے کے لئے تذکرے سے کام لینا پڑتا ہے، جو فن کی تعمیر کے خلاف ہے - مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اس کا تتبع تخیل کی بلند پروازی اور داستان کی اُٹھان کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور تماشائی قد و قامت اور شکل و شباہت کے فرق جیسی کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے کے خوگر ہیں - رہا کسی واقعے کو لفظوں میں بیان کرنا، تو یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اس پر تذکرے کا گمان تک نہ ہو - بنوع دیگر ڈراما نویسی محض گورکھ دھندا بن جاے گی اور خصائل کا ارتقا دکھانا نا ممکن ہو جاے گا - اِس کے جواب میں اِس اصول کے علم بردار یہ کہتے ہیں کہ فقدان صلاحیت و سہل انکاری کوئی قابل تسلیم دلیل نہیں—

اس اصول کی تبعیت میں سیکڑوں ڈرامے لکھے جاتے ہیں، لیکن اِن میں نہ تو تخییل رہتا ہے نہ خصائل نگاری میں فرق آتا ہے، آخر 'وکٹر ہیوگو' نے یہ تصفیہ

کیا کہ ایک سال کے واقعات کو سٹیج پر دکھانے سے کوئی قابل گرفت فرق نہیں پڑتا اور اِس کے جواز پر عملاً زور دیا، لیکن حامیان اتحاد زماں آج تک اس مفاہمت پر رضامند نہیں ہوے۔ اس بارے میں قدیم علماے ہند کی یہ راے ہے کہ کہانی کے واقعات کا ایک دن میں ختم ہونا انسب ہے، لیکن اُن کا چند دنوں، یا ایک سال تک پھیل جانا بھی قابل معافی ہے۔ یورپ میں میک اپ (Make up) (بہروپ) نے جو ترقی کی ہے، اُس نے اِس اصول کی اہمیت کو بہت کچھ کم کر دیا ہے۔ وہاں کے ایکٹر بہروپ بھرنے میں وہ کمال رکھتے ہیں کہ تبدیل ہیئت کے بعد اُن کے رات دن کے دوست بھی اُنھیں شناخت نہیں کر سکتے۔ یورپ میں بہروپ کے موجد بنانے پر ہر سال سینکڑوں کتابیں شائع ہوتی ہیں اور اس کے سامان کی فراوانی دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ افسوس ہے (اردو) مصور رسالہ نہیں، ورنہ ہم ایسی تصویریں پیش کرتے، جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا کہ میک اپ (Make up) سے انسان کی شکل کیا سے کیا بن جاتی ہے۔ لیکن اس ملک کے ڈراما نگاروں کو بساط بھر اِس اصول کا خیال رکھنا چاھئے، جہاں میک اپ (Make up) کا مدار، چونے، فرنچ، چاک اور شنگرت پر ہو۔ مگر اُن کی دیدہ دلیلی ملاحظہ ہو کہ گیارہ سال تک کے واقعات سٹیج پر لے آتے ہیں—

اب رہا اتحاد مکان تو اِس میں لفظ Place کی تعبیر میں اختلاف ہے کہ آیا اِس لفظ سے ایک ملک، ایک شہر، ایک مکان یا صرف ایک کمرہ مراد ہے۔ اب اجماع اِس پر ہے کہ Place ایک کمرے کو کہنا چاھئے اور اصول کے پیرو اِس پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی اصولی غرض یہ تھی کہ مختلف جگہوں کو سٹیج پر دکھانا مشکل ہوتا تھا۔ دوسرے جگہ جگہ کے دیکھنے سے توجہ بھٹک جاتی تھی۔ تیسرے نئی جگہ کا منظر پیش کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوتا تھا اور تماشائی انتظار سے گھبراتے تھے۔ یورپ میں مشینوں سے چلنے والی سینری اور گھومنے والے سٹیج نے اہل فرنگ کو اس اصول سے بہت حد تک بے نیاز کردیا ہے۔ مگر ہمارے یہاں

هنوز اِس اصول کی ضرورت ہے کہ ہمارے تھیٹروں نے ابھی تک گھومنے والے ستیج اور مشینوں سے چلنے والی سینری کی شکل تک نہیں دیکھی —

سطور بالا سے عیاں ہے کہ اتحاد ثلاثہ میں سے' اتحاد عمل تو جمہور کا مسلمہ ہے' بحث صرف باقی دو اصولوں کے متعلق ہے - ملکوں کے اعتبار سے اہل اٹلی و فرانس تو اتحاد ثلاثہ سے سر مو تجاوز کے روادار نہیں' اہل اسپین اور انگلستان اِن اصولوں کے منکر ہیں' مگر فرانس میں (۱) ٹرسو (Tirso) اور (۲) ڈوما خورد (Dumas fils) نے اتحاد ثلا ثہ کی مخالفت میں بہت وقت ضائع کیا اور وکٹر ہوگو نے اِس مخالفت کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی- اسپین میں(۳)-سروانٹس (Cervantes) نے اس کی ترویج پر زور دیا - انگلستان میں (۴) سرفلپ سڈنی اور (۵) اُسکر وائلڈ (Oscar wilde)* نے اپنے قریباً تمام ڈرامے اس اصول کے مطابق تصنیف کیے- انگلستان میں ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ آغاز تماشہ سے قبل مُنیجر کو یہ بتانا پڑتا تھا کہ اس ڈرامے میں اتحاد ثلاثہ کا لحاظ رکھا گیا ہے - آج کل انگلستان میں عین اس اصول کے مطابق ہر سال کئی ڈرامے لکھے جاتے ہیں - ابتدا میں اتحاد ثلاثہ کا اطلاق صرف ٹریجڈی پر ہوتا تھا' مگر بعد میں کامیڈی پر بھی عائد کیا گیا- اردو زبان میں "تین ٹوپیاں" ایسے ڈرامے کی واحد مثال ہے' جو اصول اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا گیا ہے —

(ب) بہت سے شاعر کشمکش تو پیدا کرلیتے ہیں' مگر اُسے سنبھال نہیں سکتے- مسٹر ٹوننگ (Mr. Twining) اُس کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ یہ "نقص عام ہے' یونانی ڈرامانگاروں کے علاوہ شکسپیر کے یہاں بھی پایا جاتا ہے - جب شکسپیر یہ سمجھتا ہے کہ ڈراما ختم ہونے کے قریب ہے' تو وہ عجلت سے کام لیتا ہے' تاکہ معاوضہ جلد مل جائے' پس وہ اُس جگہ محنت سے جی چراتا ہے' جہاں اُسے زیادہ محنت کرنی

---

* ۱ تا پانچ کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ہوں —

چاهئیے۔ نتیجہ یہ هوتا هے کہ اُس کے ڈراموں کے انجام یا تو غیر اغلب هوجاتے هیں ناممکن معلوم هوتے هیں"۔ هندوستان کے موجودہ ڈراموں میں یہ نقص بیش از بیش پایا جاتا هے)—

(ج) یہ درست هے کہ دیوتا هر چیز دیکھہ سکتے هیں، لیکن غیر متعلق هستیوں کا پلاٹ میں کیا کام —

——(هوریس*)——

(۱) اگر کسی مبہم مضمون کو واضح کرنے کے لیے الفاظ نہ ملتے هوں، تو خود لغت گھڑنے میں مضائقہ نہیں، مگر یہ کام سلیقہ چاهتا هے

(۲) ایک جانی بوجھی روایت تمھاری ملک هوجاے گی، اگر تم واقعات کو من و عن بیان کرنے پر نہ اُتر آؤگے۔ تمھیں نہایت دیانت دار مترجم بننے کی کبھی کوشش نہ کرنا چاهئیے اور لفظ بہ لفظ ترجمے کی زحمت محض بے کار هے—

(۳) اگر تم چاهتے هو کہ تماشائی تمھاری کاوش کی قدر کریں اور اختتام تک بیٹھے رهیں، تو هر عہد کے اطوار اور اخلاق کا خیال رکھو اور احتیاط کرو کہ جو الفاظ کسی کیریکٹر کے منہ سے نکلیں، وہ اُس کی حیثیت اور عمر کے مطابق هوں—

(۴) تھیٹر میں کان کی نسبت آنکھہ سے زیادہ کام لیا جاتا هے —

(۵) ڈراما پانچ ایکٹوں سے کم و بیش نہ هونا چاهئیے—

---

* Quintus Horatias, Fleuo (۶۵ ق - م - ۸ ق - م) جو انگریزی میں هوریس Horace کے نام سے مشہور هے۔ اس کا باپ ایک غلام تھا، جو بعد میں آزاد هوگیا اور اُس نے اُسے روم میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ فلسفہ کی تعلیم کے لیے برسوں ایتھنز میں رہا، واپس آکر اطالوی خانہ جنگی میں مصروف هوگیا۔ جب امن هوا تو ادب کی طرف توجہ کی اور غیر فانی نام پیدا کیا—

(۶) دیوتاؤں کو دخل در معقولات نہ دینے دو—

(۷) سٹیج پر ایک وقت میں تین آدمیوں سے زیادہ گفتگو نہ کریں —

(۸) جو کچھہ لکھو' اُس کو نو سال تک اپنے پاس رکھنے کے بعد شائع کرو-جو لفظ ایک دفعہ شائع ہوجاے' پھر واپس نہیں آتا —

———(مائیٹر نو*)———

(۱) ڈراما کی کہانی کے واقعات ایک یا زیادہ سے زیادہ دودن میں ختم ہونے چاهئیں-

(۲) ڈراما کی نمائش میں تین گھنٹے سے کم اور چار گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہ ہو - اختصار کی شکایت طوالت کے عیب سے بہتر ہے —

(۳) تمام ڈراما نگار متفق ہیں کہ اُن کا مقصد وعظ و پند ہے —

———(کاسٹل ویٹرو †)———

(۴) نمائش اور واقعہ ہونے کا وقت مطابق ہونا چاهئے - عمل کی جاے وقوع ایک ہو' یہ ایک شہر یا ایک مکان نہ ہو' بلکہ ایک ہی کمرہ ہو - کہانی کا وقت بارہ گھنٹے سے کسی صورت میں زیادہ نہ ہونا چاهئے - تماشائیوں کو کو یہ یقین دلانا ناممکن ہے کہ کئی راتیں اور کئی دن گذر چکے ہیں' جب کہ وہ خود بخوبی جانتے ہوں کہ در اصل صرف چند گھنٹے گذرے ہیں —

---

* (Antonis Sibastiana) جو مائیٹرنو (Miturno) کے نام سے مشہور ہے' قدیم اٹلی کا نامور عالم ہے' اس کے حالات اسی قدر ملتے ہیں کہ بشپ تھا اور خدمت کلیسا کے ساتھہ علم و فن کی ترقی میں حصہ لیتا تھا' اُس نے ارسطو کی جو بسیط شرح لکھی ہے' اُسے مستند تسلیم کیا جاتا ہے—

† (Lodorica Castel Vetro) (سنہ ۱۵۰۵—سنہ ۱۵۷۱) مکمل تعلیم حاصل کرنے کے بعد ادبیات کی طرف متوجہ ہوا اور اپنی زبردست تنقید سے ہیجان پیدا کردیا- مگر ایک ہردل عزیز شاعر پر تعریض کرنے کی علت میں مدتوں جلا وطن رہا' واپس آکر اُس نے فن ڈراما پر ایک کتاب شائع کی اور تحریک احیاء العلوم کے لیے راستہ صاف کیا- اس کی ارسطو شرح اطالوی زبان میں معرکۃ آلارا کتاب مانی جاتی ہے —

(۳) اس لئے نہیں که پلاٹ میں دو کہانیوں کی گنجائش نہیں ہوتی ' بلکه دو پلاٹ بدیں وجه نا روا ہیں که بارہ گھنٹے کے عرصے میں اور ایک ہی کمرے میں دو مختلف واقعات کے سلسلے ظہور میں نہیں آسکتے - پس کوئی ڈراما لائق ستائش نہیں' جس میں ایک سے زیادہ پلاٹ ہوں' اگر چه اُن میں سے ایک اصلی ہو اور دوسرا محض ضمیمه —

(۴) خصائل نگاری کے بغیر کوئی ڈراما قابل قدر نہیں ہو سکتا —

——— (جین چیپ لین *) ———

(۱) حیات انسانی کی صحیح تصویر اتارنا ڈراما کے لئے لازم ہے —

(۲) ڈراما میں شاعر کہانی کے علاوہ انسان کے مختلف خصائل' عادات اور جذبات دکھاتا ہے —

(۳) فن کو اِس بات میں بہت قدغن ہے که ہر شخص اپنی حیثیت ' عمر اور جنس کے مُطابق باتیں کرے اور موزونیت سے اس کا مفہوم صرف شائستگی نہیں ' بلکه وہ ہر بات کو کیرکٹر کے حسب حال دیکھنا چاہتا ہے ' بد معاشوں کی بداعمالی اور نیک کرداروں کی خوش اخلاقی ' اس کے ہاں یکساں توجه کی مستحق ہے —

(۴) اتحاد ثلاثه کی پیروی کے بغیر ڈراما بے معنی چیز ہے —

(۵) پلاٹ کے لئے آغاز داستان ' اُلجھاؤ اور انکشاف لازم ہے —

(۶) ڈراما کا بہترین اور قابل داد اثر یه ہے که تماشائی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بے قرار ہو جائیں اور اُنہیں یه نه معلوم ہوسکے که کہانی کہاں اور کس طرح

---

* Jean Chaplain (۱۵۹۵ - ۱۶۷۴) ابتدا ہی سے اِسے ادبیات کے مطالعه کا شوق تھا اور علفوان شباب ہی میں اِسے ادبا ے پیرس کے حلقے میں بار مل گیا — فرانس کے بہترین نقادوں میں ہے —

ختم ہوگی —

(۷) ڈراما کے پانچ ایکٹ ہوں اور ہر ایکٹ کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ سات سینوں پر مشتمل ہو —

(۸) یہ درست ہے کہ کسی سین میں ایک وقت پرتین سے زیادہ اشخاص سٹیج پر نہ آئیں ' لیکن آخری ایکٹ کے آخری سین میں اس قاعدے کی خلاف ورزی جائز ہے —

(۹) یہ بات سب سے ضروری ہے کہ کوئی کیرکٹر بغیر کسی وجہ سوجھ کے نہ تو سٹیج میں داخل ہو ' نہ باہر جائے —

——— (ایب ڈی اوبگ نگ *) ———

(الف) .... پس ستقد مین (اہل یونان) کے اصولوں پر پانچ اعتراض وارد ہوتے ہیں —

(۱) ہمیں نہیں چاہئے کہ رواجوں اور مثالوں کی بنا پر قانون واضع کریں ' بلکہ اُس کی بنیاد معقولیت پر ہونی چاہئے —

سندات قابل تقلید نہیں —

"سٹیج کے قوانین سندات پر نہیں' بلکہ معقولیت پر مبنی ہوتے ہیں ' اُن کا جواز تقلید پر نہیں' بلکہ انسانی قوت فیصلہ پر حصر رکھتا ہے " —

---

* (Fancais Hedilin) المعروف (Abbe D. Aubignac) (۱۶۰۴ ۔ ۱۶۷۶) پیرس کے ایک معزز وکیل کے گھر پیدا ہوا ' اس کی تعلیم کا حصر ذاتی کاوش پر تھا' کسی کے سامنے زانوے ادب تہ نہیں کیا ' ذہن رسا جودت طبع اور تخیل بلند کی بدولت جلد محفل ادب پر چھا گیا اور ریشلو نے نوک پلک سے آراستہ کر کے میدان میں اتارا ۔ اس کی کتاب Pratiquedu thealse ڈراما نگاروں کے لیے چراغ ہدایت کا کام دیتی ہے ۔ ریسائن نے اس کی نقل اپنے ہاتھ سے تیار کی تھی اور اس پر حاشیہ لکھا تھا —

(۲) خود متقدمین نے اِس اصول کی خلاف ورزی کی ہے" "یہ کوئی معقول اعتراض نہیں، معقولیت ساری دنیا کے لیے یکساں طور پر قابل تقلید ہے اگر ہمارے زمانے کے مصنف قواعد کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں تو متقدمین بھی یہ غلطی کرنے کے مجاز تھے، بہر کیف اگر متقدمین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ بھی قابل درگذر نہیں۔ میں تو متقدمین کی تقلید کا صرف اس حد تک روادار ہوں، جہاں تک وہ معقولیت کے دائرے کے اندر ہیں، مگر اُن کی غلط کاری ہر گز سزاوار تتبع نہیں"۔

(۳) متقدمین کے متعدد ڈراموں کے تراجم ہمارے سٹیج پر نا کام رہے ہیں—
"یہ اعتراض معترضین کی عدم واقفیت پر دال ہے، کیونکہ اگر متقدمین کے کوئی ڈرامے ہمارے سٹیج پر نا کام رہے ہیں، تو اس سے فن پر حرف نہیں آسکتا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اُن کے مضامین ہمارے مذاق کے مطابق نہ تھے، مترجموں کی دست برد نے بہت سے محاسن کو یہاں تک زائل کر دیا تھا کہ بہت سے سنجیدہ سینوں میں قہقہہ انگیزی کی شان پائی جاتی تھی"—

(۴) ہمارے متعدد ڈرامے باوجود خلاف اصول ہونے کے سٹیج پر کامیاب رہے۔
"اس کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایسے ڈرامے پبلک اور دربار نے کلیتاً پسند نہیں کئے تھے، بلکہ اُن کی صرف وہی باتیں مقبول ہوئی تھیں، جو معقول اور با اصول تھیں"—

(۵) اگر اِن صبرآزما اصولوں کی پیروی کی جاے تو کئی ایک سچی روایتوں کا نہایت دلچسپ حصہ ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اِن کے بہت سے واقعات مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں، ظہور میں آتے ہیں—
"یہ بالکل مضحکہ انگیز خیال ہے۔ سٹیج کے قواعد ہرگز کسی روایت کے اہم واقعات کو قلمزن کرنے پر مصر نہیں۔ اس کے برعکس وہ تو ہمیں

یہ بتاتے ھیں کہ کس طرح اُنھیں عمل مکان اور زمان کے قرائن کے ساتھہ وابستہ کیا جاے' تا کہ وہ غیر اغلب معلوم نہ ھوں - یہ ضروری نہیں کہ اُنھیں ھمیشہ روایت کی ترتیب کے مطابق سٹیج پر دکھایا جاے' بلکہ اِن کی ترتیب ظھور کو اس اسلوب سے بدلنا لازم ھے' جس سے وہ زیادہ موزوں اور زیادہ خوش آئند معلوم ھوں"-

(ب) ڈرامے کے مضمون کے انتخاب میں اِس امر کا لحاظ رکھنا چاھئے کہ وہ مندرجۂ ذیل تین شقوں میں سے کم سے کم ایک پر مبنی ھو: (۱) جذبات عالیہ (۲) پیچیدہ اور دلچسپ داستان (۳) حیرت انگیز اور پرلطف مناظر—

(ج) وفور جوش و خروش روح کو بے حس کر دیتا ھے اور کیرکٹر کے ساتھہ ھمدردی پیدا نہیں ھوتی—

(د) ڈراما میں کسی گمراہ کو وعظ و نصیحت سے راہ پر نہیں لایا جاتا' بلکہ ایسے حالات پیدا کئے جاتے ھیں کہ اُسے مجبوراً اپنا طرز عمل بدلنا پڑتا ھے—

——(لوپ ڈی ڈیگا* اور مولیر†)——

ان کا صرف یہ قول ھے کہ تماشائیوں کو ڈراما کا پسند آجانا اِس کی عمدگی کا بہترین معیار ھے—

——(کارینل‡)——

کارینل لوپ ڈی ڈیگا اور مولیر کے مذکورۂ بالا قول کے ساتھہ پابندی قواعد کی شرط اضافہ کرتا ھے—

——(بیولو$)——

(۱) اگر آپ کی یہ آرزو ھے کہ آپ کا ڈراما شہر بھر کے نقادوں سے خراج تحسین

---

*' †' ‡ ان کے حالات ناٹک ساگر میں ملاحظہ ھوں—

$ Nicolas Baileu Despreax (۱۶۳۶—۱۷۱۱)

گیارہ سال کی عمر تھی کہ اس کی ماں کا انتقال ھو گیا - اوائل عمر ھی سے اسے خشک

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حاصل کرے، اگر آپ یہ چاھتے ھیں کہ آپ کے ڈراما کو لازوال شہرت نصیب ھو اور صدیوں تک اُس کی تازگی میں فرق نہ آنے پاے تو آپ کو چاھئے کہ جو کچھہ لکھیں اُس میں نہایت حزم و احتیاط کے ساتھہ لوگوں کے دلوں کو گداز اور اثر پذیر بنانے کی کوشش کریں - ورنہ عالمانہ باتوں سے سینوں کو بھر دینے سے کوئی فائدہ مترتب نہ ھوگا - صرف مکالمہ کوئی اثر پیدا نہیں کرسکتا - اِن کوتاھیوں سے صرف یہ ھوگا کہ کوئی بے رحم نقاد آپ کے ڈرامے کی دھجیاں اُڑاے گا اور تماشائی بجاے تماشہ دیکھنے کے سو جایا کریں گے -

(۲) کامیابی کا راز یہ ھے کہ پہلے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لو، پھر اُن کے دلوں کو مؤثر کرو اور اس کے بعد اُن کی ضیافت طبع کا سامان پیدا کرو -

(۳) غیر متعلق اور بے جوڑ معجزات کی نمائش سے پریشان نہ کرو اور اگر کچھہ سکھا سکتے ھو تو سکھاؤ -

(۴) ایک ھسپانوی ڈراما نگار مزے سے ایک دن کے عرصے میں سالوں کے واقعات دکھا سکتا ھے، وھاں ھیرو بچپن میں ستیج پر آتا ھے اور بوڑھا ھوکر نکلتا ھے - مگر ھم جو معقول پسند ھیں، یہ چاھتے ھیں کہ ڈراما اتحاد ثلاثہ کے مطابق لکھا جاے -

(۵) اِس زمانے میں جب پادریوں کا دور دورہ تھا، یہ مقدس ھستیاں ستیج کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

مضامین سے نفرت تھی - کچھہ عرصے تک وکالت کرنے کے بعد اُس نے ادبیات کی طرف توجہ کی اور نظم میں بڑا نام پیدا کیا - بادشاہ نے اِسے دربار کا مورخ مقرر کر کے بیش بہا مشاہرہ مقرر کیا، جس کی بدولت کسب معاش سے بے فکر ھو کر ھمہ تن ادبیات کی خدمت میں مشغول ھو گیا - ایک طویل نظم موسومہ Art Poetique میں اس نے فن ڈراما کے اصولوں پر بڑی دلاویز بحث کی ھے، جس میں سے جستہ جستہ اشعار کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ھے -

گندہ اور ناپاک کیا کرتی تھیں - اور چند بیوقوف اشخاص بجاے هیرو اور محبت کی کرشمه سازیوں کی نہایت بے هودگی سے کام لے کر فرشتوں، خدا، مقدس کنواری، پیشوایان دین اور اُن کی کرامتوں کی نقل اُتارا کرتے تھے - بالآخر جب عقل کا چراغ روشن هوا تو لوگوں نے اپنی غلطی محسوس کی تو حقیقی ڈراما ستیج هونے لگا —

(۶) جو کچھه لکھو، فطرت کے مطابق لکھو - تصویر میں ایسے رنگ بھرو، جو آنکھوں کو بھلے معلوم هوں —

(۷) سنجیدہ اور پر وقار الفاظ کے پہلو میں سوقیانه محاورے اور بازاري باتیں ڈراما کو ذلیل کر دیتی هیں —

(۸) میں اُس ڈراما نگار کو پسند کرتا هوں، جو اپنے رشحات قلم سے ستیج کے رتبے، حیثیت اور وقار کو بلند کرے —

——(ڈرائیڈن *)——

... ... یہی وجه هے که همارى ٹریجی کامیڈیوں میں بہت سے سین ایسے هوتے هیں، جن کا اصل پلاٹ سے کوئی تعلق نہیں هوتا - اور دو پلاٹ یعنی دو ڈرامے ایک ساتھه چلتے هیں اور تماشائیوں کی طبیعت پریشان هوجاتی هے - مزے کی بات یه هے که ستیج پر کام کرنے والے ایکٹروں کی دو جماعتیں هوجاتی هیں، جو آخر دم تک ایک‌دوسرے سے نا آشنار هتی هیں اور آخری سین میں جا اکٹھی هوتی هیں - دنیا میں انگلستان کے سوا ایسا تھیٹر کہیں بھی نہیں پایا جاتا، جس میں ٹریجی کامیڈی جیسی مکروہ چیز تمثیل هوتی هو - جب یه ستیج هو رهی هو تو تھیٹر اچھا خاصه پاگل خانه معلوم هوتا هے —

——(قدیم علماے هند)——

(۱) ڈرامے سے یه مدعا هے که تفریح اورهنسی کھیل کے پردے میں لوگوں کو

* حالات کے لیے ملاحظه هو ناٹک ساگر—

تلقین کی جاے —

(۲) کہانی اہم، مشہور دیو مالا یا تاریخ سے ماخوذ ہو، مگر فرضی باتیں بھی اس میں داخل ہوسکتی ہیں —

(۳) ارکان ڈراما اعلیٰ طبقے کے ہوں —

(۴) پلاٹ صرف ایک ہو —

(۵) عمل کہانی سے اِس طرح پیدا ہو، جیسے بیج سے پودا پھوٹتا ہے —

(۶) کہانی کے واقعات کے ظہور میں آنے کا وقت زیادہ نہ ہو، ان کا ایک دن میں ختم ہونا انسب ہے، لیکن چند دنوں بلکہ ایک سال تک کا عرصہ بھی ناجائز نہیں —

(۷) ڈرامے کی زبان نہایت پاکیزہ اور شستہ ہو —

(۸) ڈرامے کے کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ دس ایکٹ ہوں، آخری ایکٹ میں تمام ایکٹر سٹیج سے چلے جائیں اور ہر ایک ایکٹ بجاے خود مکمل ہو —

(۹) گو اصل قصے میں کوئی بات ہیرو یا ہیروین کی شان کے منافی ہو، مگر ڈرامے میں اُس کا اظہار ہرگز روا نہیں —

(۱۰) دور دراز کے سفر، موت، جنگ، دریا، محاصرے کے سین، کھانا، نہانا، بوسہ لینا، جسم پر صندل لگانا، کپڑے اُتارنا، کسی کیریکٹر کا سٹیج پر مرنا یا کسی کی موت کا تذکرہ کرنا، ممنوعات میں داخل ہیں —

(۱۱) ہر ڈراما ایک تمہید سے شروع کیا جاے، جس سے تماشائیوں کو یہ معلوم ہو کہ ڈرامے کا مصنف کون ہے، کس موضوع پر لکھا گیا ہے، کون کون ایکٹر اس میں کام کریں گے - اِس تمہید میں ڈرامے سے قبل کے ایسے واقعات بیان کیے جاتے ہیں، جن کا جاننا حاضرین کے لیے ضروری ہو —

(۱۲) پلاٹ مندرجۂ ذیل پانچ عناصر پر مشتمل ہوتا ہے :

(الف) وہ واقعہ جس پر قصے کی بنیاد ہو —

(ب) کوئی فروعی واقعہ جس کو تسلسل داستان کے قیام کے لیے بیان کیا جاے —

(ج) وہ واقعہ جس کا ذکر حسن بیان کے لیے کیا جاے اور اُس سے قصے کے انکشاف میں مدد ملے —

(د) وہ واقعہ جس میں ڈرامے کے بڑے ارکان حصہ نہیں لیتے —

(۱۳) ڈرامے کے مناسب اختتام کے لیے حسب ذیل منازل کا طے کرنا ضروری ہے :

(الف) ابتدا (ب) انکشاف واقعات (ج) امید کامیابی (د) رکاوٹوں کا رفع ہونا (ہ) تکمیل کار —

(۱۴) ہیرو اور ہیروین کے علاوہ مندرجۂ ذیل کیریکٹروں کا ہونا انکشاف داستان کے لیے ضروری ہے —

(الف) ہیرو کا رفیق اور راز داں —

(ب) ہیرو کا مخالف —

(ج) ہیرو کا مصاحب —

(د) ہیرو کا ندیم خاص —

(ہ) ہیرو کا ظریف —

متقدمین کے اقوال اور آرا کی یہ ہلکی سی جھلک بس ہے، ورنہ یہ ایک لمبی داستان ہے اور ایک مستقل کتاب چاہتی ہے - ہم با دل نا خواستہ بہت سی باتوں کو ترک کرکے یہ دکھانے پر قناعت کرتے ہیں کہ فی زمانہ ڈراما نویسی میں خاص کر کن اصول و قواعد کی پیروی کی جاتی ہے- انگلستان کی نامور نقاد ڈراما مس اگنس پلیٹ (Agnes Platt) چاہتی ہیں کہ ڈراما لکھنے میں مندرجۂ ذیل قواعد کا دھیان رکھا جاے :

[۱] اقتضائے وقت کو کبھی فراموش نہ کرو —

[۲] نظریات سے کام نہ چلیگا —

[۳] ڈراما لکھنا ہے تو تھیٹر دیکھو اور ایک ہی ڈراما کو کم از کم چھ مرتبہ ملاحظہ کرو —

[۴] تماشائی تھیٹر میں لکچر سننے نہیں آتے، اِس لئے لمبی لمبی تقریروں سے پرہیز کرو —

[۵] کسی ڈرامے کا سٹیج پر کامیاب ہونا جدت آفرینی کا مقتضی ہے —

[۶] سالولکی کا استعمال بدترین عیب ہے،یہ محض تقویم پارینہ ہے —

[۷] اسائیڈ ڈراما کی فطرت کے خلاف ہے —

[۸] ڈراما کے کیرکٹروں کی تعداد جس قدر بھی کم ہوسکے بہتر ہے —

[۹] فطرت کا عکس لینے کی کوشش کرو —

[۱۰] ڈراما کے واقعات مختلف کیرکٹروں کے باہمی تعلقات سے بلاتکلف پیدا ہو نے چاہئیں —

[۱۱] ڈراما میں جو بات رونما ہو،اس کا سبب واضح ہونا لازم ہے —

[۱۲] ڈراما لکھتے وقت اس امر کو مد نظر رکھو کہ سٹیج کی کیا حالت ہے اور کتنے عرصے میں ڈراما ختم ہونا ضروری ہے —

[۱۳] ایسا مضمون انتخاب نہ کرو، جس میں کسی کیرکٹر کی شکل شباہت اور قدوقامت میں تغیر واقع ہوتا ہو —

[۱۴] انتخاب مضمون کے وقت اس بات کو فراموش نہ کرو کہ ڈرامے کے انکشاف کو بتدریج ایک خاص معراج تک پہنچنا ہے اور دیکھو کہ اس مضمون میں اتنے پھیلاؤ کی صلاحیت ہے یا نہیں —

[۱۵] کسی ڈرامے کے پہلے ایکٹ کا بدرجۂ اتم اچھا ہونا،ڈرامے کے ناکام رہنے کا پیش خیمہ ہے،کیوں کہ اس سے تماشائیوں کی توقعات اس قدر بلند ہوجاتی ہیں

کہ اُن سے عہدہ برآھونا ڈرامے کے بس میں نہیں رہتا اور تماشائیوں پر
عالم یاس طاری ہو جاتا ہے —

[۱۶] عمل کے معنے پلاٹ ہیں' لیکن سٹیج کی اصلاح میں ماورائے گفتگو' ہر فصل
جو انکشاف داستان کا ممد ہو عمل کہلاتا ہے —

[۱۷] کسی ڈرامے میں عمل کا کم ہونا ناقابل عفو فرو گذاشت ہے' وہ پلاٹ جو عمل
سے معرا ہو اور جس میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں' قابل نمائش نہیں۔

[۱۸] سب سے پہلے ڈراما نگار کو اس امر کا تصفیہ کرنا چاھئے کہ وہ کس قسم کا
ڈراما لکھنا چاھتا ہے' پھر وہ اُسے اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے
اور احتیاط رکھے کہ کسی اور صنف میں دست انداز نہ ہو —

[۱۹] ایک بار ڈراما لکھکر اُسے سرے سے پھر لکھو ' پھرلکھو' پھرلکھو —

[۲۰] سٹیج پر جو کیرکٹر آئیں' وہ اِس قسم کے ہونے چاھیں' جن سے نشست وبرخاست'
میل جول' تماشائیوں کو گوارا ہو —

[۲۱] ناتجربہ کار ڈراما نگار میں یہ عیب عام طور پر پایا جاتا ہے کہ اُس کی کسی
تقریر کو کوئی کیرکٹر ادا کرے تو اسلوب تکلم میں کوئی فرق نہیں پڑتا'
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام کے تمام ایک ڈھنگ پر سوچتے ہیں اور ایک
طرز میں باتیں کرتے ہیں —

[۲۲] لفظوں کی بھر مار نا قابل برداشت ہے - عام طور پر کوئی تقریر تین سطروں
سے زیادہ موزوں خیال نہیں کی جاتی- سٹیج کی گفتگو چھوٹے چھوٹے چست
فقروں میں مزہ دیتی ہے - اس سے زیادہ نا معقول شاید ہی کوئی عیب
ہو کہ ایک ایکٹرایک لمبی تقریر شروع کردے اور باقی ایکٹر اُلو کی طرح ٹگر
ٹگر اُس کا منہ دیکھتے رہیں - فن کی تمام طاقت اُس سین کو فطرت کے
مطابق نہیں کرسکتی' جس میں کوئی کیرکٹر غیر معمولی طویل تقریر کرے
اور باقی ایکٹر معمول سے زیادہ عرصہ تک بت بنے کھڑے رہیں—

[۲۳] ڈرامے کا مکالمہ محاورے میں ڈوب کر لکھو - جس میں بلا تکلف گفتگو کا لطف آجاے۔ اور ہر کیریکٹر اپنی عمر' وجاہت' تعلیم اور پیشے کے مطابق اظہار خیال کرے —

(۲۴) کیریکٹروں کے آنے جانے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئیے —

(۲۵) اہم باتوں کو بار بار کہنا چاہئیے۔ اور اگر بات از حد ضروری ہو تو اُسے ایک ہی اسلوب اور اُنہی الفاظ میں دہرانا بہتر ہوگا —

(۲۶) وہ ڈراما نگار کامیاب متصور ہوگا جس کے پانچ ڈراموں میں سے ایک بھی سٹیج کے امتحان میں پورا اُتر جاے —

(۲۷) آخری ایکٹ میں نئے کیریکٹر مت داخل کرو —

(۲۸) کوئی ڈراما خواہ کتنی احتیاط سے لکھا جاے مگر اُس میں بھی نمائش اوّل کے بعد تماشائیوں کی راے کے مطابق تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے —

مسٹر کولا چلم سری نواس راؤ مدراسی

فن ڈراما کے مسلمہ ماہر ہیں اور اس مضمون پر اُن کی ایک تصنیف بلاد مغرب میں مقبول ہوئی ہے - آپ ہندوستان کے ڈراما نگاروں کو حسب ذیل مشورہ دیتے ہیں :-

(۱) ڈراما نگار کا صرف یہ کام ہے کہ کسی مضمون کو ڈرامے کے پلاٹ یا عمل میں منتقل کرے - حقیقی زندگی کے حالات تاریخی واقعات اور تذکرہ بیان کی ہوئی کہانیوں سے مضمون اخذ کرے' اور بہادری' شجاعت' عصمت' ایثار وغیرہ پر روشنی ڈالے —

(۲) اتحاد عمل کو قایم رکھنا ناگزیر ہے' لیکن اتحاد زمان اور اتحاد مکان چنداں اہمیت نہیں رکھتے - ہر ایک پلاٹ اور عمل بجاے خود مکمل ہونا چاہئیے۔ پلاٹ میں افتتاح' انکشاف' معراج اور انجام کا ہونا لوازمات میں داخل ہے —

(۳) سوا اس کے کہ مضمون دیو مالا سے لیا گیا ہو، ڈرامے کے واقعات ممکن العمل ہونے چاہئیں —

(۴) ڈراما نگار کو لازم ہے کہ کیریکٹروں کی تخلیق اور اُن کے خصائل کو نمایاں کرنے میں بہت محنت سے کام لے —

(۵) کسی خاندان، ذات یا مذہبی پیشوا پر حملہ نہ کرو —

(۶) ڈراما لکھنے میں علو فن مد نظر رکھو اور زندگی کے بہترین پہلو دکھاکر اخلاق کو بلند کرنے کی کوشش کرو —

(۷) ڈراما میں ایسی باتیں نہ ڈالو جن میں سفلہ پن، بازاری تمسخر اور فواحشات پائے جائیں۔ تہذیب اور اخلاق کے مقابلہ میں قبولیت عام کی پروا نہ کرو —

(۸) تاریخی واقعات کے علاوہ اور کسی واقعہ میں ہیرو یا ہیروئن کی موت واقع نہ ہونے دو —

(۹) سٹیج پر بوس و کنار اور قسم کی دیگر حرکت ممنوع ہیں —

(۱۰) میدان جنگ کے مناظر دکھانے سے حتی الوسع پہلو بچاؤ —

(۱۱) قدیم ہندی علماء کے اصولوں کی پیروی کرو اور ڈراما کو اس قابل بناؤ کہ تعلیم یافتہ اصحاب اُس میں دلچسپی لیں —

(۱۲) دوسروں کے لکھے ہوئے ڈراموں کے پلاٹ پر نئے سرے سے ڈراما لکھنا مشکلات سے خالی نہیں —

(۱۳) ڈراما نگار کو چاہئے کہ اپنے ڈرامے چھپوا کر ادبیات میں اضافہ کرے۔ ہمارے موجودہ ڈرامے بہت پھسڈی ہیں —

(۱۴) تاریخی، رومانی اور تمدنی رنگ کے ڈرامے تیار کرو اور مذہبی (دھارمک) ڈراموں کو ہاتھ تک نہ لگاؤ —

(۱۵) بعض ڈرامے ادبی لحاظ سے بہت ہوتے ہیں لیکن سٹیج کے قابل نہیں ہوتے۔ اُنہیں چھپوا دینا چاہئے تاکہ پڑھنے کے کام آئیں —

(۱۶) اگرچہ غیر ضروری ہے، لیکن اگر کام نہ چلے تو روحوں کو سٹیج پر لاسکتے ہیں —

بیشک یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ متداول ہندوستانی ڈرامے کن اصول و قواعد کے مطابق لکھے جاتے ہیں، لیکن ان کا دریافت کرنا اشتہاری حکیموں کے نسخے حاصل کرنے سے کم دقت طلب نہیں۔ یہ راز آپ کسی ہندوستانی ڈراما نویس کے صندوق سینہ سے نہیں نکال سکتے۔ ممکن ہے کہ جس بات کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے حقیقت میں اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو اور خود لکھنے والے اپنے اسلوب نگارش سے نا آشنا ہوں۔ بہر حال ان حضرات سے کسی کام کی بات کا حصول ناممکن ہے اور ہمارے لئے صرف یہ طریق کار باقی رہتا ہے کہ ہم نے جو ڈرامے دیکھے یا پڑھے ہیں ان سے بطور خود اصول و قواعد استخراج کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی قسم کی محنت کا ماحصل یہ " انمول گُر" ہیں :—

(۱) ڈرامے کے دو نام رکھو۔ ایک محض تحسین عنوان کے لیے، اور دوسرا ذرا مضمون کو واضح کرنے کے لیے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک نام کو استعمال کرتے ہیں، کبھی دوسرے کو، اور اس طرح ڈراما دیر تک تازہ رہتا ہے—

(۲) بیشک ڈراما ایک عظیم‌الشان فن ہے مگر اس کا لکھنا اس قدر آسان ہے کہ بقول آغا طاہر نبیرۂ مولانا آزاد مرحوم: "ڈراما لکھنا آج کچھ بڑی بات نہیں۔ جس نے چند انگریزی کتابیں پڑھی ہوں، کچھ ناول دیکھے ہوں، تھیٹروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہو، کہیں دل دیا ہو، کہیں لیا ہو۔ اچھا خاصا ڈراما ڈسٹ بن سکتا ہے" — (دیباچہ ڈراما اکبر)

(۳) ڈرامے کو تین ڈراپوں پر تقسیم کرو، ہر ایک ڈراپ میں اپنی سہولت کے مطابق جتنے سین چاہو رکھ لو۔ تعداد کا تعین ضرور نہیں —

(۴) سب سے پہلے حمد یا بندگی گائی جائے جو ہندی میں زیادہ موثر ہوتی ہے اور معنی پیدا کرنے کے لئے چنداں تکلیف نہیں کرنی پڑتی' ایکٹر جس طرح کھڑے ہوتے ہیں اسی سے عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ مصروف حمد و ثنا ہیں - چونکہ تمام تماشائیوں کے کانوں تک یہ الفاظ نہیں پہنچا کرتے اس لئے صرف ترنم ہی کافی ہے - اس کے گانے سے برکات آسمانی نازل ہوتی ہیں اور ڈراما کامیاب ہو جاتا ہے - مادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تماشائیوں کی ہما ہمی اور شور و غل اس کے دوران ختم ہو جاتا ہے—

(۵) ڈراما میں لازماً دو پلاٹ رکھو - ایک سنجیدہ جسے ٹریجک کہتے ہیں' دوسرا ظریفانہ جسے کامک کہتے ہیں - یکرنگ ڈراما کی کامیابی موہوم ہے-

(۶) ٹریجک قصے میں ایک ہیرو' ایک ہیروین' اور ایک جراری یا جلالی پارٹ ہونا لازم ہے ان سب کی گفتگو یکساں طور پر جچی تلی ہونی چاہئے اور اس طرح لکھی جائے کہ ہیرو اور جراری کیرکٹر کے کلام میں تمیز نہ ہوسکے- ہیروین غم کے بوجھ سے زیوروں کی طرح لدی رہے اور اپنی عصمت بچاتی پھرے - ان کے علاوہ جس قدر کیرکٹروں کی ضرورت ہو رکھ لو—

(۷) کامک قصے میں ایک اُدماتی عورت اُس کا ایک یا ایک سے زیادہ آشنا اور اُس کا سادہ لوح خاوند یا باپ ضرور ہونے چاہئیں - ان کے علاوہ اُس عورت کی ماں اُس کا آشنا اور خاوند یا باپ کی آشنا مستزاد ہو سکتے ہیں—

(۸) ٹریجک حصے میں ایسے الفاظ ڈالنے کی کوشش کرو جو عام فہم سے بلند ہوں اور عجیب عجیب استعاروں اور تشبیہوں سے لٹریچر کا رنگ پیدا کرو - یہی "خیالات" ہیں جن پر تماشائی مرتے ہیں - قافیہ فقروں کو بہت زور دار کر دیتا ہے اور جا بجا اشعار کا آنا بڑا اثر رکھتا ہے - مسدس اور مخمس کے بندوں کا کیا کہنا - اشعار خود بنانے کی کوشش کرو' وزن اور عروض کے دیگر قواعد کی پابندی لازمی نہیں - اس کمی کو ایکٹر بڑی

آسانی سے پورا کر لیتے ھیں - اگر یہ نہ ھو سکے تو کسی اور کے شعروں کا لفافہ بدل لو - فارسی کے شعر بھی داخل ھو سکتے ھیں —

(۹) کامک میں ایسی باتیں ھونی چاھئیں جنھیں سن کر بے اختیار آپ پر ھنسی آجائے - فواحشات کو یہاں تک استعمال کرو کہ قانون تمھارا قلم تھام لے - ھلکی ھلکی گالیاں مثلا حرامزادہ' اُلو کا پٹھا سٹیج پر بڑا لطف دیتی ھیں جنھیں یہ باتیں پسند نہیں وہ تھیٹر میں شاذ ھی آتے ھیں —

(۱۰) تھیٹر کا واحد مقصد تفریح ھے' اس لئے ناچ اور گانے جس قدر بھی ھوں تھوڑے ھیں - غزل ایک آدھ سے زیادہ نہ ھو لیکن گانے کے ڈھب کی ھو - اپنی غزل بہتر ھے لیکن یہ نہ ھو تو کسی اور شاعر کی غزل کے مقطع میں اپنا تخلص ڈال لو —

(۱۱) حسب ضرورت واقعات کو تذکرہ کے طور پر بیان کرو - اور اسائیڈ اور سالولکی کے استعمال سے ھرگز گریز نہ کرو اس سے تماشائی کیرکٹر کے رازدار بن جاتے ھیں اور وہ ھمدردی کرنے پر مجبور ھو جاتے ھیں - تماشائیوں سے براہ راست گفتگو یا اُن سے ھنسی مذاق بھی خوشگوار تعلقات پیدا کر دیتے ھیں —

(۱۲) اپنی بہترین ھمت اور قابلیت پہلے سین پر صرف کردو اگر یہ کامیاب رھا تو میدان آپ کا ھے —

(۱۳) ڈرامے کو تفریحات کا جامع بنانے کی سعی کرو اور رنڈی کا ناچ' بھانڈوں کی نقل' ھیجڑوں کا مجرا' پہلوانوں کی کشتی' مرغوں کی پالی' سینما کے سینوں کو سٹیج پر لانا ضروری ھے' غرض تماشائیوں کو کہیں اور جانے سے مستغنی کردو —

(۱۴) مذھبی شخصیتوں مثلا دیوی' دیوتا' اوتار' ولی' پہنچے ھوے مردان خدا اور اُن کی کرامتوں اور چمتکاروں سے سٹیج کی فضا کو مقدس کرو —

(۱۵) سٹیج پر ایک سو سال کے مسلسل واقعات آسانی سے دکھائے جا سکتے ھیں —

نظمِ قاصد

از

(جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن)

(سنہ ۱۳۳۵ ہجری - ۔ سنہ ۱۳۲۹ ف)

[یہ نظم مولوی سید ہاشمی صاحب نے یوم کلیۂ عثمانیہ
اورنگ آباد کی تقریب میں پڑھی تھی۔ سید صاحب کی بعض
نظمیں اس سے قبل بھی اس رسالے میں شایع ہوچکی ہیں۔
اُن کا رنگ خاص ہے - طبیعت میں حکیمانہ بلند خیالی اور
ادائے بیان میں پوری قدرت ہے - اس نظم میں یہ خوبیاں کامل
طور پر موجود ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان کس
قدر ترقی کر رہی ہے - حاضرین نے اِن خیالات اور طرزِ بیان کی
دل کھول کے داد دی - اڈیٹر] ---

نفسِ گرامی ترا دہر سے ہم ساز ہے — راگ جدا ہے مگر تہ' وہی آواز ہے

لاکھ چھپاتے رہیں تیری حقیقت حواس — حسنِ تخیل ہنوز پردۂ در راز ہے

لالۂ خوش رنگ گر خاک سے پیدا ہوا — عطر اسی خاک زاد پھول سے گر کھچ سکا

نغمہ و پر سے فریب دے نہ سجھے عندلیب — تو بھی اسی خاک کا پھول ہے اُڑتا ہوا

رنگ چمن کا نچوڑ نفحۂ خوشبو میں ہے — حاصلِ ملکِ تتار نافۂ آہو میں ہے

قطرۂ کم آب سے رشتہ نہیں ٹوٹتا
گو کہ سمندر کی روح دانۂ لولو میں ہے

نظم قاصد

از

(جناب مولوی سید ہاشمی صاحب - رکن دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن)

(سنہ ۱۳۴۲ ہجری - سنہ ۱۹۲۳ ع)

[یہ نظم مولوی سید ہاشمی صاحب نے یوم جلسۂ عثمانیہ اورنگ آباد کی تقریب میں پڑھی تھی۔ سید صاحب کی بعض نظمیں اس سے قبل بھی اس رسالے میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا رنگ شاعری یہ ہے۔ طبیعت میں حکیمانہ بلند خیالی اور ادائے بیان میں پوری قدرت ہے۔ اس نظم میں یہ خوبیاں کامل طور پر موجود ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کس قدر ترقی کر رہی ہے۔ حاضرین نے ان خیالات اور طرز بیان کی دل کھول کے داد دی۔ اڈیٹر]

نفس گرامی ترا دہر سے ہم ساز ہے　　راگ جدا ہے مگر تہ وہی آواز ہے

لاکھ چھپاتے رہیں تیری حقیقت حواس　　حسن تخیل ہنوز پردۂ در راز ہے

لالۂ خوش رنگ گو خاک سے پیدا ہوا　　عطر اسی خاک زاد پھول سے کر کھچ سکا

نغمہ و بو سے فریب دے نہ مجھے عندلیب　　تو بھی اسی خاک کا پھول ہے اُڑتا ہوا

رنگ چمن کا نچوڑ نفحۂ خوشبو میں ہے　　حاصل ملک تتار نافۂ آہو میں ہے

قطرۂ کم آب سے رشتہ نہیں ٹوٹتا
گو کہ سمندر کی روح دانۂ لولو میں ہے

منظر تکوین سے دیکھیں جو خلقت تری — ارض و سماوات کا خرچ ہے صنعت تری

پرورش ناز میں سارے عناصر شریک — مہر سے رشتہ ترا گل سے قرابت تری

حق خدیوی پہ ہے دال ترے اے عزیز — قدرت عزل و نصب، طاقت صلح و ستیز

زیست، سیاست گری ہے کہ عطا کی تجھے — باطل و حق میں نظر زشت و نکو میں تمیز

خشک زمینوں کو تو دودھ سے ندی کے پال — ظلمت کہسار سے لعل و جواہر نکال

ذرہ نہ بھٹکے کہیں قطرہ بھی ضائع نہ ہو

دیتے ہیں دنیا تجھے لے یہ امانت سنبھال

کوشش احساں تری کاہ کو گلشن کرے — ذوق کو فکر بلند پست نشیمن کرے

جائے تعجب نہیں قوت جامع تری — خرمن تاریک کو برق سے روشن کرے

حکم رواں ہو ترا ابر گہر بار پر — تیری سواری چلے دھوپ کے رہوار پر

زیر نگیں ہو ہوا، موج اطاعت کرے

تجھ کو تصرف ملے ثابت و سیار پر

روز کے ماتھے پہ شب قشقۂ شنجرف ہے — موسم گل کے سنوارنے میں خزاں صرف ہے

عشرت جاوید میں غم بھی ہے اک چاشنی

ہجر ہے تحریک شوق، وصل کا یہ ظرف ہے

برسات اور تنہائی

(ایک ہندی خاتون کے جذبات، برسات اور فراق شوہر میں)

از

(جناب مولوی محمد حسن صاحب محوی صدیقی)

———(۱- برسات)———

برسات آئی ہر سو اک جنت نظر ہے
ہر دل سرور آگیں، ہر شی جنوں اثر ہے

یہ خوشگوار موسم، یہ دل پذیر رم جھم
دنیا غریق مستی ہے اور سربسر ہے

یہ دل کُشا ہوائیں، یہ جانفزا فضائیں
دلکش ہر ایک شب ہے، دلچسپ ہر سحر ہے

آیا ہے گھر کے بادل اوڑھے سیاہ کمّل
بھر دے گا آج جل تھل، اس سے کہاں مفر ہے

بجلی کا یہ چمکنا، بادل کا یہ گرجنا
یہ مینہ کا برسنا، پر لطف کس قدر ہے

پھیلی ہے کیا اندھیری، کیسی گھٹا ہے چھائی
گویا کہ شام آئی، حالانکہ دو پہر ہے

یہ کالے کالے بادل، یہ سبز سبز جنگل
جنگل میں بھی ہے منگل، ہر شے بہار پر ہے

سبزے پہ ڈالیوں پر، پھولوں پہ پتیوں پر
ہر ننھی بوند گویا اک خوشنما گُہر ہے

غل کر رہا ہے ہریل، اور کوکتی ہے کویل
گو ہر صدا ہے پر غم، خاطر نشیں مگر ہے

غنچوں کا مسکرانا، پھولوں کا کھلکھلانا
سبزے کا لہلہانا، کیا جاذب نظر ہے

گُل کی قبا مسکنا، گُلشن کا پھر مہکنا
بلبل کا پھر چہکنا جان دل و جگر ہے

شاخوں کا یہ لچکنا، بوندوں کا وہ ٹپکنا
چڑیوں کا یوں پھدکنا ہر ایک کیف اثر ہے

دیتا ہے درس مستی سبزہ تل و دمن کا
جوش نمو سے سب میں اک روح مستتر ہے

گلشن کا پتہ پتہ، گیتی کا ذرّہ ذرّہ
اِس بارش کرم سے اس وقت تربتر ہے

موجوں کا یہ اُچھلنا، چشموں کا یہ اُبلنا
پانی کا یہ نکلنا، کتنا عجیب تر ہے

اے برشگال! دیکھا یہ فیض عام تیرا
شاداب ہر چمن ہے، سیراب ہر شجر ہے

جذبات آفریں ہے نظارہ ہر کہیں کا
ہوتا ہے جوش پیدا پڑتی نظر جدھر ہے

ساغر کا وہ چھلکنا، رندوں کا وہ بہکنا
اور خوب پی کے چھکنا اِس عہد میں ہنر ہے

باغوں میں جا کے دیکھو فطرت کا فیض جاری
ہر شاخِ گُل بکف ہے، ہر نخل سبز تر ہے

کیا چہچہا رہی ہیں چڑیاں پھدک پھدک کر
صیّاد کا نہ کھٹکا، گلچیں کا نہ ڈر ہے

چھایا ہوا ہے گویا نشہ سا طائروں پر
ہر ایک اپنی دھن میں مست اور بے خبر ہے

گویا نشاط آگیں ہے کائنات ساری
اک کیف بے خودی سا ہر شی میں جلوہ گر ہے

احباب کے مزے ہیں، باغوں میں جمگھٹے ہیں
ہے دور شادمانی، غم کا کہاں گزر ہے

جھولے پڑے ہوے ہیں اور پینگ بڑھ رہے ہیں
تانیں ملار کی ہیں، ہر باغ عیش گھر ہے

راتیں ہیں عشرتوں کی، باتیں محبّتوں کی
دن ہیں مسرّتوں کے ہر دل شگفتہ تر ہے

خلوت پسند سب ہیں گیتی سے آسماں تک
تارے بھی چھپ گئے ہیں، روپوش اب قمر ہے

دریا بھرے ہیں جل تھل، مرجیں رواں دواں ہیں
درپیش اِن کو گویا کوئی بڑا سفر ہے

یہ نکلے ندی نالے، مدت سے خشک تھے جو
برسات ہی پہ اِن کی ہستی بھی منحصر ہے

شادابیاں ہیں ہر سو، رنگینیاں ہیں ہرجا
ہر شی ہے عشرت افزا، قصہ یہ مختصر ہے

(۲ ـ تنہائی)

لیکن شگفتگی سے محروم ہوں فقط میں
افسردہ میرا دل ہے' اور آہ کس قدر ہے

اک میں اُداس تنہا' خاموش ' دل گرفتہ
آباد ورنہ ہر گھر' دل شاد ہر بشر ہے

آتا ہے مجھکو رونا اِس کی اُداسیوں پر
سنسان کوئی بن ہے' یارب کہ میرا گھر ہے؟

میرا ہی دل ہے جو میں یہ رنج اُٹھارہی ہوں
تنہائی اک بلا ہے' دنیا کو کیا خبر ہے

میری سہیلیاں بھی مجھ سے کنارہ کش ہیں
عالم ہے ایک ہو کا' پڑتی نظر جدھر ہے

برسات کی یہ راتیں میں کس طرح سے کاٹوں
کوئی نہ مونس غم' کوئی نہ چارہ گر ہے

تنہائیوں کا اپنی شکوہ کروں تو کس سے
تھی جن سے کچھ توقع مجھ سے ,,اُنہیں،، حذر ہے

میں صبر کرلوں لیکن' دل اور جگر بھی مانیں!
بیتاب اک اِدھر ہے' بے چین اک اُدھر ہے

تڑپارہی ہے مجھکو' برمارہی ہے دل کو
کُو کُو ہے کویلوں کی یا کوئی نیشتر ہے

طوفان غم ہے مجھکو سیر بہار گُلشن
موج ہوائے گُل بھی میرے لئے بھنور ہے

جی چاہتا ہے گھر سے صحرا کو بھاگ جاؤں
کیا ہولناک شب ہے' کیا غم فزا سحر ہے

کوئی نہیں شریک تنہائی جلوں زا
یہ عالم حضر ہے یا حالت سفر ہے
کیا پوچھتی ہے مجھہ سے اے میری غم نصیبی!
اب تو جہاں میں میرا کوئی نہ گھر، نہ در ہے

حالت بتاؤں کس کو اپنے غم دروں کی
بالین بیکسی ہے، سودا زدہ یہ سر ہے
رات اور دن ہیں جاری آنکھوں سے اشک خونیں
دل یا جگر میں کوئی زخم کُہن مگر ہے

ہوتی ہے اک تپک سی، آتاہے آنکھہ تک جب
ہر اشک گرم میرا شعلہ ہے یا شرر ہے
کیا کچھہ گزر رہی ہے دل پر کبھی نہ پوچھا
اور خندہ زن زمانہ میرے سکوت پر ہے

آتا ہو رحم شاید کچھہ اِس کو حال دل پر
یہ چاند آسماں پر ہر شب جو جلوہ گر ہے
دل شاد ساری دنیا، میں نامراد تنہا
اے نخل زندگانی تیرا یہی ثمر ہے؟

گُزرے شباب جب یوں، اندوہ بیکسی میں
آخر یہ میرا جینا پھر کس اُمید پر ہے
تنہائیوں نے کھویا سب لطف زندگانی
یہ کُنج عافیت ہے، یا گوشۂ سقر ہے

یہ سوچکر بھی دل کو صبر و سکوں نہ آیا
وہ زندگی ہی کیا جو مرنے پہ منحصر ہے

بادۂ کہن

مرزا جان جاناں مظہر

....

اُس گل کوں بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہات

اِس واسطے بنا ہوں چمن میں ہوا کے ہات

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا

شاید کبھی تو جاکے لگے دل ربا کے ہات

جلتا ہوں میرزائیے گل دیکھہ ہر سحر

سورج کے ہات چوری و پنکھا صبا کے ہات

آزاد ہورہا ہوں دو عالم کی قید سوں

میلا لگا ہے جب ستی مجھہ بے نوا کے ہات

(مظہر) چھپا کے رکھہ دل نازک سرے کے تئیں

یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہات

* ہمارے ہات سے بھاگا ہے دل لے جان جاں اپنا

ہم اُس کوں جانتے تھے دوست اپنا مہرباں اپنا

---

* یہ غزل آزاد مرحوم نے آب حیات میں بھی نقل کی ہے - اس میں مطلع

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سوں زندگی کرتے
اگر ہوتا گل اپنا، گلبن اپنا، باغباں اپنا

جنوں سوں اس قدر روئیں کہ رسوا ہوگئیں آخر
ڈوبایا ہائے ان آنکھوں نیں آخر خانماں اپنا

قفس کے بیچ کیا حسرت ستی بلبل یہ کہتی تھی:
کہ پھر بھی دیکھنا قسمت ہوے گا بوستاں اپنا

اری شیریں! خدا سوں ڈر، خبر لے عاشق اپنے کی
کیا فرہاد نے تیشے سوں سر اوپر نہاں اپنا

یہ بلبل بے اجازت باغباں کے گل سیں ساتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جی دے گی ندھاں اپنا

کہیں دیئے سیں جی کے وصل ہونا ہات لگتا ہے
دیا برباد پروانے نے ناحق دودماں اپنا

مرا جلتا ہے دل اُس بلبل بے کس کی غربت پر
کہ گُل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

یہ کہکے باغ سے رخصت ہوی بلبل کہ یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ چھوڑے فصل گل میں آشیاں اپنا

کوی آزردہ کرتا ہے سجن ایسے کوں اے ظالم
جو دولت خواہ اپنا، (مظہر) اپنا، جان جاں اپنا

—:0:—

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یوں لکھا ہے:

چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹاکر کارواں اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

علاوہ اس کے شعر ۳، ۵، ۶، ۷، ۹ آب حیات میں نہیں ہیں۔ باقی اشعار میں کچھ کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ ہم نے یہ دونوں غزلیں تذکرہ "تحفۃ الشعرا" مولفۂ افضل بیگ خاں قاقشال اورنگ‌آبادی سے نقل کی ہیں—

لالہ ٹیک چند بہار

ان کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کی کتاب "بہار عجم" فارسی لغت میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ بعض تذکروں سے ان کے اردو اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں —

اُسی درگاہ سے حاجت روا ہوتی ہے عالم کی
جہاں دیتے ہیں بن مانگے، فضولی ہے طلب، لا لا

جو کچھ جاکر گلستاں میں کیا ہے کیوں چھپاتے ہو
عیاں ہے آستیں کے چیں سے موج خون گل لالا

———*———

وہی یک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ، کہیں زنار کہتے ہیں*

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

ایتا مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں اُن آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں

———*———

نہیں اُس شوخ سا رنگیں ادا گل
اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گُل

———*———

* آبرو کا شعر بھی اسی مضمون کا خوب ہے:

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونوں ایک ہیں آپس میں، ان کے بیچ رشتہ ہے

کوئی کس ساتھ ایسی فصل گل میں دل کو پرچاوے
نہ ساقی ہے، نہ ساغر ہے، نہ مطرب ہے، نہ ہمدم ہے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی کو ہمارے بس ہے کچھ مغفرت کم ہے

کہتے ہیں یہ ستم کر قاتل کے تقصیر کیا کیجیے
جو ان کے ہات یوں مرنا ہوا تقدیر کیا کیجیے

منظور سیر لالہ جو ہو اس چمن کے بیچ — پھولا ہے خوب دیکھ دل داغدار بیچ
کہتے ہیں عندلیب گرفتار سمجھ کر دیکھ — امید چھوٹنے کی نہیں اس بہار بیچ

نتیجہ جس سے خدمت کا اگر یہ بے دماغی ہے
بجا ہے یہ جو کہتے ہیں کہ پھل پاوے ہے جو سیوے

اگر مارا مرا ان ہات سے غمزے کے کیا غم ہے
سپاہی کی یہی معراج ہے رن بیچ سر دیوے

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تم کو مناجاتی

ادب

فارسی

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

---...×...---

ادب

دشینت و شکنتلا، المعروف بہ، مثنوی سحر

(از جناب اقبال ورما[سحر]ھتگامی- زمانہ بک ایجنسی' کانپور)

شکنتلا ایک سدا بہار پھول ہے' جس کے حسن کو کبھی زوال نہیں- یہ حسن و عشق کا طلسم ہے' جو کبھی نہیں ٹوٹنے کا - اور اسی طلسم میں اس کارخانۂ عالم کی رونق اور دل چسپی ہے —

اس سے قبل اُردو میں شکنتلا کے تین ترجمے ہوچکے ہیں- سب سے پہلے نواز کیشور نے اصل سنسکرت سے برج بھا کا میں نظم کیا' جو کبت دُھرے میں تھی- یہ ترجمہ اُس نے اپنے مربی مولی خاں بن فدائی خاں المخاطب بہ عظیم خاں کے حکم سے کیا' جو ھندوستان کے شہنشاہ "فرخ سیر" کا جنرل اور مصاحب تھا (سنہ تخت نشینی سنہ ۱۷۱۳ ع)

سنہ ۱۸۰۱ ع میں مرزا کاظم جوان نے للوجی لال کب کی مدد سے برج بھاکا سے اُردو نثر میں ترجمہ کیا- یہ دونوں صاحب فورٹ ولیم کالج کے ملازم تھے اور یہ ترجمہ اُردو کے محسن ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش سے کیا گیا تھا- مرزا کاظم جوان نے یہ ترجمہ سلیس اردو میں کیا ہے' لیکن عبارت مقفیٰ ہے' اس لئے کہیں کہیں تکلف کرنا پڑا ہے' تاہم زبان صاف اور ستھری ہے- بیچ میں کہیں کہیں مترجم نے اپنے اشعار سے بھی ترجمہ کے لطف کو بڑھانے کی کوشش کی ہے- اگرچہ جوان شاعری کا دعویٰ اور نثر لکھنے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں' لیکن اُن کی شاعری معمولی ہے اور اُس سے نثر میں کوئی حسن پیدا نہیں ہوا ہے—

تیسرا ترجمہ سید محمد تقی صاحب نے نظم میں کیا' جس کا نام "رشک گلزار" ہے اور جس کا حوالہ اس مثنوی کے دیباچے میں جناب دیا نرائن صاحب (نگم) نے بھی دیا ہے - "رشک گلزار" مثنوی کے طرز میں لکھی گئی ہے اور اس کا وہی رنگ ہے' جو فارسی یا اُردو کی دوسری عشقیہ مثنویوں کی ہے—

یہ چوتھا ترجمہ جو جناب اقبال ورما (سحر) صاحب ہتگامی نے کیا ہے' وہ بھی مثنوی ہی ہے اور "گلزار نسیم" کی بحر میں ہے- جس طرح "رشک گلزار" کے مصنف ہندی قصے کی اصلیت کو قائم نہیں رکھہ سکے' اسی طرح حضرت (سحر) بھی اس سے قاصر رہے ہیں- صرف طول و اختصار کا فرق ہے- مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت (سحر) بہت پختہ کار شاعر ہیں اور فن شعر پر بھی قدرت حاصل ہے- اس مثنوی میں انہوں نے "گلزار نسیم" کا پورا تتبع کیا ہے اور اسی ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے' لیکن باوجود اس کے نہ کہیں تعقید ہے اور نہ زبان کے روز مرّے اور محاورے سے الگ ہوے ہیں- اگرچہ ضرورتاً ایک آدھ جگہ ایسے الفاظ استعمال کر گئے ہیں جو وہ نثر میں خود نہ کرتے- ہمارے خیال میں اِس کا حق شاعر کو ضرور ہونا چاہئے- بعض بعض مقامات بہت خوبی سے لکھے ہیں - کہیں کہیں بیچ میں غزلیں بھی آگئی ہیں' جن سے حضرت (سحر) کی خوش گوئی اور پختہ کلامی کا پتہ لگتا ہے- ہمیں اُمید ہے کہ اُن کی یہ سعی مقبول ہوگی —

غزال

(سر زمین ترکستان کی ایک دلاویز داستان - مرلفہٗ ایم اسلم صاحب - نسیم بک ڈپو' بازار بارود خانہ لاہور سے (۱۰) آنے میں مل سکتی ہے)

یہ ایک بہت دلچسپ اور درد انگیز داستان ہے - قصہ اگرچہ ترکستان کا ہے' لیکن اِس میں ترکستان کی کچھہ زیادہ خصوصیات نہیں ہیں' تاہم انسانی فطرت کا اچھا اور دلچسپ مرقع ہے - یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ترجمہ ہے یا تصنیف - زبان بہت صاف اور اچھی ہے - البتہ کہیں کہیں محاورے میں لغزش ہوگئی ہے—

محشر خیال

(تالیف سجاد علی انصاری مرحوم بی-اے، اِل اِل-بی، (علیگ)-
شرکت ادبیہ، قرول باغ، دہلی - صفحات ۱۵۶، مجلد، قیمت قسم اول
تین روپے اور قسم دوم دو روپے ۸ آنے) —

یہ سجاد علی صاحب انصاری مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ہے، جسے خواجہ منظور حسین صاحب ایم - اے (علیگ) نے مرتب کیا ہے - افسوس ہے کہ نہ تو مرتب صاحب نے اور نہ ناظم شرکت نے مرحوم کے حالات لکھنے کی زحمت فرمائی، جو ہمارے خیال میں بہت ضروری تھے - صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی گڑہ کے تعلیم یافتہ اور بارہ بنکی میں وکیل تھے اور قرینے سے یہ معلوم ہوتا کہ جوان موت مرے —

پہلا مضمون پڑہ کر ہمیں اُن کے طرز تحریر اور طرز بیان سے سوے ظن ہوا؛ الفاظ زیادہ، معنی کم، ترکیبوں میں تکلف، الفاظ میں پیچ و خم - لیکن جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، ہمارا سوے ظن حسن ظن سے بدل گیا - حقیقت یہ ہے کہ مرحوم بہت قابل انشا پرداز تھے، طبیعت میں جدت، خیال میں وسعت اور اُس کے بیان میں آزادی اور بے باکی نظر آتی ہے - وہ مقلد نہیں، مجتہد ہیں اور تقلید و ریا کے سخت دشمن - وہ زندہ دل اور حسن کے فدائی ہیں اور زہد خشک اور بے مزہ نیکی کو لطیف اور دلچسپ معاصی پر قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں - یہ مضامین بہت پرلطف ہیں، اور عام فرسودہ خیالات سے کسی قدر الگ ہیں، لیکن باوجود اس آزادی اور بے باکی کے پرانے خیالات اور تعصبات جو نا معلوم طور پر دلوں میں چھپے رہتے ہیں، کہیں کہیں عود کر آتے ہیں - آخر میں اُن کا نظم کا کلام دیا ہے - اُس میں بعض غزلوں کے شعر بہت خوب ہیں، لیکن اُن کی نظم سے نثر کہیں بہتر ہے - یہ مضامین پڑھ کر اُن کی جوانمرگی پر (اگر ہمارا قیاس صحیح ہے تو) بہت افسوس ہوا - اگر کچھ عرصہ جیتے رہتے تو بہت نام پیدا کرتے - یہ مضامین بھی اُن کی ناموری کے لئے کچھ کم نہیں —

یوروپین شعرائے اردو۔

(مولفۂ مولوی محمد سردار علی صاحب - سلسلۂ مطبوعات کتب خانہ مسجد چوک - صفحات ۲۸ قیمت ۸ آنے)

وہ یوروپین جو ایسٹ انڈیا کے زمانے میں آتے تھے، یا جو یہاں آباد ہو گئے تھے اور یہیں شادی بیاہ بھی کرلیے تھے، اُنھوں نے ہندوستان ہی کی طرز معاشرت اختیار کرلی تھی، اُسی طرح رہتے سہتے اور وہی ان کے مشاغل تھے، جو اُس وقت ہندوستانیوں کے تھے - ہندوستانی لباس، حقہ پینا، قالینوں پر گاوتکیوں سے لگ کر بیٹھنا، ناچ دیکھنا، مشاعرے کرنا وغیرہ وغیرہ - ان کی اولاد جو ہندوستان میں رہ گئی، وہ اپنی رنگ رلیوں میں ہندوستانیوں سے بھی بڑھ گئی - انھوں نے صرف ملک کی زبان ہی نہیں سیکھی، بلکہ شاعری بھی کرنے لگے - اس رسالے میں انھیں نیک بخت شاعروں کا ذکر اور اُن کے کلام کے نمونے ہیں - یہ چیز ہر لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے - یہ موقع نہیں ورنہ اس مضمون پر بہت پر لطف بحث ہوسکتی تھی - اگر چہ اِن شعرا کا ذکر مختلف تذکروں میں آتا ہے، مگر مولوی سردار علی صاحب نے خوب کیا، جو جگہ جگہ سے ان کا حال جمع کر کے رسالے کی صورت میں شایع کر دیا —

آئین اردو

(مولفۂ مولوی محمد زین العابدین صاحب، فرجاد صفحات ۳۱۶ - نامی پریس میرٹھ - قیمت ایک روپیہ ۸ آنے)

یہ کتاب اردو صرف ونحو پر لکھی گئی ہے - قابل مؤلف نے بسم اللہ، "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" کی غلطیاں گنوانے سے کی ہے - دوسروں کو اُن کی غلطیوں سے آگاہ کرنا قابل تعریف کام ہے اور ہم اس کی داد دیتے ہیں - لیکن جب ہم نے کتاب پڑھنی شروع کی تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کے ماخذ بھی دونوں کتابیں ہیں، جن کی غلطیوں کو اُنھوں نے اپنی تالیف کا امتیازی نشان بنایا ہے - بعض جدید اصطلاحات اور بعض مقامات بجنسہ "قواعد اردو" سے ماخوذ ہیں - جس طرح غلطیوں کا جتانا قابل تعریف ہے - اسی طرح ماخذوں کا تسلیم کرنا بھی لائق تحسین ہوتا ہے

مگر جس طرح بعض طبائع اپنے محسنوں کا دیکھنا گوارا نہیں کرتیں، اُسی طرح بعض مولف اپنے ماخذوں کا اظہار بھی پسند نہیں کرتے اور اُن کو بدنام کرنے یا مٹانے کی کوشش کرتے ہیں - اور شاید یہی وجہ ہے کہ قابل مؤلف نے سب سے پہلے اُنہیں پر ہاتھ صاف کیا ہے، جن سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا ہے —

قابل مؤلف نے بیان کیا ہے کہ "مصباح القواعد" کے مولف نے عربی قواعد کا تتبع کیا ہے اور "قواعد اردو" کے مؤلف نے اردو کو انگریزی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے - مگر مولف "آئین اردو" نے کورانہ تقلید سے کام نہیں لیا اور بہ لحاظ زبان اردو اس کے قواعد لکھے ہیں - لیکن یہ دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ ہم "مفعول مالم یسمّ فاعلہ" "مفضل" اور "مفضل علیہ" جیسی اصطلاحیں اس کتاب میں دیکھتے ہیں، یا جب (زیر) کی ایک قسم "کسرۂ اشباعی" بھی بتائی جاتی ہے اور اس کی یہ مثالیں دی جاتی ہیں، جن کا اُردو سے کچھ تعلق نہیں: "بہٖ، المصرِ، العراقِ، فی ھلالٍ" یا واؤ کی ایک قسم واو "تمیزی" بھی قرار دی ہے اور اس کی مثال میں "عمرو" کا لفظ لکھا ہے - اس کے علاوہ نحو کا تقریباً تمام حصہ عربی قواعد کے تتبع میں لکھا گیا ہے اور زبان اردو کے متعلق کام کی باتیں بہت کم پائی جاتی ہیں —

علاوہ اس کے اردو زبان اور قواعد کے متعلق جا بجا غلطیاں نظر آتی ہیں - مثال کے طور پر چند لغزشوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

هندي کے اُن حروف کے تحت میں، جو اُردو میں ہائے مخلوط کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، (جیسے بھ، پھ، وغیرہ) یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "عربی میں تو بالکل نہیں اور فارسی میں بہت ہی کم" - یہ صحیح نہیں ہے، فارسی میں مطلق نہیں آتے - مثال میں "زرہ دہشت" لکھا ہے - یہ مثال بھی صحیح نہیں ہے —

یہ جو لکھا ہے کہ گذرگاہ، گذشتہ، کو (ذ) سے لکھنا غلط ہے، (ز) سے لکھنا چاہئے، یہ بھی صحیح نہیں - ذ) قدیم فارسی میں آتا تھا، اب صرف چند لفظوں میں رہ گیا ہے - اس کو غلط کہنا درست نہیں ہے —

خانقاہ کے متعلق یہ کہنا کہ: "اب مقبرے کے معنی میں مستعمل ہے" درست نہیں ہے —

نون غنہ جب آخر میں آتا ہے تو اُس کے متعلق تو تحریر فرمایا ہے کہ بغیر نقطہ کے لکھا جائے، مگر جب درمیان میں آتا ہے تو اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ صحیح اور غنے میں کیونکر امتیاز کیا جائے - اسی طرح واو کی مختلف آوازوں کے لئے بھی کوئی امتیازی نشان نہیں قرار دئے - اسی طور پر کیا (فعل) کیا (استفہامیہ) میں بھی امتیاز کے لئے کوئی نشان قرار نہیں دیا —

"ادغام" کی اصطلاح لکھ کر یہ تصریح فرمائی ہے کہ: "صرف عربی کے لئے خاص ہے، اُردو فارسی میں نہیں ہوتا" - پھر اِس کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر چہ ہم بھی مثل دوسری غیر ضروری اصطلاحوں کے اس اصطلاح کو "اردو قواعد" میں لکھنا غیر ضروری خیال کرتے ہیں - لیکن ادغام سے جو اُن کی مراد ہے وہ اردو اور خاصکر ہندی میں مستعمل ہے، مثلاً (نکٹا)، وغیرہ - لیکن در اصل اس کا تعلق مرکبات سے ہے —

ہجّوں کے متعلق جس اعتراض کے رفع کرنے کی قابل مؤلف نے کوشش کی ہے، اُس کا وہ مقصد نہیں ہے، جو انہوں نے سمجھا ہے - اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بچّوں کو اِس طریقے سے پڑھانے سے غلط فہمی ہی نہیں پیدا ہوتی بلکہ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں - مثلاً [اب] کے ہجے کئے جاتے ہیں الف بے زبر، اب - حالانکہ اگر ہزار بار بھی (الف بے زبر) کو دُھرایا جاے تو بھی اب) نہیں بن سکتا - (اب) میں صرف دو آوازیں ہیں اور (الف بے زبر میں سات

جمع مؤنث میں لڑکییں، بچھییں، تھالییں، چڑییں، چوھییں، کٹھییں وغیرہ فصیح اور عام زبان نہیں ہے - اور یہی حال ساروں اور ساریوں کا ہے —

جمع کے تحت میں یہ دو قاعدے بھی لکھے ہیں:

" بعض مذکر اور مؤنث نام ایسے ہیں کہ اُردو میں اُن کے لئے جمع نہیں ہوتی - جیسے سویرا، دوپہر، دھول، چاندی، سونا، مٹی، لوہا، تانبا وغیرہ " —

لیکن جب مٹی کی مختلف قسمیں ہونگی تو اس وقت اس کی جمع جائز ہوگی - اس طرح بعض دھاتوں کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے —

دوسرا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ :

" فارسی اور عربی الفاظ مستعملہ بھی ایسے ہیں کہ جن کی جمع اردو قاعدوں کے بموجب اردو میں نہیں بولتے جیسے دریا، خطر، حرف، لفظ، شام، گروہ، لشکر، انبار، بازار، وغیرہ "—

مگر اس کے نیچے ہی یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ:

"اِن دونوں صورتوں میں بعض اسماء کی جمع واو اور نون غنہ سے آتی ہے - جیسے دریاؤں، لفظوں، گروہوں، لشکروں وغیرہ " —

ایسی حالت میں یہ قاعدہ قاعدہ کہاں رہا - اگر اس قاعدے کا یہ مطلب ہے کہ فاعلی حالت میں ان کی جمع نہیں آتی تو تمام ایسے اردو ہندی الفاظ کی یہی صورت ہوتی ہے، جن کے آخر میں علامت تذکیر یا تانیث نہیں ہوتی - علاوہ اس کے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس قاعدے میں " دونوں صورتوں " سے کیا مطلب ہے —

اسی بیان میں وہ ایک جگہ (ص: ۵۱۴) ایک عجیب و غریب قاعدہ تحریر

فرماتے ہیں، جو یہ ہے :

''بعض مختلف فیہ یعنی ایسے اسم کہ اُن کو مذکر بھی بولاجاتا ہے اور مؤنث بھی ، اُن کی جمع اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے بنائی جاے تو مونث بولیں گے، جیسے: میری قلمیں کون لے گیا - اس شورے کی قلمیں باریک اور چمکدار ہیں - اس کے کھیت کی ڈول پر بہت کیکریں کھڑی ہیں - اور جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے، جیسے قلموں کے بنڈل - کیکروں کے جھنڈ'' —

اس قاعدے کو پڑھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اوّل تو یہ کہنا ہی محض فضول اور ایک طرح سے غلط ہے کہ اگر یاے مجہول اور نون غنہ سے جمع بنائی جاے تو مؤنث بولیں گے... کیونکہ ایسے الفاظ میں مؤنث کی جمع یاے مجہول اور نون غنہ ہی سے بنائی جاتی ہے - مگر اس قاعدے کے دوسرے جز میں تو فاضل مؤلف نے کمال ہی کردیا ہے -فرماتے ہیں کہ'' جب واو اور نون سے جمع بنائی جاے تو مذکر بولیں گے'' یہ سراسر غلط ہے - واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں- لفظ مذکر ہو یا مؤنث، جب وہ حالت اضافی ، مفعولی ، ظرفی وغیرہ میں بصورت جمع آئے گا تو اُس کے آخر میں واو اور نون ضرور ہوگا - جیسے: گاڑیوں میں، درختوں پر، مکانوں میں ، خیموں کے نیچے، لڑکوں کے پاس، لڑکیوں کے ہاتھ میں، چھتوں کے اوپر وغیرہ وغیرہ - اس میں سب سے عجیب بات جو قابل مؤلف نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ: '' میری قلمیں کون لے گیا'' اس میں تو قلم مؤنث ہے اور '' قلموں کے بنڈل'' میں مذکر ہے- حالانکہ یہ ایک ایسی صریح اور صاف بات ہے کہ ایک بچہ بھی بتادے گا کہ اس مثال میں ''کے'' (علامت مذکر) بنڈل کے لیے ہے جو مذکر ہے، نہ کہ قلموں کے لئے- اسی طرح '' کیکروں کے جھنڈ'' میں جھنڈ مذکر ہے، اور اس لئے ''کے'' مذکر آیا ہے- قلموں اور کیکروں کی تانیث اور تذکیر کا اثر حرف اضافت پر نہیں پڑسکتا - کیونکہ اردو میں حروف اضافت وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مضاف کے تابع ہوتے ہیں- اگرچہ اس کی مطلق ضرورت نہیں، تاہم صاف طور سے ذہن نشین کرنے کے لئے ہم بجاے قلم اور کیکر ایسے دو دو لفظ لیتے ہیں، جس کی تانیث اور تذکیر متفق علیہ ہے - مثلاً لکڑی اور کھڑا، بیری اور درخت، اور اب ان کو بجاے قلم اور کیکر کے استعمال کرکے دیکھتے ہیں - اِن کی صورت یہ ہوگی:

لکڑیوں کے بنڈل	کھڑوں کے بنڈل
بیریوں کے جھنڈ	درختوں کے جھنڈ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ واو اور نون کی جمع کو تذکیر و تانیث سے کوئی تعلق نہیں —

ضمیر کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: ''ہر طرح کی ضمیر واحد کا استعمال اکثر

حقارت یا محبت کے لئے کہا جاتا ہے، ورنہ ضمیر جمع بجائے واحد کے استعمال کی جاتی ہے اور اس سے عزت و عظمت مقصود ہوتی ہے، جیسے میں جاتا ہوں۔ تو جاتا ہے۔ وہ جاتا ہے، کی جگہ یوں کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں۔ تم جاتے ہو۔ وہ جاتے ہیں''—

بات یہ ہے کہ غائب کے لئے واحد اور جمع میں ضمیر کی صورت ایک ہی ہے، جمع اور واحد کا امتیاز فعل سے ہوتا ہے۔ حاضر کے متعلق بھی قاعدہ صحیح ہے، لیکن متکلم کے متعلق صریحاً غلط ہے ''میں'' کی بجائے، سوائے خاص صورتوں کے، ''ہم'' کا استعمال محض بد تمیزی ہے اور بجائے ''عزت و عظمت'' کے تکبر اور نخوت کا اظہار ہوتا ہے—

اسی بیان میں ''آپ'' حاضر کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''لفظ آپ کے لئے فعل یا صفت کا صیغہ جمع برتا جاتا ہے''۔ فعل کے متعلق تو یہ قاعدہ صحیح ہے، لیکن صفت کے لئے یہ کلیہ نہیں۔ صرف اردو ہندی (یا چند عربی، فارسی کے لفظ جو اردو ہوتے ہیں) کے ایسی صفات جن کے آخر میں علامت، تذکیر (الف یا ہ) ہوتی ہے، جمع میں یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں، ورنہ باقی الفاظ خواہ ہندی ہوں یا فارسی، عربی یا کسی دوسری زبان کے، واحد اور جمع میں یک ساں رہتے ہیں اور تانیث میں تو اِس قدر تبدیلی بھی نہیں ہوتی۔ اس میں تو ان الفاظ کی صورت بھی واحد اور جمع میں ایک ہی سی رہتی ہے۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ بڑے عالم ہیں۔ آپ بہت ہوشیار ہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ بہت خوبصورت ہیں وغیرہ:—

اِسی کے متعلق دوسرا قاعدہ یہ لکھا ہے کہ ''فعل یا صفت کا جمع لانا اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ لفظ آپ حالت فاعلی میں ہو، دوسری حالتوں میں جمع نہیں لاتے جیسے: آپ کو کس نے دھمکا دیا'' ۔ وغیرہ۔ یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں ہے۔ آپ نے کھانا کھایا۔ یہاں آپ فاعل ہے مگر فعل واحد ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ قاعدہ صرف فعل لازم کے ساتھ ہوتا ہے—

یہ چند موٹی موٹی مثالیں غلطیوں کی ہم نے صرف شروع کے پچاس ساٹھ صفحے دیکھنے کے بعد لکھ دی ہیں۔ اگر پوری کتاب پر اس طرح تبصرہ کیا جائے تو ایک دوسری کتاب ہو جائے گی۔ نحو پر قابل مؤلف نے صرف پچاس صفحے لکھے ہیں اور سوائے دو ایک باتوں کے جو ''قواعد اردو'' سے ماخوذ ہیں باقی عربی یا مروجہ فارسی قواعد کی نقل ہے۔ اردو زبان سے اسے بہت کم تعلق ہے۔ مثلاً مرکب امتزاجی کا جہاں بیان کیا ہے، وہاں صرف چند مثالیں عربی ناموں اور فارسی ہندی لفظوں کی دیدی ہیں اور پانچ چار سطروں میں سارا بیان ختم کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ اردو اور ہندی زبانوں کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس پر بہت بحث کی گنجائش تھی۔ مگر چونکہ مرکب امتزاجی ایک ایسی چیز ہے جس کا عربی میں سوائے گنتی کے

چند سماعی الفاظ کے) کوئی قاعدہ نہیں' اس لئے اردو کی نحو کو بھی اس سے محروم رہنا پڑا —

اِن غلطیوں کے جتانے سے ہمارا مقصد خدانخواستہ یہ نہیں ہے کہ ہم قابل مولف کی تالیف کی قدر نہیں کرتے' بلکہ ہم ان کی محنت ' تلاش اور قابلیت کی دل سے تعریف کرتے ہیں مگر چونکہ انہوں نے "آئین اردو" کی تالیف کی خاص وجہ یہ بتائی ہے کہ "مصباح القواعد" اور "قواعد اردو" میں بہت سی غلطیاں ہیں اس لئے ہم نے سر سری طور پر چند غلطیاں پیش کردی ہیں' تا کہ فاضل مولف کو معلوم رہے کہ لغزشوں کا صادر ہونا اُن سے بھی ممکن ہے - اور اس جسارت کی اُن سے معافی چاہتے ہیں

کتاب کے سر ورق پر جلی قلم سے یہ بھی تحریر ہے:

"مصدقہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی عظیم دارالمصنفین اعظم گڈھ" اور قابل مولف کا یہ لکھنا بجا بھی ہے' کیونکہ سر ورق کی پشت پر اِس سے بھی جلی قلم میں حضرت علامہ موصوف کا نامۂ صداقت بھی منقول ہے' جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

" میں نے ماہ رمضان کی فرصت میں آپ کی پوری کتاب "آئین اُردو" دیکھی' مجھے تو کہیں حرف رکھنے کی جگہ ملی نہیں......"

فارسی

——: o :——

میخانہ

(تالیف ملا عبدالنبی' فخرالزمانی قزوینی' مرتبۂ جناب ڈاکٹر محمد شفیع ایم - اے' پی ایچ - ڈی' پروفیسر پنجاب یونیورسٹی کالج)

آج سے نہیں' ہمیشہ سے ہندوستان مرجع اہل جہاں اور اہل کمال رہا ہے- اس کی دولت' اس کی فراوانی' اس کی رواداری غیروں کو اپنی طرف کھینچتی اور اپنا بناتی رہی ہے - جس طرح سترھویں صدی کے بعد سے اہل یورپ اس ملک میں ٹوٹ پڑے' اسی طرح مغلیہ سلطنت کے زمانے میں' اہل ایران جب رخ کرتے تو اِدھر ہی

رم کرتے تھے - سلطنتیں اور حکومتیں اُن کی بھی تھیں، مگر یہ لطف کہیں نہ تھا - چلے تو معمولی آدمی تھے، یہاں پہلنچے تو کچھہ سے کچھہ ہو گئے - اس میں شک نہیں کہ اُن کا اثر ملک والوں پر پڑا، مگر وہ بھی یہاں کے اثر سے خالی نہ رہے - منجملہ اور با کمالوں کے ایک شاعر تھے - ایران سے چلے تو ذوق سخن ساتھہ تھا، لیکن یہاں رہ کر اُن کی شاعری کا رنگ ہی اور ہو گیا - چنانچہ ہندوستان کی ایرانی شاعری ایک خاص حیثیت رکھتی ہے - ملا عبدالنبی قزوینی بھی انہیں لوگوں میں سے ہے، جنھیں ہندوستان کا شوق یہاں کھینچ لایا تھا - یہ سنہ ۱۰۱۷ میں یہاں پہلنچا اور یہیں سپرد خاک ہوا —

مے خانہ، اسی کی تالیف ہے - یہ ایک قسم کی بیاض ہے - بیاضیں تو سینکڑوں لکھی گئی ہیں، لیکن یہ بیاض خاص ندرت اور اہمیت رکھتی ہے - اس میں مؤلف نے ۷۱ شعرا کے ساقی نامے جمع کئے ہیں اور ساتھہ ساتھہ اُن کے حالات بھی معتبر ماخذوں سے، یا اپنے علم سے، یا اُن شعرا کے احباب و اقربا سے دریافت کر کے لکھے ہیں - کتاب کے تین حصے ہیں - پہلے حصے میں ۲۶ شعرا ہیں، جو ختم تالیف میخانہ سے پہلے فوت ہو چکے تھے - دوسرے حصے میں ۲۰ شاعر ہیں اور تیسرے میں ۲۵ - جن شعرا کے ساقی نامے نہیں تھے، یا نہیں ملے، اُن کا کچھہ دوسرا کلام نقل کر دیا ہے - حصۂ سوم میں خاص کر ایسے ہی شاعر ہیں - غرض اس طرح مولف نے ۳۲ کامل ساقی نامے، پانچ ترکیب بند یا ترجیع بند اور پانچ ساقی ناموں کے اقتباسات اور ان کے علاوہ ہزارہا متفرق اشعار اس کتاب میں درج کر دئے ہیں - مولف کی اس سعی کی بدولت فارسی شعرا کے ہزارہا اشعار محفوظ ہو گئے ہیں اور بعض ساقی نامے اور حالات تو ایسے ہیں کہ کہیں اور نہیں ملتے - کتاب لطف سخن اور صحت و اعتبار کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے —

اصل کتاب کے ۵۸۰ صفحے ہیں - اس کے علاوہ فاضل مرتب کا دیباچہ، حواشی اور فہرستیں الگ ہیں - کل ملا کے ۷۸۵ صفحے ہوتے ہیں —

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - اس کا ایک نسخہ تو ڈاکٹر صاحب کے اپنے کتب خانے میں ہے اور دوسرا ریاست رام پور کے مشہور کتاب خانے میں - اِن دو کے سوا تیسرے نسخے کا پتا اب تک کہیں نہیں چلا —

ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کی ترتیب و تصحیح میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے - اُن کی محنت اور ذوق کا پتہ کتاب کے ہر صفحے سے اور خاص کر حواشی سے ملتا ہے - جو حضرات فارسی کلام کا ذوق رکھتے ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب بڑی نعمت ہے اور ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں کہ اُن کی توجہ اور سعی سے یہ کتاب گم نامی سے نکل کر عام طور پر شایع ہو گئی ہے —

بزم ایران

(تالیف جناب آیۃاللہ زادہ یزدی' آقاے حاجی سید محمد رضا طبا طبائی
صفحات ۵۴۴ قیمت مجلد سات روپے' غیر مجلد چھہ روپے)
ملنے کا پتہ :- آقا میرزا محمد علی کشمیری- ریاست رامپور

اس کتاب میں فاضل مؤلف نے ادبی دل چسپی اور تفریح کا نہایت عمدہ سامان جمع کیا ھے - کتاب کے تین باب ھیں- پہلے باب میں مختلف طبقات کے لوگوں مثلاً شعرا وحکما' علماء' اولیا وغیرہ کی حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی کے لطیفے ھیں' جن کی تعداد ۶۰۱ ھے - یہہ اکیلا باب ۳۷۴ صفحوں پر ھے - دوسرے باب میں چار مقالے ھیں - پہلا مقالہ حضرت امام حسین؏ کی شہادت پر ھے' جو ایک جرمن مورخ موسیو ماربین کے مضمون کا ترجمہ ھے - باقی تین مقالے سید جمال الدین افغانی مرحوم کے ھیں' ایک تعلیم وتربیت کے باب میں'دوسرا مذھب کے متعلق اور تیسرا مذھب اِسلام کے فضائل میں- اس کے بعد چند صفحات میں حضرت علی علیہ السلام کے کلیات حکمت آمیز درج ھیں - تیسرے باب میں مختلف مضامین کے اشعار ھیں' جن کی لطیفہ گوئی بزم آرائی اور مضمون نویسی کے وقت ضرورت پڑتی ھے- اس میں خواجہ حافظ' شیخ سعدي' خیام اور مولانا روم جیسے مشہور و معروف شعرا کے اشعار' جو عام طورپر زبان زد ھیں اور جن کے کلام تک آسانی سے دسترس ھوسکتی ھے ' درج نہیں کئے' بلکہ زیادہ تر ایسے شعرا کے کلام سے انتخاب کیا گیا ھے' جو عام طور پر معروف نہیں ھیں' یا جن کا کلام زیادہ مروج نہیں' یا آسانی سے دستیاب نہیں ھوتا - اس باب میں پندرہ هزار سے زیادہ اشعار ھیں —

افسوس ھے کہ ھمارے علم ادب میں اور خاص کر فارسی زبان میں' فحش بھی داخل لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی ھوگیا ھے - چنانچہ بعض حکایات اور لطیفے اس قسم کے بھی اِس کتاب میں پاے جاتے ھیں- مناسب تو تھا کہ اس قسم کے لطیفے کتاب میں داخل نہ کئے جاتے —

قابل مؤلف نے بڑی محنت اور جانفشانی اور مدت کے بعد یہ جواھر ریزے جمع کئے ھیں' جو صرف تفریح ھی کا سامان نہیں' بلکہ اس سے ذوق ادب پر بھی اثر پڑتا ھے- جو لوگ فارسی زبان جانتے ھیں' یا فارسی زبان کا ذوق رکھتے ھیں ' اُن کے لئے یہ کتاب بہت پر لطف ثابت ھوگی —

شروع میں ایک دیباچہ ھے' جس میں حضرت مؤلف نے اپنے هندوستان میں وارد

ہونے اورہز ہائی نس نواب صاحب رام پور کی مربیانہ عنایات ومراحم کی وجہ سے رام پور کے قیام، ریاست رام پور کا حال اور فرصت کے وقت مطالعۂ کتب کا ذکر کیا ہے اس کے بعد ایک مختصر مقدمہ ہے، جس میں ادب اور حسن کلام کی خوبیوں کا بیان ہے —

کتاب اعلیٰ کاغذ پر بہت اچھی چھپی ہے —

فارسی مصادر

[A Readable Collection of Persian Infinitives

[مؤلفہ فضل الدین صاحب فیاض بی۔ اے، فارسی پروفیسر
امبالہ کالج قیمت دس آنے]

اس رسالے میں فارسی مصادر (مفرد اورمرکب) بہ ترتیب حروف تہجی جمع کئے گئے ہیں اور اُن کے بالمقابل اُن کا انگریزی ترجمہ بھی درج ہے —

متفرق

معتزلہ

[تالیف مولانا محمد عبدالحلیم شرر - دلگداز پریس لکھنؤ -
صفحات ۹۲ - قیمت بارہ آنے -]

مولانا شرر کی (جنھیں اِس وقت مرحوم لکھتے ہوے شاق گزرتا ہے) غالباً یہ آخری کتاب ہے، جو اُن کی حیات ہی میں شایع ہوگئی تھی - یہ ایک مضمون ہے، جو مولانا مرحوم نے مسلم اکیڈیمی لکھنؤ میں پڑھ کیا تھا - مولانا کی نظر تاریخ اسلام میں بہت وسیع تھی - اس رسالے میں انھوں نے معتزلہ، اُن کی ابتدا اور اُن کے عروج و زوال کا حال بیان کیا ہے - اُمید ہے کہ جو صاحب مولانا کی تصانیف کے قدرداں ہیں وہ اسے ضرور پڑھیں گے - اُردو میں معتزلہ کے متعلق اِس قدر حالات کہیں نہیں ملیں گے —

نظام قواعد

(عربی الف - بے' مولفۂ مولوی علی احمد صاحب (خبر) مدرس حاجی گنج
پٹنہ - قیمت ۱ آنہ)

یہ مبتدیوں کے لئے عربی الف بے کا قاعدہ ہے' جس کے ذریعہ سے قرآن کی تعلیم کو سہل کرنے کی کوشش کی گئی ہے - ہمیں اس قاعدے میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی' جس سے اِسے دوسرے قاعدوں پر جو حال ہی میں اس غرض سے لکھے گئے ہیں' کوئی فضیلت ہو—

اُردو کے جدید رسالے

خیابان

یہ نیا رسالہ لکھنؤ سے شایع ہوا ہے - اس کے اڈیٹر جناب شہنشاہ حسین رضوی صاحب ایم - اے' ایل ایل - بی (علیگ)' ایم - آر - اے - ایس ہیں—

رسالے کے مقاصد یہ بیان کئے گئے ہیں :

"سلف الصالحین کے علمی کارناموں کا احیا ' اُردو میں علوم مغربیہ و مشرقیہ کی ترویج ' باقیات الصالحات کی علمی تحقیقات کی اشاعت' دوسری زبانوں کے علمی تراجم و اقتباسات ' مطبوعات جدیدہ پر تنقید و تبصرہ" —

ہمیں اِس رسالے کو دیکھہ کر خوشی ہوئی کہ ترتیب اور مضامین کے لحاظ سے فی الحقیقت قابل تعریف ہے - لکھنے والے بھی جناب عبداللہ یوسف علی صاحب' پروفیسر حبیب صاحب' پروفیسر اقبال بہادر سکسینہ' پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی وغیرہ جیسے قابل اور فاضل لوگ ملے ہیں - مضامین ادبی اور علمی اعتبار سے بہت خوب ہیں اور رسالہ اپنے مقاصد میں کامیاب معلوم ہوتا ہے - لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے —

زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ لکھنؤ سے ایک ایسا اچھا رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے - قیمت سالانہ چھہ روپے—

عفت

یہ ماہانہ رسالہ عورتوں کی اصلاح و فلاح کی غرض سے گورگانواں (ڈاک خانہ کھکول۔ پٹنہ) سے شایع ہوا ہے۔ صالحہ خاتون صاحبہ اس کی اڈیٹر ہیں۔ بہار کا غالباً یہ پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کے ساتھ نکلا ہے۔ مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقصد اس کے پیش نظر ہے، اس میں ضرور کامیاب ہوگا۔ لکھنے والوں میں بھی زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ ایسی مجلسیں اور انجمنیں، اخبار اور رسالے جن کی غرض تعلیم و اصلاح نسواں ہے، اُن میں جب تک عورتیں خود شریک نہ ہوں گی اور خود اُن کے فرائض کو انجام نہ دیں گی، کبھی کامیابی نہ ہوگی۔ اس رسالے کے چلنے اور کامیابی کی توقع اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی کارپرداز اور لکھنے والی زیادہ تر عورتیں ہیں—
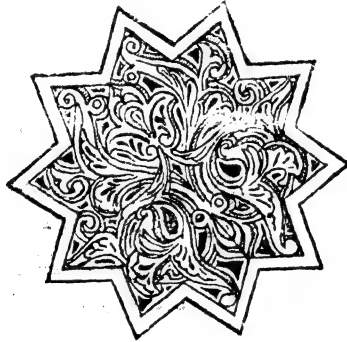
مولانا محمد عبدالحلیم شرر مرحوم

........x........

یہ رسالہ زیر طبع تھا اور تقریباً سب چھپ چکا تھا کہ مولانا محمد عبدالحلیم شرر کے انتقال کی خبر پہنچی - یہ ایک قومی حادثہ ہے- مولانا نے تمام علم و ادب کی خدمت کی اور آخر وقت تک اسی خدمت میں مصروف رہے - اردو زبان پر اُن کا بہت بڑا احسان ہے - افسوس کہ ہم میں سے ایک ایسا جامع اور وسیع النظر شخص اُٹھ گیا ہے جس کا اِس وقت کوئی بدل موجود نہیں - اُن کی ذات سے اہل ملک اور زبان کو جو جو فائدے پہنچے ہیں وہ محتاج بیان نہیں - ایسے بےبدل لوگ ہمارے ملک میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور اِس لئے اُن کی ناگہانی وفات سے جو صدمہ اور قلق اُن کے قدردانوں کو ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے- ہم آیندہ اُردو کے کسی نمبر میں اُن کے حالات اور تصانیف پر مستقل مضمون لکھیں گے —

اڈیٹر-

مثنوی خواب و خیال

خواجه میر اثر [برادر خورد خواجه درد] کی نایاب مثنوی خواب و خیال بڑي تلاش اور کوشش سے بہم پہنچائی گئی اور اب چھپ کر تیار ہوگئی ہے - مجلد قیمت ڈیڑہ روپئہ —

قواعد اُردو

[مولفہ جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو]

بار دوم اصلاح وترمیم کے بعد مع اضافہ کے چھاپی گئی ہے- دوباب رموز اوقاف اور عروض پر اور اضافہ کئے گئے ہیں قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے - غیر مجلد دو روپے —

اُردو کے چندے میں رعایت

بعض شایقین اور طلبہ کی خواہش پر ہم نے 'اُردو' کے چندے میں ایک روپیہ کی کمی کردي ہے- یعنی سالانہ چندہ سات روپے کلدار یا آٹھہ روپیہ حالی ہونگے جس میں رجسٹری' محصول و ڈاک صرفہ بندش وغیرہ شامل ہیں —

اڈیٹر

فہرستِ مضامین

جلد ششم　　　　بابتہ سنہ ۱۹۲۶ ع

ادب

تاریخ

متفرق

رسالے

آفتاب	۵۷۱
ادبستان	تا
تحفہ	۷۱۱
زبان	
کائنات	
مرقع ادب	
مصلح	
تجارت	

تعلیم

معلومات	۵۴۵
بہشتی جھومر	تا
تاریخ ریاست جموں و کشمیر	۵۴۶
فن تعلیم اور طریقہ تعلیم کی کتاب	

التریتہ الاستقالیہ	۶۹۷
فطرت اطفال	تا
تمرینات النحو	۷۰۰

مذہب

خطبات مدارس	۷۰۲
خورشید صداقت	۷۰۳

—*o*—

مطبوعات انجمن

جاپان اوراس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے بھیجا تھا۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب وغریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا ۔کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے ۔ جو ہمارے اہل وطن کے لیے بہت سبق آموز ہے ۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے ۔ ہرمحب وطن کا فرض ہے کہ س کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے ۔ جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے ۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ کلدار

سرگزشت حیات یا آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشوونما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے ۔ حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدیدہ سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا — یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے

(حجم ۳۰۰ صفحہ)

قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار —

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی ۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں ۔ اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو ۔ یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے ۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے ۔ اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے ۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ کلدار — غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ کلدار —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا

ترجمہ ھے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ھے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ھے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذھن میں وسعت پیدا ھوتی ھے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ کلدار —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ھے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ھے - اس میں ابظاھر فطرت کی بحث درج ھے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ھے - قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار — مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار —

القول الاظہر

امام ابن مسکو یہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوز الاصغر کا یہ اردو ترجمہ ھے - یہ کتاب فلسفۂ الٰہین کے اصول پر لکھی گئی ھے اور مذھب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ھے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار - مجلد ایک روپیہ کلدار —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ھوے ھیں ان سب کو جمع کردیا ھے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ھے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ کلدار - مجلد ۱ روپیہ کلدار —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ھے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ھونی چاھئے ان کی تشرح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ھے - قاعدہ غیر مجلد ۲ آنہ کلدار - کلید قاعدہ غیر مجلد ۳ آنہ کلدار —

فلسفۂ تعلیم

ھر برٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ھے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ھدایت ھے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ھے کہ کتاب الہامی معلوم ھوتی ھے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ھے - قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

دریاے لطافت

ھندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاالله خاں کی تصنیف ھے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ھے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ھیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ کلدار - مجلد ۲ روپیہ کلدار —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ھے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل

قلم بند کئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے۔ قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ کلدار مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

مشاہیر یونان و رومہ

ترجمہ ہے۔ سیرت نگاری اورانشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے۔ قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ کلدار۔ مجلد ۴ روپیہ کلدار جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ہے۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے۔ قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ کلدار۔ حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ کلدار—

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ اخلاق یورپ

اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر۔ تحقیق وصداقت کا مرادف ہے۔ یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن معاشرت – اصول – اخلاق – مذاہب و خیالات کا مرقع ہے۔ حصۂ اول مجلد ۳ روپیہ کلدار۔ حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ کلدار—

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ۔ اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے۔ ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں اس کتاب کو انتہادرجہ مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔ قیمت مجلد ۲ روپیہ کلدار—

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ کلدار —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا - پانی - غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ کلدار —

قواعد اردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے - بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ ۸ آنہ کلدار غیر مجلد دو روپیہ کلدار —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشاپرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی - مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے

مشقتات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ھیں۔ اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ھیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ھے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ھیں- اور ھمارے حوصلے بلند کردیے ھیں - اس سے پہلے ھم اردو کو علمی زبان کہتے ھوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ھوے ھچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ھوتے یہ اندیشہ نہیں رھا- اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ھماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ھے-تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ کلدار —

نفح الطیب

یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ھے - خلافت اسپین کے ھر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ھے- علامۂ مقری کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ھے - جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ھوئی ھے - یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ھے-صفحات ۶۰۴ قیمت مجلد چھہ روپیہ ۸ آنہ کلدار —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکةالارا مضمون ھے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ھے-جو اِس شان کی لکھی گئی ھے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ھوا تھا- صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ھے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ کلدار —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ھے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی ' آشوری ' بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت وحرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ھیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ھوسکیں اس لیے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ھے -حالات کی وضاحت کے لیے جابجا تصویریں دی گئی ھیں - صفحہ ۲۷۴ قیمت مجلد دو روپیہ ۶ (چھہ) آنہ کلدا —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی-اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ھے- برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ھے اور سہل زبان میں لکھی ھے- ھمارے بہت سے ھم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ھے ' کہاں سے آتی ھے ' کیا کام آسکتی ھے-یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ھے-لڑکے لڑکیوں کے لیے بڑی مفید ھے- قیمت دو روپیہ ۴ آنہ کلدار —

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں:—
(کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑہ)
سیرۃ النبی حصۂ اول ۴ روپیہ
سیرۃ النبی حصۂ دوم ۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃ النبی حصۂ سوم ۶ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے ۱۳ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی ۲ روپیہ
علم الکلام ۲ روپیہ
الکلام ۲ روپیہ
کلیات شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے ۸ روپیہ
انقلاب الامم ۲ روپیہ
برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے ۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحرالمحبت ۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی) ۲ روپیہ
سیرالصحابیات ۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیرالانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالهند مجلد ۵ روپیہ
شعرالهند غیر مجلد ۴ روپیہ
(مطبع کاویانی - برلن)
زادالمسافرین (فارسی) ۸ روپیہ
گلستان فارسی ۲ روپیہ
تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)
۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رهنمائے پسراں (فارسی) ۱ روپیہ
۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ھزار ویک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ
(جامعہ ملیہ دلی)
الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۶ آنہ
سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب)
۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوھر ۸ آنہ
مجموعہ کلام جوھر ۶ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازھارالعرب (عربی) ۸ آنہ

انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبۂ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۱۲ آنہ

(نظامی پریس - بدایون)

قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ
۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد تیرہ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)
۱ روپیہ ۸ آنہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد
۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول
۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
کنزالتاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ

مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
مینائے سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورہ ۱ روپیہ
بیگمات بنگال ۲ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر ۴ آنہ
مشرقی ترکستان ۲ آنہ
سیاحت زمین ۱ روپیہ
سیاحت ہوا ۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنئو)

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب
۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد ۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد ۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ ۲ آنہ
مسلمانان اندلس ۱ روپیہ
اسرار رنگون ۱ روپیہ
ہوم رول ۵ آنہ
خوان دعوت ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر ۲ آنہ
وکرم اروسی ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب ۲ آنہ
الاحسان ۸ آنہ
ارض نہریں ۴ آنہ
تذکرۂ حزیں ۴ آنہ
حیات نظامی ۴ آنہ
خطاب ۴ آنہ

میلاد نبوی ۴ آنہ
تصویر درد ۴ آنہ
شمع و شاعر ۲ آنہ
فریاد اُمت ۳ آنہ
(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)
صبح زندگی ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ ۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ ۱ روپیہ
سنجوگ ۱۰ آنہ
جوہر قدامت ۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس ۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند ۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری ۱ روپیہ
اختر النسا بیگم ۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم ۲ روپیہ
رانی کرونارت ۱ آنہ
رسوم دہلی ۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر ۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ ۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل ۳ روپیہ
پریم بتیسی حصۂ اول ۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد ۴ روپیہ
نعمت خانہ ۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار ۲ آنہ
انمول موتی ۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا ۶ آنہ

گوہر مقصود ۹ آنہ
لیلیٰ ۲ روپیہ
سواء السبیل ۱ روپیہ
سخندان پارس ۱۰ آنہ
قوانین دولت ۴ آنہ
مینا ۱۲ آنہ
چترا ۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی ۸ آنہ
دلپسند کہانیاں ۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں ۱۰ آنہ
(تصانیف نورالٰہی و محمد عمر صاحبان)
موجودہ لندن کے اسرار ۱ روپیہ
ناٹک ساگر (یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ)
مجلد ۳ روپیہ
تین ٹوپیاں ۸ آنہ
ظفر کی موت ۴ آنہ
قزاق ۸ آنہ
بگڑے دل ۸ آنہ
(دوسری قابل قدر کتابیں)
رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ ۵ آنہ
بادل کے بچے ۱ روپیہ
مجموعۂ نظم حالی ۸ آنہ
اکبری اقبال ۳ آنہ
الفاروق ۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۸ آنہ
پردۂ غفلت ۱ روپیہ ۸ آنہ
بشریٰ ۶ آنہ
زکریٰ ۱۰ آنہ

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ھوئی کتابیں فی روپیہ چارآنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی - اُمید ھے ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھائیں گے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ھوتی ھیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

آنریری سکریٹری

انجمن ترقی اُردو - اورنگ‌آباد (دکن)

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے - سی - آئی، ای، سی، ایس - آئی، ایم - اے، بی - ایل، ایف، آر - ایس چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ھے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ھے - فاضل مصنف نے اُن تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ھوتے ھیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ھے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ھے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ھے - انجمن سے ۱۲ آنہ (کلدار) میں مل سکتی ھے —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد (دکن)

اُردو

جلد ہفتم حصۂ بست و ششم

اپریل سنہ ۱۹۲۷ع

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

ایک گراں بہا عطیہ کا شکریہ

عالیجناب راجہ پرتاب گیر جی نرسنگھ جی بہادر حیدرآباد کے معزز و ممتاز امیر ہیں۔ اُردو زبان سے انھیں خاص لگاؤ ہے۔ بہت اچھی بولتے ہیں، بہت اچھی لکھتے ہیں۔ شعر کا بھی بہت اچھا ذوق ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عالی ظرف اور فیاض منش ہیں اور رفاہ عام اور ملک کی بہبودی کے کاموں میں بڑی خوشی اور فراخ دلی سے شریک ہوتے ہیں—

حال میں جناب نواب فخر یار جنگ بہادر (معتمد فنانس) جناب مولوی محمد اصغر صاحب بیرسٹرایٹ لا اور انجمن ترقی اُردو کا سکریٹری عالیجناب راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوے۔ انجمن کا حال دریافت فرماتے رہے اور اس کے بعد نہایت خندہ پیشانی سے بلا تکلف خود ہی فرمایا کہ میری طرف سے ایک ہزار سالانہ کا چندہ قبول کیا جاے۔ پہلے دو سال کے دو ہزار روپئے تو آخر مئی میں ادا کر دئیے جائیں گے اور اس کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ ادا ہوتا رہے گا—

جناب راجہ صاحب کی اس قدردانی، ہمدردی اور فیاضی کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس کی نظیر انجمن کے کارنامے میں نہیں ہے اور انجمن کے تمام بہی خواہوں کو اس سے کمال مسرت ہوگی—

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اُردو

ایک گراں بہا عطیہ کا شکریہ

عالیجناب راجہ پرتاب گیر جی نرسنگھ جی بہادر حیدرآباد کے
معزز و ممتاز امیر ہیں۔ اُردو زبان سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔ بہت
اچھی بولتے ہیں، بہت اچھی لکھتے ہیں۔ شعر کا بھی بہت اچھا
ذوق ہے۔ اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عالی ظرف اور فیاض
منش ہیں اور رفاہ عام اور ملک کی بہبودی کے کاموں میں بڑے
خوشی اور فراخ دلی سے شریک ہوتے ہیں۔

حال میں جناب نواب فخر یار جنگ بہادر، معتمد فنانس،
جناب مولوی محمد اصغر صاحب بیرسٹرایٹ لا اور انجمن ترقی اُردو
کے سکریٹری عالیجناب راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
انجمن کا حال دریافت فرماتے رہے اور اس کے بعد نہایت خندہ پیشانی
سے بلا تکلف خود ہی فرمایا کہ میری طرف سے ایک ہزار سالانہ کا
چندہ قبول کیا جائے۔ پہلے دو سال کے دو ہزار روپئے تو آخر مئی
میں ادا کر دئے جائیں گے اور اس کے بعد ہر سال ایک ہزار روپیہ
ادا ہوتا رہے گا۔

جناب راجہ صاحب کی اس قدردانی ہمدردی اور فیاضی کا
ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا احسان ہے کہ جس
کی نظیر انجمن کے کارنامے میں نہیں ہے اور انجمن کے تمام
بہی خواہوں کو اس سے کمال مسرت ہوگی۔

عبدالحق

سکریٹری انجمن ترقی اردو

[illegible] واقف نہ ہوگا۔ اسے اردو
شاعری کا [illegible] کہنا چاہیے [illegible] ہماری قدیم شاعری
کا قدیم اور [illegible] نمونہ ہے اور اس کا کلام اُس زمانے
کی زبان اور شاعری کا [illegible] مکمل مرقع ہے۔

یہ کلیات [illegible] نے نہایت محنت، کاوش
اور قابلیت سے مرتب کیا ہے اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین
مطبوعات میں ہے [illegible] ولی کے جو دیوان [illegible] کہیں چھپے اور ملتے
ہیں [illegible] قدیم، قلمی، نایاب
نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کرکے کئی سال کی انتھک محنت و کاوش
سے مرتب کیا گیا ہے۔

اس قادرالکلام استاد کا کلام اور کلیات تقریباً تمام اصناف سخن
پر حاوی ہے، اور تقریباً چارسو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ شروع میں
مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابل قدر مقدمہ ہے جس میں موصوف
نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت

و جانفشانی سے فراہم کرکے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ فرمایا ہے۔
اور یہ بھی بتایا ہے کہ اردو کی دنیائے شاعری میں ولی کا کیا
مرتبہ ہے—

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم
متروک، اجنبی، ہندی، دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں آ گئے
آئے ہیں۔ آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو بہت
محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ
کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ
دیکر بتا دیا ہے۔ یہ ضمیمہ اہل فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے
قدر کی چیز ہے اور کئی سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے
ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن کے نئے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط
سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر
لائبریری اور قدر دانِ اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک
نسخہ موجود رہے۔ حجم تقریباً آٹھ سو صفحات۔ قیمت مجلد ۵ روپے
غیر مجلد ۴ روپیہ

ملنے کا پتہ۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، دکن

فہرستِ مضامین

قدیم اُردو

بیجا پور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

۱- حضرت شاہ میراں جی شمس‌العشاق

بیجا پور دکن کے اُن مشہور اور شاہی شہروں میں سے ہے جو اپنی شان و شوکت اور عمارتوں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا ہے - شاید دلی کے بعد ہندوستان کے کسی شہر میں اس قدر اسلامی یادگاریں اور عمارتیں نہ ہوں گی جتنی اس شہر میں ہیں - یہ عادل شاہی بادشاہوں کا مستقر تھا جو علم کی قدردانی اور فنون لطیفہ کے ذوق میں خاص شہرت رکھتے تھے - اُن کے پاکیزہ مذاق کے نشان اس شہر میں قدم قدم پر ملتے ہیں جو اُن کے اعلیٰ تمدن' ذوق سلیم اور شان و عظمت کی کھلی دلیل ہیں - امرا' علما' اہل کمال اور صناعوں کے علاوہ یہ عرفا' صوفیا اور اولیاءاللہ کا بھی مرکز رہا ہے - انہیں مقدس بزرگوں میں ایک حضرت شاہ میرانجی بہت بڑے کامل شیخ اور مشہور صاحب عرفان گزرے ہیں - علوم ظاہری کی تکمیل شہر کے علما و فضلا سے کی - اس کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں مدت دراز تک رہے - کہتے ہیں کہ مدینۂ منورہ میں بارہ سال تک قیام کیا اور ہر سال حج سے مشرف ہوے - وہاں سے عازم دکن ہوے اور شہر پناہ بیجاپور کے باہر اقامت اختیار کی* - آپ نے خواجہ کمال‌الدین بیابانی

---

* روضة الاولیا (در حالات اولیاے بیجاپور) اور محبوب ذی المنن تذکرۂ اولیاے دکن
(باقی بر صفحۂ آئندہ)

سے بیعت کی جو ایک واسطے سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز خواجہ سید محمد حسینی قدس سرہ کے خلیفہ تھے - حضرت میرانجی چشتیہ طریقے کے پیرو اور خلیفہ تھے، طلبہ اور فقرا کو ہدایت اور تلقین فرماتے تھے اور اکثر طلبہ آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے—

آپ کی تاریخ ولادت صحیح طور سے معلوم نہیں لیکن آپ کی وفات سنہ ۹۰۲ھ میں ہوئی - تذکرۂ اولیاے دکن میں ان کی تاریخ وفات ۹۱۰ ہجری لکھی ہے، مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ "شمس‌العشاق" سے اُن کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے جو ۹۰۲ ہوتی ہے اور یہ مادۂ تاریخ شاہ حسین ذوقی کا کہا ہوا ہے - صاحب روضة الاولیا نے جو بیجاپور کے اولیاء اللہ کے حالات میں ہے، ان کے انتقال کی تاریخ نہیں دی - البتہ مجھے ایک پرانا مرثیہ ملا جو کسی نے حضرت میرانجی کی وفات پر لکھا ہے اُس سے اُن کی وفات کی تاریخ ۲۵ - شوال سنہ ۹۰۲ معلوم ہوتی ہے - جن اشعار میں تاریخ و سنہ کا ذکر ہے وہ یہ ہیں-

سرور میرا ڈھل گیا کرتار بھایا اُن کیا
جو اُن کیا میں سر لیا جے کچھہ حکم الہی کا
تاریخ حضرت سال نو سو اسپر اگلے بھی دو
دو دین مدت وفا شو جے کچھہ حکم الہی کا
اربع سوں یو سال ہے ماہے کوں شوال ہے
رحلت کئے اُس حال ہے جے کچھہ حکم الہی کا
تاریخ بست و پنج بود بسیار گریاں رنج شد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱)

دونوں میں یہ لکھا ہے کہ وہ علی عادل شاہ اول کے ابتدائی عہد میں وارد بیجاپور ہوے- لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علی عادل شاہ اول کا عہد سنہ ۹۶۱ سے سنہ ۹۸۸ ہجری تک رہا اور حضرت کی وفات سنہ ۹۰۲ میں واقع ہوئی - یہ سلطنت عادل شاہی کے بانی یوسف عادل شاہ کا زمانہ ہوتا ہے—

در حال واصل گنج خود   جے کچھہ حکم الٰہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا   ھجرت منور پور کیا
جیوڑا قبض کر اُن لیا   جے کچھہ حکم الٰہی کا

ان کا مزار حصار بیجا پور کے باہر شاہ پور میں ایک بلند ٹیلے پر ہے جو بہت پرفضا مقام ھے اور وھاں سے قدیم و جدید شہر بیجا پور کا منظر نہایت عمدہ نظر آتا ھے۔ قبر پر ایک گنبد ھے جس کا عکس اس مضمون کے شروع میں دیا گیا ھے۔ ھر سال ۲۵ ماہ شوال کو عرس ھوتا ھے اور زیارت کے لئے دور دور سے لوگ آتے ھیں—

علما کی نسبت صوفیا زمانے کی ضروریات اور حالات سے زیادہ واقف ھوتے تھے اور یہی وجہ ھے کہ وہ زیادہ مقبول ھوے اور انھیں اپنی دعوت میں زیادہ کامیابی ھوئی۔ وہ اپنے پیغام کی تلقین کے لئے ایسے ڈھنگ اختیار کرتے تھے جن سے بجاے وحشت کے لوگوں کو الفت ھوتی تھی اور ھر قوم و ملت کے لوگ حصول سعادت کے لئے شوق سے اُن کے پاس آتے اور اُن کی زیارت کو اپنے لئے موجب برکت خیال کرتے تھے۔ منجملہ اور طریقوں کے ایک یہ بھی تھا کہ با وجود صاحب علم و فضل ھونے کے وہ تلقین و تعلیم لوگوں کی عام زبان میں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اردو ان بزرگوں کی بہت ممنون احسان ھے۔ حضرت میرانجی اگرچہ بہت بڑے عالم تھے مگر وہ اکثر طلبہ کے درس اور عام تلقین میں اُس زبان سے کام لیتے تھے جو اُس وقت ھندی کہلاتی تھی اور جسے ھم ابتدائی اُردو کہتے ھیں۔ وہ اس زبان کے شاعر بھی تھے۔ چنانچہ اِس زبان میں اُن کے نظم و نثر کا کلام اب تک موجود ھے۔ اگر چہ بہت کمیاب ھے تاھم بعض چیزیں تلاش سے اب بھی مل جاتی ھیں۔ اُن کا جو کلام مجھے اب تک دستیاب ھوا ھے، اس کا ذکر مختصر طور پر یہاں کیا جاتا ھے—

ایک رسالہ ان کا "خوش نامہ" کے نام سے ھے جو منظوم ھے اور سلہ کتابت

سنہ ۱۰۶۸ ہجری ہے۔یہ مثنوی کی طرز پر ہے۔شروع یوں ہوتا ہے —

صفت کروں میں اللہ کیری * جے پوری پورن پور

قادر قدرۃ انگیکاروں نیڑے + نا دور

نا اُس روپ نا اُس دیکھہ نا اُس تھان مکان

نرگُنا گُنونتا کروا کس سکھہ کروں بکھان

لا شریک بےعدد واحد جہت جزوں بھی پاکھہ

آچھے سکت سیوک کیتے عالم چلدیں لاکھہ

اس کے بعد ایک شعر نعت کا اور ایک منقبت کا ہے —

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔یہ دنیا اُس کی سسرال ہے اور میکا عالم آخرت ہے۔اسی طرح بطور استعارہ کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ عورتوں کے استعمال کرتے ہیں۔اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوی عزیز یا بیٹی ہے۔اس کے لئے یہ نظم لکھی ہے جس میں کچھہ اوپر ایک سو ستر شعر ہیں۔ چنانچھ وہ خود فرماتے ہیں —

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

دسا زیادہ پر ہے سونے تو لہے خوشی کا چھتر

اس کے بعد نسب نامہ بیان کرتے ہیں —

ذات مہاں کی چغطا جانو باب ترک افشاق

خوش کی ذات علوی جانوں جس تھی نام رزاق

پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے —

---

* کی + نزدیک

بالی بهولی جیو جهوالی محبت کیرا نور
پرم پیاری سات سنگهاتی تللنا هوے دور
جب وہ آی ات سنسار خوشی سو هوئی تمام
پگوں تب گرو کی لاگی لهیا خوش کر نام
هنسا ودنی سوبهه نینی کوروون کر کروی
بهوت ستیاں پن یہ ست عجب کل جگ مانهیں سروی
شه بولی گنوں کی سب پرت لگاوے یہ من موهی
کون بکهانے لکهن اس کے نپایا جانے سوهی
لاڑیں لاڑ چاوں چاو سب گوتوں کی پیاری
ست سنبهالے عین جهوالے محبت کی هماری

وہ دوسری لڑکیوں اور عورتوں کی طرح بناو سنگار نہیں کرتی بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی هوئی هے اور اُسی رنگ میں رنگی هوئی هے —

کبهی نہ رنگی میدهی رنگوں بهولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بهینی نہ هلدوں کایا
کهے منجه سیر سهاگ الله کا چهڑ رهیا سهاوا
اب کیوں سر سهاوے دوجا تم کو ناهیں تهاوا
اس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اس کے پاسا هم کو باسا پهول پهوکت • کے آنی
ایسی بات کرے گنونتی مورکهه بوجهیں سدہ
یهی من اپنے آوے چهند سوهی سکهاویں بودہ

جب لوگ اُسے اس بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے هیں تو وہ جواب دیتی هے کہ همیں یهی رنگ بهاتا هے اور همیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے

• مفت کے

کچھہ کام نہیں —

کہیں بتّیا اے شوخ دیدہ سن جی نیکی پندہ
بھوگ بلاس کر سوکھہ* لئیں چھوڑیں بعضے چھندہ
کہے یہ سب حکم خدا کا جی تم آ کہیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ہم اچھیں سوکھہ سنسارا نا ہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سوں جے ہے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سببن گنکوں سو بوجھے اب
پن پاپ ست † دیکھے آپ شہ سوں میلا ہوے تب

....

جیو پچھانے امر خدا کا وہی امر معروف
نہی کال نہیں منکر نا ہیں تے پاپی معذوف
راہ خدا کی بوجھہ ندیکھیں دھاویں ‡ چاروڈھیر
ایک چھوڑ جی بھوتوں لاگیں انکوں ناہیں پیر

پیر کی تعریف۔اچھے اور برے پیر کا امتیاز یوں بیان کیا ہے —

پیر وہی جی پرم لگاوے نور نھانی عین
منزہ کی سدہ لکھاوے جہاں دیس ناریں
علوی نہیں جوں چھڑی اکارا سوکھہ سری جوں بات
سفلی کھیل کھلاوے دایم اپنے فعلوں سات
فعل سہاوا پنتھہ اللہ کا جس راہ گئے رسول
کر مکھہ پنتھہ پچھانوں سو ہے جیہ حیوں کا مول

---

* سکھہ † پھلک دیکھے ‡ دوڑیں چاروں طرف

جس مارگ* تهیں جیو سنجري سو هی مارگ سار
مارگ چهوڑ چلے کو مارگ تن کا هیں بچار
کریں جبهیں وہ تیرت پٹن یوگ ابهاسیں دهیان
پانچو چیز ریا سوں راکهیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتهه دکهاویں کریں اچنبها جپ
ذاکو هو من دم چلاویں یه بهی دهیان الپ
لونچت مونڈت پهریں پهوکٹ ترت† کریں یا حج
تهاں دیکهه جی دیویں مان وہ بهی مورکهه نلج
....
یا آن جانو پیر ملایا دیکهه ریای مان
توپی شجرا لیکر ناڑ یا پهول شکر کوں هان
ایسیاں کیرا کرب نراکهیں جے توں هوسی سورا
مان راکهه مرشد ملاوے جس هے گیان سپورا
تهاں دیکهتیں لاکا بالک موکهه نه آوے کهیر‡
جس کے انکو بهرم نچاوے اس کیوں کہنا پیر
....
یا یکهادا§ جانے ٹونا کوڑ کو جنتر بهاؤ
یا کرامت ابلیس کیري یا سینساری ماؤ
نفع ایسا لاگے تجهه اس کے سن کوں هان
بن الله اور نه بولے وهی پیر پچهان
بهوکا کهانے دوڑے دیکهه سهنک بهریا کهان
فا رواسا دیکهے تو کہاتے کیوں ایمان

---

* راستے سے † تیرتهه یا جاترا ‡ کهیر۔ اکشیر (شیر) دودهه § ایک آدها

بے ایمانی کافر لوگ اس دنیاں کو بھول
بھوک لگے پر وہ بھی کھاریں وہ کیوں پڑیں قبول
راج دھن کو دیوین مان کر تیوں فقیر
جرم نہ چاکھے تاک جنم وہ کیا بوجھیں کھیر
نفس ھوا کی مستی راکھیں ناریاں سیتی ھاوا
ناریاں دیکھہ مدن کیاں ماتیاں من میں روت اچاوا
دن رات اوں اور نہ سوچے بن پرس کے چالے
بی بیاں کوں بھی وھی کر جانے جیسے اپنے طالے*

....

جن کوں شہوت کیرا ھاوا اُن کوں ویسے پیر
جن کے پیر شیاطین وے تو نا آویں گے حق دھیر
سوّر کے گل† باندھیا مشک وہ کیا اس کوں جانے
اس کے تائیں سرجیا وہ سوھی پچھان مانے
یا گدھڑے‡ پر قرآں لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ سوکر اپنا کھول

غرض اسی طرح پیر کے صفات کا ذکر برابر چلا گیا ھے - آخر وہ میرانجی سے عرض کرتی ھے کہ تم میرے حال پر توجہ کرو - مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھہ غرض نہیں میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ھوں اور تم ھی سے میری آس ھے - وہ خدا کی حمد کرتی ھے اور اس سے مناجات کرتی ھے

منج نا لوڑے الوان نعمت پھوپ پریمال پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑای مان

---

* طالع † گلے ‡ گدھا

نا منج اوڑے پات پتنبر یہ زر زری سنگھار
بھاتی توتی کنبلی نیکی کلھہ جپن ھار
نا منج اوڑے پلنگ نہالی صوفی ماڑی باغ
حسرت راکھہ جیونا مرنا یہ تو کسمل داغ
جی نہ کایا دھول ملاویں کبھو نہ پرگٹ شوق
جی نہ عشقوں انجھو تھالے کبھو نہ پایا ذوق

....

تیری بات اللہ سوں اچھی بعضے چھوڑیں کام
بھاوے سو اس مانگ ایچے سنکر دال تمام
حسرت میری کچھ نہ ابری دولت مرشد کیری
کہی کریماں کیا فلوڑ پروے آسا میری
توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
تو سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگے جیسے جیو جیون
سب کا جان سجان تونہیں دے جے جے جس کے من
سبھوں کوں توں دیکھہ سنبھالے تونہیں مارن ھار
یوں کی کرتا کون کہے دے تیں ادیکھہ بچار
یکس ساتی سولی دیوے ایکس ساتی باج
کیتوں بھیکہ منگاوے کیتوں دیوے راج
کیتوں پات پتنبر دیتا کیتوں سر کی لایہ
کیتوں دھوپ آلاوے کیتوں اوپر چھایہ
کیتے پلنگ نہالی اوپر کیتے پڑیں تلھار
کیتوں کوں دھڑ کونپت ناھیں کیتوں کو دھولار

کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے سورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار
ایک فرشتہ یک شیطان یک چور ایک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر ساتی ایک اگن ایک باؤ
عرش کُرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا
آسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا
تجھتھی ہی قدرت کوں زور ' تجھتھی نور نورانا
تجھتھی سب کا سبھیں پنا تجبن سبھیں بیگانا
تجبن کوی نہ مار جو اوے ' تجبن کوی نہ آس پوراوے
عالم اوپر بایا بھنا کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اجاوے ' دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بھکاری تخت بٹھاوے راجے راکھی گرد ملاوے
غہمند یاں کوں کرے دیوانے سوکھیاں لیہ دکھ میں بھانے
کر کر بندگی جرم گنواوے پھر پڑ تیغ عجب کیا رانے
میں اس کارن بہوت ڈروں ڈر کر جاوں کہاں
جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں تو نہی تہاں تہاں
اب نہ چھپوں اب نا ڈروں' ڈروں تو کہا نلک ڈروں
ہمیں غریب نپاے توی آس تھی آسا دھروں
ماتا جی پاک تھی روسی جانا اُنھیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی (میراں) میں جاوں تدھر
تو رحمان رحیماں میرا مہر محبت بھریا
میں تو باندی بردا تیرے تیں سنجھہ ہاتوں دھریا

نا میں کیتی بندگی تیری نا دھڑ کیتی یاد
دائم کیتی اکل تیرے سلکوں تھی فریاد
تیں بھی میرے لاڑ چلایا کبھوں نہ ہوا اُداس
اپ سندیسا توڑ گُسائیں تیری منج کوں آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوش خبری دیتا ہے۔ فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے زمین آسمان مہک اٹھتے ہیں - خوشنودی کا یہ آخر وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے - میرانجی اس کے اخلاق اور نیکی کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی عمر اور مقام وفات کا ذکر کرتے ہیں—

جس کی تھی اس پڑی قبول تھاں خوشنود
خوشنودی جب اللہ کی سبھیں نرمل دود
برس پانچ اور بارا کی یک ماس نو دین
اس کی عمر لیکھتیں سب لیکھا ہوا اس کھین
تھاں کیا (شاہ پور) سانھیں وہ تو پیارا تھام
پیروں کیرا قول ہوا کہ تجھسوں ہمیں تمام

یعنے ۱۷ برس ایک مہینے اور نو دن کی عمر تھی اور شاہ پور میں انتقال کیا۔ شاہ پور وہی مقام ہے جہاں حضرت میراں جی نے بیجا پور میں آکر سکونت اختیار کی تھی—

نظم کے آخری اشعار یہ ہیں۔

خوش خوش حالوں خوش خوشیاں خوشی رہے بھر پور
یہ خوش خوشیاں اللہ کیرا نوراً اعلیٰ نور
کھنڈیا خوش خوش نامہ تمت ہوا تمام
خوش سب کوئی دایم قایم جیتا خواص عوام

علاوہ اس کے اس نظم میں تین جگہ حضرت میرانجی کا نام آیا ھے جس سے اس بات کی اور زیادہ تصدیق ھوتی ھے کہ یہ نظم انھیں کی ھے - وہ شعر یہ ھیں-

سنوں (میرانجی) اگن دھن میں جل بل تلمل پتوں
میری آہ نہ آوے کسی جاے کیدھر میں چھپوں

کیا میں چوکی، کی یوں کیتی تم تو جیو جیوں
کا ھے کیتی سخت (میرانجی) منجھود غریب تھی من

ماتا جی بالک تھی روسی جانا انہیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی (میراں) میں جاوں تدھو

اگر چہ یہ تینوں شعر خوشنودی کی طرف سے میراں جی کو خطاب کر کے لکھے گئے ھیں، لیکن صاف معلوم ھوتا ھے کہ اس کے لکھنے والے میرانجی ھیں - اس نظم کے میرے پاس دو نسخے ھیں - دونوں میں یہ کلام حضرت میراں جی ھی کا بتایا گیا ھے - کتابت بھی ان کی قدیم ھے یعنے سنہ ۱۰۹۸ ھجری—

——(خوش نغز)——

یہ نظم بھی خوش نامے ھی جیسی ھے - خوش یا خوشی سوال کرتی ھے اور میرانجی جواب دیتے ھیں اور یہی وجہ ھے کہ اس کا نام بھی خوش نغز ھے - نظم میں جگہ جگہ اُسی ڈھنگ سے میرانجی کا نام آیا ھے جس طرح ھم نے خوش نامے میں دیکھا ھے - اگر چہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ھیں، لیکن اسے نو باب میں تقسیم کیا ھے - یعنے باب اول عرفان و روح - باب دوم عرفان عالمہا - باب سیوم عرفان مراقبہا - باب چہارم عرفان ذوق نور - باب پنجم عمل مباحی بر لایقان - باب ششم موت عارفاں - باب ھفتم بحث عقل و عشق - باب ھشتم بیان کرامات - باب نہم بیان موحد و ملحد—

ہر باب کے شروع میں خوش کی جانب سے سوال ہے اور میرانجی کی طرف سے جواب ہے۔ سوال و جواب کی نوعیت اُن عنوانوں سے ظاہر ہے جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ نظم کی ابتداء میں ایک شعر ہے جو بطور تمہید لکھا گیا ہے وہ یہ ہے

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سن اوتا اچھے لاب
دین، دنیا، دیدار، بہشتاں پاویں بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ مثلاً باب دوم یوں شروع ہوتا ہے:-

خوش پوچھے کے کہو میرانجی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے

باب ہفتم جو عقل و عشق کی بحث میں ہے یوں شروع ہوتا ہے:-

خوش کہے مج کہو میرانجی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آکھوں بیان اس میں دھرنا سودہ

باب ہشتم:-

خوش پوچھے کے کہو میرانجی حال کرامت کیرا
حلال حرام کھول کہو جی بوجھے یہ من میرا

باب نہم:-

خوش پوچھے مرشد کے لکوں کہو پیارے پیر
کھولو ملحد کیریاں بیان یک یک مج دھیر

غرض اسی طرح آخر تک سوال و جواب ہیں۔ پہلا شعر سوال کا ہے اور جواب کے باقی شعر جواب کے ہیں۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ—

—— شہادت الحقیقت ——

یہ رسالہ بھی نظم ہی میں ہے اور خوش نامے سے زیادہ بڑا ہے۔ اس میں

پانسو تو ستھہ شعر ہیں - اس کے بھی میرے پاس دو نسخے ہیں - ایک میں تو صاف حضرت میرانجی کی تصنیف بتائی ہے، دوسرے میں کسی کا نام نہیں لکھا - لیکن خود نظم میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ یہ انھیں کی تصنیف ہے - حمد و نعت اور منقبت کے بعد خاندان چشتیہ اور اپنے پیر حضرت شاہ کمال بیابانی کا ذکر کیا ہے - چنانچہ فرماتے ہیں

اس کمالیت کے سنگ اس خانوادہ کے انگ

اُن کہاے اپنا حال تو ہوے پیر کمال

کچھ تھے نصیب میرے پگ دیکھے تو اُن کیرے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نظم حضرت میراں جی ہی کی ہے

یہ بھی تصوف اور معرفت میں ہے - بحر صاف اور ہندی ہے، زبان بھی کسی قدر صاف ہے - حمد سے شروع کی ہے جس کے شعر یہ ہیں —

بســـم اللہ الرحمن الرحـــیم توں سبحان

توں دانا اور بینا توں سب تھی ہے توانا

یہ سب عالم تیرا رزاق سبھوں کیرا

تجھ بن اور نکوی نہ خالق دوجا ہوی

جے تیرا ہوے کرم تو ٹوٹے سبھی بھرم

اس کارن تجکو دھاوں اور تیرا نام لیوں

تجھ نرتا کوں جانے اور پوری صفت بکھانے

ہے تیرا انت نہ پار کس موکھوں کروں اچار

سب حال تجپر بھنا راکھے تیوں رہنا

جو تیرا اسر جانے اس نھی کوں نہ سانے

اس کے بعد نعت ہے جس کے چند شعر یہ ہیں

محـــــمد نبی تیرا اس پر ایمان میرا

نا درس دین اس باج　　سب عالم کیرا تاج
جو اس کی رخ آوے　　سو تیرا درس پاوے
اس بول جے کوئی تھاکے　　تے دوزخ ماں راکھے
یہ نبی تجھ پیارا　　سب امت سیتیں سارا
وہ نبی اول نور　　پس عالم یہ معمور
نورانی احمد نام　　یہ اچھا ذوق آرام
یہ میم احد میں آیا　　تو احمد نام کوایا*

اس کے بعد منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے - اس کے بعد تصوف کی وہی معمولی باتیں ہیں - لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنے تصوف و معرفت کے مسائل بیان کریں ہندی میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی' ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں - ظاہر پر نہ جانا چاہئے' باطن کو دیکھنا چاہئے - زبان کوئی بھی ہو' معنوں پر خیال کرنا چاہئے - جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو —

ہیں عربی بول کیرے　　اور فارسی بھوتیرے
یہ ہندی بولوں سب　　اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی　　پن اس کا بھاوت کھولی
یوں گر مکہ پند پایا　　تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے　　اس بیان کیرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے　　نا فارسی پچھانے
یہ ان کوں بچن ہیت　　سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول　　پن معنی ہیں نپتول

---

* کہایا

کڑوے پن سو رس | پھل پاکے جوں پھنس *
تا دیکھت بورا† ایکھو | لے مغز چاک‡ دیکھو
جے مغز سیٹھا لاگے | تو کیوں سن اس تھی§ بھاگے
تیوں اس میں ارت نیچ | سب قرآں کیرے بیچ
وہ مغز معنی لیو | سب چھال* چھاڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا | اس ساتی کا پسارا
تا ساتی اس کو ھاں | وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان سنا¶ لیوے | اور بعضے ناکہ دیوے
تیوں بھا کا ساتی جانوں | زر معنی دل میں آنوں
تو جس کوں بھاوے جوڑ | تا جاسی یہ گن چھوڑ
ھے کڑورن کیرا ھیرا | گھوڑ۞ اوپر پڑیا نیرا
کوئی سبھان بھاگوں پاوے | تو کیوں نالیہ اچاوے☉
گھڑ بھاکا چھوڑ دیجے | چن معنی سانک لیجے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ھیں - چنانچہ فرماتے ھیں۔

اس نام ھے تحقیق | سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا | جی دیکھ دنت رھے بھریا‡
سب ھیروں کیری کھان | تا موتیوں کیری وان
جے غواص بودہ سیوے | تو سالم سر دھا لیوے
جے ھوویگا مچھارا | کیا جانے کا بچارا

اس کے بعد تصوف و اخلاق کے مسائل بیان کئے ھیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ھے - سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے ھے -

---

* بوھل † برا ‡ چکھہ § سے $ ن٘ جھالے ¶ سونا
۞ کوڑی ☉ اٹھاوے ‡ ن٘ جو دیکھیا سو رس بھریا

آخری شعر یہ ھیں —

ھے کہا نہ آوے نا نھیں کھیا کر جاری
سن یہ گت کیوں کر سوجھے جس قربت سوھی بوجھے
ایتال جیسا ویسا تو بوجھیں اچھے جیسا
اب تو سب سوکھ چام سن تہت ھوا تمام
ھم کہت رھیا پور تو شاھی سیر ظھور

—— شرح مرغوب القلوب ——

یہ چھوٹا سا رسالہ نثر میں ھے - اس کے بھی میرے پاس دو نسخے ھیں اور دونوں میں یہ حضرت میرانجی ھی کی تصنیف بتایا گیا ھے - شروع میں حمد و نعت اور متفرق حدیث و آیات کے ترجمے اور مختصر سی تفسیر کے بعد اسے دس باب میں تقسیم کیا ھے - جن کے عنوان یہ ھیں —

پہلے باب میں توبہ - دسرا باب، طریقت کا پچھانت کرنا نفس، دل، روح، سر، ذات، شریعت، حقیقت، معرفت اوپر - تسرا باب، رضو کا - چوتھا باب، دنیا ترک دینا - پانچواں باب، تجرید ھور تفرید - چھٹا باب، اپنی پچھانت سوں نور محمد کا اس پچھانت میں بیسنا - ساتواں باب، عشق کا - آٹھواں باب، معشوق - نواں باب، فنا ھور بقا ھونے کا - دسواں باب، سفر کا —

اِن بابوں میں یہ التزام رکھا ھے کہ پہلے وہ قرآں کی آیتیں مگر زیادہ تر حدیث نبوی لکھتے ھیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ھیں - مضمون کے لحاظ سے یہ کتاب بہت معمولی ھے اور کچھہ اھمیت نہیں رکھتی، البتہ زبان کی تاریخ کے لحاظ سے بہت قابل قدر ھے - اس نثر کے چند نمونے نیچے لکھے جاتے ھیں، جن سے اُس وقت کی زبان کا اندازہ ھوگا —

بسم اللہ کے بعد ابتدا یوں کی ھے -

"کل امر ذي بال لم یبدء به بسم اللہ فہو ابتر"۔

پیغمبر کہے جے کچھ کام کرے گا کوئی خدا ناؤں نالے کر تو او کام پایمال ہوے گا۔

"الحمد للہ رب العالمین"۔

سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا۔

"والعاقبۃ للمتقین"

ہور اُس عالم میں خوبیاں دیوے گا، کہیا ہے، آپس کو پچھانے سو لوکاں کوں ہور پرہیزگاراں کوں۔

("آپس کو پچھانے سو لوکاں" صاف سیدھا ترجمہ ہے عارفین کا)

"والصلوۃ علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین"۔

ہور درود اپنے رسول پر بھیجنا اور اُن کے فرزنداں پر ہور سب امت کے خاصاں پر۔ سو اے معنے ہے کہ اپس کوں دیکھہ کر بندگی کرو، کہیا پیغمبر کوں ہور پیغمبر کے فرزنداں کوں ہور سب امت کو کہیا۔ ہور محمد پر درود بھیجنا، سو یہ معنے ہور اُنوں کے فرزنداں پر (اے تشریف بھیجنا۔ نسخۂ ثانی)۔ ہور خدا کا صفت بہوت کرنا، بہوت سرانا، بہت نوازنا، جس نے پیدا کیا سب عالم کوں ہور ہمنا کوں عقل ہور دین دیا ہے —

"کل امر ذي بال لم یبدء بالحمد فہو اقطع"۔

پیغمبر علیہ السلام کہے جو کچھ کام کرے گا کوئی خدا کا صفت کئے باج سو اس کا کام نا ہو سی۔ ہور خدا کی صفت، محمد کی صفت کرنا ہور درود بھیجنا دل کے جیو کی خوشنودی سوں۔

چند اور مثالیں۔

"پیغمبر علیہ الصلوۃ کہے خدا کی آشنائی جے کوئی بوجتا ہے، انوکیاں توں رہ کر انوتھی تو بوج، انوتھی توں سن ہور چپ نکو اچھہ۔ اس چار باتاں کا پند ہے

یوں (توں) شریعت میں پہلے پہلیں پاوں رکھہ کہ طریقت شریعت منبع ھے (یعنے جو لوگ خدا کی معرفت رکھتے ھیں' اُن کے پاس رہ کر تو معرفت حاصل کر اور ان کی باتیں سن اور چپ نہ رھو - یہ چار باتوں کی نصیحت ھے کہ پہلے تو شریعت میں قدم رکھہ کیونکہ طریقت شریعت میں ھوں)

"اے ایمانی (یعنے مومن) یاد کر خدا کوں' بہوت یاد کر ھور رو رو کر یاد کر ھور یگانہ ھوا سالک انپڑ (انپڑنا = پہنچنا' حاصل کرنا) توں - باج توبہ بندگی کرنا یوں ھے جوں جھلاں کا پانی جھوت ھے' اے یہ) بندگی بی (بھی) جھوٹ ھے خدا کا پچھانت باج - (جھل = پانی کی خفیف سی بوچھاڑ جو تھوڑی دیر کے لئے موسم بے موسم ھوجاتی ھے - دوسرے معنے جھلاں کے پانی کے سراب کے بھی ھو سکتے ھیں - کیونکہ قدیم دکھنی میں جھل نظر کے فریب کو بھی کھتے تھے) —

"اپنی پچھانت سوں نور محمد کا اس پچھانت میں بیسنا جیؤں غواص دریا میں بیس کر موتی لیاتا ھے' یوں اس پچھانت میں بیس کر اس میں کے موتی لیاوے - بیسنا = بیٹھنا یا پیٹھنا' گھسنا)

"خدا کہیا' تحقیق مال ھور پنگڑے تمھارے دشمن ھیں' چھوڑ دیو دشمناں کوں - اے کیسا غفلت ھے جو تجے اندھلا کیا موت کیہ یاد نھی تجے بسرا کر" —

(پنگڑا' قدیم دکھنی میں بچے کو کہتے ھیں - پنگڑے سے مراد یہاں بچے یا اولاد ھے - اندھلا کے معنے اندھے کے ھیں) —

ان مثالوں سے اُس زمانے کی زبان کا اندازہ ایک حد تک ھوسکتا ھے - یہ صوفیا وھی زبان استعمال کرتے تھے جو اُس وقت عام طور پر بولی جاتی تھی - اور جو عربی فارسی الفاظ بگڑ بگڑا کر عوام کی زبان پر چڑہ گئے تھے' اُن کی کبھی صحت نہیں کرتے تھے بلکہ جیوں کے توں رھنے دیتے تھے - کیوں کہ اب یہ لفظ عربی فارسی کے نہیں رھے تھے بلکہ اُس نئی زبان کے ھوگئے تھے جو بول چال میں نیز تحریر میں

آگئی تھی ۔ مثلاً

" دنیاں کو چھوڑ دیں گے بدل خدا تھی خدا کی مدت سوں " - یہاں مدد نہیں لکھا بلکہ مدت ھی لکھا ھے کیوں کہ بول چال میں مدت ھی آتا تھا ۔ ایسی سینکڑوں مثالیں ھیں ۔

اسی طرح لفظ جس طرح بولا جاتا تھا ویسے ھی لکھتے بھی تھے ۔ مثلاً وضع کو وضا لکھتے تھے اور وفا ، جفا کا قافیہ باندھتے تھے ۔

قافئے میں آواز کا لحاظ کرتے تھے ، تحریر پر نہیں جاتے تھے ۔ چنانچہ خوش نامے اور خوش نغز میں میراں جی نے باس اور پاس کا قافیہ خاص باندھا ھے ۔ قدیم دکھنی میں اس کی مثالیں بہ کثرت پائی جاتی ھیں ۔

عام خصوصیات زبان کی وھی ھیں جو قدیم دکھنی میں پائی جاتی ھیں اور جس کے متعلق ھم اس رسالے میں کئی بار لکھ چکے ھیں ۔

میرانجی کی زبان چونکہ بہت پرانی ھے اس لئے اس کا سمجھنا اور اس سے لطف حاصل کرنا مشکل ھے ، تاھم بعض بعض شعر اور مصرعے ایسے بے ساختہ نکل گئے ھیں کہ لطف سے خالی نہیں ۔ مثلاً

بن بوجھیں دوس نا دیجے   من بھاوے تو دے کھیجے

مطلب صاف ھے کہ یوں جی چاھے تو برا بولا کہئے لیکن بغیر تحقیق کیے کسی کو الزام نہیں دینا چاھئے ۔ یہ شعر ضرب المثل ھونے قابل ھے ۔ اس میں کہاوت کی ساری شان موجود ھے ۔

اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزا پوری صاحب)

[جناب صفدر مرزا پوری صاحب نے اس سے قبل "مشاطۂ سخن" کا پہلا حصہ شایع کیا تھا اور اس کی اس قدر مانگ ہوئی کہ اب ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ اب انہوں نے بڑی تلاش اور جستجو سے دوسرا حصہ مرتب کیا ہے جس میں مصحفی، آتش، ناسخ، غالب، خواجہ وزیر، اسیر، انیس، نسیم دہلوی، ذوق، وحید الہ آبادی، امیر، جلال، تسلیم، داغ، جلیل، ریاض، نظم طباطبائی، شوق قدوائی وغیرہ جیسے باکمال اساتذہ کی اصلاحیں جمع کی ہیں اور اُردو میں اُن کی اشاعت کی اجازت عنایت فرمائی ہے۔ حضرت صفدر کی یہ کاوش اور تلاش بہت قابل داد ہے اور ہم شکریہ کے ساتھ اس کا ایک جز اس نمبر میں شایع کرتے ہیں اور باقی حصے آئندہ نمبروں میں شایع ہوں گے۔

ہمارے ہاں استاد و شاگردی کا ایک عجیب تعلق چلا آرہا ہے مگر اب اُس کی وہ شان اور اُس کے وہ آداب باقی نہیں رہے۔ اس وقت مشق سخن اور شاعری کی تربیت کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ باکمال استاد اپنے شاگرد کو بتاتا اور شعر و شاعری کے گروں سے واقف کرتا اور خاصکر الفاظ کے صحیح استعمال، زبان کی فصاحت، بول چال کی صفائی، اسلوب بیان اور مضمون کے ادا کرنے کے ڈھنگ سمجھاتا تھا۔ ہمارے ہاں شاعری کا

سب سے بڑا مدرسہ بھی تھا - ان اصلاحوں میں بھی آپ بھی رنگ ملاحظہ فرمائیں گے۔اگر چہ ان میں بعض شعر بالکل نا قابل التفات ہیں، مگر یہاں اس کا مقصد صرف اصلاح کا دکھانا ہے کہ محض ایک لفظ کے بدل دینے یا الفاظ کے آگے پیچھے کر دینے یا کسی ناموزوں لفظ کو نکال کر موزوں لفظ رکھہ دینے سے شعر اور مضمون کی شان ہی کچھہ اور ہو جاتی ہے - جو صاحب زبان کا ذوق رکھتے ہیں انہیں ان اصلاحوں کے مطالعے سے نہ صرف لطف حاصل ہوگا بلکہ بصیرت پیدا ہوگی- اڈیٹر]

——(شیخ غلام ہمدانی مصحفی)——

اسیر: میں وہ بلبل ہوں میرے واسطے ایسی زمیں پکڑی
کہ تودہ بن گیا صیاد دیوار گلستاں کا

اصلاح: میں وہ بلبل ہوں میری گھات میں ایسی زمیں پکڑی
کہ پشتہ بن گیا صیاد دیوار گلستاں کا

پہلے مصرع میں ہمہ داں اُستاد نے بجاے "میرے واسطے" "میری گھات" بناکر مصرع کو بلند سے بلند تر کردیا کیونکہ یہ محل گھات ہی کا تھا - دوسرے مصرع میں بجاے "تودہ" کے "پشتہ" بنایا جس سے زمین شعر کا پایہ آسمان پر پہنچ گیا ایسی اُستادانہ اصلاح دی جس کی جس قدر داد دی جاے کم ہے-

اسیر: نہر اشکوں کی شب ہجر میں جاری رکھنا
آبرو دیدۂ تر آج ہماری رکھنا

اصلاح: نہر اشکوں کی سوا بحر سے جاری رکھنا
آبرو دیدۂ تر آج ہماری رکھنا

پہلے مصرع میں "شب ہجر میں" یہ الفاظ قلم زد کر کے "سوا بحر سے" اُستاد کامل نے بنایا اب دیدۂ تر کا تقابل 'بحر' سے ہو گیا اور شعر میں پہلے سے کسقدر ترقی ہوگئی-

اسیر: دخل اغیار کا اب صحن گلستاں میں نہیں
پاؤں کچھہ سوچ کے او باد بہاری رکھنا

اصلاح: دخل اغیار نہیں بزم گل و بلبل میں
پاؤں کچھہ سوچ کے او باد بہاری رکھنا

پہلے مصرع میں "کا اب صحن گلستاں میں" یہ ٹکڑا قلم زد فرماکر "نہیں بزم گل و بلبل میں" بناکر شعر کو درست فرمایا۔ صحن گلستاں کو بزم گل و بلبل کہنا ایسے ہی باکمال اُستاد کا کام ہے —

اسیر: جدائی کوے جاناں کی ہوی وجہ الم ہم کو
فراق باغ جنت کس قدر تھا شاق آدم کو

اصلاح: جدائی کوے جاناں کی رلاتی ہے بجا ہم کو
فراق باغ جنت کس قدر تھا شاق آدم کو

پہلے مصرع میں "ہوئی وجہ الم" کے بجاے "رلاتی ہے بجا" بنایا حالانکہ اسیر مرحوم کا مصرع بھی معناً صحیح تھا مگر اصلاح سے ترقی ہوگئی اور مطلع کی شان ہی اور ہوگئی۔ عام قاعدہ ہے کہ کثرت رنج و الم میں انسان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوجاتے ہیں —

اسیر: وہ مجرم ہیں کہ آتش میں خدا ڈالے اگر ہم کو
ہواے باغ جنت شعلہ ور کر دے جہنم کو

اصلاح: وہ مجرم ہیں کہ آتش میں خدا ڈالے اگر ہم کو
ہواے باغ جنت اور بھڑکاے جہنم کو

مصرعۂ ثانی میں "شعلہ ور کردے" کو قلم زد فرماکے "اور بھڑکاے" بنادیا حالانکہ "شعلہ ور" کے بھی یہی معنی تھے مگر "اور بھڑکاے" کے ٹکڑے نے شعر میں نہ صرف اور گرمی پیدا کردی بلکہ زبان کے لحاظ سے بھی حسن پیدا ہوگیا —

آتش: گل سے خوش رنگ ھر اک داغ بدن مجھه کو دیا
آتش عشق نے کیا خوب چمن مجھه کو دیا

اصلاح: گل سے خوش رنگ ھر اک داغ بدن مجھه کو دیا
آتش عشق نے بے خار چمن مجھه کو دیا

مصرعۂ ثانی میں بجاے "کیا خوب" کے اُستاد نے "بے خار" کا لفظ بناکر مطلع میں مراۃالنظیر کی صنعت پیدا کردی۔ سبحان‌الله اصلاح اسی کا نام ھے—

آتش: عاشق مردہ ھے یا رب کہ چراغ مردہ
نہ تو رویا کوئی مجکو نہ کفن مجکو دیا

اصلاح: عاشق مردہ ھے شاید کہ چراغ مردہ
نہ تو رویا کوئی مجکو نہ کفن مجکو دیا

پہلے مصرع میں بجاے "یارب" کے "شاید" بناکر اُس شبہہ کو قوی کر دیا جس کا اظہار مصرعۂ اولیٰ میں کیا گیا تھا—

آتش: دے کے اک بوسۂ خال لب شیریں اپنا
تو نے سو نافۂ آھوے ختن مجکو دیا

اصلاح: دے کے اک بوسۂ خال لب شیریں اے دوست
تو نے سو نافۂ آھوے ختن مجکو دیا

مصرعۂ اولیٰ میں بجاے "اپنا" کے "اے دوست" بنایا۔ جس سے شعر میں ترقی ھی نہیں ھوئی بلکہ مصرعۂ ثانی کا زور اور بڑہ گیا۔ بندش چست ھوگئی—

آتش: بندہ نواز تجھه سا کوئی دوسرا نہیں
رنجور کا انیس ھے ھمدم علیل کا

اصلاح: عاجز نواز تجھه سا کوئی دوسرا نہیں
رنجور کا انیس ھے ھمدم علیل کا

اُستاد نے پہلے مصرع میں بجاے "بندہ" کے "عاجز" بناکر مصرعِ ثانی

کا ثبوت قوی کر دیا —

آتش: غبار راہ ہوکر چشم انساں میں محل پایا
نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

اصلاح: غبار راہ ہوکر چشم مردم میں محل پایا
نہال خاکساری کو اگا کر ہم نے پھل پایا

پہلے مصرع میں بجاے "انساں" کے "مردم" بنایا جس سے مطلع میں معنوی خوبیاں بڑھ گئیں واقعی چشم کے لیے مردم ہی کی ضرورت تھی—

آتش: خلل انداز کوئی حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک روز تو قاضی کی بغل میں ہوتا

اصلاح: اے فلک کچھ تو اثر حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک روز تو قاضی کی بغل میں ہوتا

پہلے مصرع میں بجاے "خلل انداز کوئی" کے "اے فلک کچھ تو اثر" بنایا جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی- آتش مرحوم نے تو شیشے کو خلل انداز حسن عمل بنانا چاہا تھا مگر اُستاد کامل نے فلک کو مخاطب کرکے داد حسن عمل چاہی- اس اصلاح سے مطلع میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا—

آتش: کام کرتی رہی وہ چشم فسوں ساز اپنا
نیچی نظروں نے دکھایا مجھے اعجاز اپنا

اصلاح: کام کرتی رہی وہ چشم فسوں ساز اپنا
لب جاں بخش دکھایا کیے اعجاز اپنا

مصرع ثانی میں "نیچی نظروں نے دکھایا" کے بجاے "لب جاں بخش دکھایا کیے" بنایا- واقعی اعجاز کے لیے لب جان بخش ہی کی ضرورت تھی- اصلاح سے دونو مصرعے برابر کے ہوگئے اور لطف زبان پیدا ہوگیا—

آتش: سنا کرتے تھے ہم کہ پہلو میں دل ہے
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

اصلاح: بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل ہے
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اس سے اس شعر کا وہ مرتبہ بڑھا کہ ضرب المثل ہوگیا اور آج ایک زمانہ کی زبان پر ہے - اصلاح ایسی تو ہو کہ شعر مقبول جہاں ہوجاے * —

——— (خواجہ حیدر علی آتش) ———

میر وزیر علی صبا: عشق بازی کا جو سودا ہوگیا
آپ میں اپنا تماشا ہوگیا

اصلاح: خود پرستی کا جو سودا ہوگیا
آپ میں اپنا تماشا ہوگیا

پہلے مصرع میں " عشق بازی " کے بجاے " خود پرستی " بناکر دوسرے مصرع کے مضمون کو قوی کردیا —

صبا: داغ غم دل سے سویدا ہوگیا
غیرت خورشید ذرا ہوگیا

اصلاح: داغ غم دل سے سویدا ہوگیا
مشرق خورشید ذرا ہو گیا

مصرع ثانی میں بجاے " غیرت خورشید " کے " مشرق خورشید " بنایا جس سے مطلع مطلع آفتاب ہوگیا چونکہ آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لئے اس موقع پر مشرق خورشید ہی نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے —

صبا: دور دوراجو یوں ہی تیغ جفا کا ہوگا
یہ تو کہئے کوئی مرجائیگا تو کیا ہوگا

---

* یہ اصلاحیں جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی نے مرحمت فرمائی تھیں

اصلاح : وار ہر دم جو یوہیں تیغ جفا کا ہوگا
یہ تو کہئے کوئی مرجائے کا تو کیا ہوگا

بجائے " دور دورا " کے پہلے مصرع میں استاد نے " وار ہر دم " بنایا - تلوار کی مناسبت سے وار ہی کا لفظ خوب ہے —

صبا: بیٹھا ہے ہڈیوں پہ مرے شیر کی طرح
دیکھے کوئی زرا سگ دلدار کا مزاج

اصلاح : بپھرا ہے ہڈیوں پہ مرے شیر کی طرح
دیکھے کوئی زرا سگ دلدار کا مزاج

پہلے مصرع میں بجائے " بیٹھا ہے ہڈیوں پہ " " بپھرا ہے ہڈیوں پہ " خوب بنایا - شیر کے لئے اس محل پر بپھرنا ہی خوب ہے واقعی استادانہ اصلاح ہے —

صبا : موسیٰ ہیں طور پر تو مسیح آسمان پر
دونوں دھنی دیے ہیں ترے آستان پر

اصلاح : موسیٰ نہ طور پر نہ مسیح آسمان پر
دونوں دھنی دیے ہیں ترے آستان پر

اس اصلاح میں اُستاد کامل نے دونوں جگہ " نہ " کا لفظ بنا کر کمال اُستادی دکھایا ہے - ایسی نازک اصلاح دی کہ جس کا لطف نکتہ سنج طبیعتیں دل ہی دل میں اُٹھائیں گی - گو صبا مرحوم کا مصرعۂ اولیٰ اپنی جگہ پر خود معنی خیز تھا مگر حضرت آتش کی اصلاح سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی اور معنوی ترقی کی تو حد ہی نہ رہی - ایسی بے نظیر اصلاح ہے کہ جس کی بدولت یہ لا جواب مطلع آج سخن سنجوں کی زبانوں پر ہے * —

---

* یہ اصلاحیں بھی حضرت عشرت لکھنوی سے مؤلف کو ملیں —

ہمارے محترم دوست نواب محمد اصغر علی عزت الدین صاحب نے خواجہ آتش مرحوم کی ایک معرکۃ الآرا اصلاح کا ذکر فرمایا - نواب صاحب موصوف سے سید علی حیدر "دل" تعلقدار جرول کے توسل سے ملاقات ہوئی تھوڑی ہی دیر کی ملاقات میں نواب صاحب کے سلیم المذاق ہونے کا سکہ میرے دل پر بیٹھ گیا - وہ اس اصلاح کے ساتھ ایک دلچسپ قصہ بھی بیان فرماتے ہیں - وہ یہ کہ جب خواجہ صاحب مرحوم مشغلۂ شعر و سخن کو بالکل ترک فرما چکے تھے، نہ خود شعر کہتے نہ شاگردوں کو اصلاح دیتے تھے، لکھنؤ کے ایک صاحب کمال شاعر جن کو اپنی قابلیت پر ناز تھا اور جن کو یہ دعوی تھا کہ میرے کلام پر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا، ایک دن کا ذکر ہے کہ اسی سلسلۂ شعر و سخن میں اُنہیں کے ہم پلہ اُن کے دوست تھے ان سے کسی شعر پر بحث چھڑ گئی - اول الذکر نے یہ کہا کہ اب میرے کلام پر کوئی حرف رکھنے والا لکھنؤ میں نہیں ہے - ان کے دوست نے جواب دیا کہ بھائی ابھی تو خواجہ آتش زندہ ہیں اگر حوصلہ ہو تو اپنا کلام بغرض اصلاح خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کرو دیکھو اصلاح ہوتی ہے یا نہیں - غرضکہ دونوں حضرات خواجہ صاحب کے در دولت پر حاضر ہوے، کیواڑ بند تھے - دو چار آوازیں دیں مگر صدائے نہ برخاست - دریافت سے معلوم ہوا کہ اب سوائے ایک بڑھیا کے جو خواجہ صاحب کو کھانا کھلانے آتی ہے اور کوئی اندر جانے نہیں پاتا - وہاں سے یہ حضرات اُس بڑھیا کے گھر پر پہنچے جو خواجہ صاحب کے مکان کے قریب ہی رہتی تھی - بڑھیا کو دو اشرفیاں نذر دیں اور یہ کہا کہ خواجہ صاحب سے کسی طریقہ سے اصلاح دینے کی سفارش کردے، یہ دو اشرفیاں پاکر خوش ہوگئی اور فوراً آکر کیواڑ کھڑکھڑائے - خواجہ صاحب نے بڑھیا کی آہٹ پاکر کیواڑ کھول دئے - اِس نے پہلے تو گڑگڑا تازہ کیا چلم بھرکے خواجہ صاحب کے سامنے گڑگڑا رکھدیا - پھر کہا کہ دو شریف زادے آپ سے ملنا چاہتے ہیں، پوچھا کس غرض سے، بڑھیا نے کہا کہ وہ اصلاح لینے آئے ہیں - خواجہ صاحب نے

پہلے تو بہت انکار کیا مگر وہ بڑھیا بھی ایک بلاے بے درماں تھی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں بہت گستاخ تھی' کہنے لگی کہ چاہے کچھہ ہو آج تو آپ کو اصلاح دینی پڑیگی ۔ بے حد اصرار کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا بلاؤ ۔ یہ حکم پاتے ھی باھر آئی اور اِن حضرات سے کہا اندر آئیے ۔ یہ دونوں بزرگ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ھوے اور بوریے کے ایک کنارے ادب سے تسلیم کر کے بیٹھہ گئے ۔ پہلے تو اِن دونوں صاحبوں نے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا کہ باریابی کی اجازت ملی پھر ایک مطلع بغرض اصلاح پیش کیا ۔ فرمایا پڑھو ۔ انھوں نے نہایت فخر کے ساتھہ یہ مطلع پڑھا :

بات میں فرق نہ آنے دیجے جان جاتی ھے تو جانے دیجے

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا ھے اصلاح کی ضرورت نہیں ۔ مگر دوسرے صاحب بول اُٹھے کہ میری آرزو یہ ھے کہ حضور اس مطلع میں کوئی لفظ رکھدیں ۔ جب بے حد اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا پھر پڑھو ۔ دوبارہ جب یہ مطلع پڑھا' آپ نے فرمایا کہ اچھا اسے یوں بنالو :

آن میں حرف نہ آنے دیجے جان جاتی ھے تو جانے دیجے

الله الله خواجہ صاحب نے یہ اصلاح دی یا اپنا کمال فن اور شان اُستادی دکھا دی ۔ آن میں حرف نہ آنے دیجے اور جب حرف آگیا تو جان ھوگئی ۔ مجھے ڈھونڈے سے بھی وہ الفاظ نہیں ملتے کہ جن الفاظ میں خواجہ صاحب کے اس کمال کی داد دی جاے ۔ صبا مرحوم نے بہت صحیح فرمایا ھے:

بیت هستی کے صبا ھوگئے معنے روشن
خواجہ آتش سا زمانے میں جو اُستاد آیا

افسوس ایسا با کمال اور ماھر فن اُستاد جس کا ایک ایک حرف قابل سند ھو جس کی سحر بیانی کا سکہ دنیاے شاعری میں ھر ایک کے دل پر بیٹھا ھو' جس نے ایشیائی شاعری کو زمین سے آسمان پر پہنچایا ھو اُس کے احسانات تو

ہم فراموش کردیں اور اُس کو برے الفاظ سے یاد کر کے اُس کی روح کو صدمہ پہنچائیں—

——(شیخ امام بخش ناسخ)——

خواجہ وزیر (وزیر) آیا وہ ماہ لاؤ پیالا شراب کا
مہتاب کے قریں ہو طلوع آفتاب کا

اصلاح: آیا وہ ماہ لاؤ پیالا شراب کا
مہتاب کے ہو ساتھہ طلوع آفتاب کا

مصرع ثانی میں بجاے "مہتاب کے قریں ہو" کے "مہتاب کے ہو ساتھہ" بنا کر مطلع میں چار چاند لگا دئیے—

وزیر: منظور ہے کہ رنج مجھے ہو جہاں کو عیش
رکھوں نہ کوئی باغ میں کانٹا گلاب کا

اصلاح: منظور ہے کہ رنج مجھے ہو، جہاں کو عیش
توڑوں عوض میں پھول کے کانٹا گلاب کا

مصرع ثانی میں بجاے اس کے "رکھوں نہ باغ میں کوئی" کے "توڑوں عوض میں پھول کے" بنا کر شعر کو اور رنگین کر دیا۔ اُستاد کامل نے کانٹے کی رعایت سے پھول کا لفظ بھی بڑھا دیا اور "توڑوں" کا لفظ پھول اور کانٹے دونوں میں مشترک رہا۔ اُستادانہ اصلاح دی—

وزیر: زاہد حرام سے کو بتائے گا تو اگر
جنت میں چھین اونگا پیالہ شراب کا

اصلاح: زاہد حرام سے کو نہ کہنا وگر نہ میں
جنت میں چھین لونگا پیالہ شراب کا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اُس سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ہو گئی—

وزیر: شکر ہے اب تک نہ میں منت کش گردوں ہوا
خاک سے پیدا ہوا اور خاک میں مدفوں ہوا

اصلاح: مرگیا لیکن نہ میں منت کش گردوں ہوا
خاک سے پیدا ہوا اور خاک میں مدفوں ہوا

اس اصلاح سے مصرعہ اولیٰ میں زور پیدا ہوگیا۔ "شکر ہے اب تک" یہ ٹکڑا برائے بیت تھا—

وزیر: ناز سے آیا سر مرقد وہ رشک آفتاب
گنبد مدفن بھی میرا گنبد گردوں ہوا

اصلاح: فاتحہ پڑھنے کو جب آیا وہ رشک آفتاب
گنبد مدفن بھی میرا گنبد گردوں ہوا

اصلاح سے معشوق کے آنے کی غایت ثابت کردی گئی - اور جب وہ بہر فاتحہ آیا تو گنبد مدفن گنبد گردوں ہوگیا-اور جب مصرع ثانی میں گنبد مدفن موجود ہے تو مصرعہ اولی میں سر مرقد کی ضرورت نہ تھی —

وزیر: چلا ہے او دل راحت طلب کیوں شادماں ہوکر
زمین کوے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

اصلاح: چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہوکر
زمین کوے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

یہ مطلع خواجہ وزیر کے مشہور مطلعوں میں ہے مگر اُستاد نے پہلے مصرع میں بجاے "کیوں" کے "کیا" بنا دیا۔اس "کیا" نے کیا کیا معنی مطلع میں پیدا کردئے - سبحان اللہ کیا بے نظیر اصلاح دی اس زمین میں اکثر اساتذہ نے غزلیں کہیں اور "آسماں" کے قافیے میں بہت زور لگاے مگر اس مطلع کا جواب نہ ہوسکا۔اس قافیے میں ایک شعر میرا بھی ہے جسے اکثر سخن سنج حضرات نے پسند فرمایا - جی چاہتا ہے کہ ناظرین "مشاطۂ سخن" کے سامنے بھی پیش کردوں

شعر ملاحظہ ہو :

ترے بیمار پر یہ رات بھاری کیوں نہ ہو جاتی
شب فرقت میں تارے ٹوٹتے ہیں آسماں ہوکر

وزیر : اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہوکر

اصلاح : اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

یہ بھی شعر وزیر کا زبانوں پر ہے - پہلے مصرع میں بجائے " باعث " کے " خاطر " بنایا - اس اصلاح کی تعریف کیا ہوسکتی ہے ارباب نظر کے دل سے پوچھئے یہاں خاطر خوب ہے ' حالانکہ باعث کے بھی وہی معنی ہیں جو خاطر کے ' مگر اُستاد کو یہی لفظ پسند آیا —

وزیر : موے ہم رشک کے مارے کیا غیروں کو قتل اُس نے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہوکر

اصلاح : کیا غیروں کو قتل اُس نے موے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہوکر

پہلے مصرع میں جو الفاظ میں اُلٹ پھیر کی گئی اُس سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہوگئی اور تعقید کا عیب بھی مٹ گیا —

وزیر : غضب ہے جھک کے ملتے ہو اور اُس پر قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کماں ہوکر

اصلاح : الٰہا سے جھک کے ملتے ہو نگہ سے قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو ناوک لگاتے ہو کماں ہو کر

پہلا مصرع وزیر مرحوم کا بہت ہلکا تھا اصلاح سے اس شعر کا لنگر بڑھ گیا - اور اس اصلاح سے " کماں " کا قافیہ لاجواب ہوگیا - مگر نواب فصاحت جنگ

حضرت جلیل نے اسی قافیے میں یہ شعر خوب کہا ہے - میرے خیال ناقص میں وز
مرحوم کے شعر سے یہ شعر کسی طرح کم نہیں بلکہ واقعات کے اعتبار سے تو یہ ش
اُس سے بدرجہا بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے - فرماتے ہیں :

بڑھاپا چرخ کا تیری جوانی دونوں قاتل ہیں
ستمگر تو بنا ہے تیر ہوکر وہ کماں ہوکر

وزیر : بہت کہنا تھا لیکن ضعف سے یاں لب نہیں ہلتے
سبک کر دیتے ہیں حرف سخن بار گراں ہوکر

اصلاح : کہا جو اُس نے چاہا ضعف سے یاں لب نہیں ہلتے
سبک کر دیتے ہیں حرف سخن بار گراں ہوکر

اصلاح سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہوگئی - دوسرا مصرع اسی مصرع
کا محتاج تھا —

وزیر : مجکو جس وقت گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دھن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

اصلاح : نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل
دھن زخم پکارا کیا قاتل قاتل

یہ مطلع بھی وزیر مرحوم کا زبانوں پر ہے - پہلے مصرع میں بجاے " مجکو
جس وقت " کے " نہ کیا ذبح " شیخ صاحب نے بنایا - واقعی عجب اصلاح دی جس سے
یہ مطلع آپ ہی اپنا جواب ہوگیا - اس موقع پر مجھے اپنا مطلع یاد آگیا جو ایک
رئیس کی فرمایش سے فی البدیہہ عرض کیا تھا، میں نے یوں کہا تھا :

آئینہ دیکھہ رہا ہے سر محفل قاتل
مجکو ڈر ہے کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

حضرت ریاض نے یوں بنایا :

آئینہ ہے کہ ہے قاتل کے مقابل قاتل
مجکو ڈر ہے کہیں لڑ جائیں نہ قاتل قاتل

اب اہل نظر وزیر مرحوم کے اس مشہور مطلع سے تقابل کرکے جو چاہیں فیصلہ کردیں —

وزیر: رکھہ نہ دے گردن عشاق پہ مقتل میں چھری
رقص بسمل ہی کے قابل ہے یہ محفل قاتل

اصلاح: پھیر دے گردن عشاق پہ مقتل میں چھری
رقص بسمل ہی کے قابل ہے یہ محفل قاتل

چھری رکھنے سے پھیرنے میں زیادہ مزہ ہے اور اس کا لطف عشاق کے دل سے پوچھئے —

وزیر: گل کھلائے ہیں تری تیغ نے ایسے ایسے
آشیانوں سے نکل آئے عنادل قاتل

اصلاح: کیا تری تیغ نے جو ہر کا چمن دکھلایا
آشیانوں سے نکل آے عنادل قاتل

پہلا مصرع وزیر کا بھی خوب تھا مگر اُستاد کا مصرع اُستادانہ ہے " جوہر کا چمن دکھلایا " اس ٹکڑے کا کیا کہنا - تیغ کی مناسبت سے جوہر کا لفظ خوب ہے اور پھر چمن میں گل بوٹے سب آگئے - کیا خوب اصلاح دی —

وزیر: ادب کی جا ہے بت سنگ آستانۂ عشق
چلوں کا پائے نگہ بن کے سوے خانۂ عشق

اصلاح: خدا نما ہے بت سنگ آستانۂ عشق
چلوں کا پائے نگہ بن کے سوے خانۂ عشق

بت کی رعایت سے بجائے " ادب کی جا ہے " " خدائیا " بنایا *—

بحر لکھنوی: پھول کانٹے ہوگئے خط آگیا رخسار پر
خار و خس پتی چمن سے حسن جاناں لیچلا

اصلاح: پھول کانٹے ہوگئے خط آگیا رخسار پر
رونق گلزار عارض حسن جاناں لیچلا

اللہ اللہ مصرع ثانی اتنا بےنظیر بنایا کہ شعر یوسف ثانی بن گیا " رونق گلزار عارض " کی بہار تو حسین تھی ہی اُس پہ طرہ یہ کہ " حسن جاناں لیچلا " کتنی نازک اصلاح ہے —

بحر: نفرت ہماری خاک سے بھی یار کو یہ ہے
رکھا قدم تو پایچہ اپنا اُٹھا لیا

اصلاح: نفرت ہماری خاک سے باقی ہے یار کو
رکھا قدم تو پایچہ اپنا اُٹھا لیا

پہلے مصرع میں " یار کو یہ ہے " کانوں کو برا معلوم ہوتا تھا اس لئے اُستادنے " باقی ہے یار کو " بنا کر شعر میں معنوی خو بیاں بڑھادیں مطلب یہ کہ بعد فنا بھی ہماری خاک سے نفرت باقی ہے —

---

* ہم اپنے مکرم و محترم بزرگ خواجہ عشرت لکھنوی کے دل سے شکرگزار ہیں کہ یہ اصلاحیں چالیس سال کی محنت میں خود اس لئے جمع کر رکھیں تھیں کہ وہ خود اس موضوع پر ایک مستقل کتاب " اصلاح " کے نام سےلکھنے والے تھے - مگر " مشاطۂ سخن " حصۂ اول کے شایع ہونے پر اُن کے خیالات بدل گئے - جب مجھے معلوم ہوا میں نے خواجہ صاحب موصوف سے یہ اصلاحیں طلب‌کیں میری انتہائی خوشامد پر دینے کا وعدہ فرمایا - آج کل کرتے رہے اور میرا تقاضا روز ہوتا رہا - دو سال کے بعد مصحفی ' آتش ' ناسخ ' خواجہ وزیر و نسیم دہلوی کی اصلاحیں خاص اپنے قلم سے نقل فرما کر مرحمت فرمائیں جس کی اصل خواجہ صاحب کے پاس موجود ہے —

مؤلف

بحر : پہنے بنوا کے انگوٹھی وہ پری کا ٹکڑا
کیا ھی رنگیں ھے یہ لعل جگری کا ٹکڑا

اصلاح : پہنے بنوا کے انگوٹھی وہ پری کا ٹکڑا
دیدۂ تر میں ھے لعل جگری کا ٹکڑا

مصرع ثانی کی ترمیم سے شعر میں کس قدر ترقی ھوگئی " لعل جگری " کے لئے " دیدۂ تر "ھی کی ضرورت تھی —

بحر : رشک سے چاند کو ھالے میں گہن لگ جاتا
اپنے سر پر نہ کبھی آپ نے شملا باندھا

اصلاح : ماہ کا ھالہ نہ طوق غلامی بنتا
اپنے سر پر نہ کبھی آپ نے شملا باندھا

بحر کے مصرعہ اولیٰ میں ایک ذم کا پہلو بھی تھا - ھالۂ ماہ کی رعایت سے " طوق غلامی " بھی خوب بنایا - اصلاح سے یہ شعر روشن ھوگیا - اور معنے بھی کیا سے کیا ھوگئے —

بحر : دیکھکر وہ رخ شفاف کہا طوطوں نے
آج آئینے کی ٹٹی لئے صیاد آیا

اِصلاح : دیکھکر چہرۂ شفاف کہا طوطوں نے
آج آئینے کی ٹٹی لئے صیاد آیا

پہلے مصرع میں " وہ رخ شفاف " کے بجاے " چہرۂ شفاف " بنایا جس سے شعر میں صفائی پیدا ھوگئی —

بحر : قامت یار کی تشبیہ جو ڈھونڈھی میںنے
اُڑ کے قمری کی طرح خلد سے شمشاد آیا

اصلاح قامت یار کی تشبیہ جو چاھی میںنے
اُڑ کے قمری کی طرح خلد سے شمشاد آیا

پہلے مصرع میں بجائے "ڈھونڈھی" کے "چاھی" بنا دیا کیونکہ یہ محل چاھی کا تھا ڈھونڈھی کا نہ تھا —

بحر : دل ذُمی مہر و وفائے یار اپنی آنکھ میں
جب ترازو دل میں ہر تیر نظر ہونے لگا

اصلاح: دل ذُمی مہر و وفائے یار اپنی آنکھ میں
جب ترازو سینے میں تیر نظر ہونے لگا

مصرع ثانی میں بجائے "دل میں" کے "سینے میں" بدلایا اور "ہر" کا لفظ جو زاید تھا اسے بھی اُڑادیا —

بحر : اُڑ کے پہونچوں میں جو اس کے بام پرتو کیا عجب
شہپر شبنم ہوا شوق وصال آفتاب

اصلاح : اُڑ کے پہونچوں میں جو بام یار تک تو کیا عجب
شہپر شبنم ہوا شوق وصال آفتاب

مصرعہ اولیٰ میں "اس کے بام پر" کے بجائے "بام یار تک" بنایا کیونکہ یہ ٹکڑا اُس ٹکڑے سے فصیح ہے —

بحر : طعن رندوں پہ نہ کر شیخ خدا لگتی بول
اس کے الطاف سوا ہیں کہ گنہگار بہت

اصلاح : طعن رندوں پہ نہ کر شیخ خدا لگتی بول
اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

دوسرے مصرع میں (سوا) کے بجائے (بہت) بہت خوب بنایا —

بحر : جان اللہ ہی بچالے دل ہے بیتابانہ آج
اشک بیتھب بہتے ہیں اُٹھا ہے آب و دانہ آج

اصلاح: دم نہ ٹھہریگا نہایت دل ہے بیتابانہ آج
اشک بیتاب بہتے ہیں اٹھا ہے آب و دانہ آج

پہلے مصرع میں (جان الھدی بچالے) کے بجائے (دم نہ ٹھہریگا نہایت) بنایا کیونکہ (دل ہے بیتابانہ) کے لئے (دم نہ ٹھہریگا) اسی کی ضرورت تھی —

بحر: گھر سے نکل کے چال چلے کس ادا سے تم
سو سو مزار بن گئے ہر نقش پا کے پاس

اصلاح: گھر سے نکل کے چال چلے کس ادا سے تم
اک تازہ قبر بن گئی ہر نقش پا کے پاس

مصرع ثانی میں " سو سو مزار بن گئے " کے بجائے " اک تازہ قبر بن گئی " بنایا تازہ قبر میں جو جدت پیدا ہو گئی وہ ذوق سلیم پر مخفی نہیں —

بحر: سب عضو بدن شمع صفت بہ گئے گھل کر
اس آتش دل نے مجھے سیلاب بنایا

اصلاح: سب عضو بدن شمع صفت بہ گئے گھل کر
اس سوزش دل نے مجھے سیلاب بنایا

مصرع ثانی میں بجائے "آتش دل" کے " سوزش دل " بنایا جس میں زیادہ گرمی اور زور ہے —

بحر: تصویر حسن رنگ بدلتی ہے جابجا
عذرا کہیں بنی یہ کہیں ہیر ہوگئی

اصلاح: عالم میں مختلف ہیں محبت کی صورتیں
عذرا کہیں بنی یہ کہیں ہیر ہو گئی

مصرعۂ اولیٰ کی ترمیم سے بیان میں سلاست، بندش میں زرا چستی آگئی —

بحر: قدم میکدے سے نہ نکلیگا اپنا
یہیں نشہ میں گرتے پڑتے رہینگے

اصلاح: قدم میکدے سے نہ نکلیگا باھر
یہیں نشہ میں گرتے پڑتے رھینگے

مصرعۂ اولیٰ میں " اپنا " کی ضرورت نہ تھی اس لئے " باھر " بنادیا —

بحر: اتنی بے پروائی بھی اچھی نہیں
لوگ کرتے ھیں شکایت آپ کی

اصلاح: اتنی بے پروائیاں اچھی نہیں
لوگ کرتے ھیں شکایت آپ کی

مصرعۂ اولیٰ میں (بھی) زائد تھا اس ترمیم سے بندش زرا چست ھو گئی اور زبان کا لطف بھی بڑھ گیا —

بحر: شہید عشق سے تلوار کے پھل کا مزا پوچھو
وہ عالم ھے کہ مونہ میں زخم کے انگور حنظل ھے

اصلاح: شہید عشق سے تلوار کے پھل کا مزا پوچھو
وہ لذت ھےکہ مونہ میں زخم کے انگور حنظل ھے

مصرع ثانی میں بجاے (عالم) کے (لذت) بنایا ' ایک لفظ کی ترمیم سے شعر مزے کا ھوگیا - واقعی مونہ کے لئے لذت ھی کی ضرورت تھی —

بحر: ھمنے جب چشم خریداری سے دیکھا سوے باغ
پھول سہنگے ھوگئے داغوں کی ارزانی ھوی

اصلاح: ھم نے جب چشم خریداری سے دیکھا باغ کو
پھول سہنگے ھو گئے داغوں کی ارزانی ھوئی

مصرعۂ اولیٰ میں بجاے "سوے باغ" "باغ کو" بنایا جس سے روانی پیدا ھوگئی-

بحر: شعلہ رویوں کی تجلّی کا کوئی خواہاں نہیں
شمع روشن ہے پتنگوں کو ستم کی روشنی

اصلاح: شمع رویوں کی تجلی کا کوئی خواہاں نہیں
شمع روشن ہے پتنگوں کو ستم کی روشنی

اس ایک لفظ کی ترمیم سے مضمون مصرع ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا۔ شمع روشن کے لئے شمع رویوں ہی کی ضرورت تھی۔

بحر: تم جو عاشق کی طرف اے ماہ پیکر بولتے
کبک کے آگے نہ یوں بڑھ بڑھ کے تیتر بولتے

اصلاح: تم جو عاشق کی طرف اے ماہ انور بولتے
کبک کے آگے نہ یوں بڑھ بڑھ کے تیتر بولتے

مصرعۂ اولیٰ میں بجاے "ماہ پیکر" کے "ماہ انور" بنایا ظاہر ہے کہ ماہ پیکر سے ماہ انور زیادہ روشن ہے*

——(مرزا نوشہ غالب)——

خواجہ قمرالدین (راقم) دہلوی:

اللہ میں ہوں اور ہے غم وصل یار کا
کیا جانے کوئی درد دل بے قرار کا

اصلاح: اللہ میں ہوں اور یہ غم وصل یار کا
تو جانتا ہے درد دل بے قرار کا

پہلے مصرع میں بجاے "ہے" کے "یہ" بنایا جس سے مصرع کا زور اور بڑھ گیا۔ دوسرا مصرع راقم کا بھی خوب تھا مگر یہ غالب ہی سے اُستاد کا کام تھا

---

* مکرمی سید مقبول حسین وصل بلگرامی اڈیٹر "مرقع" کے پاس جناب بحر کا قلمی دیوان موجود ہے' جس پر ناسخ مرحوم کی اصلاحیں جابجا ہیں اُس میں سے یہ چند اصلاحیں انتخاب کی گئیں—

کہ دوسرے مصرع میں "کیا جانے کوئی" کو قلم زد کر کے "تو جانتا ہے" بنایا چونکہ پہلے مصرع میں خطاب اللہ سے ہے اس لئے اس جواہر نگار ٹکڑے کی کیا تعریف ہو سکتی ہے مصرع ثانی کی اصلاح سے اول تو درد کی کوئی انتہا نہ رہی دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ میں محبت میں اس قدر ضبط کرتا ہوں کہ زبان سے شکوۂ درد کسی سے بھی نہیں کرتا، اس لئے کہ تو عالم الغیب ہے تجھ پر میرے درد کا حال روشن ہے—

راقم: تکلیف کیوں سنے کسی خستہ جگر کی وہ
افسانہ جو سنے ستم روزگار کا

اصلاح: تکلیف کیوں سنے وہ کسی دردمند کی
افسانہ جو سنے ستم روزگار کا

پہلے مصرع میں بجائے "خستہ جگر کی وہ" کے "وہ کسی دردمند کی" بنایا۔ ظاہر ہے کہ خستہ جگر سے دردمند زیادہ مؤثر ہے۔ اصلاح سے شعر میں درد و اثر بڑھ گیا۔

راقم: راقم بہت ہی ہمنے اُٹھائے ہیں جور یار
لیکن اُٹھا سکے نہ ستم روزگار کا

اصلاح: راقم اُٹھائے ہمنے بہت جور یار کے
لیکن اُٹھا سکے نہ ستم روزگار کا

اس اصلاح سے مصرعۂ اولیٰ میں سلاست اور روانی پیدا ہوگئی*

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی:

کریں اہل دنیا نہ آتش مزاجی
اِنہیں ایک دن خاک ہونا پڑیگا

---

* یہ اصلاحیں خدا بخشے نواب بہادر حسون خاں انجم لکھنوی سے مؤلف کو دستیاب ہوئیں—

اصلاح : عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی
تمہیں ایک دن خاک ہونا پڑیگا

جناب حالی اہل دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں مگر اصلاح میں اُستاد غالب نے عزیزوں کو مخاطب کیا ہے - اب اس نازک فرق کو باریک بیں نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ اصلاح سے کیا بات پیدا ہو گئی جس کی شرح نہیں ہو سکتی -

حالی : ہوے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب بڑھاپے میں ہونا پڑیگا

اصلاح : ہوے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب میری جان ہونا پڑیگا

اس اصلاح کو اُسی زمانے کے نقطۂ نظر سے ملاحظہ فرمائیے - زمانہ حال کی تہذیب شاید (مری جان) کی متحمل نہیں - جان کا لفظ جان کے استاد نے رکھا - لطف زبان کس قدر بڑھ گیا ہے - دوسرے مصرعہ میں بیشک بڑھاپے کی ضرورت تھی ، لیکن اب کا لفظ بالکل کافی ہے اور اس میں زیادہ لطف ہے —

حالی : چپ چپاتے کسی کافر کو دیا دل ہمنے
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

اصلاح : چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا

اللہ اللہ پہلا مصرع کس حسن سے بنایا " اُسے دے آے دل اک بات پہ ہم " اس بات کی کیا بات ہے اس اصلاح سے شعر میں ایک خاص ادا پیدا ہوگئی اور ایک بات کے کیا کیا معنی پیدا ہو گئے —

حالی : بارہا دیکھ چکے تیرا فریب اے ظالم
ہمسے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

اصلاح : بارہا دیکھہ چکے تیرا فریب اے دنیا
همسے اب جان کے دهوکا نہیں کھایا جاتا

پہلے مصرع میں بجاے (ظالم) کے (دنیا) بنایا- جس سے شعر میں حددرجه کی ترقی هوی اور یہی ایک لفظ (دنیا) شعر کی جان هوگئی - اصلاح اسی کا نام هے* —

——(خاقانی هند شیخ محمد ابراهیم ذوق)——

فصیح الملک نواب مرزا خاں داغ دهلوی —

شوخي سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یه برق ادا دیکھئے گرتی هے کدھر آج

اصلاح : شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یه برق بلا دیکھئے گرتی هے کدھر آج

مصرع ثانی میں استاد کامل نے بجاے (برق ادا) کے (برق بلا) بنایا۔ برق ادا هی کیا کم تهی مگر گرنے کے لئے برق بلا هی خوب هے - چونکه بلائیں آسمان سے نازل هوتی هیں ' اس لئے شوخی نظر کو برق بلا سے استعارہ کیا† —

---

* یه اصلاحیں مولانا نجیب الله (نجیب) فرنگی محلی لکھنوی سے ملیں جو مولانا حالی کے خاص دوستوں میں هیں اور خاکسار مولف کے بے تکلف ملنے والوں میں —مؤلف

† مشاطۂ سخن حصۂ اول میں بهی ذوق مرحوم کی اصلاحیں بہت کم هیں - اس حصے کے لئے جہاں تک میری امکانی کوشش تهی کی گئی - جابجا خطوط بهیجے ' رسالوں اور اخباروں میں اشتہار دیے-صرف مکرمی بیخود دهلوی نے تو جواب دیا که میں صاحب فراش هوں اور کسی صاحب نے جواب تک نه دیا - حسن اتفاق ایک دن میں محمی ایس - اے حکیم کے شفا خانه واقع نظیر آباد لکھنؤ میں جو خاص علاج میں شہرت رکھتے هیں بیٹھا هوا تها - ان کے هاں ایک بزرگ سے جن کی عمر تخمیناً ۹۵ سال کی تهی حکیم صاحب موصوف کے بدولت تعارف هوا - یه بزرگ دهلی کے رهنے والے اور داغ مرحوم کے خاص ملنے والوں میں تهے - ان کی زبان سے یه اصلاح سن کر میں نے اپنے تحویل حافظه میں محفوظ کرلی - ان کا نام سید عارف حسین تها -

(تدبیرالدوله مدبرالملک منشی مظفر علی اسیر)

نواب مہدی حسین ماہر لکھنوی —

کیا کیا قتل مجکو قاتل ہوا ہوا خون مجھ حزیں کا

یہ تر ہے دامن نہ کوئی پکڑے لہو تو دھو تال آستیں کا

اصلاح: کیا کیا قتل مجکو قاتل کیا کیا خون مجھ حزیں کا

ارے گریباں نہ کوئی پکڑے لہو تو دھوتاں آستیں کا

مصرعۂ الیٰ پر یہ نوٹ لکھکر (کیا کیا) بنایا کہ (ہوا ہوا) یہ سیاروں کی بولی مجھے پسند نہیں اور مصرع ثانی میں بجائے (یہ تر ہے) کے (ارے گریباں) بنایا۔ استاد کامل نے اس اصلاح میں دامن و گریباں کا جو نازک فرق دکھایا ہے وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہے - یہ موقع دامن پکڑنے کا نہ تھا - بلکہ بالعموم مجرم کا گریباں ہی پکڑا جاتا ہے - (ارے) کا لفظ تو اس مطلع میں قیامت کا رکھدیاہے - اب یہ مطلع زبان کے سانچے میں ڈھل کر آپ ہی اپنا جواب ہوگیا* —

نواب بہادر حسین خاں انجم لکھنوی —

ترے درد کا دل مبتلا یہ بتا علاج میں کیا کروں

جوطبیب ہوں تودواکروں جو فقیر ہوں تودعاکروں

اصلاح: ترے درد کا دل مبتلا یہ بتا علاج میں کیاکروں

نہ طبیب ہوں کہ دواکروں نہ فقیر ہوں کہ دعاکروں

جیسا بیمثل مطلع تھا ویسی ہی بے نظیر اصلاح بھی استاد نے دی - مصرع ثانی میں دونوں جگہ " نہ " کا لفظ رکھکر بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا - اِس اصلاح سے مطلع میں ترقی کے علاوہ جو لطافت پیدا ہوگئی - اُسکا لطف کچھ ایک نکتہ سنج شاعرہی کا دل اُٹھا سکتا ہے -

---

* یہ اصلاح بلے صاحب (اختر / خلف خر شیہ مرحوم سے سنکر میں نے نوٹ کرلی تھی جو ماہر مرحوم کے عزیزوں میں تھے —

اللہ اللہ - نہ طبیب ہوں کہ دوا کروں نہ فقیر ہوں کہ دعا کروں۔
یہ مصرع ہے کہ سوتیوں کی لڑی جس کی جی کھول کے داد حضرت طاہر فرخ آبادی نے بھی دی ہے - طاہر مرحوم کا وہ خط مرقع ادب حصۂ اول میں شائع ہوچکا ہے - اس اصلاح کا ذکر مؤلف سے خود انجم مرحوم نے کیا تھا۔
اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے - سراپا تصویر محبت تھے —

داروغہ واجد حسین واقف لکھنوی —

جس کو بحرین لوگ کہتے ہیں دو یہ قطرے ہیں دیدۂ تر کے

اصلاح : جس کو بحرین لوگ کہتے ہیں دو یہ چشمے ہیں دیدۂ تر کے

مصرع ثانی میں بجائے " قطرے " کے " چشمے " بنایا جس سے شعر میں روانی اور ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ صنعت مراۃالنظیر بھی پیدا ہوگئی۔
میں تو یہ کہوں گا کہ اُستاد کامل نے قطرے کو دریا کردیا —

واقف : ہیں جہاں میں جو مرد اُنہیں واقف
کوشش نام و ننگ رہتی ہے

اصلاح : مرد جو ہیں اُنہیں کو اے واقف
کوشش نام و ننگ رہتی ہے

الفاظ وہی ہیں مگر زرا سے اُلٹ پھیر میں بندش میں چستی اور بیان میں لطافت پیدا ہوگئی —

واقف : آگئی موت بے اجل اُس کی
جس کو دیکھا زرا نظر بھر کے

اصلاح : آگئی موت بے اجل اُس کی
تو نے دیکھا جسے نظر بھر کے

مصرع ثانی کی ترمیم سے شعر میں جان پڑگئی - اور لفظ (تو نے) سے صفائی پیدا ہوگئی —

واقف : کیا رنگ ہے میرے سیمتن کا
کندن کی طرح چمک رہا ہے

اصلاح : کیا رنگ ہے چمپئی تمہارا
کندن کی طرح دمک رہا ہے

پہلے مصرع میں (سیمتن) کے بجائے (چمپئی) بنایا اور دوسرے مصرع میں (چمک) کو قلم زد کرکے (دمک) کا لفظ رکھدیا جس سے شعر میں عجیب رنگ پیدا ہوگیا - کندن کی مناسبت سے چمپئی رنگ بنایا - اور ایک نازک بات یہ بتائی کہ کندن میں چمک نہیں ہوتی اس لئے (دمک) بنایا - کیونکہ کندن میں دمک ہوتی ہے - جو اصلاح ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے جس سے اُستاد کی اُستادي اور بالغ النظري کا پتا چلتا ہے —

واقف : اگر سوز نہاں تاثیر دکھلائے عیاں ہوکر
مري تصویر کا بھی رنگ اُڑجائے دھواں ہوکر

اصلاح : دکھا دے گر* اثر سوز نہاں میرا عیاں ہوکر
مری تصویر کا بھی رنگ اُڑجائے دھواں ہوکر

پہلا مصرع سلاست اور صفائی کی غرض سے بدلا گیا —

واقف : پوچھ لے اے مہ جبیں گر چاہتا ہے امتیاز
ہمسے تو چاہ ذقن یوسف سے گرنا چاہ کا

اصلاح : قافلہ کس طرح آتا مصر جاتے کس طرح
وجہ رفعت ہو گیا یوسف کو گرنا چاہ کا

یہ کلام جناب واقف کا سنہ ۱۲۸۶ ہجری کا ہے - جب حضرت کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی تھي - اس شعر سے اِن کی کم مشقی کی تصدیق ہوتي ہے - عام طور پر اور حضرات اپنے ابتدائی کلام کو عیب سمجھ کر چھپاتے ہیں مگر ہمارے محترم

* اُس زمانہ میں لفظ " گر " متروک نہیں تھا - مؤلف

دوست نے ہمیں شوق سے اس کلام کے اشاعت کی اجازت دیدی ۔ ہم بھی اُستاد اسیر مرحوم کی ایک ایک اصلاح کو تبرک سمجھ کر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس اصلاح میں اُستاد نے شاگرد کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کر کے اپنی اُستادی کا ثبوت دیا ہے۔

واقف: پھر رہے ہیں رات دن لیتے نہیں منزل پہ دم
قافلہ گُم ہو گیا شاید کہ مہر و ماہ کا

اصلاح: جستجو میں رات دن پھرتے ہیں دم لیتے نہیں
قافلہ گُم ہو گیا شاید کہ مہر و ماہ کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا اور باہم دونوں مصرعوں میں ربط پیدا ہو گیا —

واقف: خضر بہکانے جو آئیں راہ الفت میں تو کیا
کوئی رہبر ساتھ دیتا ہے کسی گمراہ کا

اصلاح: رہبری راہ محبت کی بہت دشوار ہے
خضر رکھتے ہیں وہاں سب نام ہر گمراہ کا

شاگرد کا شعر بہت اُلجھا ہوا تھا اُسی مفہوم کو اُستاد نے اپنے الفاظ میں کس حسن سے ادا کر دیا –

واقف: کیوں نہ دل زلفوں سے چھٹ کر چشم جاناں میں گرے
راہ رو کی موت ہے ظلمت میں ہونا چاہ کا

اصلاح: دل گرا چاہ ذقن میں آئی جب چہرے پہ زلف
راہ رو کی موت ہے ظلمت میں ہونا چاہ کا

اصل مصرع حضرت واقف کا کچھ نہ تھا - اصلاحی مصرع سے شعر با معنی و لطیف ہو گیا اب مصرع ثانی کو مصرعۂ اولیٰ سے ربط پیدا ہو گیا -

واقف: سراسر وصف موزوں ہے جو میرے ماہ کنعاں کا
کنواں کیونکر نہ بن بن جائے ہر ہر شعر دیواں کا

اصلاح: رقم شعروں میں مضموں ہے جو ہجر ماہ کنعاں کا
بیاض دیدۂ یعقوب ہے ہر صفحہ دیواں کا

جناب واقف کی ناواقفی کا زمانہ شاعری کی بسم اللہ تھی دونوں مصرعے بے ربط تھے اُستاد نے اِنھیں قافیوں میں اور نو آموز شاگرد کے خیالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کتنا حسین مطلع کہدیا کہ جس کی تعریف میں زبان و قلم دونوں قاصر ہیں۔ایسے ہی مواقعات پر اساتذہ کو مجبور ہوکر کہنا پڑتا ہے جب شعر میں گنجائش اصلاح نہیں دیکھتے —

واقف: کبھی گر شوق وحشت میں ہوا دید گلستاں کا
بنا لیتا ہوں اک گلدستہ میں خار مغیلاں کا

اصلاح: سلامت خون چھالوں کا بیاباں بھی گلستاں ہے
بنا لیتا ہوں ایک گل دستہ میں خار مغیلاں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں رنگینی پیدا ہوگئی۔اور باہم دونوں مصرعوں میں ربط پیدا ہوگیا —

واقف: کیا اُس ماہ وش نے جب کہ ساماں عید ملنے کا
مہ انور گلے مل کر بنا کنٹھا گریباں کا

اصلاح: نئی پوشاک جب اُس ماہ وش نے عید کو بدلی
گلے مل کر مہ انور بنا کنٹھا گریباں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ہوگئی۔گریباں کے کنٹھے کی مناسبت سے نئی پوشاک کی ضرورت تھی۔دوسرے مصرع میں تعقید تھی اُسے بھی رفع کیا—

واقف: یہاں تک اُس پری نے قید سمجھ دیوانے کو رکھا
کہ آخر سڑ کے خود ھی گر گیا دروازہ زنداں کا

اصلاح: ہوا وجہ رہائی بعد مدت اشک کا پانی
کہ آخر سڑ کے خود ھی گر گیا دروازہ زنداں کا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر ھوگیا اور ثبوت مصرع ثانی کا قوی ھوگیا —

واقف: وہ اُلجھن ھو شب فرقت کہ ھر تار نفس ٹوٹے
بگڑ جانا ھماری موت ھے زلف پریشاں کا

اصلاح: اُدھر ٹوٹتا کوئی بال اِس طرف تار نفس ٹوٹا
بگڑ جانا ھماری موت ھے زلف پریشاں کا

پہلا مصرعہ خوب بنایا گیا - مگر دوسرے مصرع میں پھر بھی ایک ھلکی سی تعقید رہ گئی - اِسے سہو نظر کے سوا اور کیا کہا جاے —

واقف: ھواے فصل گل آئی ھے کیا مجھکو ستانے کو
دھائی خرد بخود دیتا ھے کیوں دروازہ زنداں کا

اصلاح: ھواے فصل گل آئی ھے شاید میرے لینے کو
کھلا جاتا ھے ھر دم آپ ھی دروازہ زنداں کا

سبحان اللہ کیا اُستادانہ اصلاح دی - "شاید میرے لینے کو" اس ٹکڑے نے شعر کو کس قدر بلند کردیا اور پھر دوسرے مصرع میں "کھلا جاتا ھے ھر دم" کیا خوب بنایا - ھواے فصل گل کی مناسبت سے "دم" کا لفظ بھی بہت خوب ھے —

واقف: خوف ھے پنجۂ وحشت کی در اندازی سے
او مصور نہ بنانا مری تصویر میں ھاتھ

اصلاح: زور وحشت سے گریباں نہ کہیں چاک کرے
اُو مصور نہ بنانا مری تصویر میں ہاتھہ

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں زور پیدا ہوگیا - بندش چست ہوگئی - چاک گریباں کے لئے زور وحشت ہی کی ضرورت تھی۔

واقف: میں نے بلند نام ترا مہ لقا کیا
عنقا کیا کہر کو دہن کو ہما کیا

اصلاح: میں نے بلند نام ترا مہ لقا کیا
سائے کو تیرے سایۂ بال ہما کیا

جناب واقف کا دوسرا مصرع کچھہ نہ تھا - اُستاد نے مصرع ثانی کو ترمیم کرکے مصرعۂ اولیٰ کا صحیح مفہوم ادا کردیا - اس اصلاح سے شعر میں جو نزاکت پیدا ہوگئی وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

واقف: یہ کم مشقی تو دیکھو چھد گیا دل
جگر جب اُس کماں ابرو نے تاکا

اصلاح: نظر کا تیر دل نے بڑہ کے روکا
جگر جب اُس کماں ابرو نے تاکا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ معنی آفرینی کا ایک پر لطف حصہ بڑہ گیا "دل نے بڑہ کے روکا" اس ٹکڑے نے شعر میں ایک بانکپن پیدا کر دیا -

واقف: وہ شہسوار نہ دیکا جو اپنے کوچے میں جا
مرا غبار بھی ہر سو رواں دواں ہوگا

اصلاح: نہ اپنے دل میں جو دیکا جگہ وہ آئینہ رو
مرا غبار بھی ہر سو رواں دواں ہوگا

جناب واقف نے غبار کی رعایت سے شہسوار کہا تھا مگر اُستاد نے "آئینہ رو"

ہٹا کر شعر میں صفائی پیدا کر دی۔

واقف: تمہارا چاند سا مکھڑا جو دیکھ لوں گا کبھی
تو پارہ پارہ بدن صورت کتاں ہوگا

اصلاح: تمہارا چاند سا مکھڑا نظر جو آئے گا
تو ٹکڑے جامۂ تن صورت کتاں ہوگا

پہلے مصرع میں بجائے "جو دیکھ لوں گا کبھی" کے "نظر جو آئے گا" بنایا اور دوسرے مصرع میں "تو پارہ پارہ بدن" کو قلم زد کرکے "تو ٹکڑے جامۂ تن" لکھدیا۔ "تو پارہ پارہ بدن" برا تھا۔ کیونکہ صورت کتاں ٹکڑے جامۂ تن ہی ہوتا ہے۔ بدن نہیں ہوتا۔

واقف: جان دی ہم نے جو اے جان تمہارے غم میں
تم نے بھولے سے بھی ہم کو نہ کبھی یاد کیا

اصلاح: اِسی حسرت میں یہاں مرگئے مرتے مرتے
تم نے بھولے سے بھی ہم کو نہ کبھی یاد کیا

جناب واقف کا پہلا مصرع دوسرے مصرع سے منطبق نہ تھا اس لیے اُستاد نے دوسرا مصرع لگاکر شعر کو پر لطف کر دیا۔ "مرتے مرتے" یہ ٹکڑا اس شعر کی جان ہے۔

واقف: یہی دعویٰ ہے مسیحائی کا اے رشک مسیح
مرگئے ہم نہ مگر عشق کا آزار گیا

اصلاح: اے مسیحا یہی دعوائے مسیحائی ہے
مرگئے ہم نہ مگر عشق کا آزار گیا

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی و روانی پیدا ہوگئی۔ اصلاح نہیں اعجاز ہے۔

واقف: جیتے جی دوں گا پیام اُن کو نہ اب وصل کا میں
اُن کے ہر روز کے انکار سے میں ہار گیا

اصلاح: جیتے جی دونگا پیام اُن کو نہ اب وصل کا میں
اُن کے ہر روز کے انکار سے دل ہار گیا

مصرع ثانی میں بجاے "میں" کے "دل" بنایا حالانکہ "میں" بھی غلط نہیں مگر "دل ہار گیا" خاص اسی محل کا صرف ہے*-

---

* ہم اپنے محترم بزرگ جناب مرزا واجد حسین (واقف) داروغۂ شیش محل کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ موصوف نے ہماری نا چیز استدعا پر کئی قیمتی دن اپنے خراب کئے اور بڑی جستجو و تلاش کے بعد سنہ ۱۲۸۶ ہجری کے کاغذات نکالے جس کو ۶۰ سال کا زمانہ گزر گیا بحمداللہ کہ اصلاحیں کل محفوظ نکل آئیں اور میں نے نقل کرلیں اور اب حضرت واقف غزل کم کہتے ہیں- فن تاریخ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے - مادۂ تاریخ تو آپ فی البدیہہ کہدیتے ہیں - اگر آپ کی کل تاریخیں جمع کی جائیں تو بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ الف لیلہ سے ضخامت میں کم نہ ہوں - آپ نے فن تاریخ میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو غیر مطبوعہ ہے اگر چھپ جاے تو نہایت کارآمد و مفید ہو- آپ نے اپنے اُستاد حضرت اسیر مرحوم کی تاریخ وفات صنعت سیاق الاعداد میں لکھی ہے وہ یہ ہے، فرماتے ہیں:

اسیر کا ذکر کیا ہے واقف یہ ہے جہاں کا نظام برحق
خدا ہے برحق نبی ہے برحق نبی کا اُس کے کلام برحق
جئے ہزاروں برس بھی کوئی مگر قضا کا ہے دام برحق
نبود و نہ نام حق ہیں برحق دوازدہ ہیں امام برحق

سنہ ۱۲۹۹ ہجری

ادبی بات چیت*

۴ - روس (بسلسلۂ گذشتہ)

از

(جناب شاھد سہروردی صاحب)

پش‌کن کی طرح نکولائی واسی لی وچ گوگول (Nikolai Vassilievitch Gogol) بھی روس کی قومی ادبیات کا بانی ھے - اس کا فن اخلاقی حیثیت رکھتا ھے - اپنے قصوں کے افراد کی سیرتوں کا بیان وہ ظریفانہ اور طنزیہ پیرایہ میں کرتا ھے - یہ سیرتیں ایسی سیرتیں ھوتی ھیں، جو زندگی کی تاریک اور سلبی (نہ کہ ایجابی) سطحوں کے نیچے پائی جاتی ھیں - ان کی جو تصویریں وہ کھینچتا ھے، ان میں غم آلود تمسخر کا رنگ جھلکتا ھے؛ گویا یوں سمجھو کہ اس کی آنکھیں تو آنسو بہاتی ھیں، لیکن اس کے ھونٹوں پر مسکراھٹ کھیلتی ھے - وہ اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی کو اصلاح اور ترقی کی دعوت تو دیتا ھے، لیکن خود نہ اصلاح کو مانتا ھے اور نہ ترقی کا قایل ھے - چونکہ گوگول ھی وہ پہلا شخص تھا جس نے روسی ادبیات کی اس صفت حقیقت کو واضح کیا جو آج تک اسی طرح چلی آتی ھے، اس لئے اس کا اثر روسی ادبیات پر بہت گہرا ھوا - یہ دعوی تو نہیں کیا جاسکتا کہ حقیقت نگاری کے اعتبار سے گوگول سب سے پہلا مصنف ھے؛ لیکن

---

* اس ادبی بات چیت کا ترجمہ ابتدا سے مولوی سید وھاج‌الدین صاحب پروفیسر اوونگ‌آباد کالج نے فرمایا ھے—

اس کی بڑی تعریف یہ ہے کہ اس نے ادبیات میں حقیقت پسندی کے رجحان کو نمایاں جگہ دی' اور اس طرح اسے زندگی کے حقائق سے نزدیک تر کر دیا—

نکولائی واسی لی وچ گوگول کی ولادت پل تاوا (Paltava) کے نزدیک ایک مقام "سے روسنت زی" (Sarocintzy) میں ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۰۹ کو واقع ہوئی۔ اس کا باپ ایک قدیم کاسک خاندان کا رکن تھا' اور ادبیات کا تھوڑا بہت ذوق بھی رکھتا تھا؛ لیکن چونکہ گوگول کے سر سے اس کا سایہ بچپن ہی میں اُٹھ گیا' اس لئے اپنے بیٹے پر وہ کچھہ زیادہ اثر نہ ڈال سکا۔ گوگول کی ماں ایک نیک دل اور عبادت گزار عورت تھی' لیکن ضرورت سے زیادہ ذکی الحس بھی تھی۔ گوگول کی بے انتہا حساس فطرت' اور گہری مذہبیت: یہ اسے اپنی ماں ہی سے ترکے میں ملے ہیں—

دس برس کی عمر میں وہ پل تاوا کے ایک مدرسے میں داخل ہوا' لیکن دو سال بعد وہ نی گن (Niegin) کے "مدرسۂ علوم عالیہ" School of Superior Sciences میں شریک ہوگیا۔ وہ کچھہ زیادہ محنتی نہ تھا' اور اس کے اُستاد اسے غبی خیال کرتے تھے۔ اسے اگر کسی چیز کے مطالعہ میں دلچسپی تھی' تو صرف تاریخ میں' لیکن ابتداے عمر ہی سے اس میں فن لطیف کے مطالعہ کا ذوق بھی موجود تھا۔ اسے ڈرائنگ کے ساتھہ خاص شغف تھا' اور تھیٹر کا بھی اسے بہت شوق تھا۔ اس کے مدرسہ میں ایک تھیٹر بھی تھا' اور گوگول اس میں اکثر حصہ لیا کرتا تھا اور عام طور پر مزاحیہ روپ بھرا کرتا تھا۔ مدرسہ سے ایک قلمی رسالہ بھی نکلا کرتا تھا' اور اس میں بھی وہ مدد دیا کرتا تھا۔ سنہ ۱۸۲۸ع میں اس کے مدرسے کی تعلیم ختم ہوگئی' اور اسی سال وہ سیول سروس میں شریک ہونے کی غرض سے سینٹ پی ٹرس برگ [St. Petersburgh] چلا گیا۔ لیکن یہ خدمت اسے کچھہ زیادہ پسند نہ آئی' اور اس نے کئی مرتبہ اپنا پیشہ تبدیل کیا۔ پہلے وہ تھیٹر میں شریک ہونا اور ایکٹر بننا چاہتا تھا' لیکن وہ روس

سے باہر سیاحت کے لئے چل کھڑا ہوا ' اور بالآخر ادبیات کو اپنا شغل قرار دیا -
سنہ ۱۸۲۹ع میں اس نے آلوف [Allov] کے فرضی نام سے ایک منظوم دیہاتی قصہ موسوم بہ ہینز کوشل گارٹن [Hanz Kuchelgarten] لکھا لیکن تنقید نگاروں نے اس نظم کی خوب دھجیاں اُڑائیں نتیجہ یہ ہوا کہ اس من چلے مبتدی نے اس کی تمام جلدیں اکٹھا کیں اور اُن میں آگ لگادی مگر اس سے اس کا دلی جوش سرد نہ پڑا - اسے اپنے پیشے (ادبیات) پر پورا پورا اعتقاد تھا ' اور چونکہ وہ ایک مذہبی شخص تھا' اس لئے وہ مصائب کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آزمائشیں ہیں جن سے میری روح کو اور تقویت حاصل ہوگی؛ اور اس خیال سے وہ انھیں صبر کے ساتھہ برداشت کیا کرتا تھا - روسی ادبیات کا مطالعہ کرتے وقت اس چیز کے دیکھنے کی بڑی ضرورت ہے کہ مشہور روسی مصنفوں کی خلاق ذہنیت کن مذہبی بنیادوں پر مبنی ہے—

گوگول کی دوسری ادبی کوشش اپنے وطن روس خورد یعنی اکرے نیا [Ukrania] کا حال لکھنے کے متعلق تھی - یہ حصہ اپنی بوقلمونی ' اور قدیم رسم و رواج کی فراوانی کی وجہ سے ممتاز ہے اور گوگول کو اس کے ساتھہ سچی محبت تھی - جو افسانے اس نے اس سلسلے میں لکھے وہ اس کی پہلی مشہور کتاب [The evnings at the farm near Dikanda] کا جز ہیں—

اپنے ادبی مشاغل کی وجہ سے اُسے کئی ہم عصر مصنفین اور شعرا سے ربط ضبط بڑھانے کا موقع ملا ان نئے دوستوں نے اس کی ذکاوت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا' اور انھی کی مدد سے وہ امیروں کے گھروں میں خانگی طور پر پڑھا کر ' نیز "آدارۂ وطنی " [Patriotic Institute] کا مدرس بن کر کسب معاش کرنے لگا - سنہ ۱۸۳۱ ع کے موسم بہار میں گوگول کی شناسائی پش کن سے ہوئی - اس دوستی کا ' نیز اس ادبی حلقے کا جو پش کن کے گرد و پیش رہا کرتا تھا ' گوگول پر بہت کچھہ اثر ہوا - پش کن کی تنقیدوں ہی کی وجہ سے اِس کو یہ معلوم

ہوا کہ مجھہ میں عوام کی روز مرہ کی زندگی کے مشاهدے اور اس کے بیان کرنے کا خاص ملکہ ہے - گو گول اپنی تمام ادبی تجویزیں ہمیشہ پش کن کے سامنے پیش کردیا کرتا تھا ' اور اس کے مشورے کے بغیر کوئی تصنیف شروع نہ کرتا تھا - اس کے دو بہترین افسانوں Inspector General اور "Dead Souls" کے پلاٹ پش کن ہی کے بتائے ہوئے ہیں —

پش کن سے تعارف پیدا کرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد گو گول کی پہلی تصنیف شایع ہوئی- اس کی معصومانہ ظرافت اور شاعرانہ حساسیت پش کن کو بہت پسند آئی - عوام نے بھی اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھہ لیا - یہ اور اس کے بعد کے چند سال گوگول کی زندگی کے بہترین سال تھے - دولت صحت کے ساتھہ اسے خوش حالی بھی نصیب تھی ' اور روس کے مشہور ترین ادبی حلقے میں اس کو شہرت اور عزت حاصل تھی - اِس زمانے میں اسے صرف ایک ناکامی ہوئي اور وہ یہ تھی کہ اس نے یونیورسٹی کی ملازمت کی کوشش کی اور اسے تاریخ کی پروفیسری دے بھی دی گئی ؛ لیکن اس مضمون کے متعلق اس کی معلومات بہت ناکافی تھیں' چنانچہ ایک ہی سال کے بعد اسے مجبوراً یہ جگہ چھوڑ دینی پڑی - اس واقعہ کے بعد اس نے خود کو تمام و کمال ادبیات کے لئے واقف کردیا ' اور یہ سمجھنے لگا کہ اپنے ملک کی روشن خیالی کو بڑھانے کا اگر کوئی طریقہ میرے پاس ہے تو وہ صرف ادبی خدمت ہی ہے —

سنہ ۱۸۳۵ ع میں اس نے افسانوں کی دو کتابیں "Arabesque" اور Mirgorod شایع کیں [Mirgorod ایک شہر کا فرضی نام ہے اور اس کے معنی شانتی پور یا بلدالامن کے ہیں] ان میں سے آخرالذکر مجموعے میں گو گول کی سب سے پہلی ضخیم ادبی کوشش یعنی تاراس بلبا [Taras Bulba] نام کا قصہ ہے ' اور اس مطالعہ کا نتیجہ ہے جو اس نے جنوبی روس کی تاریخ کا کیا تھا - پہلے مجموعے یعنی Arabesque میں گوگول نے " ازمنۂ وسطیٰ" پش کن کی شاعری "اکیورین گیٹ"

[Ukranian songs] " فن عمارت " وغیرہ پر متعدد مضامین لکھے ہیں —

سنہ ۱۸۳۵ ع میں گوگول نے اپنا مشہور بزمیہ "انسپکٹر جنرل" لکھا۔ چونکہ اس میں اضلاع کے ادنیٰ عمال پر چوٹیں کی گئی تھیں، اس لیے ان لوگوں میں، جو اس کا نشانہ بنے تھے، اس بزمیہ کے خلاف غصہ و غضب کا ایک طوفان بپا ہوگیا؛ اور اگر شہنشاہ نکولس (Nicholas) اول ذاتی طور پر اس کی حمایت نہ کرتا تو شاید اس کے اسٹیج پر کھیلے جانے کی اجازت بھی نہ ملتی۔ لیکن چونکہ ایکٹر جیسے ہونا چاہئیں ویسے نہ تھے، اور نہ عوام اسٹیج پر حقیقت نما سین دیکھنے کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے اس ہجو کی اصلی معاشرتی اہمیت کو سرے سے سمجھا ہی نہیں، اور اسے ایک مضحکہ خیز نقل سمجھ بیٹھے۔ اس سے گوگول کی بڑی دل شکنی ہوئی اور اس نے باہر جانے کا تصفیہ کرلیا تاکہ وطن کے خرخشوں سے دور رہ کر اُسے نئی معنی آفرینیوں کا موقع مل سکے—

سب سے پہلے وہ جے نے وا (Geneva) گیا، اور یہیں اس نے اپنی زبردست تصنیف "The Dead Souls" (مردہ روحیں) شروع کی۔ اسے سوئٹزرلینڈ پسند نہ آیا۔ وہاں سے وہ پیرس گیا، اور اس تصنیف میں مشغول رہا۔ یہاں اسے فرانسیسی تھیٹر کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوگئی، اور اس نے فرانسیسی ایکٹروں کے کھیل کو بہت پسند کیا۔ پیرس میں اس کے قیام کا زمانہ ختم ہونے کو تھا کہ اسے پشکن کے انتقال کی خبر ملی۔ اس کے متعلق اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے "میری زندگی، اور میری سب سے بڑی مسرت؛ یہ بھی اُس کے ساتھ دنیا سے اُٹھ گئی ہیں"۔ یہاں سے وہ اٹلی گیا، جہاں کے حسین مناظر، فن لطیف کی یادگاروں، اور ماضی کے تاریخی واقعات نے اُسے موہ لیا، اور اس کی زخم خوردہ روح کو یہاں کچھ سکون نصیب ہوا۔ اٹلی کی زندگی اور روس خورد کے رسم و رواج میں اسے ایسی مشابہت نظر آئی کہ اس نے اکثر اسے اپنا دوسرا وطن کہا ہے۔ اسے روم سب سے زیادہ پسند تھا، اور اُس کے اِس زمانے کے مکتوبات جوش اور

خوش دلی کی کیفیتوں سے لبریز ہیں' روم کی روسی نو آبادی میں وہ مشہور روسی مصور آی وے نوف (Ivanoff) سے ملا' اور آپس میں دوستی ہوگئی۔ یہ مصور اس زمانے میں اپنی مشہور تصویر "Christ before the Crowd" (حضرت عیسی مجمع عام میں) تیار کر رہا تھا۔ اس بارہ سال کے عرصے میں جو گوگول نے پردیس میں بسر کیے' وہ صرف دو مرتبہ روس گیا۔ سنہ ۱۸۴۰ ع میں وہ وائنا میں بہت سخت بیمار پڑا' اور یہ سمجھ کر کہ اب میری زندگی کے دن اخیر ہیں اس نے اپنا وصیت نامہ بھی تیار کرلیا۔ اس بیماری کا اثر اس کی آئندہ زندگی پر بہت گہرا ہوا' پہلے کی جیسی صحت اس کو دوبارہ نصیب ھی نہ ہوئی۔ اس کے مزاج میں افسردگی نے گھر کر لیا' اور اپنے پیشے کے متعلق بھی اس کے دل میں شبہات گھر کرنے لگے۔ اس پر تصوف کا رنگ چڑھنے لگا' اور اس نے اپنی پرانی تصنیفات کو معصیت آمیز سمجھنا شروع کردیا۔ اپنے متعلق اب اسے یہ خیال پیدا ہوگیا کہ میں حقائق الہی کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس زمانے میں جو خطوط اُس نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں' ان میں وعظوں کی شان آگئی ہے۔ سنہ ۱۸۴۷ ع میں اس نے "Passages Selected from Correspondence with friends" (اقتباسات از خطوط بہ احباب) کے نام سے مذہبی' اخلاقی اور معاشری مضامین کا ایک سلسلہ شایع کیا۔ اس کو امید تھی کہ اس کتاب سے معاشرت کی اصلاح ہوجاے گی؛ لیکن اس کے مخلص ترین احباب نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ ایسے موضوع پر قلم اُٹھانا اس کی استعداد سے بالا تر ہے' اور وہ اسے بے جا غرور سے تعبیر کرنے لگے۔ اپنی اس تصنیف میں گوگول انسانی روح کی فاعلیت پر زور دیتا ہے' اور تمام معاشرتی اداروں کو مضر خیال کرتا ہے کیونکہ (اس کے خیال میں) ان اداروں کی وجہ سے انسان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ نجات کے مسئلے پر غور کر سکے—

سنہ ۱۸۴۸ ع میں گوگول زیارت بیت المقدس سے مشرف ہوا' اور وہاں سے واپس آکر اپنی تصنیف "مردہ روحیں" میں پھر مشغول ہوگیا۔ لیکن اس کی

قوت گھٹ چکی تھی' اور اس پر آٹھوں پہر افسردگی کا غلبہ رھتا تھا۔ اسی غلبہ سے متأثر ھوکر اس نے "Dead Souls" (مردہ روحیں) کی دوسری جلد جو مطبع میں جانے کے لیے تیار ھوچکی تھی جلا دی' اس واقعہ کے چند ھی دن بعد فروری سنہ ۱۸۵۲ ع میں اُس کا ماسکو میں انتقال ھوگیا —

گوگول نے اپنی تصنیفات کا مواد زیادہ تر اپنے ذاتی مشاھدوں' نیز اوکرےنیا (Ukrania) میں جو ایام طفولیت اس نے بسر کیے ان کی یاد داشتوں سے لیا ھے۔ اپنی ماں کے خطوط سے بھی اس نے مواد اخذ کیا ھے' کیونکہ وہ ھمیشہ اپنے خطوں میں مقامی رسموں' توھمات' پرانے لباس' عام پسند کھیلوں اور تفریحوں' نیز مقبول عام گیتوں اور پریوں کی کہانیوں کا بیان کیا کرتی تھی۔ اس کی پہلی کتاب "The Eevnings at the Form on Dicanda" [جو "The night of may" "The Chirstmas Eve" "Sorotchinsky Fair" (سروچن سکی فیر) اور دوسرے مختصر افسانوں کا سلسلہ ھے] عام پسند خیالی باتوں سے بھری پڑی ھے۔ اس میں جادوگرنیوں' اور بنات البحر* کا بیان' نیز ان چالبازیوں کا ذکر ھے جو ظریف لوگ موٹی مگر بیوقوف بھوتوں کے ساتھہ کرتے ھیں۔ مناظر قدرت اور رسومات کا جو بیان اس نے کیا ھے وہ بہت شاعرانہ اور رنگ اور ظرافت سے لبریز ھے۔ اس کے قصوں کے افراد بجاے اس کے کہ ذاتی یا شخصی حیثیت رکھتے ھوں' بسا اوقات بہت زیادہ مثالی ھوتے ھیں' اور بد قسمتی سے ان کی جو گفتگو وہ لکھتا ھے' وہ زیادہ تر ادبی زبان میں ھوتی ھے —

گوگول کی دوسری تصنیف Mirgorod بھی افسانوں ھی کا سلسلہ ھے۔ ان افسانوں میں اب وہ اگلی سی خوشدلی نہیں پائی جاتی۔ اب وہ ھجویہ پیرایہ میں چھوٹے چھوٹے اور دور دراز کے قصبات کی رکیک اور جاھلانہ

* Mermaids ایسی بحری مخلوق جن کا چہرہ انسانوں کا سا اور دھڑ مچھلیوں کی طرح ھوتا ھے۔ مترجم

زندگی کا خاکہ اڑاتا ہے - اس مجموعہ کا ضخیم ترین اور سب سے زیادہ اہم قصہ Taras Bulba (تارس بلبا) ہے - اگر چہ گوگول کبھی تاریخی سنین کا حوالہ نہیں دیتا اور نہ ایسے افراد کا نام قصوں میں لاتا ہے جو تاریخی حیثیت سے اہم ہیں ' پھر بھی یہ قصہ ایک تاریخی افسانہ کہے جانے کا مستحق ہے ' اور یہ اس وجہ سے کہ اس میں مصنف نے اوکرے نیا کی تاریخ کی عام حیثیت ' اور اس کے اہم واقعات پر نظر ڈالی ہے - اس میں اُس نے کاسکوں کی زندگی کے سوز و گداز ' ان کی شجاعت ' عیاشیاں ' ان کا عشق آزادی ' ان کی آرزووں اور امنگوں ' غرض کہ ان تمام باتوں کا ذکر کیا ہے جو اوکرے نیا کے بے شمار مقبول عام گیتوں میں بیان کی گئی ہیں - اس نے ان کو ترکوں کے مقابلہ میں آبائی وطن اور آبائی مذہب کا محافظ قرار دیکر بہت کچھ سراہا ہے ' لیکن یہ ستائش مبالغہ آمیز ہے —

اپنی تصنیف The stories of life in St. Petersburg میں جو حسب ذیل اعلی درجے کے ادبی فسانوں پر مشتمل ہے : جیسے " The Cloak " The Nose " " The memoirs of a mad man " وغیرہ ' اس نے ادنی عمال سلطنت کی زندگی بیان کی ہے - اس کا علم اسے سیول سروس میں تھوڑے دنوں تک رہنے کی وجہ سے حاصل ہوا تھا - نفسیاتی اور ادبی نقطۂ نظر سے یہ افسانے مذکورۂ بالا افسانوں سے بلند تر درجہ رکھتے ہیں - اس کا قصہ " The cloak " (لبادہ) جس میں ایک معمولی عہدہ دار اپنی تھوڑی تھوڑی آمدنی جوڑ کر ایک لبادہ تیار کراتا ہے - لیکن رات کے وقت راستہ میں لوگ اسے لوٹ لیتے ہیں ' سارے روسی ادب میں ' سب سے زیادہ چبھتا ہوا ' انسانی زندگی سے نزدیک تر ' اور سب سے زیادہ مزیدار قصہ ہے —

سنہ ۱۸۳۳ ع میں گوگول نے ' جسے تھیٹر کا ہمیشہ جنون سا رہا ' اور جس نے اپنے زمانے کے کھیلوں کے تصنع کی وجہ سے بہت کچھ نقصان اُٹھایا - اپنا

بزمیه " The marriage " (شادي) لکھا - اس کے بعد اس نے کچھہ اور ڈرامے بھی لکھے جیسے " The morning of a man of business " (کاروباری آدمی کی صبح) اور " The Law suit " (مقدمہ) لیکن یہ پہلے بزمیہ کی طرح کامیاب نہ ہوئے —

" The Marrigae " (شادی) نام کا جو ناٹک اس نے لکھا ہے ' اس میں وہ ایک عہدہ دار سلطنت کی زندگی بیان کرتا ہے - یہ شخص ایک اچھی خدمت پر فائز ہے اور اب تک مجرد ہے - وہ بہت پھٹے حالوں رہتا ہے اور اس کا گھر ہر قسم کے آرام سے محروم ہے - اس کا جی تو شادی کرنے کو بہت چاہتا ہے ' لیکن کسی کو پیغام دینے کی اس کو ہمت نہیں پڑتی - اب وہ ایک عورت کو اپنے یہاں نوکر رکھتا ہے ' جو اس کے لئے شادیاں ٹھیراتی پھرتی ہے - یہ بزرگ جب اپنی کسی نئی نسبت کا ذکر سنتے ہیں تو بہت کچھہ جوش ظاہر کرتے ہیں لیکن جب در اصل پیغام دینے کا وقت آتا ہے ' تو گھبرا کر اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں - ان کے ایک دوست " کوچ کاریف " ہیں ' یہ اتنے شرمیلے نہیں ہیں ' بلکہ بہت پر جوش ' دون کی لینے والے ' ہر معاملے میں دخل در معقولات کرنے والے اور دروغ بات واقع ہوے ہیں - یہ صاحب ہمارے ہیرو کو زبردستی ان کی ایک ہونے والی دلہن کے گھر میں داخل کر دیتے ہیں ' اور اب شادی ہوا ہی چاہتی ہے - دلہن تاجروں کے گھرانے کی ایک موٹی لڑکی ہے ' اور اس نے کئی چاہنے والوں میں سے ہمارے ہیرو کو منتخب کیا ہے - لیکن ادھر دلہن اپنا عروسی جوڑا پہننے کے لئے جاتی ہے اور دوست دعوت کا انتظام کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے ' اور اِدھر یہ بزرگ کھڑکی پھاند کر ایسے بھاگتے ہیں کہ پھر اُن کا پتہ ہی نہیں چلتا - یہ ڈراما ظریفانہ واقعات سے بھرا ہوا ہے ' سیرت نگاري کے اعتبار سے بہت واضح ہے ' اور اُس کی تمثیلی (Theatrical) کاریگری بہت اعلیٰ درجہ کی ہے —

لیکن گوگول کا سب سے زیادہ مشہور کھیل "The Revisor" یا "The inspector General" ہے - اضلاع میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے - یہاں کے سب عہدے دار اپنے فرائض کی طرف سے غافل ہیں - اتنے میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ انسپکٹر جنرل صاحب معائنہ کے لئے آنے والے ہیں - اس خبر کو سن کر ہر شخص سراسیمہ ہو جاتا ہے - تمثیل نگار نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان افراد کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے - انسپکٹر جنرل آتا اور یہاں رہتا ہے لیکن وہ اصلی انسپکٹر جنرل نہیں ہے - بلکہ نقلی ہے - یہ شخص ایک مجہول الاحوال شخص ہے اور جہالت ' بد مذاقی ' اور دروغ بافی کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے - اب اتنا ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کے آنے کا جو پر اسرار اثر قصبے کے عمال پر پڑا ہے اس سے گوگول جیسے صاحب فن نے اپنے ڈرامے میں کیا کچھ کام نہ لیا ہوگا - اس کا نام Khlestiakov (خلیس تا کوت) آج روس میں ڈینگ ' جعل ' جہالت اور فریب دھی کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے - جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ان لوگوں میں جو اس ڈرامے کے ہدف بنائے گئے تھے ' یہ کھیل بالکل مقبول نہ ہوا - اپنی کتاب " Departure from the Theatre " (تھیٹر سے گریز یا انحراف) میں گوگول نے اس کی حمایت کی ہے اور ظرافت کے متعلق کہا ہے کہ انسان کے پاس اصلاح اور ترقی کا سب سے بڑا آلہ یہی ہے - اس کی ظرافت بہت زیادہ تیز ' اور اکثر اوقات تلخ ہوتی ہے - گوگول کے ظاہری مذاق اور قہقہوں کے پیچھے سنجیدہ اور غم آلود حقایق کی لہر دوڑتی رہتی ہے —

انسپکٹر جنرل تو خیر ایک ناٹک ہے اور آج بھی بہت کچھ مقبول ہے' لیکن اس کے علاوہ گوگول کی سب سے بڑی تصنیف " The Dead Souls " [مردہ روحیں] ہے' یہ کتاب اس قابل ہے کہ روسی ادبیات اور افکار کا ہر پڑھنے والا اسے پڑھے اور مطالعہ کرے - اس کی موسیقیت اور جذبی حسیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کی اکثر عبارتوں کو نثر کی شاعری کہا جاسکتا ہے - مصنف اپنے زمانے کی

معاشرت پر ایک رزمیہ [Epic] لکھنا چاھتا تھا ' اور اس غرض سے اس نے تین داستانوں کی ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا - پہلے حصے میں انسانوں کے ایسے نمونوں کے بیان کرنے کا خیال تھا جنھیں روسی "سلبی نمونے" کہتے ھیں : یعنی ایسے لوگ جن کی کمزوریاں اور نقائص اتنے زیادہ ہوتے ھیں کہ ان کی اچھی صفات پر بھی پردہ پڑجاتا ھے - دوسری کتاب میں خیر و شر کا معرکہ دکھانے کا قصد تھا ' اور تیسری کتاب میں روسی روح کے ان جوھروں کے دکھانے کا خیال تھا جو شریفانہ اور اعلی درجہ کے روسیوں میں پا ئے جاتے ھیں - جیسا کہ ہم دیکھہ چکے ھیں ; گو گول نے صرف پہلی کتاب ھی شایع کی' اور دوسری کتاب اپنے مرنے سے چند روز پہلے غارت کردی - اس واقعہ کی توجیہ آسانی سے ہوسکتی ھے - بات یہ ھے کہ اس کا رنگ تلخ ھجو یہ قسم کا تھا ' اور جتنی خوبی کے ساتھہ وہ کسی بات پر چوٹ کرسکتا تھا ویسی ھی خوبی کے ساتھہ اُس کی حمایت نہ کرسکتا تھا - چنانچہ جب وہ " ایجابی " نمونوں کا ذکر کرتا ھے تو اس کا رنگ خشک اور ناصحانہ ھو جاتا ھے - چاسر (Chaucer) , دانتے (Dante) اور دوسرے شعرا کے رزمیوں کی طرح "Dead souls" کا خاکہ بھی بہت ذکاوت کے ساتھہ تیار کیا گیا تھا -چی چی کوف (Chichi kov) نامی ایک روسی قسمت آزما جس کی زندگي کا مقصد صرف روپیہ کمانا ھے' تمام روس کي سیاحت کرتا ھے' اور جا بجا ایسے غلام خریدتا پھرتا ھے جو مر تو چکے ھیں ' لیکن حکام کے دفتروں میں اُن کی موت کا کوئی اندراج نہیں ھے - یہی مردہ غلام " مردہ روحیں " ھیں- غرض کہ اس طرح وہ ایسے غلاموں کی ایک کثیر تعداد کا آقابن جاتا ھے 'جو کوئی خارجی وجود رکھتے ھی نہیں ' اور غلاموں کی اس فوج کو دوسروں کے ھاتھوں رھن رکھکر روپیہ وصول کرتا ھے - اپنے قصے کے اس خاکے کی بدولت گو گول کو راہگیروں ' سرا ے والوں ' دیہاتیوں ' چھوٹے چھوٹے شہروں میں رھنے والوں غرض کہ روس کی وسیع سملکت کے ھر قسم کے لوگوں کا حال بیان کرنے کا موقع

هاتهه آتا هے - اس کے اس قصے کے اکثر افراد ضرب المثل هوگئے هیں اور زندگی اور ادبیات دونوں میں ان کی حیثیت ایسے نمونوں کی سی هو گئی هے جو بعض خاص خاص نفسیاتی خصوصیتیں رکھتے هیں، خود چی چی کوف بڑا شریر، مکار، للو پتو کرنے والا، لاأبالی، ملنسار اور دوسروں کے ساتهه معاملہ کرنے میں پورا استاد هے، اور پهر ان صفات کے ساتهه امیر بننے کا شوقین - ایک اور شخص مانی لوف (Manilov) هے - یہ ایک مجهول الاحوال شخص هے جو کسی کو کچهه نقصان نہیں پہنچاتا، اس لئے کہ وہ کچهه کرتا هی نہیں هے، اور جوش، زندگی، مقصد هر چیز سے خالی هے - مانی لوف کا پڑوسی سباکی وچ (Sabakievitch) ایک دوسرا هی نمونہ هے، وہ بہت هٹا کٹا، پهوهڑ، افسردہ دل اور بازاری آدمی هے - لالچ اس کی خاص صفت هے - لیکن اس کے ساتهه هی ساتهه وہ کسان اعلیٰ درجہ کا هے اور یہ سمجهتا هے کہ میرے غلاموں کی حالت اچهی هوگی تو میرا هی فائدہ هوگا - کروبوچ کا (Korobochka) ایک بیوہ عورت هے، جو همیشہ اپنی بے بسی کا رونا رویا کرتی هے لیکن اپنے مطلب کی بڑی هوشیار هے - پلوش کن (Plushkine) ایک افسردہ دل، شکی مزاج اور تباہ حال شخص هے جو همیشہ خود فاقوں مرنے اور اپنے بچوں کو فاقوں مارنے کے لئے تیار رهتا هے - نوزدریف (Nazdrev) اس وسیع اور متغیر سیرت کا نمونہ هے جو روسیوں میں خاص طور پر پائی جاتی هے - وہ بڑا شہ خرچ، رنگین مزاج اور مہمان نواز هے، تباهی کی طرف بے تکان بڑها چلا جا رها هے، لیکن کیا مجال کہ کل کی فکر پاس بهی آنے دے - غرض کہ ان میں اور انهیں کے جیسے قصے کے دوسرے افراد میں آپ کو اس روس کی جهلک نظر آسکتی هے جس نے موجودہ روس کے لئے اپنی بہت سی خصوصیتیں ترکے میں چهوڑی هیں —

مرژکو وسکی (Merejkovsky) نے جو زمانۂ حال کا مشہور ترین روسی مصنف اور نقاد هے گوگول پر ایک کتاب موسومہ "Gogol & the Devid" (گوگول اور ابلیس)

لکھی ھے - اس میں اُس نے وہ فرق دکھانے کی کوشش کی ھے جو گوگول کی اوپری ظرافت میں اور اس کے نیچے کی الم رسیدہ، شکی، بے سولس و یاور اور متجسس روح میں پایا جاتا ھے - گوگول کی "مردہ روحوں" کو پڑھ کر پشکن کی آنکھوں میں آنسو بھر آے تھے، اس لئے کہ اس کتاب کی بدولت روسی زندگی کی وہ حقیقتیں پہلي مرتبہ اس کی نظر کے سامنے آئیں جنھیں وہ اپنی خلوت کے بلند مینار پر بیٹھہ کر دیکھہ ھی نہ سکتا تھا - گوگول کی ھستی [جس کا اثر داس تواِسکی (Dostoievisky) پر پڑا] ادبیات کی مغموم ترین ھستیوں میں سے ھے، اور ساتھہ ھی ساتھہ بہت کچھہ اصلی انسانی ھستی بھي - وہ زبردست روحاني خلش جو ھمیشہ روسی مصنفوں اور اصحاب فن کے دلوں میں موجود رھتي ھے، اس کے زمانے سے شروع ھوتی ھے - اسي طرح سے آلام و مصائب میں گرفتار رھنا، اور ناکامیوں، گناھوں، اور قابل نفرت جگھوں میں خدا کا جلوہ دیکھنا (جو ھمیشہ سے دوسروں کے مقابلے میں روسیوں کے فن کي امتیازی خصوصیت رھا ھے) - اس کا آغاز بھی گوگول ھی کے زمانے سے ھوتا ھے —

مرھٹی لٹریچر میں سوانح عمریاں

از

(جناب مسٹر ڈی - بی کامت صاحب بی - اے، بی ٹی)

ھندؤں میں سوانح عمری لکھنے کا رواج نہ تھا اگرچہ مہا بھارت کے زمانے کے مشہور لوگوں کے سوانح اس رزمیہ میں پائے جاتے ھیں مگر وہ نا ممکن اور خلاف قیاس باتوں سے بھرے پڑے ھیں، اس لئے ھم ان کو حقیقی معنوں میں سوانح عمری نہیں کہہ سکتے - یہ کہا جاتا ھے کہ مہا بھارت اور رامائن کے سورماؤں کے کارناموں نے مرھٹوں کے سردار سیوا جی میں بڑے بڑے کام کرنے کا جوش پیدا کیا - مرھٹوں کے گھروں میں اب بھی مہا بھارت اور رامائن کا قصہ روزانہ پڑھا جاتا ھے - شاید اس خیال نے کہ معمولی انسان کی زندگی اس قابل نہیں ھے کہ تحریر کی جائے، مرھٹی میں سوانح عمری لکھنے کا رواج نہیں ھونے دیا - مسلمانوں کے تعلقات کے بعد سترھویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی کی ابتدا میں ''بکھر'' یا تاریخی حالات لکھے گئے - سیوا جی کے متعلق پہلا بکھر سیوا جی کے دوسرے بیٹے راجہ رام (۱۶۸۹ تا ۱۷۰۰) کے کسی درباری نے (شاید خود راجہ کے حکم سے) لکھا ھے - اٹھارویں صدی کے اختتام تک راجاؤں اور پیشواؤں کے بکھر لکھے گئے ھیں، لیکن ھم یقینی طور پر ان بکھروں کو سوانح عمریاں نہیں کہہ سکتے - جسے ھم آج کل سوانح عمری کہتے ھیں پچاس برس قبل مرھٹی میں اس کا نام و نشان نہ تھا - لیکن اس زمانے کے بعد کچھہ کچھہ اس کا آغاز ھوا اور پھر اس کی رفتار ذرا تیزی سے بڑھنے لگی اور اب

اس زبان میں ہندوستان کے اور دوسرے ملکوں کے نامور اشخاص کی سوانح عمریوں کی تعداد (۵۵۰) ہے - ہندو سادھؤں اور اوتاروں کی زندگی پر لکھی ہوئی کتابیں (۱۶۵) کے قریب ہیں اور (۲۵) یا زیادہ عیسائی اولیا پر' تقریباً (۳۰) کتابیں جین 'بدھ' اسرائیلی اور اسلامی فقرا و اولیا پر ہیں-اس سے یہ ظاہر ہے کہ دوسو یا اس سے زیادہ کتابیں تمام مذہب کے بزرگوں پر لکھی گئی ہیں —

ایسے سیاسي اشخاص کی زندگی جن کا تعلق ہندوستان کے سیاسی معاملات سے سنہ ۱۸۱۸ ع تک رہا ہے تعداد میں کم از کم (۲۵) ہیں - مرہٹی زبان کو فخر ہے کہ ۱۸۱۸ ع کے بعد کے مشاہیر پر سو کتابیں لکھی گئی ہیں از غیر ملک والوں پر (۷۰) - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب نے لکھنے اور پڑھنے والوں کے دلوں پر کیسا سکہ جما رکھا ہے کیونکہ سیاسی مدبروں اور حکمرانوں کی سوانح عمریاں مذہبی پیشواؤں کی سوانح عمریوں سے بہت کم ہیں - غیر ملک والوں پر ابھی تک بہت کم کتابیں لکھی گئي ہیں - شاید ہمارے خیالات میں ابھی اتنی وسعت پیدا نہیں ہوئی ہے —

تعداد کا لحاظ کیا جائے تو ساڑھے پانسو کتابیں کچھہ کم نہیں اور بظاہر یہ تعداد ہمت افزا معلوم ہوتی ہے ' لیکن صرف تعداد ہی ایک چیز نہیں جو قابل لحاظ ہو؛ ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ لکھنے والے نے سوانح عمری کا حق ادا کیا ہے یا نہیں اور اس نے بغیر تعصب اور تنگ دلی کے ان اشخاص کی زندگی کی صحیح تصویر کھینچی ہے یا نہیں - ایک عام معیار ایسے سوانح کا یہ ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس زمانے کے حالات اور معاشرت کا نقشہ پھر جائے اور یہ معلوم ہو کہ جیتی جاگتی تصویریں ہمارے سامنے پھر رہی ہیں اور ہم خود ان میں شریک ہیں —

تاریخی اشخاص کی سوانح عمریاں

مسٹر واسدیو گوبند آپٹے نے اشوک کی زندگی لکھی ہے اور مسٹر ونایک کوند دیو اوک (Vinayak kord Dev ok) نے ایک کتاب سکندراعظم پر - یہ دونوں مورخ کوئی معمولی

شخص نہیں ہیں ' دونوں مشہور مؤلف اور مصنف ہیں - یہ دونوں کتابیں جدید تحقیقات کے بعد اور ونسنت سمتھہ (Vincent Smith) کی ہندؤں کی قدیم تاریخ سے پہلے لکھی ہوئی ہیں - پر تھی راج کی سوانح عمری راؤ بہادر گوپال راؤ ہری دیسمکھہ نے لکھی ہے ' لیکن اس کتاب کی بنیاد اصل تاریخی واقعات پر نہیں بلکہ راجپوتوں کے مشہور شاعر چند بردے بہاٹ کی نظم (پرتھی راج راسا) پر مبنی ہے —

ہندؤں کے زمانے کی تاریخ کی تحقیق ابھی کافی طور سے نہیں ہوئی اس لئے اُس زمانے کے تاریخی اشخاص کی سوانح عمریاں بھی تحریر میں نہیں آئیں - اکبر پر دو کتابیں لکھی گئی ہیں جو ملیسن کی کتاب (حالات اکبر) کے لگ بھگ ہیں ' یعنی تقریباً اسی کے ترجمے ہیں - " جہانگیر کی زندگی " مسٹر بھسے نے توزک جہانگیری کی بنا پر لکھی ہے - مسٹر گوکھلے نے انگریزی اور مرہٹی کتابوں سے مواد جمع کر کے اورنگ‌زیب کی زندگی پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے - یہ کتاب بابو جادو ناتھہ سرکار کی کتاب " اورنگ‌زیب " کے شایع ہونے سے قبل لکھی گئی تھی - ان کے علاوہ اور کوئی کتاب اسلامی بادشاہوں کے حالات پر مرہٹی میں نہیں لکھی گئی —

سیواجی مرہٹوں کی ایک دلکش اور پسندیدہ تصویر ہے - چھوٹی چھوٹی کتابوں اور بکھرو ں کے علاوہ سیواجی کی نسبت تین اچھی کتابیں لکھی گئی ہیں - راجہ رام شاستری بھاگوت نے بھی اُس زمانے کے مشہور واقعات پر عمدہ بحث کی ہے اور سکندر ' نپولین اور سی‌زر وغیرہ دنیا کے مشہور لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا ہے - دوسری کتاب داتار کی ہے - یہ بھاگوت کی کتاب سے بڑی اور مفصل ہے - تیسری مسٹر کیلوسکر کی (۶۰۰) صفحہ کی ضخیم کتاب ہے - یہ مصنف دلکش اور فصیح زبان میں نہیں لکھہ سکتا ' علاوہ اسکے اس نے اپنے ہیرو سیواجی کو آسمان پر چڑھانے کے لئے دوسرے لوگوں کے ساتھہ جن کا ذکر ضمناً آتا ہے انصاف کا برتاؤ نہیں کیا -

کتاب میں جگهه جگهه زمانۂ حال کے ذات پات اور تعصبات اور جهگڑوں کے بد نما داغ نظر آتے هیں - غرض کیلوسکو ایک پکا مرهٹه هے - یه کتاب سیواجی کی بهترین سوانح عمری هے ' لیکن جادو ناتهه سرکار کی کتاب " سیواجی " زبان کے لحاظ سے بے مثل هے - مہاراجه هلکر نے کیلوسکر کی کتاب کے چار هزار نسخے خرید کر بڑی سر پرستی فرمائی - پروفیسر مسٹر تاک کهاو نے اس کا انگریزی میں ترجمه کیا هے - اور اس کی بهی کئی جلدیں معزول مہاراجه هلکر نے حال هی میں خریدی هیں - مسٹر گو کٹے نے ساهو مہاراج (۱۷۰۸ تا ۱۷۴۹ ع) اور پہلے پیشوا بالاجی ویشوناتهه (۱۷۱۴ تا ۱۷۲۰) اور تیسرے پیشوا (۱۷۲۰ تا ۱۷۴۰) بالاجی باجی‌راؤ کی سوانح عمریاں لکهی هیں اور پڑهنے کے قابل هیں - مسٹر ڈاگیش باپٹ نے باجی‌راؤ اول (۱۷۲۰ تا ۱۷۴۰ ع) پر ایک دلچسپ کتاب لکهی هے لیکن تاریخی لحاظ سے کچهه اهمیت نہیں رکهتی اسے بجاے تاریخی سوانح عمری کہنے کے ناول کہنا بجا هوگا - ملهارراؤ هلکر ' اهلیا بائی ' نا نا فرنویس ' مہاداجی سندهیا کے سپه سالار جیوبا دادا بخشی کی سوانح عمریاں اچهی خاصی لکهی گئی هیں - واسدیو شاستری کهرے کی کتاب " نانا فرنویس " ایک معقول کتاب هے اور مرهٹی لٹریچر میں قیمتی اضافه هے - بالکشن نارائن ڈیو نے نانا کی نقادانه سوانح عمری لکهی هے - مہاداجی سندهیا پر مسٹر فاتوی نے بهی عمده کتاب لکهی هے - فرگیوسن کالج پونه کے پروفیسر بهانو نے ایک سنجیده مضمون (۸۰) صفحه کا نانا اور مہاداجی پر لکها هے - یه مشهور مصنف نانافرنویس کے خاندان سے هے - اس لئے اِس کے عیوب نہیں بتاتا ' کیونکه اپنے عیب آپ کو نہیں معلوم هوتے - اس نے مرهٹه قوت کے زوال کا سارا الزام جنگجو مرهٹه مہاداجی سندهیا کے سر رکها هے - اس لئے اگرچه کتاب فصیح مرهٹی میں بڑی خوبی سے لکهی گئی هے تو بهی ناقص هے - کوئی چار کتابیں اهلیا بائی هلکر پر لکهی گئی هیں ' جن میں ویشوناتهه نارائن ڈیو کی " دیوی سری اهلیا بائی " بهترین هے -

یہ کتاب سرکاری کاغذات اور اس زمانے کے رسل رسائل پر مبنی ہے —

گنیش رامچندر شرما نے سارسوت رتن مالا لکھی ہے - جس میں مشہور سوھتہ سارسوت برھمنوں کے حالات ھیں - مسٹر سوزم‌دار نے پربھو رتن مالا لکھی ہے - اور اس میں ۰رھتہ مشاھیر کایستھوں کے کار نامے لکھے ھیں - سرھتہ کائستھہ پربھو کہلاتے ھیں' جنھوں نے سیواجی اور اس کے جانشینوں کو مرھتہ راج قائم کرنے اور ترقی دینے میں بہت مدد دی ہے - اس مالا میں باجی پربھو کی زندگی افسانہ معلوم ھوتی ہے - سدّی جوھر جو عادل شاہ بادشاہ بیجا پور کا سپہ سالار تھا ایک فوج کے ساتھہ سیواجی کو قید کرنے کے لیے بھیجا گیا - سیواجی قلعہ پنہالا میں محصور کرلیا گیا - جب محاصرہ برابر چار ماہ تک جاری رہا تو سیواجی نے جوھر سے عہد و پیمان کا سلسلہ شروع کیا اور ایک رات چار پانچ آدمیوں کو ھمراہ لے کر سدي سے ملاقات بھی کر آیا - سدی نے جب یہ دیکھا تو وہ اب پہلا سا چوکس نہ رہا' ایک رات موقع پاکر سیواجی اپنے اھل و عیال اور چھہ ھزار فوج کے ساتھہ بھاگ نکلا - جب اس عیاری کی خبر ھوئی تو بیجاپوریوں نے پیچھا کیا - سیواجی نے باجی پربھو کو ایک تنگ راستے پر متعین کردیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب تک میں اور میرے ساتھی وشال گڑہ میں داخل نہ ھوجائیں وہ اپنی جگہ سے کسی حال میں نہ ھٹے - اُس نے اس راستے کو مرتے دم تک بچایا - ادھر سیواجی کے گڈہ میں داخل ھونے کی توپیں سنائی دیں ادھر باجی پربھو کی روح زخموں کی شدت سے پرواز کرگئی - اُس کی لاش سیواجی کے سپاھی گڈہ میں اُٹھا لے گئے - رتن مالا میں بالاجی آوجی چٹ نس (کائستھ) کی سوانح عمری بھی قابل دید ہے - یہ سیواجی کا بڑا مقرب سکرٹری تھا اور وہ اسے بڑا عزیز رکھتا تھا - کھنڈ و بلّال کی زندگی اور اس کی جان نثاري اور وفاداري کے کار نامے پڑہ کر ھر ایک مرھٹے کے دل میں حب وطن کا جوش موجزن ھونے لگتا ہے - وہ بالاجی آوجی کا بیٹا تھا اور سنبھاجی اور راجہ رام کے لیے اس نے حیرت انگیز

قربانیاں کی ھیں —

مرھٹہ مورخ مسٹر پارس نس نے' جن کا حال ھی میں انتقال ھوا ھے' "اجودھیا کے نواب'' کے نام سے تین عمدہ کتابیں لکھی ھیں جن میں تمام اودھ کے نوابوں کی سوانح عمریاں درج ھیں- ان کتابوں میں اس علاقے کی مرھٹی سیاست پر بھی روشنی ڈالی ھے- اس کی کتاب "لچھمی بائی کی زندگی'' سے (جو جھانسی کی رانی اور مشہور برھمن عورت تھی اور سنہ ۱۸۵۸ ع کی شورش میں شریک تھی) ظاھر ھوتا ھے کہ انگریز حاکموں کے بے رحم اور ناروا برتاؤ نے بہت سے راجاؤں کو غدر میں شریک ھونے کے لئے کس طرح مجبور کیا- اس کی تیسری کتاب برھمندر سوامی کے حالات میں ھے جو باجی راؤ اول' ساھو مہا راجہ اور ان کی رانیوں اور اس زمانہ کے امیروں کا گرو تھا- سوانح عمری کے لحاظ سے یہ کتاب بہت دلچسپ ھے- اس دلچسپی کی بڑی وجہ یہ ھے کہ اس میں وہ تمام اصلی خط نقل کردیے گئے ھیں جو سوامی نے پیشواؤں' ساھو مہا راج' ان کی رانیوں اور پڑوسی مسلمان حکمرانوں کو لکھے ھیں اور جو ان لوگوں نے سوامی کو بڑی عقیدت سے تحریر کیے ھیں- اِس سوانح عمری سے ظاھر ھوتا ھے کہ سوامی کا اثر ان تمام لوگوں پر کس قدر تھا- اور اس زمانے کے حالات اس طرح نظر کے سامنے آجاتے ھیں گویا ھم خود اس میں کام کر رھے ھیں- ڈیوک آف ولنگٹن' سن رو اور بھونسلے کے رعایا پرور گورنر الفنسٹن کی سوانح عمریاں وفایک کوندیو اوک نے لکھی ھیں- مسٹر اوک آسان' سادہ پر لطف اور نفیس مرھٹی لکھتے ھیں لیکن بد قسمتی سے وہ اس زمانے سے تعلق رکھتے ھیں جب کہ ھندوستانیوں کی آنکھیں انگریزی قوت' اثر اور لٹریچر اور ھر انگریزی چیز سے چکا چوند ھوگئی تھیں- اُس زمانے کے لوگ انگریزوں کو بے عیب سمجھتے تھے- اسی طرح مسٹر اوک کو بھی انگریزی مشاھیر میں کوئی عیب نظر نہیں آتا —

مسٹر ٹکے کر اور دھنوردھاری (تیر انداز) مرحوم نے مرھٹہ قوت کے عروج

کے دنوں یعنی اٹھارویں صدی کے بہادروں پر چھوٹی چھوٹی پر جوش زبان میں سوانح عمریاں لکھی ھیں - ان کی کتابیں ایک زمانے میں بہت عام پسند تھیں اب بھی کم دلچسپی سے وہ کتابیں پڑھی نہیں جاتی ھیں دھنور دھاری اردو کے شبلی ھیں' ان کی کتابوں میں تاریخی واقعات کم ھیں مگر زبان پر جوش اور تخیل اعلی درجہ کا ھے —

——— (سادھو اور مہاتما) ———

پانچ سے زیادہ کتابیں گیانیشور کی زندگی پر لکھی گئی ھیں جو تیرھویں صدی یعنی دولت آباد کے رام دیوراؤ یادھو راجہ کے زمانے میں تھے - ان میں سے پانگارکر اور بھنگارکر کی کتابیں بہترین ھیں - پانگارکر اور بھنگارکر دونوں بہت خوش اعتقاد ھیں اور ان تمام کرامات اور معجزات پر جو اس سادھو شاعر سے منسوب کئے جاتے ھیں پورا یقین رکھتے ھیں - اگرچہ پانگارکر کی کتاب اچھی ھے تاھم ایک بہتر کتاب کی ضرورت ھے' جو تیرھویں صدی کے لوگوں کے حالات مفصل بیان کرے اور بتائے کہ دفعتاً اس کم عمری میں زمانے نے کس طرح ایک ایسا شاعر پیدا کر دیا جس کی کتابیں ھر پہلو سے آج تک مرھٹی زبان میں اعلی درجہ کی تسلیم کی جاتی ھیں - اس نے عین عالم شباب یعنی ۲۱ سال کی عمر میں وفات پائی - اس نے پانچ فلسفیانہ کتابیں لکھی ھیں جن میں گیانیشوری یا بھگوت گیتا کی شرح بہترین ھے - گو گیانیشوری کے بعد اس لاثانی کتاب گیتا کی مرھٹی میں بیسوں شرحیں اور خلاصے لکھے گئے مگر ان میں سے کوئی بھی گیانیشوری کو نہیں پہنچتی - آج کل بھی یہ کتاب بہت دلچسپی سے پڑھی جاتی ھے - گیان دیو یا گیانیشور پٹن کے قریب آپے گاؤں کے ایک پٹواری کا لڑکا تھا - اس کا باپ سنیاسی ھو گیا تھا لیکن اپنے گرو کے حکم سے پھر سنیاس ترک کر کے گھر ستی یعنے دنیادار بن گیا' اس کے بعد اُس کی اولاد ھوئی - تین لڑکے تھے اور ایک لڑکی - تین لڑکوں میں گیانیشور دوسرا لڑکا تھا - برھمن

اُن کو سنیاسی کے بیٹے ہونے کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور درپئے ایذا ہوگئے - چاروں کے چاروں نے درویشی اختیار کی اور سادھو بن گئے - ملک کے تمام لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد اب تک زندہ ہے مگر ان ایذا رسان برہمنوں کو کوئی جانتا بھی نہیں —

گیانیشور کے ہمعصر شاعر نام‌دیو کے متعلق (جو درزی تھا) دو کتابیں لکھی گئی ہیں-دونوں کتابیں پرانی طرز کی ہیں اس میں انھیں نام دیو کی کرامات کے تذکرے دل کھول کے کئے گئے ہیں - شاعر کے زمانے کے حالات سے کچھ بحث نہیں کی گئی —

پٹن کے شاعر ایکناتھ پر دس کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں پانگار کر اور ازگاؤں کر کی کتابیں اچھی ہیں - یہ دونوں مصنف مستند سمجھے جاتے ہیں البتہ راجہ رام شاستری نے جو کتاب ایکناتھ پر لکھی ہے اس میں اس زمانے کے مذہبی و تمدنی (اخلاقی) حالات کا بیان بھی کیا ہے - " ایکناتھ کی بھاگوت " اپنے طرز کی اچھی کتاب ہے - کہتے ہیں کہ اول اول مشہور نقال (ایکٹر) گیارک نے شکسپیر کو مشہور کیا اسی طرح ایکناتھ بھی گیانیشور کی شہرت کا باعث ہوا - ایکناتھ نے گیانیشوري کو ان تمام غلطیوں سے پاک صاف کیا جو مسلسل تین سو سال سے کاتبوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی تھیں - وامن پنڈت پر بھڑے اور ہنس نے اچھے مضامین لکھے ہیں - بالاجی کی کمپنی نے اس شاعر کی سوانح عمري ۳۵ سال قبل شائع کی تھی یہ کتاب معمولی سے بھی خراب ہے - مرہٹی شعرا میں عالم یا پنڈت کا اطلاق صرف اسی شاعر پر ہوسکتا ہے بقیہ تمام قدرتی شعرا ہیں جن کو کتابی معلومات سے بہت کم سروکار ہے —

سیواجی کے گرو رام‌داس پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے مستر دیو کی کتاب بہت اچھی ہے اور یہ بالکل جدید طریقے پر لکھی گئی ہے

اور اس بڑے قومی شاعر کے پیام اور کارناموں پر بحث کی گئی ہے - دوسری کتابیں ان کے عجائبات اور کرامات سے بھری پڑی ہیں' لیکن اس نے جو خدمات ملک اور قوم کی کی ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے —

تکا رام زیادہ خوش قسمت ہے کہ اس کی شاعری بعض انگریزوں کو پسند آئی - چنانچہ الکزنڈر گرانٹ ناظم تعلیمات بمبئی کی گذارش پر بمبئی کے گورنر وقت نے اپنے ماتحت عہدہ داروں کے نام یہ حکم نافذ کیا کہ تکا رام کی تمام نظمیں جمع کی جائیں - یہ کام شنکر ھانڈ ورنگ کے ذمہ کیا گیا تھا - چند سال کے پیشتر ایک مشنری مسٹر نکول (Nicol) نے تکا رام کی چند نظموں کو انگریزی میں ترجمہ کیا جس کے مطالعہ سے وہ لوگ بھی جو مرھٹی نہیں جانتے ایک حد تک یہ سمجھہ سکتے ہیں کہ تکا رام کا کلام کس قسم کا ہے - تکا رام اور رام داس سیواجی کے زمانے کے لوگ تھے بھانڈار کر پنڈت اور راج واڈے نے جو کتابیں تکا رام کی زندگی پر لکھی ہیں بہت اعلی درجہ کی ہیں - یہ تینوں اعلی درجے کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں اور انھوں نے زمانے کی نئی روشنی کے موافق نہایت عمدگی کے ساتھہ بحث کی ہے - سوائے ان کے دوسری کتابیں جو تکا رام کی زندگی پر لکھی گئی ہیں مطالعے کے قابل نہیں - مورو پنت اور اس کی نظم پر پانگارکر نے ایک کتاب لکھی ہے جو (۴۰۰) صفحے سے زیادہ ہے - مرھٹی زبان میں کسی شاعر کے متعلق ایسی اچھی کتاب نہیں پائی جاتی - اس کتاب میں مورو پنت کے اشعار اور اس کی زندگی کے مختلف حالات کے متعلق ہر پہلو سے نظر ڈالی گئی ہے - مسٹر بن ھٹی پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی نے حال ہی میں مورو پنت کے حالات زندگی بہت اچھی طرح لکھے ہیں - مورو پنت مرھٹی زبان کا پوپ کہلاتا ہے اور اٹھارویں صدی کے آخر میں موجود تھا —

مسٹر ازگاؤن کر نے اپنی کوئی چترا یعنی (تذکرۂ شعرا) میں مرھٹی شاعروں کے متعلق سات جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے - جن میں ہر ایک کے منتخب اشعار

دے کر ان کی نظموں پر تنقید کی ہے - پہلے شاعر کے حالات زندگی لکھتا ہے بعد تنقید اور اس کے بعد انتخاب کلام—

پرشرام پنت گوڑ بولے نے ایک کتاب موسومہ نوانیت لکھی ہے جس میں سترہ مشہور شاعروں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے - اس میں ہر ایک کے منتخب اشعار دیکر ان پر مناسب طور سے رائے کا اظہار کیا گیا ہے - اس کے علاوہ بغیر کسی تنقید کے آخر میں دس معمولی شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل کر دیا ہے - یہ کتاب اب تک تیرہ یا چودہ مرتبہ طبع ہوئی ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے -

گذشتہ سو سال میں پانچ مشہور مصلح گذرے ہیں' راجہ رام' موہن رائے' دیا نند سرسوتی' رام کرشن' ویکا نند اور رام تیرتھہ - یہ ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ انہوں نے ملک و قوم کی کیا کیا خدمتیں کیں اور اہل ہنود کے خیالات میں کیا انقلاب پیدا کیا - مسٹر کیسلر نے موہن رائے کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے اور مسٹر تونکار نے دیا نند پر' جو قابل مطالعہ ہے- گنا جی اور کنارے نے جو کتابیں رام کرشن پر لکھی ہیں وہ بھی اچھی ہیں - ویکا نند اور رام تیرتھہ کی کتابیں مرہٹی میں ترجمہ ہوگئی ہیں جن کے شروع میں ان کی زندگی کے حالات بھی درج ہیں - علاوہ ازیں اور ایک کتاب ہے جس میں ویکا نند کی زندگی کے تفصیلی حالات لکھے ہیں - اس کتاب کا نام ویکانند جیون ہے—

ہندوستان میں مختلف مذہب ہیں اور یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہو جائے کہ تمام مذہبوں کے اصول تقریباً ایک ہیں تا کہ وہ دوسرے مذہبوں کی حرمت کرے - دوسرے مذاہب والوں کی لا علمی دور کرنے سے آپس میں میل ملاپ شروع ہو جاتا ہے - اس لئے یہ ضروری ہے کہ اہلی دیسی زبانوں میں ان بانیان مذاہب کی سوانح عمریاں لکھی جائیں - یہ امر باعث مسرت ہے کہ مرہٹی میں مہاتما بدھ' حضرت عیسیٰ' حضرت محمد'

جین، تیر تھنکراور مارٹن لوتھر کی سوانح عمریاں لھکی گئی ھیں. اٹھہ ولے کی کتاب " بدھ کی سوانح عمری " ایک چھوٹی سي کتاب ھے - گوبند راؤ کالے نے بھی ایک کتاب لکھی ھے جس کا نام " بدھ اور اس کی سوانح عمری " ھے جو مسٹر آرنلڈ کی " ایشیا کی روشنی " پرمبنی ھے مسٹر کیلو سکر کی کتاب " بدھ " اس سے کہیں بہتر ھے - پر بھانگر کی " مہاتما گوتم " چھوٹے طالب علم اور معمولی لیاقت والوں کے لئے ٹھیک ھے - وامن داجی اوک نے گرو نانک پر ایک کتاب لکھی ھے - مسٹر پانگل نے جین تیر تھنکر کے قصے لکھے ھیں لیکن اسمیں جین مذھب کے اصول نہیں بتائے گئے لہذا یہ کتاب غیر جین مذھب والوں کے لئے زیادہ مفید نہیں ھے - دی کرسچن ٹراکٹ بک سوسائٹی نے پیغمبر [صلعم] کی سوانح عمری پر ایک کتاب لکھی ھے لیکن یہ کتاب ایک خاص نظر سے لکھی گئی ھے اور طرح طرح کے نقائص سے بھری ہوئی ھے - مسٹر گوبند راؤ کالے نے حضرت پیغمبر کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے جو اچھی خاصی ھے اور اس کی ترتیب بھی معقول ھے - ھماری زبان میں حضرت پیغمبر [صلعم] اور ان کے مذھب کےعلوم پر کوئی ایسی کتاب نہیں ھے جو ھمدردانہ طور سے لکھی گئی ھو اور جس میں تمام حالات تفصیل سے درج ھوں - مسٹر اوک نے بھی اپنی " ھندوستانی کتھارس " میں پیغمبر اور ان کے مذھب کے متعلق مختصر واقعات لکھے ھیں- مسٹر بھاؤ نے اپنی "ترکاچے سامراجیہ" (ترکوں کی حکومت) میں حضرت پیغمبر کی زندگی اور ان کے مذھب کے متعلق مختصر ذکر کیا ھے، لیکن یہ بھی غلطیوں سے بھری ھوئی ھے- وجہ یہ ھے کہ ان میں کوئی اُردو یا فارسی یا عربی سے واقف نہیں، ان کی تحقیقات کا پورا دارومدار مشنری کتابوں پر ھے اور ظاھر ھے کہ ایسی کتابیں غلطیوں سے پاک نہیں ھوسکتیں- ایسی کتابیں جو حضرت عیسیٰ کی زندگی پر مشنریوں نے لکھی ھیں زبان اور مضمون کے لحاظ سے بہت کم حیثیت رکھتی ھیں - بابا پدم جی کی

''جیزس'' (حضرت عیسیٰ) قابل دید ھے - مارٹن لوتھر کی سوانح عمری جو ایک کرسچن مشنری سوسائٹی نے تصنیف کی ھے قابل مطالعہ ھے - شنکرراؤ دیسمکھ نے بھی مارٹن لوتھر کی زندگی پر ایک اچھی کتاب لکھی ھے —

مشہور غیر ملکیوں کی سوانح عمریاں

کرشنا شاستری چپلو نکرے نے سقراط کی سوانح عمری لکھی ھے اس کے بیٹے وشنو شاستری نے جو سرھٹی زبان کا میکالے ھے ڈاکٹر جان سن کی زندگی پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ھے مسٹر این - سی کیلکرنے جو اخبار کیسری کے ایڈیٹر ھیں گیری بالڈی کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے - کرندیکرنے بنجمن فرانکلن پر ایک کتاب لکھی ھے - سنڈلے نے کاور کے حالات تحریر کئے ھیں - داملے نے کارلائل پر اور آکاشی نے اوکونل پر عمدہ کتابیں لکھی ھیں بھاوے نے جو ایک دولت مند شخص ھے سرھٹی شاعروں پر خاص خاص کتابیں لکھی ھیں اور نپولین کی سوانح عمری اس نے دو جلدوں میں لکھی ھے - اس بہادر سپاھی پر انگریزی اور فرانسیسی میں جتنی کتابیں لکھی گئی ھیں وہ سب مبالغہ سے بھری ھوئی ھیں؛ انگریز اس پر لعنت ملامت کرتے ھیں اور فرانسیسیوں نے اس کی تعریف کے پل باندھ دئے ھیں، لیکن بھاوے کا ''نپولین'' ان تمام خرافات سے بالکل مبرا ھے- مسٹر گناجی نے بکر ٹی - واشنگٹن [Buker T. Washington] پر ایک کتاب لکھی ھے اس کا طرز بیان نہایت ھی عمدہ اور دلکش ھے اس نامور اور بڑے آدمی کی زندگی، جو غلامی کے پنجے سے آزاد ھوکر حبشی قوم کا رھنما بن گیا، ایک افسانہ معلوم ھوتی ھے —

رنایک کونڈ دیونے گلیڈ سٹن کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے، لیکن چونکہ اس کتاب میں اُس زمانے کے سیاسی معاملات سے زیادہ بحث نہیں کی جس میں اس نامور شخص کا بہت بڑا حصہ تھا، اس لئے ناسکمل ھے - نارایں لکشمی پھڑا کے نے سپنسر اور میکالے کی مکمل سوانح عمریاں لکھی ھیں - گھانے کر نے میز ینی

کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے - لیکن جو گلے کراس سے بڑی بہتر کتاب لکھہ چکا ھے جو نہایت مفصل ھے - پھڑکے اور ڈھانے کر کی زبان بہت ھی دقیق اور مشکل ھے اس لئے یہ کتابیں زیادہ تر عام پسند نہیں ھوئیں - ساور کر بیرسٹر کی "سیزینی" ھر نقطۂ نظر سے نہایت ھی عمدہ اور دلچسپ ھے - لیکن گورنمنٹ نے اس کو ممنوع قرار دیا ھے - ولیم دی سائلنٹ (William the silent) کی زندگی کے واقعات مرھٹی میں موجود ھیں - بھارت گورو گرنتھہ مالا نے ٹول سٹای (Tolstoi) کی زندگی مفصل لکھی ھے - میک سوینی اور ڈی والرا (Mac Swiney & Devaliera) کی سوانح عمریاں نارائن سیتا رام پھڑکے نے لکھی ھیں - آر - جی پھڑکے بھی کئی اچھی کتابوں کا مؤلف ھے - مرھٹی زبان میں رابن ھوڈ (Robin hood) ولیم پٹ' تھامس پین - جارج واشنگٹن - قیصر' ڈوپلے وغیرہ وغیرہ کی سوانح عمریاں بھی موجود ھیں - سانڈلے نے نپولین اور پرنس بسمارک کی زندگی کے حالات لکھے ھیں - مسٹر ونایک کونڈدیو اوک نے غازی امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ھے جو نہایت ھی دلچسپ ھے - امیر کی زندگی خاصکر طالب علموں کے لئے نہایت مفید ھے -

گذشتہ پچاس سال کے ہندوستانیوں کی سوانح عمریاں

بہت سے ایسے لوگ ھیں جن کی سوانح عمریاں لکھی جانی چاھئیں تھیں مگر افسوس ھے کہ ان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی' مثلاً فیروز شاہ مہتا' طیب جی' جی جی بھائی' دادا بھائی' جام بھے کر' کیرو لکشمن وغیرہ وغیرہ - گوکھلے کی زندگی ان کے ایک شاگرد لکھنے والے تھے لیکن ھنوز وہ پردۂ خفا میں ھے - سانے اور ابھینکر نے گوکھلے کی زندگی پر دو کتابیں لکھی ھیں - کاشی بائی کامتی کر نے ڈاکٹر انند بائی جوشی پر ایک کتاب لکھی ھے - ڈاکٹر آنند بائی علم طب کے سیکھنے کی غرض سے امریکہ گئیں اور کارپنٹر کی بیوی کے ساتھہ رھیں اور بڑی مصیبتوں اور دقتوں کے بعد ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی - اس کا شوھر گوپال اؤ جوشی پونا میں ایک غریب پوسٹ ماسٹر تھا -

اس کی واپسی کے بعد کولھا پور کے دربار نے اس کو ایک بڑا عہدہ دیا لیکن افسوس ہے کہ یہ غریب خاتون بہت جلد اپنے عالم شباب میں انتقال کر گئی - عالم مصنفہ نے اس کی جرات اور دلیری کو بڑی ہمدردی سے بیان کیا ہے - اگرچہ یہ کتاب ایک عورت نے لکھی ہے مگر نہایت عمدہ کتاب ہے - کاشی بائی ایک لائق مؤلف اور شاعر ہے اور اس نے کئی کتابیں لکھی ہیں وشنو شاستری چپلون کر کی زندگی اس کے بھائی لکشمن شاستری نے لکھی ہے اور مرہٹی زبان میں ایک نہایت عمدہ سوانح عمری ہے - حالانکہ یہ کتاب اس کے بھائی نے لکھی ہے تاہم ہر قسم کے تعصب سے خالی ہے - مصنف نے اس مرہٹی زبان کے مکالے (Macaulay) کی زندگی لکھنے میں تنقید کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا - مسٹر بسرے نے بھی وشنو شاستری پر ایک کتاب لکھی ہے - مسٹر دیو نے کرتنے کی سوانح عمری لکھی ہے' دیو اس کے حالات سے بخوبی واقف تھا - جگناتھ شنکر سیٹھ ساٹھ سال کے قبل جو بمبئی کا ایک مشہور لیڈر تھا اس کی زندگی پٹلے نے لکھی ہے اور بہت ہی دلچسپ ہے - اس سے بمبئی کی ساٹھ سال قبل کی سوسائٹی اور اس زمانہ کی قومی ہلچل کا نقشہ صاف نظر آتا ہے - مسز راما بائی راناڈے نے "امچا ایو شیا نتیل اٹھونی" یعنی "ہماری زندگی کی یادگاریں" لکھی ہے - یہ کتاب نہایت دلکش ہے اور اس میں مشہور جج راناڈے کی سادہ زندگی بڑی خوبی سے بیان کی ہے - جسٹس راناڈے کی زندگی پھاٹک نے بھی لکھی ہے اور حقیقت میں مرہٹی کتابوں میں بہت قابل قدر ہے - دادا بھائی کی زندگی پروفیسر پھڑکے نے لکھی ہے' لیکن اس نامور بوڑھے ہندوستانی کی دراز زندگی میں جو کچھ واقعات گذرے ہیں اس کا لحاظ کرتے ہوے یہ کتاب چھوٹی اور نامکمل ہے - مسٹر کلکرنی نے "تلک کے آخری آٹھ سال" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے' جس کے مطالعہ سے اس مشہور محب وطن کی زندگی کی باطنی حقیقت معلوم ہوتی ہے مسٹر کیلکر نے بھی تلک کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے جو (۸۰۰) صفحہ سے زیادہ ہے - یہ کتاب بہت بڑی ہے

اگر حجم ذرا کم ہوتا تو زیادہ دلچسپ اور مکمل ثابت ہوتی - ابھی وہ ایک جلد اور لکھنے والے ہیں معلوم نہیں کہ وہ کب شائع ہوتی ہے - مسٹر کیلکر بھی تلک کی طرح مرہٹی زبان کا ترقی دینے والا اور نہایت عمدہ مرہٹی لکھتا ہے - ایل ایل - بی کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہی اس نے بقیہ زندگی تلک کے ساتھہ بسر کی اور اس لئے لوگوں کی یہ توقع بے جانہ تھی کہ اس کے قلم سے تلک کی سوانح عمری اس سے بہتر نکلے گی - مسٹر آمبیکر نے جو تلک کا ہم عصر اور اعتدال پسند شخص ہے " تلک کی زندگی کا راز " کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو غلط بیانیوں سے بھری ہوی ہے اور تلک کی سیرت پر حملے کئے ہیں - اس کتاب میں بے لاگ اور منصفانہ نکتہ چینی کا نام نہیں - مسٹر باپٹ (Bapat) نے " لوک مانیانچا آکھیایکا " (یعنی تلک کے متعلق قصے کہانیاں) نامی کتاب لکھی ہے - اس کی دو جلدیں ہیں جو (۱۰۰۰) صفحوں پر ختم ہوتی ہیں - ان قصوں سے تلک کی زندگی اور سیرت کا جو صحیح اندازہ ہوتا ہے وہ کیلکر کی کتاب سے بھی نہیں ہوتا -

مہاتما گاندھی کی سوانح عمری تین یا چار صاحبوں نے لکھی ہے لیکن اونتکابائی اور داملے کی لکھی ہوئی کتابیں نہایت عمدہ ہیں - اونتکابائی چمپارن واقع اوڑیسہ میں مہاتما گاندھی کے ساتھہ رہ چکی ہیں - داملے کی کتاب بالکل نئی ہے - کاناتے نے رابندرناتھہ ٹاگور کی سوانح عمری لکھی ہے - مسٹر آمبیکر نے ہری نارائن آپٹے کی زندگی کے حالات لکھے ہیں یہ مرہٹی کے مشہور ناول نویس ہیں - مسٹر پی - ری کلکرنی نے مرحوم دیش بندھو داس کی سوانح عمری لکھی ہے یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے اور مرحوم نے جو بڑے بڑے کام کئے ہیں اس کے مقابلے میں یہ بہت حقیر معلوم ہوتی ہے - راناتے نے بیرسٹر ساورکر کی زندگی پر ۷۰ یا ۸۰ صفحے کی کتاب لکھی ہے - آگرکر تلک کا دوست تھا اور اس کا ہم جماعت بھی، یہ ایک بڑا رفارمر ہوا ہے اور مرہٹی زبان کا استاد تھا -

اور اخبار (سدھارک) کا ایڈیٹر ' اُس کی تحریر میں جوش اور زور ھے - ان دونوں نے (یعنے تلک اور آگرکرنے) فرگیوسن کالج کی بنیاد ڈالی اور ابتدا میں چند سال تک وھیں (۳۰) روپیہ ماھوار پر کام کرتے رھے - وہ غریب گھرانے میں پیدا ھوئے اور غربت میں مرے - انھوں نے ملک کی تعلیم اور ترقی کے لئے اپنی زندگی قربان کردی - پرچورے نے آگرکر کے سوانح لکھے ھیں - ڈاکٹر بھانڈارکر کی زندگی ویدیہ (Waidya) نے لکھی ھے - مسٹر ویدیہ نے محترم ڈاکٹر کی سوانح عمری میں نہایت انصاف سے کام لیا ھے مگر اھل ملک کو اس بڑے عالم کی زندگی پر اس سے بہتر اور مکمل کتاب کی ضرورت ھے —

ایسے لوگوں کی زندگی جن کی عمریں خاص فنون اور پیشوں میں گزری ھیں آئندہ آنے والی نسل کی رھبری کے لئیے لکھنی بہت ضروری ھے - جاوجی داداجی اپنی زندگی کی ابتدا میں تین روپیہ مہینے پر ایک مطبع میں نوکر تھے - لیکن اپنی محنت ' مستعدی اور شوق کی وجہ سے وہ " نرنیہ ساگر پریس " کے مالک ھوگئے ' جہاں کا منیجر اب پانچ سو روپیہ ماھانہ تنخواہ پاتا ھے - اس نے مرھٹی ٹائپ کو ایسی نمایاں ترقی دی کہ تمام دنیا میں " نرنیہ ساگر " کا خط سب سے خوش نما مانا گیا ھے - اس کی زندگی کے حالات کولڈدیو اوک نے لکھے ھیں جس کا مطبع سے خاص تعلق تھا اور جہاں سے " بال بودہ " کا ماھواری رسالہ جاری ھوتا ھے —

انا کرلوسکر مرھٹی سنگیت ناٹکوں کا بانی ھے ابتدا میں وہ ایک سرکاری ملازم تھا ' لیکن بعد میں اس نے نوکری چھوڑدی اور پرانے ناٹکوں میں اصلاح کرنے کا کام شروع کیا - اس کا ایک ھم پیشہ دوست بھاؤراؤ کولٹھکر نے جو نہایت عمدہ گانے والا اور ایکٹر تھا اس نے اپنی تمام عمر کرلوسکر سنگیت کمپنی میں گذاردی - موزم‌دار نے ان دونوں کے حالات لکھے ھیں - یہ خود بھی ایکٹر اور گانے والا اور چند ناٹکوں کا مصنف ھے - پروفیسر چھترے کی زندگی گذرے

نےلکھی ھے - چھترے سب سے پہلا ھندوستانی تھا جس نے انگریزي طریقہ پر ایک ھندوستانی سرکس قائم کیا اور ھندوستان ' برما اور سیلون وغیرہ ممالک میں سرکس لے کر گیا —

اپریل سنہ ۱۹۲۹ ع میں ایک خوبصورت کتاب رابندرناتھہ ٹیگور کی زندگی پر آر - جی کاناتے (K unaday) نے لکھی ھے ' جس کا دیباچہ فرگیوسن کالج پونا کے پروفیسر داملے نے لکھا ھے - یہ نہایت حیرت انگیز بات ھے کہ بنگال کے اس نامور شاعر پر جس کا غلغلہ ساری دنیا میں مچا ھوا ھے کوئی قابل قدر کتاب بنگالی میں شائع نہیں ھوئی ھے - کاناتے کی کتاب نہ تو ترجمہ ھے' نہ کسی کتاب سے ماخوذ ھے ' بلکہ اصلی تصنیف ھے اور بہت فصیح مرھٹی میں لکھی ھے ' کتاب میں کل (۳۶۰) صفحے ھیں ' جن میں سے (۱۳۵) حالات میں ھیں اور باقی میں ان کے کلام کی تنقید ھے - کا ناتے ٹیگور کے بڑے معتقد ھیں اور ان کی تصنیف ٹیگور پر ایک مستند کتاب ھے - گیتان جلی کے مصنف کے پجاری سی - ایف آنڈ ریوز (C . F And r ews .) کی رائے ھے کہ اس سے مجھے نہایت درجہ مسرت حاصل ھوئي کہ میرے گرودیو (رابندر ناتھہ ٹیگور) پر مرھٹی زبان میں ایک ایسی سنجیدہ اور پر از معلومات کتاب لکھی گئی ھے جس کا لکھنے والا ٹیگور کے کلام کا بہت بڑا نقاد ھے - مجھے یقین ھے وہ وقت قریب ھے جب کہ ٹیگور کی تصانیف کے ترجمے ھر ھندوستانی زبان میں ھو جائینگے اور ان کے ساتھہ ساتھہ اُن کی سوانح عمري بھی ھوگي جب یہ ظہور میں آئیگا تو یہ کتاب جسمیں شاعر کی زندگی اور تصانیف کا نہایت مفصل حال درج ھے مرھٹی جاننے والوں کی کثیر تعداد کے لئے نسلاً بعد نسل ایک بے بہا تصنیف ھوگی - مندرجۂ ذیل ابواب بہت دلچسپ ھیں : —

(۱) را بندر ناتھہ کی زندگی (۲) ر بندر ناتھہ اور مہا تما گاندھی (۳) بنگالي لٹریچر میں رابندر ناتھہ کا درجہ (۴) ان کے ناول اور کہانیاں۔

(۵) ان کے ناٹک اور نقلیں (۶) اُن کا فلسفہ —

آپ بیتیاں | اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مرھٹی زبان میں چند خود نوشتہ سوانح عمریوں یعنی آپ بیتیوں کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - اپنی سوانح عمری خود لکھنا یہ ہندی خیال نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے باہر سے آیا ہے نانا فرنویس نے مختلف طور پر اپنے حالات خود لکھے ہیں - دادوبا پانڈورنگ مرھٹی زبان کا پہلا نحوی انیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوا اور اس نے اپنی زندگی خود لکھی ، جس سے اس زمانے کی تعلیم و تہذیب و رسم و رواج اور قوم کی حالت کا ٹھیک اندازہ ہوسکتا ہے - بابا پدمجی نے جو دادوبا پانڈو رنگ کا ہم زمانہ تھا اپنی ذاتی زندگی پر " ارون اودیا " یعنی " نور کا تڑکا " نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ بتاتا ہے کہ اس نے عیسائی مذہب کو کیوں اختیار کیا- یہ کتاب اُدبی نقطۂ نظر سے نہایت دلچسپ اور عمدہ کتاب ہے - پروفیسر کروے نے جس نے پونہ میں عورتوں کے لئے ایک یونیورسٹی اور کالج کی بنیاد ڈالی ہے ، اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں جس کا نام " آتما چرتر " ہے- اس کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک معمولی آدمی جسے کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں کیسے بڑے بڑے کام اپنی کوشش اور استقلال سے کر سکتا ہے - مرھٹی زبان میں یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے - پروفیسر کروے ایک غریب آدمی کا لڑکا تھا بڑی مشکل سے اس نے بی - اے کامیاب کیا - اس کے بعد فرگوسن کالج میں بطور دوامی رکن کے شرکت کی اور ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا اور اس بات کو صحیح طور سے محسوس کیا کہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوجائینگی ملک کی ترقی کی کوئی امید نہیں ہوسکتی - اس نے خلوص دل سے اپنی زندگی تعلیم نسواں کے لئے وقف کردی ہے - اگرچہ اس وقت عام خیالات اس کے موافق نہ تھے لیکن آخر میں اس کو کامیابی ہوئی اور اب یہ مدارس ، کالج ، بورڈنگ اور یونیورسٹی سب کچھ بلا

کسی سرکاری امداد کے محض پبلک کی مدد سے جاری هیں اس نے یونیور سٹی اور کئی مدارس چند مستورات کے حوالے کردئیے هیں ' جو ملک و قوم کے لئیے شوق سے کام کرتی هیں اور خود وہ دست بردار هو گیا هے ---

اننت داموددر کانے باائی " پیسہ فنڈ " نے خود اپنی سوانح عمری لکھی هے وہ ابتدا میں ۱۲ روپیه ماهوار کا ایک مدرس تھا مگر یہ شخص اپنے ذاتی استقلال کی وجھہ سے تمام مہاراشٹر میں نامور هوگیا - وہ کہتا هے کہ اگر هر سال هندوستان کا هرمرد اور عورت اور بچه ایک پیسے کے حساب سے بچاے تو (۳۳) کروڑ پیسے جمع هوسکتے هیں اور قومی کاموں میں خرچ کئے جاسکتے هیں - اس خیال کو عمل میں لانے کے لئیے وہ ملک کے مختلف شهروں اور قصبوں میں پھرا اور وهاں کے لوگوں پر اپنے خیال کا اثر ڈالتا تھا - لوگوں نے اس کی خوب هنسی اُڑائی اور کوئی توجه نه کی - تب وہ کئی صاحب اثر اور مشهور مرهٹوں سے ملا ' جن میں تلک بھی تھے- اُس نے خیال کو ان کے سامنے ظاهر کیا تلک نے اس کا هم خیال هوکر اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اخبار " کیسری " میں اس کے متعلق بہت کچھه لکھا - لوگ رفته رفته اس طرف مائل هوئے اور کام کی امداد پر آمادہ هوگئے - اب هرسال اس فنڈ میں بہت سے پیسے جمع هوتے هیں اور اسی " پیسہ فنڈ " کے برتے پر کئی کارخانے چل رهے هیں ---

پرنسپل جی سی بھاتے کی آپ بیتی " پریم کی او دیک* " حال میں شایع هوئی هے مسٹر بھاتے کوکن† کے ایک پرانے راسخ لاعتقاد خاندان سے هیں - ان کے والد ایک تعلقه کے وکیل تھے - مسٹر بھاتے نے پونا میں تعلیم پائی - ان کی کالج کی زندگی بہت شاندر گذری اور ایم - اے کامیاب هونے کے بعد دکن ایجوکیشنل سوسائٹی کے ممبروں کی ترغیب سے فرگیوسن کالج کے دوامی رکن هوگئے - پہلی

---

* شهرت † بحیرۂ عرب سے مغربی گھات تک کے حصہ کو جو تھانه سے گوا تک هے کوکن کہتے هیں ---

نظم

از

(جناب مولانا فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی)

[یہ نظم مولانا نے علاوہ طرحی غزل کے مضمون الاخوۃ
لکھنؤ کے مشاعرہ کے لئے لکھی تھی، مگر بعض وجوہ سے مولانا وہاں
تشریف نہ لے جا سکے اور نظم پڑھنے کا موقع نہ ملا — ایڈیٹر]

خاک کا پتلا جو ہستی ہے وہ ہستی ہم نہیں
چاند سی صورت جو پائی ہے تو وہ بھی ہم نہیں

ہم میں ہے کوئی اگر ثانی ماہ یوسف جمال
ہو مگر وہ شہر یار حسن و خوبی ہم نہیں

ہم میں ہے نام خدا کوئی اگر کشور کشا
ہو مگر وہ خسرو کشور کشائی ہم نہیں

ہم میں ہے بالغ نظر کوئی اگر شمس العلوم
ہو تو وہ آئینۂ عالم نمائی ہم نہیں

ہم میں ہے والا گہر کوئی اگر صاحب منش
ہو تو اس کے ہمدم یگانہ خوبی ہم نہیں

ہم میں ہے کوئی شعار قوم کا گر نکتہ چیں
ہولے وہ اس کے رفیق نکتہ چینی ہم نہیں

شیخ ولی اللہ محب

[دہلی کے رہنے والے تھے اور سودا سے تلمذ تھا۔ مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم تھے اور اُن کی غزل بنایا کرتے تھے۔ جب وہ لکھنؤ گئے تو چند روز بعد یہ بھی وہیں چلے گئے اور لکھنؤ ہی میں سنہ ۱۲۰۷ھ میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان ہیں۔ ان کا دیوان بہت کم یاب ہے۔ کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسط درجے کے شاعر ہیں اور صرف غزل کہتے ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں جس سے کسی قسم کی امتیازی شان پیدا ہوتی ہو۔ ایسے غزل گو شاعر اردو میں (چشم بد دور) بہت ہیں۔ لفظی رعایت کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ زبان جیسی بولی جاتی تھی اور لفظ جس طرح بول چال میں استعمال ہوتے تھے وہ بلا تکلف ویسے ہی لکھ دیتے ہیں۔ اس وقت تک لفظی صحت کا خبط اس حد تک نہیں پہنچا تھا جو بعد کے زمانے میں نظر آتا ہے۔ مثلاً مطلب کا لفظ وہ اس شعر میں بلا تکلف لکھ گئے ہیں اگرچہ ظاہر ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ مگر ایسے لفظ زبان میں اور بھی موجود ہیں اور وہ جزو زبان ہو گئے ہیں۔

تری جدائی میں ہم کو ساقی قسم ہے گزری نہ رات ایسی
کہ صبح آکر [illegible] مطلب نہ کھوں دل سے ایاغ اپنا

چونکہ شیخ صاحب کو زبان کا ذوق تھا جو اُن کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لیے زبان کی تاریخ اور لغت کے لیے ان کا دیوان کارآمد ہو سکتا ہے۔ نمونے کے لیے اُن کی چند غزلیں لکھی جاتی ہیں۔ ایڈیٹر]—

(۱)

شاید کہ لکھا یوں تھا تقدیر الٰہی میں
عاشق کی رہے کشتی امواج تباہی میں
یوں دل کے سویدا میں روشن ہے تری صورت
جوں چشمۂ حیواں کا ہے نور سیاہی میں

ہے مشرب رنداں میں بالفعل تو سے رائج
اس امر کو زاہد سمجھے ہیں مناہی میں
معراج گدائی کا ہوتا نہیں کم ہرگز
پستی و بلندی ہے یہاں افسر شاہی میں

دریا میں حباب آسا کیا مظہر وحدت ہے
ہو محو سراپا ہے اسرار الٰہی میں
سمجھے مرے ہاتھی سے ایک آن بھی ہونے کی
کیا تاب جو ہو جرأت رستم سے سپاہی میں

ہر برگ گل لالہ ایک محضر خونی ہے
سیلے کے (مصحب) تیرے داغوں کی گواہی میں

(۲)

شب فراق نہ کاٹے کٹے ہے کیا کیجے
نہ صبح ہوتی ہے نہ پو پھٹے ہے کیا کیجے
صفا تھا عکس رخ اس کے سے دل کا آئینہ
اب اس پہ زنگ کدورت اٹے ہے کیا کیجے

رحیم و رام کی سمرن ہے شیخ و قلندر کو
دل اس کے نام کی رٹنا رٹے ہے کیا کیجے

شاہ نامہ کا دیباچۂ قدیم

نوشتۂ
(جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری)

شاهنامہ کے دیباچۂ قدیم سے ناظرین رسالۂ اُردو نا واقف نہیں ہیں - کیونکہ اُردو کی گزشتہ اشاعتوں میں فردوسی کے متعلق جو مضامین شائع ہوے ہیں اُن میں دیباچۂ قدیم کا کئی جگہ ذکر آیا ہے - لیکن اس کی حقیقت اور تاریخی اہمیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں - اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مختصر مضمون میں اُس کی کیفیت بیان کی جاے اور اُس کے ساتھہ یہ دیباچہ بجنسہ شایع کر دیا جاے - تا کہ ناظرین اُردو اِس دیباچے اور اُس کی اصلیت سے واقف ہو جائیں—

دیباچۂ قدیم صدیوں سے پردۂ خفا میں مستور تھا - اور دنیا اِس کے وجود سے محض نا واقف تھی - گزشتہ صدی کے اوائل میں ایک یورپین مستشرق ویلن برگ (Wellenbourg) نے اس دیباچہ کو سب سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا - اس نے فرانسیسی زبان میں ایک مضمون شاهنامے کے متعلق لکھہ کر سنہ ۱۸۱۰ع میں بمقام وائنا چھپوایا - اور اس میں اس دیباچہ کا ترجمہ شایع کر دیا* - اس مضمون کی بدولت مستشرقین یورپ اس دیباچہ سے آگاہ ہوے - اس کے قریباً چھبیس سال بعد سنہ ۱۸۳۷ع میں جولیس موھل (J. Mohl) نے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھہ شاهنامے کو چھاپنا شروع کیا اور اس کی ابتدا میں

* M. de Wellenbourg, Noties sur le Schahnamae Vienne, 1810.

ایک عالمانہ مقدمہ لکھا جس میں شاھنامہ کے عہد تصنیف اور اُس کے ماخذات پر محققانہ مباحث درج کئے اور اِن مباحث میں اِس دیباچے سے بھی استفادہ حاصل کیا —

ان اشاعتوں کے بعد مستشرقین یورپ نے فردوسی اور اُس کے شاھنامے کے متعلق جو مضامین لکھے ھیں اُن سب میں اس دیباچے کے مضامین کا تھوڑا بہت اعادہ ھوتا رھا - اور خاص کر پروفیسر نولڈیکے (Noldeke) نے اپنی عالمانہ تصنیف "رزمیات ایران" میں محض اس دیباچہ کی بنا پر شاھنامہ کے اصلی ماخذ کا سراغ لگایا* —

یہ کیفیت یوروپین لٹریچر کی تھی، اب مشرقی لٹریچر کا حال سنئے - موجودہ صدی کے آغاز تک فارسی اور اُردو تصنیفات اس دیباچہ کے تذکرے سے بالکل معرا نظر آتے ھیں - ایرانیوں میں علامہ محمد بن عبدالوھاب قزوینی اور ھندوستانیوں میں پروفیسر محمود شیرانی سب سے پہلے شخص ھیں جنھوں نے اپنے مضامین میں اس دیباچے کا ذکر کیا اور اُن میں اِس کے مطالب اور اقتباس نقل کئے ھیں —

(۲)

شاہ نامۂ فردوسی کے دیگر دیباچے اور اُن کے مقابلے میں دیباچۂ قدیم کی قدامت

شاھنامے پر اس دیباچے کے علاوہ اور بھی دیباچے لکھے گئے ھیں - مرزا بایسنغر+ آل تیمور کا ایک ممتاز و مشہور شاھزادہ ھے - اس نے سنہ ۸۲۸ ھجری میں اپنے درباری شعراء سے شاھنامے کی تصحیح کرائی اور اس پر

---

* Noldeke, Das Iranische Nationalepos Grundriss der Iranischen Philologie 1896.

+ مرزا بایسنغر، شاھرخ مرزا کا بیٹا اور امیر تیمور کا پوتا ھے - سنہ ۸۰۲ھ میں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

ایک مبسوط دیباچہ لکھوایا، جس میں شاہنامے کے ماخذات اور فردوسی کی سوانح حیات کا مفصل تذکرہ ہے—

شاہم علی خان نے جو امیرالفقراء سید شاہ ابراہیم ادہم ثانی نقوی سبزواری کے فرزند ہیں سنہ ۱۱۲۱ ہجری میں شاہنامے کا ایک انتخاب مرتب کیا اور اس کا نام عطر شاہنامہ رکھا اور اس پر ایک مفصل دیباچہ تحریر کیا جس میں مرزا بایسنغر کے دیباچے سے بہت سے نئے معلومات زیادہ ہیں -

مرزا بایسنغر کا دیباچہ دوسرے دیباچوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مقبول ہوا ہے - نویں صدی ہجری کے بعد شاہنامے کے جس قدر نسخے نقل ہوے ہیں قریب قریب اُن تمام کی ابتدا میں کاتبوں نے اس کی نقل بھی شامل کر دی ہے، یہاں تک کہ ترنرمیکن نے سنہ ۱۲۴۵ ہجری میں بمقام کلکتہ جب شاہنامے کو صحیح کر کے چھاپا تو اس کی ابتدا میں مرزا بایسنغر کا دیباچہ بھی چھاپ دیا—

(۳)

دیباچۂ قدیم کا عہد تصنیف

دیباچۂ قدیم ان دونوں دیباچوں سے بہت قدیم ہے لیکن اس کے عہد تصنیف پر ابھی تک گہری ظلمت چھائی ہوئی ہے اور مختلف مصنفین نے اس کی تصنیف کو مختلف زبانوں سے منسوب کیا ہے - ویلن برگ نے اس کے عہد تصنیف کے بیان کرنے میں بالکل سکوت اختیار کیا ہے - پروفیسر شیرانی اس کو شاہنامہ کے کم و بیش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸)

پیدا ہوا - اور سنہ ۸۳۷ ھ میں انتقال کیا - مشہور علم دوست اور سخن پرور شاہزادہ گذرا ہے - بڑے بڑے ارباب کمال اس کے دربار میں جمع تھے - اس نے ایک کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں چالیس خوش نویس کتابت کیا کرتے تھے - مولانا جعفر تبریزی ان کاتبوں کا امیر اور کتب خانہ کا مہتمم تھا - بابا سودائی، امیری ہروی، شاہی سبزواری، کاتبی ترشیزی وغیرہ اس کے درباری شاعر تھے - دولت شاہ سمرقندی نے شاہ قاسم الانوار کا تذکرہ کرتے ہوے ضمناً اس کا حال بھی لکھا ہے - تذکرۂ دولت شاہ طبع لاہور صفحہ ۲۳۸ و صفحہ ۲۳۹ -

دو صدی بعد کی تصنیف قیاس کرتے ھیں * برخلاف اس کے علامہ محمد قزوینی اس کی غیر معمولی قدامت کے قائل ھیں - اور اُن کی راے میں یہ دیباچہ ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی کے شاھنامۂ نثر کا ھے جو سنہ ۳۴۶ ھ میں تصنیف ہوا ھے اور زمانۂ ما بعد میں فردوسی کے شاھنامے کو منظوم کرنے کی سرگزشت اس میں الحاق کی گئی ھے - علامۂ موصوف کے خاص الفاظ یہ ھیں:—

این مقدمۂ قدیم شاھنامہ (یا بعبارت اصح قسمتے ازین مقدمہ ابتدا، تا آنجا کہ صحبت از فردوسی و سلطان محمود می شود) بدون کم و زیاد و بلا تصرف عین مقدمہ است کہ برای شاھنامۂ نثری کہ باھتمام ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی در سنہ ۳۴۶ ھ جمع آوری شدہ بودہ است و فردوسی عین آن شاھنامہ را بنظم در آوردہ است نوشتہ شدہ بودہ است - پس بنا برین این مقدمہ شاھنامہ شش سال قبل از ترجمہ تاریخ طبری کہ در سنہ ۳۵۲ ھ باتمام رسیدہ است و چھار سال قبل از جلوس امیر منصور بن نوح سامانی تالیف شدہ است †

علامہ قزوینی کی اس راے کی صداقت خود دیباچے کی اندرونی شہادتوں سے ظاھر ھوتی ھے

اولاً - اس کی زبان کی قدامت اور بیان کا طرز و اسلوب اس راے کے سب سے بڑے مؤید ھیں—

ثانیاً- خود دیباچے میں ایسی عبارتیں موجود ھیں جن سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کا فراھم کنندہ ابوالمنصورالمعمری اور اس کے مرتب کرنے والوں نے اسے امیر ابومنصور بن عبدالرزاق کے ایما سے مرتب کیا ھے - چنانچہ دیباچہ کی اصل عبارتیں یہ ھیں:—

---

* رسالہ اُردو جلد سوم (سنہ ۱۹۲۳ ع) صفحہ ۱ † ایران شہر (سنہ ۱۳۴۰ ھجری) صفحہ ۳۲۴

" وبار آغاز کار نامۂ شاهان از گرد آورندۂ ابوالمنصور المعمری
دستور ابومنصور محمد بن عبدالرزاق ایدون گوید "

" پیش از آنکه سخن شاهان و کار نامۂ ایشان یاد کنیم نژاد
ابومنصور بن عبدالرزاق راکه مارا تربیت فرمود تا جمع کاکرد
و نژاد چاکر او ابومنصورالمعمری بگوییم که ایشان چه بودند .
وتا آنجا رسیدند " —

سطور بالا میں هم نے جو اقتباس نقل کئے هیں ان سے یہ امر ثابت هے کہ دیباچۂ قدیم وهی دیباچہ هے جو شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی کے لئے لکھا گیا تھا اور وہ چند واقعات جو فردوسی طوسی اور اس کے شاهنامے کی نسبت اس میں درج هیں زمانۂ ما بعد میں الحاق کئے گئے هیں اس لئے اس کا سنہ تصنیف بھی وهی هے جو شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی کا هے —

دیباچۂ قدیم میں شاهنامۂ ابومنصور طوسی کا سالِ تصنیف مذکور هے لیکن اس میں کتابت کی تصحیف کے باعث اختلاف واقع هوگیا ۔ بعض نسخوں میں سنہ ۳۰۶ ھ اور بعض میں سنہ ۳۴۶ ھ پایا جاتا هے * ڈاکٹر نولڈیکے اور اس کی اتباع میں پروفیسر براؤن اور علامۂ قزوینی نے بھی سنہ ۳۴۶ ھ کو اختیار کیا هے † لیکن اُس کے خلاف ایسے بہت سے تاریخی قرائن موجود هیں جن سے پایا جاتا هے کہ یہ شاهنامہ سنہ ۳۴۶ ھ سے پہلے تصنیف هوا هے —

اول یہ کہ دیباچۂ قدیم سے ظاهر هے کہ شاهنامۂ ابوالمنصور طوسی امیر نصر

---

* دیباچۂ کا جو نسخہ همارے زیر استعمال هے اس میں سنہ ۳۰۶ ھ (سی صد و شش) تھا پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون تنقید شعرالعجم میں دیباچۂ قدیم کا جو اقتباس اس میں سنہ ۳۴۶ ھ (سیصد و چهل و شش) لکھا هوا هے —

† Noldeke 1 - N - pp - 14 - 15 . Browne . L . Vol . I pp . 123 .

بن احمد سامانی کے عہد میں تصنیف ہوا ھے —

دوم یہ کہ اسی نصر بن احمد سامانی کے زمانے میں وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی شاعر نے اسکو نظم کرنا شروع کیا تھا —

امیر نصر بن احمد سامانی کا زمانۂ حکومت سنہ ۳۰۱ ھ سے سنہ ۳۳۱ ھ تک رھا * ابوالفضل بلعمی نے ۱۰ صفر سنہ ۳۲۹ ھ کو انتقال کیا ‡ دقیقی شاعر نے سنہ ۳۴۱ ھ میں وفات پائی ‡ ان تمام واقعات سے ثابت ھوتا ھے کہ ابومنصور طوسی کا شاھنامہ سنہ ۳۴۶ ھ سے بہت پہلے مرتب ھوچکا تھا —

امیر ابومنصور طوسی صاحب شاہ نامہ کا حال

ابو منصور طوسی کے حال سے ھم بہت کم واقف ھیں۔ تاریخ سے صرف اس قدر معلوم ھوتا ھے کہ اس کے آبا و اجداد طوس کے بڑے امرا میں سے تھے اور ان کا نسب سلاطین کیانیہ تک پہنچتا تھا —

خود ابو منصور دربار سامانیہ کے امرا سے تھا ۔ اس کا ذکر پہلے پہل نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ ھ و سنہ ۳۳۱ ھ) کے زمانے میں آیا ھے ۔ اس کے بعد منصور بن نوح (سنہ ۳۵۰ ھ سنہ ۳۶۶ ھ)کے آغاز حکومت تک ذئی جگہ اس کا تذکرہ ملتا ھے۔ بیس سالہ مدت میں خراسان کے مختلف علاقہ جات مثلاً ھرات ونیشا پور کی گورنری انجام دی ھے —

پروفیسر نولدیکے اور اس کی اتباع میں پروفیسر براؤن نے لکھا ھے کہ ابو منصور طوس کا والی تھا اور اس نے سنہ ۳۴۶ھ سے سنہ ۳۶۴ ھ تک وھاں حکومت کی ھے۔ ابو منصور کی حکومت طوس کا تذکرہ کسی تاریخ میں ھماری نظر سے نہیں گزرا ھے ۔ بلکہ مجمل فصیحی سے معلوم ھوتا ھے کہ عبدالرزاق قدیم (سنہ ۳۴۳ ھ) کے پر کیا ھے

---

* حمزۂ اصفہانی صفحہ ۲۰۶ و صفحہ ۲۰۷ — ۲. P. 11 صفحہ ۱۸۰

‡ مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۲۱۴

وسنہ ۳۵۰ھ) نے اسے اپنے زمانۂ حکومت میں ہرات کا والی مقرر کیا تھا - لیکن کسی وجہ سے اس نے سنہ ۳۴۶ھ میں یہاں کی حکومت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنے متعلقین کو ساتھہ لیکر طوس چلا گیا - یہ کیفیت جب عبدالملک کو معلوم ہوئی تو اُس نے امیر حاجب الپتگین کو یہاں کا والی مقرر کردیا جس نے چار سال حکومت کی - اس کے بعد سنہ ۳۵۰ھ کے اوائل میں ابوالحسن سیمجور ہرات کا والی اور الپتگین نیشاپور کی حکومت پر روانہ کیا گیا - اس واقعہ کے چند روز بعد سنہ ۳۵۰ھ کے اخیر ایام میں جب عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ منصور بن نوح (سنہ ۳۵۰ھ - ۳۶۶ھ) برسر حکومت ہوا تو اس نے ابو منصور کو نیشاپور کا والی بنا دیا - اور جب الپتگین اس حکومت سے سبکدوش ہوگیا تو وہ بخارا چلا گیا - سنہ ۳۵۱ھ میں منصور بن نوح نے ابو منصور طوسی کو نیشاپور کی حکومت سے معزول کر دیا - اور ابوالحسن سیمجور کو صاحب الجیش بناکر نیشا پور کا حاکم مقرر کیا اور ہرات کی حکومت عمر فاریابی کے تفویض کی*—

—— (۴) ——

نثر فارسی کی قدیم ترین تصنیفات اور دیباچۂ قدیم

فارسی زبان میں تیسری صدی ہجری کے اخیر ایام سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا ہے - لیکن اس امر کا پتہ چلانا دشوار ہے کہ سب سے پہلے کس مصنف نے کونسی کتاب تصنیف کی - تاہم اس عہد میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں اُن میں کلیلہ دمنہ کا ترجمہ سب سے قدیم ہے - یہ ترجمہ امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱- ۳۳۱ھ) کی فرمائش سے ہوا ہے - ابتدا میں اسے ابوالفضل بلعمی نے ابن مقفع کے عربی ترجمہ سے فارسی میں ترجمہ کیا اس کے بعد رودکی شاعر نے نظم کا جامہ پہنایا † -

---

* دیکھو ریورٹی کا ترجمۂ طبقات ناصری جلد اول صفحہ ۴۰ نوٹ نمبر ۴ صفحہ ۴۲ و صفحہ ۷۱ نوٹ نمبر ۵ —

† دیکھو دیباچۂ قدیم شاہنامہ طبع بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ جلد چہارم صفحہ ۴۰ —

اس کے بعد سنہ ۳۰۶ ھ میں ابو منصور بن عبدالرزاق طوسی نے شاهنامہ مرتب کرایا - قریب قریب اسی زمانے میں یا اس کے کچھہ عرصہ بعد ابوالمؤید بلخی، ابو علی محمد بن احمد بلخی مسعودی مروزی نے شاهنامے کے نام سے تین ضخیم تاریخیں تصنیف کیں* —

منصور بن نوح سامانی (سنہ ۳۵۰-۳۶۶ھ) اور اس کے جا نشین نوح بن منصور (سنہ ۳۶۶ - ۳۸۷ ھ) کے زمانے میں امام ابو جعفر محمد بن جریرا لطبری کی تاریخ و تفسیر دونوں کے فارسی میں ترجمے ہوے ہیں - وزیر ابو علی محمد بن محمد بلعمی نے (سنہ ۳۵۲ = ۹۶۳ ع) میں تاریخ کبیر کا ترجمہ کیا - بخارا، سمرقند، اسبیجاب، اور فرغانہ کے علماء کی متفقہ کوشش سے کئی سال کے عرصے میں (سنہ ۳۷۱ = ۹۸۱ ع) کے قریب تفسیر کبیر کا ترجمہ تمام ہوا - ابو منصور موفق بن علی الہروی نے کتاب الابنیہ فی حقائق الادویہ کے نام سے سنہ ۳۶۱ ھ = ۹۷۱ ع کے قریب ایک کتاب علم الادویہ میں تالیف کی† —

یہ فارسی زبان کی قدیم ترین تصنیفات ہیں - ان میں کلیلہ دمنہ کا ترجمہ اور ابو منصور طوسی، ابوالمؤید بلخی اور ابوعلی بلخی کے شاهنامے ناپید ہوگئے ہیں اور ان کا تذکرہ صرف کتابوں میں باقی رہ گیا ہے - منصور بن نوح اور اس کے جانشین کے زمانے کی تصنیفات زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ گئی ہیں - تاریخ طبری کا ترجمہ ہندوستان میں چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے - ہروی کی کتاب الابنیہ سلگیمان کی سعی و کوشش سے یورپ میں چھپ کر شائع ہوگئی ہے - تفسیر کبیر کا ترجمہ اگرچہ چھپا نہیں ہے لیکن یورپ اور ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں —

یہ تینوں کتابیں سنہ ۳۵۲ ھ کے بعد تصنیف ہوئی ہیں - دیباچۂ قدیم ان سے

---

* ان شاهناموں کی مفصل کیفیت آئندہ اوراق میں درج ہوگی —

† Browne, L. H. P, Vol. II, pp, 115.

قریباً نصف صدی پہلے ضبط تحریر میں آیا ھے —

(۵)

دیباچۂ قدیم کے قلمی نسخے

دیباچۂ قدیم جیسا کہ ھم نے اوپر بیان کیا ھے نہایت نادر و کمیاب ھے - یورپ کے کتب خانوں میں ایسے شاھنامے کے صرف چھہ نسخوں کا پتہ چلتا ھے، جن کے ساتھہ یہ دیباچہ شامل ھے - ان میں سے دو نسخے برلن و پٹرو گراڈ میں اور چار انگلستان میں ھیں - ان چار نسخوں سے دو برٹش میوزیم میں ھیں - تیسرا انڈیا آفس اور چوتھا اوکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ھے* —

برٹش میوزیم کے دونوں نسخے خاص اھمیت رکھنے والے ھیں - پہلا نسخہ جو Add, 21, 103 پر ھے اپنی قدامت کے لحاظ سے ایک خاص اھمیت رکھتا ھے - اس کے ابتدائی چھہ اور اخیر کا ایک ورق نویں صدی ھجری کے لکھے ھوے ھیں - ان اوراق کے کاتب نے خاتمہ پر جو عبارت لکھی ھے اُس سے واضح ھوتا ھے کہ یہ نسخہ ایک ایسے نسخے سے نقل ھوا ھے جو سنہ ۶۷۵ ھ مطابق سنہ ۱۲۷۶ ع میں مکتوب ھوا تھا —

دوسرا نسخہ بھی جو or. 1, 403 پر ھے، قدیم ھے - اس کی کتابت سنہ ۸۴۱ ھ

---

* Portsch, Uerzeichniss d. Persischen Handschriften d. Kgl. Biblio the K. Zu Berlin pp. 732.

Rosen les. Mss. de l' Institut des Langues Orientales. St. Petersb. pp. 169.

Rieu, Catalogue of the Persian Mss. in the Brit. Museum. Vol. II. pp. 534.

Ethe, Catalogue of the Persian Mss. in the Library of the Indian Office No. 860.

Sachau and Ethe, Catalogue of the Oriental Mss. in the Bodleian Library Oxford. Vol. 1 No. 497.

کے ماہ رمضان میں ہوئی ہے —

انڈیا آفس کا نسخہ .No. 2, 118 گیارھویں صدی کا ہے۔ اِس کی چار جلدیں مسلسل تین سال کے عرصے میں ایک ہی کاتب نے لکھی ہیں۔ پہلی جلد جس کے ساتھ دیباچہ بھی شامل ہے یکم رمضان سنہ ۱۰۰۷ ھ مطابق ۲۸ مارچ سنہ ۱۵۹۹ ع کو تمام ہوئی ہے۔

ہندوستان میں دیباچۂ قدیم بالکل نایاب ہے۔ اور یہاں کے بڑے بڑے کتب خانوں میں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون تنقید شعرالعجم میں دیباچۂ قدیم کے متعدد اقتباس نقل کئے ہیں اس لئے گمان تھا کہ اُن کے یہاں اس کا نسخہ موجود ہو گا۔ لیکن ہمارے ایما سے حسب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو اُنھوں نے ٹونک میں دیکھا تھا اور وہاں سے اس کی نقل بھی لی تھی۔ جو ان کے یہاں عرصے تک موجود تھی لیکن اب وہ گُم ہو گئی ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیباچۂ قدیم کا ایسا نسخہ جس سے ہم واقف ہیں ہندوستان میں صرف یہ ہی ایک نسخہ ہے جو اس وقت ہمارے زیر استعمال ہے —

اس نسخے پر سنہ کتابت نہیں ہے کہ جس سے اس کی قدامت کا اندازہ کیا جاسکے۔ تاہم سرنامہ پر تین مہریں ثبت ہیں۔ جو مسخ ہوکر محو ہونے کے قریب ہوگئی ہیں اور ان پر جو عبارت کندہ ہے وہ نہایت مشکل سے پڑھی جاتی ہے۔ تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارھویں صدی کے عشرۂ ثانی میں موجود تھا۔ اگر یہی زمانہ اس کی کتابت کا قرار دیا جائے تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ یہ نسخہ اگر انڈیا آفس والے نسخے سے مقدم نہیں تو اس سے متأخر بھی نہیں ہے —

اس نسخے میں کاتب نے جدت پسندی سے کام لیا ہے اور دیباچۂ قدیم کو ختم کرکے اس کے ساتھ بغیر کسی لحاظ اور ترتیب کے دیباچۂ مرزا بایسنغر کا

جوڑ لگا دیا ہے - لیکن یہ جوڑ ایسا ہے کہ نہایت آسانی کے ساتھ بلا کسی دقت کے تمیز ہوتا جا ہے - مزید توضیح کی غرض سے ہم ذیل میں اس نسخے کے جملہ مضامین کی فہرست درج کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان میں کس قدر حصہ اصلی اورکس قدر الحاقی اور کس قدر دیباچۂ بایسنغری سے منقول ہے —

۱ حمد و نعت

۲ کلیلہ دمنہ کا امیر نصر بن احمد سامانی کے عہد میں ترجمہ ہونا —

۳ ابوالمنصور طوسی کا اپنے وزیر ابوالمنصورالمعمری سے شاهنامہ مرتب کرانا —

۴ چند متفرق مضامین جن میں تقسیم زمین ' حدود ایران شہر ' تخلیق آدم سے زمانۂ تالیف کتاب تک امتداد ازمنہ کا ذکر ہے —

۵ ابومنصور طوسی اور ابو منصورالمعمری کے نسب ناموں کا تذکرہ —

۶ وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی شاعر کا شاهنامۂ ابومنصور کو منظوم کرنا —

۷ سلطان محمود کا فردوسی طوسی سے شاهنامے کو منظوم کرنا —

۸ شاہ نامے کا صلہ اور فردوسی کی ناکامی —

۹ سلطان محمود کی ہجو —

۱۰ فردوسی کا غزنین سے نکلنے کے بعد قوهستان ' مازندران ' عراق عرب وغیرہ کی سیاحت کرنا اور واپس آکر طوس میں فوت ہونا - اور شاہ نامے کے صلہ سے طوس کے قریب ایک سراے کا جس کا نام چاهہ ہے تعمیر ہونا —

ان مضامین میں فقرات (۱ تا ۵) ابومنصور طوسی کے شاهنامہ کا عین مقدمہ ہیں - فقرات (۶ و ۷ و ۸) الحاقی ہیں اور انہیں غالباً پانچویں صدی ہجری کے اواسط ایام میں کسی نے اضافہ کرکے اس مقدمہ کو شاہ نامۂ فردوسی کا دیباچہ بنا دیا ہے - فقرات (۹ و ۱۰) لفظ بلفظ دیباچۂ مرزا بایسنغر سے منقول ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلسلۂ واقعات کو قائم رکھنے کے لئے کاتب نے یہ حصہ اس میں

شامل کردیا ہے —

ان آخرالذکر فقرات او چونکہ دیباچۂ قدیم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ہم نے انھیں خارج کردیا ہے اور فقرات (۱ تا ۵) کو جو دیباچۂ قدیم کا اصلی اور حقیقی متن ہیں اس مضمون کے ساتھ شائع کرتے ہیں —

——— (۱) ———

عجم کی تاریخیں جو شاھنامۂ فردوسی سے پہلے مورخین اسلام نے لکھی ہیں

گذشتہ صدی کے خاتمے تک فردوسی اور شاھنامے کے حالات کا بہترین ماخذ مرزا بایسنغر کا دیباچہ اور دولت شاہ سمرقندی کا تذکرہ سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب زیادہ چھان بین کی گئی تو اس بارے میں نظامی عروضی سمرقندی کا چہار مقالہ قدیم ترین ماخذ قرار پایا۔ جو سنہ ۵۵۵ ھجری کے حدود میں فردوسی کی وفات سے کم و بیش تیرہ سو سال بعد تصنیف ہوا ہے۔ لیکن اب تھوڑے عرصے سے یہ امر طے پایا ہے کہ فردوسی اور شاھنامے کے بہترین اور معتبر ترین حالات دیباچۂ قدیم سے مل سکتے ہیں —

دیباچۂ قدیم میں شاھنامہ اور اُس کے ماخذات کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اُسے بیان کرنے سے پہلے ہم اُن تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہیں جو تاریخ عجم کے متعلق شاہ نامۂ فردوسی سے پہلے مورخین اسلام نے لکھی ہیں۔ اس تمہید سے نہ صرف تاریخ عجم کے اسلامی ذخیرے پر روشنی پڑے گی بلکہ ماخذات شاھنامہ کی نسبت جو واقعات مشہور ہیں اُن کی حقیقت بھی منکشف ہوجاے گی —

پہلوی تاریخوں کے عربی ترجمے

ایران کا تاریخی ذخیرہ جو ظہور اسلام کے وقت قدیم فارسی زبان میں موجود تھا وہ سب دوسری اور تیسری صدی میں خلفاء کے ایما سے عربی میں منتقل ہوگیا تھا۔ ھشام بن عبدالملک (سنہ ۱۰۹ — ۱۲۵ ھ) خاندان بنی اُمیہ کا آٹھواں خلیفہ ہے۔ اُس کے حکم سے جبلہ بن سالم نے عجم کی ایک مفصل تاریخ کا پہلوی سے عربی میں

ترجمہ کیا تھا - یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو عجم کے متعلق مسلمانوں نے لکھی ہے - مورخ مسعودی نے اس کتاب کو سنہ ۳۰۳ ھ میں بمقام اصطخر دیکھا تھا - اُس کا بیان ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور اُس کے نسخے فارس کے بعض ذی ثروت اور سر برآوردہ خاندانوں میں محفوظ ہیں - اس میں اہل عجم کے علوم و فنون، سلاطین کے واقعات، عمارات و اَبنیہ کے حالات اور سلطنت کے آئین و قوانین مذکور ہیں - اور ایسی باتیں کثرت سے ہیں جو عجم کی دوسری کتابوں مثلاً خدائی نامہ، ماہ نامہ، اور کہہ نامہ میں نہیں ملتی ہیں - علاوہ ازیں ملوک ساسانیہ کے پچیس بادشاہوں اور دو شہزادیوں کی تصاویر بھی اس میں لگی ہوئی ہیں * —

سکیکین کا ترجمہ

سکیکین کے نام سے قدیم فارسی زبان میں عجم کی ایک مبسوط تاریخ ساسانیوں نے لکھوائی تھی - خلیفہ منصور عباسی (سنہ ۱۳۶ - ۱۵۸ھ) کے ایما سے ابن المقفع نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا - یہ کتاب قدماے ایران کے متعلق تھی - اس میں اُن لڑائیوں اور غارت گریوں کے مفصل و مشرح حالات تھے جو قدیم فارسیوں اور ترکوں کے مابین واقع ہوئی ہیں - ان کے ضمن میں رستم و اسفندیار کی حکایات، سیاوش اور بہمن کے قتل کے واقعات بھی کمال تفصیل کے ساتھہ تحریر تھے - اسلاف عجم کے قومی محاربات اور حیرت خیز واقعات کا بھی تذکرہ تھا - یہ کتاب مورخ مسعودی کے عہد میں موجود تھی اور قدماے ایران کے اکثر واقعات مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذهب میں اسی سے نقل کئے تھے † —

خدائی نامہ و آئین نامہ

ابن المقفع خلیفۂ منصور عباسی کا کاتب اور فارس کا باشندہ تھا - فارسی اس کی مادری زبان تھی - اس نے

---

* کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۰۶ —

† مروج الذهب جلد اول ص ۹۰۸ و ص ۱۰۹ —

خلیفه کے حکم سے فارسی کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمه کیا تھا - ان میں خدائی نامه اور آئین نامه عجم کی تاریخیں تھیں - ابن مقفع نے خدائی نامه کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا تھا - اس میں کیومرث کے زمانے سے عربوں کے تسلط تک تمام سلاطین عجم کے واقعات مزکور تھے* آئین نامه خدائي نامه سے زیادہ مفصل تھا اور کئی هزار صفحوں میں تمام هوا تھا + —

سیر ملوک الفرس

خلفائے عباسیه کے زمانے میں بعض دوسرے مترجموں نے بھی عجم کی متعدد تاریخوں کے عربی میں ترجمے کئے تھے - ان میں محمد بن جهم البرمکی‡' زادویه بن شاهویة الاصفهانی$' محمد بن بهرام بن مطیار الاصفهانی؟' بهرام بن مهران الاصفهانی ‖ 'زیادہ مشہور هیں اور ان کی کتابیں سیر ملوک الفرس کہلاتی هیں —

تاریخ ملوک ساسانیه

اسی زمانے میں هشام بن قاسم الاصفهانی نے تاریخ ملوک آل ساسان کا ترجمه کیا - لیکن اس میں کثرت سے غلطیاں تھیں جن کی اصلاح بعد میں بهرام بن مردان شاہ موبد مدینۂ شاپور نے کی⊙

خدائی نامه کے مختلف نسخوں میں کاتبوں کي نافهمی سے بکثرت غلطیاں هوگئیں تھیں اور اُن میں اسقدر تناقض پیدا هوگیا تھا که ایک نسخه دوسرے نسخے سے بالکل مختلف نظر آتا تھا- اس خرابی کو سب سے پہلے بهرام بن مردان شاہ

---

* ابن ندیم ص ۱۱۸ - حمزۂ اصفهانی ص ۷ و ص ۱۴ - ص ۲۰ ص ۵۵

+ ابن ندیم ص ۱۱۸ - کتاب التنبیه ص ۱۰۴

‡ حمزہ ص ۷ - آثار الباقیه ص ۹۹

$ - حمزہ ص ۷ - ترجمۂ طبری ص ۳

؟ - حمزہ ص ۷

‖ ترجمۂ طبری ص ۳ - آثار الباقیه ص ۹۹ —

⊙ حمزہ ص ۷ - ترجمۂ طبری ص ۳ - آثار الباقیه ص ۹۹

نے جو مدینۂ شاپور کا موبد تھا محسوس کیا اور خدائی نامہ کے بیس مختلف نسخوں کو جمع کر کے اس کی تصحیح کی* اس کے بعد موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی نے اس جانب توجہ کی - یہ شخص تیسری صدی میں گذرا ہے - تاریخ عجم کا بہت بڑا ماہر تھا - اُس نے خدائی نامہ کی تصحیح کے لئے مراغہ کا سفر کیا - یہاں کے رئیس علا بن احمد کے یہاں ایک عالم حسن بن علی الہمدانی رہا کرتا تھا - اس کو تاریخ عجم میں خوب مزاولت تھی - کسروی نے اس کی مدد سے خدائی نامہ کی تصحیح کی اور اُس پر شرح وحواشی اس قدر اضافہ کئے کہ وہ ایک مستقل تصنیف ہو گئی† —

کسروی کی تاریخ ملوک ساسانیہ

کسروی نے قدمائے ایران کے حالات چھوڑ دئے اور سکندر کبیر کی وفات سے کتاب کی ابتدا کی اور عربوں کے تسلط پر اُس کا خاتمہ کیا - لیکن کمال شرح و بسط کے ساتھ صرف سلاطین آل ساسان کے حالات تحریر کئے - یہی وجہ ہے کہ اس کی کتاب نامۂ ساسانیاں کے نام سے مشہور ہوگئی‡—

تاریخ عجم پر متفرق کتابیں

یہ کتابیں ایران کی عام تاریخ سے تعلق رکھتی تھیں - ان کے علاوہ اکثر کتابیں ایسی بھی ترجمہ ہوئی ہیں جن میں خاص خاص واقعات اور خاص خاص بادشاہوں کے حالات تھے - جبلہ بن سالم نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، خلیفہ ہشام کے لئے سکیکین کے علاوہ دو اور چھوٹی چھوٹی تاریخی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا - اُن میں سے ایک کتاب رستم بن اسفندیار کے محاربات سے تعلق رکھتی تھی - دوسری میں

---

* حمزہ ص ۲۰

† حمزہ ص ۱۴

‡ حمزہ ص ۱۴ - ترجمۂ طبری ص ۳

بہرام گور کے وقایع مذکور تھے* —

خاندان سا سانیہ کے بانی اردشیر بابکان کے حالات میں ایک مستقل کتاب پہلوی زبان میں لکھی گئی تھی - کارنامک ارتخشیر اس کا نام تھا - عربی میں اس کا ترجمہ بھی ہوگیا تھا † —

نوشیروان کے متعلق کئی کتابوں کا ترجمہ ہوا تھا - ان میں سے چار کتابوں کا تذکرہ ابن ندیم نے بھی کیا ہے‡ - کتاب‌الکارنامج ' کتاب الوقایع ' کتاب التاج ' کتاب التوقیع - پہلی تین کتابوں میں نوشیرواں کا تذکرہ ہے ' چوتھی میں احکام و فرامین ہیں —

اوپر جس قدر کتابوں کا ذکر ہوا ہے وہ پہلوی کے ترجمے تھے - اِن کے علاوہ مورخین اسلام نے تاریخ عالم پر جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں عجم کے حالات مستقل عنوانوں کے تحت میں تحریر کئے ہیں - بالخصوص طبری اور مسعودی نے اپنی تاریخوں میں عجم کے حالات کو خوب شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے —

بعض مورخین نے عجم کے متعلق مختلف کتابیں تصنیف کی ہیں - اِن میں بحتری (وفات سنہ ۲۰۷ ھ) کی دو کتابیں تاریخ العجم اور اخبارالفرس زیادہ مشہور ہیں مسعودی نے بھی ایک کتاب محاربات عجم پر لکھی ہے - اس میں شجاعان ایران کی بڑی بڑی لڑائیوں کا تذکرہ ہے - اور اسے مسعودی نے عبید بن شربہ کی کتاب کے جواب میں لکھا ہے جو شجاعان عرب کی لڑائیوں پر تصنیف ہوئی ہے -

عجم کی تاریخیں فارسی زبان میں

یہ تذکرہ اُن تصنیفات کا ہے جو عجم کے متعلق عربی زبان میں ترجمہ یا تصنیف ہوئی تھیں - لیکن جدید فارسی جسے اسلامی فارسی کہنا زیادہ موزوں ہے تیسری صدی تک اس ذخیرے سے بالکل خالی تھی - خلیفہ مامون‌الرشید (سنہ ۱۹۸ - سنہ ۲۱۸ ھ)

---

* ابن ندیم ص ۱۱۸ — † مروج‌الذہب جلد اول ص — ‡ ابن‌ندیم ص ۱۱۸ —

کے بعد خراسان میں سامانی حکومت قایم هوئی تو اهل عجم نے اس جانب توجه کی۔ سامانی فرماں روا بهرام چوبین کی اولاد سے تهے - انهیں اپنی زبان اور اپنے آبا و اجداد کے کارناموں سے خاص دلچسپی تهی - جس کے باعث ان کے عهد سلطنت میں فارسی زبان کے بہت سے مصنف پیدا هو گئے اور انهوں نے تهوڑے هی عرصے میں تاریخ عجم پر چار ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیں اور اُن کے نام شاہ نامے رکھے - اِن میں دو نثر اور دو نظم تهے —

شاہ نامۂ ابو منصور طوسی

نثر میں سب سے قدیم ابو منصور محمد بن عبدالرزاق طوسی کا شاہ نامه هے - اس کی نسبت دیباچۂ قدیم میں لکها هے که امیر نصر بن احمد سامانی (سنه ۳۰۱ - سنه ۳۳۱ ھ) نے اپنے وزیر ابوالفضل بلعمی سے کلیله دمنه کا ترجمه کرایا تو ابو منصور طوسی نے اپنے دستور ابو منصورالمعمری سے تاریخ عجم کے مدون کرنے کی فرمائش کی - ابو منصورالمعمري نے اس کام کے لئے اطراف ممالک سے چار مجوسی عالم طلب کئے - انهوں نے کیومرث کے زمانه سے یزد گرد کی تباهی تک عجم کے واقعات فراهم کئے اور سنه ۳۰۶ھ کے ماہ محرم میں اس کو تمام کر کے شاہ نامه نام رکها —

شاہ نامه ابوالمؤید بلخی

اس کے کچهه عرصے بعد ابوالمؤید بلخی نے اپنا شاہ نامه تصنیف کیا - یه بهی نثر میں تها - ابو علی بلعمی اپنے ترجمۂ تاریخ طبري میں اس کو شاہ نامه بزرگ کے نام سے تعبیر کرتا هے* ابوالمؤید فارسی کے قدیم شعرا سے هے - محمد عوفی نے اسے سامانی شعرا میں شمار کیا هے† بعض تذکرہ نویس اسے ابوالمثل بخاری کا معاصر بیان کرتے هیں‡ اس نے سب سے پہلے یوسف زلیخا کا قصه بهی نظم کیا هے - چنانچه فردوسی طوسی نے اپنی

---

* ترجمۂ طبري صفحه ۴۰

† لباب الالباب جلد دوم صفحه ۲۶

‡ مجمع الفصحاء جلد اول صفحه ۶۵

یوسف زلیخا میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے —

دو شاعر کہ این قصہ را گفتہ اند ‌‌ بہر جاے معروف ننہفتہ اند

یکے بوالمؤید کہ از بلخ بود ‌‌ بدانش ہمی خویشتن را ستود

نخست او بدین در سخن یافت ست ‌‌ بگفت ست چون بانگ در بافت ست

شاہ نامۂ مسعودی مروزی

نظم میں مسعودی مروزی کا شاہ نامہ مقدم ہے - اس میں قدیم شاہان عجم کے محاربات مذکور ہیں - ابو منصور ثعالبی نے اپنی "کتاب الغرر" میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور مزدوجۃ الفارسیہ * کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے† —

"ذکر المسعودی المروزی فی مزدوجۃ الفارسیہ"

شاہ نامہ ابو علی بلخی

اس کے بعد ابو علی محمد بن احمد البلخی الشاعر نے اپنا شاہ نامہ تصنیف کیا ہے یہ بھی نظم میں ہے - حاجی خلیفہ نے شاہ نامۂ فردوسی کے ساتھ امتیاز پیدا کرنے کے لئے اسے شاہ نامۂ قدیم کے نام سے موسوم کیا ہے‡ - ابو ریحان البیرونی کا بیان ہے کہ مصنف نے اس کے مضامین عبداللہ بن المقفع، محمد بن جہم البرمکی، ہشام بن قاسم، بہرام بن مردان شاہ موبذ مدینۂ شاپور اور بہرام بن مہران الاصفہانی کی سیر الملوک سے اخذ کئے ہیں اور ایک مجوسی عالم بہرام الہروی سے واقعات کی تصحیح کی ہے —

و قد ذکر ابو علی محمد بن احمد البلخی الشاعر
فی الشاہنامہ ہذا الحدیث فی بدو الانسان علی غیر ما
حکینا بعد ان زعم انہ صحیح اخبارہ من کتاب سیر الملوک
الذی لعبداللہ بن المقفع والذی لمحمد بن الجہم البرمکی

---

* علم بدیع کی اصطلاح میں مثنوی کو مزدوج کہتے ہیں —
† کتاب الغرر صفحہ ۱۰ صفحہ ۳۸۸
‡ کشف الظنون جلد دوم صفحہ ۶۷

والذي لهشام بن قاسم والذی لبهرام بن مردان شاه موبذ مدینة
شابور والذی لبهرام بن مهران الاصبهانی ثم قابل ذلک
بما اوردہ بہرام الهروی المجوسی* -

تیسری اور چوتھی صدی میں شاہ ناموں کی شہرت عام اور ان عہد کی تصنیفات میں ان کا تذکرہ

یہ شاہ نامے تصنیف ہونے کے بعد بہت جلد مشہور و مقبول ہو گئے تھے - یہاں تک کہ اُمرا و سلاطین کے لئے دستورالعمل مانے جاتے تھے - اور ان کا پڑھنا اور سننا اُن کے لئے امر لازمی سمجھا جاتا تھا - چنانچہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ سنہ ۴۲۰ھ میں جب سلطان محمود نے ''ری'' کو فتح کیا اور وہاں کا حکمراں مجدالدولہ بویہ گرفتار ہو کر سلطان کے روبرو آیا تو سلطان نے اُس سے سوال کیا کہ ''کیا تم نے شاہ نامہ اور تاریخ طبری کو پڑھا ہے' جو سلاطین عجم اور خلفاے اسلام کی تاریخیں ہیں'' اور ''کیا تم نے شطرنج کھیلی ہے''- اُس نے جواب دیا ''ہاں''- اس پر سلطان نے پوچھا کہ ''کیا تم نے اُن میں کہیں پڑھا ہے کہ دو بادشاہوں نے ایک مملکت میں حکومت کی ہے یا کبھی دو بادشاہ شطرنج کے ایک خانہ میں جمع ہوتے ہوے دیکھے ہیں'' - مجدالدولہ نے جواب دیا ''نہیں'' - اس پر سلطان نے کہا کہ ''پھر تم نے اپنا اختیار و اقتدار کس لئے دوسرے کو دیدیا کہ وہ تم سے برتر ہو گیا'' †—

وقال له اما قرات شاه نامه وهو تاريخ الفرس و
تاريخ الطبری وهو تاريخ المسلمين ' قال بلى ' فادالک
حال من قرأها ' اما لعبت بالشطرنج ' قال بلى ' قال
رآيت شاهاً يدخل على شاه ' قال فما حالک ان سلمت

---

* آثارالباقیه صفحه ۹۹
† روضة الصفا طبع طهران جلد چهارم صفحه ۲۹

فغسک الیٰ من ھو اتویٰ ملک *

تیسري اور چوتھی صدی کے اکثر مصنفین نے ان شاہ ناموں سے استفادہ کیا ھے اور اپنی تصنیفات میں ان کے حوالے دئے ھیں—

ترجمۂ تاریخ طبری میں شاہ نامہ کا تذکرہ

ابو علی بلعمی نے ترجمۂ تاریخ طبری میں ابوالمؤید بلخی کے شاہ نامہ کا کئی جگہ ذکر کیا ھے۔ ایک جگہ لکھتا ھے کہ تور اور فرامرز کے قصے ابوالمؤید نے شاہ نامۂ بزرگ میں تفصیل سے بیان کئے ھیں—

"و حدیثہا و اخبارھائے ایشان بسیار گوید ابوالمؤید بلخی بشاہ نامہ بزرگ" †

قابوس نامہ میں شاہ نامہ کا تذکرہ

ابوالمعالی کیکاوس بن اسکندر بن قابوس و شمگیر نے اپنی مشہور تصنیف قابوس نامہ میں جو سنہ ۴۷۵ ھ میں تمام ھوئی ھے 'شاہ نامۂ ابوالمؤید بلخی کا اس طرح ذکر کیا ھے—

"و پیوستۂ جدت ملوک جہانی شمس المعالی قابوس ابن و شمگیر کہ نبیرۂ ارغش فرھادوند است کہ ملک گیلان بود۔ بروزگار کیخسرو ابوالمؤید بلخی ذکر اورا در شاہ نامہ آوردہ است ‡

البیرونی کی آثارالباقیہ میں شاہ ناموں کا تذکرہ

ابو ریحان البیرونی نے جرجان میں شمس المعالی قابوس بن و شمگیر کے عہد میں سنہ ۳۹۰ ھ یا سنہ ۳۹۱ ھ کے قریب اپنی مشہور تاریخ اقوام عالم "آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ" تصنیف کی ھے اُس میں ابومنصور طوسی اور ابوعلی بلخی کے

---

* کامل ابن اثیر جلد نہم طبع یورپ ص ۳۶۱—

† ترجمہ تاریخ طبری ص ۳۰— ‡ قابوس نامہ طبع بمبئی ص ۳—

شاہ ناموں کا متعدد جگہ ذکر کیا ہے - ایک جگہ ذوالقرنین کی نسبت مورخین کے اختلافات کو بیان کرتے ہوے لکھا ہے کہ ابو منصور طوسی کے شاہ نامہ میں ذوالقرنین کا نسب سنو شجہر تک پہنچایا گیا ہے * دوسری جگہ ملوک اشکانیہ کے نام بھی اسی شاہ نامے سے نقل کئے ہیں † - ایک اور جگہ بدوالانسان کی نسبت اہل عجم کے مختلف اقوال نقل کرتے ہوے ابو علی بلخی کے شاہ نامہ سے اخذ کرکے کیومرث کے قیام جنت اور ہبوط کے بعد سکونت ارض کی مدت بیان کی ہے ‡

امام ثعلبی کی کتاب الغرر میں شاہ ناموں کا تذکرہ

جس زمانے میں فردوسی شاہ نامے کی تصنیف میں مصروف تھا، قریب قریب اُسی زمانے میں امام ابومنصور ثعلبی نے اقوام عالم کی ایک مبسوط تاریخ لکھی ہے، جس کا نام کتاب الغرر فی اخبار الملوک ہے ♂ اور یہ کتاب امیر ابوالمظفر نصر بن ناصرالدین سبکتگین کے نام پر لکھی گئی ہے - اس کے باب دوم میں سلاطین عجم کے چاروں طبقات کا حال نہایت تفصیل کے ساتھہ مذکور ہے - اور اس کے لکھنے میں ثعلبی نے نہ صرف عرب مورخین مثلاً طبری، جوالیقی ابن خردادبہ وغیرہ کی تصنیفات سے مضامین اخذ کئے ہیں بلکہ فارسی تصنیفات سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے - کئی جگہ شاہ نامے کے حوالے دئے ہیں - مثلاً گشتاسپ کے حالات میں اُس کے معاصر بادشاہ ترکستان کا تذکرہ کرتے ہوے لکھا ہے کہ اس کا نام طبری نے خوراسف

---

* آثارالباقیہ ص ۳۸ —

† آثارالباقیہ ص ۱۱۶ —

‡ آثارالباقیہ ص ۹۹ —

♂ کتاب الغرر کے مضامین بائیس ابواب پر منقسم ہیں - اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون " ترقی علوم و فنون بعہد سلطنت مسلمانان ہندوستان" جو رسالہ اردو بابت سنہ ۱۹۲۳ ع جلد سوم صفحہ ۳۵۳ میں شایع ہوا ہے - کتاب الغرر کا وہ حصہ جس میں سلاطین عجم کے حالات ہیں موسیو زوتن برگ M.Zotenberg نے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھہ سنہ ۱۹۰۰ ع میں بمقام پیرس چھپوایا ہے — Histoire des Rois des Perses.

ابن خرداد به نے هزاراسف اور صاحب شاہ نامه نے ارجاسپ بیان کیا ھے * - ایک اور مقام پر اشکانیوں کے حالات میں مورخین کے مختلف اقوال بیان کرتے ہوے صاحب شاہ نامه کی راے بھی بیان کی ھے† - کیومرث کے حالات میں مسعودی مروزی کے شاہ نامے کا حوالہ دیا ھے‡ —

(۷)

شاہ نامۂ فردوسی کے ماخذات

شاهنامے کی نسبت مدت دراز سے یہ راے چلی آرهی ھے کہ اس کے قصص و حکایات زبانی روایات سے ماخوذ نہیں ھیں - بلکہ ان کا ماخذ اول سے آخر تک ایران کی قدیم تصنیفات ھیں اور خاص کر اس کا وہ حصہ جو اشکانی اور ساسانی بادشاھوں سے تعلق رکھتا ھے ضرور کسی نہ کسی کتاب سے اخذ کیا گیا ھے - لیکن یہ امر کہ وہ کون سی کتاب تھی کہ جس پر فردوسی نے شاهنامه کی بنیاد قایم کی ھے صدیوں سے معرض بحث میں ھے —

ماخذات شاهنامه کی نسبت حاجی خلیفه اور صاحب مجمع الفصحا کا بیان

حاجی خلیفه کا بیان ھے کہ شاهنامه ایران کی اُس تاریخ سے ماخوذ ھے جسے بعض قدماے ایران نے تصنیف کیا اور پھر ابن المقفع نے پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا - اور اس سے اس کی مراد کتاب السکیکین ھے جس کا ذکر مسعودی نے مروج الذهب میں کیا ھے —

تاریخ الفرس لبعض قدماء اهل فارس و هو قد کان معظماً عندالعجم لما فیه من اخبار اسلافهم و سیر ملوکهم و هو اصل الشاهنامه وغیرها و نقله ابن المقفع من

---

* کتاب الغرر ص ۲۶۳ —

† کتاب الغرر ص ۴۵۷ —

‡ کتاب الغرر ص ۱۰ —

الفهلویه الی العربیه کما فی مروج الذهب* —

صاحب مجمع الفصحا نے قدماے ایران کی متعدده کتابوں کو شاهنامه کا ماخذ بیان کیا هے —

وقایع بادشاهی سلاطین بعضے را سلاطین بعد و برخے را دانایان هر عهد بر نگاشته انه و اول کسے بنیاد این کار بر نهاد طهورث بود که حالات سیامک را با کیومرث بتحریر و تاریخ در آورده است- بعد ازاں تا زمان یزد گرد آثار شاهان ایران را بمرور دهور ثبت کرده اند- از جمله نامهاے قدیم جاماسب نهاد کتاب اوست که در ذکر خسروان ایران بوده دیگر آئین بهمن است در احوال بهمن- دیگر داراب نامه است دیگر دانش افزاے نوشیروانی که جامع بزرگ مهر حکیم بوده و باستان نامه و دانشور نامه و خراد نامه و حکیم ابوالقاسم محمد بن منصور فردوسی آثار و افعال ملوک عجم را از آن نامها بدست آورده منظوم کرده و اکنوں بشاهنامه مشهور است† —

ماخذات شاهنامه کی نسبت فردوسی کا بیان

فردوسی نے بھی شاهنامے میں اپنے ماخذ کا ذکر کیا هے اور اس کا بیان هے که قدیم زمانے میں ایران کی ایک تاریخ لکھی گئی تھی- اس کے مختلف اجزا موبدوں کے پاس محفوظ تھے- ایک رئیس دهقان نے جو شاهان کیانیه کی نسل سے تھا اطراف اکناف کے بوڑھے موبدوں کو جمع کرکے اُن پریشان اجزا کو جمع کرایا اور انھیں

---

* کشف الظنون ج ۲ ص ۹۷

† مجمع الفصحا جلد اول ص ۳۸۳

کتاب کی صورت میں ترتیب دلایا - اس کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن اُس کی قبل از وقت وفات سے یہ کام انجام کو نہ پہنچا ـ تو میں نے اسے مکمل کرنے کا ارادہ کیا' یہ کتاب کمیاب تھی لیکن ایک ہم وطن دوست نے مہیا کر دی —

یکے نامہ بد از گہِ باستان	فراوان بدو اندرون داستان
پراگندہ در دست ہر موبدے	از و بہرۂ بردہ ہر بخردے...
یکے پہلوان بود دہقان نژاد	دلیر و بزرگ و خرد مند و راد
ز ہر کشورے موبدے سال خورد	بیاورد' این نامہ را گرد کرد
بہ پرسید شان از نژاد کیان	وزان نام داران فرخ گوان
بہ گفتند پیشش یکایک مہان	سخن ہاے شاہان و گشتِ جہان
چو بشنید از ایشان سپہبد سخن	یکے نامور نامہ افگند بن
بہ نظم آرم این نامہ را گفت من	ازو شادمان شد دل انجمن
یکایک ازو بخت برگشتہ شد	بدست یکے بندہ برگشتہ شد
برفت او و این نامہ ناگفتہ ماند	چنان بخت بیدار او خفتہ ماند
دل روشن من چو برگشت ازوے	سوے تخت شاہ جہان کرد روے
کہ این نامہ را دست پیش آورم	ز دفتر بگفتار خویش آورم
بشہرم یکے مہربان دوست بود	تو گفتی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این راے تو	بہ نیکی خرامد مگر پاے تو
نوشتہ من این نامۂ پہلوی	بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
شو این نامۂ خسروان باز گوے	بدین جوے نزد میان آبروے*

یہ کتاب نثر تھی اور اس کو دو ہزار سال سے کسی نے بھی نظم کرنے کا ارادہ

---

* شاہ نامہ طبع بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ ص ۳ و ص ۴

نہیں کیا تھا - دقیقی نے اس میدان میں سب سے پہلے قدم رکھا ہے اور اسے نظم کرنا شروع کیا —

فسانہ کہن بود و منثور بود | طبایع ز پیوند او دور بود
نبردے بہ پیوند او کس گمان | بر اندیشہ گشت این دل شادمان
گذشتہ بر او سالیان دہ هزار | گرایدون کہ بر تر نیاید شمار
گرفتم بگویندہ بر آفرین | کہ پیوند را راہ داد اندرین *

جیسا کہ هم نے اوپر بیان کیا ہے فردوسی نے اپنے ماخذ کا ذکر کیا ہے لیکن وہ اس قدر مبہم و مجمل ہے کہ اس سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ فردوسی نے اس سے کون سی کتاب مراد لی ہے - لیکن دیباچۂ قدیم سے فردوسی کے اس بیان پر کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ معمہ جو مدت دراز سے لاینحل سمجھا جاتا تھا بآسانی حل ہوجاتا ہے —

ساخذات شاہ نامہ کی نسبت صاحب دیباچۂ قدیم کا بیان

صاحب دیباچۂ قدیم کا بیان ہے کہ امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ ھ- سنہ ۳۳۰ ھ) کے عہد میں ابو منصور محمد بن عبدالرزاق طوسی نے تاریخ عجم کی تدوین کا ارادہ کیا اور اپنے وزیر ابو منصورالمعمری سے اس کی فرمائش کی - وزیر نے اس کام کے لئے اطراف اکناف سے چار مجوسی عالم طلب کئے - ساخ پسر خوی ہرات سے - یزدان داد پسر شاپور سیستان سے ' شاہوے پسر بہرام نیشاپور سے - شادان پسر برزین طوس سے آے - اور اُنھوں نے کیومرث کے زمانے سے یزدگرد کی تباہی تک عجم کی تاریخ مرتب کی اور سنہ ۳۰۶ھ کے ماہ محرم میں اُس کو تمام کرکے شاهنامہ اس کا نام رکھا —

اس شاهنامے کو نصر بن احمد سامانی (۳۰۱ ھ - سنہ ۳۳۱ھ) کے زمانے میں

---

* شاہ نامہ جلد سوم ص ۱۴

وزیر ابوالفضل بلعمی کی فرمائش سے دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا - لیکن اسی اثنا میں اُس کے ایک غلام نے اُسے ہلاک کردیا - جس کے باعث شاہنامہ ناتمام رہ گیا - یہاں تک کہ سلطان محمود غزنوی کا زمانہ آیا اور سلطان کی فرمائش سے فردوسی نے شاہنامے کو نظم کیا —

"پس امیر ابومنصور محمد بن عبدالرزاق مروی بود باو فرخوش کام و با هنر و بزرگ منش اندر کام روائی و بادستگاه از بادشاهی و ساز مهتران و اندیشهٔ بلند داشت و نژادی درشت بزرگ بگوهر از تخم اسپهبدان ایران بود و کار کلیلہ دمنه و نهاد و نشان شاه خراسان بشنید خوش آمدش و از روزگار آرزو کرد تا اورا نیز یاد کارے بود درین جهان - پس دستور خویش ابو منصورالمعمری را بفرمود تا خداوندان آن کتب را از دهقانان و فرزانگان و جهان دیدہ‌گان از شهرها بیاورند و چاکر او ابو منصور بفرمان او نامه کرد، کس فرستاد بشهر هاے خراسان و هشیاران از آنجا بیا ورند. از هر جاے - چون ماخ پسر خوی از هری و چون یزدان داد پسر شاپور از سیستان - و چون شاهوی پسر بهرام از نیشا پور و چون شادان پسر برزین از طوس - و هر جا نشان فرمود بفرا آوردن این نامه هائے شاهان و کارنامه هائے شان و زندگانی هر یکے و داد و بیداد و آشوب و جنگ و آئین - از نخستین کیومرث که اندر جهان آمد او بود که آئین مروی آورد و مردم را از جانوران پدید گردانید - تا یزد گرد شهر یار که آخر ملک کیان بودند - اندر ماه محرم سال

سی صد و شش از هجرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ و سلم
و این را تمام نمودہ شاہ نامہ نام نہادند —

و این شاہ نامہ بروزگار نصر بن احمد ابوالفضل بلعمی
دقیقی کہ شاعر بود فرمودند کہ بہ نظم آورد - و دقیقی
مردی بود کہ غلامان نیکو روی را دوست داشتی چون از
شاہ نامہ یک چندی بہ نظم آوردہ بود اتفاق چنان افتاد
کہ غلامی ترک دران روزہا خریدہ بود و باوی بازی میکرد
و آن غلام کاردی بہ شکم دقیقی زدہ بدان زخم ہلاک شد
و این شاہ نامہ تمام نا گفتہ بماند —

محمود او را پسر بود و او را میل بیشتر بعلم بود......
پس اتفاق چنان افتاد کہ درمیان حدیث سخن شاہ نامہ
برآمد......سلطان محمود بفرمود تا پیش آورند - پس روزے
عنصری را گفت عجب است کہ این شاہ نامہ را بہ نظم
نیاوردہ اند - عنصری حکایت دقیقی و سرگذشت او بازگفت -
سلطان محمود عنصری را فرمود تا این کتاب را بہ نظم
آورد - عنصری گفت بندہ فراغ آن نباشد کہ منظوم توانم
کرد اما بندہ را دوستی ہست کہ فراغ و مجال این دارد،
طلب کرد و پرسید کہ کجاست کہ حال معلوم گردد و بدان
فردوسی طوسی را خواست.......... القصہ او را پیش
تخت خواندہ و شاہ نامہ بدو دادند و فرمودند تا بہ نظم
آورد"—

فردوسی کے بیان کا دیباچے کی روایت سے مقابلہ کیا جاے اور دونوں کو
باہم تطبیق دی جاے تو یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ فردوسی کا رئیسِ دہقان

اور بوڑھے موبد' دیباچہ کا ابو منصور طوسی اور شاہ نامۂ ابو منصور کے گردآورندے
دونوں ایک ھیں اور نامۂ باستان سے فردوسی کی مراد شاہ نامۂ ابو منصور ھے -
علاوہ اس کے فردوسی نے مختلف مقامات پر شاہ نامۂ ابو منصور کے گردآورندوں
کا حوالہ بھی دیا ھے - چنانچہ ھرمز پسر نوشیرواں کی تخت نشینی کے حالات
بیان کرتے ھوے ماخ ھروی کا اس طرح ذکر کیا ھے—

یکے پیر بد مرزبان هری پسندیدهٔ و دیدہ از هردری
جهاں دیدهٔ و نام او بود ماخ سخندان و با برگ و بابدزوشاخ*

ایجاد شطرنج کی حکایت شاھوي کے حوالہ سے بیان کی ھے—

چنیں گفت فرزانه شاهوي پیر زشاهوي پیر ایں سخن یادگیر†

کلیلہ دمنہ کے تذکرہ میں شادان پسر برزین کا حوالہ دیا ھے—

نگه کن که شادان برزیں چه گفت بدانگه که بکشاد راز نهفت‡

یہ سب شواھد اس امر کے مؤید ھیں کہ فردوسی نے اپنے شاہ نامے کی بنیاد
ابو منصور طوسی کے شاہ نامے پر قایم کی ھے - لیکن یہ ضرور ھے کہ اس کے علاوہ
ایک یا دو کتابیں اور بھی ھیں کہ جن سے فردوسی نے شاہ نامے کے بہت سے مضامین
اور مطالب اخذ کئے ھیں - چنانچہ فردوسی نے مختلف مقامات پر اپنے ماخذات
کا مختلف ناموں سے تذکرہ کیا ھے - مثلاً نامۂ باستان اور نامۂ خسروان-

داستان کیومرث میں

پژوهیده نامـــهٔ باستان که از پهلوانان زند داستان$

---

* شاہ نامہ جلد چہارم صفحہ ۵۱ سطر ۲۲
† ,, ,, صفحہ ۳۳ سطر ۱۶
‡ ,, ,, صفحہ ۳۸ سطر ۲۹
$,, جلد اول صفحہ ۵ سطر ۲

داستان ملوک اشکانیہ میں

از ایشاں جز از نام نشنیدہ ام   نہ در نامۂ خسرواں دیدہ ام*

ماخذات شاہ نامہ

ان مختلف ناموں کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان سے فردوسی نے ایک ہی کتاب شاہ نامۂ ابو منصور طوسی کی جانب اشارہ کیا ہوگا - لیکن اس کے خلاف ایک ایسی قوی شہادت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نامۂ خسرواں سے شاہ نامۂ ابو منصور مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ایک ایسی کتاب مراد ہے جس کے نام و نشاں سے دنیا اس وقت تک محض نا واقف ہے ابو ریحان البیرونی نے "آثار الباقیہ فی قرون الخالیہ" میں شاہ نامۂ ابو منصور طوسی سے ملوک اشکانیہ کے نام نقل کئے ہیں - اور فردوسی نے ان بادشاہوں کے ناموں کو نامۂ خسرواں سے اخذ کیا ہے - اگر ان دونوں کا مقابلہ کیا جاے تو ان میں صاف و صریح اختلاف نظر آتا ہے - اور یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ فردوسی نے یہ نام شاہ نامۂ ابو منصور سے نہیں اخذ کئے ہیں اور نہ فردوسی کی مراد نامۂ خسرواں سے شاہ نامۂ ابو منصور ہو سکتی ہے - اب غور طلب امر یہ ہے کہ فردوسی نے نامۂ خسرواں سے کس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے - مشہور مورخ مسعودی (وفات سنہ ۳۴۶ھ) نے اپنی تصنیفات میں شاہان ایران کے جو حالات تحریر کئے ہیں اُن کے ماخذوں میں ایک قدیم تاریخ عجم بھی ہے جس کا نام "سکیکسن" ہے - مسعودی نے ملوک اشکانیہ کے نام اسی کتاب سے نقل کئے ہیں اور یہ نام کسی قدر اختلاف کے بعد فردوسی کے بیان کردہ ناموں سے بالکل مطابق ہو جاتے ہیں جس کے باعث قوی گمان ہوتا ہے کہ فردوسی نے یہ نام اُسی کتاب سے نقل کئے ہیں جو مسعودی کا ماخذ ہے —

---

* شاہ نامہ جلد سوم صفحہ ۸۸ سطر ۱۴ —

اسماء ملوک اشکانیه

بموجب شاهنامهٔ ابومنصور حسب روایت ابوریحان البیرونی *	بموجب کتاب سکیکین حسب روایت مسعودی †	بموجب نامهٔ خسروان حسب روایت فردوسی ‡
۱ - اشک بن دارا	۱ - اشک بن اشک	۱ - اشک از نسل قباد
۲ - اشک بن اشک	۲ - شاپور بن اشک	۲ - شاپور
۳ - شاپور بن اشک	۳ - جودزر بن اشک	۳ - گودرز
۴ - بهرام بن شاپور	۴ - بیزن بن شاپور	۴ - بیژن
۵ - نرسی بن بهرام	۵ - جودزر بن بیزن	۵ - نرسی
۶ - هرمز بن نرسی	۶ - نرسی بن بیزن	۶ - هرمز
۷ - بهرام بن هرمز	۷ - هرمز بن بیزن	۷ - آرش
۸ - هرمز	۸ - آرش بن نرسی	۸ - اردوان
۹ - فیروز بن هرمز	۹ - اردوان الاکبر	۹ - بهرام
۱۰ - نرسی بن فیروز	۱۰ - خسرو بن اردوان	۱۰ - اردوان الاکبر
۱۱ - اردوان	۱۱ - بلاش بن خسرو	
	۱۲ - اردوان الاصغر	

* آثارالباقیه ص ۹۹ —

† کتاب التنبیه والاشراف ص —

‡ Eranische Alterthums Kund Von Far. Spiegel, Vol. III. pp. 194

(۸)

شاہ ابو منصور طوسی کے ماخذات

جیسا کہ ہم نے گذشتہ فصل میں بیان کیا ھے کہ شاہ نامہ فردوسی کا بہت بڑا حصہ شاھنامۂ ابو منصور طوسی سے ماخوذ ھے ' اس لئے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اس موقع پر اس امر کی تحقیقات بھی کی جاے کہ شاہ نامہ ابو منصور طوسی کا ماخذ کیا ھے۔

مرزا بایسنغر کے دیباچہ نگاروں نے لکھا ھے کہ نوشیرواں نے اطراف و اکناف میں قاصد بھیج کر ایران کے تاریخی ذخیرے جمع کئے جن کو مداین کے رئیس دانشور دھقان نے یزد گرد بن شہر یار کی فرمائش سے مدون و مرتب کیا - عربوں نے جب ایران* فتح کیا تو یہ کتاب مال غنیمت میں آگئی ' جسے انھوں نے شاہ حبش کے یہاں بطور تحفہ روانہ کردیا - شاہ حبش نے اسے ھندوستان بھیج دیا- یعقوب بن لیث نے (جو خاندان صفاریہ کا بانی ھے اور سنہ ۲۵۳-۲۵۴ ھ سے سنہ ۲۶۵ ھ تک خراسان میں حکمراں رھا *-) اپنے زمانۂ حکومت میں اِسے ھندوستان سے طلب کیا اور ابو منصور بن عبدالرزاق کو حکم دیا کہ اسے پہلوی سے فارسی زبان میں ترجمہ کرلے -ابو منصور نے یہ خدمت اپنے وزیر ابو منصورالمعمری کے تفویض کی اور اُس نے ھرات ' سیستان ' نیشاپور اور طوس سے چار عالم بلائے اور اُن سے اس کتاب کا ترجمہ کرایا - یہ ترجمہ سنہ ۳۶۰ ھ میں تمام ھوا—

اس روایت سے ظاھر ھوتا ھے کہ ابو منصور کا شاھنامہ ایک پہلوی کتاب کا ترجمہ ھے جو یزدگرد کے زمانے میں مرتب و مدون ھوئی تھی-خدائی نامہ بھی قریب قریب اسی زمانے کی کتاب ھے اس لئے بعض مستشرقین نے اسے خدائی نامہ سمجھا اور اسی بنیاد پر بائرن روزن (Baron Rosen) نے ابو منصور کے شاہ نامہ کو خدائی نامہ کا ترجمہ قرار دیا—

---

* ابوالفدا جلد دوم ص ۴۳ ص ۵۲—

بر خلاف اس کے دیباچۂ قدیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نامۂ ابو منصور کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ گرد آورندوں نے اس کے مضامین و مطالب مختلف کتابوں سے اخذ کئے ہیں —

یہ مختلف کتابیں کون سی تھیں، ان کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔لیکن ایک جگہ عجم کی مختلف تاریخوں کا حوالہ دیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخیں اُس زمانے میں گردآورندوں کے پیش نظر تھیں جب کہ وہ شاہنامے کی ترتیب و تدوین میں مصروف و مشغول تھے —

ان تاریخوں کی تفصیل یہ ہے :—

سیر ملوک الفرس	عبداللہ بن المقفع۔یہ خدائی نامہ کا ترجمہ ہے
سیر ملوک الفرس	محمد بن جہم البر مکی
سیر ملوک الفرس	بہرام بن مہران الاصفہانی
سیر ملوک الفرس	زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی
تاریخ آل ساسان	ہشام بن قاسم الاصفہانی
تاریخ آل ساسان	موسیٰ بن عیسی الکسروی
تاریخ ملوک الفرس	جو خلیفہ مامون الرشید کے خزانہ سے حاصل کی گئی تھی * —

و اندر نامہ پسر مقفع و مانند ایشان شنیدیم کہ
انگاہ آدم صفی اللہ صلوات اللہ علیہ فراز آمد تا بدیں گاہ کہ
آغاز ایں نامہ گردید پنج ہزار و ہفت صد سال ست ....
و ہم چنیں از نامۂ محمد بن جہم بر مکی خبر آید و از

---

* حمزہ اصفہانی نے بھی اپنی تاریخ ص — میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔تاریخ ملوک الفرس المستخرج من خزانۃ المامون —

نامۂ بہرام اصفہانی و نامۂ زادوی اصفہانی ہم چنیں آید و
از نامۂ ساسانیان موسیٰ بن عیسیٰ خسروی و از نامۂ ہاشم
اصفہانی و از نامۂ شاہان فارس از گنج خانۂ مامون" —

یہ سب وہی کتابیں ہیں جن کا ترجمہ خلفا کے زمانے میں پہلوی سے عربی
زبان میں ہوا تھا اور جن کا مفصل حال ہم نے فصل ششم میں تحریر کیا ہے۔ اس سے
ثابت ہوتاہے کہ شاہنامۂ ابو منصور طوسی کا ماخذ اصل پہلوی تصنیفات نہیں تھیں
بلکہ اُن کے عربی ترجمے تھے —

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اُن ترجموں کو سامانیوں کے عہد میں قبول عام حاصل
ہوگیا تھا اور اس عہد کے مصنفین تاریخ عجم کو انھیں ترجموں سے نقل کیا کرتے
تھے - چنانچہ ابوالمؤید اور ابو علی نے بھی اپنے شاہناموں کا ماخذ و منبع انھیں
ترجموں کو قرار دیا تھا —

ابو علی بلعمی نے تاریخ طبری کے ترجمے میں ایک جگہ ابوالمؤید بلخی کے
شاہنامے کا اقتباس نقل کیا ہے - جس میں اس کے ماخذات کی تفصیل بھی
درج ہے —

" اندر نامۂ بزرگ ایدون گوید پسر مقفع کہ از کاہ
بیرون آمدن آدم علیہ السلام تا بروزگار پیغامبر ما صلی اللہ
علیہ و سلم شش ہزار و سیزدہ سال بود و پنج ہزار و نہصد
سال ایدون گویند نخستین کسی کہ بر زمین آمد
آدم علیہ السلام بود و اورا کیومرث خوانند - و محمد بن
جہم البرمکی ہم چنین گوید و زادوی شاہوی ہم چنین گوید
و اندر نامۂ بہرام مہران اصفہانی ہم چنین گوید و اندر نامۂ
مردان شاہ صیاہانی و ہاشم قاسم صفہانی ہم چنین گوید
و اندر نامۂ ساسانیان موسیٰ بن عیسیٰ خسروی و اندر نامۂ

بادشاهان فارس هم چنیں گوید و زادوی فرخان موبد موبذان یزد گرد هم چنیں آگاهی دهد "—

ابو ریحان البیرونی نے آثارالباقیه میں شاہ نامۂ ابو علی بلخی کے ماخذات کی حسب ذیل تفصیل بیان کی ہے :—

سیرملوک‌الفرس	عبدالله بن‌المقفع
"	محمد بن جهم‌البرمکی
"	هشام بن قاسم اصفهانی
"	بهرام بن مردان شاہ موبد مدینۂ شاپور
"	بهرام بن مهران اصفهانی

—(۹)—

شاہ نامۂ فردوسی کا عہد تصنیف

فردوسی نے خاتمے میں صراحت کی ہے کہ شاهنامه سنه ۴۰۰ھ میں پینتیس سال کی محنت کے بعد تمام هوا اس وقت اُس کی عمر آسی سال کے قریب تھی —

سی و پنج سال از سرائے سپنج — بسے رنج بر دم بامید گنج

چو برباد دادند رنج مرا — نبد حاصلی سی و پنج مرا

کنون عمر نزدیک هشتاد شد — اُمیدم به یکبارہ برباد شد

سر امد کنون قصۂ یزد گرد — بماہ سفندارمذ روز ارد

ز هجرت شدہ پنج و هشتاد بار — که گفتم من این نامۂ شاہ وار*

اس اعتبار سے معلوم هوتا ہے که فردوسی سنه ۳۲۰ھ یا ۳۲۱ھ کے قریب پیدا هوا اور کم‌وبیش پینتالیس‌سال کی عمرمیں سنه۳۶۷ھ کے قریب شاہ نامه کو نظم کرنا شروع کیا - اُس وقت سامانی خاندان کے آٹھویں بادشاہ نوح بن منصور (سنه ۳۶۵- سنه ۳۸۷ھ) کی حکومت تھی - اور اسی نوح بن منصور کے حکم سے امام طبری کی مشہور تفسیر و تاریخ کا فارسی میں ترجمه هوا تھا —

---

* شاہ نامه جلد چهارم ص ۱۴۹ سطر ۵

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے پندرہ سولہ سال کی مدت میں شاہ نامے کی مشہور حکایات کو منظوم کر کے ان کا ایک مجموعہ مرتب کرلیا تھا۔ اور اسے سنہ ۳۸۴ ھ میں اختتام کو پہنچا دیا تھا —

شاہ نامے کا نقش اول

شاہ نامے کے بعض قدیم قلمی نسخوں میں جو اس وقت برٹش میوزیم میں موجود ہیں * داستان یزد گرد کے خاتمے پر حسب ذیل ابیات پائے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ نامہ ماہ اسفندارمذ کے روز ارد (یوم بست و پنجم) کو جو ۲۵ ۔ محرم سنہ ۳۸۴ ھ کے مطابق ہے تمام ہوا ہے --

سر امد کنوں قصۂ یزد گرد   بماہ اسفندارمذ روز ارد

ز ہجرت شدہ سی صد از روزگار   چوہشتا دو چار از برش بر شمار

ابوالفتح علی بن محمد البنداری الاصفہانی نے سنہ ۶۲۰ ھ و ۶۲۴ھ کے ما بین شاہ نامۂ فردوسی کا نثر عربی میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس میں شاہ نامے کا سال اختتام بتا یا ہے † --

سنہ ۳۸۴ ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا جو نسخہ ختم کیا ہے وہ نقش اول ہے اس کی بنیاد ابو منصور طوسی کے شاہ نامے پر قائم تھی اور فردوسی نے اس کو اپنے وطن طوس میں مرتب کیا تھا —

شاہ نامہ کا نقش ثانی

شاہنامے کا جب نقش اول مرتب ہو گیا تو اُسے لے کر فردوسی اپنے وطن طوس سے نکلا ۔ سنہ ۳۸۸ ھ میں نوح اصفہان میں وارد ہوکر خان النجان‡ کے رئیس احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی

---

* Riue, B. M. C. vol II, pp, 534

† حاجی خلیفہ نے الفتح بن علی البنداری مترجم کا نام لکھا ہے ۔ کشف الظنون جلد چہارم ص ۱۲ ۔

‡ خان النجان ۔ ایک ناحیہ کا نام ہے جو اصفہان سے سات یا نو فرسخ کے فاصلہ

(باقی برصفحۂ آیندہ)

کا مہمان ہوا - اور شاہ نامہ کو اُس کے نام سے منسوب و موسوم کرکے سنہ ۳۸۹ ھ میں نقش ثانی کا خاتمہ لکھا* —

چو شد اسپری داستان بزرگ	سخن ہاے آن خسروان سترگ
بروز سیم شنیدی چاشت گاہ	شدہ پنج رہ پنج روزان ز ماہ
کہ تازیش خواند محرم بنام	از ارجمندیش ماہ حرام
اگر سال نیز آزردت آمدست	نہم سال و ہشتاد و باسی صدست
مہ بہمن و آسمان روز بود	کہ حاکم بدین نامہ پیروز بود
چو خواہش گری و نیازم نمود	بدین پرسشم چون زبان بر کشود
ہمایون نہاد و پسندیدہ گل	خرد مند و ارمیدۂ و نیک دل
گرانمایہ احمد کہ ہم سال او	بجوید بہرجا از و آل او
زباباش جوئی تو نام درست	ابو بکر آخر محمد نخست
سپاہانی و خان کشتن گہش	بنزد بزرگان ستودہ دہش

(بقیہ صفحۂ گذشتہ)

پر واقع ہے - سمعانی اور یاقوت حموی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن حکیم ناصر خسرو کے سفر نامہ اور ابن اثیر کی تاریخ میں اس کا ذکر آیا ہے —

"و از انجان‌لنجان رسیدیم و بر دروازۂ شہر نام سلطان طغرل بیگ نوشتہ دیدیم - و از انجان بشہر اصفہان ہفت فرسنگ بود - مردم خان‌النجان عظیم ایمن و آسودہ بودند - ہر یک بکار و کدخدائی مشغول" - سفر نامۂ حکیم ناصر خسرو طبع برلین ص ۱۳۷ - طبع دہلی ص ۱۲۸ -

خان‌النجان ...... وہی علی تسعة فراسخ من اصبہان - کامل ابن اثیر جلد ہشتم ص ۳۶۷ -

* یہ اشعار مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہیں - لیکن ایک قدیم قلمی نسخے میں موجود ہیں جو برٹش میوزیم میں ہے (or. 1403) اور جس کی کتابت ماہ رمضان سنہ ۸۴۱ ھ میں ہوئی ہے - ملاحظہ ہو چارلس ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۵۳۴ و ص ۵۳۵ -

چون در خان النجان فراز آمدم | بهرج بگوئی نیاز آمدم
مرا سوے خان خودش راه داد | چو باسن بدید او بخر گاه داد
خداوند این دفتر بنده کرد | لب هر مرادم پر از خنده کرد

اشعار بالا میں اختتام کی هجری اور فصلی دونوں تاریخیں مذکور هیں - هجری تاریخ ۲۵ محرم سنه ۳۸۹ھ هے جو فصلی تاریخ روز بهمن (یوم دوم) ماه بهمن سے مطابق هے - اس کے خلاف متن میں روز آسمان (یوم بست و هفتم) اور ماه بهمن لکهی گئی هے جو ۲۰ صفر سے مطابق هے —

بظاهر اس اختلاف کی کوئی وجه موجه سمجهه میں نهیں آتی -

داستان کیخسرو کے خاتمے سے ظاهر هوتا هے که فردوسی سنه ۳۹۷ یا سنه ۳۹۸ھ هیں جبکه اس کی عمر اٹهتر سال کی تهی غزنیں میں آیا - اس زمانے میں ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائینی جو قدیم شاهان عجم کی نسل سے هے' وزیر تها - فارسی اس کی مادری زبان تهی اور اُس کو اِس کے ساتهه اس قدر دلچسپی تهی که سلطنت کے توقیع و مناشیر کو جو عربی میں لکهے جاتے تهے' اس نے فارسی میں لکهوانا شروع کر دیا تها - فردوسی شاه نامه لیکر اس کے یهاں پهنچا تو اِس نے اس خیال سے که یه کتاب فارسی میں هے اور اس میں اُس کے آبا و اجداد کے کارنامے مذکور هیں فردوسی کی قدردانی کی اور اُسے دربار سلطانی تک پهنچا دیا —

جهاندار محمود کاندر نبرد | سر سرکشان اندر آرد به گرد
جهان تا جهان باشد او شاه باد | بلند اخترش افسر ز ماه باد
که آرایش چرخ رخشنده اوست | به بزم اندرون ابر بخشنده اوست
خرد هست بهم نیک نامی او داد | جهان بے سرو افسر او مباد
سپاه و دل و گنج و استور هست | همان رزم و بزم و همان سورهست
یکے فرش گسترده شد در جهان | که هرگز نشانش نگردد نهان

کجا فرش را مسند و مرقد است نشستن گه فضل بن احمد است
بندهٔ خسروان را چنان کد خدائی به پرهیز و داد و بدین و برائی
که اسام این بادشاهی به اوست که رو بر سر نامداران نکوست
کشادهٔ زبان و دل پاک و دست پرستندهٔ شاه و یزدان پرست
ز دستور فرزانهٔ داد گر پراگندهٔ رنج من آمد بسر
به پیوستم این نامهٔ باستان پسندیدهٔ از دفتر راستان
که روزی به پیری سرا بر دهد بزرگی و دینار و افسر دهد
ندیدم جهان دار بخشندهٔ به گاه کیان بر درخشندهٔ
همی داشتم تا که آید پدید جوادی که جودش نخواهد کلید
چنین سال بگذاشتم شصت و پنج بدرویشی ز زندگانی و رنج
چو پنج از بر سال شصتم گذشت بدانسان که باد بهاری بدست
رخ لاله گون گشت برسان ماه چو کافور شد رنگ ریش و سیاه
ز پیری خم آورد بالاے راست هم از نرگسان روشنائی بکاست
بدانگه که بد سال هفتاد و هشت جوان بودم و چون جوانی گذشت
خروشی شنیدم زگیتی بلند که اندیشه شد پیر و من بے گزند
که اے نامداران و گردن کشان که جست از فریدون فرخ نشان
فریدون بیدار دل زندهٔ شد زمین و زمان پیش او بندهٔ شد
بداد و به بخشش گرفت این جهان سرش برتر آمد ز شاهنشهان
از آن پس که گوشم بمیدان خروش نخواهم نهادن بآواز گوش
به پیوستم این نامه برنام اوی همه مهتری باد فرجام اوی
که باشد به پیری مرا دستگیر خداوند شمشیر و تاج و سریر
همی خواهم از کردگار بلند که چندان بماند تنم بے گزند
که این نامه بر نام شاه جهان بگویم نمانم سخن در نهان

یکے بندگی کردم اے شہریار　　که ماند ز تو در جہان یادگار
بناہاے آباد گردد خراب　　ز باران و از تابش آفتاب
پے افگندم از نظم کاخی بلند　　که از باد و باران نیابد گزند*

شاہ نامہ کا نقش ثالث

سنہ ۴۰۰ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا نقش سوم مرتب کیا اس کے اختتام کی تاریخ روز ارد (یوم بست و پنجم) ماہ اسفندار مذ ہے جو ۲۰ رجب سنہ ۴۰۰ھ اور ۸ مارچ سنہ ۱۰۱۰ع کے مطابق ہے—

سر آمد کنون قصۂ یزد گرد　　بماہ سفندار مذ روز ارد
ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار　　که گفتم من این نامۂ شاہ وار†

عام خیال یہ ہے کہ فردوسی نے سنہ ۴۰۰ھ میں شاہ نامے کو ختم کردیا تھا۔ لیکن شاہ نامے میں بعض اشارات ایسے موجود ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۴۰۰ھ میں شاہ نامہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے بعد بھی کئی سال تک فردوسی اس میں اضافہ کرتا رہا۔ چنانچہ "داستان کشتہ شدن یزد گرد" کے خاتمے میں ایک شدید قحط کا ذکر کرتا ہے—

مرا دخل و خورد ار برابر بدی　　زمانہ مرا چون برادر بدی
تگرگ آمد امسال برسان مرگ　　مرا مرگ بہتر بدی زان تگرگ
در ہیزم و گندم و گو سپند　　به بست این برآوردہ چرخ بلند‡

داستان وفات سکندر کے خاتمے میں سلطان محمود کی ستائش کرتے ہوے رعایا کو خراج یک سالہ کے معاف کرنے کی سر گزشت بیان کی ہے—

گزشتہ ز شوال دہ با چہار　　یکے آفرین باد بر شہریار

---

* شاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۸۳

† " " چہارم صفحہ ۱۴۹ سطر ۲

‡ " " چہارم صفحہ ۱۴۷ سطر ۱۲

از این مژدہ دادند بهر خراج　　که فرمان بد از شاہ با فر و تاج

که سالے خراجے نخواهد ز پیش　　زدیندار وبیدار و از مرد کیش

بدین عهد نوشیروان زندہ شد　　همه کار بر دیگران زندہ شدہ

مورخ عتبی کا بیان هے که قحط سنه ۴۰۱ھ سے ۴۰۲ھ تک رها هے - اور اسی زمانے میں سلطان نے خراج یک ساله معاف کیا هے —

فردوسی نے جنگ قادسیه کی داستان اُس زمانے میں لکھی هے، جب که سنه ۴۰۰ھ گزر چکا تھا —

کزان پس شکست آمد از تازیان　　ستارہ نگر دیگر پرنیان

بدین سالیان چار صد بگزرد　　کز این تخمه گیتی کسے نسپرد+

فردوسی نے سنه ۴۰۴ھ یا ۴۰۵ھ میں جب که اس کی عمر پچاسی سال تھی دقیقی کے اشعار شاہ نامے میں شامل کئے اور اپنے کلام سے دقیقی کے کلام کا مقابله کر کے سلطان سے اپنے کلام کی داد اور محنت کا صله طلب کرتا هے —

چنان دید گویندہ یک‌شب بخواب　　که یک جام مے داشتی چون گلاب

دقیقی ز جائے پدید آمدی　　بر انجام مے داستانها زدی

به فردوسی آواز دادی که مے　　مخور جز بآئین کاؤس و کے

که‌شاهی گزیدی به گیتی که بخت　　بدو تازہ و تاج و دیهیم و تخت

شهنشاہ محمود گیرندہ دهر　　ز گنجش بهر کس رسانیدہ بهر

از امروز تا سال هشتاد و پنج　　بکاهدش و ببالدش گنج‡

دقیقی کے اشعار ختم کرنے کے بعد کہتا هے —

دقیقی رسانید این جا سخن　　زمانه بر آورد عمرش به بن

---

* شاہ نامه جلد سوم ص ۸۷ سطر ۳۱ —

+ شاہ نامه جلد چهارم ص ۱۲۹ سطر ۱۹ و ۲۰ —

‡ شاہ نامه جلد سوم ص ۱

بہ گیتی نہ ماندہ ست ازو یادگار	مگر این سخن ہاے نا پائیدار
چون این نامہ افتاد در دست من	سیاہی گرائیدہ شد شست من
نگہ کردم این نظم چست آمدم	بسے بیت ناتندرست آمدم
من این را نوشتم کہ تا شہریار	بداند سخن گفتن نابکار
دو گوہر بد این با دو گوہر فروش	کنون شاہ دارد بگفتار گوش
من این نامہ فرخ گرفتم بفال	ہمی رنج بردم بہ بسیار سال
ندیدم سرافراز بخشندۂ	بگاہ کیان بر در خشندۂ
سخن را نگہ داشتم سال بیست	بدان تا سزاوار این گنج کیست
جہاندار محمود با فر جود	کہ اورا کند ماہ و کیوان سجود
سر نامہ را نام او تاج گشت	بفرش دل تیرہ چو عاج گشت*

اشعار بالا میں فردوسی نے جب کہ اس کی عمر پچاسی سال کی تھی صراحت کے ساتھہ بیان کیا ہے کہ شاہ نامے کو اس نے کئی سال کی محنت کے بعد منظوم کیا اور بیس سال تک اس انتظار میں رہا کہ اُسے ایسے صاحب ذوق سردار کے ہاں پیش کرے جو اُس کا سزا وار ہو - ظاہر ہے کہ فردوسی نے ان اشعار میں بیس سال کا وہ زمانہ مراد لیا ہے جو نقش اول کے اختتام سے اس کی عمر کے پچاسی سال تک گزرا ہے ۔ کیونکہ نقش اول سنہ ۳۸۴ھ میں تمام ہوا ہے اور بیس سال اضافہ کرنے سے سنہ ۴۰۴ھ ہوتا ہے جو اس کی عمر کا سال ہشتاد و پنجم ہے —

دیباچۂ قدیم کے موافق شاہ نامہ کا عہد تصنیف

دیباچۂ قدیم میں لکھا ہے کہ سلطان محمود کی فرمائش سے عرصۂ چھہ سال میں فردوسی نے شاہ نامہ تمام کیا —

---

* شاہ نامہ جلد سوم ص ۱۳۰ و ص ۱۴ —

"القصد او را پیش تخت خواندہ شاہ نامہ بدو دادند و فرمود تا بنظم آورد۔ فردوسی تا هزار بیت از جنگ سیاوش بگفت و پیش سلطان محمود بردہ و سلطان را خوش آمد و بفرمود تا هزار دینار دانگی از خزینہ بدو دهند۔ و فردوسی قصہ بنظم آورد تا مدت شش سال تمام کرد وپیش تخت برد"—

یہ بیان بظاہر عام روایات اور فردوسی کی تصریحات کے مخالف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب دیباچۂ قدیم نے اس میں چھہ سال سے اُس زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے جو فردوسی کے غزنین میں آنے کے بعد سلطان محمود کے دربار میں گزرا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے فردوسی سنہ ۳۹۸ھ میں جبکہ اُس کی عمر اٹھتر سال کی تھی سلطان محمود کے دربار میں پہنچتا ہے اُس کے بعد چھہ سال غزنین میں رہ کر متعدد حکایات شاہ نامہ میں اضافہ کرتا ہے اور سنہ ۴۰۴ھ تک اُس کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے کیونکہ سنہ ۳۹۸ھ سے سنہ ۴۰۴ھ تک جو عرصہ گزرا ہے اُس کی مدت چھہ سال ہے—

دیباچهٔ قدیم

بسم الله الرحمن الرحیم

سپاس و آفرین مرخدای را که این جهان و آن جهان را آفرید و بندگان را در جهان پدیدار کرد و نیک و بد اندیشان را و بد کرداران را و باد افراه برابر داشت و درود او بر بندگان و بر پاکان و دین داران او باد خاصه بر نیکو ترین خلق محمد مصطفی علیه افضل الصلوات و اکمل التحیات و بر اهل بیت و فرزندان او باد —

وباز آغاز کارنامهٔ شاهان از گرد آورندهٔ ابو منصورالمعمری دستور ابو منصور محمد بن عبدالرزاق بن عبدالله بن فرخ ایدون گوید درین نامه که تا جهان بود مردمان گرد دانش گشتند و سخن را بزرگ داشتند و نیکو ترین سخن دانستند چه اندرین جهان مردم بسخن بزرگوار تر و نام پرداز و چون مردم بدانست که از وی چیزی نماند پائدار بغیر نام او که بماند دنبل گسسته نشود پس بدانکه توانگری و درویشی وآبادانی کردن و خانها استوار کردن و مردمان بشوخی نمودن و جان سپردن و دانائی بیرون آوردن و فرمان نشناختن و کارهای نوآئین چون شاه هندوستان که کلیله دمنه و شاناق و رام و رامین بیرون آورد و مامون پسر هارون الرشید که منش پادشان و همت مهتران داشت یک روز با مهتران نشسته بود گفت مردم باید تا اندرین جهان باشند و بکوشند تا ازو یادگاری بود درین جهان تا پس از مرگ او

نامش زنده بود' عبدالله پسر مقفع که دبیر او بود گفتش که از کسری انوشیروان چیزے ماندہ کہ از هیچ یک بادشاهان نماندہ است - مامون گفت چه باید' گفت نامهٔ از هندوستان بیاورد بپانصد خروار درم خزینه و مامون آن نامه بخواست و آن داستان بخواند پس چون بدید بفرمود دبیر خویش را تا از زبان پهلوی بزبان تازي گردانید - پس آنکه بز رویه طبیب از هندوستان پهلوي گردانیده بود تا نام او زنده شد میان جهانیان - پس امیر سعید بن احمد این سخن را بشنید خوش آمدش دستور خویش را بران داشت تا از زبان تازی بزبان فارسی گردانید تا این نامه بدست مردمان اندر افتاد و هر کسے دست با او اندر زدند' و رودکی شاعر فرمود تا بنظم آورد و کلیله دمنه اندر زبان خرد و بزرگ افتاد بدان سبب نام او زنده گشت و ازو یادگارے ماند و چینیان تصاویر اندر افزودند تا هر کسے را خوش آمد دیدن و خواندن —

پس امیر ابو منصور محمد بن عبدالرزاق مردی بود با خرد خوش کام و باهنر و بزرگ منش اندر کام روائی و با دستگاه از بادشاهی و ساز مهتران و اندیشهٔ بلند داشت و نژادے داشت بزرگ بگوهر از تخم سپهبدان ایران بود - و کار کلیله دمنه نهاد و نشان شاه خراسان بشنید خوش آمدش' از روزگار آرزو کرد تا او را نیز یادگارے بود درین جهان' پس دستور خویش ابو منصور معمري را بفرمود تا خداوندان آن کتب را از دهقانان و فرزانگان و جهان دیده گان از شهرها بیاورند و چاکر ابو منصور بفرمان او نامه کرد - و کس فرستاد بشهرهاے خراسان و هشیاران از آنجا بیاورند و از هر جاے - ماخ پسر خوای از هری و چون یزدان داد پسر شا پور از سیستان و چون شاهوی پسر بهرام از نیشا پور' و چون شادان پسر برزین از طوس - و هر جا نشان فرمود بفرا آوردن این نامه هاے شاهان و کارنامهاے شان زندگانی هر یکے و داد و بیداد و آشوب و جنگ و آئین از نخستین کیومرث که اندر جهان آمد او بود که آئین مردی آورد' و مردم از جانوران پدید گردانید

تا یزدگرد بن شهریار که آخر ملک کیان بودند اندر ماه محرم سال سی صد و شش از هجرت محمد مصطفی صلی الله علیه و سلم و این را تمام نموده شاهنامه نام نهادند تا خداوند دانش اندرین نگاه کند و فرهنگ شاهان و مهتران و فرزانگان و رای و کار و ساز پادشاهی نهاده و رفتار و کردار ایشان را و آئین های نیکو و داوری و سپاه آراستن و رزم کردن و شهر کشادن و کین خواستن و شبخون زدن و خواستگاری کردن بدانند —

پس این نامهٔ شاهان گرد آوردند و گزارش کردند و هر کسے را دادند تا از و فائده گیرند و چیزها اندرین زمانه بیابند - که سهم گین نهاند و آن نیکوست چون مغز آن بدانی ترا درست کرد، و دل پذیر آید چون سنگ که افریدون بپاے برداشت و چون ماران که از دوش ضحاک بر آمدند - این همه درست آید بنزدیک دانا و تجربه دان - و آنکه دشمن دانش بود زشت گرداند، و اندر جهان فراوان است شگفتگی چنانچه پیغمبر صلوات الله علیه گفت هر چه از بنی اسرائیل گویند همه بشنوید که (راست) بوده است و مپرسید که دروغ نیست —

پس دانایان که نامه خواهند ساخت ایدون سزد که هفت چیز بجاے آورند هر نامه را، یکے بنیاد نامه، سه دیگر خواص نامه، چهارم (خداوند نامه) پنجم پایه و اندازه و سخن پیوستن، ششم نشان دادن از دانش که نامه از بهزان ست، هفتم درهاے هر سخنے کشادن و خواندن و دانستن کار شاهان ست و بخشش کردن ایشان و ورزیدن کار این جهان و سود این نامه مر کسے راست که اندوه گُسارندگان ست و چاره در ماندگان است و آن را شاهان کارنامه از بهر دو چیز خوانند یکے که کار کرد آئین پادشاهان بداند و رفتار آئین را نیک بداند، دیگر اندر که خدائی بداند هر کسے را چون باید ساختن و دیگر که درو داستان است که بگوش خوش آید که اندرو چیزهاست، نیکو بدانش و نیکی و بدی و تندی و نرمی و درشتی و آهستگی و شوخی و هنرمندی و اندوه شدن و بیرون شدن و اندرز و پند و خشم و خوشنودی

و شگفتگی کار جهان و مردم—

اندرین نامه همه که یاد کردیم بدانید که اکنون یاد کنیم از کار شاهان و داستان های ایشان از آغاز کتاب و دیباچه هر کجا از امکان جهان بود از مردمان بچهار سوے جهان از کران تا کران این زمین را بخشیدند و هفت بهر کردند۔ و هر بهر را کشوری خوانند۔ نخستین را از ده خوانند، و دویم را راسوت خوانند، و سیوم را برچین خوانند، و چهارم را بدرخش خوانند، و پنجم را او زبرست خوانند، ششم را اخراست خوانند، هفتم جیرنامی ست خوانند این ست که ما بدو اندریم و شاهان "ایران شهر" خواندندی و این چین و ماچین است و هندوستان و روم و خزر و سقلاب و برطاس و آن که بیرون ازوست و ایران شهر از رود آموست تا رود مصر و سرحد هاے دیگر پیرامون اویند و ازین هفت بهر ایران شهر بزرگ تر است بهر هنری و آن که از سوے باختر ست چینیان دارند، و آن که از سوے راست هندیان دارند و آن که از سوے چپ است خاوریان دارند و دیگر خزریان دارند و دوم ساژندرانیان دارند۔ و مصر را گویند ساژندران است و این دیگر همه از ایران ست —

و بدان که اندر آغاز این کتاب مردم فراوان اندرین سخن گویند و تا یاد کنم گفتار ایشان و هر گروهے تا دانسته شود و آن را که خواهد برسد و آن را که خواهد و خوشتر آید بدان راه برود، و اندر نامه پسر مقفع مانند ایشان شنیدیم که آنگاه آدم صفی الله صلوات الله علیه فراز آمدن تا بدین گاه که آغاز این نامه گردند پنج هزار و هفت صد سال ست، و نخستین مردی اندر زمین آمد آدم بود۔ و هم چنین از نامهٔ سعد بن جهم برمکی خبر آید، و از بهرام (نامه) بهرام اصفهانی هم چنین آید و از نامهٔ ساسانیان موسی بن عیسی خسروی و از (نامه) قاسم اصفهانی و از نامهٔ بادشاهان فارس از گنج خانهٔ مامون موبد یزد گرد شهریار و از نامهٔ رامین که گویند وزیر یزد گرد شهریار بود آگاهی هم چنین آمد و از فرود پایشان بدو برسد

که یاد کنیم و از گاه آدم باز چند است و ایشان بدین گفتار گرد آمدند که ما یاد
خواهیم کرد این نامه را هرچه گزارش کنیم از گفتار دهقانان باید آورد که این
پادشاهی بدست ایشان بود و از کار و رفتار و کم و بیش و نیک و بد - پس ما
بگفتار ایشان گرد کردیم و این دشوار ازان شد که هر پادشاهی که دراز کرد -
و با دین پیغمبری شدی چون روزگار برآید بزرگان او کار فراموش کنند و از
نهاد دیگر کنند و از نهاد دیگر دانند و بر فرودی افتند چنان که جهودان را افتاد
و میان آدم و نوح و از نوح تا موسی و از موسی تا عیسی و از عیسی تا محمد
علیه‌التحیة والسلام و این مهتران گفتند که این زمین بسیار تهی بوده است
از مردمان و چون مردم نبود پادشاه بکار نیاید، چه مهتر و چه کهتر و هر جا که
مردم بود از مهتری چاره نبود، و مهتر بر کهتر از گوهر بباید و گویند که
پس از مرگ کیومرث صد و هفتاد سال پادشاهی نبوده جهانیان یله بودند چون
گوسفند بی شبان تا هوشنگ پیشداد بیامد و چهار بار پادشاهی از ایرانیان
بستند و ندانند که چند گذشت و از روزگار جهودان همی گویند که از توریت موسی
علیه‌السلام که از گاه آدم تا آن روز که محمد قریشی المکی المدنی صلوات الله علیه
و علی آله و سلم از مکه برفت چهار هزار سال بود و ترسایان از انجیل عیسی
علیه‌السلام می گویند که پنج هزار سال بود و سه سال و بعضی آدم را کیومرث
خوانند - این است شمار روزگار گذشته که یاد کردیم از روزگار ایشان ایزد داناند
و ایشان او را که آدم گویند ایدون گویند نخست پادشاهی که بنشست کیومرث بود
که او را پیش داد خوانند که بیشتر کسے که آئین با داد اندر مردم پدید آورده
او بود، دیگر گروه کیانان بودند، و دیگر گروه اشکانیان بودند، و چهارم گروه
ساسانیان بودند، و اندر میان گاه و بیگاه بها و داوریها رفته از آشوب کردن و با
یکدیگر تاختنها کردن و بیشی کردن و برتری جستن و اگر پادشاه کشور تهی کردی
و بیگانگان اندر آمدندی و بگرفتندی و این پادشاهی بر فروتنی بدل شدی چنانکه

جگاه جمشید بودی و بگاه نوذر و بگاه اسکندر و مانند این—

پیش از آنکه سخن شاهان و کارنامهٔ ایشان یاد کنیم نژاد ابو منصور عبدالرزاق که ما را تربیت فرمود تا جمع کنند و نژاد چاکر او ابو منصور المعمری و بگویم که ایشان چه بودند و تا آنجا رسیده‌اند' و پس ازانکه سرآورده بودند سلطان محمود سبکتگی حکیم ابوالقاسم منصور الفردوسی بفرمود تا بزبان دری بشعری گردانید و چگونگی بجاے خود گفته شود—

اول آن ست که ابو منصور محمد (بن) عبدالرزاق بن عبدالله بن فرخ ابن ماسه ابن باربارے کیان ابن کنارنگ ابن خسرو ابن بهرام ابن آذر کشیب ابن گودزر ابن افرین ابن فرخ زاد ابن بهرام' که بگاه پرویز اسپهبد بود' امیر فرخ بوزر جمهر که اسپهبد انوشیروان بود برادر گلباد که بگاه پرویز اسپهسالار بود - پسر برزین که بگاه اردشیر بابکان سالار بود و پسر برزین کیوگوداز پسر اکشور او را ازان خواندی که سالاری هیچکس آن آئین نیاورد که آورد و در پهلوانی و کشور ها ی و مرزبانها بخش هفت که او کرده بود و این از سه گونه گویند و گودزر بگاه کیخسرو سالار بود و بیژن را بکشت که اسپهبد افراسیاب بود' بیژن پسر لود پسر بسوان پسر حسین پسر تور پسر افریدون پسر آبتین و ابتین از پسران جمشید بود—

نسب ابو منصور بن محمد بن عبدالله بن جعفر بن فرخ زاد بن کیان بن انجار بن کنارنگ پسر سرهنگ پسر پرویز بود' و کار هاے بزرگ گفتی و فرمودی و آنگه خسرو پرویز بدر روم شد کنارنگ پیشرو لشکر او بود و در هنگام شاده شاه ترک که بدر هری آمد کنارنگ پیش اوشد برزم وساده و شاه را به نیزه بیفگند و لشکر شکسته شد و چون رزم هری بگرد نیشابور بود او را داد و طوس دختر خود را بدو داده بود - و خسرو او را گفت که یک مرد گویند که با هزار مرد بزند - مرا شگفت می آید - کنارنگ آفرین کرد و گفت اگر شاه به بنده فرماید من با هزار مردم بزنم - خسرو از گنه کاران و زندانیان گویند که هزار مرد نیک و برگزیده

و سلاح پوشانیده یکروز کنارنگ باهزار بهاموئی فرستاد وخسرو اردور همی
فگریست امامهتران سپاه کنارنگ با ایشان بر آویخت گاه بشمشیرو گاه به تیر بهری
را بکشت و بهری را نجست وهر باری که اسپ افگندی بسیار تبه کردی تا سرانجام
سیتهوهی پذیرفتندی - و کنا رنگ از بر ایشان بری شاه شد و نماز برد و آفرین
کرد و خسرو طوس بوی داد - و از گردان مردی هم نامی او بود نام او رقیه اورا
نیز از خسرو بخواست و با خود بطوس برد و رقیه آن بود که چون کنا رنگ هزار
مرد از خسرو بخواست که برزم ترکان برود - خسرو گفت هزار مرد با خود برد
خواهی رقیه که ترا بس بود.پس هردو آن بطوس شدند و باهزار مرد ایرانی ورقیه
را نیکو همی دانست و با ترکان جنگ کردندو برون آمدند و بطوس بنشستند و
کنارنگ بادشاهی بگرفت و رقیه را نیکو همی داشت و سر اندازی بود که اوراهمتا
نبود وپس روزی کنارنگ ورقیه بشکار شدند با پسران وسر هنگان- کنارنگ گفت امروز
هرشکاری که کنیم بر سر زنیم تا باریک اندازی پدید آید- هرچه کنارنگ زده بود بر
سر زده بود رقیه بر کنارنگ آفرین کرد روز دیگر ازپس شد کنارنگ بفرمود تاغراره
پر گاه بیاوردند و کنارنگ اسپ بر انگیخت و نیزه زد و غراره بالای سر بینداخت
و بگاه یزدگرد شهر یار اورا بکشتند.و چون عمر ابن الخطاب رضی الله عنه عبدالله
عامر را بفرستاد تا مردم بدین محمد صلی الله علیه و سلم خواند - کنارنگ بزیره
اورا فرستاد در شاپور مردمان کهندز بردند و فرمان نبردند ازوی یاری
خواستند یاری کرد تا کار نیکو شد بعد ازان ازوی هزار درم خواست گردگان
طلبید گفت نشاپور بمن ده نشاپور بوی داد' باز عبدالله عامر کنارنگ برزم کردن
اوشد و حسن ابن علی مروزی از فرزندان او بود و کنارنگ از نسل طوس بود و
صد و بیست سال بزیست و همه طوس کنارنگیان بود تا بهنگام جمشید الطای که از
ایشان بستد و آن مهتری دیگر دو ده افتاد - پس بهنگام ابو منصور محمد بن
عبدالرزاق طوس را بستیدند سزا بسزا رسید و نسب این هر دوکه کتاب کردند چنین

بود که یاد کردیم —

و این شاه نامه بروزگار نصر بن احمد ابوالفضل البلعمی دقیقي که شاعر بوده فرمودند که بنظم آورد - و دقیقی مردی بود که غلامان نیکو روي را دوست داشتی چون از شاه نامه یک چندي بنظم آورده بود اتفاق چنان اُفتاد که غلامی ترک دران روز ها خریده بود و باوی بازی می کرد و آن غلام کاردي به شکم دقیقی زده بدان زخم هلاک شد و این شاهنامه تمام ناگفته بماند —

و بعد ازان سبکتگی غلام نصر بن احمد بود و از نژاد سامانیان و بادشاه خراسان بود بهندوستان قوت گرفت و چون خداوندش نصربن احمد از جهان بیرون شد سبکتگی از هندوستان باز گشت و بادشاهی بدست فروگرفت وکار بجاے رسید که خراسان و غزنین و هندوستان جمله بستد (سلطان محمود اورا پسر بود) و اورا میل بیشتر بعلم بود و حکمت و امثال و طبقات و آن شاعران سخت دوست داشتی و با ایشان مجالست بسیار کردی و ندیمان او جمله شاعر بودند و کار بجاے رسید که خواجگان وارکان دولت شعر گفتند تا به بهانۂ شعر خودرانزدیک می کردند ودفتر هاے تازی پیش او پارسی خواندندی و عنصری را بغایت دوست داشتی و از خود جدا نمی کرد و او حرمت و عزت بیفزود و کار راستی شاعرو ندیم او بود — پس اتفاق چنان اُفتاد که درمیان حدیث سخن شاه نامه بر آمد که آثار و سیر ملوک آن جا بگفته است سلطان محمود بفرمود تا پیش آوردند پس روزی عنصری را گفت عجب است که این شاهنامه را بنظم نیاورده اند - عنصری حکایت دقیقی و سر گزشت او باز گفت سلطان محمود عنصری را فرمود تا این کتاب را بنظم آورد - عنصری گفت بنده را فراغ آن نباشد که منظوم توانم کرد که پیوسته در حدیث خالی نباشم اما بنده را دوستی هست که فراغ و مجال این دارد طلب کرد و پرسید که کجاست که حال معلوم گردد و بدان فردوسی طوسی را خواند- سلطان محمود خطاب کرد که مردی بدین معنی چرا خودرا بما عرضه نکند عنصري عذر آن خواسته

وگفت آن مرد دهقان است قانع القصه اورا پیش تخت خوانده و شاهنامه بدو دادند
و فرمود تا بنظم آورد - فردوسی تا هزار بیت از جنگ سیارش بگفت و پیش
سلطان محمود برده و سلطان را خوش آمد بفرمود تا هزار دینار رکنی از خزینه
بدودهند و فردوسی قصه بنظم می آورد تا مدت شش سال تمام کرد و پیش تخت
برد اما به سر شاهنامه شرط ادب نگاه نداشته بود و سخن در مزمت خویش گفته
آن‌جاے گاه که این بیت گفته :—

گرت زین بد آید گناه من است چنین است این رسم و راه من است

چنانکه سلطان محمود را ناخوش آمد پس عنصری و جمله ندیمان زمین بوس
کردندو اورا از ان سیاست خلاص کردند چون سخن بد انجا رسید شصت هزار دینار
رکنی می بایست که ازو بموجب قرار شاهانه کهشصت هزار بیت بود پس ابو منصور
که دبیر سلطان محمود و ابو سهل همدانی که وزیر او بود پیش تخت آمدند وگفتند
شصت هزار دینار رکنی بیک شاعردادن چه واجب کند که هفت صد هزار درهم بسیار
است و خزانه پرشاید که لشکر بسیار ست و سلطان بدان داشتند تاشصت هزار درم
سیم بدو فرستاد ' بامداد و پگاه هنوز در گرمابه بود درم بدر سرائے بردند و اورا
نیافتند بدر گرمابه رفتندو اورا خبر کردند' بیرون آمد' چون‌اورا بدید قضاراقفاعی
چند بدو برده بودند بیست هزار درم بگرمابه بآن داد و بیست هزار درم بقفاعی
داد و بیست هزار درم بآن کس که آورده بود - چون این خبر بگوش سلطان رسید
دیگر بار سیاست خواست کردن ' جمله ندیمان برسه دادند و اورا بخواستند دیگر
بار بخشید و بدو چیزی نگفت اما فردوسی چون از گرمابه بیرون آمد این چند
بیت بگفت —

اندرسبھا اور شرح اندرسبھا

از

(جناب سید مسعود حسن رضوی ایم - اے - لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی)

رسالۂ اُردو بابت جنوری سنہ ۱۹۲۴ع میں جناب محمد عمر و نور الہی صاحبان نے "ہندوستان کا ڈراما" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا - اُس مضمون میں امانت کی اندرسبھا کے بارے میں جو تحقیق کی گئی ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے - میں اُس مضمون کے بعض اجزا نقل کرتا ہوں اور ان محققوں نے جو غلطیاں کی ہیں وہ ارباب نظر کے سامنے پیش کر کے ان کے ازالے کی کوشش کرتا ہوں —

(۱) "واجد علی شاہ اودہ کے حالات کون نہیں جانتا .... اس وقت کا دربار اودہ عیش و عشرت کا گہوارہ تھا .... سب اس دھن میں لگے رہتے تھے کہ رنگیلے پیا کے لئے کوئی نیا سامان تفریح پیدا کریں .... اسی سلسلے میں ایک فرانسیسی مقرب بارگاہ نے مغربی تھیٹروں کا نقشہ پیش کیا ...... یہ وہ وقت تھا کہ .... فرانس بلکہ تمام یورپ , اوپیرا ' (یعنی وہ ڈراما جو سراسر رقص و سرود کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے) کا گرویدہ ہو رہا تھا...... ...... ایسا ہوا کہ ہندوستانی مذاق کا اوپیرا تیار ہو - قرعۂ فال امانت کے نام پڑا جنھوں نے سنہ ۱۲۷۰ ھ میں اس فرض کو بوجہ احسن ادا کیا - اندرسبھا کی تاریخ تصنیف اس شعر سے نکلتی ہے —

زر روے وجد بول اُٹھے پریزاد خلایق میں ہے دھوم اندرسبھا کی''

(صفحہ ٥٦)

(۲) ''اندرسبھا کا تیار ہونا تھا کہ قیصر باغ میں اسٹیج تیار ہوگیا - جس میں فرانسیسی ہدایت کے مطابق ہندوستانی حرفت نے اپنے کمال دکھاے - مہ جبینان قیصر باغ پریوں کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں - واجد علی شاہ اندر کے تخت پر براجمان ہوے - باقی پارٹ با مذاق اہل دربار کو ملے''—

(صفحہ ٥٧)

(۳) ''اندرسبھا امانت میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں''— صفحہ ٦٩)

(۴) ''اندرسبھا امانت میں ''امانت'' اور ''اُستاد'' دو تخلص استعمال کئے گئے ہیں .... دو تخلص کیوں استعمال کئے گئے - اس بارے میں یقینی طور پر ہم کچھہ نہیں کہہ سکتے - ہاں کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم غزلوں میں امانت اور اُس نظم میں جو ڈراما سے تعلق رکھتی ہے اُستاد تخلص کرتے تھے - یہ خیال کہ وہ ڈراما کو اپنے سے منسوب ہونا پسند نہ کرتے تھے صریحاً غلط ہے''— (صفحہ ٦٩)

اب سنئے کہ ان اقتباسات میں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں کتنی غلط بیانیاں ہیں :—

(۱) اندرسبھا لکھنے کا خیال کسی فرانسیسی نے پیدا کیا -

(۲) اندرسبھا واجد علی شاہ کی فرمائش سے لکھی گئی -

(۳) اندرسبھا کا سال تصنیف سنہ ۱۲۷۰ ھ ہے -

(۴) اندرسبھا پہلے پہل قیصر باغ میں کھیلی گئی -

(٥) قیصر باغ میں اسٹیج فرانسیسی ہدایت کے مطابق تیار کیا گیا -

(٦) واجد علی شاہ نے اندر کا پارٹ کیا -

(۷) باقی مردانہ پارٹ واجد علی شاہ کے درباریوں نے کئے -

(۸) اندرسبھا میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں —

(۹) امانت نے غزلوں کے علاوہ اندرسبھا کی دوسری نظموں میں "استاد" تخلص کیا ھے - اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اندرسبھا کو اپنے نام سے منسوب کرنا پسند نہیں کرتے تھے—

مولانا شرر مرحوم نے اپنے رسالہ دلگداز میں ایک مضمون لکھ کر ان میں سے اکثر کی تردید کر دی تھی مگر فاضل مضمون نگاروں نے اپنی کتاب ناٹک ساگر میں اُن غلطیوں پر اصرار کیا ھے - اور ناٹک ساگر کے فاضل مؤلفوں نے مولانا شرر کی عینی اور سماعی شہادت پر بالی والا خورشید جی لالہ کنور سین صاحب اور پنڈت کیفی صاحب کی شہادتوں کو ترجیح دے کر عجیب و غریب ذھنیت کا ثبوت دیا ھے - مجھ کو بالی والا خورشید جی کے بہت بڑے ایکٹر ھونے سے جناب لالہ کنور سین صاحب کی " مایۂ ناز ادیب اور تاریخ و فن ڈراما کے ماھر " ھونے سے اور حضرت کیفی کے " ڈراما کے وحیدالعصر عالم " ھونے سے انکار نہیں - مگر کیا ان حضرات کو مولانا شرر مرحوم کی طرح لکھنؤ کے پرانے بزرگوں کی صحبت اتنی طویل مدت تک نصیب رھی ھے ؟ - کیا ان کو مولانا شرر کی طرح واجد علی شاہ کے دامن سے وابستہ ھوکر برسوں مٹیا برج میں رھنے اور بادشاہ کے مصاحبوں ' جلیسوں درباریوں ' درباری گویوں ' سازندوں ' ایکٹروں وغیرہ سے ملنے جلنے کا ھزارھا مرتبہ اتفاق ھوا ھے ؟- اور کیا اُن کو اودھ کی سیاسی اور تمدنی تاریخ پر وہ عبور حاصل ھے جو مولانا شرر مرحوم کو تھا ؟- اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ھے تو ان حضرات کی شہادت اس امر خاص میں مولانائے مرحوم کی شہادت سے زیادہ معتبر کیوں کر ھوسکتی ھے - ان حضرات نے اندر سبھا کی تصنیف کے بارے میں جو راے قایم کی ھے اُس کے لئے اُنھوں نے کوئی ثبوت اور سند پیش نہیں کی - جہاں تک میں سمجھتا ھوں اُن کو یہ راے لکھنؤ کے اُن نا واقفوں کے خیال پر مبنی ھے جو آج بھی واجد علی شاہ کے رھس مبارک اور امانت کی اندر سبھا کو ایک ھی

چیز سمجھتے ہیں—

اس غلط فہمی کی ایک وجہ تو ناٹک ساگر کے مؤلفوں نے خود ہی لکھ دی ہے کہ "عوام کو اس مجلس (شاہی ڈراما) میں بار نہ مل سکتا تھا"۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اندر سبھا کے نکلتے ہی اس کی عام پسندی نے اسی طرح کے بہت سے ناٹک تیار کروا دیے تھے اور یہ سب اندر سبھا کہلاتے تھے - مولانا شرر نے سچ لکھا ہے کہ "شہر میں غدر سے پہلے ہی ان ڈراموں کا جو اندر سبھائیں کہلاتی تھیں ہر طرح کے ناچ رنگ سے زیادہ رواج ہوگیا تھا"—

لکھنؤ میں سید رضا حسین ایک جلد ساز اور صحاف ہیں - پڑھے لکھے آدمی ہیں اور اپنے پیشے کی بدولت ایسی ایسی بے نظیر کتابیں ان کی نظر سے گذر چکی ہیں جن کا ذکر سن کر مجھے ان پر رشک آنے لگتا ہے - ان کی عمر ستر سال سے متجاوز ہوچکی ہے - بھویں اور پلکیں تک سفید ہوچکی ہیں - قوت سماعت بہت کم ہوگئی، ہاتھوں میں رعشہ ہے، مگر اب بھی قدیم، کرم خوردہ، مردہ کتابوں کے ساتھ مسیحائی کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے - مجھ کو چوں کہ ایسی کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے اس لئے مجھے اُن کی مدد کی اکثر ضرورت ہوا کرتی ہے—

ایک دن بزم سلیمان کا ایک پرانا مطبوعہ نسخہ مرمت کے لئے میں نے انہیں دیا - یہ بھی اندر سبھا کے طرز کا ایک ناٹک ہے - جس کو سنہ ۱۲۶۷ فصلی میں "افسوس" نے تصنیف کیا تھا - اس کتاب کو دیکھ کر کہنے لگے کہ بہت مدت کے بعد آج یہ کتاب پھر دکھائی دی - میری جوانی کے زمانے میں لکھنؤ میں چار اندر سبھائیں کھیلی جاتی تھیں - اندر سبھا امانت، اندر سبھا مداری لال، بزم سلیمان اور جشن پرستان - مختصر یہ کہ اس زمانے میں اندر سبھا ایک خاص قسم کے ناٹک کو کہتے تھے - اور جب تک "اندر سبھا کے" ساتھ امانت کا لفظ شامل نہ کردیا جائے اس وقت تک یہ سمجھنا مشکل تھا کہ "اندر سبھا سے کون سا خاص

خلتک مراد ہے - ابھی ہمارے زمانے میں کسی جاہل طباع نے ایک ناٹک موں رانی نوٹنکی کی سرگذشت بیان کی —

یہ ناٹک خاص ساز و سامان کے ساتھ کھیلا گیا اور عوام اور جہلا میں اسقدر مقبول ہوا کہ اسی طرح کے بہت سے ناٹک اسی سامان کے ساتھ کھیلے جانے لگے ۔ یہ سب ناٹک نوٹنکی کے نام سے مشہور ہیں - واجد علی شاہی رہس میں دیو، پریوں، جوگن وغیرہ کے پارٹ جو اندرسبھا کے امتیازی خصوصیات ہیں کئے جاتے تھے - ایسی صورت میں اگر لوگ اس کو بھی اندرسبھا کہنے لگیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ امانت ہی کی اندرسبھا تھی —

ناٹک ساگر کے فاضل مؤلفوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ امانت نے کسی فرانسیسی کی تجویز پر اور واجد علی شاہ کی فرمائش سے اندرسبھا لکھی، ایسی ایسی قیاس آرائیاں کی ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں - میں اُن بے اصل باتوں کو نقل کر کے اور فرداً فرداً ان کی تردید کر کے اپنا اور ناظرین کا وقت ضایع کرنا نہیں چاہتا - مؤلفوں نے مفروضات اور قیاسات کا جو عالی شان محل تیار کیا ہے اِس کی بنیاد اسقدر کمزور ہے کہ تحقیق کی ایک ہی ضرب میں وہ سطح زمین کے برابر نظر آے گا - ان کو اپنے دعوے کی دلیل میں کم سے کم یہ تو ثابت کر دینا چاہئے تھا کہ امانت کو دربار واجدی سے کوئی تعلق بھی تھا - یہ بات مسلم ہے کہ امانت کی رسائی واجد علی شاہ کے دربار میں کبھی نہیں ہوئی* —

---

* حضرت امانت مرحوم کے چھوٹے بھتیجے سید عباس حسن صاحب 'فصاحت' ابھی بفضلہ موجود ہیں - موصوف سن میں بوڑھے مگر طبیعت کے جوان ہیں - عام مجلس، لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی میں اگلوں کی یادگار ہیں - آپ سے معلوم ہوا کہ شاہی میں چھتر منزل کے قریب بارہ اماموں کی درگاہ تھی - اُس درگاہ سے سادات کو وظیفے ملتے تھے - امانت مرحوم کا اسم بھی وہاں تھا اور اُن کا وظیفہ دس چالیس روپے ماہوار تھا - اس کے علاوہ اُن کو کسی شاہی محکمے یا شاہی دربار سے کوئی تعلق نہ تھا -

بہر حال ناٹک ساگر کے مؤلفوں کی تحقیق کے جو غلط نتیجے میں اوپر لکھہ آیا ہوں ان کے خلاف تحقیق کے دعوے یہ ہیں:—

(۱) اندرسبھا کی تصنیف کسی فرانسیسی کی تجویز یا واجد علی شاہ کی فرمائش کی منت گزار نہیں ہے۔ امانت نے یہ ناٹک اپنے دوست اور شاگرد حاجی مرزا عابد علی عبادت کی فرمائش سے رہس کے طور پر طبع زاد نظم کیا''—

(۲) اندرسبھا کا سال تصنیف سنہ ۱۲۶۸ ھ ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ ھ میں امانت نے اس کو چھپوانے کے لئے مرتب کیا۔ اور اس کا حاشیہ شرح اندرسبھا کے نام سے مقفیٰ نثر میں لکھا—

(۳) اندرسبھا کبھی یا کم سے کم پہلی مرتبہ قیصر باغ میں نہیں کھیلی گئی۔ اور اس کے اسٹیج کی تیاری میں فرانسیسی ہدایت اور شاہی امداد کو کچھہ دخل نہ تھا—

(۴) واجد علی شاہ اور ان کے درباریوں نے اندرسبھا میں کوئی پارٹ نہیں کیا۔

(۵) اندرسبھا میں نثر بہت کم ہے مگر ہے—

(۶) امانت اندرسبھا کو اپنے نام سے منسوب کرنا معیوب سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے اندرسبھا کی مخصوص نظموں میں اُستاد تخلص کیا۔

ان دعووں کے لئے کسی دلیل اور قیاس کی ضرورت نہیں صرف اندرسبھا اور شرح اندرسبھا کو ایک دفعہ غور سے پڑھ لینا کافی ہے۔ مجھکو اس سلسلے میں صرف چند باتیں عرض کرنا ہیں۔ مولانا شرر مرحوم نے اپنے اس مضمون میں جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے لکھا ہے کہ واجد علی شاہ نے جو رہس تیار کیا تھا اُس میں وہ خود کنھیا کا پارٹ کرتے تھے باقی پارٹ ان کی ممتوعہ عورتیں اور ترم ستھاری وغیرہ کرتے تھے' معزز اہل دربار نے کبھی کوئی پارٹ نہیں کیا۔ مولانا کے اس بیان کا ثبوت واجد علی شاہ کی کتاب ''بنی'' میں کافی سے بھی زیادہ

موجود ہے - اس کتاب میں واجد علی شاہ نے اپنے تیار کئے ہوئے متعدد رہس لکھے ہیں - ان رہسوں کے کھیلنے کے لئے تفصیلی ہدایتیں، ایکٹروں کی پوشاکیں اور تمام ساز و سامان کی فہرست دی ہے - جتنے "جلسے" یعنی ناٹک منڈلیاں ان کے یہاں قایم تھیں اُن سب کے نام، ان کے ایک ایک ایکٹر کا نام، اُس کا پارٹ اُس کی تنخواہ وغیرہ نہایت تفصیل سے لکھی ہے - اس کتاب کو دیکھنے سے مولانا کے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے - بلکہ ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ واجد علی شاہ خود کوئی پارٹ نہیں کرتے تھے - کنھیا کا پارٹ ہمیشہ کسی عورت کو دیا جاتا تھا - لیکن یہ کتاب واجد علی شاہ نے پچاس برس کی عمر میں لکھی تھی - اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ نوجوانی کے زمانے میں وہ کنھیا کا پارٹ خود کرتے ہوں گے - مگر قرینہ اس خیال کی مخالفت کرتا ہے - اگر کنھیا کے پارٹ کے لئے وہ کسی مرد کی ضرورت سمجھتے تو جس طرح عفریت، غربت، رام چیرا، مسافر وغیرہ کے پارٹ مرد کرتے تھے اسی طرح کنھیا کا پارٹ بھی کسی مرد کو دیا جا سکتا تھا - بہرکیف یہ محض ایک قیاس ہے اسی لئے میں اس پر زیادہ زور دیکر اُس غلطی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا جس میں مبتلا ہو کر ناٹک ساگر کے فاضل مؤلف تحقیق کا راستہ بھول گئے اور کہیں کے کہیں جا پہنچے—

جناب لالہ کنورسین صاحب نے یقیناً غلط لکھا کہ "اس اندرسبھا کی زبان نثر سلیس بلا تصنع، با محاورہ اور قافیہ بندی سے آزاد ہے"- مگر ناٹک ساگر کے مؤلفوں کا یہ بیان بھی یقیناً غلط ہے کہ "اندرسبھا امانت میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں"- میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ اندرسبھا میں نثر بہت کم ہے مگر ہے- اس دعوے کے ثبوت میں، میں تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں کہ اندرسبھا میں نثر کتنی اور کہاں کہاں ہے - راجہ اندر جب کسی پری کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو کہتا ہے "لاؤ فلاں پری کو"- جب سبز پری جوگن بن کر آتی ہے اور موسیقی کا کمال دکھاتی ہے تو راجہ اندر خوش ہو کر اُس کو پان دیتا ہے - جوگن مقفیٰ نثر کے

چند جملوں میں یوں جواب دیتی ہے:-

" پان لے کے کیا کروں کسی سبزہ رنگ کا دھیان ہے - ہڈیاں
چونا ہیں بدن دھان پان ہے - عشق لہو پی پی کے رنگ
لایا ہے - فراق نے قتل کا بیڑا اُٹھایا ہے - گلوری لئے مجھے
کیا تکتا ہے - فقیروں کا منہ کون کیل سکتا ہے"—

اس کے بعد جوگن ایک ہولی گاتی ہے اور راجہ اندر اس کو ایک ہار دینا چاہتا ہے وہ پھر انکار کرتی ہے اور کہتی ہے:—

" ہار زنہار نہ لوں گی دل کو خار ہے - اپنا گلعذار
گلے کا ہار ہو تو بہار ہے "—

جوگن پھر ایک غزل گاتی ہے - راجہ اندر شالی رومال پیش کرتا ہے اور جوگن ان الفاظ میں اس کے لینے سے بھی انکار کرتی ہے:—

" رومال اُنھیں دیجئے جو تنگ دست ہیں - فقیر اپنی
کملی میں مست ہیں - عشق کی گرمی نے مارا ہے - پشمینے
سے کنارا ہے - راجہ کے دور میں پلے سے آئی ہوں ' جو
مانگوں سو پاؤں "—

اس کے بعد کتاب میں یہ سرخی ملتی ہے " اقرار کرنا راجہ اندر کا جوگن سے اور غزل گانا جوگن کا طلب گلفام میں " - اس سرخی کے تحت میں غزل لکھ دی گئی ہے اور یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ راجہ اندر نے کن لفظوں میں اقرار کیا - لیکن حاشیہ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ نے کہا " مانگ کیا مانگتی ہے " - جوگن نے پھر کہا " جو مانگوں سو پاؤں " - اس طرح تین مرتبہ اقرار لینے کے بعد جوگن غزل گاتی ہے - جب راجہ اندر کے حکم سے لال دیو گلفام کنوئیں سے رہا کرنے کے لئے جاتا ہے تو یہ معلوم کرنے کی غرض سے کہ گلفام زندہ ہے یا مرگیا کنوئیں میں کان لگا کر اس کی آواز سننے کی کوشش کرتا ہے - اور نثر کے چند جملے گلفام کی زبان سے

سکتا ھے یہ جملے اصل کتاب میں نہیں ھیں - مگر حاشیے پر درج ھیں:—

"ھائے سبز پری تیری چاہ نے مجھے یہ دن دکھایا کہ جیتے جی اندھیرا گور کا نظر آیا - نہ مونس ھے نہ غمخوار ھے، فقط ذات پروردگار ھے - دم گھٹ کر لبوں پر آتا ھے، دل کنوئیں میں ڈوبا جاتا ھے - کوئی تدبیر نہیں بن آتی ھے، اب تو جان جاتی ھے" —

اندرسبھا میں جتنی نثر ھے وہ نقل کر دی گئی - اس کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ھے کہ "اندرسبھا (امانت) میں نثر کی ایک سطر بھی نہیں" اور کون یقین کر سکتا ھے کہ اُس کی زبان نثر سلیس، بلا تصنع، با محاورہ اور قافیہ بندی سے آزاد ھے" —

اندرسبھا میں بعض مقامات اور بھی ھیں جہاں قیاس چاھتا ھے کہ نثر کے جملے ھوں مگر چوں کہ وہ جملے نہ اصل کتاب میں درج ھیں نہ حاشیے پر، اس لئے محض قیاسی بات پر میں زور دینا نہیں چاھتا —

مؤلفوں نے اندرسبھا کے فرانسیسی الاصل ثابت کرنے کے لئے سب سے مضبوط دلیل یہ پیش کی ھے کہ اس میں پردے استعمال کئے جاتے تھے - لیکن اول تو ھندوستان پردوں کے استعمال سے نا آشنا نہ تھا - زمانۂ قدیم میں سنسکرت ڈراموں میں پردے استعمال کئے جاتے تھے - دوسرے اندرسبھا میں موجودہ تھیٹروں کی طرح پردے منظروں کے قایم مقام نہیں تھے - یعنی با تصویر پردوں کے ذریعے سے راجہ اندر کا عشرت خانہ، شہزادۂ گلفام کا محل، کوہ قاف، کنواں، جنگل وغیرہ نہیں دکھاتے تھے بلکہ راجہ اندر اور پریوں کی آمد کے وقت ایک سادہ پردہ تان دیا جاتا تھا - آنے والا پردے کے پیچھے آکر تو پیر جاتا تھا - آمد گائی جاتی تھی، مہتاب چھوٹتی تھی اور پردہ اُٹھا دیا جاتا تھا - آنے والا محفل میں داخل ھو کر اپنے حسب حال غزل گاتا تھا - دوسرے آنے والوں کی آمد کے وقت وھی پردہ پھر

ڈال دیا جاتا تھا - پردے کا یہ استعمال کوئی ایسی مشکل چیز نہ تھی اور ہندوستانیوں کی عقل ایسی گئی گزری ہوئی نہیں ہے کہ اتنی سی بات بھی بغیر کسی غیر ملکی کے سمجھائے ہوئے انھیں خود سے نہ سوجھ سکے''—

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ امانت نے سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں اندرسبھا کا حاشیہ ''شرح اندرسبھا'' کے نام سے لکھا تھا - یہ حاشیہ اس زمانے کے رواج کے مطابق مقفیٰ نثر میں ہے - اور امانت کی نظم کی طرح لفظی رعایتوں سے گرانبار ہے - لیکن اگر اس سے قطع نظر کریں تو اس میں شک نہیں کہ مصنف کو اپنے اس مقصد میں کہ "اس طرح جلسے کا نثر میں بیان ہو کہ سب کو تصور میں تصویر اندرسبھا کا گمان ہو" پوری کامیابی حاصل ہوئی ہے - انھوں نے اسٹیج کا ساز و سامان، ایکٹروں کی پوشاکیں، پریوں کے ناچ وغیرہ کی کیفیتیں اس تفصیل اور اس حسن سے بیان کی ہیں کہ اندرسبھا کے کھیل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے - اور ایسی ایسی نادر تشبیہیں اور استعارے استعمال کئے ہیں کہ نثر میں شاعری کا مزہ آتا ہے - "شرح" کی ابتدا میں واجد علی شاہی رہس کی کیفیت، اندرسبھا کا سبب تالیف، اس کا زمانۂ تصنیف، اس کے جلسے کی تیاری وغیرہ کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے یہ گویا اندرسبھا کی تاریخ خود مصنف کی لکھی ہوئی ہے اور کوئی قیاس کوئی قرینہ اور کسی کی شہادت اس سے زیادہ معتبر نہیں ہو سکتی - میں ذیل میں ''شرح اندرسبھا'' لفظ بلفظ نقل کئے دیتا ہوں جس سے اندرسبھا کے بارے میں جتنی غلط فہمیاں ہیں وہ بھی دور ہو جائیں گی، اندرسبھا کے کھیلنے کا طریقہ بھی معلوم ہو جائے گا اور امانت کی نثر نگاری کا بہت عمدہ نمونہ بھی پیش نظر ہو جائے گا - اندرسبھا کے جو اڈیشن آج کل بازار میں مل سکتے ہیں ان میں شرح اندرسبھا موجود نہیں ہے - اندرسبھا کے جس نسخے سے میں نے یہ ''شرح'' نقل کی ہے وہ شیخ رجب علی تاجر کتب

کی فرمائش پر کپتان مقبول الدولہ احسان الملک مرزا مہدی علی خان بہادر ثابت جنگ کے اہتمام میں سلطان المطابع کی اجازت سے مطبع محمدی لکھنؤ میں سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں چھپا تھا۔ غالباً یہ اندرسبھا کا پہلا ایڈیشن ہے جس کو مصنف نے سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں مرتب کر کے مطبع کو دیا اور کچھ زمانے میں سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں چھپ کر تیار ہوا ــــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نغمۂ ہند کا اُس کارساز اور بندہ نواز کی شان میں بجا ہے کہ جس نے منقار موسیقار کو مضراب ہوا سے دم ساز چنگ و ارغنون بتایا اور زہرہ کو آہنگ قدرت سے سازندۂ کائنات نے بے ساز و سرود پردہ فلک میں علم موسیقی ایسا تعلیم فرمایا کہ مطربان خوش آہنگ جہاں کا ناک میں دم آیا ' کان پکڑ کر ندامت سے سر جھکایا یہاں تک کہ اپنا گانا کبھی خیال میں نہ آیا - جس کو بزم نشاط جہاں میں اُس کے قانون معرفت سے ساز ہے ' ہر تار نفس اُس وحدت بین کا خوش آواز ہے - نغمۂ حقیقی کا دم ساز ہے غنای مجازی سے باز ہے - صل علی کیا کیا مطربان خوشنوا باغ بان گلشن ایجاد نے چمن ہستی میں پیدا کئے ہیں کہ جن کی زمزمہ سنجی سے رنگ الحان داؤدی کا گیندے کی مانند زرد ہے اور مزا میر کی لبوں پر گرمی صدائے پر درد سے ہر دم آہ سرد ہے - جب شعلۂ آواز اُن کا پردۂ گوش فلک میں سماتا ہے ' زہرہ کا زہرہ دفعتاً ہیبت سے آب ہو جاتا ہے - کیا کارساز ہے کہ سب کا ساز و سامان پردۂ دنیا پر درست ہے اور ہر ایک خلاق کے دھن میں اپنے مقام پر چالاک و چست ہے - اہل زمین اُس کی کار سازی اور جہاں نوازی پر حیران ہیں و اہل فلک میں غرفوں کے چولے ہیں شعاع مہر کی ڈوریاں ہیں - پنجۂ خورشید سے یہ بات روشن بہ عالم بالا ہے گویا کسی رشک مہر نے پردۂ زنگاری سے بجانے کے لئے ہاتھ نکالا ہے - گردوں کی طبلہ میں مہتاب کی پڑی داغ کی سیاہی ہے اس نئے مثال کی دھوم ماہ سے تا ماہی ہے - کہکشاں کی سارنگی پر تیر شہاب کا گز ہے ' ستاروں کی طربیں ہیں شعاع ماہ کے تار ہیں یہ سازش دیکھ کے

دل سازندہ ھاے ساز کی جلاجل کے مانند بے قرار ھیں - منقار بلبل گلزار میں موسیقار کی آواز ھے آھوان دشت پرخاران چکاروں کا انداز ھے جو بگولا بیاباں میں اُٹھہ کر رہ جاتا ھے نواسنجان بادیہ پیما کو مطرب کی مردنگ کا عالم نظر آتا ھے اور جو جادو کی صحرا میں چاہ مدور سے ھم کنار ھے ' ستار کی صورت آشکار ھے - چکارے اس پر چوکڑیوں کا تار باندھہ کر کھر کی مضراب بار بار لگاتے ھیں ؟ کیا پردہ پردہ میں مشتاق نغمۂ وحدت کا حکم بجا لاتے ھیں - آگے اُس کی صفت نہیں کہی جاتی ھے طبیعت اس رنگ میں راگ لاتی ھے - میری حقیقت کیا ھے ' شہرت اس کی جا بجا ھے —

بعد حمد ایزد غفار نعت احمد مختار کا تار باندھنا ضرور ھے کس واسطے کہ وہ کارساز کا نور ھے سبحان اللہ کہ وہ ھر حال میں پردۂ دنیا پر ستار کا حکم دل و جان سے بجا لایا ھے اور اُسی کے ناخن شمشیر سے قانون اسلام نے جہاں میں جا بجا یک دست رواج پایا ھے - عارفان با ریا کا جامۂ زاھد سالوس میں اُس حق بین کی قیل و قال سے برا حال ھے اور نواسنجان بزم غنا کو طنبور کے مانند پنجۂ ھدایت سے سدا گوشمال ھے - جو اُس دائرہ دوات میں کفر کی دھن لگا کر راگ لاتا ھے شعلۂ آواز در پردہ اُس ناری کے کام و زبان کو دفعتاً جلاتا ھے - نزدیک اس غنی کے غنائی مغنی محض حرام ھے لیکن ترانہ بلبل گلزار وحدت کا خیال مدام ھے —

——(منقبت حضرت علی علیہ السلام)——

وصی اُس نائب کار ساز کا علی ھے ' حال جس شمع بزم دین کا سب پر جلی ھے دنیا کے راگ اور رنگ سے ھمیشہ بد مزگی رھی خالق بندہ نواز سے سدا لو لگی رھی - ھتیار جنگ کی جسم اقدس پر سجتی رھی دھل فتح جا بجا بجتی رھی حیدر کرار پردۂ کائنات پر کیا جرار یکتا ھے کہ جس کی شجاعت کا ھر ملک ھر دیس میں ھر آبادی ھر جنگلے میں کوسوں تک ڈنکا ھے - اسلام کی زینت ھے

کفر کی بری گت ہے - دیندار سر بازار مسجدوں پر اذان میں آواز لگاتے ہیں - کفار بستۂ زنار بت خانوں میں منہ چھپا کر سدا ناقوس بجاتے ہیں - سبحان اللہ کیا گل گلزار امامت ہے کہ جس کے دھن میں باغ کے اندر سدا گلاب کو بیکلی ہے اور بلبل نغمہ سنج کو اس کے خیال میں ترانہ کے عوض ہمیشہ ورد زبان ناد علی ہے —

——(مدح بادشاہ وقت)——

بعد حمد خدا و رسول و منقبت زوج بتول تعریف بادشاہ وقت کی بھی واجب و لازم ہے کہ جس کے عہد معدلت مہد میں یہ کتاب اندرسبھا تصنیف کی گئی - وہ کیسا بادشاہ کہ جمجاہ سلیمان بارگاہ فریدون مکان کسری ایوان سکندر حشم دارا شیم قیصر منزلت خاقان مرتبت محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ و سلطنتہ - سبحان اللہ کیا خوش جمال بادشاہ ہے کہ جس کی زیارت کی ہر رشک یوسف کو چاہ ہے - شجاعت میں بے مثل ہے ، سخاوت میں یکتا ہے ، عدالت میں لا جواب ہے ، مروت میں انتخاب ہے - علاوہ ان صفتوں کے ایسا رنگین طبیعت ہے جس کی نازک خیالی کی جا بجا شہرت ہے - راگ کا بزم عشرت میں رنگ ہے ، طبلے کی تھاپ پر ہر امیر دنگ ہے - گانا سننے سے حضرت سلطان عالم کو رغبت ہے ، اپنے محظوظ ہیں ، بے گانوں کی بری گت ہے - ہنگامۂ رقص و سرود برپا رہتا ہے ، پیر فلک وجد میں آکر واہ واہ کہتا ہے - مشتری جمالوں کے گلوں سے ساز کی سازش میں یہ آواز آتی ہے کہ موسیقار کیا بکتا ہے - اور زہرہ کیا گاتی ہے جب کوئی طوائف خوش گلو ٹھمری حضرت کی شروع کر کے بلبل کی روش چہکارتی ہے شوری کی روح شور مچا کر خجالت سے تڑپا تڑپی مارتی ہے اور جب کسی طوائف کو پکے گانے کا خیال آتا ہے تو ایسی دھرپت کی تان لگاتی ہے کہ آواز دھر پتال کو جاتی ہے ، گاو زمین وجد میں آتی ہے اور گھوڑے کی طرح مچھلی پر الف ہو کر تالیاں بجاتی ہے - سارنگی سے مل کر سازندے کی یہ صدائے مستانہ ہے کہ اپنی نغمہ سنجی

کا زمانہ ہے بیجو بورا ہے تانسین دیوانہ ہے مغنی رعب شاہی سے گانے میں جی چھوڑتے ہیں یہانتک کہ پشیمان ہوکر طنبور کی عوض اپنے کان مروڑتے ہیں حل علی کیا رہس مبارک طبع سلیمان جاہ سے ایجاد فرمایا کہ پریوں کا ہوش اوڑایا اور راجہ اندر کے اکھاڑے پر حرف آیا بلکہ قاف نے قاف کے مانند خجالت سے سر جھکایا سب حسین حسن میں شہرۂ آفاق ہیں' پریزاد جنکی دید کی مشتاق ہیں - طائفۂ حسیناں تعصب سے بری ہے جو دلبر ہے وہ حیدری ہے پریاں بن بن کر محفل میں آتی ہیں حضرت کی چیزیں گاتی ہیں' رقص کا اندازہ دکھاتی ہیں' زہرہ کو وجد میں لاتی ہیں' پریاں قاف سے ہوا پر آکر اون کے حسن کا دم بھرتی ہیں' حوریں غرفوں سے سر نکالکر واہ واہ کرتی ہیں - پریوں کا عجب انداز ہے کہ ہوا کو جن پر ناز ہے - جواہر نگار سب کے پر ہیں مرصع چوتیاں بالائی سر ہیں رنگ سیم تنوں کے گرئی صحبت سے کندن کے مانند دمکتے ہیں' افشاں کے ستارے ناچ کی چھل بل میں تاروں سے دہ چند چمکتے ہیں - جڑاؤ بالیاں پریوں کے کانوں میں جواہر کی کان ہیں جن کو دیکھکر جوانین حوروں میں حلقہ بگوش ہیں' بالیاں قربان ہیں - بندے یا قوت کی کان کی لو سے اخگر کے مانند روشن ہیں' بجلیاں ہیرے کی چمک چمک کر برق جہندہ پر چشمک زن ہیں - حلقہ سونے کا زلف کی بالوں میں تلوار کے مانند کستا ہے' موتیوں کے جھالوں پر ابر گیسو میں نور کا مینہ برستا ہے - گلے میں ہر اک کی وہ جڑاؤ طوق ہے جس کو ماہ نو پر فوق ہے - ہیروں میں طوق کے وہ نور کا عالم ہے کہ جن کی چمک دیکھکر جگنو کا دھکدھکی میں دم ہے - بازوں پر سونے کی جڑاؤ جوشن ہیں' نورتن نور تن سے سات ستاروں کے مانند روشن ہیں - ہاتھوں میں کنگن ہیں اور وہ ہیرے کے کڑے ہیں جنھیں دیکھکر جڑ زر گر دل کے کڑے ہیں بیہوش پڑے ہیں - یہ کیونکر کہئیے کہ ان کے بوجھہ سے حسینوں کے نازک پہنچے رقص میں لچک جاتے ہیں مگر چھرے ان کڑوں کے اپنا حسن دکھا کر

مچھلی کی طرح سامعوں کو تڑپاتے ھیں - کنگن اور کڑوں کے بیچ میں وہ جڑاؤ نوگریاں ھیں جن کی بنوٹ دیکھکر دس تڑپتے ھیں نوگریاں ھیں - پوشاک میں پریوں کی وہ تیاری ھے کہ ستاروں پر رشک سے رات بھاری ھے بیل ' گوکھرو ' چٹکی ' گون کی وہ بوچھار ھے کہ نازنینوں کو پوشاک کا بوجھہ سنبھالنا دشوار ھے- چمکی کا ستارہ چمکتا ھے ' کندنی مال روشنی میں دمکتا ھے ' سلمے کا کھپاؤ ستاروں کی بھرتی ھے ' زردوزی پر نگاہ نہیں کام کرتی ھے - زھرہ جبیں جب رقص میں چلتے پھرتے ھیں سیروں ستارے چاندنی پر گرتے ھیں- ایسی محفل دیکھی نہ سنی ھے گویا فرش نے بھی افشان چنی ھے - حسینوں کا ناچ توڑوں کا تار سونے چاندیکے گھنگروؤں کی جھنکار ' پریوں کا ھاتھہ سے ھاتھہ ملا کر ھالۂ مہتاب کی صورت بنا کر گلدستہ لئے ھوے ناچنا عجب لطف دکھاتا ھے کہ پرستان کا سماں چشم فلک کو بھول جاتا ھے - سرخ دوپٹہ بھاری محفل میں تنتا ھے شفق کا جواب بنتا ھے جس میں سے نور چھنتا ھے زھرہ خصال مشتری جمال کس پھرتی سے ناچ نا چکر اُس کے تلے سے نکل جاتے ھیں گویا برج آتشی سے ستارے چمک چمک کر باھر آتے ھیں - طبلے کی تھاپ فلک میں سماتی ھے ' سارنگیوں کی آواز زمین کو ھلاتی ھے ' جوڑی کی صدا ناچ کے تال پر دانت کرکراتی ھے مثنوی حضرت کی پڑھی جاتی ھے ' میر حسن کی روح تازگی پاتی ھے سازوں کی آواز ناچ سے ملکر دل توڑے لیتی ھے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی ھے خدا اس ھنگامۂ رھس مبارک کو زیر قدم سلطان عالم بہادر خلداللہ ملکہ کے مع ارکان دولت تا قیامت سلامت با کرامت رکھے —

——(سبب تالیف کتاب اندر سبھا)——

بندۂ خاکسار وھیچمدان آوارہ طبیعت سید آغا حسن متخلص بہ امانت ' شعر و سخن کا ھمیشہ سے ذوق تھا - موزوں کرنے کا شوق تھا - نوحہ سلام کہنے کا ورد تھا ' دلگیر کا شاگرد تھا - القصہ انتہاے شوق طبیعت میں یہ واسوخت ' شتانہ کہ

مطبوع زمانہ ہے طولانی بکمال فکر و جانفشانی کہا گیا اور صحبت قرار دیکر مجمع خلائق میں پڑھا گیا - غل تعریف کا خوب ہوا سب کو مرغوب ہوا - مشتاق خلقت ہوئی چھپنے کی صورت ہوئی' چھپ کر روانہ دور دور ہوا فضل خدا سے ہر شہر میں مشہور ہوا - بعد اس کے خانہ نشینی اختیار کر کے دن بھر گھر میں بیٹھکر مرثیہ یا غزل کہتا تھا اور شب کو شام سے دو پہر رات گئے تک صحبت میں شاگردوں اور احباب کا مجمع رہتا تھا' مگر دل میں در پردہ عشق کی آگ تھی طبیعت کو حسن سے لاگ تھی وضع کے خیال سے کہیں جاتا تھا نہ آتا تھا زبان کی وابستگی سے گھر میں بیٹھے بیٹھے جی گھبراتا تھا - ایک روز کا ذکر ہے کہ حاجی مرزا عابد علی* یگانۂ ازلی رفیق شفیق مونس و غمخوار قدیمی جان نثار شاگرد اول موزوں طبیعت تخلص 'عبادت' عاشق کلام امانت انہوں نے از راہ محبت کہا کہ بیکار بیٹھے بیٹھے گھبرانا عبث ہے ایسا کوئی جلسہ† کے طور پر طبع زاد نظم کیا چاہئے کہ دو چار گھڑی دل لگی کی صورت ہو وے اور خلق میں شہرت ہوے - آخرالامر موافق اُن کی فرمائش کے بندہ اس کے کہنے پر آمادہ ہوا دم بدم شوق زیادہ ہوا' چونکہ یہ جلسہ کہنا سب کو مرغوب تھا مگر اپنے نزدیک معیوب تھا اس لحاظ سے اپنا تخلص بدل کر اس میں 'اُستاد' تخلص کیا لیکن لوگوں نے غزلوں کے سبب سے بندہ کا کلام دریافت کرلیا - غرض کہ چودھویں تاریخ شوال کی سنہ ۱۲۶۸ھ میں اندرسبھا اس جلسے کا نام رکھکر بجائے چہار باب چار پریاں قرار دیکر شروع کیا - شہرت گھر گھر ہوئی اہل محلہ کو خبر ہوئی دو شخص اس جلسے کی تیاری پر آمادہ ہوے ہجوم حد سے زیادہ ہوے رفتہ رفتہ بعد ہزاران ہزار شور و فساد اور محنت و تکرار کے ڈیڑہ برس میں جلسہ تیار ہوا مگر اپنے نزدیک بیکار ہوا

---

* مرزا عابد علی 'عبادت' 'امانت' کے شاگرد تھے - انہوں نے اندرسبھا کے چھپنے کی تاریخ بھی کہی تھی جو اس شرح کے آخر میں موجود ہے —

† 'جلسہ' اس جگہ ناٹک کے معنی میں مستعمل ہوا ہے —

کہ کس ریاض سے ایک درخت لگایا آخر کو اُس سے رنج کا پھل پایا - خیر جو ہوا سو بہتر ہوا اپنا تو یہ قول ہے مصرع :

تقدیر سے گلا ہے کسی سے گلا نہیں

الحمدللہ کہ بہگت کا کوئی نام نہیں لیتا ہے زمانہ اندرسبھا پر جان دیتا ہے شہر میں چاروں طرف یہ جلسہ ہوتا ہے مشتاقوں کے ہوش کھوتا ہے - اس طرح جلسہ کا نثر میں بیان ہو کہ سب کو تصور میں تصویر اندرسبھا کا گمان ہو—

——— (آغاز جلسہ شروع اندرسبھا) ———

جب ساری محفل لوگوں سے بھر جاتی ہے اور آدھی رات آتی ہے ہر شخص قرینے سے پیچھے ہٹایا جاتا ہے آگے کرسیاں رکھی جاتی ہیں تخت بچھایا جاتا ہے - عرصہ کرنا جلسے* والوں کا طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے ہر شخص عین اشتیاق میں ہمہ تن چشم انتظار ہوتا ہے سازندے محفل میں آکر کھڑے ہوتے ہیں ساز ملا کر دوربینوں کے ہوش کھوتے ہیں - سرخ پردہ زر تار مثل لکۂ شفق گلنار محفل میں تانا جاتا ہے راجہ اندر پردے کے پیچھے آ کے ٹھہر ٹھہر کر گھنگرو بجاتا ہے سارنگی چکارے سے ملائی جاتی ہے آمد اس طرح گائی جاتی ہے - شعر:

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے

پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

جب آمد تمام ہوتی ہے پردہ اُٹھتا ہے مہتاب چھٹتی ہے راجہ اندر خلعت فاخرہ در بر کلاہ زرین بر سر' کمر میں دوپٹہ زر تار یا رومال آنچل دار باندھے ہوے دو دیو راس و چپ بشکل عجیب چہرے مہیب' دھانے کُھلے ہوے' دانت بڑے بڑے' چپٹی ناک' ہاتھوں میں گُرز' بدن میں تنگ پوشاک' محفل پر ہیبت کی نگاہ' ایک کا رنگ سرخ ایک کا سیاہ' وہی راجہ همراہ لیکر محفل میں آتا ہے' چوبولہ اپنے حسب حال گاتا ہے' ناچ کا انداز دکھاتا ہے' گھنگرو تال پر بجاتا ہے پھر

---

* 'جلسے والے' یہاں 'اکثر' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے—

صاحب محفل کو سلام کر کے تخت پر بیٹھہ جاتا ہے' پکھراج پری کو یاد فرماتا ہے'
ایک دیو پیچھے کھڑا رہتا ہے' دوسرا پری کے لینے کو جاتا ہے - پھر پردہ تنتا ہے'
ساز ملائے جاتے ہیں آمد کے شعر اس طرح گائے جاتے ہیں - شعر:

محفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے
سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے

جب آمد گائی جا چکتی ہے پردہ اُٹھتا ہے مہتاب چھٹتی ہے پکھراج پری
ناز کی بھری اس انداز سے گت ناچتی ہوئی نکلتی ہے کہ عاشق مزاجوں کی بری
گت ہوتی ہے' مشتاقوں پر چھری چلتی ہے - چنپئی جوڑا بھاری بیل گوکھرو کرن
کی تیاری اس چمک دمک کی اس کے بر میں ہے کہ چکا چوندہ ستاروں کی نظر
میں ہے - زردوزی پر اس طرح تیاری کے سانچے میں ڈھلے ہیں کہ باز وارڑ چاہے ہیں
گاتی کا دوپٹہ چمک میں برق ہے' کلاہ زرین بالائے فرق ہے' روپ کے ستاروں کے
چہرۂ روشن پر جلوے بڑے ہیں گویا کسی نیک اختر نے چاند پر تارے جڑے ہیں -
حسن حسینان محفل کا اُس کے آگے گرد ہے' چہرہ ہر ایک کا رشک سے پکھراج کے
مانند زرد ہے' مشتاقوں کے دل میں درد ہے' غرض اپنے عالم میں فرد ہے - جب
سنہری پیشواز کا دامن توڑوں کے چکر میں ہل جاتا ہے گویا محفل میں گیندے کا
تختہ کھل جاتا ہے - سازندوں میں کھڑے ہو کے ایک پاؤں ناز سے آگے دھرتی ہے'
اس طرح اپنے حسب حال شعر خوانی کرتی ہے - شعر:

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا
آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا

شعر خوانی تمام کر کے چھند کہتی ہے چھند کے بعد ٹھمری گاتی ہے' ٹھمری کے بعد
ہولی کی فصل میں ہولی' نہیں تو غزلیں گاتی ہے' ناچ کا رنگ دکھاتی ہے'
محفل کو وجد میں لاتی ہے - راجہ اندر محظوظ کبھی فقرے زبان پر لاتا ہے
پکھراج پری کو اپنے پاس بلاتا ہے' پہلو میں اُسے بٹھاتا ہے' نیلم پری کو یاد فرماتا ہے

دیو لینے کو جاتا ھے—

پھر پردہ تنتا ھے نیلم پری بلائی جاتی ھے آمد اس طرح گائی جاتی ھے کہ :—

سبھا میں آمد نیلم پری ھے   سراپا وہ نزاکت سے بھری ھے

آمد کے بعد پردہ اٹھتا ھے ' مہتاب چھٹتی ھے نیلم پری نزاکت بھری اس طرح جھومکر گت ناچتی ھوئی پردے سے باھر آتی ھے کہ محفل میں اودی گھٹا چھا جاتی ھے-نافرمانی جوڑا گلے میں اس طرح کا مغرق ھے کہ ستاروں کا منہ حیرت سے فق ھے' عاشق دل لالا کے قدم پر دھرتے ھیں' اُس گل کی نافرمانی نہیں کرتے ھیں - سنہری پراردے جوڑے میں اس طرح بازؤں سر اٹھاے ھیں جیسے ایک لکۂ ابر سے دو آفتاب چھک کر نکل آئے ھیں- فرق پر کلاہ پر زر ھے ' جس میں نور کا جلوہ سر بسر ھے- روپ کے ستارے اودی پوشاک میں کیا متصل دمکتے ھیں' عجب تماشا ھے کہ نیلم کے کان میں ھیرے چھتے ھیں- نیلم پری کے رنگ ڈھنگ نے جوھریوں کے وضو ڈھیلے کئے ھیں' حسینوں نے رشک سے چباچبا کرنیلم کی طرح ھونٹھہ نیلے کئے ھیں-دامن اودی پیشواز کا بتانے کے وقت جب دست نازک میں جھول جاتاھے'سبھا میں سوسن کا تختہ پھول جاتا ھے - آسمانی پوشاک سے ناچ کی چھل بل میں اس طرح کاسنی کے درخت سے جگنو اڑکر چاندنی میں پھرتے ھیں' سازندوں سے آگے بڑھکے سروں پر چڑہ کے اس طرح شعر خوانی اپنی حسب حال کرتی ھے :—

حوروں کے ھوش اُڑتے ھیں اُڑنے کی شان پر

نیلم پری ھے نام میرا آسمان پر

بعد اس کے دو چھند کہکے ٹھمری کی تانیں لگاتی ھے ' ٹھمری کے بعد غزلیں گاتی ھے' محفل کو رجھاتی ھے' راجہ کا حکم بجا لاتی ھے' راجہ خوش ھوکر طلب کے فقرے سناتا ھے ' نیلم پری کو سامنے بلا کر دوسری طرف کرسی پر بٹھا تا ھے' لال پری کو یاد فرماتا ھے' دیو اوڑا ھوا لینے کو جاتا ھے پھر پردہ تنتا ھے '

بنتا ھے ' سازوں سے آواز ملائی جاتی ھے' آمد اس طرح گائی جاتی ھے:—

سبھا میں لال پری کی سواری آتی ھے

جھانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ھے

آمد کا مقطع گا کے پردہ اُٹھتا ھے مہتاب چھٹتی ھے' لال پری شرارت بھری اس انداز سے گت ناچتی ھوئی نکلتی ھے کہ محفل شوخی حسن پر ھاتھہ ملتی ھے گلنار جوڑا لعل سے رنگ میں کھرا گوٹی کناری سے بھرا' اس بھڑک سے اُس کے زیب بدن ھے گویا محفل میں سرخ جھاڑ روشن ھے۔ پروں کے تار تار کی تیاری سرخ پوشاک میں اس طرح جلوہ دکھاتی ھے' جس طرح صبح کے وقت شفق کو توڑ کر سورج کی کرن باھر نکل آتی ھے - سر پر کلاہ بہت بھاری ھے' جس میں تولوں مال کی تیاری ھے' گوکہ آفتاب نے کرن میں چھپ کر اُس کی نقل اتاری ھے - اس پر بھی خجالت سے عاری ھے۔ روغن کی چمک ررشنی میں چھرے کو چاند کرتی ھے' روپ کی چمکی ستاروں کو ماند کرتی ھے۔ روپ بھرنے لال پری کی چھرے پرخال سفید' سبز'لال کیا بنائے ھیں کہ نکتہ چینوں کے ھوش اوڑائے ھیں - مجھے ان خالوں کی نئی مثال ملی ھے گویا لالہ کے تختے میں افشانی گل دوپھری کھلی ھے - جب پیشواز گلنار' ستارہ دار کا دامن ناچ میں چکر کھا جاتا ھے لالہ زار میں جگنؤں کا جھرمٹ نظر آجاتا ھے ' گت ناچ کے سازوں سے ملکر گل کی روش کھل کر شعر خوانی اس طرح شروع کرتی ھے :—

افسان کا کام حسن پہ میرے تمام ھے   جوڑا ھے سرخ ' لال پری میرا نام ھے

شعر خوانی کھکے چھند زبان پر لاتی ھے ' بند بند پھڑکاتی ھے ۔ چھند کے بعد ٹھمری ' ٹھمری کے بعد ھولی ' ھولی کے بعد غزلیں گاتی ھے' محفل کے دل ھلاتی ھے - جب تھک جاتی ھے تو راجہ اندر تعریف کے کلمے زبان پر لاتا ھے ' لال پری کو اپنے پاس بلاتاھے ' تیسری کرسی پر اشارے سے بیٹھاتا ھے' پھر سبزپری کو یاد کر کے آپ تخت پر سو جا تا ھے۔ دیو پاؤں دبا تا ھے —

اِدھر کا حال تو اِدھر رکھو، اُدھر کا ماجرا سنو کہ سبز پری بارہ سے ابرن، سولہ سے سنگار کر کے جو اپنے باغ سے اُڑی تو چاندنی کی کیفیت دیکھتی ہوئی ہندوستان کے طرف سڑی، عجب چاندنی کا وفور تھا کہ زمانہ پرنور تھا، شعر:

هراک شے پہ تھا ماہ پر تو فگن عجب رات تھی وہ بقول حسن

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نکھرا فلک اور مہ کا ظہور لگا شام سے صبح تک وقت نور *

سیر کرتی ہوئی چلی جاتی تھی کہ پر تو ماہ سے روے زمین پر ایک ستارہ سا چمکتا نظر آیا، دل اس کا آتش عشق نے جلایا۔ راہ اُلفت میں سر دست قدم مارا، اپنے تئیں آہستہ آہستہ ہوا سے نیچے اوتار - زمیں کے قریب پہنچکر کیا دیکھتی ہے کہ ایک باغ سر سبز ہے اس کے بیچ میں ایسی ایک لال بارہ دری† ہے کہ ہم سنگ یاقوت ہے، مرجان سے کھری ہے اس کے کوٹھے پر تخت سے اتر کیا عالم نظر آیا کہ سب کو کاردنیا فراموش ہیں، نیند کے نشہ سے بے ہوش ہیں - پچھلا پہر، نور قمر، ہوا کی سنک، گھڑیال کی کھنک، درختوں کی پتیوں کا موج نسیم سے آہستہ آہستہ کھڑکنا، جگنوؤں کا چاندنی میں ہوا پر چمکنا، سکتے میں در و دیوار، سوئے سنسار، جاگے پاک پروردگار- چاندنی کہتی ہے کہ آج نکل کے کبھی نہ نکلوں گی - یہ حال دیکھہ کر حیران ہوگئی - آگے جو بڑھی تو وہ سفید چاندنی کا فرش پایا کہ چشم انصاف نے چاند کی چاندنی کو داغ لگایا، ایسا فرش صاف بروے زمین ہے کہ چرس خواب میں بھی نہیں ہے، یہی جی چاھتا ہے کہ ھاتھہ پانوں پھیلا کے سو رھیے۔ ایک طرف کیا دیکھتی ہے کہ چاندی کی صراحیاں اور کوری کوری جھجھریاں سفید مہیں بھیگے ہوئے کپڑے سے لپٹی ہوئیں، ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئیں، چھوٹے چھوٹے سبوداڈوں پر

---

* میر حسن کے اشعار نقل کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ امانت نے اندر سبھا کا پلاٹ یا کم سے کم اُس کا یہ حصہ میر حسن کی مشہور زمانہ مثنوی سحرالبیان سے لیا ہو—

† یہ ایک شہزادے کی خواب گاہ کی تصویر ہے —

دھری ہوئیں ہیں۔ قریب اس کے چوکی پر لوٹا لوٹیہ تھالی جوڑ چاندی کا دھرا ہوا ہے ایک گلاس بلوری الماس تراش اس میں لگا ہوا رکھا ہے - آگے بڑھی تو کیا دیکھا کہ فرش کے کنارے پر پلنگڑی ایک چاندی کی بچھی ہوئی ہے، محمودی کی چادر کھچی ہوئی ہے، پلنگڑی کے آگے ایک سفید قالیچہ لگا ہوا ہے، تکیے بدستور رکھے ہوے ہیں۔ پلنگ کے پاس ایک نازنیں خواص سفید جوڑا پہنے ہوے چاندی کا پاندان کھول کے پان لگا رہی ہے - نیند جو آئی تو ایک ہاتھہ میں پان رہا ایک ہاتھہ میں چھپی رہی ٹھنڈی ہوا کے جھوکے سے ایسی بے ہوش ہوگئی کہ پٹی پر سر رکھہ کے سوگئی - یہ دیکھہ کے پلنگ پر جو پاؤں رکھا تو ھک دک ہوگئی دیکھا کہ ایک شہزادہ چاند سے نور میں زیادہ، تیرہ چودہ برس کا سن، عروج حسن کے دن اس طرح متوالا نیند میں سو رہا ہے کہ گردن تکیے سے گری ہوئی ہے، مچھلی بازو کی پھری ہوئی ہے، پان دھن نازک میں چبے ہوے ہیں، ہار شانے کے تلے دبے ہوے ہیں، پھولوں کی ہر رگ رخسار نازک میں گڑی ہوئی، لٹ زلف عنبریں کی چہرے پر پڑی ہوئی، ایک ہاتھہ سینے پر ایک ہاتھہ گھٹنے کے نیچے رکھے بے خبر سو رہا ہے کہ فلک اُس کے انوکھی نیند کے انداز پر نثار ہو رہا ہے بقول شاعر، شعر:

کیا پھیل پھیل سوتے ہیں عاشق کا ڈر نہیں
بارہ برس کا سن ہے ابھی کچھہ خبر نہیں

دو خواصیں باریدارنیاں شہزادہ کی صحبت کا مزہ چکھے ہوے ساق بلوریں پر ہاتھہ رکھے ہوئے، ڈر دل سے نکالے ہوے، سر گھٹنوں میں ڈالے ہوے، سو رہی ہے گویا دولت بیدار ہاتھہ سے کھو رہی ہیں - یہ حال دیکھکے سبز پری کو تاب نہ رہی، بے تاب ہوکر شہزادہ کے منہ پر منہ رکھدیا، چہرۂ صاف کا جلوہ دیکھہ کر نشہ عشق کا چڑھا، آسمان کی طرف مخاطب ہوکر یہ شعر امانت کا پڑھا شعر:

فلک یہ تو ھی بتا دے کہ حسن و خوبی میں
زیادہ تر ھے ترا چاند یہ ھمارا چاند

یہ کہکے شہزادہ کے دونوں رخسارے دست نازک سے دباکر ھونٹوں کو سمٹاکر بوسہ لب و دندان کا لیا اور خوب گلے لپٹایا' جب شہزادہ خوب نیند میں کسمسایا تو اس نے زمرد کا چھلہ اپنے ھاتھہ سے اوتار آھستہ شہزادہ کی اُنگلی میں پنھایا اور الگ ھٹ کر یہ شعر 'حسن' کا سنایا' شعر :

کرم مجھہ پہ رکھیو سدا میری جاں
میں دل چھوڑے جاتی ھوں اپنا نشاں

یہ کہہ کے سر سے پانوں تک شہزادہ کے بلائیں لے کے' خدا کی پناہ میں دے کے' ھونٹ دانتوں میں دبائے ھوے' عشق کا تیر کھائے ھوے' صبح ھونے کے ڈر سے خیال عتاب راجہ اندر سے تخت پر بیٹھہ کر اکھاڑے کی طرف روانہ ھوئی —

ادھر کا حال سنو کہ پھر محفل میں سرخ پردہ تانا جاتا ھے تان پر تان اوڑائی جاتی ھے' سبز پری کی آمد اس طرح گائی جاتی ھے' شعر :

آتی نئے انداز سے اب سبز پری ھے
لب سرخ ھیں' پر سبز ھیں' پوشاک ھری ھے

جب آمد کا خاتمہ ھوتا ھے پردہ آتش حسن کی گرمی سے سیماب کے مانند اُڑتا ھے' محفل کا منہ سبز پری کی طرف مڑتا ھے' حسن کی دولت لٹتی ھے' مہتاب رشک آفتاب چھٹتی ھے' سبز پری زمرد سے کھری' اس ناز و انداز سے گت ناچتی ھوئی سامنے آتی ھے کہ لالہ رخوں کی رنگت رشک سے سبز ھوجاتی ھے۔ گلے میں جوڑا دھانی' سرسبزی کی نشانی‌ھر پری کی پوشاک سے بھاری' کندنی مال کی تیاری' کیا جلوہ دکھاتا ھے کہ مہتاب ستاروں سے منہ موڑ کر چرخ زنگاری پر زھر کھاتا ھے۔ سنہری چٹکی دوھری دوھری دھانی پیشواز کی کلی کلی پر وقت رقص جب حرکت میں آتی ھے گویا سبزہ زار میں بجلی کوند جاتی ھے۔ زمرد کا زیور پہن کر اس‌طرح

بنی ٹھنی ہے کہ پریوں کا رنگ بگڑا ہے، بنی جان کی جان پر بنی ہے۔ دھانی
پوشاک میں کس بھڑک پر چھریرہ بدن ہے گویا سبز کنول میں شمع روشن ہے۔ چمکی
سلمے کی پر چہرہ پر نور کی ادھر اُدھر بہاری پوشاک میں یوں جواہر کے تو لے
ہیں گویا مرغ زریں نے فلک پر اُڑجانے کو پر کھولے ہیں۔ کلاہ سر بلند عقد ثریا سے
چمک میں دہ چند چہرۂ نورانی کے پاس یوں سر پر فروغ دکھاتی ہے کہ ہر شمع
محفل حسن سے لو لگا کر یہ مطلع امانت کا زبان پر لاتی ہے، شعر:

نور رخ کیا جلوہ گر ہے یار کی مندیل میں
ہے چراغ طور روشن عرش کی قندیل میں

روپ کے ستارے جبین و رخسار سبزہ رنگ پر شعلۂ حسن کی بھڑک سے یوں
نگاہوں میں گڑے ہیں گویا زمرد کی تصویر کے چہرے پر کسی مرصع کار نے ہیرے
جڑے ہیں دھانی جوڑے میں چہرے کے ستاروں سے لوگوں نے یہ ڈھنگ پہچانے ہیں
کہ پتنگوں کے بدلے جگنو اس شمع سبز کے پروانے ہیں۔ آسمان پر جو ساز کی آواز
ہے، گت ناچنے کا وہ انداز ہے کہ زہرہ کو اس کے رقاصی پر ناز ہے۔ جب توڑا گت
میں ایک، دو، تین پر ٹھیک آتا ہے سماں بندھ جاتا ہے، گھنگرو کی جھنکار دلوں کو
مل جاتی ہے یہاں تک کہ زاہدوں کی بھی منہ سے سم پر آئی آواز نکل جاتی ہے۔
آتش حسن میں کندن کے مانند تپ کے سازوں میں کھپ کے بجلی کی طرح تڑپ کے
شعر خوانی اپنے حسب و حال اس طرح زبان پر لاتی ہے، شعر:

مسرور ہوں شوخی سے شرارت سے بھری ہوں
دھانی میری پوشاک ہے میں سبز پری ہوں

شعر خوانی کرکے غزل گاتی ہے غزل گا کے جو دیکھتی ہے تو راجہ اندر کو
سوتا پاتی ہے ایک چو بولہ از راہ طعن زبان پر لاتی ہے، پھر اپنے باغ میں جاتی ہے،
کالے دیو کو سامنے بلاتی ہے، اپنے عشق کا حال سناتی ہے، شہزادے کو طلب فرماتی ہے،
دیو اٹھا لانے کا اقرار کرتا ہے، پتہ دریافت آخرکار کرتا ہے۔ سبزپری اختر نگر کا نام

لیتی ہے، سبز نگوں چولے کا نشان دیتی ہے، باغ کو گلشن جنت کے روش تیار کرتی ہے، مسند پر بیٹھ کے شہزادہ کا انتظار کرتی ہے - دیو پتہ پا کر ہندوستان کی طرف اُڑا ہوا جاتا ہے، شہزادہ کا سراغ لگاتا ہے - مثل ہے کہ جویندہ یابندہ، آخرکار بعد جستجو کے اس چاند کے ٹکڑے کو لال محل کے کوٹھے پر مست خواب پاتا ہے، خوشی سے کیا بغلیں بجاتا ہے، پھر سبز پری کے نشان کا چھلہ شہزادہ کے ہاتھ میں پاکر گود میں اُٹھاکر سوتا ہوا اُڑا لاتا ہے - باغ میں لاکر سبز پری کے زانو پر لٹاتا ہے پھر سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر یہ کلمے زبان پر لاتا ہے کہ اے پریوں کی جان اپنے معشوق کو پہچان - سبز پری شہزادہ کا منہ کھولتی ہے رخساروں کو ٹٹولتی ہے صدقے جاتی ہے، یہ چو بولہ خوش ہوکر سناتی ہے کہ:

یہی ہے شاہزادہ میرا یہی ہے میری جان
یہی میرا دلدار ہے میں اس پر قربان

یہ کہہ کے دست نازک سے شانہ ہلاکر چو بولہ درد آمیز زبان پر لاکر شہزادہ کو جگاتی ہے - محفل کو تڑپاتی ہے - شہزادہ جب نیند سے چونک کر ہوش میں آتا ہے، اُٹھتا ہے، گرتا ہے، چاروں طرف بھاگتا پھرتا ہے، ٹھوکریں کھاتا ہے، سر ٹکراتا ہے، کوٹھا اپنا ڈھونڈھتا ہے، لوگوں کو یاد کرتا ہے، عزیزوں کا دم بھرتا ہے، زیست سے تنگ آتا ہے، گھبراتا ہے، پھر صدائے پر درد سے بھاگ کی چیز اس طرح زبان پر لاتا ہے کہ مجھے کون گھر سے لایا یہاں - جب اس کے فقرے تڑپ تڑپ کے گاتا ہے، لوگوں کو رلاتا ہے، اہل زمیں کو فلک یاد آتا ہے - گلے میں بھاری جوڑا گلنار ہے، باغ حسن کی بہار ہے، آنکھیں نیند سے لال ہیں، عشاق محو جمال ہیں، متوالی ادا ہے، پیاری بولی ہے، مسکی ہوئی انگرکھے کی چولی ہے، روپ کا گمان چہرۂ پرنور پر بیجا ہے کس واسطے کہ اپنے کوٹھے پر سے سوتا ہوا اُٹھ کے آیا ہے - روپ کس نے لگایا ہے باعث اس کا یہ ہے کہ سبز پری نے جو سوتے میں شہزادہ کے منہ سے منہ ملایا تو اُس کی افشاں کے ستارے اُس کے چاند سے منہ پر پسینے میں چپک گئے ہیں اس وجہ سے تاروں

کی طرح رخسار چمک گئے ہیں جب اس شہانے انداز سے شہزادہ بھاگ کی چیز کا چکتا ہے تو سبز پری ہاتھ میں ہاتھ لے کر گھر کا دھیان بھلاتی ہے، باتوں میں اکاتی ہے، باغ کی سیر دکھاتی ہے، نام، مقام، حسب و نسب کا ذکر زبان پر لاتی ہے۔ شہزادہ لال محل مقام، گلفام نام بتاکے ہندوستان کی سکونت حسب و نسب کی حقیقت کہہ کے پری کے پروں کی طرف جو منہ موڑیا تو تعجب سے ہوش اڑگیا کس واسطے کہ پری کا سایہ بھی عمر بھر نہ دیکھا تھا۔ حیران ہوکر چو بولہ میں پوچھا کہ تو عورت کس قوم کی ہے اور دونوں شانوں پر تیرے کیا نکلا ہے۔ پری ہنس کر جواب دیتی ہے کہ اے مورکھ نادان مجھے حیوان نہ جان کہ میں پری ہوں اور یہ دونوں میرے پر ہیں، سبز پری نام ہے، راجہ اندر کے اکھاڑے میں ناچ گانا میرا کام ہے۔ پھر شاہزادہ نے فرمایا کہ میں کیونکر تیرے پاس آیا۔ پری نے کہا کہ میں سبھا میں آتے ہوے اثناء راہ میں تجھ پر عاشق ہوئی، دل کو قرار نہ آیا، کالے دیو کو بھیجکو تجھے اُٹھا منگایا۔ پھر بے تاب ہوکر شہزادے کے ساعدوں کی طرف ہاتھوں کو پھونچایا اور شعر خوانی کا شعر اس طرح زبان پر آیا، شعر :

سر پہ آنکھوں پہ کلیجے پہ بٹھاؤں تجھ کو

آ میرے پاس گلے سے میں لگاؤں تجھ کو

شہزادے نے پری کا ہاتھ جھٹک کر اس طرح جواب میں شعر پڑھا، شعر :

وصل کی تیری قسم گھر میں ہے کھانا مجھکو

نہ خبردار ابھی ہاتھ لگانا مجھ کو

غرضکہ شعر خوانی میں باہم دیر تک رکاوٹ اور لگاوٹ کی باتیں ہوئیں۔ معشوق کا انکار، عاشق کا اصرار، عجب لطف کی صحبت ہوئی کہ مائل طرفین کی طبیعت ہوئی۔ باطن میں پری کی طرف سے وصل کا پیغام ہوا، ظاہر میں برهم گلفام ہوا۔ آخر شہزادہ نے جبر اختیار کیا، اس شرط پر وصل کا اقرار کیا کہ میں نے "اندر کی سبھا" کہانی میں سنی ہے، وہ ہندوستان کے جلسوں

سے سو گُنی ھے' تو وھاں جاتی ھے' ناچتی گاتی ھے' میں تیرا مہمان ھوں' گھر کے چھٹنے سے پریشان ھوں' میرا کہنا بجا لا' اندر کے اکھاڑے کی سیر اپنے ساتھ لے چل کے دکھا لا۔ مجھے وہ لطف کی صحبت نظر آئی' تو تیری بھی امید بر آئی' ھمیشہ محبت کا دم بھروں' کبھی وصل کا انکار نہ کروں - یہ بات سن کے وہ پرکالۂ آتش کانپ کر بولی کہ اے نادان اپنے خدا کو مان کر یہ بات زبان سے نہ نکال' دیدۂ و دانستہ آپ کو بلا میں نہ ڈال' یہ تیرا خیال خام ھے' پرستان میں آدم زاد کا کیا کام ھے۔ راجہ اندر اگر یہ خبر سن پائے گا مجھے پھونکے گا۔ تیرے دشمنوں کو جلائے گا' اگر نہ جلائے گا تو میری چاہ کا حال سن کر تجھے قاف سے قاف تک کنوئیں جھنکائے گا' اس ضد سے کیا ھاتھ آئے گا - شہزادے نے یہ بات سن کر پھر تکرار کی' بلکہ طعنہ آمیز گفتار کی - پری نے ھزار سمجھایا' یہ کسی طرح راہ پر نہ آیا - جب سب طرف سے لاچار ھوا' تو گلا کاٹنے پر تیار ھوا - پری دل میں ڈری کہ مبادا یہ اپنا کام تمام کرے' تو مجھے پرستان میں بد نام کرے - ھاتھ ملکر کہنے لگی کہ میری بات تیرے خیال میں نہ آئی' مفت اپنی جوانی خاک میں ملائی۔ عزیزوں کے ملنے سے ھاتھ اُٹھاتا ھے' شیر کے منہ میں آپ سے جاتا ھے - خیر تن بتقدیر کہاں تک سمجھاؤں' چل اندر کی سبھا تجھے دکھا لاؤں - اپنی جھلک اکھاڑے میں کسی کو نہ دکھانا' میں جدھر ناچتی ھوئی جاؤں پیچھے پیچھے اُدھر تم بھی جانا - جب گھات اپنی پاؤں گی' تمھیں درختوں میں بٹھاؤں گی - پھر ھاتھ بڑھا کر شہزادہ کو گلے سے لپٹا لیا' یہ شعر عالم یاس میں زبان پر آیا - شعر:

کسی آفت میں یکایک اگر آنا جانی
یاد رکھنا کہ مجھے بھول نہ جانا جانی

یہ کہہ کے اپنے تخت کے پایہ میں شہزادے کو لٹکا کر اکھاڑے کی طرف لے اُڑی —

ادھر کا حال سنو کہ راجہ اندر بیدار ھوا' سبز پری کا طلبگار ھوا - سبز پری مع گلفام پھرتی سے فوراً سامنے آئی' چھلد شکایت آمیز زبان پر لائی۔

پرچ کی ٹھمری گائی، پھر غزل گا کے، ناچ کے چھل بل دکھا کے، سب کی آنکھہ بچا کے گلفام سرو قد کو شمشاد کے تلے باغ میں بٹھا آئی، آپ پھر اُسی طرح محفل میں ناچنے لگی۔ اتفاق کی بات دیکھو کہ مثل مشہور ہے کہ 'کانے چور کلونتے بھینت' عین اُسی چمن میں لال دیو رسیاہ سبھا سے نکل کر جی بہلا رہا تھا، باغ کی ہوا کھا رہا تھا، یکایک آدمی کی جو بو آئی، مانس گند مانس گند پکارنے لگا، مستی میں ہاتھہ پاؤں مارنے لگا - ایک طرف منہ پھیرا تو کیا دیکھتا ہے کہ شمشاد کُھنڈ میں خلاف دستور لال پھل لگا ہے - جب بغور دیکھا تو آدمی کی ہیئت پا کر کھل کھلا کر روش پر کہنے لگا کہ ایں گل دیگر شگفت، یہ کہہ کے بھورے ریچھہ کے مانند ہبکتا ہوا، بندر کی طرح اُچکتا ہوا راجہ کے سامنے آیا اور ہاتھہ باندھکر شعر مثنوی کے اس طرح زبان پر لایا - شعر:

مہاراج کو حق رکھے شاد کام

نئی عرض ہے آج کرتا غلام

جب دیو نے شہزادہ کی راجہ سے چغلی کھائی، سبز پری زرد ہو گئی، شوخی گرد ہوگئی۔ آہ سرد بھر کے عالم یاس میں دیو کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی - شعر:

نکر لال دیو اس طرح کے کلام

ارے بے مروت زباں اپنی تھام

جب سبز پری یہ کہہ کے کلیجہ پکڑے رہ گئی، تو راجہ نے دیو سے حیران ہوکر کہا،

شعر:

ارے دیو تو ہے یہ کیا بک رہا

مرے باغ میں کام انساں کا کیا

پھر طبیعت جو جھنجھلائی، طیش کھا کر دیو کو یہ بات سنائی کہ ارے جلد جا کر

شعر:

اُسے کھینچ لا پاس میرے شتاب

کہ غصے سے ہے حال میرا خراب

دیو یہ سن کر باغ کی طرف روانہ ہوا، سبز پری کے نظر میں سیاہ زمانہ ہوا۔

دل کو مسوس کر جان کھونے لگی۔ چپکے چپکے رونے لگی - دیو شہزادہ کے آگے جا کر،
ہیبت ناک صورت بنا کر استادہ ہوا، بیداد پر آمادہ ہوا - گلفام کی رنگت خوف سے
بدل گئی، سن سے جان نکل گئی - دیو نے اضعان جان کر، گرز تان کر اس طرح کہا

شعر:
بشر ہے کہ جن ہے کہ سایہ ہے تو
پرستان میں کیونکر آیا ہے تو

آخر مرتبہ جھنجھلا کر، آنکھیں دکھا کر، چلا اُٹھا - شعر:

میرے ساتھ چل جلد اے بے شعور
بلایا ہے راجہ نے اپنے حضور

یہ کہہ کے شہزادہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بے دردی سے کھینچا اور کشاں کشاں
راجہ کے سامنے لے چلا - کیا انقلاب زمانہ ہے کہ جس نازنیں کا تند ہوا کے جھوکے سے
جی سنسناتا تھا وہ دیو کے ہاتھ کے جھٹکے کھاتا ہوا گرتا پڑتا راجہ کے سامنے
چلا جاتا تھا - جب راجہ اندر کے تخت کے برابر پہنچا تو دیو نے ہاتھ باندھکر
عرض کی - شعر:

حضوری میں حاضر ہے یہ شعلہ خو
مہاراجہ صاحب نگہ روبرو

پھر کہا - شعر:

ستم کیجئے جو سزاوار ہے
کھڑا دست بستہ گنہگار ہے

یہ بات سن کر راجہ خشمناک ہوا اور چشم غضب سے شہزادہ کی طرف دیکھا
بقول حسن - شعر:

اُسے دیکھ غصے میں وہ تر گیا
کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا

پھر غصے سے تیوری چڑھا کر گلفام کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس طرح کہنے لگا - شعر:

ارے کون ہے تو ترا کیا ہے نام

سبھا میری کی تونے برہم تمام

پھر کہا - شعر:

بتا حال آنے کا اے درد ناک

جلا کر ابھی ورنہ کر دونگا خاک

یہ سنکر شہزادہ نے نزاکت سے ہانپ کر، بید کی طرح کانپ کر، جی چھوڑ کر، ہاتھہ جوڑ کر اس طرح راجہ کو جواب دیا - شعر:

کہوں کیا فلک کا ستایا ہوں میں

یہاں کھیل کر جی پہ آیا ہوں میں

پھر سبز پری کا اور اپنا حال ظاہر کر کے اس طرح کہا - شعر:

بلا میں ہوا یہاں گرفتار ہوں

جو چاہو سزا دو گنہگار ہوں

یہ بات سن کر راجہ قہر و غضب سے تھرایا اور سبز پری کی طرف مخاطب ہوکر یہ شعر زبان پر لایا - شعر:

اری او پری سبز او بے حیا

میرے سامنے جلد آ بیسوا

پھر بہت سی لعنت ملامت کر کے کہنے لگا - شعر:

سبھا میں لگا لائی انساں کو ساتھہ

ترا اب گریباں ہے اور میرا ہاتھہ

یہ سنکے سبز پری نے خوف سے تھرتھرا کر، حیا سے سر جھکا کر، اشک سرخ آنکھوں سے بہا کر اس طرح راجہ سے عرض کی - شعر:

جفا و ستم کی سزاوار ہوں

حقیقت میں تیری گنہگار ہوں

یہ کہہ کے شہزادہ کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگی' شعر:

ارے کیوں ' میں واں تجھہ سے کہتی تھی کیا
نہ مانا میرا ہائے تونے کہا

بیٹھے بٹھائے آپ کو بلائے ناگہانی میں مبتلا کیا' مجھے اکھاڑے میں رسوا کیا۔ دیکھوں راجہ کس بلا میں ڈالے تجھے ' خدا کے کیا حوالے تجھے ' یہ کہہ کے جو دل نے سینے میں جوش کھایا تو راجہ کا بھی خیال نہ آیا ' بھری سبھا میں شہزادہ سے لپٹ کر کہنے لگی' شعر:

جو جیتے ہیں تو پھر بھی مل جائیں گے
نہیں تو کیے کی سزا پائیں گے

یہ حال دیکھہ کے راجہ آگ ہوگیا اور شعلہ کی طرح تھرا کر لال دیو سے کہنے لگا شعر:

ارے دیو کر قصد بے داد کا
پکڑ ہاتھہ اس آدمی زاد کا

اے دیو وہ جو قاف میں پر خطر کنواں ہے ' جس سے اُٹھتا دھواں ہے' اسے ابھی اُس میں جاکر قید کر ' زیست سے نا امید کر اور سبز پری جو آگے کھڑی ہے' یہ بیسوا خطاوار بڑی ہے ' سزا اس کو فی الحال دے ' پر و بال نوچ کر ابھی میرے اکھاڑے سے نکال دے' شعر:

اڑاتی پھرے خاک یہ کو بکو
نہ آئے ہمارے کبھی رو برو

یہ سن کر لال دیو غصے سے لال ہوا اور اپنا لٹھا سا ایک ہاتھہ بڑھا کر گلفام کا دست نازک زور سے پکڑا اور دوسرے ہاتھہ سے سبز پری کے پر و بال نوچ کر اکھاڑے سے نکال دیا - پھر شہزادہ کو لے جاکر انعام کی چاہ سے کنوئیں میں ڈال دیا - جب شہزادہ کنوئیں میں بند ہوا ' سبز پری کا عشق دہ چند ہوا ' جنگل

کی خاک اُڑانے لگی ، بن میں ٹھوکریں کھانے لگی - جب فراق گلفام سے بہت تنگ آئی، طبعیت سے نیا سوانگ لائی ، دل کو جوگ پر آمادہ کیا ' فقیری کا ارادہ کیا - جب یہ صلاح دل سے سردست ھوئی شہزادہ کے یاد میں بد مست ھوئی ' اشعار :

خوش آیا اُسے جوگ کا یہ برن
کہ غش کر گئی وہ بقول حسن
پھر آئے جو کچھہ اس کو ھوش وحواس
سجا تن پہ جوگن کا اپنے لباس
پہن سیلی اور گیروا اوڑھہ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کا بھیس
کئی سیر موتی جلا راکھہ کر
بھبوت اپنے منہ پر ملا سر بسر
پہن ایک لہنگا زری بات کا
وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا
زری کے دوپٹہ سے چھاتی کو باندھہ
بدن کو چھپا اور کاتی کو باندھہ
نہ سدھہ بدھہ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

ادھر کا حال سنو کہ پھر سرخ چادر محفل میں لگائی جاتی ھے جوگن کی آمد اس طرح گائی جاتی ھے' شعر:

جوگن آتی ھے پری بن کے پرستان کے بیچ
سمرنیں ھاتھوں میں' مندرے ھیں پڑے کان کے بیچ

' آمد ' گانے کے بعد دفعتاً پردہ کا اُٹھہ جانا ' جوگن کا فقیرانہ انداز سے محفل میں آنا ' جوگ کا جوبن دکھانا تازہ قیامت ھے - یہ حال دیکھہ کر مہتاب چرخ نیا

سوانگ لایا کہ ستاروں کی افشاں چن کر صبح کا سفیدہ منہ پر مل کر جوگی کا بھیس بدل کر جوگن کے مقابلے میں آیا، مگر آپ کو اُس کے ناخن پا کی برابر نہ پایا، خجالت سے مرنے جوگی نے خون جگر کھا کر دامن شفق میں منہ چھپایا - سبحان اللہ کس لطف کا عالم ھے کہ وجد میں عالم ھے ' صبح کا وقت ٹھنڈی ھوا ستاروں کا جھلملانا ' شفق کا رنگ دکھانا ' جانوروں کا درختوں پر چھچہانا ' لوگوں کا چاروں طرف سے سمٹ کر محفل میں آنا ' فرش میں چرسیں پڑیں ' شمعیں خاموش کھڑیں 'مشعلوں کا رخصت ھونا' خفتہ بختوں کا بیٹھے بیٹھے سونا ایک تماشائیوں کا جوگن پر جان دینا ' حسینوں کا نیند سے جماھیاں لینا ' گلرخوں کے حسن کی تازہ بہار لوگوں کے ھاتھوں میں باسی ھار.اُس مجمع میں ایک سے ایک کا انگڑائی لے کر کہنا کہ اب تو لوگ اوپر گرے پڑتے ھیں ' گھر چلو.طرف ثانی کا فوراً جواب دینا کہ ابھی بیٹھے رھو ' جوگن کا سماں بھی دیکھ لو - جوبن کی بہار ھے' آنکھوں میں نیند کا خمار ھے. یہ جلسہ بھی یادگار ھے' یہاں بیٹھو گے تو لطف اُٹھاؤ گے 'گھر جا کے کیا آگ لگاؤ گے-ادھر تو یہ گفتگو یہ چھیڑ چھاڑ ھے ' اُدھر کا عالم سنو کہ سازوں کی بھینی بھینی آواز ' بھیرویں کا شہانا انداز' تالی کی بھرتال' سروں کا خیال ' طبلے کی گمک ' جوڑی کی کھڑک ' ھر لہرا انوکھا' ھرگت نرالی' چکاروں کی آواز 'شیروں کے نشے ھرن کرنے والی ' جوگن کا سازندوں میں کھڑے ھونا ' محفل کا ھوش کھونا ' بروگ کی صورت ' بھرتھری کی مورت ' آنکھیں مے الفت سے لال ' شہزادہ گلفام کا خیال - آنسو آنکھوں میں ڈبڈبائے ھوئے ' لٹیں چھٹکائے ھوئے ' بھبوت رمائے ھوئے ' جتنا چہرہ آپ کو راکھ میں چھپاتا ھے اُتنا جوبن اور جلوے دکھاتا ھے - اُسوقت شعر حسن کا یاد آتا ھے ' شعر :

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ھے کہیں خاک ڈالے سے چاند

روپ کے ستارے ملے دلے بھبوت کے تلے یوں نظر آتے ھیں جس طرح صبح کے وقت

ابر سفید میں آسمان پر تارے چمک جاتے ہیں- اندوا خوشنما کلغی سمیت اسطرح سر کے بالوں میں بیٹھا ہے جیسے کہ جٹادھاری سانپ سنبلستان میں گنڈلی مارے بیٹھا ہے- حسن بیباک ہر رنگ سے مشتاقوں کا قتل کرنے والا ہے ' پوشاک سبز ہے ' دوپٹہ سرخ کفنی بنا کر گلے میں ڈالا ہے - گت ناچنے کو ہاتھ اُٹھائے ہیں ' پاؤں نکالے ہیں' حرکتیں نئی ہیں' توڑے نرالے ہیں' وجدمیں دیکھنے والے ہیں' سماں بندھا ہے' محفل کا دل لگا ہے - دنیا کے مزے فراموش ہیں' کن رس ہمہ تن گوش ہیں - جاہل باتیں کرتے ہیں ' عاقل خاموش ہیں - زندہ دل گُھنگرو کی آواز پر مرتے ہیں' شیریں دھن ہرتال پر سم کھانے کا ارادہ کرتے ہیں - جوگن جب یہ ٹھمری بھیرویں میں گاتی ہے' ٹھمری :

میں تو شہزادے کو ڈھونڈھن چلیان
انگ بھبوت جوگن بن ملیاں
چھان پھیری سب گلیاں
میں تو شہزادہ کو ڈھونڈھن چلیاں

محفل کو تڑپاتی ہے بعد اس کے یہ غزل گاتی ہے ' مطلع غزل ' :

مرتا ہوں ترے ہجر میں اے یار خبر لے
اب جان سے جاتا ہے یہ بیمار خبر لے

اس غزل سے خوش فہموں کی طبیعت خورسند ہوتی ہے' واہ واہ کی صدا محفل سے بلند ہوتی ہے- بھیرکھی لوگ جانوروں کی طرح منہ کھولے گانا سنتے ہیں اور جو کہ اس مذاق سے آگاہ ہیں رہ ہر تان کا خیال کر کے سر دھنتے ہیں - دل کی حالت تباہ ہے ' لبوں پر واہ واہ ہے - رقص کی شوخی آفت جان ہے ' یہ شعر 'استاد' کا ورد زبان ہے' شعر:

نہ دیکھا ہوگا ناچ ایسا کسی نے
بلا ہے' سحر ہے' جادو گری ہے

تماشائیوں کا ہر طرف ہجوم ہے ' پرستان میں جوگن کے گانے کی دھوم ہے۔ یہ رنگ دیکھکر کالا دیو آپ سے کھو گیا' جوگن کے جوبن پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ فوراً اوڑا ہوا سبھا میں پہنچا' راجہ کے سامنے جاکر جوگن کے حسن کا دم بھرنے لگا ' ہاتھہ باندھ کر اس طرح عرض کرنے لگا' شعر :

خدا راجہ جی کو رکھے شادماں
جو ہو جاں بخشی تو کھولوں زباں
پرستان میں جوگن اک آئی ہے
خلائق سب اُس کی تماشائي ہے

مہاراج وہ جوگن اس انداز سے ناچتی گاتی ہے کہ آواز پر جنون کی جان جاتی ہے - بھیرویں کی ہر تان فلک کے پار ہے ' دل خدائی کا اس پر نثار ہے' گانا لاجواب ہے ' حسن انتخاب ہے ' چہرۂ گرد آلود میں غضب کی آب و تاب ہے' شعر:

ملی ہے بھبوت اور ہے افشان چنی
نہ دیکھی ہے جوگن نہ ایسی سني

....

● ....

دیو نے جب یہ کلام شوق آمیز راجہ سے سنا فوراً آداب بجالا کر رخصت ہوا' پرستان میں جوگن کے پاس جاکر کہنے لگا' شعر :

اری جوگن اب دل میں ہو اپنے شاد
کیا ہے تجھے راجہ اندر نے یاد
مراد اب تیرے دل کی بر آئے گی
جو مانگے گی وہ چیز ملجائے گی

●اس مقام پر ورق کا کچھہ حصہ پھٹ گیاہے اور دوتین سطریں غایب ہوگئی ہیں۔

اُس کی سخاوت ایسا تجھے نہال کریگی کہ عمر بھر کسی سے نہ سوال کریگی۔
یہ سنکر جوگن باطن میں خوش ہوئی، ظاہر میں تیوری چڑھا کر، جھانولی
بتا کر، ہاتھ بڑھا کر کہنے لگی کہ اے کل مو ہے، شعر:

یہ باتیں نہ لانا زباں پہ کبھی
فقیروں سے اچھی نہیں دل لگی
بڑا وہ میرا دینے والا ہوا
خوشامد سے منہ تیرا کالا ہوا

غرض اسی طرح رکھائی کے ساتھ اکارت کی باتیں کر کے چپ ہورہی۔ مثل
مشہور ہے کہ ' الخموش نیم راضی' دیو جوگن کو ساکت پاکر گود میں اُٹھا کر
بقول حسن، شعر:

زمیں سے اُڑا آسماں کے تئیں
وہ کتنا کہا کی نہیں رے نہیں

آن کی آن میں آپ کو سبھا میں پہنچا کر جوگن کو راجہ اندر کے سامنے
لیجا کر ہاتھ باندھکر اس طرح عرض کرنے لگا، شعر:

مہاراج کیجے اِدھر اب نگاہ
یہ جوگن ہے حاضر بحال تباہ
ہر اک تان پر لوٹ جاتا ہے جی
سنا ہوگا گانا نہ ایسا کبھی

یہ بات سنکے راجہ اندر جوگن کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا، شعر:

اری جوگن اے درد کی مبتلا
فقیروں کا کیوں بھیس تونے کیا
سنا اپنا گانا مجھے بھی ذرا
اوڑا بھیرویں چھیڑ یا جوگیا

....

* ....

گلفام کا سہکے ٹھمری درد آمیز اس طرح بھیرویں میں گانے لگی کہ:

کہاں گیو گیاں شہزادہ جانی پیارا

دل تڑپے رے ہمارا

کہاں گیو گیاں شہزادہ جانی پیارا

یہ ٹھمری اس طرح جوگن نے گائی کہ راجہ کو تاب نہ آئی۔ وجد میں آکر، ہاتھ بڑھا کر گلوری دینے لگا - جوگن تو ایک عیارہ تھی۔ گلوری نہ چھوڑی، دل میں سمجھی کہ سرخرو ہوئی - آزادوں کی طرح چبا چبا کر جواب دیا، پان ہرگز ہاتھ میں نہ لیا - پھر ہولی بھیرویں میں اس طرح گانے لگی، راجہ کے ہوش اُڑانے لگی کہ:

جر جائے گیاں ایسی ہوری بن سنیاں دیہہ سلگت موری

جر جائے گیاں ایسی ہوری

یہ ہولی مل کر ساز سے، بروگ کی آواز سے اس طرح گائی کہ ساری سبھا کو سکتہ ہو گیا، راجہ آپ سے کھو گیا - گلے سے نولکھا ہار اُتار کے ہاتھ بڑھا کر جوگن کو دینے لگا - جوگن باطن میں گل کی طرح شگفتہ ہوئی - مگر ظاہر میں غنچہ کی روش تنگ ہو کر، بے کلی سے عشق گلفام میں ہوش کھو کر راجہ کو صاف جواب دیا - منہ پھلا کر ہٹ گئی - ہار زنہار نہ لیا، پھر پردہ پردہ میں دل کا مطلب جتانے لگی، غزل بھیرویں میں اس طرح گانے لگی - مطلع:

دل کو چین اک دم نہ چرخ کُہن ملتا نہیں

وہ مرا گلفام وہ گل پیرہن ملتا نہیں

یہ غزل جوگن نے اس رنگ سے گائی، کہ محفل میں قیامت آئی، خوش مذاق

* اس مقام پر ورق کا کچھ حصہ پھٹ گیا ہے اور دو تین سطریں غائب ہو گئی ہیں

اُچھل پڑے، غمزدوں کے آنسو نکل پڑے، زندہ دل جیتے جی مرگئے، چرند و پرند غش کر گئے - غزل کی ہر بیت خوش فہموں کے دل میں گڑ گئی، سبھا میں ہل چل پڑ گئی، بقول حسن - شعر:

رواں اور دواں کر دیا جان کو

رلایا ہر ایک جن و انسان کو

تیسری مرتبہ راجہ نہایت محظوظ ہوکر منہ آنسوؤں سے دھوکر آہ کا نعرہ مار کے شالی رومال کاندھے سے اُتار کے ہاتھ بڑھا کر جوگن کو دینے لگا - جوگن تو اپنے مذاق میں فرد تھی - دل میں کہنے لگی کہ راجہ کا رنگ بے طور ہے اپنے گانے کا اس تختے پر دور ہے ' زیر چرخ زر نگاری طمع سے کنارا چاہئے ' رومال کو پشم پر مارا چاہئے - ان باتوں کے تار سے دل صد چاک کو رفو کیا' راجہ کو ذو معنی میں جواب دیا رومال ہرگز نہ لیا ' ہاتھ باندھ کر کہنے لگی کہ راجہ کے دور میں پلے سے آئی ہوں' جو مانگوں سو پاؤں - راجہ نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے - جوگن نے کہا جو مانگوں سو پاؤں - جب اسی طرح تین مرتبہ آپس میں قول و قرار ہوا جوگن کو ضبط راز عشق دشوار ہوا راجہ کو دعائیں دے کر دست نازک سے بلائیں لے کر طالب گلفام میں اس طرح غزل گانے لگی ' مطلع :

ہوتا ہے کوئی آن میں اب کام ہمارا

انعام میں دیجئے ہمیں گلفام ہمارا

غزل درخواست گلفام کی جوگن سے سن کر راجہ کے کان کھڑے ہوے ' تعجب بڑے ہوے - سبز پری کو پہچان کر گلفام کا عاشق جان کر تیور بدل کر ہاتھ مل کر گھبرا کر کہنے لگا شعر:

ارے لال دیو اس طرف جلد آ

بڑا مجھ کو جوگن نے دھوکا دیا

نکال اب کنوئیں سے تو گلفام کو
حوالے کر اس نیک انجام کو

یہ سن کر سبز پری راجہ کو آداب بجا لائی لال دیو خلاصی گلفام کے لئے چاہ قاف کی طرف روانہ ہوا - سر چاہ پہنچ کر تہ کی طرف کان لگائے کہ دیکھوں جیتا ہے یا مر گیا ، ناگاہ یہ آواز اُڑتی ہوئی کان میں آئی کہ ہائے سبز پری تیری چاہ نے مجھے یہ دن دکھایا کہ جیتے جی اندھیرا گور کا نظر آیا ، نہ مونس ہے نہ غمخوار ہے، فقط ذات پروردگار ہے ، دم گھٹ کر لبوں پر آتا ہے ، دل کنوئیں میں ڈوبا جاتا ہے ، کوئی تدبیر نہیں بن آتی ہے ، اب تو جان جاتی ہے - یہ صدائے پر درد سن کر لال دیو نے سر دست اپنا ایک ہاتھ کنوئیں میں ڈالا اور سر کے بال پکڑ کے گلفام کو باہر نکالا۔ اشعار :

کنوئیں سے جو نکلا وہ گل پیرھن
کہوں حال کیا میں بقول حسن
وہ جیتا تو نکلا ولے اس طرح
کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں
کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
فقط پوست باقی تھا یا استخوان
نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیان
وہ ناخن جو تھے اُس کے مثل ہلال
سو وہ ہوئے بڑھ کے بدر کمال
بدن سے رگوں کی تھی اس ڈھب نمود
کہ اولجھا ہو جوں ریسمان کبود

یہ حال دیکھ کر لال دیو حیران ہوا ، پھر گلفام کو گود میں اُٹھا کر سبھا

میں لے جاکر راجہ کا حکم پاکر سبز پری کے حوالے کیا - پہلے تو دونوں عاشق ومعشوق راجہ کو آداب بجا لائے - پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ اشعار پر درد زبان پر لائے -

پہلے سبز پری نے کہا ' شعر:

قہر تھا ہجر قیامت تھی جدائی تیری
میرے خالق نے مجھے شکل دکھائی تیری

پھر شہزادہ نے حیران ہوکر کہا ' شعر :

خاک ہے منہ پہ ملی بال ہیں سر کے بکھرے
ہائے اس عشق نے کیا شکل بنائی تیری

غرض اسی طرح شعروں میں اُس نے اُس کا حال پوچھا ' اُس نے اُس کا حال پوچھا ' اُس نے اُسے جواب دیا ' اُس نے اُسے جواب دیا - آخر سرقبہ سبز پری نے کہا ' شعر :

ہے تمنا یہ میرے دل میں کہ اب حشر تلک
فضل 'اُستاد' سے دیکھوں نہ جدائی تیری

بعد اس کے سبز پری اور گلفام خوب دل کھول کے آپس میں گلے ملے - پھر سبز پری ارمان جی کے نکال کے شہزادہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کے سب پریوں کو ساتھ لیکے اس طرح مبارک باد سبھا میں گا نے لگی ' شعر :

شادی جلوۂ گلفام مبارک ہووے
عیش و عشرت کا سرانجام مبارک ہووے

پھر یہ مقطع گا کے مبارک باد تمام کی ' شعر :

چھینئے شہزادے کو اب راجہ نہ ہوسے 'اُستاد'
یہ 'امانت' سحر و شام مبارک ہووے

تاریخ شرح اندر سبھا طبع زاد مصنف ' شعر :

اندر سبھا کی میں نے امانت لکھی جو شرح
فوراً سخن کے جوہریوں کی لڑی نگاہ

وہ تصویر اشعار کھینچی ہے اس میں
کہ بہزاد و مانی کو شرم و حیا ہے
کہی خوب تاریخ تو نے عبادتؔ
مرقع امانت کی اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

——(تاریخ از محمد وزیر علی حسرت شاگرد امانت)——

لکھا ہے وہ استاد نے یہ فسانہ
کہ جلوہ پرستان کا جا بجا ہے
طرب کا ہے سامان ہر سو مہیا
جہاں دیکھو عشرت کی صحبت بپا ہے
ہر اِک شخص کے دل میں دھن ہے خوشی کی
زمانہ کو جلسے کی حسرت سدا ہے
ملاکر سر ساز کہتے ہیں مطرب
پسند خلائق یہ اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

——(تاریخ از سید صادق صداقت شاگرد امانت)——

کہا ہے وہ استاد نے تازہ جلسہ
صداقتؔ ثنا جو کروں سو بجا ہے
ہر ایک شعر پر جان دیتی ہیں پریاں
وہ بے تاب ہے جن نے اس کو سنا ہے
طبیعت کی رو سے یہ کہتے ہیں منصف
پرستان کی نقل اندر سبھا ہے
سنہ ۱۲۷۰ ھ

———•———

نثر دلپذیر و فقرات بے نظیر ریختہ خامۂ سحر بیان
مولوی محمد یعقوب مدظلہ *

پس از گہر ریزی قلم بدر مضامین آبدار تحمید مبدعی کہ اوراق ابیات وجود کائنات کو ساتھہ شیرازہ بندی ارکان رباعی عناصر کی زینت بخشی اور تنظیم لالی محمدت اُس در یتیم دریاے معرفت کی کہ مطلع قصیدۂ نبوت اُس کی نے بیچ جریدۂ عالم کے خلعت آفرینش کا پایا اوپر راے شائقان مرقع اشکال دل فریب مضامین رنگین و مشتاقان ترانہ سنجی ' عندلیبان خوش الحان فقرات نو آئین دل نشین کی پوشیدہ نر ہے کہ درین ایام فرخندہ فر جام مثنوی سحر بیان پری تمثال و کلام معجز نظام ہم چوحسینان خوش جمال بکمال مسرت و فرح مسمی اندرسبھا مع شرح کہ روبروے بندش الفاظ دل بند و حسن معانی خاطر پسند کی سحر سامری مانند سحر ملد سفید نظر آتا ہے - اور آگے عروس مضامین فقرات رنگین نو آئین کے معشوق چرخ زنکاری باوجود آرایش انجم داغ کلف دکھاتا ہے الحق مرقع ہستی کا باین پستی کیوں کر ہمسر فلک نہ ہو کہ ایسی معشوقان الفاظ باز رونق بدر و ہلال کرسی نعین انجمن نظم ہوں اور عاشقان معانی حلقہ بگوش تمناے نظارا جمال مانند سیارہ گان ہر ساعت گرد و پیش رہیں نتائج افکار سر دفتر شعرے عصر سر آمد فصحاے دہر موجد بلاغت سید آغا حسن متخلص بہ امانت کہ روبروے ذہن رسا اُس یگانۂ روزگار کی فکر شعراے ماسبق عاری ہے ترکیب اور ترتیب نثر کیسی نرالی ہے کہ تمام عالم کو لی ہے۔ جس وقت کسی جلسے میں تالیف اُس بہر لطافت کی پڑھی یا دیکھی جاتی ہے سامعین گوہر آب دار مضامین .... ہیں اور کیا کیا درج دہن ثنا و صفت میں کھولتے ہیں ناظرین رنگ لولوی شاہوار الفاظ............ ہیں کہ نقد حواس کھوتے ہیں........

---

* اصل کتاب کے آخری ورق کا ایک حصہ پھٹ گیا ہے اس لیے کئی سطروں کے ابتدائی لفظ غائب ہوگئے ہیں۔ ایسے لفظوں کی جگہ پر نقطے لگا دیے گئے ہیں —

سنه یک هزار و دو صد وهفتاد و یک هجری میں حسب فرمائش تاجر عالی تبار صاحب عزت و وقار فتوت ممتلی شیخ رجب علی سلمه الله تعلی به حسب..................محمد یعقوب غفرالله له علی احسن‌الاسلوب بیچ مطبع محمدی کے بطرز مرغوب و انداز خوش اسلوب رونق طبع پاکے زیب ده محفل سخن هوئی امید ناظرین پر تمکین سے یه هے که بچشم عیب پوشی ملاحظه فرمائیں اور جہاں سہویا غلطی صنعت چھاپه سے پائیں باصلاح مزین فرمائیں ع :

که هیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

ادب

تعلیم

متفرق

اُردو کے نئے رسالے

ادب

مضامین شرر جلد ششم و هفتم

یہ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کے مضامین کی آخری دو جلدیں ہیں - سید مبارک علی شاہ صاحب گیلانی کی یہ بڑی اولوالعزمی ہے کہ انہوں نے مولانائے مرحوم کے تمام مضامین کو جو تعداد میں بہت کثرت سے ہیں' آٹھ سات جلدوں میں شایع کردیا ہے - اُن کا یہ کام بہت قابل قدر ہے اور امید ہے کہ ان کی یہ کوشش مقبول ہوگی -

چھٹی جلد میں جس کا عنوان "تاریخی واقعات پر خیال آرائی" ہے' بہت دلچسپ مضامین ہیں - مولانا کے لکھنے کا ڈھنگ خاص تھا' تاریخ میں ان کی نظر غائر تھی- تاریخی روایتوں کو وہ بعض وقت قصے کی صورت میں ایسی خوبی سے لکھ جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو تاریخ کے پڑھنے سے زیادہ لطف آجاتا تھا - اس جلد میں بعض مضمون بہت ہی خوب ہیں- مثلاً ہارون الرشید کے دربار میں ہندوستانی تحفہ' ہندوستان کا ایک دلچسپ مناظرہ' ہندوستان کا اسپارٹا سلیم آباد' عربوں کی جمہوریت پسندی' ایک چھوٹے ذرے کی سرگزشت' پہلی صدی کا مرتد وغیرہ —

ساتویں جلد میں مولانا کی نظمیں اور ڈراما ہے - آج کل کے لوگ مولانا کے تخلص سے تو واقف ہیں مگر یہ بہت کم صاحبوں کو معلوم ہے کہ تخلص برائے بیت نہ تھا بلکہ ابتدا میں انہوں نے نظم کی بھی مشق کی ہے - فاضل مرتب نے تلاش سے کئی نظمیں جمع کرائی ہیں - ڈراما بلینک ورس یا نظم غیر مقفیٰ میں ہے - نظمیں سوانح نگار کے لئے ایک حیثیت رکھتی ہیں ورنہ شاعری کے لحاظ سے اُن کا پایہ بلند نہیں ہے - اس لئے ڈراما بھی بہت زیادہ کامیاب نہیں رہا ہے - اسی جلد میں اُن کے بعض متفرق مضامین

بھی جمع کردئے ھیں - مثلاً نیچرل شاعری، ھیرامن طوطا، مانی وغیرہ —

مولانا شرر کے مضامین بہت بڑا ذخیرہ ھیں جو معلومات اور دلچسپی دونوں سے لبریز ھے - چونکہ مولانا کا انتقال حال ھی میں ھوا ھے اور اُن کے قدردان ملک میں کثرت سے ھیں، اس لئے امید ھے کہ یہ مضامین بہت شوق سے پڑھے جائیں گے —

لمعات نور

مُنتخبۂ ماسٹر نورالدین صاحب "نور" - ڈرائینگ ماسٹر سنٹرل ٹریننگ کالج لاھور

ملنے کا پتہ: حافظ قمرالدین اینڈ سنز، تاجران کتب موچی دروازہ لاھور

حجم ۳۸۰ صفحے - قیمت فی جلد مجلد پانچ روپئے

یہ اردو کے شعرا کے کلام کا انتخاب ھے - لیکن انتخاب مضامین کے اعتبار سے ھے - اس میں شک نہیں کہ نور صاحب نے بڑی کاوش اور محنت سے یہ مجموعہ تیار کیا ھے اور بہت کم ایسے خیالات اور مضامین ھوں گے جس کے تحت میں انھوں نے کسی نہ کسی کا کلام نہ دیا ھو بلکہ اس باب میں انھوں نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ بعض اوقات شعر میں کسی لفظ کے آجانے سے وھی اس کا عنوان قرار دیدیا ھے حالانکہ اس سے شعر کو کوئی خاص تعلق نہیں ھے - مثلاً "ٹپکا" کے تحت میں یہ شعر ھے:

آنکھوں میں دوں اُس آئینہ رو کو جگہ و لے
"ٹپکا" کرے ھے بس کہ یہ گھر، نم بہت ھے یاں

نہ شعر کچھ زیادہ قابل تعریف ھے اور نہ عنوان کچھ مناسب ھے - یا

"سوار"

ملیں گے زاھدان خشک کیونکر بادہ خواروں میں
کبھی گنتی نہ ھوگی اِن پیادوں کی سواروں میں

"مزے"

روز رخسار کے لیتا ھوں مزے خوبوں کے
پھر اس سے حجام، ھنر کیا ھوگا

"ڈر"

بادل گرجے بجلی چمکی   مینہ کے ڈر سے بھاگی توبہ

اس قسم کے عنوان قائم کرکے اشعار کا انتخاب کرنا ایک قسم کی دل لگی معلوم ھوتی ھے -

ہوتی ہے- لیکن یہ لغزش صرف انہیں مقامات پر ہوئی جہاں ایک یک دو شعر انتخاب کرکے عنوان قائم کئے ہیں —

مگر ہم نور صاحب کی مصلحت اور سلیقے کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اشعار اور نظموں کا اس کثرت سے انتخاب کیا ہے کہ تقریباً اس مضمون کے اشعار اور نظمیں اس مجموعے میں آگئی ہیں - اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف عنوانات کی فہرست (جو نہایت باریک قلم سے لکھی ہوئی ہے) پورے آٹھ صفحوں پر آئی ہے - متقدمین (میر و درد کے زمانے سے) و متاخرین سب ہی کا کلام ہے - متاخرین کا کلام بہت زیادہ ہے کیوں کہ مسلسل نظمیں زیادہ تر زمانۂ حال کے شعرا میں ملتی ہیں - نور صاحب نے مشہور و غیر مشہور ' برے بھلے کا بھی امتیاز نہیں کیا ' جس کا جو کلام درج کردیا ہے اور عنوان کے نیچے ٹھیک بٹھا دیا ہے - اور از راہ لطف خاص ناظرین کو اپنے کلام کے لطف و حظ سے بھی محروم نہیں رکھا - بعض نامور شعرا کی تصویریں اور اُن کے مختصر حالات بھی درج کردئے ہیں - کتاب کی چھپائی لکھائی اور خوبصورت بنانے میں بہت اہتمام کیا گیا ہے - سرورق بہت خوش نما ہے - کتاب مجلد ہے اور خوبصورت ہے —

آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب نے چھوٹا سا ایک دیباچہ بھی لکھا - کیا اچھا ہوتا اگر قابل مرتب فہرست عنوانات کی طرح اُن شعرا کی بھی فہرست درج کر دیتے جن کے کلام کا انتخاب اس کتاب میں کیا گیا - اور ہر شاعر کے نام کے سامنے اُن صفحات کا نشان بھی لکھ دیتے جہاں جہاں اس کا کلام ہے - اس سے اس کتاب کی قدر اور بڑھ جاتی —

عروس ادب

(یہ ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی کے مضامین کا مجموعہ ہے —
۲۲۴ صفحے مجلد قیمت تین روپئے)

سید ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی جو آج کل رام پور ہیں ' کچھ عرصہ پہلے حیدرآباد میں تھے اور وہاں سے رسالہ ذخیرہ نکالتے تھے - ریاست حیدرآباد میں اپنے وقت کا یہ ایک ہی رسالہ تھا اور جب تک نکلا خوب نکلا - اس لئے ہوش ہمارے تعارف کے محتاج نہیں - اس مجموعے میں انہوں نے اپنے اُن مضامین کو جمع کیا ہے جو ذخیرہ میں یا وقتاً فوقتاً دوسرے اخبارات اور رسالوں میں شایع ہوئے ہیں- یہ مضامین

مختلف عنوانات کے تحت میں ھیں - یعنی اخلاقیات ' ادبیات' تاریخ' سیاسیات - ان کل مضامین کی تعداد ۳۲ ھے - مضامین دلچسپ ھیں اور بعض بعض مفید بھی ھیں جن کے پڑھنے سے معلومات کا اضافہ ھوتا ھے - کچھہ اِدھر اُدھر کی گپ ھے - لیکن جو کچھہ لکھا ھے اس سے مؤلف کا ذوق ادب ضرور پایا جاتا ھے - آپ نے سیاسیات پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ھے - لیکن اِن مضامین میں شاید ایک بھی سیاسی نہیں کہا جا سکتا - لیکن لطف سے خالی یہ بھی نہیں ——

کتاب هز هائینس نواب صاحب رام پور کے نام معنون کی گئی ھے - لیکن کتاب کے شروع میں تصویر ھوش صاحب نے صرف اپنی ھی دی ھے - ھمیں اُمید ھے کہ جو صاحب ھوش صاحب کے ذوق کلام اور پر لطف طرز تحریر سے واقف ھیں وہ ضرور اس مجموعے کی قدر کریں گے ——

سبد گل

(مجموعۂ کلام جناب مولوی سید اولاد حسین صاحب شاعر لکھنوی' مصاحب خاص و واعظ دربار حامدی ریاست رام پور - قیمت ایک روپیہ
پتہ سید ابن الحسن صاحب بازار ملا ظریف' رام پور)

اُردو شاعری کا رنگ روز بروز بدلتا جاتا ھے' یہاں تک کہ جو لوگ سوائے غزل کے کبھی کچھہ نہیں لکھتے تھے وہ بھی اب مظاھر قدرت اور فطرت انسانی کو آنکھہ کھول کے دیکھنے لگے ھیں اور نئی نئی نظمیں لکھنے لگے ھیں - ھمارے نوجوان شاعر مولوی سید اولاد حسین صاحب نے جو وعظ و حدیث خوانی میں اپنے قدردانوں کے حلقے میں خاص شہرت رکھتے ھیں' بہت ھی اچھی شاعرانہ طبیعت پائی ھے اور بلا تکلف ھر مضمون پر لکھنے کی قدرت رکھتے ھیں - اس مختصر مجموعے میں اُن کی مختلف قسم کی نظمیں ھیں - سب سے اول ایک قصیدہ "ظفر نامہ" کے نام فرمانروائے ریاست رام پور کی مدح میں ھے جس سے اُن کی زور طبیعت کا اندازہ ھوتا ھے - اس کے بعد ھمارا وطن' گنگا' نمود صبح' تاروں بھری رات' برسات' جمال' شاعر' نور جہاں' محبت' میدان ریف' دوشیزۂ کوھسار وغیرہ پر بڑی اچھی نظمیں ھیں - ان کے کلام میں روانی اور شوکت دونوں پائی جاتی ھیں ——

خمخانۂ عشق

(منشی مولا بخش صاحب ہمدم ڈراما قسمت کی نظموں کا مجموعہ ہے ۔
اسٹار بلڈنگ ' نیپئر روڈ ' کراچی)

شروع میں چند نظمیں ایسی ہیں جن میں شاعر نے قومی جذبے اور درد کا اظہار کیا ہے - باقی حصہ غزلیات کا ہے - ہمدم صاحب کا دم کراچی میں بہت غنیمت ہے اور انجمن ترقی اردو کراچی کو ان کی ذات سے بہت کچھ فیض پہنچتا ہے —

نظم شبیر

(مجموعہ کلام جناب سید علی شبیر صاحب' سررشتہ دار انتظامی
ہائی کورٹ حیدر آباد دکن)

اس مجموعہ میں قصائد ' غزلیات' قطعات' رباعیات' ترکیب بند' مسدس' مخمس' مثنویاں' متفرق نظمیں اور نوحے شامل ہیں - حضرت شبیر کے کلام میں روانی کے ساتھ زبان کی خوبی بڑی پائی جاتی ہے-روز مرہ کی زبان بڑی بے تکلفی سے استعمال کرتے ہیں اور متروکات کی ان قیود کے پابند نہیں ہیں جو زمانۂ حال کے ایک گروہ نے اپنے اوپر خواہ مخواہ عائد کرلی ہیں - اُن کی اکثر نظمیں زمانہ کے واقعات اور واردات پر ہیں - طبیعت میں شوخی اور ظرافت بھی ہے - بعض نظمیں بہت پر لطف اور مزے کی ہیں - ایسی نظمیں بھی اس مجموعے میں ملیں گی جن میں پردے ہی پردے میں بہت سے اخلاقی اور معاشرتی نکتے آگئے ہیں - ہمیں ان نظموں کے پڑھنے سے خوشی ہوئی کہ اب اردو نظم کا میدان وسیع ہوتا جاتا ہے —

چار سہیلیاں

(مؤلفہ ایم - اسلم صاحب - نسیم بک ڈپو' بازار بارود خانہ - لاہور)

جناب اسلم صاحب نے یہ چار کہانیاں (طلسمی انگوٹھی' کالی پگڑی' گل لالہ' طلسماتی صراحی) اپنی مرحوم بچی اصغری کی یادگار میں لکھی ہیں - کہانیاں بہت

دلچسپ ہیں اور لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے بہت اچھی ہیں اور صاف ستھری عبارت میں لکھی ہوئی ہیں۔ کئی ایک رنگین اور سادہ تصویریں بھی ہیں۔ کتاب کے آخر میں اصغری کی یاد میں تین نظمیں بھی ہیں —

بیوہ کی کہانی بیوہ کی زبانی

(مؤلفہ منشی فاضل مولوی محمد شمس الدین صاحب بی۔ ڈی۔ ایچ
منصف کنوت - حیدرآباد دکن - قیمت چھہ آنے

مولوی شمس الدین صاحب نے یہ مثنوی بیواؤں کے حال زار پر لکھی ہے اور اپنے خیالات کو اپنی زبان میں ادا کیا ہے

تعلیم

عافیہ

(مؤلفہ مولوی محمد ظفر الدین صاحب سہفہر مدرس مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ قیمت ساڑھے پانچ آنے)

قابل مؤلف نے یہ رسالہ عربی صرف پر لکھا ہے اور تمام ضروری مسائل صاف زبان میں بیان کئے ہیں۔ مدارس کے طلبہ کے لئے بہت مفید معلوم ہوتا ہے —

خزینۂ معلومات

(مؤلفہ شیخ عبدالحمید صاحب ایم - اے، لکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور
و مولوی محمدالدین صاحب بی - اے، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول
شیرانوالہ گیٹ، لاہور)

یہ کتاب چھ جلدوں میں ہے اور مدارس کے طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے - لیکن مبتدیوں کے لئے نہیں بلکہ بڑی عمر کے طالب علموں کے زائد مطالعہ کے لئے ہیں - اس کے مضامین بہت ضروری اور کار آمد ہیں جن کا جاننا ہر فرد بشر کے لئے لازم ہے - علاوہ اس کے واقفیت عامہ کے بہت اچھے اچھے سبق ہیں - آخری جلدوں میں ہندوستان کی طرز حکومت، پبلک، تجارت اور خاص کر شہرت پر بہت عمدہ مضامین ہیں - یہ صرف طلبہ ہی کے لئے نہیں بلکہ عام لوگوں کے مطالعہ کے لئے بھی بہت مفید ہیں، اور جیسا کہ کتاب کا نام ہے یہ حقیقت میں خزینۂ معلومات ہے -

---

صحت کی کہانی

(مصنفۂ مسٹر ای مارسڈن، مترجمہ مولوی عابد حسن صاحب فریدی،
ایم - اے، ایل ٹی - صفحے ۲۶۴، قیمت ایک روپیہ
میکملن اینڈ کمپنی)

اس کتاب میں قصے کی صورت میں صحت کے قاعدے اور بیماریوں سے بچنے کے طریقے بتائے ہیں - موقع موقع سے تصویریں بھی دی ہیں - ہمارے ہاں لوگ ابھی صفائی اور صحت کے قاعدوں سے نا واقف ہیں اور اس لئے بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ کتاب دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی - قصے کا قصہ ہے اور دستورالعمل کا دستورالعمل —

میکملن اینڈ کمپنی نے بہت اچھے چکنے کاغذ پر چھاپی ہے - مدارس کے لئے خاص کر بہت کار آمد ہے - ترجمے کی عبارت صاف اور آسان ہے —

الکحل اور زندگی

(مترجمہ جناب حامد حسن صاحب قادری اڈیٹر اخبار سعید کانپور
صفحے ۱۴۰ قیمت ۱۲ آنے)

آج کل دنیا میں شراب نوشی کے مسئلے پر بہت بحثیں ہو رہی ہیں۔ اس کتاب میں بڑی خوبی اور صفائی سے یہ بتایا ہے کہ الکحل کو ہماری زندگی میں کیا دخل ہے اور ہمارے جسم، اخلاق اور معاشرت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ بہت دلچسپ اور ضروری مضمون ہے اور عامی طور سے اس کا جاننا بیحد مفید ہے۔ جا بجا نقشوں اور تصویروں سے مضمون کے مطالب کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نسخہ ہر گھر اور مدرسے میں رہنا چاہئے—

متفرق

چند پرند

(مؤلفہ مرزا سلیم بیگ صاحب۔ حیدرآباد دکن دفتر رسالۂ نمائش
حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے)

اس چھوٹی سی خوبصورت کتاب میں شروع میں پرندوں کے جسم و اعضا کے متعلق ضروری معلومات ہیں۔ پہلے باب میں چڑی مار اور چڑی مار کے فن پر بحث ہے۔ دوسرے باب میں پرندوں کا بیان اور اُن کی شکل و شباہت کا ذکر ہے۔ اس میں ابلقے، اگن، ہریوے، بلبل، بئے، بٹیر، بھنگراج، تیتر، پدا، پدڑی، پیڑک، پپیہا، پینٹی، میلنا، جھانپل، چنڈول، خنجن، دیو، رجی، شما، کاکا توا، طوطا، شین باز، طوطی، فاختہ، کلچڑا، کوئل، کنیری، لالم، مینا، ہدہد، نرگس وغیرہ کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں پرندوں کی داشت اور اُن کی ضرورتوں کا حال ہے۔ چوتھے باب میں پرندوں کے امراض

اور علاج بتائے ہیں —

کتاب پر لطف اور پڑھنے کے قابل ہے ۔ یہ کسی اتائی کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ مرزا صاحب نے ایک عمر اسی میں صرف کی ہے اور ان پرندوں کے حرکات سکنات اور اُن کے افعال و خواص پر غور کیا ہے ۔ یہ سب کے سب یا تو خوبصورت یا گانے والے پرندے ہیں اور ان کی صحبت سے انسان کی مسرتوں میں اضافہ ہوتا ہے ۔ خاصکر لڑکے لڑکیوں کے لئے یہ بہت ہی اچھا تحفہ ہے تاکہ انھیں شروع ہی سے دماغ اور آنکھوں سے کام لینے کی عادت پڑے ۔ تعلیم کی تعلیم ہے اور شوق کا شوق —

کتاب اچھی چھپی ہے اور تصویریں نہایت عمدہ ہیں

مجمل فہرست مضامین کتاب مسالمت عثمانی

(مؤلفہ مولوی عبدالوہاب صاحب عندلیب مدیر رسالۂ واعظ ۔
حیدرآباد دکن)

یہ اُن مضامین کی مجمل فہرست ہے جس کی تفصیل میں " مسالمت عثمانی درج ہے ۔ یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں لکھی گئی یا لکھی جانے والی ہے ۔ مضامین کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی جامع کتاب ہوگی اور اس سے بہت سی غلط فہمیاں رفع ہوں گی ۔ مقصد اس کتاب کا یہ ہے کہ ریاست حیدرآباد میں اعلی درجے کی روا داری برتی جاتی ہے ۔ مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کتاب بڑی محنت اور جانکاهی سے تیار کی ہے ۔ لیکن چوں کہ کتاب ہمارے سامنے نہیں اس لئے یہ نہیں کہ سکتے کہ اس کی ترتیب اور تحریر میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے —

ریگولیشن داد رسی اشخاص زراعت پیشہ

(مرتبۂ جناب نور الہی محمد عمر صاحبان ۔ جموں ، ریاست کشمیر)

اس کاروبار اور تجارت کے زمانے میں سود سے بچنا محال ہے ۔ لیکن نا واجب سود سے ملک پر جو بلا نازل ہوئی ہے اس کا انسداد نہایت ضروری ہے ۔ ہمیں یہ دیکھ کر

بہت خوشی ہوئی کہ ریاست کشمیر کے روشن خیال فرماں روا ہز ہائنس مہاراجہ ہری سنگھ جی بہادر کے عہد میں زراعت پیشہ جماعت کو اس موذی رسم سے بچانے کے لئے ایک ضابطہ تجویز کیا گیا ہے اور ریاست میں اس کا نفاذ کیا گیا ہے اور اس کی نگرانی کے لئے انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں - امید ہے کہ اس کی تقلید دوسری ریاستوں نیز برطانوی علاقے میں بھی کی جائے گی -

اس ضابطے کے مرتب کرنے والے ہمارے دوست محمد عمر نور الٰہی صاحبان ہیں جنھوں نے اردو ادب میں ڈرامے کی تنقید و تحریر سے امتیاز حاصل کیا ہے - ان کا یہ کام اس ریاست کے لئے جہاں کے رہنے والے قرض خوار ہیں زیادہ مفید ہوگا - کیا اچھا ہو کہ وہ اس پر ایک ڈراما لکھ ڈالیں - یہ مضمون ڈرامے کے لئے بہت موزوں ہے —

شروع میں سود اور سود لینے والے کی تاریخ پر بحث کی ہے ، اس کی مختلف قسمیں بتائی ہیں جو اس ملک میں رائج ہیں - اس کے بعد وہ قانون ہے جو ریاست کشمیر میں نافذ ہوا ہے - اس کے پڑھنے سے اس مسئلہ میں بہت کچھ بصیرت ہوتی ہے -

---

اُردو کے نئے رسالے

مجلۂ عثمانیہ

یہ سہ ماہی رسالہ جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ کا ہے اور اس کے ایڈیٹر بھی طالب علم ہیں - البتہ مجلس نگرانی میں صرف دو رقیب ہیں (اور ہونا بھی یہی چاہئیے) یعنی ایک صدر صاحب کلیۂ جامعۂ عثمانیہ اور دو اور پروفیسر - گویا طلبہ اور پروفیسروں کی باہمی کوشش سے مرتب ہوتا ہے - رسالہ شاندار ہے ، ضخیم ہے ، اچھا چھپا ہے ، مضامین کے لحاظ سے طلبۂ کلیہ کی سعی بہت غنیمت اور قابل تعریف ہے -

جامعہ کو قایم ہوئے کوئی سات سال کا عرصہ ہوتا ہے اور اسی وقت سے اس کی کھچڑی پک رہی تھی ، ارادے ہو ہو کے رہ جاتے تھے مگر اس میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت

نہوئی تھی- اخبار یا رسالہ کا نکالنا آگ سے کھیلنا ہے - شکر ہے کہ سات سال کی محنتوں اور آرزوں کا یہ نتیجہ نکلا جو ہمارے سامنے ہے اور جسے دیکھہ کر ہمیں حقیقی مسرت ہوئی —

رسالہ اُردو اور انگریزی دو زبانوں میں ہے - لیکن اردو حصہ انگریزی سے کئی گنا زیادہ ہے - ان دو کا میل اب تک کہیں کامیاب نہیں ہوا لیکن یقین ہے کہ یہاں اسے ایسی ہی کامیابی ہوگی جیسی خود جامعہ کو ان دونوں کے ملاپ سے ہوئی ہے —

مضامین قسم قسم کے ہیں - نثر کے ساتھہ نظم بھی ہے اور نظم میں غزلیں بھی —

اُردو کا حصہ بالکل ادبی ہے - لکھنے والوں میں طالب علم بھی ہیں ' اساتذہ بھی اور باہر والے بھی - لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ طلبہ کے مضامین اساتذہ کے مضامین سے بہتر ہیں —

انگریزی حصے میں ایک مضمون غالب کے متعلق بھی ہے - جب سے مولانا حالی مرحوم نے غالب پر اپنی یادگار کتاب لکھی ہے غالب کی قدر روز بروز بڑھتی گئی اور اس کے بعد مختلف حضرات نے اس پر مضمون اور رسالے اور شرحیں لکھیں اور ان کا سلسلہ اب تک جاری ہے - اس مضمون میں زیادہ تر یادگار غالب اور محاسن (مصنفہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم) کی تنقید و تنقیص ہے - آخر میں قابل مضمون نویس ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے موجودہ تحریروں سے بیزاری ظاہر کر کے یہ تجویز فرمائی ہے کہ چند قابل ادیب اس کام کو صحیح علمی طریقے پر انجام دیں - لیکن وہ طریقہ ظاہر نہیں فرمایا - بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب یہ مضمون اردو میں تحریر فرماتے تاکہ وہ حضرات بھی اس سے مستفید ہوسکتے جو اردو نہیں جانتے اور اس کی انگریزی میں لکھنے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ شروع سے آخر تک انہیں تحریروں اور کتابوں سے بحث کی گئی ہے جو اُردو میں ہیں- مناسب تو یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب کم سے کم نمونے کے طور پر' غالب پر کچھہ خامہ فرسائی فرمائیں - یہ مضمون اس سے پیشتر کلکتے کے کسی انگریزی اخبار میں شایع ہوا تھا وہاں سے اس مجلے میں نقل کرلیا گیا ہے —

ہماری رائے میں یہ بہت مناسب ہوگا کہ مجلس نگرانی میں اردو کے کسی صاحب ذوق ادیب کو بھی شریک کرلیا جائے تاکہ اس قسم کے جملے یا فقرے (جو نیچے لکھے جاتے ہیں) انتخاب کے وقت نظر سے کر دئے جائیں —

۱- " رنگین کی رنگرلیاں " (پروفیسر ڈاکٹر نیونگ)

غالباً رنگ رلیوں سے مراد ہے —

۲- " اس عالم میں سب سے پہلی شوخی رنگیں نے دکھائی وہ سرھند میں شکم مادرے سر نکالا تھا (پروفیسر ڈاکٹر نیرنگ)

اس میں نہ کوئی ظرافت ہے نہ حسن بلکہ سراسر بد ذوقی ظاہر ہوتی ہے -

۳- " لنگوٹی آشنا " (پروفیسر ڈاکٹر نیرنگ)

بے معنی ہے - محاورہ " لنگوٹیا یار " ہے -

۴- " اس کی اصلیت زندگی کے دیگر اساسی وجدانات کی طرح محسوس کرنے والے کے لئے سب سے زیادہ بدیہی ہونے کے باوجود خانۂ منطق کے لئے حلقۂ بیرون در ہے " - (شاعری اور شاعر)

کس قدر صاف اور سلیس بیان ہے -

یہ چند مثالیں نمونے کے طور پر لکھ دی گئی ہیں -

سالانہ چندہ چھ روپئے ' طلبۂ قدیم سے پانچ روپئے -

حیدرآباد ٹیچر

[انجمن اساتذہ حیدرآباد دکن کا سہ ماہی رسالہ سالانہ قیمت تین روپیہ]

یہ رسالہ انجمن اساتذہ حیدرآباد کی جانب سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - آدھا انگریزی اور آدھا اردو ہے - مضامین یاتو تعلیم کے متعلق ہوں یا ایسے جو طلبہ اور اساتذہ کے لئے مفید ہوسکتے ہیں - نہایت عمدہ کاغذ پر طبع ہوتا ہے - ہماری رائے میں اردو حصے کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے -

---

صبح سعادت

[سالانہ قیمت دو روپیہ - الہلال بک ایجنسی شہر انوالہ دروازہ ' لاہور اڈیٹر حافظ سید احمد صاحب]

سہ ماہی رسالہ ہے اور اسی سال کے شروع سے نکلا ہے - اس کے مضامین اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ہوتے ہیں اور یہی اِس کا مقصد ہے - فسانہ اس رسالہ سے بڑی

نہیں چھپتا مگر اس میں بھی مذہبی شان نظر رکھی ہے - مضامین اوسط درجے کے ہیں-

غالب

(اڈیٹر مرزا شجاع صاحب' مروی - سالانہ قیمت تین روپئے - امرتسر پنجاب)

یہ ماہانہ رسالہ امرتسر سے نکلا ہے - جیسا کہ اس کے سر ورق پر لکھا ہے "اردو کی علمی و ادبی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ" ہے- اور قواعد و ضوابط میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ " روکھے پھیکے" مضامین شایع نہ ہوں گے - پہلا ہی مضمون "غالب اور صہبائی" کا موازنہ ہے جس کی ابتدا ہی میں یہ لکھا ہے کہ "غالب کے صفحات میں مرزا غالب اور ان کے چیدہ چیدہ معاصرین کے کلام کا باہم موازنہ کریں گے" - اس کے بعد غالب کے فارسی اور اردو کلام کا کچھ انتخاب ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کے نام کو مرزا غالب سے ضرور کوئی معنوی مناسبت ہے - تمام مضامین کسی نہ کسی حیثیت سے ادبی تعلق رکھتے ہیں —

الامین

(ماہانہ - سالانہ قیمت تین روپئے آٹھ آنے- اڈیٹر حافظ سید شاہ محمد شفیع فردوسی اور حکیم سید شاہ محمد الیاس رئیس - بہار شریف)

یہ رسالہ صوبۂ بہار سے شایع ہوا ہے - اردو زبان کو اس سے خاص تعلق ہے- اخلاقی اور ادبی مضامین کا مجموعہ ہے - بہر حال بہت غنیمت ہے - صوبۂ بہار میں اردو کے اچھے رسالے کی ضرورت ہے - امید ہے کہ وہاں کے اہل علم اسے بہتر اور زیادہ مفید بنانے کی کوشش کریں گے —

ستارۂ صبح

(ماہانہ چیف اڈیٹر موہن سنگھ صاحب- ایم- اے- سالانہ چندہ دو روپئے- کانپور)

یہ تھیو سو فیکل سوسائٹی کا ماہانہ رسالہ ہے اور اس کے تمام مضامین بھی تھیو سوفی کے متعلق ہوتے ہیں - یہ رسالہ ایک خاص مقصد رکھتا ہے اور اپنی جماعت

کے لئے کام کرنا چاھتا ھے - یہ امر کچھہ کم قابل تعریف نہیں - چیف اڈیٹر کے معاون دو اور اڈیٹر ھیں - ایک سید مرتضی حسین عابدی دوسرے پروفیسر حکم چند کمار —

یادگار رضا

(غالباً ماھانہ - اڈیٹر ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی صاحب - بریلی)

خود رسالے کا نام اس کے مقاصد کا مظہر ھے - یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کی یادگار میں شایع ہوا ھے - خالص مذھبی رسالہ ھے - چندہ وغیرہ کی کیفیت رسالہ سے کہیں نہیں معلوم ھوتی —

پرچم

(ماھانہ - اڈیٹر ھشام صاحب - سالانہ چندہ تین روپئے - میرٹھہ)

یہ نیا رسالہ میرٹھہ سے شایع ہوا ھے - فرصت ھو تو دل چسپی کے لئے بہت اچھا ھے - نظم و نثر کا ڈھنگ وھی ھے جو عام طور پر اردو کے رسالوں میں پایا جاتا ھے —

رھبر

(اڈیٹر شاہ محمد عمیر صاحب - قیمت سالانہ دو روپئے - ارول ضلع گیا)

اس رسالے کا خاص مقصد بیواؤں کی حمایت ھے - کسی خاص مقصد کو پیش نظر رکھہ کر رسالہ جاری کرنا ھمت اور تعریف کی بات ھے - اور ایسے رسالے خواہ اُن کی اشاعت محدود ھی کیوں نہ ھو معمولی رسالوں کی نسبت زیادہ مفید ھوسکتے ھیں - تمام مضامین بیواؤں کی حمایت و اصلاح کے متعلق ھیں —

اعجاز

(اڈیٹر منشی هیرا لال پوسٹ ماسٹر پنشنر، علی گڈہ)

یہ چھوٹی سی تقطیع کا ماهانہ رسالہ علی گڈہ سے نکلا هے جس کا مقصد " زبان اردو میں مذاق سلیم پیدا کرنا اور خیالات کی اصلاح" هے - مضامین دلچسپ هیں - چندے کا کہیں ذکر نہیں —

فانوس

[اڈیٹر آفتاب اکبرآبادی - جھانسی - سالانہ چندہ عام قدردانوں سے دو روپئے آٹھ آنے -]

یہ چھوٹا سا ماهانہ رسالہ مجلس علمیہ جھانسی نے شایع کیا هے - اس کا مقصد " ادب اردو کی نظماً و نثراً اشاعت اور تحقیقات جدیدہ و قدیمہ کا نشر " بیان کیا گیا هے - اور واعدہ کیا گیا هے کہ آیندہ ذرا بڑی تقطیع اور عمدہ کاغذ پر شایع کیا جائیگا اور علاوہ دیگر مضامین کے " زباندانی اور ادب کا لحاظ رکھاجائیگا -" مقصد بہت اچھاهے اور اگر سلیقہ اور محنت سے کام لیا گیا تو رسالہ بہت مفید هوسکتا هے - یہ پہلا نمبر هے ' ابھی اصلاح و ترقی کی بہت گنجائش هے —

مخزن

مخزن اردو کا مشہور اور پرانا رسالہ هے - یہ کئی چولے بدل چکا هے - اب نئی هیئت اور شان سے نکلا هے اور اڈیٹر اردو کے مشہور شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری هیں - همیں اُمید هے کہ یہ پھر وهی شہرت اور قبولیت حاصل کریگا جو اسے پہلے حاصل تھی - حفیظ صاحب کی اڈیٹری سے یہ توقع پوری هوتی نظر آتی هے - علاوہ مضامین کی رنگا رنگی کے تصویروں کا بھی اضافہ کیا گیا هے -

قوس قزح اور نیرنگ خیال

اگر گزشتہ آٹھ دس سال پہلے سے مقابلہ کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ اردو رسالوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس کی کبھی توقع نہ تھی - لیکن تعداد کے ساتھ مضامین کا معیار بھی بڑھ گیا ہے - لاہور کے دو رسالوں نے خاص کر دلچسپی اور دلکشی کے پیدا کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہے جس وقت قوس قزح کا بہار نمبر پہنچا تو اس کی صفائی ' نفاست اور تصویروں کو دیکھکر بے حد خوشی ہوئی - لیکن اس کے بعد جب نیرنگ خیال کا عید نمبر آیا تو وہ اس سے بھی بڑھا چڑھا نکلا اور اُسے دیکھ کر ہماری خوشی کی کوئی حد نرہی - قابل اڈیٹر نے علاوہ مختلف قسم کے مضامین کے جو خاصے ہیں ' اعلیٰ درجے کی رنگین اور دوسرے تصاویر کا جو اہتمام کیا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے - ضخامت میں بھی وہ سب سے نمبر لے گیا ہے - یعنی اس کے صفحات کی تعداد ۲۳۲ ہے - حیرت ہے کہ تین روپیہ سالانہ چندہ میں یہ اس قدر دل چسپیاں کیونکر جمع کردیتے ہیں -

مطبوعات انجمن

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی(رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا، اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اُردو کو دستیاب ہوگئی، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اُردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر، طبع کی گئی ہے، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے۔حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں۔ یہ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دانان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے۔ حجم دو سو صفحے سے زاید، قیمت مجلد تیرہ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ۔

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں :-

Astronomy. Botany Economics. History (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archælogy, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے —

مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے ناگزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۴ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد تین روپیہ —

سرگزشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لے کر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد ۲ روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد دو روپیہ مجلد دو روپیہ - آٹھ آنے —

القول الاظہر

امام ابن مسکو یہ کی معرکۃ الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں، ان سب کو جمع کردیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ۱ روپیہ —

قاعدہ و کلید قاعدہ

یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے - قاعدہ غیر مجلد ۳ آنہ - کلید قاعدہ غیر مجلد ۶ آنہ —

فلسفۂ تعلیم

ہر برٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - تین سو صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ - جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے با وجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۹ آنہ - حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمدالیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں' اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے - قیمت مجلد ۲ روپیہ —

انتخاب کلام میر

میر تقی میر تاج شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب ہے - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر ۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی - غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

قواعد اُردو

ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اُردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے - بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت مجلد ڈھائی روپیہ غیر مجلد دو روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اُردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھہ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف " یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان

(نوٹ) کُل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں —

میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی ' مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں - اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ —

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی ' آشوری ' بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لیے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لیے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی - اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے ' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب اُن تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لیے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑہ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سایز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

یہ بیش بہا کتابیں بھی آپ کو انجمن ترقی اردو
اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دو بارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھہ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت مجلد ۵ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر، اُردو و فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ مولفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

وکرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

نیرنگ ارض

روے زمین پر موسم ' ہوا ' آندھی ' طوفان ' دریا ' سمندر ' آتش فشاں اور زلزلے وغیرہ کے قدرتی واقعات اور ان کی وجہ سے جو قطرتی انقلابات ظہور میں آتے ہیں اُن کو نہایت سلیس اور دلچسپ عبارت میں بتایا گیا ہے - مولفۂ مولوی راحت حسین صاحب بی اے وکیل قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد سوا روپیہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں :

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کاروائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں - غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بے نقاب کردیے گئے ھیں - قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ھارون الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جدو جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ھے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ —

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سید جمال الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی بستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال الدین افغانی

(مرتبۂ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی - اے ایڈیٹر زمیندار)

یہ اس بزرگ ھستی کے حالات زندگی ھیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا قیمت ۸ آنہ —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں - علما و طلبا - شان تعلیم و تعلم کا نہ رھنا - اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدا یونی - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں —

نقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ۔ اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے باوجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا۔ اُن کی فیاضی، ہمدردی، قناعت، توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

پھل اور میوے جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ۔

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے ۔ قیمت ۸ آنہ۔

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام، تابعین، مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار، جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات اس کتاب میں جمع کردیے گئے ہیں۔ قیمت ۴ آنہ۔

حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں
(کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

کتاب	قیمت
سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۶ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ
علم الکلام	۲ روپیہ
الکلام	۲ روپیہ
کلیات شبلی	۱ روپیہ ۸ آنہ
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
انقلاب امم	۲ روپیہ
برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ
مکالمات برکلے	۱ روپیہ ۸ آنہ
مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع	۲ روپیہ
ابن رشد	۴ روپیہ
گل رعنا	۵ روپیہ
سیرالانصار	۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند مجلد	۵ روپیہ
شعرالہند غیر مجلد	۴ روپیہ

(مطبع کاویانی ۔ برلن)

کتاب	قیمت
زادالمسافرین (فارسی)	۲ روپیہ
گلستان فارسی	روپیہ
تیاتر (فارسی)	۲ روپیہ ۸ آنہ

تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسراں (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دہلی)

الخلافت الکبری ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۹ آنہ
سیرۃ الرسول ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ۱ روپیہ ۸ آنہ
خلافت عباسیہ ۳ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۹ آنہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہارالعرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبۂ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۲ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد تین روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ۱ روپیہ ۸ آنہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زرین مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ قسم دوم ۴ روپیہ
تذکرۃ الصلحا ۸ آنہ
کنزالتاریخ ۱ روپیہ ۸ آنہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ
مکاتیب اکبر ۱ روپیہ
مینائے سخن ۱ روپیہ
حزن اختر ۸ آنہ
درس عمل ۴ آنہ
خواتین انگورہ ۱ روپیہ

بیگمات بنگال	۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنہ
مشرقی ترکستان	۶ آنہ
سیاحت زمین	۱ روپیہ
سیاحت ہوا	۱ روپیہ

الناظر پریس لکھنؤ

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری	۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول النسخ	۶ آنہ
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ
ہوم رول	۵ آنہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ
وکرم اروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب	۹ آنہ
الاحسان	۸ آنہ
ارض نہرین	۴ آنہ
تذکرۂ حزین	۴ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ
خطاب	۴ آنہ
میلاد نبوی	۴ آنہ
تصویر درد	۴ آنہ
شمع و شاعر	۲ آنہ
فریاد امت	۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
منازل السائرہ	۱ روپیہ
سلنجوک	۱۰ آنہ
جوہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سدنفس	۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم	۲ روپیہ
رانی کرونادت	۱ آنہ
رسوم دہلی	۴ آنہ ۹ پائی
ان پورنادیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
پریم پچیسی حصہ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا مجلد	۵ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار	۳ آنہ
انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا	۶ آنہ
گوہر مقصود	۹ آنہ
لیلیٰ	۲ روپیہ
سواء السبیل	۱ روپیہ
سخندان پارس	۱۰ آنہ
قوانین دوات	۴ آنہ
مینا	۱۲ آنہ

چترا ۱۲ آنہ
امتیاز پچیسی ۸ آنہ
دلپسند کہانیاں ۱۲ آنہ
دلچسپ کہانیاں ۱۰ آنہ
(تصانیف نیاز فتحپوری و محمد عمر صاحبان)
موجودہ تمدن کے اسرار ۱ روپیہ
ناٹک ساگر (یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ)
مجلد ۳ روپیہ
تین ٹوپیاں ۸ آنہ
طفو کی موت ۴ آنہ
قزاق ۸ آنہ
بگڑے دل ۸ آنہ

(دوسری قابل قدر کتابیں)

رسائل شبلی ۱ روپیہ ۸ آنہ
کتب خانۂ اسکندریہ ۵ آنہ
بادل کے بچے ۱ روپیہ
مجموعۂ نظم حالی ۸ آنہ
اکبری اقبال ۳ آنہ
الفاروق ۳ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر
۸ آنہ
ارض القرآن مکمل ۴ روپیہ
رسالۂ اہل سنت والجماعت ۸ آنہ
پردۂ غفلت ۱ روپیہ ۸ آنہ
بشریٰ ۶ آنہ
ذکریٰ ۱۰ آنہ
نیرنگ ارض ۱ روپیہ ۴ آنہ
سیر المصنفین ۲ روپیہ

HindustaniSimplified (اُردو آموز)
دنیش چندردت صاحب ایم اے ۳ روپیہ
شرح HindustaniSimplified ۱ روپیہ
رسالۂ نماز prayer Book ۱ روپیہ
معراج العاشقین ۶ آنہ
ابتدائی تعلیم کی رام کہانی ۱ روپیہ
ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور اُن کی
جغرافیائی کیفیت ۸ آنہ
وہ جاندار جو نظر نہیں آتے ۴ آنہ
جہاں آرا بیگم ۸ آنہ
نظم شبلی ۴ آنہ
نفس اللغۃ ۱ روپیہ
خوبی سخن ۸ آنہ
دیگر ممالک میں قطع تعلق ۱۰ آنہ
آزادی اسلام ۴ آنہ
مصطفیٰ کمال پاشا ۱ روپیہ ۸ آنہ
گوکھلے کی تقریریں ۱۲ آنہ
سلف گورنمنٹ ۶ آنہ
عالم خیال ۸ آنہ
حیات خسرو ۸ آنہ
نظام حیات انسانی ۸ آنہ
فرہنگ فارسی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
فرہنگ عربی جدید ۱ روپیہ ۸ آنہ
اسلامی حکومت ۲ آنہ
ترجمہ خلاصہ تاریخ انگلستان ۱ روپیہ
۸ آنہ

———:O:———

دیوان غالب جدید و قدیم ،

یہ وہ بے عیب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بیحد انتظار تھا - اس میں

مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سر پرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

———:O:———

رسالۂ اردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنہ کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی - امید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ' ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

آنریری سکریٹری

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

———:O:———

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر ' کے ' سی ' آئی ' ای ' سی ' ایس ' آئی ' ایم ' اے ' بی ' ایل ' ایف ' آر ' ایس' چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں ' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے ۱۴ آنہ (کلدار) میں مل سکتی ہے —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعۂ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دو بارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں ' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ' کاغذ بہت عمدہ ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کوی قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ اُنھیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور ' نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا ' نہایت عمدہ ' حجم دو سو صفحات سے زیادہ ' جلد نفیس اور مضبوط ' شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے ' قیمت مجلد دو روپے —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی مدت سے نایاب تھی، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا، اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اُردو کو دستیاب ہوگئی، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اُردو ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر، طبع کی گئی ہے، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکر اس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی، تذکروں میں کہیں کہیں اسکا ذکر آجاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اِس میں مصنف کی غزلیں بھی جابجا آئی ہیں، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں - یہ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدردانان اُردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے - جلد بھی مضبوط، عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید، قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ، غیر مجلد ایک روپیہ —

—:o:—

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدر دانان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسماے گرامی اس فہرست میں درج کرائے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجاے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بھی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —

اِن معاونین کی خدمت میں کُل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی، زہرہ بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب، بی - اے، معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات، اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بےنقاب کردیا ہے - مرتبہ محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ -

---

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے، ہر صاحب ذوق جانتا ہے، اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - اب دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ، کاغذ، چھپائی، جلد، سائز، ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ -

---

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے - سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے، اُن کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے، جس کو سید منظور حسین صاحب نے

مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ، سایز مختصر ، جلد نہایت نفیس اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ -

---

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذہ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پرنہایت اعلیٰ طباعت وکتابت کیساتھہ عید وغیرہ کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ -

---

اُردوے قدیم

مجلس دارالمؤرخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں زبان اُردو اور اُس کے نظم و نثرکی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تزکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح حالات تحریر ہیں ، جسے مشہور مورخ مولوی شمس اللہ صاحب قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ، فارسی ، اُردو ، انگریزی ، فرانسیسی ، جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے - قابل دید ہے - قیمت قسم اول دو روپیہ ، قسم دوم ایک روپیہ آٹھ آنہ -

---

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ، جنھوں نے سنہ ۸۲۵ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھہ چھپی ہے - قیمت ۲ آنہ -

مسکوکات قدیمه

جنوبی هندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو "هون" کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل هیں - طلباے تاریخ ڈگری کے لئے بہت مفید ھے - مرتبه مولوی شمس الله صاحب ' قیمت ٦ آنه -

---

ظہیر فاریابی

یه رساله بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ھے ' اس میں فارسی کے مشہور و غیر فانی شاعر ظہیرفاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر قابلانه تبصرہ کیا گیا ھے- قیمت ٦ آنه کلدار-

---

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ھے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالات کا هوبہو خاکه کھینچا ھے - وهاں کی بد نظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھلایا ھے ' مرتضوی ' مشفق کاظمی - فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ھے اور برلن پایه تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ھے- قیمت دو روپیه آٹھ آنے کلدار-

---

سچ فرمائیے

۱ - کیا جناب کو علم و ادب سے ذوق ہے ؟
۲ - کیا جناب کو سیاسیات سے دلچسپی ہے ؟
۳ - کیا جناب کو تاریخ سے شوق ہے ؟
۴ - کیا جناب اپنی زبان میں یورپ کا بہترین لٹریچر دیکھنا پسند کرتے ہیں ؟
۵ - کیا جناب ہندوستان کے بہترین شعرا کا پاکیزہ کلام ہر ماہ دیکھنا چاہتے ہیں ؟
۶ - کیا جناب اخلاقی و تمدنی مضامین سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں ؟
۷ - کیا جناب اعلیٰ پیمانہ کے افسانوں سے نیک سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟
۸ - کیا جناب زمانہ کی جدید ترین ترقیات معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟
۹ - کیا جناب جدید ترین مطبوعات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں ؟
۱۰- کیا جناب مصوری کے لاجواب نمونے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں ؟
۱۱- کیا جناب تاریخی اور کمیاب تصاویر کے شائق ہیں ؟
۱۲- کیا جناب اپنے فاضل وقت کو بہترین مشغلہ میں صرف کرنا چاہتے ہیں ؟

اگر آپ

ان میں سے ایک بھی خواہش کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو
رسالہ (شمع) کو ضرور ملاحظہ فرمائیے
اور آج ہی
۱۰ آنہ کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب فرمائیے —

لکھائی، چھپائی بہترین، کاغذ چکنا حجم ۱۱۲ صفحہ، چندہ سالانہ ۶ روپیہ - ششماہی ۳ روپیہ ۸ آنہ —

(نوٹ)

(۱) جنوری سنہ ۱۹۲۷ع سے مصوری کے بہترین نمونوں کے علاوہ شاہان اودھ کی نہایت قیمتی اور بے مثل تصاویر مسلسل شائع ہورہی ہیں —
(۲) تاجر خریدار صاحبان کے اشتہارات کے لئے حیرت انگیز رعایت. فوراً دریافت فرمائیے

المشتہر
منیجر شمع - حسن منزل شاہ گنج آگرہ

اردو

جلد ہفتم

حصۂ بست و ہفتم

جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی

از

(جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب، بی - اے)

اللہ اللہ - ایک وہ زمانہ تھا کہ میں اور ڈاکٹر مولوی صاحب مرحوم کی باتیں سنتے تھے - ان کی ہمت ہماری ہمت بڑھاتی تھی؛ ان کا طرز بیان ہماری تحریر کا رہبر ہوتا تھا؛ ان کی خوش مذاقی خود ان کو ہنساتی اور ہمارے پیٹ میں بل ڈالتی تھی؛ ان کی تکلیفیں خود اُن کو پرنم اور ہم کو تڑپاتی تھیں - اور آج وہ دن ہے کہ اُن کے حالات زبان قلم پر لانے سے ڈر لگتا ہے - وجہ یہ ہے کہ وہ بزرگ ہستی "اخوت اسلامی" کا سبق پڑھے ہوئے تھی - اس کو اپنے بل بوتے پر ترقی کرنے پر ناز تھا - وہ چھوٹے درجہ سے بڑے درجہ پر ترقی کرنا اپنا کار نامہ سمجھتی تھی- اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر دکھایا وہ کسی کی خوشامد، کسی کی سفارش یا کسی خاندانی وجاہت کے باعث نہ تھا - وہ تھا اور دنیا کا وسیع اکھاڑا - وہ اپنے دست و بازو کے بھروسے پر اس میدان میں اترا - ہر مصیبت کا سامنا اپنی ذاتی قابلیت و ہمت سے کیا - جس کام میں ہاتھ ڈالا اس کی تکمیل میں خون پانی ایک کر دیا- اور دنیا پر بخوبی ثابت کر دیا کہ بے یاری و مددگاری ترقی کی راہ میں ایسی رکاوٹیں نہیں ہیں جو بآسانی ہٹائی نہ جا سکیں اور خاندانی تعلقات کی عدم موجودگی ایسی چیز نہیں ہے جو مانع ترقی ہو سکے - جب کبھی جوش میں

آتے تو ہمیشہ (I am a self-made man) کا فقرہ ضرور استعمال کرتے۔اور جب کبھی اس پہلو پر نصیحت کرتے تو ہمیشہ یہی فرماتے کہ بیٹا جو کچھہ کرنا ہے خود کرو؛ باپ دادا کی ہڈیوں کے واسطے سے بھیک نہ مانگتے پھرو—

انسان فطرت سے مجبور ہے۔ جب دنیا کی نظریں اس پر پڑنے لگتی ہیں تو وہ ہمیشہ اپنی پہلی حالت کی کمزوریوں کو چھپاتا اور خوبیوں کو دکھاتا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے گھرانوں کی نا اہل اولاد اپنے باپ دادا کے نام سے اپنی نالائقی کو چھپاتی ہے اسی طرح غریب گھرانوں کی لائق اولاد چاہتی ہے کہ ان کے باپ دادا کے نام لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائیں۔ یہ ہے ہماری اخلاقی کمزوری اور یہ ہے ہماری اسلامی سبق سے بے خبری۔ ایک مولوی نذیر احمد خاں تھے جو اپنے آبا و اجداد کا نقشہ اصلی رنگ میں دکھاتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ان کو اپنی ابتدائی غربت پر ناز تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ "میاں اگر لفٹنٹ گورنر کے بیٹے ہو تو کم سے کم ڈپٹی کمشنر تو ہو جاؤ۔ دس روپئے کے اہلکار ہوکر باپ کو لفٹنٹ گورنر کہتے ہوے تمہیں شرم نہیں آتی"—

بہر حال یہ فطرت انسانی کا خیال تھا جس نے اب تک مجھے مولوی صاحب مرحوم کے حالات لکھنے سے روکا۔ بہت کچھہ لکھہ لیا تھا وہ پھاڑ ڈالا کہ کہیں اینچن چھوڑ گھسیٹن میں نہ پڑ جاؤں لیکن رہ رہ کر جوش آتا تھا اور ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ خدا بھلا کرے مولوی عبدالحق صاحب کا کہ انہوں نے مجھے اس اگر مگر سے نکالا اور دل کی باتوں کو حوالۂ قلم کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اب جو کچھہ کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا ہے وہ لکھونگا اور بے دھڑک لکھونگا، خواہ کوئی برا مانے یا بھلا۔ جہاں مولوی صاحب مرحوم کی خوبیاں دکھاؤنگا وہاں اُن کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کردونگا تا کہ اس مرحوم کی اصلی اور جیتی جاگتی تصویر کھنچ جاے اور یہ چند صفحات ایسی سوانح عمری نہ بن جائیں جو کسی کے خوش کرنے یا جلانے کو لکھی گئی ہو۔ میں واقعات کے بیان کرنے میں کوئی سلسلہ بھی قایم

نہ کرونگا کیونکہ یہ بناوٹ کی صورت ہے' جس موقعہ پر جو کچھہ سنا یا دیکھا اس کو جوں کا توں لکھہ دونگا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کرونگا کہ جہاں تک ممکن ہو واقعات مولوی صاحب ہی کی زبان میں بیان کئے جائیں' انشاءاللہ واقعات کے اظہار میں مجھہ سے غلطی نہ ہوگی' ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض نام بھول جانے کی وجہ سے چھوڑ جاؤں یا غلط لکھہ جاؤں - اب رہا سچ یا جھوٹ تو اس کی مجھے پرواہ نہیں - میں اپنے محترم اُستاد کے حالات لکھہ رہا ہوں' اگر سچ ہیں تو میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں' اگر جھوٹ ہیں تو وہ خود میدان حشر میں سود در سود لگا کر تاوان وصول کر لیں گے—

اب رہا طرز بیان تو اس میں میں متانت کو بالائے طاق رکھدیتا ہوں - کیوں کہ مولوی صاحب جیسے خوش مذاق آدمی کے حالات لکھنے میں متانت کو دخل دینا ان کا منہ چڑانا ہی نہیں ان کی توہین کرنا ہے - بلکہ یوں کہو کہ سید انشاء کو میر اور مارک ٹوئین کو اِمرسن بنانا ہے - جب اپنی زندگی میں انھوں نے میری شوخ چشمی کی ہنس ہنس کر داد دی تو کوئی وجہ نہیں کہ اب وہ اپنی وضعداری کو بدل دیں اور میری صاف گوئی کو گستاخی قرار دیکر دعویدار ہوں—

—— (چل رے خامہ بسم اللہ) ——

سنہ ۱۹۰۳ع میں میں نے اور میاں دانی نے ہندو کالج دہلی سے ایف - اے کا امتحان پاس کیا اور دونوں مشن کالج میں داخل ہو گئے - ایف - اے میں میرا مضمون اختیاری سائنس اور دانی کا عربی تھا - انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ بی - اے میں عربی لیلو' دونوں کو ایک دوسرے سے مدد ملے گی اور امتحان کی تیاری میں سہولت ہوگی - مجھے اپنے حافظہ پر گھمنڈ تھا یہ بھی نہ سمجھا کہ اس مضمون کو سنبھال بھی سکوں گا یا نہیں' جھٹ راضی ہو گیا - القصہ ہم دونوں بی - اے کے درجۂ ابتدائی میں شریک ہو گئے - ہمارے عربی کے پروفیسر مولوی

جمیل الرحمن صاحب تھے؛ بڑے الله والے لوگ تھے - عربی کا گھنٹہ بآسانی تصوف کی باتوں میں گزر جاتا تھا - کچھ تھوڑا بہت پڑھ بھی لیتے تھے - دانی کچھ سمجھتے ہوں تو سمجھتے ہوں، کمترین تو طوطے کی طرح حفظ کر لیتا تھا - اب رہی صرف و نحو اس میں تو کورا کا کورا ھی رھا - سنتے آئے ھیں کہ "مصیبت کہکر نہیں آتی" لیکن یہ نہیں سنا تھا کہ "عربی کے پروفیسر کہکر نہیں جاتے" ایک دن جو مولوی صاحب کے کمرے میں ھم دونوں پہنچے تو دیکھا کہ کمرہ خالی ھے - دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ مولوی صاحب کل شام کو استعفاء دیکر کعبۃ الله چلدئے- پرنسپل صاحب کے پاس پہنچے - ان سے پوچھا کہ دوسرے صاحب کب آتے ھیں - تو انہوں نے کورا جواب دیدیا کہ ھم عربی کی جماعت کا بندوبست نہیں کرسکتے - بہتر یہ ھے کہ مضمون تبدیل کر لو - میں نے دانی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی ، اب میرے کہنے سے تم سائینس لے لو ، جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ "مرتا کیا نہ کرتا" وہ راضی ھوگئے دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ھوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رھا- لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دوسال کے تین سال میں شریک امتحان ھونا پڑیگا - سنگ آمد و سخت آمد- جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ھوئی - دونوں سر ملا کر بیٹھے ، مشورے کئے ، رزولیشن پاس ھوئے ، آخر یہ تجویز پاس ھوئی کہ " خاک از تودہ کلان بردار " کے مقولے پر عمل کرکے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاھئے - دلی میں دو تین بڑے عربی دان مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب ، دوسرے شمس العلماء مولوی ضیاءالدین خان صاحب ایل ایل ڈی اور تیسرے مولوی نذیراحمد خانصاحب - پہلے کو تو دیوانگی سے فرصت نہ تھی اس لئے وھاں تو دال گلتی معلوم نہیں ھوئی - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا- گرمیوں کا زمانہ تھا ، مولوی ضیاءالدین

صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے
ہم دونوں نےبھی جاکر شام ہی سے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ڈیرے ڈال دئے۔ آٹھہ بجے
نو بجے دس بج گئے ۔ مولوی صاحب نہ آج نکلتے ہیں نہ کل خدا خدا کر کے دروازہ
سے قندیل نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ہم دونوں بھی ہاتھہ پاؤں جھٹک کر خوشامد
کے فقرے کے فقرے سوچ کھڑے ہوگئے ۔ ہم آخری سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لئے
دروازے میں سے پہلے قندیل نکلتی نظر آئی اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے
سے جہاز آتا دکھائی دیتا ہے اسی طرح پہلے مولوی صاحب کا عمامہ اس کے بعد
ان کا نورانی چہرہ سرمگیں آنکھیں، سفید ریش مبارک ، سفید جبہ اور سب سے آخر
زرد بانات کی سلیم شاہی جوتیاں نظر آئیں آہستہ آہستہ اُنہوں نے سیڑھیوں سے
اُترنا اور اوپر تلے ہمارے سانس نے چڑھنا شروع کیا۔ ہم سوچتے ہی رہے کہ راستہ
روک کر کھڑے ہوجائیں وہ ست سے پاس سے نکل گئے ۔ آخر ذرا تیز قدم چلکر ان کو
جا لیا اور نہایت ادب سے دونوں نے جھک کر فراشی سلام کیا ۔ وہ سمجھے کوئی
راہگیر ہیں ۔ میری یہ وجاہت کی وجہ سے سلام کر رہے ہیں ۔ یہ نہ سمجھے کہ سائل
ہیں، ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔ وہ تو سلام لیتے ہوے آگے بڑھے اور ہم نے وہی
پہلے والی ترکیب کی کہ چکر کہا کر پھر سامنے آگئے ۔ یہ دیکھکر وہ ذرا ٹھٹکے ۔
پوچھا ''میں نے آپ صاحبوں کو نہیں پہچانا ، کیا مجھہ سے کوئی کام ہے '' رام کہانی
بیان کرکے عرض مدعا زبان پر لائے ۔ فرمانے لگے " تمکو معلوم ہے کہ میں پنجاب
یونیورسٹی کا ممتحن ہوں '' بجنسہ اسی لہجے میں یہ الفاظ ادا کئے جیسے اس زمانے
میں کوئی کہے " تم کو معلوم ہے کہ میں سی ۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر ہوں '' لیکن ہم
جان سے ہاتھہ دھوئے بیٹھے تھے ، عرض کیا کہ ہم امتحان میں رعایت کے طالب
نہیں ، تعلیم میں مدد چاہتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ " تمکو تعلیم دینا اور پھر ممتحن
رہنا میرے ایمان کے خلاف ہے ۔ کسی دوسرے کی تلاش کیجے '' ممکن ہے کہ یہ
مسئلہ کوئی جزو ایمان ہو ۔ ممکن ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے مولوی صاحب سے

تعلیم نہ دینے کا حلف لے لیا ہو"۔ بہر حال کچھہ بھی ہو - انھوں نے ہم دونوں کو سلام علیکم کا ایک زور سے دھکا دیکر اور نوکر کو حکم دیا کہ آگے بڑھو - وہ حکم کا بندہ قندیل اٹھا آگے چلا اور مولوی صاحب اس کے پیچھے پیچھے لمبے لمبے ڈگ بھرتے روانہ ہوئے - ڈرتھا کہ کہیں یہ دونوں قطاع الطریق پھر راستہ نہ روک لیں۔ مگر مولوی صاحب کے طرز عمل اور سلام علیکم کے جھٹکے نے ہم دونوں کو مضمحل کردیا تھا، جہاں کھڑے تھے وھیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور مولوی صاحب رھتے کے کوئیں کی گلی میں گھس اپنے مکان میں داخل ہوگئے - چلو امید نمبر ۲ پر پانی پھر گیا ، لیکن آیندہ کے لئے سبق مل گیا کہ ایسے زبردست دشمن پر کھلے میدان میں حملہ کرنا خطرناک ہے ؛ ایسے رستم کو پکڑنے کے لئے شغال بننا ضرور ہے - وھیں سیڑھیوں پر بیٹھکر کونسل ہوئی اور رزولیوشن پاس ہوا کہ مولوی نذیر احمد صاحب پر حملہ عبدالرحمن کی آڑ میں کیا جائے - اب میاں عبدالرحمن صاحب کا حال بھی سن لیجئے - ان کے والد کا نام سراج الدین صاحب تھا - نہایت نیک اور پرھیزگار شخص تھے - جوتوں کی دوکان تھی - مولوی نذیر احمد صاحب اس دوکان کو ھمیشہ رقمی مدد دیا کرتے تھے - اور روزانہ شام کو وھاں آکر بیٹھتے تھے عبدالرحمن گو میرے ہم جماعت نہ تھے لیکن آپس میں میل جول بہت تھا - مولوی صاحب کو ان کی تعلیم کا بہت خیال تھا چنانچہ انھی کی وجہ سے عبدالرحمن نے بی اے ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے - انھی کی وجہہ سے وکالت میں ترقی کی یہانتک کہ مولوی صاحب ھی کی دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت دھلی میں ان کی ٹکر کا کوئی مسلمان وکیل نہیں ہے۔ اُس زمانے میں یہ ایف۔اے میں پڑھتے تھے —

بہر حال اسکیم تیار ہو گئی - اور دوسرے ھی دن سے میں نے عبدالرحمن کو گانٹھنا شروع کیا دوایک روز کے بعد ان سے اظہار مطلب کیا۔کہنے لگے کہ "بھئی مولوی صاحب کو فرصت کم ہے 'کہیں انکار نہ کر بیٹھیں"۔ میں نے کہا کہ " میاں عبدالرحمن تم ان تک ھمکو پہنچادو اگر ہوسکے تو ایک دو کلمۂ خیر بھی ھمارے حق میں کہدو' آگے

هم جانیں اور هماری قسمت " وہ راضي هوگئے اور کہا کہ " شام کو آٹھہ بجے دوکان پر آجانا میں مولوی صاحب سے ملوا دونگا " - اندھا کیا چاھے دو آنکھیں - ٹھیک آٹھہ بجے هم دونوں سراج الدین صاحب کی دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کی مسجد کے قریب تھی - جاکر کیا دیکھتے هیں کہ مولوی صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھہ رقم کا حساب کر رهے هیں - هم نے جاتے هی فراشی سلام کئے اور خاموش تخت کے کونہ پر بیٹھہ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھی - عبدالرحمن همارے پاس آبیٹھے - مگر مولوی صاحب روپئیوں کے حساب کتاب میں اس قدر مشغول تھے کہ انہوں نے دیکھا بھی نہیں کہ کون آیا ' کون گیا ' میں نے سوچا کہ یہاں بھی معاملہ پٹتا معلوم نہیں ھوتا' دھتکار سن کر یہاں سے بھی نکلنا پڑے گا - سچ هے مایوسی انسان کو همت والا بنا دیتی هے - " مرتا کیا نہ کرتا " - میں نے یہی سوچ لیا کہ آج اس پار یا اُس پار - مولوی ضیاءالدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوی نذیر احمد صاحب سے دو دو هاتھہ هوجائیں گے - قصہ مختصر مولوی صاحب حساب سے فارغ هوے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون هیں - عبدالرحمن نے همارے نام بتائے - کچھہ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھی بیان کئے اس کے بعد هماری مصیبت کا بھی ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش هوگئے - میں نے دل میں کہا "پراے برتے کھیلا جوا' آج نہ مواکل موا" اب میاں عبدالرحمن کو رهنے دو جو کچھہ کہنا هے خود کہہ ڈالو' کہیں ایسا نہ هو کہ یہاں سے بھی بے نیل مرام باضابطہ پسپائی هو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا - فرمانے لگے " تو عربی چھوڑ دو' سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت هے - همارے یہاں مثل هے - پڑھیں فارسی بیچیں تیل' یہ دیکھو قدرت کے کھیل - فارسی پڑہ کر تیل تو بیچ لوگے' عربی پڑہ کر تیل بھی بیچنا نہ آئیگا " - ان کی اس پرمذاق گفتگو سے هم دونوں کے دل بڑہ گئے - هم رهنے والے تھیرے جامع مسجد کے نیچے کے' بھلا

ایسی باتوں میں ہم سے کون ور آسکتا ہے - ہم نے بھی ایسے ہی شگفتہ الفاظ میں جواب دیا - مولوی صاحب پہلے تو مسکراتے رہے اس کے بعد کھلکھلاکر ہنس دئے - داڑھی کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے کہ "یہ بڑا غریب معلوم ہوتا ہے مگر تو بڑا بدمعاش ہے - بیٹا جاؤ کسی دوسرے مولوی صاحب کی تلاش کرو - دلی میں کیا مولویوں کا کال ہے - مجھے ذرا بھی فرصت ہوتی تو کبھی انکار نہ کرتا"- میں نے عرض کی کہ "جناب والا کا ارشاد بالکل صحیح ہے مگر جو مولوی ہیں وہ پڑھاتے نہیں اور جو پڑھاتے ہیں وہ مولوی نہیں ہیں" - کہنے لگے "نہیں ایک آدھ ایسا بھی نکل آئیگا جو مولوی بھی ہوگا اور پڑھائیگا بھی - جناب شمس العلماء مولوی ضیاء الدین صاحب ایل ایل ڈی (یہ الفاظ بہت طنز سے کہے) کے پاس جاؤ - ان کو فرصت بھی ہے اور عالم بھی ہیں" - میں نے کہا کہ "اس کے ساتھ وہ پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن بھی ہیں" - کہنے لگے "میں اس کا مطلب نہیں سمجھا" - یہاں تو جلے بیٹھے ہی تھے، جامع مسجد کی سیڑھیوں والا واقعہ خوب نمک مرچ لگاکر بیان کیا - بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ "بھئی تم لونڈوں سے ڈرنا چاہئیے - ضیاء الدین کو اگر خبر ہوجائے کہ ان کے اوصاف حمیدہ و خصائل پسندیدہ سراج الدین کی دوکان پر اس طرح معرض بحث میں آتے ہیں تو یقین جانو کہ نالش ٹھونک دیں - اچھا بھئی میں تم کو پڑھاؤنگا - مگر تم بھاگ جاؤگے" - ہم دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا "نہیں، ہرگز نہیں" مولوی صاحب نے کہا کہ "چھٹی ایک دن کی نہ ہوگی" - ہم نے کہا "بہت خوب" - مولوی صاحب نے کہا کہ "عید، بقر عید کو بھی آنا پڑیگا" - ہم نے کہا کہ "بہت مناسب - کل کس وقت حاضر ہوں" مولوی صاحب تھوڑی دیر تک انگلیوں پر کچھ اپنے وقت کا حساب کرتے رہے، اس کے بعد کہا - "دو پہر کو ڈیڑھ بجے" - ہم نے کہا "بہت خوب" - چونکہ ان باتوں میں رات زیادہ ہوگئی تھی اس لئے مولوی صاحب دوکان پر سے اٹھے - ہم سب نے سلام کیا اور وہ وعلیکم السلام کہتے ہوئے تشریف لے گئے - یہاں میں یہ ضرور کہونگا کہ

سراج الدین صاحب نے وقتاً فوقتاً ہماری ہاں میں ہاں ملاکر اس فیصلے میں بڑی مدد کی۔ ہم دونوں بھی خوش خوش اٹھے اور سلام علیکم وعلیکم السلام کرکے دوکان سے چلے۔ راستے میں دانی نے کہا "میاں مرزا بڑے میاں نے مار ڈالا۔ بھئی گیارہ بجے کالج سے پڑھ کر نکلیں گے، کشمیری دروازے سے چل کر چوڑیوالوں آتے آتے ساڑھے گیارہ بج جائیں گے دم نہ لینے پائیں گے کہ مولوی صاحب کے ہاں چلنے کی تیاری کرنی پڑے گی۔ کہاں چاوڑی اور کہاں کھاری باولی، جون کا مہینہ کہیں راستہ میں لو لگ کر ڈھیں نہ ہوجائیں"۔ میں نے کہا "میاں دانی۔ کچھہ دنوں چل کر دیکھو شاید مولوی صاحب کو رحم آجائے"۔ مگر ان کو آخر تک رحم نہ آنا تھا نہ آیا۔ لطف یہ ہے کہ جاڑوں میں صبح ساڑھے چھہ بجے سے تعلیم کا وقت مقرر ہوا۔ لیکن ایمان کی بات ہے کہ مولوی صاحب ہی کی ہمت تھی جو وہ ہمارے پڑھانے کو تیار ہوگئے۔ بیچاروں کا ایک منٹ خالی نہ تھا۔ اور انہوں نے جو وقت ہم کو دیا تھا وہ اپنے آرام کے وقت میں سے کاٹ کر دیا تھا۔ تقریباً دو برس تک ہم ان سے پڑھتے رہے نہ ہم نے کبھی گرمی یا سردی کی شکایت کی اور نہ کبھی وقت بدلنے کا لفظ زبان پر لائے۔ نہ ان دو سال میں ایک دن ناغہ کیا۔ یہاں تک کہ مولوی صاحب بھی ہمیشہ کہتے تھے کہ "بیٹا جب تم دونوں آتے ہو میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔ کیونکہ میں تم میں طالب علمی کی بو پاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تعلیم کس کو کہتے ہیں اور علم کیونکر حاصل ہوتا ہے جس طرح ہم نے پڑھا ہے۔ کچھہ ہمارا ہی دل جانتا ہے۔ اس زمانے کے لونڈوں پر اگر ایسی بپتا پڑے تو گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ مگر (میری طرف دیکھکر) اُستاد تم سے مجھے کچھہ توقع نہیں۔ تم صرف بی۔اے پاس کرنے کی فکر میں ہو۔ دانی کو شوق ہے یہ عربی میں ترقی کرے گا۔ مگر تم کورے کے کورے ہی رہوگے۔ اور انشاءاللہ پانچ چھہ ہی برس میں میری ساری محنت اکارت کردوگے" خدا کے فضل سے ان کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی —

اس سے پہلے کہ میں مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کا ذکر کروں، میں

مولوی صاحب کی شکل و صورت، مکان کی حالت، انکے رہنے سہنے کے طریقے اور انکے مشاغل کا نقشہ کھینچدینا منا سب خیال کرتا ہوں تاکہ مولوی صاحب کے کیرکٹر کا صحیح اندازہ ہو سکے - لیکن سینو میٹو گرات کا یہ فلم چڑھانے سے قبل میں اپنے طرز بیان کے متعلق معافی مانگ لیتا ہوں - کیونکہ میری شوخی بعض جگہ حد تجاوز سے بڑہ جائیگی - لیکن آپ تمام قارئین کرام کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب خود اپنی سوانح عمری لکھتے تو اسی رنگ میں لکھتے اور اگر آپ انکی صحبت میں رہے ہوتے تو آپکو بھی انکے حالات لکھتے وقت میری ہی طرح معافی مانگنی پڑتی - ورنہ آپ کی تحریر بجائے مولوی نذیر احمد صاحب کی سوانح عمری کے کسی تھوتد ملا کے بے لطف واقعات کا ایک مجموعہ ہوجاتی - خدا بہتر جانتا ہے کہ اسوقت بھی لکھتے لکھتے پنسل ہاتھ سے رکھہ دیتا ہوں اور ایک عالم بیخودی مجھہ پر چھا جاتا ہے - مولوی صاحب کی کوئی بات نہ تھی جس میں خوش مذاقی کا پہلو نہ ہو - کوئی قصہ نہ تھا جس میں ظرافت کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہو - کوئی طرز بیان نہ تھا جو ہنساتے ہنساتے نہ لٹا دے - وہ دوسروں کو ہنساتے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے اپنی باتوں سے انکو ہنسائیں - یہی وجہ تھی کہ ہم (اور خاصکر میں) مولوی صاحب کے سامنے بہت شوخ ہو گئے تھے - لیکن وہ طرح ہی نہیں دیتے تھے بلکہ کہا کرتے تھے کہ مجھے مقطع اور مسمسے شاگردوں سے نفرت ہے - اسکے بعد بھی اگر کوئی صاحب یہ توقع رکھیں کہ میں مولوی صاحب کے حالات متانت کا پہلو اختیار کر کے لکھوں تو میں اسکا صرف یہی جواب دونگا کہ "ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں" —

لیجئے اب مولوی صاحب کا حلیہ سنئے —

رنگ سانولا مگر روکھا قد خاصہ اونچا تھا مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا - دھرا بدن گدرا ہی نہیں بلکہ موٹا پے کی طرف کسیقدر مائل - فرماتے تھے کہ بچپن میں ورزش کا شوق تھا - ورزش چھوڑ دینے سے بدن جسطرح مرمروں کا

تھیلا ہوجاتا ہے بس یہی کیفیت تھی - بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قد ٹھنگنا
معلوم ہونے لگا تھا اسلئیے اسکا تکملہ اونچی ترکی ٹوپی سے کردیا جاتا تھا -
کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ تھا - توند اس قدر بڑہ گئی تھی کہ کمر میں ازاربند
باندھنا بے ضرورت ہی نہیں تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا - اور محض ایک گرہ کو کافی
خیال کیا گیا تھا - گرمیوں میں تہمد (تہ بند) باندھتے تھے؛ اسکے پلو اُڑسنے کی بجاے
ادھر اُدھر ڈال لیتے تھے ' مگر اُٹھتے وقت بہت احتیاط کرتے تھے - اول تو
قطب سے بیٹھے رہتے تھے' اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال
اٹھنے کو ملتوی کیا جا سکتا ہے یا نہیں - ضرورت نے بہت ہی مجبور کیا تو
ازاربند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اُڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے - سر بہت
بڑا تھا مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا -
جو تھوڑے رہے سہے بال تھے وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرا دئے جاتے تھے - ورنہ
بالوں کی یہ کگو سفید مقیش کی صورت میں ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ
ہو جاتی تھی - آنکھیں چھوٹی چھوٹی ذرا اندر کو دھنسی ہوئی تھیں - بھویں
گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ افگن تھیں - آنکھوں میں غضب کی چمک تھی - وہ
چمک نہیں جو غصہ کے وقت نمودار ہوتی ہے بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی
اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری تھی - اگر میں ان کو " مسکراتی ہوئی آنکھیں"
کہوں تو بیجا نہوگا - کلہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا - چونکہ دھانہ بھی بڑا تھا اور
پیٹ کے محیط نے سانس کے لئے گنجائش بڑھا دی تھی' اس لئے نہایت اونچی آواز
میں بغیر سانس کھینچے بہت کچھہ کہہ جاتے تھے - آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے
ساتھہ - کوئی دور سے جو سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کو ڈانٹ رہے
ہیں لیکن پاس بیٹھنے والا ہنسی کے مارے لوٹ رہا ہو - جوش میں آکر جب آواز
بلند کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے - اسی لئے بڑے بڑے جلسوں پر
چھا جاتے تھے - اور پاس اور دور بیٹھنے والے دونوں کو ایک ایک حرف صاف صاف

سنائی دیتا تھا - ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری - ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں ”گاجر“ اور دلی والوں کی بول چال میں ”پھلکی“ کہا جاتا ھے - گو متانت چھو کر نہیں گئی تھی لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار میں خود بخود متانت پیدا کر دی تھی - داڑھی بہت چھدری تھی، ایک ایک بال بآسانی گنا جا سکتا تھا - کلے تو کبھی قینچی کے منت کش نہیں ھوے البتہ تھوڑی پر کا حصہ کبھی کبھی ھموار کرا لیا جاتا تھا - داڑھی کی وضع قدرت نے خود فرنچ فیشن بنا دی تھی - بالوں میں سے تھوڑی اس طرح دکھائی دیتی تھی جیسے اکس ریز (X Rays) ڈالنے سے کسی بکس کے اندر کی چیز - تھوڑی چوڑی اور ان کے ارادے کے پکے ھونے کا اظہار کرتی تھی - گردن چھوٹی مگر موٹی تھی - لیجئے یہ ھیں مولوی نذیر احمد خاں صاحب —

اب رھی لباس کی بحث تو اس کا بھی حال سن لیجئے - جنھوں نے اسٹیج پر ان کو شالی رومال باندھے کشمیری جبہ یا ایل - ایل - ڈی کا گون پہنے دیکھا ھے انھوں نے عالی جناب شمس العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر نذیر احمد خاں صاحب ایل - ایل - ڈی مد ظلہ العالی کو دیکھا ھے، مولوی نذیر احمد صاحب کو نہیں دیکھا - ان کے گھر کے اور باھر کے لباس میں زمین آسمان کا فرق تھا - اگر ان کو روزانہ باھر نکلنے کا شوق نہ ھوتا تو لباس کی مد ھی ان کے اخراجات کی فہرست سے نکل جاتی - جب شام کو گھر سے نکلتے تو عموماً ترکی ٹوپی یا چھوٹا سفید صافہ باندھکر نکلتے تھے - گرمیوں میں نہایت صاف شفاف سفید اچکن اور سفید کرتہ پیجامہ ھوتا - اور جاڑوں میں کشمیرے کی اچکن یا کشمیری کام کا جبہ - چونکہ سراج الدین صاحب سے لین دین تھا اس لئے لال نری کا سلیم شاھی جوتہ زیادہ استعمال کرتے تھے پھر بھی وقت بے وقت کے لئے دو انگریزی جوڑے لگا رکھے تھے جن پر میری یاد میں پالش ھونے کی کبھی نوبت نہ آئی، یہاں تک کہ دونوں سوکھ کر کھڑنک ھو گئے تھے - انھی کا پاوں تھا کہ ان چینیوں کے سے سخت جوتوں کی برداشت کرتا تھا -

جرابوں سے انھیں ھمیشہ نفرت تھی - گو دربار میں جانے کے لئے دو ایک جرابیاں
پاس رھتی تھیں - یہ تو پبلک کے مولوی صاحب ھوے - اب ھمارے مولوي صاحب
کو دیکھئے - آئیے میرے ساتھہ چوڑیوالوں سے چلئے - چوڑیوالوں سے نکل کر چاوڑي
میں آئیے، اُلٹے ھاتھہ کو مڑ کر قاضی کے حوض پر سے ھوتے ھوے سرکی والوں پر سے
گزر کر لال کوئیں پہنچئیے - آگے بڑھئے تو بڑیوں کا کٹرہ ھے - وھاں سے آگے چل کر
نئے بانس میں آئیے - یہ سیدھا راستہ کھاري باولی کو نکل گیا ھے - نکڑ سے ذرا
ادھر ھی دائیں ھاتھہ کو ایک گلی مڑي ھے' یہ بتاشہ والوں کی گلی ھے - بتاشے بنتے
ھوے ھم نے سب سے پہلے یہیں دیکھے - یہاں اچار چٹنیوں والوں کی بیسیوں دکانیں
ھیں - انھی دوکانوں کے بیچ میں سے ایک گلی سیدھے ھاتھہ کو مڑی ھے' تھوڑی ھی
دور جا کر بائیں طرف ایک پتلی سی گلی اس میں سے کٹ گئی ھے' اس گلی میں
پہلا ھی مکان مولوي صاحب کا ھے - مکان دو منزلہ ھے اور نیا بنا ھوا ھے - صفائی کی
یہ حالت ھے کہ تنکہ پڑا ھوا نظر نہیں آتا - دروازے کے باھر دونوں پہلوؤں میں
دو سنگین چوکیاں ھیں - دروازے کو عبور کرنے کے بعد صحن میں آتے ھیں - صحن
کسی قدر چھوٹا ھے - سیدھی طرف دفتر ھے جہاں اکثر دو تین آدمی بیٹھے ھوے
کلام مجید پر حنا کیا کرتے ھیں - اس کے مقابل بائیں طرف باورچی خانہ ھے' چولھے
بنے ھوے ھیں' آگ جل رھی ھے - مگر برتن اور ھنڈیاں وغیرہ جو باورچی خانہ کا
جزو لاینفک ھیں سرے سے ندارد ھیں - آگ صرف حقہ کے لئے سلگائی جاتی ھے -
کھانا دوسرے گھر سے پک کر آتا ھے - دروازے کے بالکل سامنے اکہرا دالان ھے اور
اندر ایک لمبا کمرہ - گرمی کا موسم ھے اور مولوی صاحب ایک چھوٹی سی میز
کے سامنے بیٹھے کچھہ لکھہ رھے ھیں - کمرے کے دو دروازے بند ھیں ایک کھلا ھے -
باھر ایک بڑھیا پھونس چمارن بیٹھی پنکھے کی رسی کھینچ رھی ھے - ھاں تو میں
کیا تصویر دکھانا چاھتا تھا؟ مولوی صاحب کا لباس - مگر خدا کے فضل سے ان کے
جسم پر کوئی لباس ھی نہیں ھے جس کا تذکرہ کیا جاے - نہ کرتہ ھے نہ ٹوپی

نہ پیجامہ، ایک چھوٹی سی تہمد برائے نام کمر سے بندھی ہوئی ہے، بندھی ہوئی نہیں ہے محض لپٹی ہوئی ہے، ایکن گرہ کے جنجال سے بے نیاز ہے۔ کمرے میں نہایت اجلی چاندنی کا فرش ہے۔ ایک طرف پلنگ بچھا ہوا ہے۔ کبھی اس پر چادر ہے کبھی نہیں ہے۔ سرہانے تکیہ رکھا ہے مگر اس کی رنگت کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ البتہ جس گاؤ تکیہ سے مولوی صاحب لگے بیٹھے ہیں وہ بہت صاف ہے۔ قالین بھی عمدہ اور قیمتی ہے۔ اگر مولوی صاحب کی حالت دیکھکر آپ سوال کر بیٹھیں کہ "مولانا ایں چہ کار است کہ کردۂ" تو انشاءاللہ یہی جواب ملیگا کہ "محتسب را درون خانہ چہ کار" جاڑوں میں مکان کے اوپر کے حصے میں رہتے تھے۔ چلئے وہاں کا بھی رنگ دکھادوں۔ صدر دروازے سے ملا ہوا زینہ ہے اور سیڑھیوں کے ختم ہونے پر غسلخانہ اور بیت الخلاء ہے۔ اس کے بعد ایک دروازہ آتا ہے۔ دروازہ سے گزر کے چھت پر آتے ہیں۔ سامنے ہی ایک کمرہ ہے اور اس کے دونوں جانب کوٹھریاں۔ غسلخانے کے بالکل مقابل دوسری طرف ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ آخر آخر میں مولوی صاحب یہیں رہا کرتے تھے جس زمانے میں ہم پڑھتے تھے تو ان کی نشست سامنے والے بڑے کمرے میں تھی۔ یہاں بھی چاندنی کا فرش ہے اس پر قالین، پیچھے گاؤتکیہ، سامنے ایک چھوٹی نیچی میز، پہلو میں حقہ۔ اس کی حقیقت کیا حقہ بیان کرنا مشکل ہے۔ مولوی صاحب کو حقہ کا بہت شوق تھا مگر تمباکو ایسا کڑوا پیتے تھے کہ اس کے دھوئیں کی کڑواہٹ بیٹھنے والوں کے حلق میں پھندا ڈالدیتی تھی۔ فرشی قیمتی تھی مگر چام پھسے کی دو والی اور نیچہ تو خدا کی پناہ۔ اس کے تیار ہونیکی تاریخ لوگوں کے دلوں سے مدت کی محو ہوچکی تھی۔ ایک آدہ دفعہ ایک صاحب نے نیچہ بدلنے کا ارادہ بھی کیا مگر مولوی صاحب نے نیچے کو جورو کا مترادف قرار دیکر ایسا سخت فقرہ کسا کہ بیچارے ٹھنڈے ہوکر رہ گئے۔ خیر جاڑے کا موسم ہے۔ مولوی صاحب بیٹھے حقہ پی رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ سر پر کنٹوپ ہے۔ مگر بڑا دقیانوسی۔ کبھی کانوں

کو ڈھکے ہوے اور ڈوریاں نیچے لٹکتی ہوئیں ' کبھی اس کے دونوں پا کھے اوپر
کی طرف سیدھے کھڑے ہوکر لاٹ پادری کی ٹوپی کا نمونہ بن جاتے اور ڈوریاں
طرے کا کام دیتیں ' کبھی پاکھوں کو سر پر اوپر تلے ڈوریوں سے کس دیا جاتا اور
اس طرح کنٹوپ فلٹ کیپ کی شکل اختیار کرلیتا - جسم پر روئی کی مرزئی مگر
ایسی پرانی کہ اُس کی روئی کی گرمی مدت سے مائل بہ سردی ہوچکی ہے -
اوپر صندلی رنگ کا دھسّہ پڑا ہوا - لیجئے دیکھا آپ نے ہمارے مولوی صاحب کو -
چار بجے' اور مولوی صاحب نے آواز دی " پانی تیار ہے " جواب ملا " جی ہاں "
مولوی صاحب غسل خانے میں گئے ؛ کپڑے بدل (یا یوں کہو کہ جون بدل) باہر
نکل آئے اور چلے ٹاؤن ہال کو - اب یہ ہمارے مولوی صاحب نہیں رہے ' آپ کے
مولوی صاحب ہوگئے —

گھر میں اس لباس سے استغناء کے کئی باعث تھے - اول تو یہ بات تھی کہ
ان کو اپنے کاموں ہی سے فرصت نہیں تھی- پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے میں ان کا دن
گزر جاتا تھا- دوسرے یہ کہ وہ بہت کم لوگوں سے مکان پر ملتے تھے جس کو ملنا ہوتا
تھا شام کو ٹاؤن ہال کی لائبریری میں ان سے جاکر مل آتا تھا- جو لوگ مکان پر آتے
تھے وہ یاتو ان کے شاگرد ہوتے تھے یا خود صاحب کمال - اور ظاہر ہے کہ ایسے صاحب
کمال لوگ ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے-یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ہیں کتنے
پانی میں-لباس سے اس بےاعتنائی کی تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کو اپنا گھر
سمجھتے تھے-کسی دوسرے کا دولتخانہ نہیں جانتے تھے- ان کو جس طرح آرام آتا اس
طرح رہتے- جی چاہتا پہنتے نہ جی چاہتا نہ پہنتے -البتہ جب باہر جاتے " تو کھائیے
من بھاتا پہنئے جگ بھاتا " پر عمل کرتے - اصل عالم تو گھر پر تھے ؛ باہر نکل کر
ظاہری عالم بھی بن جاتے- سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ گھر میں کوئی عورت نہ تھی
جو ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی – یا کم سے کم ان کا کنٹوپ ' مرزئی
یا سرھانے کے تکیہ کا غلاف تو بدل دیا کرتی - گھر میں تھا کون' ایک مولوی صاحب

دوسرا ایک کانڑا ٹنڈو بدھو نفر - ان کا نوکر خدا بخش ' وہ بھی ایسا بے پرواہ کہ خدا کی پناہ - ظالم نے بہرا بن کر کام سے اور اپنا پیچھا چھڑالیا تھا - مولوی صاحب کی آواز جس سے مردے قبر میں چونک پڑیں اس کو کبھی نہ سنائی دے اور جب تک کسی نے جاکر اس کا شانہ نہ ہلایا ' اس نے ہمیشہ سنی کو ان سنی کردیا البتہ حقے کے معاملے میں بڑا تیز تھا - یا تو اس کو یہ خیال تھا کہ حقے بغیر مولوی صاحب کے ہاں گزارہ ہونا دشوار ہے یا یہ وجہ تھی کہ تمباکو زیادہ صرف کرنے میں اس کو دو ایک پیسے روز مل جاتے تھے - غرض یہ حال تھا کہ حقہ پورا سلگا بھی نہیں ہے اور وہ چلم اٹھا کر لے چلا - مولوی صاحب ہاں ہاں کرتے ہی رہے اس نے جا چلم اُلٹ دی - دوسرا سلفہ رکھ' آگ بھر ' چلم حقہ پر لاکر رکھدی - تواگرم حقہ بھڑک گیا - میاں نوکر صاحب کو پھر بلا کر توا ٹھنڈا کرنے اور چلم بھروانے کی ضرورت پیش آئی - غرض سارے دن ان کا یہی کام تھا اور وہ اس میں خوش اور بہت مگن تھے —

جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وقت کا اس قدر پابند تھا کہ لوگ اس کو دیکھکر اپنی گھڑیاں ٹھیک کر لیتے تھے - بعض یورپ پرست اس کی پابندئی اوقات کو یورپ والوں کا ہی حصہ خیال کریں تو خیال کریں میں تو یہ کہتاہوں کہ صرف دہلی میں میں نے تین ایسے شخص دیکھے ہیں جو آندھی آئے مینہ آئے' روزآنہ چھہ بجے ٹاؤن ہال کی لائبریری میں آتے تھے ادھر اُنھوں نے لائبریری کے دروازے میں قدم رکھا اور ادھر گھنٹہ گھرنے چھہ بجائے - لطف یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشرق میں رہتا تھا تودوسرا مغرب میں-یہ تین شخص کون تھے - ایک منشی ذکاءاللہ صاحب' دوسرے رائے بہادر پیارے لال صاحب اور تیسرے مولوی صاحب-ایک چیلوں کےکوچہ سے آتا تھا' دوسرا دریبہ سے اور تیسرا کھاری باولی سے-ایسا کبھی نہیں ہوا کہایک نے آکر دوسرے کا انتظار کیا ہو-اگر ان میں سے کوئی ایک نہ آتا تھا تو ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ نہ آنے والا ایسا بیمار ہے کہ

چلنا دشوار ہے - اور یہ نتیجہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوا - میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سے کسی سے ملنا ہوتا اور چھہ بجے سے ذرا پہلے لائبریری کے کسی ملازم سے جاکر دریافت کرتا تو یہی جواب ملتا کہ "اب آتے ہی ہونگے چھہ میں دو ہی منٹ تو رہ گئے ہیں" - دوسرے دو صاحبوں کا ٹائم ٹیبل تو مجھے معلوم نہیں البتہ مولوی صاحب کی مصروفیتوں کا حال لکھتا ہوں - انکے اس نظام اوقات میں گرمی اور جاڑے کے لحاظ سے کچھہ کچھہ تغیر ہو جاتا تھا - وہ ہمیشہ بہت سویرے اُٹھنے کے عادی تھے - گرمیوں میں اٹھتے ہی نہاتے تھے - اور ضروریات سے فارغ ہوکر نماز پڑھتے - انکی صبح کی اور عصر کی نماز کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی - باقی کا حال اللہ کو معلوم ہے - نہ میں نے دریافت کیا اور نہ مجھہ سے کسی نے کہا - صبح کی نماز پڑھکر کچھہ تلاوت کرتے - ادھر ذرا دن چڑھا ' اُدھر مولویوں کی جماعت اور خود مولوی صاحب کا ناشتہ داخل ہوا - اس جماعت میں بخارا ' کابل ' سرحد وغیرہ کے لوگ تھے - انکی تعداد کوئی ۱۵ ' ۱۶ تھی - محنت ایسی کرتے تھے کہ دوسرا کرے تو مرجائے لیکن ٹھوٹھ ایسے تھے کہ مولوی صاحب بھی زچ ہوجاتے تھے - خوش مذاقی تو انہیں چھوکر نہیں نکلی تھی - خود مذاق کرنا تو کجا دوسرے کا مذاق بھی نہیں سمجھہ سکتے تھے - متانت اور ادب کا یہ حال تھا کہ آنکھہ اٹھا کر مولوی صاحب کو دیکھنا سوء ادبی سمجھتے تھے اب انکے " وہ عمامے اونچے اونچے یہ لمبی لمبی ڈاڑھیاں " دیکھو اور مولوی صاحب کی حالت کا اندازہ کرو - بیچارے ناشتہ کرتے جاتے اور اپنا فرض اتارتے جاتے تھے عالم تھے دوسروں کو عالم بناتے تھے - لیکن کہا کرتے تھے کہ " ان فتحپوری کے ملانوں کو پڑھاکر میرا دل بیٹھہ جاتا ہے کیا کہوں - میں ہوں منصور اور توہے مقطع میرا تیرا میل نہیں ' کا نقشہ ہے ' ' یہ جماعت اٹھی اور مولوی رحیم بخش صاحب آ نازل ہوئے - کاغذوں کا ٹھا بغل میں ' ہاتھہ میں پنسل ' کان میں قلم '

ادھر فتحپوري کی جماعت نے کمرہ سے قدم نکالا ادھر انھوں نے کمرہ میں قدم رکھا - اب سلسلہ تصنیف و تالیف شروع ھوا - چونکہ آخر آخر میں مولوی صاحب کے ھاتھہ میں رعشہ آگیا تھا ' اسلئے لکھوانے کا کام اکثر انھیں سے لیا جاتا تھا - سب سے پہلے کلام مجید اور حمائل شریف کی کاپیوں کی صحت کی جاتی - اسکے بعد مطبع کا حساب دیکھا جاتا اور پھر جدید تصنیفات کا سلسلہ شروع ھوتا - یہ کام سہیتتے سہیتتے ساڑھے گیارہ ' پونے بارہ بج جاتے - رحیم بخش صاحب کے اُٹھتے ھی کھانا آتا - کھانا کھایا اور پلنگ پر لیٹ گئے - ادھر ڈیڑہ بجا اور ادھر ھم دونوں داخل ھوے - ھمارا قدم رکھنا تھا کہ مولوی صاحب اُٹھ بیٹھے - ساڑھے تین بجے تک ھم سے سخن‌زنی کرتے رھے - اگر کوئی دلچسپ بحث یا قصہ چھڑ گیا تو چار بج گئے - چار بجے اور مولوي صاحب غسل خانہ میں گئے - نہائے دھوئے کپڑے پہن نکل کھڑے ھوے - پہلے شمس‌العارفین کی دوکان پر ٹھیرے - یہاں بھی ان کا حساب کتاب تھا - وھاں کا کھاتہ دیکھا جو کچھہ لینا دینا تھا لیا دیا اور سیدھے ٹاون ھال کی لائبریری میں پہنچ گئے - سات بجے تک وھاں ٹھیرے جس کو ملنا ھوا وہ وھاں مل لیا - سات بجے وھاں سے اُٹھہ کر سراج‌الدین صاحب کی دوکان پر آئے - یہاں بھی حساب کتاب کیا - عبدالرحمن کو پڑھایا - گھنٹہ بھر یہاں ٹھیر کر مکان پہنچ گئے - کھانا کھایا - کچھہ لکھا پڑھا اور دس بجے سو رھے - جاڑے میں پروگرام میں یہ تبدیلی ھو جاتی تھی کہ پہلے صبح ھی صبح ھم پہنچتے تھے' اس کے بعد مولویوں کی جماعت آتی تھی' رحیم بخش صاحب کا نمبر سہ پہر میں آتا تھا —

خوش خوراک تھے اور مزے لے لے کر کھانا کھاتے تھے - ناشتے میں دو نیم برشت انڈے ضرور ھوتے تھے - میوہ کا بڑا شوق تھا - ناشتہ اور کھانے کے ساتھہ میوہ کا ھونا لازم تھا - پڑھاتے جاتے اور کھاتے جاتے تھے - مگر مجھکو ایک حسرت رہ گئی کہ کبھی شریک طعام نہ ھو سکا - خیر ان پٹھانوں کی جماعت کی تو کیا صلا کرتے ان کے لئے تو مولوي صاحب کا ناشتہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ھو جاتا - البتہ ھم

دونوں کی صلا نہ کرنا غضب تھا - کہتے بھی جاتے تھے "بھئی کیا مزے کا خربوزہ ھے"- "میاں کیا مزہ کا آم ھے" - مگر بندۂ خدا نے کبھی یہ نہ کہا کہ بیٹا ذرا چکھہ کر تو دیکھو یہ کیسا ھے - میں نے تو تہیہ کرلیا تھا (میاں دانی اب انکار کریں تو کریں لیکن ان کا بھی یہی ارادہ تھا) کہ مولوی صاحب اگر جھوٹے منہ بھی شریک ہونے کو کہیں تو ہم سچ سچ شریک ھو جائیں—

مولوی صاحب کو مسلمانوں میں تجارت پھیلانے کا شوق تھا اور اس غرض کے حاصل کرنے میں ان کو مالی مدد دینے میں کبھی انکار نہوتا تھا - بے دریغ روپیہ دیتے تھے اور اکثر بڑی بڑی رقمیں دبو بیٹھتے تھے - کہا کرتے تھے "میاں میں سچ کہتا ھوں کہ اس تجارت کے شوق میں تین لاکھہ روپیہ کھو بیٹھا ھوں - پھر بھی جو کچھہ مجھے بعض کھرے دوکانداروں سے فائدہ پہنچا ھے اس نے میرے نقصان کی تلافی ھی نہیں کر دی بلکہ کچھہ نفع ھی پہنچا دیا ھے - بیٹا تم بھی تجارت کرو - روپیہ میں دیتا ھوں - نوکری کی کھکیڑ اٹھاؤگے تو مزا معلوم ھوگا" - جس طرح روپیہ دل کھول کر دیتے تھے اسی طرح حساب بھی بڑی سختی سے لیتے تھے- گرمی ھو یا جاڑا' دھوپ ھو یا مینہ قرضداروں کے ھاں ان کا روزانہ چکر نہیں چھوٹتا تھا - گئے اور جاتے ھی پہلے "غلق" پر قبضہ کیا - اس کے بعد کھاتہ دیکھا' کردی دیکھی' سامان دیکھکر بکری کا اندازہ کیا' روپیہ جیب میں ڈالا' سلام علیکم وعلیکم السلام کیا اور چلدئے - دوسرے دوکاندار کے پاس پہنچے اور وھاں بھی وھی پہلا سبق دھرایا - کوڑی کوڑی کا حساب دیکھتے' اعتراضوں کی بوچھاڑ سے پریشان کرتے اور کہتے جاتے "بھئی حساب جو جو بخشش سو سو" - فقرے کے پہلے جزو سے تو بیچاروں کو روزانہ واسطہ پڑتا لیکن دوسرے جزو کا دیکھنا کبھی کسی کو نصیب نہ ھوا - یہ ضرور ھے کہ اگر واقعی بازار کے مندہ ھونے یا کسی اور وجہ سے ان کے کسی قرضدار کا نقصان ھو جاتا یا دیوالہ نکل جاتا تو پھر اس قرضے کا ذکر زبان پر نہلاتے - ان کو خیال تھا کہ دھلی کے پنجابی تجارت خوب سمجھتے ھیں' ان کو دل

کھول کر روپیہ دیتے تھے اور اکثر انھیں کے ھاتھوں نقصان اٹھاتے تھے - مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ھوں - ایک صاحب جن کا نام ظاھر کرنا مناسب نہیں مولوی صاحب کے پاس آئے - تجارت کا ذکر چھیڑا - اور مولوی صاحب کو ولایتی جوتوں کے فائدے کے وہ سبز باغ دکھائے کہ تیسرے ھی روز بلا کسی طمانیت کے گیارہ ہزار روپئے کا چک مولوی صاحب نے ان کے نام لکھہ دیا - بڑے ٹھاٹھہ سے سنہری مسجد کے قریب دوکان کھولی گئی - مولوی صاحب جاتے' گھڑي دو گھڑی وھاں بیٹھتے - دوکاندار صاحب کی لچھے دار باتیں سنتے - چلتے وقت کچھہ روپئے جیب میں ڈالنے کو مل جاتے اس لئے خوش خوش بغیر حساب کئے گھر آجاتے - یہی ٹھوکر تھی جس نے مولوی صاحب کو چوکنا کر دیا تھا اور وہ بغیر حساب کتاب دیکھے روپئے کو ھاتھہ لگانا گناہ سمجھتے تھے - قصہ مختصر - اصل میں سے دو تہائی ہزار روپیہ مولوی صاحب کو تھما اس نے دیوالہ نکال دیا - قرقی ھوئی' مال نیلام چڑھا اور اس میرے یار نے کُل سامان دوسروں کے ذریعہ سے خود خرید لیا - مولوی صاحب کو اس چال کی کانوں کان خبر نہ ھوئی - اس کے بعد آیا' بہت رویا' بہت آنسوے بہائے' مولوی صاحب سمجھے بیچارے کو بڑا رنج ھوا - کہا "جاؤ بھئی جاؤ' تجارت میں یہی ھوتا ھے یا اس پار یا اُس پار" - چلو گئی گزری بات ھوئی - ایک روز خدا کا کرنا کیا ھوتا ھے کہ یہ چاوڑی میں جا رھے تھے' کچھہ جھٹپٹا ھوا تھا کیا دیکھتے ھیں کہ دوکاندار صاحب خوب پیئے ھوے' عطر میں بسے' پھولوں کا کنٹھا گلے میں ڈالے ایک رنڈی کا ھاتھہ پکڑے کوٹھے سے اُترے اور آکر ایک کُھلی گاڑي میں سوار ھوے - مولوی صاحب نے جو یہ رنگ دیکھا تو وھیں ٹھٹک گئے - اتنے میں انھوں نے بھی مولوی صاحب کو دیکھا' بہت مسکرا کر سلام کیا - رنڈي نے چپکے چپکے کچھہ دریافت کیا تو ایک قہقہہ لگایا اور اونچی آواز میں کہا کہ "یہ سب کچھہ مولوي صاحب ھی کی جوتیوں کا صدقہ ھے" - مولوی صاحب کے آگ لگ گئی - دوسرے دن ھی نالش ٹھونک دي اور آخر ان کو ٹھکانے لگا کر دم لیا -

لوگوں نے سفارشیں بھی کیں' انھوں نے خود بھی آکر بہت کچھہ توبہ تلہ کی لیکن یہ نہ ماننا تھا نہ مانے - اور آخر جب اس کو کھک کر دیا اس وقت ان کو چین آیا —

دین لین سب کچھہ کرتے تھے مگر حساب کتاب صرف دوسروں کی کتابوں یا ان کے دل میں تھا - کچھہ تھوڑا بہت لوگوں کے کہنے سننے سے متفرق پرچوں پر لکھہ بھی لیا تھا - لیکن اتنے بڑے بیوپار کے لئے جیسا دفتر چاھئے وہ انھوں نے نہ رکھنا تھا نہ رکھا —

سود لینا وہ جائز سمجھتے تھے - اگر کوئی حجت کرتا تو مارے تاویلوں کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے - ایک تو حافظ دوسرے عالم تیسرے لسان ' بھلا ان سے کون ور آسکتا تھا - اور تو اور خود مجھہ سے سود لینے کو تیار ھوگئے - واقعہ یہ ھے کہ ھم پر متفرق قرضے تھے - خیال آیا کہ ایک جگہ سے قرض لیکر سب کو ادا کر دیا جائے - قرضہ کس سے لیا جائے ' یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا - ھر پھر کر مولوی صاحب ھی پر نظر جاتی تھی - آخر ایک دن جی کڑا کر کے میں نے مولوی صاحب سے سوال کر ھی دیا - کہنے لگے " کتنا روپیہ چاھئے " - میں نے کہا " بارہ ھزار " - بولے " ضمانت " میں نے کہا " چوڑیوالوں والا مکان " - پوچھا "کتنی مالیت کا ھے " - میں نے کہا " کوئی ساٹھہ ستر ھزار روپئے کا " - فرمایا " کل قبالہ لیتے آنا " - میں نے دل میں سوچا چلو چھٹی ھوئی - بڑی جلدی معاملہ پٹ گیا - دوسرے دن قبالہ لیکر پہنچا - پڑھکر کہا " ٹھیک ھے مگر بیٹا سود کیا دوگے " - میں نے کہا " مولوی صاحب آپ اور سود " کہنے لگے " کیوں اس میں کیا ھرج ھے ' میں نہ دونگا تو کسی ساھوکار سے لوگے ' اس کو خوشی سے سود دوگے - ارے میاں مجھے کچھہ فائدہ پہنچاوگے تو دین دنیا دونوں میں بھلا ھوگا - آخر میں تمھارا اوستاد ھوں یا نہیں - میرا بھی کچھہ حق تم پر ھے یا نہیں جاؤ شاباش بیٹا اپنے چچا سے جا کر تصفیہ کر آؤ - کل ھی چک بنگال بنک کے نام لکھے دیتا ھوں " میں نے کہا " مولوی صاحب

لوگ کیا کہینگے کہ مولوی ہوکر سود لیتے ہیں اور لیتے ہیں کس سے اپنے شاگردوں سے " - کہنے لگے " اس کی پرواہ نہ کرو جب مجھ پر کفر کا فتوی لگ چکا ہے تو اب مجھے ڈر ہی کیا رہا - جاؤ تمہارے ساتھ یہ رعایت کرتا ہوں کہ اوروں سے روپیہ سیکڑا لیتا ہوں تم سے چودہ آنے لونگا "- سبن نے آکر گھر میں ذکر کیا ہم کو دوسری جگہ سے آٹھ آنے سینکڑے پر روپیہ مل گیا اس لئے یہ معاملہ یونہی کا یونہی رہ گیا --

لیجئے یہ قصے تو سنا چکا - اب اصل کہانی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم کے واقعات جو ان کی زبانی سنے تھے بیان کرتا ہوں --

ایک روز مولوی صاحب معلقات پڑھا رہے تھے ' عمرو بن کُلثوم کا قصیدہ تھا جب اس شعر پر پہنچے :--

ابا هند فلا تعجل علینا   و انظرنا نخبرک الیقینا

تو بہت ہنسے - کتاب رکھدی اور ہنستے ہنستے لوٹ گئے - ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ الہی یہ کیا ماجرا ہے - شعر میں کوئی ہنسی کی بات نہیں ' پھر مولوی صاحب کو یہ کیا مرض اٹھا ہے - آخر جب ہنسنے کا ذرا زور کم ہوا تو وجہ دریافت کی - مولوی صاحب پھر ہنسنے لگے - تھوڑی دیر کے بعد سنبھل کر بولے - " میاں بعض شعر قصہ طلب ہوتے ہیں - یہ شعر میری زندگی کے قصے کا آغاز ہے - اچھا لو سنا تا ہوں - مگر پہلے تمہید سن لو - بھئی ہم بہت غریب لوگ تھے - نہ کھانے کو روٹی نہ پہننے کو کپڑا- تعلیم کا شوق تھا اس لئے پھرتا پھراتا پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں ٹھیر گیا - یہاں کے مولوی صاحب بڑے عالم تھے - ان سے پڑھتا اور توکل پر گزارہ کرتا - مولوی صاحب کے دو چار شاگرد اور بھی تھے؛ انہیں بھی پڑھاتے' مجھے بھی پڑھاتے- دن رات پڑھنے کے سوا کچھ کام نہ تھا - تھوڑے سے دنوں

میں کلام مجید پڑھکر میں نے ادب پڑھنا شروع کیا - چار پانچ برس میں
معلقات پڑھنے لگا - گو عمر میری بارہ سال کی تھی مگر قد چھوٹا ہونے کي
وجہ سے نو دس برس کا معلوم ہوتا تھا - پڑھنے کے علاوہ میرا کام روٹیاں
سمیٹنا بھی تھا - صبح ہوئی اور میں چھبڑی ہاتھہ میں لیے گھر گھر روٹیاں
جمع کرنے نکلا - کسی نے رات کی بچی ہوئی دال ہی دیدی ' کسی نے قیمے
کی لگدی ہي رکھدی ' کسی نے دوتین سوکھی روٹیوں ہي پر ٹرخایا -
غرض رنگ برنگ کا کھانا جمع ہوجاتا - مسجد کے پاس ہی عبدالخالق
صاحب کا مکان تھا - اچھے کھاتے پیتے آدمی ہیں - انہی کے بیٹے ڈپٹی عبدالحامد
ہیں جو سامنے والے مکان میں رہتے ہیں - ان کے ہاں سرا قدم رکھنا مشکل تھا
ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ' اُدھر اُن کی لڑکی نے ٹانگ لی - جب تک
سیر دوسیر مصالحہ مجھہ سے نہ پسوالیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی
کا ٹکڑا دیتی خدا جانے کہاں سے محلے بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی - پیستے
پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑگئے تھے ' جہاں میں نے ہاتھہ روکا اور
اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا - بخدا جان سی نکل جاتی تھی -
میں نے مولوي صاحب سے کئی دفعہ شکایت بھی کی مگر انھوں نے ٹالدیا -
خبر نہیں مجھہ سے کیا دشمنی تھي چلتے چلتے تاکید کردیا کرتے تھے کہ
عبدالخالق صاحب کے مکان میں ضرور جانا - بھرحال مارا دھاڑی روز وہاں
جانا پڑتا اور روز یہی مصیبت جھیلنی پڑتي - تم سمجھے بھی کہ یہ لڑکي
کون تھی - میاں یہ لڑکي وہ تھی جو بعد میں ہماری بیگم صاحبہ ہوئیں -
جب سوچتا ہوں تو پچھلا نقشہ آنکھوں میں پھرجاتا ہے اور بے اختیار ہنسی
آجاتي ہے - اکثر ہم دونوں پہلی باتوں کو یاد کرتے اور خوب ہنستے تھے'
خدا غریق رحمت کرے - جیسی بچپن میں شریر تھیں ویسی ہی جوانی
میں غریب ہوگئیں - ان کے مرنے کے بعد ہماری تو زندگی کا مزا جاتا رہا-

بھئی دیکھنا میں نے بھي کیسے مزے کی تاریخ کہی ھے''- اس کے بعد انھوں نے عربی کے چار پانچ اشعار کا قطعہ سنا یا سادہ تاریخ '' لھاغفر '' تھا - میں نے بڑی زور سے '' اوں ھوں'' کی، بگڑ کر میري طرف دیکھا اور کہا '' کیوں آپ کو اس پر کوئی اعتراض ھے '' - میں نے عرض کی جي نہیں ' لیکن اس قطعہ کو سنکر مجھے دبیر کی ایک رباعی یاد آگئی - کیا خوب لکھی ھے ' فرماتے ھیں —

هم شان نجف نه عرش انور ٹھیرا
میزاں میں یہ بھاری وہ سبکتر ٹھیرا
اس پلے میں تھا نجف اور اس پلے میں عرش
پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر ٹھیرا

بڑے غور سے سنتے رھے - پھر کہنے لگے ''یہ تو بے معنی ھے - نجف کی جگہ دنیا کی جس چیز کو رکھہ دو اس سے یہ رباعی متعلق ھوجائے گی اور وہ عرش سے بھاری ثابت ھوگی''- میں نے عرض کی کہ آپ کے قطعہ کو اس سال میں مرنے والی جس عورت سے متعلق کردو متعلق ھوجائیگا - اس تاریخ میں خوبی ھی کیا ھے' اول تو ایسی عام تاریخیں کچھہ قابل تعریف نہیں ھوئیں دوسرے سر سید کے تاریخ انتقال ''غفرله'' پر آپ نے صرف الف کا اضافہ کرکے اس کو اپنا مال کرلیا ھے- مسکراکر کہنے لگے- ''اچھا بھئی تو ھی سچا سہی - اچھا اب اس جھگڑے کو چھوڑو اور میری اصل کہانی کو لو - ھاں تو فرصت کے وقت ھم دھلی کی گلیوں کا چکر لگاتے' کبھی کبھی کشمیری دروازہ کی طرف بھی نکل جاتے - ایک روز جو کشمیری دروازہ کی طرف گیا تو دیکھا کہ دھلی کالج میں بڑا ھجوم ھے - کالج وھاں تھا جہاں اب گورنمنٹ اسکول ھے؛ میں بھی بھیڑ میں گھس گیا - معلوم ھوا کہ لڑکوں کا امتحان لینے مفتی صدرالدین صاحب آئے ھیں - ھم نے کہا چلو ھم بھی دیکھیں - بر آمدے میں پہنچا - قد چھوٹا تھا لوگوں کی ٹانگوں میں سے ھوتا ھوا گُھس گُھسا کر کمرے کے دروازہ تک پہنچ ھی گیا - دیکھا کہ کمرے کے بیچ میں میز بچھی ھے اس کے

سامنے کرسی پر مفتی صاحب بیٹھے ھیں - ایک ایک لڑکا آتا ھے اس سے سوال کرتے ھیں اور سامنے کاغذ پر کچھہ لکھتے جاتے ھیں - میز کے دوسرے پہلو کی کرسی پر ایک انگریز بیٹھا ھے - یہ مدرسے کے پرنسپل صاحب تھے - تماشے میں محو تھا کہ صاحب کسی کام کے لئے اُٹھے - چپراسیوں نے رستہ صاف کرنا شروع کیا - جو لوگ دروازہ روکے کھڑے تھے وہ پیچھے نہ ھٹتے تھے - چپراسی زبر دستی دھکیل رھے تھے - غرض اس دھکا پیل میں میرا قلیہ ھوگیا - دروازے کے سامنے سنگ مرمر کا فرش تھا - اس پر سے میرا پاؤں رپٹا اور میں دھم سے گرا - اتنے دیر میں پرنسپل صاحب بھی دروازہ تک آگئے تھے - اُنھوں نے جو مجھے گرتے ھوے دیکھا تو دوڑ کر میری طرف بڑھے - مجھے اُٹھایا - پوچھتے رھے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی - ان کی شفقت آمیز باتیں اب تک میرے دل پر کالنقش فی الحجر ھیں - باتوں باتوں ھی میں پوچھا "میاں صاحب زادے کیا پڑھتے ھو'' - میں نے کہا "معلقات'' - ان کو بڑا تعجب ھوا - پھر پوچھا - میں نے پھر وھی جواب دیا - میری عمر پوچھی - میں نے کہا "مجھے کیا معلوم'' - وہ میرا ھاتھہ پکڑ بجائے اپنے کام کو جانے کے سیدھا مجھہ کو مفتی صاحب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے "مفتی صاحب یہ لڑکا کہتا ھے میں معلقات پڑھتا ھوں - ذرا دیکھئے تو سہی سچ کہتا ھے - یا یونہی باتیں بناتا ھے'' - مفتی صاحب نے کہا "تو کیا پڑھتا ھے'' - میں نے کہا "معلقات'' - کہنے لگے "کہاں پڑھتا ھے'' - میں نے کہا "پنجابیوں کے کٹرے کی مسجد میں'' پھر کہا - "معلقات دوں' پڑھیگا'' - میں نے کہا "لائیے'' - اُنھوں نے میز پر سے کتاب اُٹھائی - میرے ھاتھہ میں دیدی - اور کہا "یہاں سے پڑھ'' جس شعر پر اُنھوں نے انگلی رکھی تھی - وہ یہی شعر تھا -

آبا ھند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا

میں نے پڑھا معنے بیان کئے - اُنھوں نے ترکیب پوچھی وہ بیان کی - میاں دانی تمھاری طرح میں نے شعر نہیں پڑھا تھا اور مرزا فرحت صاحب تمھاری طرح ترکیب نہیں کی تھی (مولوی صاحب کا یہ اشارہ ھماری کمزوریوں کی طرف

تھا اس کا ذکر آئندہ آئے گا) مفتی صاحب بہت چکرائے - پوچھنے لگے "تجھہ کو کون پڑھاتا ھے"- میں نے کہا - "مسجد کے مولوی صاحب" کہا "مدرسے میں پڑھیگا" - میں نے جواب دیا - "ضرور پڑھوں گا" - مفتی صاحب نے قلم اُٹھا کاغذ پر چند سطریں لکھیں اور پرنسپل صاحب کو دے کر کہا "اس کو پرسیڈنٹ صاحب کے پاس پیش کر دینا" - ھم وھاں سے نکل اپنے گھر آئے - مولوی صاحب سے کچھہ نہ کہا - کوئی سات آٹھہ روز کے بعد کالج کا چپراسی مولوی صاحب کے پاس ایک کاغذ دے گیا- اس میں لکھا تھا کہ نذیر احمد کو کالج میں داخل کرنے کی اجازت ھوگئی ھے - کل سے آپ اس کو کالج میں آنے کی ھدایت کردیجئے - اس کا وظیفہ ھوگیا ھے- چپراسی تو یہ حکم دے چلتا بنا - مولوی صاحب نے مجھہ کو بلایا - خط دکھایا - پوچھا یہ کیا معاملہ ھے - میں نے کچھہ جواب نہیں دیا - جب ذرا سختی کی تو میں نے واقعہ بیان کیا - وہ بہت خوش ھوے اور دوسرے روز لے جا کر میرا ھاتھہ پرنسپل صاحب کے ھاتھہ میں دے دیا - اس زمانے میں سید احمد خاں فارسی کی جماعت میں' منشی ذکاء اللہ حساب کی جماعت میں اور پیارے لال انگریزي کی جماعت میں پڑھتے تھے' میں عربی کی جماعت میں شریک ھوا - ایک تو شوق' دوسرے پڑھانے والے ھشیار' تیسرے ایک مضمون 'ور وہ بھی ایسا جس کا مجھے بچپن سے شوق تھا' تھوڑے ھی دنوں میں اپنی جماعت والوں میں سب کو دبا لیا- اب جب کبھی یہ شعر پڑھتا ھوں تو پہلا زمانہ یاد آجاتا ھے اور میں بے اختیار ھنسنے لگتا ھوں - یہ کہتے ھی انھوں نے لہک لہک کر یہ شعر

آبا ھند فلا تعجل علینا   و آنظرنا نخبرک الیقینا

پڑھنا اور ھنسنا شروع کیا —

میں نے کہا " مولوی صاحب آپ کی جماعت کہاں بیٹھتی تھی" - کہنے لگے - " پرنسپل صاحب کے کمرے کے بازو میں جو چھوٹا کمرہ ھے اس میں ھماری جماعت تھی - دوسرے پہلو میں جو کمرہ ھے اس میں فارسی کی جماعت" دانی نے کہا " مولوی صاحب آپ کے اختیاری مضمون کیا تھے" - مولوی صاحب ھنسے اور کہا -

"میاں دانی! ہم پڑھتے تھے' آج کل کے طالب علموں کی طرح چوتڑوں سے گھانس نہیں کاٹتے تھے۔ (مولوی صاحب اس فقرہ کا اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ معلوم نہیں کہاں کا محاورہ ہے) ارے بھئی ایک ہی مضمون کی تکمیل کرنا دشوار ہے' آج کل پڑھاتے نہیں لادتے ہیں۔ آج پڑھا کل بھولے۔ تمھاری تعلیم ایسی دیوار ہے جس میں گارے کا بھی ردا ہے' ٹھیکریاں بھی گھسیڑ دی گئی ہیں' مٹی بھی ہے' پتھر بھی ہے' کہیں کہیں چونا اور اینٹ بھی ہے۔ ایک دھکا دیا اور آڑا ڑا دھم گری۔ ہم کو اُس زمانے میں ایک مضمون پڑھاتے تھے مگر اس میں کامل کردیتے تھے۔ پڑھانے والے بھی ایرے غیرے پچکلیان نہیں ہوتے تھے' ایسے ایسے کو چھانٹا جاتا تھا جن کے سامنے آج کل کے عالم محض کاٹھ کے اُلو ہیں۔ اچھا بھئی اچھا آگے چلو۔

بانا نورد الرایات بیضا و نصدر ھن حمراً قد روینا

میں نے کہا مولوی صاحب پہلے شعر کے تو معنی رہ ہی گئے۔ کہنے لگے اتنا بڑا قصہ سنا دیا اس کے بعد بھی اس شعر کے معنوں کی ضرورت ہے۔ پس اس کے یہی معنی ہیں کہ تحقیق ایک ملا کا بیٹا ڈاکٹر ڈپٹی شمش العلماء ایل ایل ڈی ہو گیا' ساتھ آسانی کے' بیچ اسی دلی کے' بوجہ اس شعر کے —

مولوی صاحب کی تعلیم کا حال سن چکے۔ اب ہماری تعلیم کا حال سنئیے اور قصہ کو سراج الدین صاحب کی دوکان کے واقعہ کے دوسرے روز سے لیجئیے —

میں اور میاں دانی ساڑھے گیارہ بجے مدرسہ سے آئے کھانا دانا کھا یا سبق کا مطالعہ کیا اور ایک بجے نکل کھڑے ہوئے۔ مکان کا پتہ پوچھتے پوچھاتے ڈیڑھ میں پانچ منٹ تھے کہ مولوی صاحب کے دروازے پر جا دھمکے۔ دروازے کی ایک چوکی پر میں اور دوسرے پر میاں دانی ڈٹ گئے۔ سامنے ہی کمرہ تھا بی چھاری رسی ہاتھ میں لئے اونگھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی رسی کو ایک آدھ جھٹکہ دیدیتی تھیں۔ کمرہ کے اندر مولوی صاحب تھے۔ لیکن دروازہ بند تھا اس لئے دکھائی نہ دیتے تھے۔ اب یہ خیال ہوا کہ یہ مولوی صاحب ہی کا

مکان ھے یا کسی دوسرے کا - اندر زنانہ تو نہیں ھے غرض اس شش و پنج میں تھے کہ مولوی صاحب کے کمرہ کے گھنٹے نے ٹن سے تیرہ بجا یا - ھم دونوں اُٹھے اور دبے پاؤں چوروں کی طرح اندر داخل ھوئے - گھر میں سناٹا تھا - بی چماری نے سربھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ کون جا رھا تھا - کمرہ کا ایک دروازہ کھلا تھا اس میں گردن ڈال کر جھانکا - چونکہ روشنی سے اندھیرے میں آئے تھے اس لئے کچھ دکھائی نہیں دیا - اندر سے کسی نے ڈانٹ کر کہا "کون ھے" - اس آواز کو پہچان کر ھم تو سنبھل گئے - مگر بی چماری اچھل پڑیں اور بےاختیار انکے منہ سے گنبد کی آواز کی طرح نکلا "کون ھے" میں نے کہا "میں اور دانی" - مولوی صاحب نے کہا "آؤ' بیٹا اندر آؤ" - مولوی صاحب فوراً پلنگ پر اُٹھ بیٹھے اور تہمد کو سنبھالتے ھوے نیچے اتر آئے پوچھا "کیا پڑھتے ھو" - ھم نے کتاب پیش کی - تھوڑی دیر تک اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رھے - اس کے بعد کہا "بھئی ایک کتاب میرے لئے بھی لیتے آنا" - ھم نے اپنی ایک کتاب ان کو دیدی اور دوسری سے دونوں نے ملکر کام نکالا - کب پڑھایا اور کس طرح پڑھایا' اس کا میں آئندہ ذکر کروں گا - ھاں یہ ضرور ھے کہ جب پڑھ کر اُٹھے تو سب کچھ یاد تھا' مگر دماغ پر کسی قسم کا بار نہ معلوم ھوتا تھا خوشی خوشی گھر آئے - چلو اللہ دے اور بندہ لے—

ھم نے بھی کالج میں مولوی صاحب کی تعریفوں کے پل باندھ دئے - یہاں تک کہ یہ آواز ھندو کالج کے طلباء کے کان تک پہنچی - وھاں کے ایک طالبعلم مسٹر رضا کے دل میں گدگدی اُٹھی - وہ آئے - ھم سے ملے اور کہا "بھئی میں بھی تمہارے ساتھ چلوں - مولوی صاحب انکار تو نہ کریں گے" - ھم نے کہا "چلو اور ضرور چلو' مولوی‌صاحب کا کیا بگڑتا ھے - دو کو نہ پڑھایا تین کو پڑھایا" - انھوں نے کہا "نہیں پہلے مولوی صاحب سے پوچھ لو" - ھم نے کہا "یار چلو بھی' اگر انھوں نے کچھ کہا تو ھمارا ذمہ" - وہ نہ راضی ھوے اور یہی کہا کہ پہلے پوچھ لو - اس عرصے میں ھماری ھمت مولوی صاحب کے سامنے بہت بڑھ گئی تھی - دوسرے دن جاتے ھی رضا

کا ذکر کیا- انھوں نے کہا ''لیتے کیوں نہ آئے''- ہم نے کہا "وہ ذرا شرمیلے ہیں' بغیر اجازت آنا نہیں چاہتے''- انھوں نے کہا "طالبعلم شرمیلا ہوا اور ڈوبا - خیر کل ضرور ساتھ لانا- ذرا ان کا بھی رنگ دیکھ لوں''- شام کو واپسی کے وقت جاتے جاتے فراش خانے میں ہم نے رضا کو مولوی صاحب کا اجازت نامہ پہنچا دیا اور کہہ دیا کہ بھئی پورے ڈیڑھ بجے پہنچ جانا ورنہ اندر گھسنا نہ ملے گا- دوسرے دن جو ہم پہنچے تو وہ پہلے ہی سے دروازہ پر دھنی دئے بیٹھے تھے- ٹھیک ڈیڑھ بجے ہم اندر داخل ہوے- مولوی صاحب ہم کو دیکھتے ہی پلنگ پر اُٹھ بیٹھے اور کہا ''لاؤ کتاب'' - ہم نے کتاب طاق پر سے اتار ان کے ہاتھ میں دی- اور وہ کتاب لیتے لیتے نیچے آبیٹھے- اور کہا ''اچھا یہ ہیں میاں رضا'' - بچارے رضا نے گردن جھکا کر کہا ''جی ہاں''- مولوی صاحب نے کہا ''اچھا بھئی شروع کرو''—

ہمارے پڑھنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک روز میں پڑھتا تھا' دوسرے روز میاں دانی- اب اس کو ہماری شرارت کہو یا محض اتفاق' ہم دونوں چپکے بیٹھے رہے- جب اس خاموشی نے طول کھینچا تو مولوی صاحب نے کہا "ارے بھئی آج تم پڑھتے کیوں نہیں' کیا منہ میں گھنگنیاں بھر کر آئے ہو- اچھا میاں رضا تم ہی شروع کرو''- رضا نے صفحہ پوچھا اور پڑھنا شروع کیا- مگر اعراب کی غلطیاں سمجھ سے کم کیں تو نظم کو نثر' میاں دانی سے زیادہ بنا دیا- ایک آدہ شعر تک تو مولوی صاحب چپکے سنتے رہے- اس کے بعد کہنے لگے "واہ بھئی واہ ہم کو بھی عجب نمونے کے شاگرد ملے ہیں- میاں رضا اگر ہم تم کو ایک نیک صلاح دیں تو مانو گے"- رضا نے نہایت شرمیلی آواز میں گردن جھکا کر کہا "بسر و چشم"- مولوی صاحب نے کہا " دیکھو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا'' - انھوں نے کہا ''جی نہیں''- مولوی صاحب نے کہا "اچھا تو میری یہ صلاح ہے کہ کل سے تم میرے ہاں نہ آنا''- یہ سن کر وہ بچارے کچھ پژمردہ سے ہو گئے- مولوی صاحب نے کہا '' بھئی رضا میں یہ نہیں کہتا کہ میرے ہاں آنا ہی چھوڑ دو' میں تم کو بھی ضرور پڑھاؤں گا

مگر تم دس پندرہ روز شام کے وقت کالی جان کے ہاں تعلیم میں ہو آیا کرو۔ اتنے دنوں کے آنے جانے میں تمہارے کانوں کو نظم اور نثر کا فرق معلوم ہونے لگے گا۔ بھئی مجھ سے تو شعروں کے گلے پر چھری پھیرتے دیکھا نہیں جاتا۔ بچارے متنبی کو کیا خبر تھی کہ بتاشوں کی گلی میں نذیر احمد کے کمرے میں اس کے اشعار مولوی رضا صاحب اس طرح حلال کریں گے"۔ بچارے رضا کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ خدا خدا کر کے سبق ختم ہوا اور ہم سب رخصت ہوے۔ راستے میں ہم نے ان کو بہت بنایا۔ دوسرے روز سے وہ ایسے غائب ہوے کہ پھر شکل نہ دکھائی —

مسٹر رضا کی حیا کا حال تو سن چکے۔ اب ہماری بے حیائی کی داستان سنئیے۔ میری صرف و نحو بہت کمزور تھی اور کمزور کیوں نہوتی شروع کئے ہوے کے دن ہوے تھے، اعراب میں ہمیشہ غلطی کرتا تھا، نثر کو تو سنبھال لیتا تھا مگر نظم میں دقت پڑتی تھی۔ شعر خود بھی کہتا تھا، دوسروں کے ہزاروں اشعار یاد تھے اس لئے شعر کو تقطیع سے گرنے نہ دیتا تھا۔ میاں دانی کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ اعراب کی غلطی نہ کرتے تھے مگر شعر کو نثر کر دیتے تھے، سکتے تو کیا جھٹکے پڑ جاتے تھے۔ مولوی صاحب ہم دونوں کے پڑھنے سے بہت جزبز ہوتے تھے۔ ایک دن یہ ہوا کہ میرے پڑھنے کی باری تھی۔ میں نے ایک شعر پڑھا۔ معلوم نہیں کہ کہاں کے اعراب کہاں لگا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا "ہیں کیا پڑھا"۔ میں سمجھا کہ اعراب میں کہیں غلطی ضرور ہوئی۔ تمام اعرابیں بدل کر شعر موزوں کر دیا۔ انھوں نے پھر بڑے زور سے "ہوں" کی، ہم نے پھر اعراب بدل دئے۔ اس سے ان کو غصہ آگیا۔ کہا "دانی تم تو پڑھو"۔ انھوں نے شعر کا گلا ہی گھونٹ دیا۔ خاصے بھلے چنگے شعر کو نثر بنا دیا۔ اب کیا تھا مولوی صاحب کا پارہ ایک سو دس ڈگری پر چڑھ گیا۔ کتاب اُٹھا کر جو پھینکی تو کمرہ سے گزر دالان میں ہوتی ہوئی صحن میں پہنچی، اور نہایت غصیلی آواز میں کہا "نکل جاؤ

ابھی میرے گھر سے نکل جاؤ - نہ تم مجھہ سے پڑھنے کے قابل ہو اور نہ میں تمھارے پڑھانے کے لایق'' - دانی نے میری طرف دیکھا' میں نے دانی کی طرف دیکھا۔ انھوں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں کہا' "چلو''- میں نے آنکھوں ھی آنکھوں میں جواب دیا "ھر گز نہیں''- انھوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا' میں نے ان کا زانو دبا دیا - مولوی صاحب کی یہ حالت تھی کہ شیر کی طرح بپھر رھے تھے- آخر جب دیکھا کہ یہ اونٹے ٹس سے مس نہیں ھوتے تو کہنے لگے کہ اب جاتے ھو یا نہیں - میں نے کہا " مولوی صاحب جب تک کوئی دھکے دیکر نہ نکالیگا اس وقت تک تو ھم جاتے نہیں اور جائینگے تو ابھی پھر آجائینگے '' - مولوی صاحب نے جو یہ بے حیائی دیکھی تو ذرا نرم ھوے - کہنے لگے - " اچھا نہیں جاتے تو نہ جاؤ - مگر میں ایک حرف تم کو نہ پڑھاونگا ''- میں نے کہا " نہ پڑھائیے ' مگر بغیر پڑھے ھم یہاں سے ھلینگے نہیں'' کہنے لگے " بیٹا اس وقت میری طبیعت خراب ھو گئی ھے - اب چلے جاؤ ' کل آجانا ''- دانی نے سچ جانا ' میں سمجھا کہ اس وقت اٹھے اور مولوی صاحب ھاتھہ سے گئے - دانی اٹھہ کھڑے ھوے - میں نے پکڑ کر ان کو بٹھا لیا - مولوی صاحب یہ تماشہ دیکھتے رھے - میں نے کہا " مولوی صاحب پڑھینگے تو آج پڑھینگے اور آج پڑھینگے تو اس وقت پڑھینگے - پڑھانا ھے تو پڑھائیے ورنہ ھم یہاں سے نہ ٹلے ھیں نہ ٹلینگے '' - آخرکار ھم جیتے اور مولوی صاحب ھارے- کہنے لگے " خدا محفوظ رکھے ' تم جیسے شاگرد بھی کسی کے نہونگے - شاگرد کیا ھوے اوستاد کے اوستاد ھوگئے- اچھا بھئی میں ھارا ' میں ھارا'-میں ھارا ' اچھا خدا کے لئے کتاب اٹھا لاؤ اور سبق پڑھکر میرا پنڈ چھوڑو' دیکھئے کونسا دن ھوتا ھے کہ میرا تم سے چھٹکارا ھوتا ھے''-میں جاکر صحن میں سے کتاب اٹھا لایا اور مولوی صاحب جیسے تھے ویسے کے ویسے ھوگئے - کہا کرتے تھے کہ اگر اُس روز تم چلے جاتے تو میرے گھر میں گھسنا نصیب نہ ھوتا ' میں تمھارے شوق کو آزماتا تھا مگر تم نے مجھے ھی

آزما ڈالا۔ خدا ایسے شاگرد سب کو نصیب کرے۔ یہ بے حیائی نہیں میاں یہ شوق ہے۔ علم کا جس کو چسکا ہوتا ہے وہ بری بھلی سب ہی کچھ سنتا ہے؛ بد شوق بھاگ نکلتے ہیں اور شوقین اوستاد کو دبا لیتے ہیں " —

پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی نے کتاب میں سے ایک شعر پڑھا اور مولوی صاحب نے کتاب اُلٹ کر میز پر رکھدی - پہلے دانی کی طرف متوجہ ہوے اور صرف و نحو کے نکات پر بحث شروع ہوئی - اس بحث میں مجھے بارہ پتھر باہر سمجھہ لیا جاتا تھا کبھی میں نے دخل بھی دیا تو مولوی صاحب نے فرمایا - آپ مہربانی کرکے اس بارے میں اپنے دماغ پر زور ڈالنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیے " - اس کے بعد معنی بیان کئے ' نکات بتائے اور پھر اسی مضمون کے شعر اور مقولوں کا سلسلہ چھڑا - اب میاں دانی خارج از بحث ہوگئے - اول تو مجھے یونہی ہزاروں شعر یاد تھے ' دوسرے خاص طور پر تیار ہو کر جاتا تھا - مولوی صاحب اگر ایک شعر پڑھتے تو میں دو پڑھنے کو تیار ہوجاتا - غرض جب فریقین اپنا ہندوستانی گولہ باروت ختم کر چکتے تو یورپ اور انگلستان کے شعرا اور فلسفیوں کے مقولوں کا نمبر آتا - اس میں دانی بھی شریک ہوجاتے - اگر کوئی قصہ طلب شعر ہوا اور اسي قسم کا کوئی ماجرا مولوی صاحب پر گزرا تھا تو اس قصے کے ساتھہ اپنا قصہ بھي ضرور بیان کر دیتے - غرض ایک شعر کی تصریح میں آدہ آدہ گھنٹہ گذر جاتا - مگر اس کے بعد جو وہ شعر ذہن نشین ہوتا تو اس کا محو ہونا مشکل تھا - چنانچہ اب تک مجھے اکثر شعر یاد ہیں۔ اگر کوئی رزمیہ قصیدہ ہوا تو اس سلسلے میں اکثر غدر کے حالات بیان کرتے اور جو کچھہ شرفائے دهلي پر اس طوفان بے تمیزی میں گزری تھی اس کی داستان نہایت دردناک الفاظ میں سناتے - اکثر کہا کرتے تھے " میاں بچارا بہادر شاہ مجبور تھا - کسی اور پر بھی اگر یہی مصیبت نازل ہوتي

تو وہ بھی اسی طرح ان بد معاش تلنگوں کے ھاتھہ میں ناچتا - یہ لوگ کوئی بادشاہ کو فائدہ پہنچانے تھوڑی آئے تھے ان کی غرض تو شہر لوٹنا تھی، وہ پوری ہوئی اور انھوں نے دهلی کو پھک کر دیا - ایک روز میں دریبہ میں سے جارھا تھا کیا دیکھتا ھوں کہ ایک فوج کی فوج تلنگوں کی آرھی ھے - میں بھی دبک کر گلاب گندھی کی دوکان کے سامنے کھڑا ھوگیا - آگے آگے بینڈ والے تھے، مگر وہ ایسا اندھا دھند ڈھول ٹھونک رہے تھے کہ خدا کی پناہ - پیچھے کوئی پچاس ساٹھہ سوار تھے مگر ان کی عجیب کیفیت تھی، گھوڑے کیا تھے دھوبی کے گدھے معلوم ھوتے تھے - بیچ میں سوار تھے مگر گٹھریوں کی کثرت سے جسم کا کچھہ تھوڑا ھی سا حصہ دکھائی دیتا تھا - یہ گٹھریاں کیا تھیں - دهلی کی لوٹ، جس بھلے آدمی کو کھاتا پیتا دیکھا اس کے کپڑے تک اتروائے، جس روپئے پیسے والے کو دیکھا اس کے گھر پر جا کر دھمکی دیدی اور کہا چل ھمارے ساتھہ قلعہ کو تو انگریزوں سے ملا ھوا ھے ؛ جب تک کچھہ رکھوا نہ لیا اس کا پانڈ نہ چھوڑا - اگر دهلی کے چاروں طرف انگریزی فوج کا محاصرہ نہ ھوتا تو شریف لوگ کبھی کے دهلی سے نکل گئے ھوتے - غرض خدائی فوجداروں کا یہ لشکر غل مچاتا، دین دین کے نعرے مارتا میرے سامنے سے گزرا - اس جم غفیر کے بیچوں بیچ دولھا میاں تھے - یہ کون تھے عالیجناب بہادر خان صاحب سپہ سالار - لباس سے بجائے سپہ سالار کے دولہ معلوم ھوتے تھے - جڑاو زیور میں لدے ھوئے تھے - پہنتے وقت شاید یہ بھی معلوم کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی تھی کہ کونسا مردانہ زیور ھے اور کونسا زنانہ - صافے پر بجائے طرے کے سراسری لگائی تھی - جیسے خود زیور سے آراستہ تھے اسی طرح ان کا گھوڑا بھی زیور میں لدا ھوا تھا - ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے جاتے تھے - معلوم ھوتا تھا کہ نعوذباللہ خدا کی خدائی اب ان کے ھی ھاتھہ آگئی ھے - گلاب گندھی نے جو ان لٹیروں کو آتے دیکھا چپکے سے دوکان بند کرلی۔

اور اندر دروازوں سے بیٹھا جھانکتا رہا۔ خدا! معلوم کیا اتفاق ہوا کہ بہادر خاں کا گھوڑا عین اس کی دوکان کے سامنے آکر رکا۔ بہادر خاں نے اِدھر اُدھر گردن پھیری، پوچھا "یہ کس کی دکان ہے"۔ ان کے ایڈیکانگ نے عرض کی کہ گلاب گندھی کی۔ فرمایا "اس بد معاش کو خبر نہیں تھی کہ ما بدولت ادھر سے گزر رہے ہیں۔ دوکان بند کرنے کے کیا معنی۔ ابھی کھلواؤ"۔ خبر نہیں کہ اس حکم قضا شیم کا بچارے لالہ جی پر اندر کیا اثر ہوا۔ ہم نے تو یہ دیکھا کہ ایک سپاہی نے تلوار کا دستہ کواڑ پر مارکر کہا کہ دروازہ کھولو اور جسطرح 'سم سم کھل جا' کے الفاظ سے علی بابا کے قصے میں چوروں کے خزانے کا دروازہ کھلتا تھا اسی طرح اس حکم محکم سے گلاب گندھی کی دوکان کھل گئی۔ بجنسہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تماشہ کا پردہ اُٹھ گیا۔ دروازہ کے بیچوں بیچ لالہ جی کانپتے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر زبان یاری نہ دیتی تھی۔ اس وقت بہادر خاں کچھ خوش خوش تھے، شاید کسی موٹی آسامی کو مار کر آئے تھے، کہنے لگے "تمھاری ہی دوکان سے بادشاہ کے ہاں عطر جاتا ہے"۔ لالہ جی نے بڑی زور سے گردن کو ٹوٹی ہوئی گڑیا کی طرح جھٹکا دیا۔ حکم ہوا کہ جو عطر بہتر سے بہتر ہو وہ حاضر کرو۔ وہ لڑکھڑاتے ہوے اندر گئے۔ اور دو کنٹر عطر سے بھرے ہوے حاضر کئے۔ معلوم نہیں بیس روپئے تولہ کا عطر تھا یا تیس روپئے تولہ کا۔ بہادر خاں نے دونوں کنٹر لئے کاگ نکالنے کی تکلیف کون گوارا کرتا۔ ایک کی گردن دوسرے سے ٹکرا دی، دونوں گردنیں کھٹ سے ٹوٹ گئیں۔ عطر سونگھا، کچھ پسند آیا، ایک کنٹر گھوڑے کی ایال پر اُلٹ دیا اور دوسرا دم پر۔ کنٹر پھینک حکم دیا گیا، "فارورڈ"۔ اور اس طرح بچارے گلاب گندھی کا سینکڑوں روپئے کا نقصان کرکے یہ ہندوستان کو آزادی دلانے والے چل دیے۔ ادھر اس خدائی فوجدار کا جانا، ادھر ہم لونڈوں کا تالیاں بجانا، بچارے لالہ جی نے کھسیانے ہوکر دوکان بند کردی۔ بھئی غدر کے طوفان بے تمیزی میں نقصان تو جو ہونا تھا وہ ہوا مگر کالج کی دور بین توڑ کر جو نقصان اس بے سری

فوج نے ملک کو پہنچایا اس کی تلافی ناممکن ہے۔ کالج میں پرنسپل صاحب کے کمرے کے اوپر ایک بڑي زبر دست دوربین نصب تھی۔ پرنسپل صاحب کہا کرتے تھے کہ یہ دور بین کالج کے ایک بڑے دلدادہ انگریز نے کالج کے نذر کی تھی۔ اس کا سامنے کا شیشہ بڑی دقت سے تیار ہوا تھا۔ اس انگریز کے خاندان والوں نے برسوں میں اسے گھس کر پتلا اور اتنا پتلا کیا تھا کہ کاغذ سے بھی باریک ہوگیا تھا۔ غرض کہ یہ دور بین کالج کا سرمایۂ ناز تھی۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوٹھے پر ایک بڑی توپ لگی ہوئی ہے۔ غدر کے زمانہ میں کسی بد معاش کی اس پر بڑی نظر پڑگئی۔ اس نے جاکر فوج میں اُڑا دیا کہ انگریزوں نے راتوں رات کشمیري دروازہ سے آکر کالج کے اوپر توپ لگادی ہے۔ اور اب تھوڑي دیر میں قلعہ اُڑا دیں گے۔ یہ سننا تھا کہ فوج کالج پر چڑھ آئی' سیڑھیاں لگا' سینکڑوں سپاہی چھت پر پہنچ گئے۔ ایک کندۂ ناتراش نے بندوق کا کندہ سامنے کے شیشہ پر مارا۔ چھن سے شیشہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اور ایک خاندان کی پچاس ساٹھ برس کی محنت خاک میں مل گئی۔ ان نابکاروں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ دور بین کی دور بین اٹھا نیچے پھینک دی اور چند ہی منٹ کے اندر دین دین کے نعروں میں اس یادگار سلف کا ان ناخلفوں کے ہاتھوں خاتمہ بالخیر ہوگیا'' —

غدر کے ہزاروں واقعات مولوی صاحب سے سنے ہیں۔ لیکن اکثر تو ایسے ہیں کہ ان کا زمانۂ موجودہ میں دھرانا خطر ناک ہے اور بعض ایسے ہیں کہ وہ پوری طرح یاد نہیں رہے۔ ہم بی۔ اے میں پڑھتے تھے کہ کیمبرج سے غدر کے متعلق ایک جواب مضمون پر انعام مقرر ہوا۔ اس مضمون کے لئے شرط یہ قایم کی گئی تھی کہ کوئی واقعہ تاریخی کتاب سے نہ لیا جائے' جو کچھ لکھا جائے شہر کے بڈھے بڑھیوں سے دریافت کرکے لکھا جائے۔ میں نے یہی مضمون لکھا تھا اور مجھ ہی کو یہ انعام ملا۔ اس مضمون میں میں نے ایک باب مولوی صاحب کے بیان کردہ قصوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ میں کُرید کُرید کر مولوی صاحب سے اس مضمون کے لئے واقعات

دریافت کیا کرتا اور وہ خوشی خوشی بتاتے۔ اب وہ مضمون دریا برد نہیں تو دریا پار ضرور ہوگیا۔ مسودہ نہ رکھا اور نہ رکھنے کی عادت ہے، اس لئے اب اس کا ذکر کرنا ہی فضول ہے —

ہمارے پڑھنے کا طریقہ تو سن چکے، اب مولویوں کی جماعت کا حال سن لیجئے۔ اس جماعت میں تمام کے تمام سرحد پار ہی کے لوگ تھے۔ لمبے لمبے کرتے، بڑی بڑی آستینیں، ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو تھان کی شلواریں، شملہ بہ مقدار علم کے لحاظ سے کئی کئی سیر کے پگڑ، لمبی لمبی ڈاڑھیاں، غرض معلوم ہوتا تھا کہ افغانستان کا کوئی قطعہ اُٹھاکر بتاشوں کی گلی میں رکھ دیا گیا ہے۔ محنت کی یہ حالت کہ رات رات بھر کتاب دیکھتے، تھوتھ ایسے کہ باوجود اس محنت کے کورے کے کورے رہتے۔ مولوی صاحب ہم سے ہمیشہ ان کی موٹی عقل کی تعریف کیا کرتے اور کہتے، "بھئی میں ان ملاؤں سے عاجز آگیا ہوں؛ اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور میرا بھی۔ جواب اس لئے نہیں دے دیتا کہ دلشکنی ہوگی۔ مگر کیا کروں اللہ میاں نے ان لوگوں کو ادب سمجھنے کا دماغ ہی نہیں دیا ہے۔ ہزار سمجھاتا ہوں ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بھلا ان کو حماسہ یا متنبی پڑھنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ فوج میں نوکر ہوجائیں، محنت مزدوری کریں یا ہینگ کا توبڑا گلے میں ڈال کر بیچتے پھریں"۔ ہم کہتے "مولوی صاحب آپ بھی غضب کرتے ہیں۔ رگڑ سے پتھر بھی گھس جاتا ہے، آخر متنبی نے ایسے کون سے شعر کہے ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں نہ آئیں"۔ ایک روز فرمانے لگے۔ "لو آج تم ٹھیر جاؤ اور ان مولویوں کا رنگ بھی دیکھ لو۔ مگر دیکھو کہیں ہنس نہ دینا، ورنہ چھرا ہی بھونک دیں گے"۔ اس روز ہم کو بھی چھٹی تھی۔ ہم پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ یہ جماعت آگئی۔ یہ لوگ مولوی صاحب کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ اور ہم اُٹھکر ایک کونے میں جا بیٹھے۔ اس روز مقامات حریری کا سبق تھا۔ کتابیں کھولی گئیں۔ اور ایک صاحب نے بڑی گرجتی ہوئی آواز میں اعوذ باللہ سے سبق شروع کیا۔ زید بن حارث کے سفر کا حال تھا اور رات

کے وقت سفر کرنے کو "فی اناء اللیل" سے ادا کیا تھا - ان بھلے آدمیوں نے رات کو قاموس دیکھہ کر مطالعہ کیا تھا، اس میں شامت اعمال سے "اناء" کے معنی "متکے" کے بھی ھیں - اللہ دے اور بندہ لے - اُنھوں نے یہاں متکا پھنسا دیا اور نہایت متانت سے "فی اناءاللیل" کے معنی "رات کے متکے میں سفر کیا" سے کردیے - مولوي صاحب نے فرمایا "اناء کے دوسرے معنی بھی تو ھیں" پڑھنے والے صاحب نے کہا "جی ھاں کئی معنی ھیں - لیکن اس مقام پر متکا ھی زیادہ چسپاں ھوتا ھے" - ھم کو ھنسی آئی - مولوی صاحب نے مسکراکر اور اُن لوگوں نے نہایت برے برے دیدوں سے ھماری طرف دیکھا - ھم نے سوچا بھائی یہاں ھمارا ٹھکانا نہیں - یہاں سے کھسک ھی جانا مناسب ھے - کہیں کوئی اٹھکر گلا نہ گھونٹ دے - ھم نے اجازت چاھی - مولوی صاحب کہتے ھی رہے "بیٹھو - ذرا اور کچھہ سن جاو" - ھم نے کہا "مولوي صاحب ھمکو کام ھے کسی اور دن دیکھا جائیگا" - یہ کہہ جوتیاں پھن سرپر پاوں رکھکر بھاگے - کوٹھے سے اُتر جو ھنسنا شروع کیا تو گھر پہنچتے پہنچتے بڑی مشکل سے ھنسی رکی - اب جب کبھی خیال آتا ھے تو اس جماعت کا نقشہ آنکھوں کے نیچے پھر جاتا ھے - اور رات کے متکے میں سفر کرنیکا فقرہ ھنساتا نہیں تو مسکراھٹ ضرور پیدا کردیتا ھے —

مولوی صاحب کو اپنے ترجمہ پر ناز تھا اور اکثر اسکا ذکر فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے - اردو ادب میں انکی جن تصنیفات نے دھوم مچادی ھے وہ انکے نزدیک بہت معمولی چیزیں تھیں - وہ کہا کرتے تھے کہ "میری تمام عمر کا اصلی سر مایہ کلام مجید کا ترجمہ ھے - اسمیں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ھے اسکا اندازہ کچھہ میں ھی کرسکتا ھوں - ایک ایک لفظ کے ترجمہ میں میرا سارا سارا دن صرف ھوگیا ھے - میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ھے" - ھم نے کہا "مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ھے" جہاں یہ فقرہ کہا

اور مولوی صاحب اچھل پڑے - بڑے خفا ہوتے اور کہتے "کل کے لونڈو! میرے محاوروں کو غلط بتاتے ہو - میاں میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے ' خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے'' - محاوروں کی بھر مار کے متعلق اکثر مجھہ سے انکا جھگڑا ہوا کرتا تھا - میں ہمیشہ کہا کرتا تھا " مولوی صاحب آپ نے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کرلی ہے اور کسی نہ کسی محاورہ کو آپ کسی نہ کسی جگہ پھنسا دینا چاہتے ہیں' خواہ اسکی گنجایش وہاں ہو یا نہو- جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوی ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلی والے ہیں''- تھوڑی دیر تو حجت کرتے رہے اس کے بعد کہتے ''اچھا بھئی تم ہی دہلی والے سہی - ہم تو اسی طرح لکھیں گے جس طرح اب تک لکھا ہے: تم ہم کو دہلی والوں کی فہرست سے نکال دو مگر میاں اپنا ہی نقصان کرو گے''—

مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے- کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہی میں " خطاے بزرگان گرفتن خطا است'' کی سب سے بڑی ٹھوکر ہے - دوسرے میری قابلیت محدود کی سرحد سے گزر کر مفقود کی سرحد میں آگئی ہے - لیکن با وجود ان موانعات کے میں نے مولوی صاحب کے سامنے یہی کہا - اب بھی کہتا ہوں اور ہمیشہ کہونگا کہ محاوروں کے استعمال کا شوق مولوی صاحب کو حد سے زیادہ تھا - تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کی ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے - اور بعض وقت ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے - خدا معلوم انھوں نے محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کر رکھی تھی یا کیا - ایسے ایسے محاورے ان کی زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے . و نہ کبھی دیکھے نہ سنے - ان کی عبارت کی روانی اور بے ساختگی کا جواب دوسری جگہ ملنا مشکل ہے' مگر چلتے چلتے راستہ میں عربی الفاظ کے روڑے ہی نہیں بچھاتے تھے بلکہ پہاڑ

رکھہ دیتے تھے - غرض یہ تھی کہ لوگ یہ جان لیں کہ میں دھلی والا ھی نہیں ھوں' مولوی بھی ھوں- بھر حال ان کی تحریر کا ایک خاص رنگ ھے اور اس کی نقل اُتارنا مشکل اور بہت مشکل ھے- ترجمہ کرنے کا انھیں خاص ملکہ تھا - وجہ یہ تھی کہ کئی زبانوں پر حاوی تھے - اگر ایک زبان کے لفظ سے مطلب ادا نہ ھوا تو دوسری زبان کا لفظ وھاں رکھہ دیا - مثال کے طور پر میں ایک واقعہ بیان کرتا ھوں - سنہ ۱۹۰۳ع کے دربار تاج پوشی پر جو انگریزی کتاب لکھی گئی تھی اس کا ترجمہ مولوی صاحب کے سپرد ھوا - ایک روز جو ھم پہنچے تو کیا دیکھتے ھیں کہ خوبصورت سی جلد کی ایک بڑی موٹی کتاب مولوی صاحب کی میز پر رکھی ھے - ھم نے اجازت لیکر کتاب اٹھائی اور اول سے آخر تک ساری تصویریں دیکھہ ڈالیں- اول تو مولوی صاحب بیٹھے دیکھتے رھے' پھر کہنے لگے " بیٹا یوں سرسری نظر سے کیا دیکھتے ھو' گھر لیجاؤ' اچھی طرح پڑھو' مگر دیکھو خراب نہ کرنا"- ھم دونوں نے دل میں سوچا کہ خدا معلوم یہ کیا بھید ھے جو مولوی صاحب بغیر مانگے اپنی کتاب دے رھے ھیں- خوش خوش کتاب بغل میں مار گھر آئے - دو ایک روز میں پڑھ ڈالا - ایک آدھ تصویر بھی غائب کر دی - چوتھے روز کتاب لیجا مولوی صاحب کے حوالہ کی- پوچھا "کہو پسند آئی"- ھم نے کہا "مولوی صاحب خوب کتاب ھے"- کہنے لگے " اچھی کتاب ھے تو ترجمہ کر ڈالو"- ھم نے کورا جواب دیدیا- کہا "دیکھو' سنو' اس کتاب کا مجھے ترجمہ کرنا ھے' تم سے ترجمہ کراؤنگا' صحیح میں کر دونگا - اب مجھہ میں اتنا دم نہیں کہ اتنی بڑی کتاب کا ترجمہ کر سکوں - اگر اب کے انکار کیا تو کل سے گھر میں گھسنے نہ دونگا"- یہ کہتے کہتے کتاب کی جلد توڑ دس صفحے میرے اور دس میاں دانی کے حوالہ کر دئیے - ساتھہ ھی میاں رحیم بخش کو آواز دی وہ آئے ان کو حکم دیا کہ ایک ایک دستہ بادامی کاغذ کا ان دونوں کو دیدو - قہر درویش بر جان درویش کی صورت تھی - جس طرح پہلے خوشی خوشی پوری کتاب لے گئے تھے اسی طرح منہ بنائے ھوے ان پلندوں کو بغل میں مارا - گھر آکر

بیکار کے کام کی طرح ترجمہ کیا - دوسرے روز جا کر پڑھنے کے لئے کتاب اٹھائی - پوچھا "ترجمہ لائے"- هم نے دبی هوئی آواز میں کہا "لائے" - کہا "پہلے وہ پڑھو"- هم پڑھتے جاتے اور مولوی صاحب اصل کتاب دیکھکر اس کی درستی کرتے جاتے - اب اگر میں یا میاں دانی کہیں کہ یہ ترجمہ همارا هے تو یقین مانئے کہ دونوں جھوٹے هیں- مولوی صاحب کی اصلاح نے هماری آنکھیں کھول دیں اور هم نے سمجھ لیا کہ اس علم میں بھی مولوی صاحب سے بہت کچھہ حاصل کیا جا سکتا هے- اس کے بعد سے همیں ترجمہ کا شوق هو گیا اور تھوڑے هی دنوں میں کتاب ختم هو گئی - اس کے چھپنے کے بعد هماری مولوی صاحب سے بڑی جنگ هوئی - کیونکہ بندۂ خدا نے هم دونوں غریبوں کا اس میں ذرا بھی ذکر نہیں کیا - مگر کچھہ پرواہ نہیں- اس کا بدلہ هم اب لے لیتے هیں - اور ڈنکے کی چوٹ کہے دیتے هیں کہ اس کتاب میں تھوڑے بہت لفظ هم دونوں کے بھی هیں - یہ ضرور هے کہ اگر اصلاح شدہ مسودوں کو دیکھا جاے تو کاٹ چھانٹ کی وجہ سے همارے لفظوں کا تلاش کرنا سر میں لیکھیں دیکھنے سے کم مشکل نہ هوگا - هاں، تو میں یہ کہہ رها تھا کہ مولوی صاحب چونکہ کئی زبانوں پر حاوی تھے اس لئے ان کو کہیں نہ کہیں سے مناسب لفظ اداے مطلب کے لئے ضرور مل جاتا تھا - مثلاً اسی جشن تاج پوشی کی کتاب میں ایک جگہ لفظ Stallion آیا - ڈکشنری میں جو دیکھا تو اس کے معنی "سیاہ بڑا جنگی گھوڑا" نکلے - یاروں نے ترجمہ میں وهی الفاظ ٹھونک دئے- جب مولوی صاحب نے یہ الفاظ سنے تو بہت هنسے- کہنے لگے "واہ بیٹا، واہ، کیوں نہو دهلی والے هو، خالص اردو لکھی هے - بندۂ خدا "شبدیز" لکھہ دو - چلو چھٹی هوئی"- اب کوئی صاحب اس سے بہتر لفظ بتا دیں تو میں جانوں - ان کے ترجمہ میں خوبی یہ هوتی تھی کہ لفظ کی جگہ لفظ بٹھاتے تھے، لیکن وہ لفظ ایسا هوتا تھا کہ وهاں نگینہ بن جاتا تھا - تعزیرات هند کا ترجمہ اُٹھا کر دیکھو وهی لفظ پر لفظ هے؛ معنی بھی پورے دیتا هے اور اپنی جگہ سے هل بھی نہیں سکتا - سینکڑوں

کتابوں کے ترجمے ہوے؛ دوسری اشاعت میں کچھ اور تیسری میں کچھ کے کچھ ہوگئے، لیکن تعزیرات ہند کا ترجمہ جوں کا توں ہے - ایک لفظ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا - کہا کرتے تھے کہ " تعزیرات ہند کا ترجمہ بھی میرا ایک کارنامہ ہے - اس کتاب کے ترجمے کا کام تین آدمیوں کے سپرد ہوا تھا ان میں ایک مولوی عظمت اللہ صاحب تھے - اس کی اصلاح ڈائرکٹر صاحب کے ذمہ تھی اور ہم ڈائرکٹر صاحب کے سورشتہ‌دار تھے - روزانہ ایک دو دفعات کا ترجمہ آتا - ہم ڈائرکٹر صاحب کو سناتے - وہ بڑا غل مچاتے کہ یہ لفظ خلاف محاورہ ہے اس لفظ سے مفہوم ادا نہیں ہوتا ' یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا گیا ہے - غرض دو تین دفعات کہیں تین چار گھنٹے میں پاس ہوئیں- مجھے بڑا تاؤ آتا تھا کہ ترجمہ کرے کوئی ' یہ باتیں سنے کوئی - مگر بھئی یہ ضرور کہونگا کہ وہ بڑا آدمی جو بات کہتا تھا باون تولے پاؤ رتی کی کہتا تھا ؛ جو اعتراض کرتا تھا وہ اُٹھائے نہ اُٹھتا تھا - میاں پرانے زمانے کے انگریز غضب کی اردو سمجھتے تھے - گو اچھی اردو لکھ نہ سکیں ' مگر ترجمہ کی وہ وہ غلطیاں نکالتے تھے کہ تم جیسے دھائی والوں کے کان پکڑوادیں- میں بھی ترجمہ دیکھتا تو واقعی کچھ اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتا - میں نے دل میں کہا کہ نذیر احمد تو بھی خم ٹھونک کر میدان میں کیوں نہیں آجاتا - اردو جانتا ہے ' فارسی جانتا ہے ' عربی جانتا ہے ' کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی سمجھتا ہے ' ان لوگوں سے اچھا نہیں تو کم سے کم ایسا ترجمہ تو بھی کرلیگا - یہ سوچ سوا روپیہ کی رائل ڈکشنری بازار سے خرید لایا - رات کو لمپ جلا ' کپڑے اُتار ' لنگوٹ باندھ ' ترجمہ پر پل پڑا - جن دفعات کا ترجمہ دوسرے روز پیش ہونے والا تھا ' ان کا خود ترجمہ کر ڈالا- دوسرے دن ترجمہ جیب میں ڈال دفتر پہنچا - ڈائرکٹر صاحب آئے مجھے بلایا اور ان لوگوں کے ترجمے کو سن کر وہی گڑبڑ شروع کی - خدا خدا کر کے یہ مشکل آسان ہوئی -

میں نے کہا کہ کمترین بھی کچھہ عرض کرنا چاھتا ھے - کہا ' اچھا کہو - میں نے جیب میں سے کاغذ نکالا ' وہ سمجھے عرضی ھے - لینے کو ھاتھہ بڑھایا میں نے کہا عرضی نہیں ' آج کی دفعات کا ترجمہ میں نے کیا ھے - ڈایرکٹر صاحب یہ سن کر اچھل پڑے - کہنے لگے ' تم نے ' تم نے ترجمہ کیا ھے تم کو تو انگریزی نہیں آتی - پھر ترجمہ کیسے کیا - میں نے کہا رائل ڈکشنری سے - انھوں نے ھنسکر کہا تعزیرات ھند کا ترجمہ رائل ڈکشنری سے نہیں ھوا کرتا - میں نے کہا ' سن تو لیجئے - کہا ' اچھا سناؤ - میں نے جو پڑھا تو صاحب بہادر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں - کہنے لگے یہ ترجمہ تم نے رائل ڈکشنری سے کیا ھے ! - میں نے کہا - ھاں - کہنے لگے کل شروع کی چار دفعات کا ترجمہ کرکے لاؤ - میں دوسرے دن لیکر گیا ' بہت پسند کیا اور کہا تم نے پہلے ھی کیوں نہ کہا کہ میں ترجمہ کرسکتا ھوں جو میرا اتنا وقت ضائع کرایا - جاؤ تم بھی ان ترجمہ کرنے والوں میں شریک ھوجاؤ - اس دن سے ھم بھی پانچوں سواروں میں مل گئے اور یہی ھماری ترقی کا زینہ تھا - اب رھے ھماری تصنیفات پر انعام ' وہ تو اللہ میاں نے چھپر پھاڑ کر دئیے ھیں - اگر کوئی کہتا بھی کہ مرأۃالعروس پر تم کو انعام ملیگا تو میں اس کو دیوانہ سمجھتا - اصل یہ ھے کہ یہ کتاب میں نے اپنی لڑکی کے لئے لکھی تھی ' وھی پڑھا کرتی تھی - میاں بشیر کو "چند پند "لکھ ی تھی-میں اس زمانے میں تعلیمات کا انسپکٹر تھا ' دورے پر نکلے تھے ' بال بچے ساتھہ تھے ' ایک جگہ ٹھیرے تھے کہ مسٹر کیمپ سن ڈائرکٹر تعلیمات کا ڈیرہ بھی قریب میں آلگا - شام کا وقت تھا - میاں بشیر اپنی ٹٹوانی پر سوار ھوکر ھوا خوری کو نکلے - ادھر سے ڈائرکٹر صاحب آرھے تھے - میاں بشیر نے جھک کر سلام کیا - صاحب ٹھیر گئے - پوچھا " میاں تمہارا کیا نام ھے " - انھوں نے نام بتایا - پھر پوچھا " تمہارے والد کون ھے " - انھوں نے میرا نام بتایا - پھر پوچھا " کہو میاں کیا پڑھتےھو '

انھوں نے کہا " چند پند "- ڈائرکٹر صاحب سمجھے تھے کہ اردو کی پہلی یا دوسری کھیگا - چند پند کا نام سنکر پریشان ہوئے - کیونکہ اس عجیب و غریب نام سے ان کے کان ناآشنا تھے - کہا" ہمیں اپنی کتاب دکھاؤگے "- بشیر نے کہا " جی ہاں ابھی لاتا ہوں - ہمارے آپا کی بھی کتاب دیکھیئےگا " - اُنھوں نے کہا " اُس کتاب کا کیا نام ہے ؟ "- اِنھوں نے کہا " مرأۃالعروس " - یہ دوسرا نیا نام تھا - صاحب نے کہا " ہاں وہ بھی لاؤ " - میاں بشیر تتوانی سے کود بھاگتے ہوے ڈیرے میں آئے - اپنا جزدان کھول" چند پند " نکالی - اس کے بعد اپنی بہن کے جزدان پر قبضہ کیا - اس نے جو دیکھا کہ بشیر جزدان تتول رہا ہے تو دوڑتی ہوئی گئی- اتنے میں بشیر مرأۃالعروس لے کر بھا گا ' یہ اس کے پیچھے بھاگی ' دونوں میں بڑی دھینگا مشتی ہوئی - خوب رونا پیٹنا ہوا - بشیر بہن کو دھکا دے کتاب لے یہ جا وہ جا - بہن صاحبہ نے دل کا بخار آنسو بہاکر نکالا - میاں بشیر نے دونوں کتابیں لے جا ' صاحب کے حوالہ کیں- انھوں نے الٹ پلٹ کر کچھہ پڑھا اور بشیر سے کہا " ہم یہ کتابیں لیجائیں ' کل بھجوا دینگے "- انھوں نے کہا " لیجائیے ' کل ہم کو چھٹی رھیگی " - میں جو ڈیرے میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت مچ رہی ہے - لڑکی نے رو رو کر آنکھیں لال کرلی ہیں میاں بشیر ڈرے سہمے ڈیرے کے ایک کونے میں دبکے بیٹھے ہیں - میرا اندر قدم رکھنا تھا کہ فریاد کی صدا بلند ہوئی - صاحبزادی نے رو رو کر اس طرح واقعہ بیان کیا جس طرح کسی عزیز کے مرنے کا کوئی بین کرتا ہے - میں نے بشیر کو بلایا وہ ڈرے کہ کہیں ٹھکائی نہ ہوجائے ؛ پہلے ہی سے بسورنا شروع کیا - وہ دبے جاتے تھے اور بہن شیر ہوئی جاتی تھی آخر بڑی مشکل سے اتنا معلوم ہوا کہ ایک انگریز دونوں کتابیں لے کر چلا گیا- میں نے جاکر سائیس سے پوچھا کہ وہ انگریز کون تھا- تو معلوم ہوا کہ سامنے جو ڈیرے پڑے ہیں ان میں وہ اترے ہیں- مجھے بڑا تعجب ہوا کہ بھلا

ڈائرکٹر صاحب کو بچوں کی کتابوں سے کیا کام - خیر لڑکی کو دلاسا دیا کہ میں لادوں گا، نہیں تو دوسری لکھ دوں گا - اس نے کہا کہ میں لوں گی تو وہی کتاب لوں گی - بڑی مشکل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا - اب فکر ہوا کہ صاحب سے پوچھوں تو کیوں کر پوچھوں - سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ صاحب کا مطلب اس طرح بچوں کی کتابیں منگوانے سے کیا ہوسکتا ہے - غرض اسی شش و پنج میں صبح ہوگئی - کوئی سات بجے ہوں گے کہ صاحب کا چپراسی آیا اور کہا کہ صاحب سلام بولتے ہیں - وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب بیٹھے مرأة العروس پڑھ رہے ہیں - سلام کرکے کرسی پر بیٹھ گیا - صاحب نے کہا "مولوی صاحب آپ نے ایسی مفید اور دلچسپ کتابیں لکھیں اور طبع نہ کرائیں - اگر کل آپ کا لڑکا مجھ کو نہ ملتا تو شاید کوئی بھی ان کتابوں کو نہ دیکھتا اور چند ہی روز میں بچوں کے ہاتھوں یہ کتابیں پھٹ پھٹاکر برابر ہوجاتیں - اگر آپ اجازت دیں تو میں مرأة العروس کو سرکار میں پیش کردوں - آج کل گورنمنٹ ایسی کتابوں کی تلاش میں ہے جو لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہوسکیں" - میں نے کہا "آپ کو اختیار ہے" - یہ کہکر میں چلا آیا - صاحب نے وہ کتاب گورنمنٹ میں پیش کردی - وہاں سے انعام ملا - یہاں شیر کے منہ کو خون لگ گیا - اوپر تلے کئی کتابیں گھسیٹ ڈالیں - جو کتاب لکھی اس پر انعام' جو لکھا گیا پسند کیا گیا - غرض ہم مصنف بھی بن گئے اور ساتھ ہی ڈپٹی کلکٹر بھی ہوگئے - مگر بھئی بات یہ ہے کہ انسان کا جتنا عہدہ بڑھتا جاتا ہے اسی طرح اس کی فرصت کا وقت بھی گھٹتا جاتا ہے - یہی مصیبت ہم پر پڑی - اِدھر کام کی زیادتی اُدھر سر سید کی فرمائشوں کی بھر مار - آج یہاں لکچر دیا' کل وہاں دیا - تصنیف کا سلسلہ ہی ٹوٹ گیا - خدا خدا کرکے بڑھاپے میں فرصت ملی تو قرآن شریف حفظ کرلیا - اس کے ساتھ ہی یہ شوق ہوا کہ اس کا ترجمہ بھی کرلو - لوگوں کو بھی مفید ہوگا - اور ممکن ہے کہ تمہاری نجات کا بھی ذریعہ ہوجائے - غرض جتنی محنت ممکن تھی

اتنی محنت کی - اسی ترجمے کے سلسلے میں 'الحقوق و الفرائض' کا مواد بھی جمع کرلیا' کلام مجید کی دعاؤں کو بھی ایک جگہ اکٹھا کرلیا - غرض ایک پنتھ اور کئی کاج ہوگئے - مگر بھئی سچ کہنا کہ کیسا ترجمہ کیا ہے'' - میں تو خاموش رہا مگر دانی نے کہا کہ مولوی صاحب ہم کو اس ترجمے کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا - مولوی صاحب نے کہا ''ہیں میاں دانی! یہ کیا کہا' تم نے ابھی تک میرا ترجمہ نہیں دیکھا' بھئی غضب کیا - ارے میاں رحیم بخش ذرا ادھر تو آنا' وہ جو سنہری جلد کی حمائل شریف ہے وہ میاں دانی کو دے دو - بیٹا ذرا اس کو غور سے پڑھو - دیکھو تو میں نے اس بڑھاپے میں کیا محنت کی ہے''- غرض حمائل شریف میاں دانی کے قبضے میں آگئی- اُنھوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ آپ کی یادگار رہے گی- جب ہم اُٹھ کر چلنے لگے تو مولوی صاحب نے دانی سے کہا - ارے بھئی ایک بات تو کہنی بھول گیا' اس حمائل شریف کا ہدیہ ساڑھے پانچ روپئے ہے کل ضرور لیتے آنا- بچارے کا شکریہ اکارت گیا اور دوسرے روز پورے ساڑھے پانچ روپئے مولوی صاحب نے دھروا لئے —

مولوی صاحب نے کئی مرتبہ اس عاجز پر بھی رقمی حملے کئے' لیکن یہ ذرا ٹیڑھا مقابلہ تھا - ایک چھوڑ کئی کتابیں مولوی صاحب سے اینٹھیں کبھی ایک پیسہ نہ دیا یہ نہیں کہ خدا نخواستہ وعدہ کرتا اور رقم نہ دیتا - میں اس وقت تک کتاب لیتا ہی نہ تھا جب تک مولوی صاحب خود نہ فرمادیتے کہ ''اچھا بھئی تو یوں ہی لے جا - مگر میرا پیچھا چھوڑ'' - میری ترکیب یہ تھی کہ پہلے کتاب پر قبضہ کرتا' مولوی صاحب قیمت مانگتے' میں حجت کرتا- وہ جواب دیتے میں اس کا جواب دیتا- غرض بہت کچھ جھک جھک کے بعد تھک کر کہتے کہ جاؤ میں نے قیمت معاف کی- آئندہ میری کسی کتاب کو ہاتھ لگایا تو اچھا نہ ہوگا- مگر خدا غریق رحمت کرے ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب مجھ کو دے دیتے تھے اور جان جان کر جھگڑتے تھے - ریویو کے لئے جو کتابیں آئیں وہ تو ہمارے باپ دادا کا مال تھیں- وہ پورا ریویو

لکھنے بھی نہ پاتے کہ کتاب کے صفحۂ اول پر میرا نام درج ہوکر شہادت دستاویزی اور ثبوت قبضہ کی شکل اختیار کرلیتا - اس وقت بھی میرے پاس اس زمانے کی بعض کتابیں موجود ہیں- معلوم نہیں کہ میاں دانی کو جو حمائل شریف عطا ہوئی تھی وہ ان کے پاس رہی یا نہیں —

کتابیں تو کتابیں میں نے مولوی صاحب کی ایل-ایل-ڈی کی گون پر قبضہ کرنے کی فکر کیا تھا - ہوا یہ کہ جب میں اور دانی بی-اے میں پاس ہوے تو جلسہ تقسیم اسناد کےلئے لاہور جانا پڑا - گون بنوانا بے ضرورت سمجھا گیا - اب خیال ہوا کہ گون کس کی چھینیں دانی کو تو گون مل گئی - میں نے مولوی صاحب کی گون تاکی- ہم دونوں مل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوے اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا - کہنے لگے ''بیٹا! میری گون بڑی قیمتی ہے' ساڑھے چھ سو روپئے میں دو گونیں پڑی ہیں - بھلا میں کیا خریدتا' یہ میاں مشرف نے میرے سر منڈھ دیں - وہ ایڈنبرا میں پڑھتے تھے' مجھے لکھا کہ اپنی تمام تصنیفات و تالیفات کی نہایت عمدہ جلدیں بندھواکر بھجوا دیجئے' سر ولیم میور دیکھنا چاھتے ھیں- سر ولیم میور پہلے ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے' مجھہ پر بھی بہت مہربان تھے؛ میں نےمشرف کے لکھے کو سچ جانا' کتابوں کی جلدیں بندھوا ایڈنبرا روانہ کردیں- ان کتابوں میں میرا کلام مجید کا ترجمہ بھی تھا- وہ بہت پسند کیا گیا - سر ولیم میور نےیہکتابیں ایڈنبرا یونیورسٹی میں پیش کردیں اور ہمیں گھر بیٹھے ایل-ایل-ڈی کی ڈگری مل گئی - مگر اس ڈگری کی اطلاع میرے پاس بعد میں آئی- پہلے ایک درزی کا خط اور بل آیا کہ مسٹر مشرف کی فرمائش کے بموجب ایل-ایل-ڈی کی ایک سیاہ اور ایک سرخ گون معہ ٹوپی کے روانہ کی گئی ہے' براہ کرم جس قدر جلد ممکن ہو ساڑھے چھہ سو روپئے روانہ فرمائیے - میری سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ الہی یہ کیا ماجرا ہے یا تو مشرف دیوانہ ہو گیا ہے یا یہ درزی پاگل ہے کہ بیٹھے بٹھاے بل روانہ کر رہا ہے - یہ سوچ ہی رہا تھا کہ

گون کا پلندہ بھی آگیا - غرض اسی شش و پنج میں ایک ہفتہ گزر گیا - دوسری ڈاک سے ایل - ایل - ڈی کی ڈگری ملنے کا مراسلہ اور میاں مشرت کا خط ملا - پھر درویش بر جان درویش' درزی صاحب کو رقم روانہ کی' مشرت کو برا بھلا لکھا کہ وہاں سے یہ تھیلے بنوا کر بھجوانے کیا ضرور تھے' میں یہاں اپنے ناپ کی گون بنوا لیتا - بہر حال یہ گونیں ساڑھے چھہ سو روپیہ کی ہیں معاف کیجئے میں نہیں دے سکتا - جا کسی پروفیسر کی گون چھین کر کیوں نہیں لے جاتا' جو میرے پیچھے پڑا ہے" - میں یہ قصہ چپکا بیٹھا سنتا رہا - اس کے بعد بغیر کچھہ کہے سنے اٹھا اور مولوی صاحب کے سامان کی کوٹھری کا رخ کیا - وہ "ہاں ہاں ہاں ہاں" کہتے ہی رہے - میں نے کُنڈے کھول اندر گھس الماری میں سے کالی گون نکال ہی لی جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر گیا تو سنبھل سنبھلا کر اٹھے - میں اتنی دیر میں دروازہ بند کر گون بغل میں مار پھر اپنی جگہ آگیا - مولوی صاحب بھی بیٹھہ گئے اور اب انھوں نے گون کی قیمت' میری لا پروائی' ریل میں چوری کے خطرات' بی - اے اور ایل - ایل - ڈی کی گون کے اختلاف غرض اسی طرح بیسیوں چیزوں میں لکچر دے ڈالے' میں بیٹھا سنتا رہا - جب وہ کہتے کہتے تھک گئے تو میں نے لکچر شروع کیا - اُستادوں کی محبت' اپنی غربت' گون کی صرف ایک روز کی ضرورت' وقت کی قلت' غرض دس بارہ پہلوؤں پر میں نے بھی اسپیچ دیدی اور آخر میں صاف کہدیا کہ یہ گون میں لیکر جاؤنگا - اور ضرور لیکر جاؤنگا - اس کے بعد مولوی صاحب کچھہ نرم پڑے' کہنے لگے "واپس کب کروگے" - میں نے کہا "آپ سرخ گون پہنتے ہیں کالی گون مجھے دیدیجئے' آپ کا کچھہ نقصان نہوگا اور ایک غریب کا فائدہ ہو جاے گا" - مولوی صاحب نے کہا "نہیں بیٹا! لاہور سے آکر دیدیجئیو' مجھے دربار وغیرہ میں یہ گون بھی پہننی پڑتی ہے" - یہ الفاظ انھوں نے کچھہ ایسے لہجے میں کہے کہ مجھے بھی وعدہ کرتے ہی بن پڑی - آخر میں گون لیکر گیا اور لاہور سے آکر واپس کر دی - جب مولوی صاحب نے گون پر قبضہ کر لیا

اس وقت بہت خفا ہوے۔ کہنے لگے "اب کے تو اگر میری کوٹھری میں گھسا تو اچھا ہی نہ ہوگا کل کو میرا کیش بکس اٹھا کر لے جاے گا۔ خیر دانی گون لیجاتا تو کچھہ ہرج نہ تھا، کیوں کہ واپسی کی تو امید رہتی۔ مجھے کب امید تھی کہ آپ بزرگ واپس بھی کریں گے۔ وہ تو کہو میرا حلال کا مال تھا جو واپس آگیا"۔ میں نے کہا "مولوی صاحب اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ کو گون کی واپسی کی توقع نہیں ہے تو آپ اس کی تمام عمر شکل بھی نہ دیکھتے"۔ ہنس کر کہنے لگے "چلو مشتے بعد از جنگ کی صورت ہے۔ آئندہ میں دینے میں احتیاط کروں گا اور تم واپسی میں احتیاط کرنا"۔ اس وقت تو یہ باتیں ہنسی میں ہوئیں، مگر اب افسوس ہوتا ہے۔ گون اگر میرے پاس رہ جاتی تو مولوی صاحب کی یادگار ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ وہ گون میرے پاس بھیج دے۔ کیونکہ اس میں میرا بھی حق ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ گون مولوی صاحب نے مجھکو دی تو نہ تھی، لیکن وہ سمجھہ چکے تھے کہ یہ ہاتھہ سے گئی۔ میری غلطی تھی جو اس کو لیجا کر واپس کیا۔ اب اگر مل گئی تو کبھی ایسی غلطی نہ کرونگا—

جس طرح مسٹر مشرت نے یہ گونیں مولوی صاحب کے گلے منڈھی تھیں اسی طرح نواب محسن الملک نے حیدرآباد میں فرنیچر ان کے سر چپیک دیا تھا۔ اس زمانے میں حیدرآباد میں نواب محسن الملک کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کی تجویز اور سرسید کی تحریک پر مولوی صاحب حیدرآباد آئے۔ پہلے نواب محسن الملک ہی کے ہاں قیام کیا۔ اس کے بعد علیحدہ کوٹھی میں جا رہے۔ ہندوستانی وضع کا سامان تخت چوکیاں وغیرہ خرید لیں۔ بھلا محسن الملک یہ کیونکر دیکھہ سکتے تھے کہ ان کا دوست پرانی وضع کے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے۔ ایک روز سکندرآباد جا، ایلن اینڈ کمپنی کو کئی ہزار کے فرنیچر کا آرڈر دیدیا اور کہدیا کہ مولوی صاحب کے ہاں پہنچا دو اور بل بنا کر بھیج دو۔ ایک روز جو مولوی صاحب اٹھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ چھکڑے پر چھکڑا فرنیچر کا لدا کوٹھی کے

باهر کھڑا ھے - بہت چکرائے، لینے سے انکار کیا - مگر وہ نواب محسن الملک کا پڑھایا ھوا شیطان تھا - وہ کب ماننے والا تھا - آخر لاچار گھر چھوڑ باھر آ بیٹھے اور دن بھر میں مولوی صاحب کا مکان صاحب بہادر کی کوٹھی ھو گیا - مگر یہ بھی نذیر احمد تھے، کچھ ایسی چال چلے کہ جب انکا تقرر پٹنچرو کی صدر تعلقداری پر ھوا تو وہ سب کا سب سامان بہت ھی تھوڑی کمی پر ایاں ھی کے سر مارا اور پٹنچرو وھی اپنے پرانے تخت وغیرہ لے گئے - نواب محسن الملک کو کانوں کان خبر بھی نہیں ھوئی - اب آگے کی داستان بڑی دلچسپ ھے - نواب محسن الملک دورہ پر نکلے، پٹنچرو قیام کیا - مولوی صاحب خود کہیں دورہ پر گئے ھوے تھے نواب صاحب نے گھر میں کہلا بھیجا کہ میں آیا ھوں میرے قیام کا انتظام کر دو - ایک کمرہ جس میں دو تین کرسیاں اور ایک دو میزیں تھیں کھول دیا گیا - یہ وہ ایاں والے فرنیچر کی تلاش میں تھے - سمجھے کہ مولوی صاحب نے اپنے کمرے میں سجا کر رکھا ھوگا اندر کہلا بھجوایا کہ میں مولوی صاحب کے کمرے میں ٹھیرونگا - پہلے تو جواب ملا کہ وھاں آپ کو تکلیف ھوگی - مگر جب ادھر سے اصرار ھوا تو وہ کمرہ بھی کھول دیا گیا - اندر جا کر کیا دیکھتے ھیں کہ وھاں صفا چٹ میدان ھے - نہ دری ھے نہ چاندنی نہ میز ھے نہ کرسی - کمرے کے بیچ میں ایک چھوٹا سا تخت ھے، اس پر ایک کمبل پڑا ھوا ھے - بازو میں ایک چوکی پر رحل اور جانماز رکھی ھے - کھونٹی پر کلام مجید اٹک رھا ھے - یہ بہت چکرائے - لوگوں سے پوچھا "وہ فرنیچر کہاں گیا"- معلوم ھوا کہ آتے آتے مولوی صاحب اس کے کوڑے کر آئے - بچارے ایک رات ٹھیرے اور صبح ھی کوچ بول دیا ــــ

کچھ عرصے تک تو نواب محسن الملک اور اُن کی بنی رھی، بعد میں اتنی کھنچی کہ ٹوٹ گئی - مولوی صاحب کو یہ شکایت تھی کہ محسن الملک مجھ پر دباؤ ڈال کر کام نکالنا چاھتے ھیں - محسن الملک کو یہ شکایت تھی کہ مولوی صاحب میرے مخالف ھو کر میرے اکھاڑنے کی فکر میں ھیں -

غرض جب عمادالسلطنت بہادر کا زمانہ آیا اور محسن الملک بہادر کی کمان چڑھی تو مولوی صاحب کو میدان سے ھٹ جانا ھی مناسب معلوم ھوا - دوسرے حیدرآباد میں صحبت کا جو رنگ تھا وہ ایسا نہ تھا جس میں مولوی صاحب کا رنگ جم سکتا - اس زمانے کے جو حالات مولوی صاحب بیان کیا کرتے تھے، اُن کا زبان قلم پر نہ آنا ھی زیادہ مناسب ھے —

بعد میں دونوں بظاہر ملتے جلتے تھے، لیکن موقع پڑا تو ایک دوسرے کو پردے ھی پردے میں سنائے بغیر نہ رہتے تھے - ایک واقعہ تو خود میری آنکھوں کے سامنے گزرا ھے - ۱۹۰۳ع کے دربار کے موقعہ پر کانفرنس کا اجلاس دھلی میں اجمیری دروازہ کے باھر ھوا - اس زمانے میں نواب محسن الملک علیگڈہ کالج کے سکریٹری تھے - کانفرنس کے صدر ھز ھائینس سر آغا خاں تھے - آدمیوں کی یہ کثرت تھی کہ بیٹھنے کو پنڈال میں جگہ نہ ملتی تھی - ھر جلسے میں کئی کئی رئیس آجاتے تھے - ایک پورا دن خاص مولوی صاحب کے لکچر کے لئے مقرر ھوا - مدت ھوئی تھی کہ مولوی صاحب نے پبلک میں لکچر دینا چھوڑ دیا تھا - اس روز جو معلوم ھوا کہ مولوی صاحب لکچر دینگے خلقت ٹوٹ پڑی - لکچر شروع ھی ھوا تھا کہ لارڈ کچنر نے کہلا بھیجا کہ آج میں بھی آؤنگا - نواب محسن الملک نے ایسے باوقعت و ذی وجاھت مہمان کے استقبال کی تیاریاں شروع کیں - مولوي صاحب کے لکچر میں اسی گڑ بڑ سے کھنڈت پڑتی تھی - پنڈال کے باھر ذرا گڑ بڑ ھوئی اور نواب محسن الملک سمجھے کہ لارڈ کچنر آئے - اٹھکر باھر گئے اور پھر آ بیٹھتے - اسي طرح وہ کوئی دس پندرہ دفعہ باھر گئے اور اندر آئے - مولوی صاحب بہت جز بز ھوتے - خفا بھی ھوئے مگر ان کی کون سنتا تھا - قصہ مختصر آخر لارڈ کچنر آھی گئے - نواب محسن الملک نے سب کا تعارف کرایا - مولوی صاحب نے خود اپنا تعارف کرلیا - لارڈ کچنر کہنے لگے " مولوی صاحب

ہم نے کورس میں آپ کی کتابیں پڑھی ہیں ' آج آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی "۔
مولوی صاحب نے کہا " لاٹ صاحب مجھے بھی آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی۔
اور سب سے بڑی یہ خوشي ہوئی کہ آپ کی وجہ سے ایک معمہ حل ہوگیا " ۔
لارڈ کچنر نے کہا کہ وہ کیا معمہ تھا - مولوی صاحب نے کہا کہ " ہمارے ہاں
قیامت کی نشانیوں میں لکھا ہے کہ اس وقت ایسا تہلکہ ہوگا کہ حاملہ عورتوں
کے حمل گر جائینگے - سمجھہ میں نہ آتا تھا کہ وہ ایسی کیا مصیبت ہوگی
کہ حمل گرادیگی - مگر آج یقین آگیا کہ جو کچھہ لکھا ہے صحیح لکھا ہے -
جب آپ کی آمد نے بڑے بڑے پیٹ والے بڈھوں کے حمل گرادئے تو کیا تعجب
ہے کہ قیامت کی آمد عورتوں کےحمل گرادے " - تمام پنڈال میں سناٹا ہوگیا -
مگر مولوی صاحب کو جو کہنا تھا کہہ گئے اور اس طرح اپنے دل کا بخار نکال لیا -
بات یہ ہے کہ مولوی صاحب کو وقت پر ایسی سوجھتی تھی کہ باید و شاید -
چنانچہ امیر حبیب‌الله خاں ہی کے دربار کا واقعہ دیکھہ لو —

امیر حبیب‌الله خاں بقرعید کے دن دهلی میں تھے - اس روز جمعہ تھا-
صبح کو بقرعید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جمعہ کی نماز جامع‌مسجد
میں' شام کو سرکٹ ہاؤس میں دربار کیا - اس دربار میں ۸ یا ۹ دهلی کے
ہندو امیر اور اسی قدر مسلمان مشاہیر بلائے گئے - ان میں ایک مولوی
صاحب بھی تھے - سر ہنری میک موہن نے ان لوگوں کا تعارف امیر صاحب
سے کرا یا - جب مولوی صاحب کی باری آئی اور ان کی تعریف سر ہنری
نے کی تو امیر صاحب نے کہا " آپ کو ان کی تعریف کرنیکی ضرورت نہیں
ہے میں خود ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتا ہوں - اور تقریباً سب کا
ترجمہ بھی کرا چکا ہوں - دیکھنے کا اشتیاق تھا وہ آج پورا ہوگیا" - اس کے
بعد باتوں ہی باتوں میں پوچھا " آپ شعر بھی کہتے ہیں " - مولوی صاحب
نے کہا " جی ہاں کہتا ہوں - لیکن آج آپ کی تعریف میں اپنا نہیں دوسروں

کا شعر سناؤنگا" - یہ کہکر متنبی کا یہ شعر پڑھا :—

عید و عید و عید مجتمعا   وجہ الحبیب و یوم العید والجمعا

موقعہ کے لحاظ سے یہ شعر ایسا بر محل ہو گیا کہ متنبی کو نصیب
بھی نہ ہوا ہوگا - واقعات اور خاصکر حبیب کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی-
تمام دربار چھک اُٹھا - امیر حبیب‌اللہ خاں نے اٹھکر مولوی صاحب کو گلے
سے لگا لیا اور اتنے بوسے دئے کہ مولوی صاحب گھبرا گئے - دوسرے روز جو
انھوں نے اس واقعہ کا ذکر ہم سے کیا اس کو انھی کے الفاظ میں دھرانا
اچھا معلوم ہوتا ہے - کہنے لگے " بھئی میں تو شعر پڑھکر مصیبت میں پھنس
گیا - شعر پڑھنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کسی شیر نے آکر مجھے دبوچ لیا —
اس میرے شیر کا کوئی سوا گز چوڑا سینہ ' میں ٹھیرا چھوٹے قد کا آدمی-
اس نے جو پکڑ کر بھینچا تو اِدھر تو ہڈیاں پلپلی ہوگئیں اُدھر دم گھٹنے لگا-
اس کی گرفت سے نکلنے کی ہزار کوشش کرتا ہوں' جنبش تک نہیں ہوتی- قسم خدا
کی اس وقت تک ہڈیوں میں درد ہورہا ہے - بارے خدا خدا کر کے گرفت
ڈھیلی ہوئی تو میں ذرا علیحدہ ہوا- ابھی پوری طرح سانس بھی نہ لینے پا یا
تھا کہ اس نے میرے گلے میں باھیں ڈال بوسہ پر بوسہ لینا شروع کیا - بھلا مجھ
بڈھے کو دیکھو اور امیر صاحب کی اس حرکت کو دیکھو - کچھ تعریف کا یہ
طریقہ افغانستان ھی میں اچھا معلوم ہوتا ہوگا مجھے تومارے شرم کے پسینے چھوٹ
گئے - وہ اللہ کا بندہ ذرا دم لیتا اور سبحان‌اللہ کہہ کر پھر لپٹ جاتا —
لپٹتا اور لپٹتے ھی بوسے پر بوسہ لینا شروع کرتا- بچارے دوسرے بھلے آدمی
بیٹھے ہوے کیا کہتے ہونگے - جب میں نے اس مصیبت سے رہائی پائی
تو میری ناک سے پسینہ اس طرح بہہ رہا تھا جس طرح کسی ٹوٹی صراحی
میں سے پانی رستا ہے - نا بھائی نا ایسے درباروں کو میرا دور ھی سے
سلام ہے - کون شعر پڑھ کر اپنی ہڈیاں تڑوائے"- مولوی صاحب کو اپنی ہڈیاں

سہلاتے جاتے اور یہ قصہ بیان کرتے جاتے تھے مگر ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے مارے دل کھلا جا رہا ہے - اور سمجھہ رہے ہیں کہ شعر کی داد اس طرح اور اس رنگ میں آج تک نہ کسی شاعر کو ملی ہے اور نہ ملیگی —

اس تیزیٔ طبع کے ساتھہ صاف گوئی بھی بلا کی تھی - جو کہنا ہوتا تھا وہ کہے بغیر نہ رہتے تھے - اس میں کسی لفٹنٹ گورنر پر ہی حملہ کیوں نہ ہوجائے - سنہ ۱۹۰۴ ع میں لارڈ کرزن کا ایک لکچر ہوا - اور اس میں انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک ہندوستانی یورپ والوں کی طرح سچ بولنے کی عادت نہ ڈالینگے اس وقت تک ہندوستان ترقی نہیں کرسکتا - اخباروں میں یہ لکچر پڑھ کر مولوی صاحب کو بہت غصہ آیا - خدا کی قدرت دیکھو کہ اس کے چند ہی روز بعد ہمارے کالج میں سالانہ جلسہ ہوا - اور لارڈ لیفرائے جو ہندوستان کے لاٹ پادری تھے تشریف لائے - شامت اعمال سے انھوں نے بھی اپنے لکچر کا موضوع یہی قرار دیا - کالج کی طرف سے لاٹ صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مولوی صاحب تجویز کئے گئے - اب کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے - جو کچھہ دل میں بخار بھرا تھا، خوب اچھی طرح نکال لیا - کالج والے حیران تھے کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے - مولوی صاحب شکریہ ادا کر رہے ہیں یا لاٹ صاحب پر اعتراضات - مگر انھوں نے جب تک اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نہ نکال لی، خاموش نہیں ہوے - سب سے پہلے انھوں نے ہندوستان کے مغربی اثر کو نہایت پر مذاق پہلو سے بیان کیا - فرمانے لگے "حضرات پیجامہ اچھا ہے یا پتلون، ہم پرانے آدمی تو موسم کے لحاظ سے اٹھنے بیٹھنے کی سہولت و آرام کے لحاظ سے پیجامہ ہی کو اچھا کہیں گے - مگر آج کل کے ہندوستانی صاحب بہادر پتلون کا ساتھہ دیں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے - ہم اچکن یا انگرکھے کو اچھا کہیں گے کہ اس سے ستر ڈھکتا ہے - آدمی بھاری بھرکم معلوم ہوتا ہے - ہمارے یورپ کے دلدادہ بھائی کوٹ کو پسند کریں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے - ہم بڈھے سلیم شاہی جوتی پر جان دیں گے

کیونکہ اس میں پیر کو آرام ملتا ھے، نرم نرم اور سبک ھوتي ھے - ھمارے فیشن کے عاشق فل بوٹ کا انتخاب کریں گے - یہ کیوں - اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ھے - ھمارے پاس اپنی پرانی ھر چیز کے اچھے ھونے کا ثبوت موجود ھے - ان کے پاس صرف ایک جواب ھے کہ یورپ والے ایسا ھی پہنتے ھیں - اور بھئی ھے بھی یہی بات - قسمت نے ھم کو انگریزوں کا ماتحت کردیا ھے - ان کی ھر چیز ھمارے لئے قابل تقلید ھے اور ان کا ھر فعل ھمارے لئے چراغ ھدایت - اب افعال سے گزر کر اقوال پر نوبت آگئی ھے - پادری کرزن تھوڑے ھی دن ھوے فرماچکے ھیں کہ ھندوستانی سچ چھوڑو اور انگریزي سچ بولا کرو - آج ھمارے پادری لیفرائے بھی ان کے ھم نوا ھوے ھیں یا تو انھوں نے یہ سمجھا ھے کہ یہاں کے سچ اور یورپ کے سچ میں فرق ھے اور وقت آگیا ھے کہ پیجامے کی طرح ھندوستانی سچ کو اتار پھینک دیا جائے اور پتلون کی طرح ولایتی سچ پہن لیا جائے - یا ان کا یہ خیال ھے کہ ھندوستان کے کسی مذھب نے سچ کی تلقین ھی نہیں کی ھے اور یہ نیا مال دساور ھوکر ولایت سے آیا ھے - بہر حال کچھہ بھی ھو اب تمھارے پرانے سچ کی قدر نہیں رھی ھے - خدا کے لئے اگر اپنا بھلا چاھتے ھو تو ان لاٹ صاحبوں کا حکم مانو - یہ بڑے لوگ ھیں، مولوي نذیر حسین یا پنڈت بانکے لال نہیں ھے کہ اُنھوں نے ھندوستانی سچ بولنے کی ھدایت کی اور تم ھنسکر ٹال گئے - لاٹ صاحبوں کی بات نہ مانوگے اور ولایتی سچ نہ بولوگے اور یہ تازہ مال استعمال نہ کروگے تو یاد رکھو کہ نوکری ملنی مشکل ھوجائیگی - اور نوکری نہ ملی تو روٹیوں کو محتاج ھوجاؤگے - کیونکہ دونوں لاٹ صاحبوں نے یہ ھدایت نہیں کی ھے کہ نوکری کا خبط چھوڑو اور تجارت یا صنعت و حرفت اختیار کرو، اسی سے تمھارے دلدر دور ھوں گے " —

آخر میں مولوی صاحب نے تھوڑا بہت لارڈ لیفرائے کا شکریہ بھی ادا کردیا - لاٹ صاحب اردو بہت اچھی جانتے تھے - مولوی صاحب کی اس پرمذاق تقریر پر

مسکراتے رہے - مگر دل کا خدا ھی مالک تھا - کالج کے منتظمین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں- مگر یہاں 'تیر از کمان جستہ' کی صورت تھی - کیا کرسکتے تھے - البتہ دل میں اُنھوں نے ٹھان لی ھوگی کہ آئندہ مولوی صاحب کو شکریہ ادا کرنے کی تکلیف نہ دینا ھی مناسب ھے —

اس واقعہ کے کچھہ ھی دنوں بعد میں حیدرآباد چلا آیا پھر دو دفعہ دھلی میں مولوی صاحب سے میرا ملنا ھوا - پہلی دفعہ جو ملا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ امہات الامہ کی وجہ سے مولوی صاحب پر بڑی لے دے ھو رھی تھی- میں نے بھی اس کا ذکر چھیڑا- کہنے لگے " بھئی مجھے تو اس کتاب میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے لوگ اس طرح بر انگیختہ ھوجائیں- تم نے بھی یہ کتاب دیکھی ھوگی - آخر تم ھی بتاؤ کہ اس میں میں نے کونسی ایسی نئی بات لکھی ھے"- میں نے خود امہات الامہ نہیں دیکھی تھی- مگر میں مولوی صاحب کے طرز تحریر سے واقف تھا - اس لئے میں نے یہی کہا کہ "مولوی صاحب آپ کا طرز تحریر مذاق کا پہلو لئے ھوتا ھے - وہ کچھہ قصہ کہانیوں ھی میں مزا دیتا ھے - تاریخ کی کتابوں اور خاصکر مذھبی معاملات میں وہ کسی طرح کھپ نہیں سکتا - اگر لوگوں کو اعتراض ھوگا تو آپ کی طرز تحریر ھی کے متعلق ھوگا" - مولوی صاحب نے کہا "میرے کلام مجید کے ترجمہ کے متعلق تو یہ اودھم کیوں نہیں مچا"- میں نے کہا "اس پر بھی لوگوں کو اعتراض ھیں - مگر اس میں آپ کا معاملہ اللہ میاں سے ھے اور یہاں انسانوں سے- مشہور مقولہ ھے کہ " با خدا دیوانہ باش و با محمد ھوشیار" کچھہ سوچتے رھے پھر کہنے لگے - ھاں بیٹا کہتے تو سچ ھو - اس قسم کی تالیفات میرے دائرۂ تحریر سے باھر ھیں- انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس نقص کو رفع کر دوں گا —

جب میں چلنے لگا تو فرمایا "کہو بیٹا! پھر ملو گے - ابھی تو تمہارے جانے میں بہت دن ھیں"- میں نے کہا "انشاءاللہ ضرور آؤنگا"- ھنس کر کہنے لگے

نشاءالله کہنے کے بعد تم ضرور آئے - مسلمانوں کو جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو ہزاروں قسمیں کہا کر کہتے ہیں کہ یہ کام میں ضرور کروں گا - مگر جب کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا تو ہمیشہ یہی کہا کرتے ہیں کہ انشاءالله ضرور کرونگا - ہم تو اس کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اس کام کے کرنے کا تو ارادہ نہیں ہے - ہاں اگر خدا نے چاہا اور زبردستی یہ کام کرا دیا تو مجبوراً کرلینگے " - میں نے کہا " مولوی صاحب آپکو " انشاء الله " کے یہ معنی پہنانے مناسب نہیں ہیں - آپ مذاقیہ پہلو مذہبی معاملات میں بھی نہیں چھوڑتے " - کہنے لگے " میاں - پہلے ' انشاالله ' کے معنی دوسرے تھے آج کل کے مسلمان وہی معنی لیتے ہیں جو میں نے بیان کئے " - خدا کی قدرت دیکھو کہ اسی رات کو عین میرے پلنگ کے نیچے طاعون کا چوہا مرا - اور صبح ہی کے میل سے میں ایسا دهلی سے بھاگا کہ حیدرآباد آکر دم لیا -

دوسری دفعہ جو میں ملا تو مولوی صاحب کی صحت جواب دے چکی تھی - چھت پر جو چھوٹا کمرہ تھا اس میں آرہے تھے - رعشہ میں اضافہ ہو گیا تھا ' آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا - پلنگ پر بیٹھے رہا کرتے تھے - میں نے کمرے کے دروازے میں قدم رکھتے ہی بڑے زور سے سلام کیا - کہنے لگے "ہیں یہ کون صاحب ہیں"- میں نے کہا "میں ہوں"- پھر پوچھا " آخر ' میں ' کون صاحب ہوے - نام کیوں نہیں بتاتے - ارے بھائی اب مجھے صاف نہیں دکھائی دیتا - ذرا قریب آؤ"- میں نے کہا " واہ مولوی صاحب واہ - اگر آواز سے نہیں پہچانا تو خوب پہچانا ' دور سے پہچانئیے تو بات ہے"- ایک دفعہ ہی ہنس پڑے اور کہنے لگے "اوهو' مرزا فرحت صاحب ہیں - بھلا اور کون یہ بے تکی باتیں کرے گا - آؤ بیٹا' آؤ - اب کے تو کئی برس کے بعد آئے"- میں پاس گیا ' گلے لگایا ' حالات پوچھتے رہے - باتیں کرتے کرتے کہا "ذرا دیکھنا بھئی گھڑی میں کیا بجا ہے"- میں نے گھڑی دیکھکر کہا کہ "ساڑھے نو میں پانچ منٹ ہیں"- کہنے لگے "اوهو' دیر ہوگئی - ذرا میرا جوتا اور

جرابیں تو لے آؤ- میں نے لاکر جرابیں پہنائیں - جوتہ سوکھ کر لکڑی ہو گیا تھا- وہ زبردستی پاؤں میں ٹھونسا - جوتہ پہن کر کھڑے ہو گئے - میں نے کھونٹی پر سے اتار کر شیروانی اور ٹوپی دی- وہ پہن کر کہنے لگے "چلو بھئی چلو وقت تنگ ہو گیا ہے"- میں نے کہا "مولوی صاحب آخر کہاں جانا ہے"- کہنے لگے "بیٹا آج ایک مقدمہ کی پیشی ہے، وہاں جارہا ہوں، ذرا مجھکو کشمیری دروازہ تک تو لے چل"- بہر حال ہاتھہ پکڑ کر نیچے اترے باہر دیکھوں تو کوئی سواری نہیں- میں نے کہا "مولوی صاحب خدا کے لئے اب اس عمر میں تو اس طرح پیدل نہ پھرا کیجئے، خدا نے سب کچھہ دے رکھا ہے، آخر یہ کس دن کے لئے ہے - روپیہ اسی لئے ہوتا ہے کہ خرچ کیا جائے، بال بچوں کی طرف سے بھی بے فکری ہے، کیوں اس بڑھاپے میں آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، ذرا اپنی حالت کو دیکھئے اور کشمیری دروازہ کو دیکھئے، یہ دو میل جانا اور دو میل آنا، آپ کو مضمحل کر دیگا- ذرا ٹھیر جائیے، میں گاڑی لے آتا ہوں"- بہت بگڑے اور کہنے لگے "تجھکو میرے معاملے میں دخل دینے کي کیا ضرورت ہے - اب چلتا ہے تو چل نہیں میں کسی اور کو بلاتا ہوں- ابھی میرے ہاتھہ پاؤں نے ایسا جواب نہیں دیا ہے کہ کشمیری دروازہ تک نہ جا سکوں"- میں نے کہا "مولوی صاحب خدا کے لئے اب تو گاڑی رکھہ لیجئے، اگر آپ خرچ نہیں اُٹھاتے تو میں اُٹھاؤنگا"- ہنس کر کہنے لگے "کیوں نہو روپیہ اُچھلنے لگا ہے، کیا میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ گاڑی نہ رکھہ سکوں- بیٹا بات یہ ہے کہ پہلے تو میں نے اس لئے گاڑی گھوڑا نہیں رکھا کہ سائیسوں سے ڈر لگتا تھا؛ ایک تو دانہ گھاس چراتے ہیں، دوسرے گھوڑے کی مالش نہیں کرتے، تیسرے گاڑي کا آج یہ توڑا کل وہ توڑا، کون بیٹھے بٹھاے اپنی بھلي چنگی جان کو یہ عذاب لگائے اور دن رات کا فکر مول لے - رفتہ رفتہ پیدل پھرنے کی عادت ہوگئی- اب آخری عمر میں گاڑی کی ضرورت ہوئی تو گاڑي رکھتے ہوے شرم آتی ہے لوگ کیا کہیں گے کہ تمام عمر تو مولوی صاحب جوتیاں

چٹخاتے پھرے، اب بڑھاپے میں گاڑی پر سوار ہوکر پھرتے ہیں۔ نا بھئی نا، اب گاڑی رکھنا وضعداری کے خلاف ہے"۔ میں نے کہا "تو کمیشن ہی جاری کرا لیا ہوتا"۔ کہنے لگے "وہ بھئی میری وضعداری کے خلاف ہے۔ ہمیشہ کچہری میں جا کر گواہی دی، اب بڑھاپے میں اس وضعداری کو کیوں توڑوں"۔ بہر حال یہاں حجتیں کرتے کرتے کچہری پہنچ گئے۔ ڈپٹی صاحب کو اطلاع ہوئی۔ انھوں نے مولوی صاحب کو اپنے کمرے میں بٹھایا اور سب سے پہلے انھیں کا مقدمہ لیکر ان کی شہادت قلمبند کی۔ اور یہ جس طرح گئے تھے اُسی طرح ہانپتے کانپتے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر آئے —

حیدرآباد آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اُس چہکتے ہوے بلبل نے اس گلشن دنیا سے کوچ کیا۔ جب کبھی دہلی جاتا ہوں تو مولوی صاحب کے مکان پر ضرور جاتا ہوں۔ اندر قدم نہیں رکھتا مگر باہر بڑی دیر تک دیوار سے لگ کر دروازے کو دیکھا کرتا ہوں اور رہ رہ کر ذوق کا یہ شعر زبان پر آتا ہے:

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائینگے

اللہ بس باقی ہوس

اساتذہ کی اصلاحیں

از

(جناب صفدر مرزاپوری صاحب)

——— (خواجہ وزیر 'وزیر') ———

خواجہ اسد علی آفتاب الدولہ 'قلق' : —

قلق: صاف لکھہ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
حال روشن ہوگیا سارا خط تقدیر کا

اصلاح : صاف لکھہ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کُھل گیا سارا خط تقدیر کا

مصرعہ ثانی میں " تحریر " کی رعایت سے خواجہ صاحب نے " لو لفافہ کُھل گیا " بنا یا اور خوب بنایا - اس اصلاح سے شعر میں لطافت پیدا ہوگئی - اور ایک محاورہ بھی نظم ہوگیا —

قلق : صاف دل ہوں مدعی پہنچا سکے کا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

اصلاح : بے لیاقت ہوں مدعی پہنچا سکے کا کیا ضرر
کارگر کیا نیش ہوگا عقرب تصویر کا

پہلے مصرع میں بجائے " صاف دل ہوں " کے " بے لیاقت " بنایا - جس سے ضمناً مدعی کی تضحیک بھی ہوئی اور شعر بھی صاف ہوگیا —

قلق: جب ہوا گرم سخن تو بزم کو مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

اصلاح: جب ہوا گرم کلام مختصر مہکا دیا
عطر کھینچا یار کے لب نے گُل تقریر کا

مصرعہ اوّل میں بجائے "سخن تو بزم" کے "کلام مختصر" بنا کر دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کردیا کلام مختصر کا ٹکڑا ایسا معنی خیز رکھدیا کہ عطر کھنچنے کا ثبوت قوی ہوگیا۔ کتنی نازک اصلاح دی —

قلق: اِدھر بھی دیکھہ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

اصلاح: ادا سے بھی دیکھہ لو جاتا رہا گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

صرف ایک لفظ "ادا" نےشعر میں کیا کیا ادا پیدا کردی۔ ایسی اصلاح کو اصلاح کہتے ہیں جسنے اس مطلع کو مقبول خاص و عام کردیا۔ دیکھئے اک زرا سے لفظ نے مطلع میں لاکھوں بناو پیدا کردئے —

قلق: الٰہی خیر ہو کچھہ آج رنگ لایا ہے
تپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

اصلاح: الٰہی خیرہوکچھہ آج رنگ بےتھب ہے
تپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

پہلے مصرع میں بجائے "رنگ لایا ہے" کے "رنگ بے تھب ہے" بنا کر شعر میں لطف زبان پیدا کردیا —

قلق: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
پھر جگہ آنکھوں میں دینے لگیں مردم مجکو

اصلاح: نگہہ مہر سے دیکھو جو زرا تم مجکو
آنکھہ کا تارا سمجھنے لگیں مردم مجکو

دوسرے مصرع میں '' پھر جگھہ آنکھوں میں دینے لگیں '' کے بجائے '' آنکھہ کا تارا سمجھنے لگیں '' بنایا جس سے شعر میں ترقی کے علاوہ مناسبت الفاظ کس قدر پیدا ہوگئی —

قلق : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے خوشرو
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

اصلاح : مسکرانا ترا یاد آتا ہے جب اے گل تر
خون رلواتا ہے غنچوں کا تبسم مجکو

پہلے مصرع میں '' خوشرو '' کے بجاے '' گُل تر '' بنا کے شعر کو رعایت لفظي سے مالا مال کردیا - یہ اُس دور کا خاص مذاق تھا - جو اب نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے * —

——— (میر 'وحید' الہ‌آبادی) ———

خان بہادر لسان‌العصر اکبر الہ‌آبادی :—

اکبر: آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
او مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

اصلاح : آج آرایش گیسوے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے '' او '' کے ''پھر'' بنا یا - اس ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع کے معنی کیا سے کیا ہو گئے' سبحان اللہ —

اکبر : ہاں کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

اصلاح : پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہےکہ محبت بھی بلا ہوتي ہے

---

* یہ اصلاحیں بھی حضرت 'عشرت' لکھنوی نے مرحمت فرمائیں —

پہلے مصرع میں بجائے "هاں" کے پھر "پھر" بنایا جس سے شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا اور معنوی خوبیاں بڑھ گئیں —

اکبر : ہوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
مرتے دم تک نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اصلاح : ہوں فریب نگہہ ناز کا قایل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

حضرت اکبر خود فرماتے تھے کہ میں نے اپنے خیال میں "مرتے دم تک" یہ ٹکڑا بہت سمجھہ کے رکھا تھا مگر اُستاد وحیدالعصر نے بجائے اس کے "مرتے مرتے" جو بنایا تو بے ساختہ جی چاہا کہ دست مبارک کو بوسہ دوں واقعی عجیب نادر اصلاح دی جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اب ذرا مرتے مرتے کے معنی غور فرمائیے۔ اور حضرت وحید سے کامل الفن اُستاد کی روح کو فاتحہ سے ثواب پہنچائیے —

اکبر : اُنھیں سے ہوئی مجھہ کو اُلفت کچھہ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

اصلاح : تمھیں سے ہوئی مجھکو الفت کچھہ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی

مصرعۂ اولیٰ میں بجائے "اُنھیں" کے "تمھیں" کا معنی خیز لفظ رکھہ دینا ایسے ہی با کمال اُستاد کا کام تھا۔ ظاہری معنی تو جو ہیں وہ ظاہر ہیں مگر میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو معنی اس کے سمجھے ہیں وہ عرض کئے دیتا ہوں۔ دوسرے مصرع میں قایل کہتا ہے "نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی" اس موقع پر لفظ (میری) کو ذرا زور دے کر پڑھئے تو انکشاف معنی ہوجائے۔ مطلب یہ کہ میری طبیعت ایسی نہ تھی بلکہ تمھاری طرف سے ابتدا ہوئی۔ " عشق اول در دل معشوق پیدا می شود" کا مصداق سمجھہ لیجئے۔ یعنی تمھیں نے مجھے محبت کا

سبق دیا ورنہ میری طبیعت کچھہ ایسی نہ تھی کہ کسی سے الفت ہوتی - ابتدائے محبت اُدھر ہی سے ہوئی * —

——— (میر ببر علی انیس) ———

مشاطۂ سخن حصۂ اول صفحہ ۴۷ میں خاکسار مؤلف نے جناب نبن صاحب برادر کوچک مولوي سید سبط حسین سے سن کر یہ لکھدیا تھا کہ میر نواب مونس مرحوم نے ایک مرثیہ جس کا مطلع یہ تھا " پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" بڑی محنت سے کہا اور میر صاحب مرحوم کو یہ کہکر سنایا کہ اگر ایک اصلاح بھی آپ اس مرثیہ پر دیدیں تو میں مرثیہ آپ کے نذر کردوں - میر انیس مرحوم نے فرمایا کہ میں مرثیہ لے لوں گا' اُنھوں نے کہا جی ہاں - اس شرط کے بعد کہا اچھا پڑھئیے - مونس نے پڑھنا شروع کیا جب یہ بند پڑھا

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز سرخ زرد
رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

اسی بند کے تیسرے "مصرع" کو میر انیس مرحوم نے یوں بنایا "رکھتی تھی پھونک قدم اپنا ہوائے سرد" اور مرثیہ مطابق شرط کے مونس مرحوم کو دینا پڑا —

اس واقعہ کی تردید زبانی اکثر احباب سے کی اور کئی مضامین اس کی تردید میں میرے پاس آئے - جس میں سے مولانا قتیل پھر سری کا مضمون مع اپنے مختصر نوٹ

---

* یہ اصلاحیں مجھے اپنے محترم دوست محمد علیم خاں صاحب "ملہم" الہ آبادی سے ملیں جو حضرت اکبر کے خاص دوستوں میں ہیں اور مرحوم ہی سے مشورۂ سخن بھی فرماتے تھے - ان اصلاحوں کا ذکر خود اکبر مرحوم نے اُن سے فرمایا تھا جو ان کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں —

کے "حسن ادب" میں میں نے شایع کرادیا - میں انسان ہوں کوئی عالم لاہوت کا باشندہ نہیں اگر میں نے دھوکا کھایا تو اس کا اعتراف کرتے ہوے معذرت خواہ بھي ہوں —

میں اپنے فکتہ رس دوست حضرت حامی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے مشاطۂ سخن کا ریویو کرتے ہوے اس اصلاح کا بھی ذکر فرمایا اور نہایت تحقیق کے ساتھہ رسالہ "زمانہ" ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ع میں اس واقعہ کی اصل روایت یوں تحریر فرمائی —

میر انیس مرحوم نے ایک مجلس میں اپنا یہ مرثیہ پڑھا تھا -

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

اس کے اختتام پر وقت شام یوں دکھایا ہے-

ٹاپوں سے اُڑ کے سوے فلک جارہی تھی گرد

سبزے پہ لوٹ پوٹ تھا مینائے لاجورد

دوسرے روز میر مونس مرحوم ایک مرثیہ لکھکر لائے اور میر انیس کی خدمت میں پیش کیا - اُنہوں نے صبح کی سینری اس بند میں دکھائی-

زردی شفق میں اور وہ مینائے لاجورد

مخمل سي نرم گیاہ میں گُل سبز سرخ زرد

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہواے سرد

یہ خوف تھا کہ دامن گُل پر پڑے نہ گرد

میر انیس نے دیکھا اور گرم ہوکر فرمایا کہ یہ کیا دفعتاً آسمان سے زمین پر نیچے گر پڑے-ذرا خوب غور کرو کہ یہ ہوا کی چوری سے آنے کا محل نہیں رہا- پھر کُل بند کے مصرعوں کو یوں بنایا ـ

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد

مخمل سي وہ گیاہ وہ گُل سبز سرخ زرد

رکھتی تھی دیکھکر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

مونس نے عذر کیا کہ ہوا کے آنکھیں کہاں جو دیکھ سکے - انیس نے فرمایا مگر کان تو ہیں - مطلب یہ کہ پھونکنا کسی بات کا کان کے اندر کہا جاتا ہے اور پامالی گل تر کے خوف سے ہوا کو قدم قدم پر دیکھنا ضرور تھا—

ایسے با خبر و با کمال سخنور اب مشکل سے پیدا ہوں گے جن کی ملکہ فطرت شناسی اور لطف زبان آوری اب تک یادگار و سبق آموز اہل و نہار ہیں—

میر صاحب نے اس بلد میں جن جن مقامات پر اپنا قلم اٹھا دیا ہے - وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہیں اور واقعی سبق آموز ہیں—

میر مونس کا یہ مطلع آج زبانوں پر ہے مگر اصل میں مونس نے یوں کہا تھا

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
یونہی مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

میر انیس نے فرمایا کہ بھائی دوسرے مصرع کو یوں بنادو 'ع:

گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

سبحان اللہ - اس اصلاح کی تعریف میں زبان و قلم دونوں قاصر ہیں - پہلے مصرع میں دو ٹکڑے ہیں - ' نہ تڑپنے کی اجازت ہے ' دوسرا ' نہ فریاد کی ہے' ان دونوں ٹکڑوں کا ثبوت قوی ''گھٹ کے مرجاؤں'' اِس ٹکڑے سے پیدا ہو گیا - ورنہ '' یونہی مرجاؤں'' تو یونہی تھا - اسی اصلاح کا یہ اثر ہوا کہ یہ مطلع مشہور عالم ہو گیا —

یہ اصلاح داروغہ واجد حسین صاحب ' واقف ' تلمیذ حضرت ' اسیر' مرحوم نے عنایت فرمائی - اُن کو جناب بابو صاحب خلف عارف مرحوم نبیرۂ انیس سے حاصل ہوئی—

——— (مرزا سلامت علی دبیر لکھنوی) ———

میر واجد حسین مجھ سے ناقل تھے کہ ایک مرثیہ کسی شاگرد کا کہا ہوا، مجھے مرزا صاحب نے دیا کہ اس کو صاف کردو۔ حضرت عباس کے حال کا مرثیہ تھا، اس موقعہ پر کہ جب حضرت عباس خیمے سے برآمد ہوے ہیں، مرزا صاحب نے اصلاحاً یہ ٹیپ لکھی تھی —

آپ آتے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے

اقبال سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

مجھے جو شرارت سوجھی تو میں نے دوسرا مصرع یوں لکھدیا، ع:

ہاں فتح سے کہدو کہ عناں تھامنے آئے

میں گردن جھکاے لکھ رہا تھا کہ مرزا صاحب آہستہ آہستہ آکر پیچھے کھڑے ہوگئے، مجھے خبر نہ ہوئی، اس ٹیپ کو پڑھکر ہنسے اور فرمایا، واہ میر واجد حسین صاحب! آپ نے تو مجھے بھی اصلاح دیدی۔ اب میں نے گردن اٹھائی، دیکھا مرزا صاحب کھڑے ہوے ہیں، میں چپ، فرمایا کیا اقبال سے آپ فتح کو اس موقع پر ترجیح دیتے ہیں میں نے عرض کی، جی نہیں، اس وقت میرے خیال میں یونہی آگیا، میں اس کو مٹاے دیتا ہوں، کپڑا پانی میں ڈوبا ہوا سامنے رکھا تھا، میں نے اٹھایا، فرمایا ذرا ٹھیرو، سمجھ تو لو، لفظ فتح میں کیا برائی اور اقبال میں کیا خوبی ہے۔ میں نے کہا فرمائیے، فرمایا، اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مونث ہے۔ پس جب شاعر اچھے شگون کے خیال سے یہ کہتا ہے کہ عورت کوئی نہ سامنے آئے تو فتح جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا۔ اس کے سوا لفظ اقبال کے لفظی معنے پر غور کرو، اقبال کے خود معنے آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں —

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۵۴)

برادر مکرم جناب نفیس بنگلوری تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا احمد صاحب ظہور، جن کے انتقال کو ابھی ۳ برس ہوے، مجھ سے ناقل تھے، کہ ایک دن

میرصفدرعلی'صفدر'مرحوم میری موجودگی میں اپنا مرثیہ سناتے جاتے تھے' اور مرزا مرحوم سن سن کر جا بجا اصلاح دیتے جاتے تھے کہ انھوں نے ایک مقام پر تلوار کی تعریف میں یہ ٹیپ پڑھی—

سد سکندری کو تپ لرزہ آتی تھی   دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھراتی تھی

فرمایا اس کو یوں بناؤ—

سد سکندری پہ جو بھڑکی گھلا دیا   دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی رلا دیا

(حیات دبیر جلد اول صفحہ ۶۳)

———(مرزا اصغر علی خاں نسیم دھلوی)———

منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی :

ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ اُٹھتے ھی کسکا دیکھا

اصلاح : ھاے اب تک نہ رخ ساغر و مینا دیکھا
آج کیا جانئے منہ صبح کو کس کا دیکھا

دوسرے مصرع میں بجاے "منہ اٹھتے ھی" کے "منہ صبح کو" بنایا۔ خاص محاورہ یہی تھا جو اس محل پر اصلاح میں صرف کیا گیا۔ صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کس قدر لطف زبان پیدا ھو گیا اور ایک رکیک پہلو جو شعر میں پہلے تھا جاتا رھا—

تسلیم: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی باتیں
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

اصلاح: کون سنتا ھے میں کس سے کہوں دل کی ساقی
پنبہ در گوش تری بزم میں مینا دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "باتیں" کے "ساقی" بنایا۔ ظاھر ھے کہ دوسرے مصرع میں مینا کا ذکر ھے اسی مناسبت سے پہلے مصرع میں ساقی سے خطاب ھے۔

اصلاح سے شعر صاف ہو گیا اور "تری بزم" کا ثبوت قوی ہو گیا —

تسلیم: روتے روتے میں اگر سو بھی گیا فرقت میں
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

اصلاح: روتے روتے میں اگر سو بھی گیا ھجر کی شب
خواب میں دیدۂ پر آب نے دریا دیکھا

مصرعۂ ثانی میں خواب کا ذکر ھے اس لئے مصرعۂ اولیٰ میں اُستاد نے بجاے "فرقت میں" کے "ھجر کی شب" بنایا - خواب کے لئے شب کی ضرورت تھی - میرے ایک دوست نے اس شعر کو سن کر فرمایا کہ ھجر کی شب کا سونا قیامت ھے میں نے عرض کیا کہ تقاضاے فطرت ھے - مسکرا کر خاموش ھو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے اس برجستہ فقرے کی داد دی —

تسلیم: سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ سنبل پیچاں لچک گیا

اصلاح: سایہ جو زلف کا کمر یار تک گیا
مانند شاخ نازک سنبل لچک گیا

دوسرے مصرع میں اُستاد نے "نازک" کا لفظ بنا کر شعر میں نزاکت پیدا کردی —

تسلیم: لاتی ھے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے آکے تو غنچہ چٹک گیا

اصلاح: لاتی ھے فرق رسم محبت میں دل لگی
چھیڑا صبا نے پیار سے غنچہ چٹک گیا

دوسرے مصرع میں " آکے تو " زاید تھا اس لئے بجاے اس ٹکڑے کے اُستاد کامل نے " پیار سے " بنا کر پہلے مصرع میں جو "محبت" کا لفظ تھا اُس کو ثابت کردیا - عمدہ اصلاح ھے —

تسلیم: پہلو میں اب کہاں دل گم گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

اصلاح: پہلو میں اب کہاں دل خوں گشتہ کا پتا
مدت ہوئی کہ دیدۂ تر سے ٹپک گیا

پہلے مصرع میں "گم گشتہ" کو قلم زد فرما کے خوں گشتہ بنایا - واقعہ ہے کہ جب تک خوں گشتہ نہ ہوتا دیدۂ تر سے ٹپکنا ناممکن تھا - اُستادانہ اصلاح دی —

تسلیم: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
روڈئے ہم عالم گور غریباں دیکھکر

اصلاح: پھول خشک - افسردہ سبزہ - شمع چپ بالیں اُداس
جی بھر آیا عالم گور غریباں دیکھکر

مصرعۂ ثانی میں "روڈئے" کے بجائے "جی بھر آیا" بنا کر شعر میں درد و اثر پیدا کردیا - جیسا بے مثل شعر تھا ویسی ہی بے نظیر اصلاح بھی دی - اس شعر میں حسرت و یاس و بے کسی کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اُس سے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے - حضرت تسلیم کا یہ شعر اُن کے تین دیوانوں میں سرمایۂ ناز ہے —

تسلیم: سچا ہے اگر دعویٰ دل میں وہی کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھالے

اصلاح: سچا ہے اگر دعویٰ دل میں بت کافر
رکھدیتے ہیں مسجد میں قسم کھا کے اُٹھالے

پہلے مصرع میں "وہی" کی ضرورت کیا تھی جب "بت" کا لفظ بے تکلف آسکتا ہے - کافر کی رعایت اور مسجد کی مناسبت سے "بت" کا لفظ خوب

بنایا گیا* —

———(منشی امیر احمد 'امیر' مینائی)———

منشی نعیم الحق 'ضو' شیخپوری:—

بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
رو برو گالوں کے یا دو شمعیں روشن ہوگئیں

اصلاح: بجلیاں کانوں کی رخ پر عکس افگن ہوگئیں
دھری شمعیں رو برو گالوں کے روشن ہوگئیں

جناب 'ضو' کا مصرعہ ثانی لیٹا ہوا تھا۔ اُستاد نے اصلاح سے چمکا دیا۔ اب مطلع میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی —

ضو: کس طرح سے بوسہ لوں زلفیں تو دشمن ہوگئیں
زلفیں اُڑ پڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں

اصلاح: پردے پردے میں وہ زلفیں میری دشمن ہو گئیں
اُڑ کے اُن کے عارض روشن پہ چلمن ہوگئیں

اس اصلاح سے مطلع میں جو معنوی خوبیاں پیدا ہوگئیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں۔ 'ضو' کے دونوں مصرعوں میں زلف کی تکرار اور پہلے مصرع میں " بوسہ " کا مذموم لفظ سب کی اصلاح ہوگئی اور لطف یہ کہ مفہوم وہی رہا۔ بلکہ ایک نازک معنی یہ پیدا ہوگئے کہ زلفیں جب اُڑ کر رخ روشن پر چلمن ہوگئیں تو ہم نظارۂ رخ روشن سے بھی محروم رہے —

ضو: یاد میں اُس بت کے روئے اس قدر ہم پھوٹ پھوٹ
پتلیاں آنکھوں کی دھودھا کر برہمن ہوگئیں

---

* یہ اِصلاحیں بھی حضرت 'عشرت' لکھنوی نے مرحمت فرمائیں۔ اِن اِصلاحوں کا ذکر خود حضرت تسلیم مرحوم نے خواجہ عشرت سے فرمایا تھا۔ جن کو اُنھوں نے نوٹ کرلیا تھا —

اصلاح : یاد میں اُس بت کے روئیں اس قدر آنکھیں مری
پتلیاں دونوں نہا دھو کر برہمن ہوگئیں

چونکہ دوسرے مصرع میں پتلیوں کا ذکر تھا اس لئے اُستاد عدیم النظیر نے پہلے مصرع میں آنکھیں دکھائیں اور مصرع ثانی میں " دھو دھا کر " عوام کی زبان تھی - اُسے " نہا دھو کر " بنا کے شعر کو شستہ و صاف کردیا—

ضو: روتے روتے کوئی دم میں دیکھنا ڈوبیں گے ہم
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

اصلاح : روتے روتے عشق میں آخر کو جی ڈوبا مرا
اشک کی موجیں اُمنڈ کر تا بگردن ہوگئیں

پہلے مصرع میں جس خوش اسلوبی سے اُستاد نے "جی ڈوبا" کا محاورہ نظم کردیا اس سے شعر گوہر نایاب ہوگیا اور عشق کا لفظ بھی بڑھایا جس سے شعر میں روانی اور ترقی پیدا ہوگئی-کیا اُستادانہ اصلاح دی کہ ردیف بھی ہاتھ سے نہ گئی—

ضو: قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی دل کو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

اصلاح : قتل بھی مجکو کیا اور لوٹ بھی مجکو لیا
چتونیں قاتل بنیں اور آنکھیں رہزن ہو گئیں

پہلے مصرع میں بجاے " دل " کے "مجھہ" بنایا - جس سے پہلے مصرع کے دونوں ٹکڑے برابر کے ہوگئے - اصل مصرع میں ایک جگھہ 'مجکو' ایک جگہ 'دل' کو بُرا تھا—

ضو: سوزش دل کا برا ہووے کہ مرنے پر بھی ضو
هڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

اصلاح : کس غضب کی دل میں سوزش تھی کہ مرنے پر بھی ضو
هڈیاں جل جل کے سرمہ زیر مدفن ہوگئیں

پہلے مصرع میں "برا ہووے" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا- اس لئے اُستاد نے

"کس غضب کی دل میں سوزش تھی" بنایا سوزش کے لئے غضب کا لفظ بڑھاکر شعر میں گرمی پیدا کردی - اصلاح سے شعر صاف ہوگیا —

ضو: میں کس طرح سے تیرے کوچے میں آؤں
که آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے
که آکا تیرے نقش پا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں "سے" زاید تھا اس لئے "کوئی کس طرح تیرے کوچے میں آئے" یہ مصرع لکھدیا گیا اب شعر صحیح ہوگیا —

ضو: کوئی برق سمجھے ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

اصلاح: کوئی سیل سمجھا ہے توسن کو اُن کے
مگر ہم تو اُس کو ہوا باندھتے ہیں

پہلے مصرع میں بجائے "برق" کے "سیل" بنایا - کیونکہ "برق" ہوا سے سریع‌السیر ہے کتنی نازک اصلاح ہے —

ضو: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
سخن کے باغ کا مرجھا گیا گل

اصلاح: جناب ذوق کیا اُٹھے جہاں سے
که مرجھایا سخن کے باغ کا گل

مصرعهٔ ثانی میں تعقید تھی - اس لئے مصرع میں ذرا سی اُلٹ پھیر کردی گئی اور قافیه بھی وہی رہا —

ضو: رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھ ایسی ہوئی
که نگاہ اُٹھتی ہے ان کی آج شرمائی ہوئی

اصلاح : رات وقت وصل اُن سے چھیڑ کچھہ ایسی ہوئی
جو نگاہ اُٹھتی ہے ان کی ہے وہ شرمائی ہوئی

مصرعۂ ثانی میں بجائے "کہ" کے "جو" بنایا اور بجائے "آج" کے "ہے وہ" بناکر شعر میں صفائی پیدا کردی —

ضو : کوئی آفت آئے گی یہ تو کہے دیتا ہے رنگ
ہے اُداسی ہر در و دیوار پر چھائی ہوئی

اصلاح : کون اس گھر سے سدھارا ہے مثال شمع صبح
اک اُداسی ہے در و دیوار پر چھائی ہوئی

پہلا مصرع 'ضو' کا بالکل بے محل تھا - اس لئے پورا مصرع بدلا گیا۔ جس سے معشوق کی رخصت کا سین اور پھر شمع صبح سے اُسکی تشبیہہ۔ کتنی شاعرانہ نزاکتیں پیدا کردی گئیں۔ دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا یعنی "ہے" کے بجائے "اک" اور "ہر" کے بجائے "ہے" بناکر شعر کو حسرت و یاس کا اک مرقع بنادیا —

ضو : میری حالت رحم کے قابل بوقت نزع تھی
پھر گئی کچھہ سوچ کر جو موت بھی آئی ہوئی

اصلاح : رحم کے قابل میری حالت تھی ایسی وقت نزع
پھرگئی بالیں سے میری موت بھی آئی ہوئی

پہلا مصرع بالکل ترمیم کیا گیا۔ دوسرے مصرع میں بھی تصرف کیا گیا جس سے شعر شعر ہوگیا۔ مصرعۂ اولیٰ میں "ایسی" کا لفظ بنانے سے شعر کا صحیح مفہوم ادا ہوگیا - اگر "ایسی" کا لفظ نہ بنایا جاتا تو موت کا بالیں پر آکر پھر نا ناممکن تھا

ضو : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
بار خاطر ہو نہ کم سن کے لئے

اصلاح : ہلکی ہلکی بوے گل لانا نسیم
ہیں نازک طبع کم سن کے لئے

مصرعۂ ثانی 'ضو' کا اُلجھا ہوا تھا۔ "بار خاطر" کا ٹکڑا اُستاد کے طبع نازک پر گراں تھا۔ اس لئے "مرے نازک طبع" بنا کر شعر میں ایک خاص نزاکت پیدا کردی۔
اسی قافیہ میں حضرت کا بھی ایک شعر زبانوں پر ہے' ملاحظہ ہو —

امیر : باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہیں ایک کم سن کے لئے

ضو : دخت رز کا کچھ نہیں کھلتا ہے حال
ہے اُچھلتی جام میں کن کے لئے

اصلاح : دخت رز کا کچھ نہیں کھلتا ہے حال
جام میں بے چین ہے کن کے لئے

دوسرے مصرع میں "ہے اچھلتی جام میں" کے بجائے "جام میں بے چین ہے" بناکر شعر کو فصیح کردیا۔ ہے اچھلتی کا ٹکڑا غیر فصیح تھا —

ضو : پھوٹتی نظروں بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

اصلاح : آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں وہ دیکھتے
مبتلائے غم ہے دل جن کے لئے

پہلے مصرع میں "پھوٹتی نظروں" یہ ٹکڑا بے محل تھا۔ اس لئے "آنکھ اُٹھاکر" بنا دیا۔ اب شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

ضو : گرد غم کی یہ میرے دل پہ نہیں بیٹھ گئی
اک زمیں اُڑکے سر عرش بریں بیٹھ گئی

اصلاح : گرد غم اُڑکے میرے دل پہ نہیں بیٹھ گئی
اک زمیں اُٹھ کے سر عرش بریں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں بجائے "گرد غم کی یہ" کے "گرد غم اڑکے" بنایا کیونکہ "گرد" کے لئے اُڑنے ہی کی ضرورت تھی دوسرے مصرع میں بجائے "اک زمیں

اُڑکے'' ''اک زمیں اُٹھ کے'' بنایا - کیونکہ زمیں اُڑ نہیں سکتی بلکہ اُٹھ سکتی ہے—

ضو : کیسے اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

اصلاح : کیونکر اچھی ہو غزل ٹھیک ہے ارشاد امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں "کیسے" بجائے "کیونکر" ناجائز ہے - اس لئے یہ لفظ ترمیم کیا گیا —

ضو : تاب لائی نہ اجل بھی مرے سوز دل کی
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھ گئی

اصلاح : تاب لائی نہ اجل پھرگئیں آنکھیں جو مری
ایسا چکر اُسے آیا کہ وہیں بیٹھ گئی

پہلے مصرع میں سوز دل کو چکر سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے اُستاد کامل نے یہ ٹکڑا رکھدیا - ''پھرگئیں آنکھیں جو مري'' جس سے دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ایک خاص ربط پیدا ہوگیا- اور شعر میں رواني اور سلاست بڑھ گئی—

ضو : اے ضو نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھی کہ اُڑا لے گئی دل کو

اصلاح : ہاں ہاں نہیں ہاتھوں کی حنا لے گئی دل کو
اک شوخ پری تھي کہ اُڑا لے گئي دل کو

پہلے مصرع میں ''اے ضو'' کے بجائے ''ہاں ہاں'' بناکر لفظ "نہیں" کی مناسبت پیدا کردی - اس تکرار نے مطلع کو دل آویز کردیا - بندش چست ہوگئي' شعر عمدہ ہوگیا —

ضو : چتوں نے لیا ہے کہ ادا لیگئی دل کو
یہ وہم غلط شرم وحیا لیگئی دل کو

اصلاح: چتون نے لیا ھے دہ ادا لیگئی دل کو
یہ سب ھے غلط شرم و حیا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں چتون و ادا کا ذکر کیا گیا ھے اسلئیے دوسرے مصرع میں "یہ وھم" کے بجاے "یہ سب ھے" بنا کر پہلے مصرع کا صحیح مفہوم ادا کرا دیا - کیونکہ پہلے مصرع میں چتون و ادا دونوں کو اس الزام سے بری کرنا مد نظر تھا - اور دوسرے مصرع میں شرم و حیا کو مورد الزام ٹھرانا تھا - اصلاح سے یہ معنی پیدا ھو گئے —

ضو: اے حضرت ضو شکر گزاری کا ھے موقع
دنیا سے چھٹنے یاد خدا لیگئی دل کو

اصلاح: اے حضرت دل شکر گزاری کا ھے موقع
دنیا سے چھٹا یاد خدا لیگئی دل کو

پہلے مصرع میں بجاے "ضو" کے "دل" سے خطاب کیا گیا - کیونکہ قافیہ مصرعۂ ثانی میں دل ھی کا ھے اور دوسرے مصرع میں بجاے "چھٹنے کے "چھٹا" بنایا کیونکہ "دل" کے لئے اسی لفظ کی ضرورت تھی —

ضو: اپنے کو سمجھتے تھے جو اُستاد زمانہ
لاتے ھیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

اصلاح: جو جانتے تھے آپ کو اُستاد زمانہ
لاتے ھیں وہ اصلاح کو دیواں مرے آگے

پہلے مصرع میں "اپنے کو سمجھتے تھے" اس ٹکڑے میں رکاکت تھی اس لئے "جو جانتے تھے آپ کو" بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

ضو: آنکھیں تری کرتی ھیں اشارہ سمجھاے مست
یا ناچ دکھاتی ھیں یہ پریاں مرے آگے

اصلاح : آنکھیں تری کرتی ھیں اشارے سر محفل
یا رقص میں سر گرم ھیں پریاں مرے آگے

اے سبحان اللہ دونوں مصرعوں میں ترمیم اس حسن سے کی گئی کہ مفہوم وھی رھا اور شعر میں روانی وسلاست پیدا ھو گئی رقص کے لئے سر محفل ھی کی ضرورت تھی - مصرعۂ ثانی میں ناچ دکھاتی ھیں - اس ٹکڑے میں کسقدر ثقالت تھی بجائے اُس کے " رقص میں سرگرم ھیں " میں کتنی فصاحت ھے - اصلاح اسی کا نام ھے —

ضو : اے ضوجو کہیں بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جائیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

اصلاح : اے ضو میں اگر بزم سخن میں ھوں غزلخواں
ھو جائیں ابھی گنگ غزلخواں مرے آگے

پہلے مصرع میں "جو کہیں" بجائے "میں اگر" بنا کر شعر میں صفائی پیدا کر دی*

حافظ محمد علی حفیظ جونپوری مرحوم :

بیٹھ جاتا ھوں جہاں چھاؤں گھنی ھوتی ھے
کچھ عجب چیز غریب الوطنی ھوتی ھے

---

* محبی جناب وصل بلگرامی ایڈیٹر " مرقع " کے دفتر میں حضرت ضو کی بیاض تھی - جس پر منشی صاحب کے قلم کی اصلاحیں تھیں - ایک روز حضرت وصل کی عدم موجودگی میں وہ بیاض میری نظر سے گزری میں نے ایک بار اُسے شروع سے آخر تک پڑھا - پھر دوبارہ اسکی نقل کی - میں نقل کر چکا تھا کہ جناب وصل و لسان الملک حضرت ریاض آگئے - وصل نے مجھسے کہا کہ آپ نے میری عدم موجودگی میں یہ اصلاحیں کیوں نقل کر لیں - میں نے کہا کہ مدت سے آپ وعدہ فرما تے رھے آج بیاض مجھے مل گئی میں نے نقل کر لیا - اس پر کہنے لگے تاہم میرے اجازت کی ضرورت تھی - مجھے یہ فقرہ گراں گزرا' میں نے وہ نقل شدہ کاغذ پرزے پرزے کر کے وھیں پھاڑ دیا اور گھر پر آکر ذھن پر زور دیا اور جو اصلاحیں یاد آئیں اُن کو لکھ لیا —

اصلاح : بیٹھہ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

یہ مطلع حفیظ مرحوم کے دونوں دیوانوں میں سر مایۂ ناز ہے اور دنیا ے شاعری میں نہایت قدر کی نگا ہوں سے دیکھا جا تا ہے اُستاد عدیم النظیر نے مصرعۂ ثانی میں " کچھہ عجب چیز " کے بجاے " ہاے کیا چیز " بنا کر تین صاف آب زر سے بنا کر یہ الفاظ تحریر فر مائے کہ اگر میں بھی فکر کرتا تو یہی کہتا - دیکھئے ایک ہاے نے کیا قیامت ڈھائی کہ اب اس زمین میں ایسا حسرت انگیز وعبرت خیز درد میں ڈوبا ہوا مطلع ہونا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے -

حفیظ : دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
شب کو اک چادر مہتاب تنی ہو تی ہے

اصلاح : دن کو اک نور برستا ہے مری تر بت پر
رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

مصرعۂ ثانی میں بجاے " شب کو اک " کے " رات کو " بنا یا - کیو نکہ " اک " مصرعۂ ثانی میں زاید تھا اور پہلے مصرع میں دن کی منا سبت سے رات ہی کا لفظ خوب ہوا —

حفیظ : پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہےبات حفیظ
ورنہ انکار سے خاطر شکنی ہو تی ہے

اصلاح : پی لودو گھو نٹ کہ ساقی کی رہےبات حفیظ
صاف انکار سے خاطر شکنی ہو تی ہے

دوسرے مصرع میں بجاے " ورنہ " کے " صاف " بنا کر شعر میں اور صفائی پیدا کردی —

حفیظ : داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
یہ ندامت ہے کہ انگشت بلب ہے کوئی

اصلاح: داور حشر سے انصاف طلب ہے کوئی
سر جھکائے ہوئے انگشت بلب ہے کوئی

مصرعۂ ثانی میں "یہ ندامت ہے کہ" کے بجائے "سر جھکائے ہوئے" بنا یا۔ اصلاح کیا دی شرمندگی و ندامت کی تصویر کھینچ دی - صنعت ایہام سے مطلع کو مزین کر دیا—

حفیظ: آسماں میں بھی تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
یہ جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اصلاح: آسماں آج تو نالوں سے ہلا سکتا ہوں
میں جو خاموش ہوں اس کا بھی سبب ہے کوئی

اُستاد نے پہلے مصرع میں "آج" کا لفظ کیا رکھدیا بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا اور دوسرے مصرع میں بجائے "یہ" کے "میں" بنا دیا - اصلاح سے شعر میں معنوی خوبیاں کس درجہ ترقی کر گئیں—

حفیظ: رونے آے ہو کہ ہنسنے کو مری میت پر
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

اصلاح: رونے آے ہو کہ ہنسنے کو مرے پھولوں میں
بزم ماتم ہے کہ یہ بزم طرب ہے کوئی

پہلے مصرع میں بجائے "میری میت پر" کے "مرے پھولوں میں" بنایا۔ ہنسنے کی رعایت سے "پھولوں" کا لفظ خوب ہے اب یہی ٹکڑا یعنی "مرے پھولوں میں" شعر کی جان ہوگیا—

حفیظ: کرتے ہو تم مرے مرنے کی دعائیں ہر وقت
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

اصلاح: کوستے رہتے ہو مرنے کی دعا کرتے ہو
تم سے بڑھ کر بھی مرا خیر طلب ہے کوئی

پہلے مصرع کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل کر بے مثل ہو گیا اس قادر اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کس قدر ربط پیدا ہوگیا*—

——(حکیم سید ضامن علی 'جلال' لکھنوی)——

محمد احسان علی خاں 'احسان' شاہجہانپوری :

نزع کا وقت ہے جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

اصلاح : نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو
ہم تو مرتے ہیں تم خفا کیوں ہو

پہلے مصرع میں ایک ادنیٰ ترمیم سے مطلع میں معنوی خوبیاں کس قدر ترقی کر گئیں اور "بھی" کا لفظ اُستادانہ رکھدیا۔ مطلب یہ کہ عمر بھر تم ہم سے جدا رہے، اب نزع کے وقت بھی جدا کیوں ہو—

احسان : آہ کھینچوں گا میں وہ ظلم کریں
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

اصلاح : آہ کھینچوں گا تم ستم تو کرو
میری جانب سے ابتدا کیوں ہو

---

* خدا بخشے حفیظ مرحوم سے میرے تعلقات بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جونپور میں برسوں یکجائی رہی۔ سنہ ۱۹۱۷ع میں کوئی بارہ سال کے بعد "گیا" کے مشاعرے میں ملاقات ہوئی، تو میں نے پہچانا ہی نہیں۔ وضع و قطع بالکل بدلی ہوئی تھی۔ خود ہی مرحوم نے مجھے پہچان کر مجھ سے خیریت پوچھی۔ آواز سے میں نے پہچانا۔ دو روز تک بڑے لطف کی باتیں رہیں۔ اس وقت کی اُن کی حالت نا گفتہ بہ تھی۔ مجھے مرحوم کی حالت پر بے حد تاسف ہوا۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں مرحوم کو جو چلد اصلاحیں یاد تھیں اُن کو میں نے سن کر پنسل سے نوٹ کر لیا۔ مشاطۂ سخن حصۂ اول کے اشاعت کے وقت وہ کاغذ جس میں اصلاحیں درج تھیں، تلاش سے بھی نہ ملا۔ بعد چھپنے حصۂ اول کے وہ کاغذ ایک کتاب میں رکھا ہوا مل گیا۔ اب حصۂ دوم کی زیب و زینت ان اصلاحوں سے کی جاتی ہے—

پہلے مصرع کی ترمیم سے لطف زبان بڑھ گیا - "تم ستم تو کرو" اسی ٹکڑے کی ضرورت تھی جس سے بندش میں چستی اور مصرع میں روانی پیدا ہوگئی—

احسان: مجھ سے یہ کہہ رہی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لاجواب کروگے سوال کیا

اصلاح: مجھ سے یہ پوچھتی ہے مری آرزوے وصل
وہ بت ہے لاجواب کروگے سوال کیا

پہلے مصرع میں بجاے "کہہ رہی ہے" کے "پوچھتی ہے" دونوں کا معنوی فرق ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں —

احسان: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں چلے ہیں وہ مستانہ چال کیا

اصلاح: ٹوٹے پڑے ہیں شیشہ و ساغر اِدھر اُدھر
میخانے میں وہ چل گئے مستانہ چال کیا

دوسرے مصرع میں بجاے "چلے ہیں وہ" کے "وہ چل گئے" بنایا - ایک لفظ کی ترمیم سے زمانہ کا کتنا فرق پڑ گیا اصلاح کے دیکھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ محل "چلے ہیں وہ" کا نہ تھا، اُستادانہ اصلاح ہے—

احسان: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو لیکے ساتھ کسی کا خیال کیا

اصلاح: تم ہم بغل تو ہو متوجہ نہیں مگر
آئے ہو ساتھ لیکے عدو کا خیال کیا

دوسرے مصرع میں جناب 'احسان' نے پردے پردے میں کہا تھا مگر حضرت 'جلال' نے اُسے صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا خاکسار مؤلف کی راے ناقص میں

تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ہے*—

———(فصیح الملک نواب مرزا خاں 'داغ' دہلوی)———

نواب ناظم علی خاں 'ہجر' شاہجہانپوری:

اے حسن یار تیری ذرا بھی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

اصلاح: ہاں ہاں تمہارے حسن کی کوئی خطا نہیں
میں حسن اتفاق سے دیوانہ ہو گیا

حضرت داغ نے ایک ذرا سی ترمیم میں اس شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا - "ہاں ہاں" کے ٹکڑے نے اس شعر کو کیا سے کیا کر دیا - معنی کا لطف، مصرع کی برجستگی، بندش کی چستی، معشوق کا جواب الجواب - ان سب خوبیوں کے علاوہ داغ مرحوم کے کلام سے اتنا ملتا جلتا ہے کہ اگر مہتاب داغ میں لکھدیا جاے تو یہ امتیاز نہیں ہو سکتا کہ یہ 'ہجر' کا شعر ہے - سبحان اللہ کیا بے نظیر اصلاح دی —

ہجر: سمجھے ہوے ہیں پی کے وہ ساغر کو آئینہ
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

اصلاح: رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا
منہ اپنا دیکھتے ہیں وہ جام شراب میں

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر واقعی حسن کا آئینہ بن گیا - دوسرا مصرع اسی مصرع کا محتاج تھا اُستاد نے کتنا نازک مصرع لگا دیا - ہجر کے پہلے مصرع میں ساغر اور دوسرے مصرع میں جام اچھا نہ تھا اور دونوں

---

* یہ اصلاحیں سید تصدق حسین 'قرار' شاہجہانپوری مرحوم نے مجھے دی تھیں اور بھی وعدہ فرمایا تھا مگر افسوس کہ اُنھوں کا وعدہ وفا ہو گیا - خدا بخشے اور کیا کہوں —

مصرعوں میں " وہ " کی تکرار مخل فصاحت تھی - اصلاح سے یہ عیوب مٹ گئے۔
اور شعر میں جو خاص رنگ پیدا ہوگیا اُسے میکسا ران میخانۂ ادب ہی خوب
سمجھہ سکتے ہیں، اللہ کیا مصرع ہے :—

رنگ شراب حسن کا آئینہ بن گیا

واقعی اصلاح اِسی کا نام ہے* —

———(منشی امیرالله 'تسلیم' لکھنوی)———

قاضی محمد نعیم الحق ' آزاد' شیخپوری :—

آزاد: بے خود ہیں خضر گیسووں والوں کے سامنے
لہرا گئے مسیح بھی کالوں کے سامنے

یہ نوٹ تحریر فرماکر مطلع کو قلمزد فرمایا " خضر و مسیح کو گیسو
اور کالے سے کیا مناسبت " —

آزاد : جس دم سے تو چلا ہے غزالوں کے سامنے
بھولے وہ چوکڑی تری چالوں کے سامنے

اصلاح: چلتاهے جس گھڑی توغزالوں کے سامنے
کھاتے ھیں ٹھوکریں تری چالوں کے سامنے

آزاد کا پہلا مصرع کچھہ نہ تھا، دوسرے مصرع کی روش گو اچھی تھی
مگر اُستاد نے پہلے مصرع کی منا سبت سے دوسرے مصرع میں بھی ترمیم کردی -
جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہوگئی - جیسا مطلع تھا ویسی ہی اصلاح
بھی ہوئی —

---

*یہ اصلاحیں خود جناب 'ہجر' مرحوم نے مشاعرۂ سندیلہ میں مجھے مرحمت فرمائیں
تھیں - مجھے افسوس ہے کہ اس حصے میں باوجود اس کے کہ صدہا ' داغ ' مرحوم
کے تلامذہ ابھی موجود ھیں اور میں نے اکثر حضرات کو خطوط لکھے مگر سب نے
بخل فرمایا - بعض حضرات نے تو جواب تک مجھے نہیں دیا صرف بےخود دھلوی کا
جواب آیا کہ میں سخت علیل ہوں -

آزاد: گُل کا ھے رنگ اُڑا ھوا گالوں کے سامنے
موج نسیم پیچ ھے بالوں کے سامنے

اصلاح: گُل کا ھے رنگ اُڑا ھوا گالوں کے سامنے
سنبل ھے پیچ و تاب میں بالوں کے سامنے

مصرع ثانی میں " موج نسیم پیچ ھے " یہ ٹکڑا اُلجھا ھوا تھا۔ اس لئے اُستاد نے " سنبل ھے پیچ و تاب میں " بناکر مطلع کو سلجھادیا —

آزاد: دوڑاتے ھیں نگاھیں مرے آبلوں کے سمت
یا برچھیاں ھلاتے ھیں ڈھالوں کے سامنے

اصلاح: جاتے ھیں بےخطر ترے مژگاں کے روبرو
سینہ سپر ھم آج ھیں بھالوں کے سامنے

آزاد کے دونوں مصرعے قید شاعری سے آزاد تھے۔ اس لئے اُستاد نے الگ کر کے دوسرا شعر کہہ دیا —

آزاد: خجلت چھپ کے بیٹھی قیامت ھے آڑ میں
آتی نہیں ھے چوٹیو والوں کے سامنے

اصلاح: گلشن میں وہ بہار وہ رنگ چمن کہاں
اُڑتی ھے خاک خشک نہالوں کے سامنے

اُستاد 'تسلیم' نے دوسرا شعر اس شعر کے نیچے لکھکر یہ مزیدار نوٹ لکھدیا " قیامت کو چوٹی سے کیا علاقہ ھے" —

آزاد: نشیلی آنکھ نہیں پھیر لیں دکھا کے مجھے
اُلٹ کے رکھدئیے دو جام سے پلا کے مجھے

اصلاح: وہ آنکھیں قہر بھری کیا گئے دکھا کے مجھے
پیالے زہر کے چلتے ھوے پلا کے مجھے

آزاد کے مصرع ثانی میں تعقید تھی اس لئے دوسرے مصرع کی مناسبت

سے پہلا مصرع بھی ترمیم کیا گیا - اصلاح سے مطلع روشن ہوگیا - آنکھوں کی رعایت سے مصرعۂ ثانی میں "چلتے ہوے" کا ٹکڑا بھی خوب بنایا —

آزاد : چلے گئے خم کاکل وہ کیا دکھا کے مجھے
اسیر کر دیا دام بلا میں لا کے مجھے

اصلاح: چلے گئے خم زلف رسا دکھا کے مجھے
اسیر کر گئے دام بلا میں لا کے مجھے

پہلے مصرع میں "رہ کیا" حشو تھا اس لئے بجائے "خم زلف رسا" بناکر مصرع کو سلجھا دیا، چونکہ پہلے مصرع میں "چلے گئے" کا ٹکڑا ہے اس لئے دوسرے مصرع میں "کر گئے" بنا دیا جس سے مطلع میں صفائی پیدا ہو گئی —

آزاد زمیں پہ کھینچ کے نقشہ مرا مٹاتے ہیں
یہ اُن کا کھیل ہوا خاک میں ملا کے مجھے

اصلاح : زمیں پہ کھنچ کے نقشہ مرا مٹاتے ہیں
یہ کھیل کھیلتے ہیں خاک میں ملا کے مجھے

چونکہ پہلے مصرع میں زمانہ حال تھا اس لئے دوسرے مصرع میں "یہ کھیل کھیلتے ہیں" بناکر دونوں مصرعے برابر کے کردئے —

آزاد: بتا یا گردش لیل و نہار کا نقشہ
اُنہوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

اصلاح: برنگ سرمہ شب روز دھر میں پیسا
اُنہوں نے آنکھوں کی گردش دکھا دکھا کے مجھے

پہلا مصرع ترمیم فرماکر یہ نوٹ لکھدیا - نقشہ 'دکھانا' محاورہ ہے 'بتانا' نہیں ہے —

آزاد : کسی کا ہائے وہ کہنا مرا پیئے وہ لہو
جو چھیڑ چھاڑ کرے اب اکیلا پاکے مجھے

اصلاح : کسی کا ہاے وہ کہنا پھر لہو میرا
جو چھیڑ چھاڑ کرو تم اکیلا پا کے مجھے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی کے علاوہ لطف زبان پیدا ہوگیا —

آزاد : وہ کہہ رہے ہیں خدا اُس پہ تو گرا بجلی
بری نگاہ سے جو سمت سرے تاکے مجھے

اصلاح : وہ کہہ رہے ہیں خدا اس کا ہو بھلا نہ کہیں
بری نگاہ سے بیٹھا ہوا جو تاکے مجھے

مصرعۂ ثانی میں ''جو سمت سرے'' یہ ٹکڑا زبان اور محاورے کے خلاف تھا۔ اس لئے بجائے اس کے ''بیٹھا ہوا'' بنایا - اور پہلے مصرع میں ''اس پہ تو گرا بجلی'' اس ٹکڑے میں بھی رکاکت تھی اس لئے اس کو بھی قلم زد کر ''ہو بھلا نہ کہیں'' بناکر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا* —

خط

حضرت تسلیم مرحوم کا

بنام

آزاد پنچھوری

۱۴ جون سنہ ۱۸۹۳ع

عنایت فرماے بندہ زاد لطفکم ۔

تسلیم ۔ آپ کا عنایت نامہ آیا - حسب ایماے دونوں غزلوں کو بہ تعمیل ارشاد دیکھا - ہر چند اس بارے اب میں معذور ہوں - انکار نہ کرسکا - وہ عذر میرا یہ

---

* یہ اصلاحیں بھی سید مقبول حسین وصل بلگرامی سے ملیں - ان اصلاحات کے ساتھ ہم حضرت تسلیم مرحومؔ کا ایک خط بھی درج کرتے ہیں جس سے اُن کی پیرانہ سالی اور دوامی عوارض کا پتہ چلتا ہے —

ھے کہ اب میرا دماغ صحیح نہیں رہا اور عوارض نے دیوانہ بنایا - شعر و شاعری کے قابل نہیں - اس وجہ سے خدمت سے بھی علیحدہ کردیا گیا اور پنشن مقرر ہوگئی بہ مجبوری یہاں پڑا ہوں —

اس طرح میں اکثر اُستادوں کی غزلیں ہیں - مثل جناب منشی امیر احمد صاحب و نیز مغفور نواب مرزا صاحب اس وقت میرے پاس کوئی دیوان موجود نہیں - اگر آپ کے پاس ہو تو دیکھہ لیجئے گا - کہیں توارد نہ ہوگیا ہو اور تاریخ مثنوی بعد اس کے حاضر کروں گا* —

——— (تسلیم) ———

نواب فصاحت جنگ جلیل القدر جناب جلیل جانشین امیر مینائی

مؤلف : تربت پہ وہ جو آئے تو عالم نیا ہوا
کھل اُٹھے پھول سبزۂ تربت ہرا ہوا

---

* حضرت 'تسلیم' مرحوم کا انتقال سنہ ۱۹۱۱ ع میں ہوا - بلبل 'تسلیم' حضرت 'صبر' رام پوری کی فرمایش سے خاکسار مؤلف نے ایک قطعہ تاریخ وفات کہا تھا - جسے ''حیات تسلیم'' میں جناب حسرت موہانی ارشد تلامذہ حضرت تسلیم نے ایک نوٹ کے ساتھہ شایع فرمایا تھا - چونکہ ان کا وہ نوٹ میری تعریف میں ھے اس لئے اپنے قلم سے اس کا لکھنا مناسب نہیں سمجھتا - حضرت 'صبر' رام پوری کے علاوہ خان بہادر میر ناصر علی ایڈیٹر 'صلاے عام' دھلی نے بھی اس قطعۂ تاریخ کی مجھے داد دی تھی - ہم وہ قطعۂ تاریخ ناظرین ''مشاطہ سخن'' کی تفریح طبع کے لئے درج کئے دیتے ہیں - ملاحظہ ہو :

قطعۂ تاریخ وفات

تسلیم کے فراق کا صدمہ کسے نہیں — تربت پہ کون آکے نہیں نوحہ گر ہوا
چادر چڑھائی پھولوں کی روکر 'نسیم' نے — 'حسرت' کے ساتھہ ابر سیہ چشم تر ہوا
بے چین ہوکے بلبل تسلیم 'صبر' بھی — بیٹھا جو دل کو تھام کے ٹکڑے جگر ہوا
اردو ھے شکوہ سنج کہ میں آج لٹ گئی — کہتی ھے شاعری مرا برباد گھر ہوا

تاریخ انتقال کی صفدر نے یہ کہی
ھے ھے زباں کا خاتمہ تسلیم پر ہوا

سنہ ۱۹۱۱ ع

نسخہ : تربت پہ وہ جو آے تو عالم نیا ہوا
پھولوں میں جان پڑگئی سبزہ ہرا ہوا

مطلع یوں بھی صحیح تھا - اس لئے اُستاد نے نسخہ لکھہ کے دوسرا مصرع لکھدیا - چونکہ دونوں مصرعوں میں تربت کی تکرار تھی - اس لئے دیوان میں اُستاد ھی کے مصرع کو لکھکر ترجیح دی گئی —

مؤلف : رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون سے میرے بھرا ہوا

اصلاح : رنگ چمن نہ پوچھئے ساقی کے ھجر میں
ھر جام گل ھے خون جگر سے بھرا ہوا

چونکہ مصرعۂ ثانی میں خون کی صراحت نہ تھی - خون تو جسم کے ھر اعضا میں ھوتا ھے اس لئے اُستاد نے "خون جگر" بناکر شعر کو رنگین کردیا کیونکہ ساقی کے ھجر میں جگر ھی کا خون ھونا اچھا تھا —

مؤلف : تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں مجھے
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ہوا

اصلاح : تم نے دیا تھا داغ جو اے مہرباں کبھی
وہ آج تک ھے میرے جگر سے لگا ہوا

پہلے مصرع میں بجائے "مجھے" کے "کبھی" بنایا جس سے شعر میں ترقی ھوگئی

مؤلف : حصے میں وہ بھی آگئے سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ہوا

اصلاح : حصے میں آگئے وھی سیماب و برق کے
جو اضطراب تھا مرے دل سے بچا ہوا

پہلے مصرے میں "بھی" کا ثبوت قوی نہ تھا اس لئے "وھی" بناکر شعر کو نازک اور لطیف بنا دیا —

مؤلف : شکوہ کرینگے خنجر قاتل کا بخیہ گر
رہنے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ہوا

اصلاح : کرنا ہے شکر خنجر قاتل کا بخیہ گر
رہنے دے زخم دل کا ابھی منہ کھلا ہوا

اُستاد بے عدیل پہلے مصرع میں بجاے "شکوہ" کے "شکر" بنایا کیونکہ شکوہ معشوق شان عاشقی کے خلاف تھا۔ محبوب کے ہر ظلم و ستم پر شکر ہی کرنا مشرب عاشقی کی شان ہے۔ اُستادانہ اصلاح ہے —

مؤلف : آے نکالنے وہ مرے دل کی حسرتیں
آے اُجاڑنے وہ میرا گھر بسا ہوا

اصلاح : آے نکالنے وہ مرے دل کی حسرتیں
آے اُجاڑنے کو میرا گھر بسا ہوا

دونوں مصرعوں میں "وہ" کی تکرار ذرا بد نما تھی اس لئے مصرعۂ ثانی میں "کو" بنا کر شعر کو اور فصیح کر دیا —

منشی غلام حسین 'آفاق' بنارسی:

گل میں بو بلبل میں الفت شان تری ہے جلوا تیرا

اصلاح : گل میں بو بلبل میں الفت ہے یہ ایک کرشما تیرا

مصرعۂ ثانی کی ترمیم سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ہو گئی۔ جس کا ایک کرشما یہ ہو اسکی شان اور جلوا کیا ہو گا —

آفاق : کسکا کسکا نام بتاؤں سب کو تو ہے سودا تیرا

اصلاح : کس کس کا میں نام بتاؤں سب کو تو ہے سودا تیرا

پہلے مصرع میں "کسکا کسکا" اچھا نہ تھا۔ اس لئے "کس کس کا" بنایا اور ایک لفظ "میں" اور بڑھا کر دوسرے مصرع کا ثبوت قوی کر دیا —

آفاق : توبہ توبہ یہ ممکن ہے لب تک آئے شکوا تیرا

اصلاح : توبہ توبہ کیا ممکن ہے اب تک آئے شکوا تیرا

پہلے مصرع میں "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئیے' "یہ" میں یہ بات کہاں تھی —

آفاق : جو ہو ہر موئے تن مرا زباں اے صانع عالم
نہو جب بھي بیاں وصف ایک ذرہ توی صنعت کا

اصلاح : اگر ہر موئے تن میرا زباں ہو صانع عالم
نہو جب بھي بیاں وصف ایک ذرہ تری صنعت کا

پہلے مصرع میں بجائے "جو ہو" کے "اگر" اور بجائے "اے" کے "ہو" بنا کر شعر کو صیح کردیا —

آفاق : کسیکو قیامت کا تڑپا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

اصلاح : قیامت میری جان پر ڈھا رہا ہے وہ صبح شب وصل جانا کسیکا

پہلے مصرع میں "قیامت کا تڑپا رہا ہے" غیر فصیح تھا اس لئے پورا مصرع ترمیم کر کے شعر کو فصیح کر دیا —

آفاق : ہائے وہ پیار کی بات اُن کي وہ بھولی صورت
بھولتی ھي نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

اصلاح : ہائے وہ پیار کی آنکھ اُن کی وہ بھولی صورت
بھولتي ہی نہیں آفاق بھلائیں کیونکر

پہلے مصرع میں "بات" کچھ نہ تھی "آنکھ" سحر سامری بن گئی اصلاح نہیں اعجاز ہے —

آفاق : ساقی نہ ایک دن ہوئی مے سے زبان تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

اصلاح : ساقی نہ ایک دن بھي ہوا مے سے حلق تر
ہم آکے میکدے سے ترے چشم تر گئے

پہلے مصرع میں " زبان تر " کے بجائے " حلق تر " بنایا کیونکہ محاورہ یہی ہے یہ محل " زبان کا تر " کا نہیں تھا۔—

——(لسان الملک حضرت 'ریاض')——

نواب غلام حسین 'قمر' تعلقہ دار گنیش پور ضلع بستی:

حمد خالق سے تر و تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

اصلاح: حمد خالق سے 'قمر' تازہ ہے ایماں میرا
مطلع نور بنا مطلع دیواں میرا

پہلے مصرع میں بجائے "ترو" کے "قمر" بنا کر مطلع کو اور روشن کر دیا اب واقعی مطلع مطلع نور ہو گیا—

بابو مہادیو پرشاد شوق لکھنوی:

سحر عید ہے اُٹھ ہوش میں آ کھول بھی دے
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

اصلاح: سحر عید ہے اُٹھ ہوش میں آ آنکھ تو کھول
ساقیا بند ابھی تک در میخانہ ہے

سبحان اللہ کیا اصلاح دی " کھول بھی دے" ایک ذم کا پہلو بھی تھا جس کو کامل الفن اُستاد نے کس حسن سے نکالا اور " آنکھ تو کھول" اس جواہر نگار ٹکڑے نے ایک اور در میخانہ بنا دیا جس کی داد اہل نظر جس قدر دیں کم ہے۔ ایسی اصلاح ایسے ہی کُہنہ مشق اُستاد دے سکتے ہیں جسے دیکھکر میگساران میخانۂ ادب بے پیئے مست ہو جاتے ہیں—

---

* یہ اصلاحیں خود جناب 'آفاق' نے اپنے دیوان شہرۂ آفاق کے ساتھ مرحمت فرمائیں دونوں کا شکریہ—

مؤلف: حسن کی شان ھے مسکے ھوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ھے چاک گریباں ھونا

اصلاح: دھج حسینوں کی ھے مسکے ھوے دامن کا رفو
وضع دیوانوں کی ھے چاک گریباں ھونا

چونکہ دوسرے مصرع میں "وضع دیوانوں" کی ھے اس لئے اُستاد کامل نے پہلے مصرع میں بھی دھج حسینوں کی دکھائی - اب دونوں مصرعے برابر کے ھوگئے اور تقابل بھی ٹھیک رھا—

مؤلف: تو بھی اے دل ھدف ناوک جاناں ھونا
ھم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ھونا

اصلاح: بڑہ کے اے دل ھدف ناوک جاناں ھونا
ھم سکھا دیں تجھے سو جان سے قرباں ھونا

پہلے مصرع میں "تو بھی" کے بجاے "بڑہ کے" بنا دیا - جس سے مطلع میں کتنی ترقی ھو گئی دل کے لئے "بڑہ کے" کیا خوب بنایا - اصلاح کے معنی یہی ھیں کہ کوئی بات شعر میں رہ نہ جاے—

مؤلف: تمھاری بزم رنگیں سے اِسے نسبت نہیں کوئی
وہ محشر ھی سہی یہ حسن محفل ھو نہیں سکتا

اصلاح: کسی کی بزم رنگیں سے اِسے نسبت نہیں صفدر
وہ محشر ھی سہی یہ حسن محفل ھو نہیں سکتا

پہلے مصرع میں دو لفظ ترمیم کئے گئے- "تمھاری" کے بجاے "کسی کی" بنایا- اب یہ ایک لفظ ساری دنیا پر حاوی ھو گیا اور "کوئی" کو قلمزد فرما کے "صفدر" لکھدیا جس سے شعر میں کتنی ترقی ھو گئی—

مؤلف: چھوٹی سی رات میں یہ وصل کا ساماں دیکھا
کہ تمھیں زُلف سے کچھ بڑہ کے پریشاں دیکھا

اصلاح : چھوٹی سی رات میں کیا وصل کا ساماں دیکھا
کہ تمھیں زلف سے کچھ بڑہ کے پریشاں دیکھا

پہلے مصرع میں بجاے "یہ" کے "کیا" بنایا اس "کیا" نے کیا کیا معنی پیدا کر دئیے اور سب سے لطیف معنی اس "کیا" کے یہ ہوے کہ کچھ بھی نہیں وصل کا ساماں دیکھا - واقعی اصلاح اسی کا نام ہے—

مؤلف : پھر گئی آنکھوں میں یاران گذشتہ کی شبیہ
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

اصلاح : پھر گئی آنکھوں میں بچھڑے ہوے یاروں کی شبیہ
جی بھر آیا جو سوے گور غریباں دیکھا

سبحان‌الله کیا اصلاح دی - صرف ایک "بچھڑے ہوے" کے ٹکڑے نے شعر میں درد و اثر پیدا کر دیا —

مؤلف : یہ حسن و عشق کی نیرنگیاں ہیں آپ کیا جانیں
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

اصلاح : یہ حسن و عشق کی نیرنگیاں ہیں کوئی کیا جانے
لئے رنگ رخ یوسف زلیخا کا شباب آیا

پہلے مصرع میں "آپ کیا جانیں" کے بجاے "کوئی کیا جانے" اس موقع پر تخصیص سے تعمیم میں زیادہ لطف ہے—

مؤلف : اُٹھایا تھا قلم پھر یہ سمجھ کر رکھدیا میں نے
اُنہیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

اصلاح : اُٹھایا تھا قلم میں نے یہ کہہ کر رکھدیا آخر
اُنہیں کیا خط لکھوں میرے کسی خط کا جواب آیا

پہلے مصرع میں "یہ سمجھ کر" یہ ٹکڑا اچھا نہ تھا اس لئے اُستاد نے "یہ کہکر" بنا کر آخر میں آخر کا لفظ بھی رکھدیا - اس اصلاح سے صرف عیوب شعر

ہی نہیں رفع ہوے بلکہ یہ شعر اب ضرب المثل ہو گیا اکثر دوستوں کے زبانوں پر ہے—

مؤلف: مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی خیر سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

اصلاح: مرا ذمہ جو کوئی رات ان کی چین سے گزرے
حسینوں کے ستانے کو حسینوں کا شباب آیا

پہلے مصرع میں یہ معل " خیر سے " کا نہ تھا " چین سے " بنایا۔ کتنی نازک اصلاح ہے—

مؤلف: مزے غیروں ہی نے لوٹے ہیں چشم مست ساقی کے
کسی کی بزم میں مجھہ تک کہاں جام شراب آیا

اصلاح: رہی غیروں کی جانب آج گردش چشم ساقی کی
کسی کی بزم میں مجھہ تک کہاں جام شراب آیا

جام شراب کی مناسبت سے گردش چشم ساقی کی ضرورت تھی اس لئے مصرعہ اولی ترمیم کیا گیا —

مؤلف: قیامت میں بھی گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ہمرکاب آیا

اصلاح: قیامت میں بھی تم آئے اُسی انداز سے توبہ
کہاں تک فتنۂ محشر تمہارے ہمرکاب آیا

مصرعۂ اولی کی ترمیم سے یہ شعر زبان کے سانچے میں ڈھل گیا۔ " تم آئے اُسی انداز سے توبہ " یہ ٹکڑا قیامت ہے —

مؤلف: جو پھول لائے تھے وہ لیچلے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ہے اب عنادل کا

اصلاح: جو پھول لائے تھے وہ لے گئے رقیب کے گھر
ھجوم کیوں سر تربت ہے اب عنادل کا

پہلے مصرع میں بجائے " لیچلے " کے " لے گئے " بنا یا جس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا اور زمانہ ہی بدل گیا —

مؤلف: پڑا ہے آئینے میں آج کتنا پیارا عکس
جو آپ کہئے تو منہ چوم لوں مقابل کا

اصلاح : بچا ہواہے بہت آئینےمیں‌پیارسے عکس
جو آپ کہئےتو منہ چوم لوں مقابل کا

کتنا پیارا مصرع لگا دیا کہ اب یہ شعر رنگ مینائی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے سبحان‌اللہ !

مؤلف: خدا کرے کوئی فتنہ اُٹھے نہ محشر میں
وہ آج پوچھلے بیٹھے ہیں مدعا دل کا

اصلاح : خدا کرے کوئی فتنہ اٹھے نہ خلوت میں
وہ آج پوچھنے بیٹھے ہیں مدعا دل کا

فتنہ کی رعایت سے پہلے مصرعہ میں " محشر " کا لفظ رکھا گیا مگر بے محل سمجھا گیا - مدعا پوچھنے کا محل خلوت ہی میں خوب ہے - اہل ذوق ذرا دیکھیں کہ اُستاد کی نظر کتنی وسیع ہے اور کس مزے کی اصلاح دی ہے —

مؤلف : دل تپاں ہے ہائے اس کافر کا عالم دیکھکر
ہم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

اصلاح : اور ہی عالم ہے اس کافر کا عالم دیکھکر
ہم کو اب مرنا پڑا دشمن کا ماتم دیکھکر

پہلے مصرع میں " اور ہی عالم ہے " اس ٹکڑے نے مطلع کا عالم ہی نیا کردیا - اس اصلاح سے یہ مطلع کس قدر بلند ہوگیا --

مؤلف: طور پر ان کی نگاہ شوخ تھی بجلی نہ تھی
کچھہ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھکر

اصلاح: طور پر ان کی نگاہ گرم تھی بجلی نہ تھی
کچھہ نہ بولے ہم مزاج یار برہم دیکھکر

نگاہ شوخ میں " برھمی " کا ثبوت نہ تھا - " نگاہ گرم " سے مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں کتنی گرمی بڑہ گئی - استادانہ اصلاح ہے —

مؤلف: عبث ہے نیند کے شکوے سنائی کچھہ نہیں دیتا
تری آواز گُم ہے پاسباں شور سلاسل میں

اصلاح: سنوں بھی کچھہ تو بولوں شکوۂ خواب گراں کیسا
تری آواز گُم ہے پاسباں شور سلاسل میں

استاد کامل نے پہلا مصرع ترمیم نہیں کیا بلکہ بلاغت زبان کا سکہ بٹھا دیا - اسی خیال کو اپنے الفاظ میں نظم کرکے شعر کو زمین سے آسماں پر پہنچا دیا اس قافیہ میں اب ایسا بے نظیر شعر ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے —

مؤلف: لحد سے اپنی اُٹھکر کوئی کیوں آئے قیامت میں
کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

اصلاح: لحد سے اُٹھہ کے کوئی کیوں پڑے فتنوں میں محشر کے
کوئی خلوت گزیں جانے لگا کیوں ایسی محفل میں

قیامت کی اصلاح ہے - اصل مصرع میں لفظ " اپنی " بھی زاید تھا - "پھر فتنوں میں محشر کے" کیا قیامت خیز ٹکڑا رکھدیا ہے - فتنوں کے ساتھہ محشر کا تناسب اور مصرع کی بر جستگی' لفظوں کی ترتیب' بندش کی چستی' روانی و سلاست سب باتیں تو آگئیں - دوسرے مصرع میں ایسی

محفل کا ٹکڑا تھا جس کا ثبوت اب ہوا —

مؤلف: اثر اتنا تو ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

اصلاح: کوئی تو بات ہے یارب ہوائے کوئے جاناں میں
اسیروں کو ذرا تسکین ہوجاتی ہے زنداں میں

"کوئی تو بات ہے" اس ٹکڑے نے مطلع میں کیا کیا بات پیدا کردی۔ اہل ذوق ذرا غور سے اس اصلاح کو دیکھیں کیونکہ بادی النظر میں پہلے مصرع میں کوئی سقم نہ تھا مگر اصلاح سے یہ مطلع بلند سے بلند تر ہو گیا —

مؤلف: یہاں کی خاک خون بیگنہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن اُٹھا کر آئیے گور غریباں میں

اصلاح: یہاں کی خاک خون بیگنہ کا رنگ لاتی ہے
ذرا دامن بچا کر آئیے گور غریباں میں

دامن اُٹھانے سے دامن بچانے میں جو احتیاط کا مقتضا ہے ظاہر ہے لطف اصلاح کا یہی ہے کہ اُستاد کی نظر کہیں نہ چوکے —

مؤلف: مزہ دیتے ہیں جگنو شب کو کیا کیا نخل تربت کے
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

اصلاح: مزہ دیتے ہیں جگنو ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی
چراغ افروزئی گور غریباں دیکھتے جاؤ

پہلا مصرع اپنی جگہہ پر گو محتاج اصلاح نہ تھا مگر اُستاد کامل نے " ٹوٹتے ہیں شب کو تارے بھی" یہ ٹکڑا اور بڑھاکر روشنی کا لطف دوبالا کردیا۔ ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوا کرتی ہیں —

مؤلف: ہمارے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے
تمہیں نے چاک کیا تھا تمہیں رفو کرتے

اصلاح: جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرتے
تمھیں نے چاک کیا تھا تمھیں رفو کرتے

"ہمارے" میں صراحت نہ تھی اور جگر کے زخم سے تصریح ہوگئی —

مؤلف: خدا کے واسطے اک جام مے پلا ساقی
ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے

اصلاح: قیامت آئے نہ کیوں قبر پر سبو بردوش
ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں بلاغت پیدا ہوگئی قیامت اور سبو بردوش۔ حیرت ہے کہ ایسے الفاظ کیو نکر مل جاتے ہیں —

مؤلف: یہ گر گئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
اِن آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

اصلاح: گرے ہوے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر
اِن آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جب مصرعۂ ثانی میں " اِن " کا لفظ موجود تھا جسکی ضمیر آنسوؤں سے منطبق تھی تو مصرعۂ اولیٰ میں " یہ " کا لفظ زاید ہوا - اس لئے اُستاد مرتاض حضرت ریاض نے بجاے " یہ گر گئے " کے " گرے ہوے " بنا کر شعر کو اور فصیح کردیا۔

مؤلف: چشم حیرت نے تو بس صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

اصلاح: تو نے تو آئینے میں صنعت قدرت دیکھی
مگر آئینے نے پہروں تری صورت دیکھی

عموماً ایک لفظ کی تکرار دونوں مصرعوں میں بد نما معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس محل پر دونوں مصرعوں میں آئینے کسقدر خوش نما ہیں - جسے بحر فصاحت کی لہریں کہنا زیبا ہے - اصلاح اسی کا نام ہے کہ پہلے مصرع میں " بس " کا لفظ حشو تھا - اس اصلاح سے مطلع میں ترقی ہی نہیں ہوئی

جلکه یه عیب بهی رفع هو گیا —

مؤلف : دل کے آئینے میں اس شوخ کی صورت دیکھی
ھاے صورت تھی کہ اللہ کی قدرت دیکھی

۴اصلاح : دیکھنے والے نے کس شوخ کی صورت دیکھی
آنکھہ کہتی ھے کہ اللہ کی قدرت دیکھی

اصلاح سے مطلع کا حسن اور بڑھ گیا - پہلے مصرع میں دیکھنے والے کا ٹکڑا اور دوسرے مصرع میں " آنکھہ کہتی " یہ دونوں قابل دید هیں —

مؤلف : نذر کی جان دم جنبش ابرو اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

۴اصلاح : نذر دی جان پلک اُٹھتے هی میں نے اے دوست
اک نگاہ غلط انداز کی قیمت دیکھی

" جنبش ابرو " اور پلک اُٹھنے میں جو فرق ھے وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں -

مؤلف : اشک کم بخت کچھہ آنکھوں میں بھر آے ایسے
اُن کی صورت بھی نہ ھمنے دم رخصت دیکھی

اصلاح : اشک کم بخت کچھہ آنکھوں میں بھر آے ایسے
آنکھہ بھرکر بھی نہ صورت دم رخصت دیکھی

مصرعۂ ثانی میں آنکھہ بھر کر دیکھنے کے لئے کتنا پیارا محاورہ ھے - جو اصلاح ھے وہ آپ ھی اپنی نظیر ھے —

مؤلف : او جانیوالے پھر کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ھو گئی ھے شمع شبستاں اُداس ھے

۴اصلاح : او جانیوالے مڑ کے ذرا دیکھتا تو جا
گل ھو گئی ھے شمع شبستاں اُداس ھے

گو پہلے مصرع میں " پھرکے" غلط نہ تھا - دونوں طرح بول چال میں داخل ھے

پھرکے دیکھنا ' مڑکے دیکھنا ' ایک ھی بات ھے مگر مڑکے دیکھنا پھر کے دیکھنے سے زیادہ فصیح ھے اس لئے بجائے پھرکے مڑکے بنایا گیا —

مؤلف : ہم رو رہے تھے دیکھ کے گھر ھی کو بے چراغ
اُس سے زیادہ گور غریباں اُداس ھے

اصلاح : روتے تھے دیکھ دیکھ کے ہم گھر کو بے چراغ
اُس سے زیادہ گور غریباں اُداس ھے

پہلے مصرع کی ترمیم سے شعر میں صفائی اور روانی پیدا ھو گئی شعر کیا ھے عبرت و یاس کا مرقع ھے —

مؤلف : دل کے ٹکڑے لئے جاتا ھوں در دولت پر
آج سنتا ھوں کہ پرچے ھیں گزرنے والے

اصلاح : دل کے ٹکڑے لئے آیا ھوں در دولت پر
آج سنتا ھوں کہ پرچے ھیں گزرنے والے

ایک ذرا سے لفظ کی ترمیم سے زمانہ کے لحاظ سے کتنا فرق پیدا ھو گیا - " لئے جاتا ھوں" اور " لئے آیا ھوں" میں جو فرق ھے وہ ظاھرھے - کتنی نازک اصلاح ھے —

مؤلف : انتہا ضبط کی ھے لاش کو دیکھیں تو حضور
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اصلاح : ضبط کی خو ھے انھیں ایک ھے مرنا جینا
سانس لیتے نہیں دم آپ کا بھرنے والے

اس اصلاح سے شعر میں ایک نزاکت پیدا ھوگئی جس کی تشریح نہیں ھو سکتی - " ایک ھے مرنا جینا " اس ٹکڑے کی کیا تعریف ھو - غرض جو اصلاح ھے وہ سبق آموز - ایسے با خبر و با کمال سخنور اب زمانہ پیدا نہیں کر سکتا - جن کی ملکہ فطرت شناشی اور لطف زبان آوری تا حیات اُردو سبق آموز لیل و نہار رھیں گے —

——(مولوی سید سبحان الله عظیم رئیس اعظم گورکھپور)——

آقائے سخن سید محمد عسکری 'وسیم' خیرآبادی نے مولانا کے غسل صحت کے خوشی میں یہ ایک قطعہ تاریخ پیش کیا تھا - وہ یہ ہے :—

قطعۂ تاریخ

خدا نے شفا میرے آقا کو دی   نہ کس طرح ہو مرے دل کو سرور
تم از روئے آب حیات اے 'وسیم'   یہ لکھدو مبارک نہانے حضور
سنہ ۱۳۴۴ ھ

مولانا نے سن کر فرمایا کہ بجاے " از روے آب حیات " اگر " از کلک آب حیات " ہو تو اور اچھا ہو - یعنی تیسرا مصرع یوں بنادیا جاے " تم از کلک آب حیات اے 'وسیم' " چنانچہ خود جناب وسیم گلدستہ "تحفہ خوشتر" ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۹ ع میں یوں رقم طراز ہیں کہ مجکو یہ اصلاح مولانا کی بہت پسند آئی کہ لکھدو کہ کلک کا لفظ خوب ہے اور پھر الف آب حیات کو کلک قرار دینا کیا اچھی بات ہے - واقعی نادر اصلاح ہے سبحان الله !

خاکسار مؤلف نے ایک دن اپنا یہ مطلع مولانا کو سنا یا —

آئینہ ہے کہ ہے قاتل کے مقابل قاتل
مجکویہ ڈر ہے کہ لڑجائیں نہ قاتل قاتل

سن کر بہت پسند فرمایا اور دیر تک مطلع کی محاسن اور خوبیاں فرماتے رہے - پھر یہ اِرشاد فرمایا کہ مصرع ثانی یوں ہوتا تو خوب تھا " مجکو ڈر ہے کہیں لڑجائیں نہ قاتل قاتل " اصلاح لاجواب تھی - تسلیم کرنی پڑی کیونکہ مصرع ثانی میں " یہ " کا لفظ زاید تھا شعر فہمی میں خدا رکھے مولانا نے موصوف کو وہ سلکہ ہے جس کی نظیر ہندوستان میں شاید ہی مل سکیے - علمی و ادبی ذوق میں مولانا کی خاص شہرت ہے - علاوہ اس کے آپ

ایک ایسے ذخیرۂ کتب کے مالک ہیں جس کا جواب سوائے ریاست رام پور یا عظیم آباد کے اور کہیں شاید ہی مل سکے--

———(میر علی محمد عارف نبیرۂ انیس مرحوم)———

سید صادق علی عرف نواب چنگا صاحب 'حسین':

جب صبح شام غم کا فلک پر ہوا ظہور　　مشرق سے جلوہ گر ہوا ناگاہ خط نور
تارا سحر کا ہو گیا ضو سے چراغ طور　　صحرا میں روشنی ہوئی اک بار دور دور

سبزہ لہک دکھانے لگا آب جو کی طرح

اصلاح :　　سبزے میں لہریں آنے لگیں آب جو کی طرح

سرخی شفق کی پھوٹ کے نکلی لہو کی طرح

پانچویں مصرع میں "سبزہ لہک دکھانے لگا" یہ ٹکڑا ثقیل تھا اس لئے "سبزے میں لہریں آنے لگیں" بنایا —

حسین :-

بن میں سفید پھول کھلے ہیں جو بے شمار　　تا دور چاندنی سے زمیں پر ہے آشکار
پھولوں سے نور دیتے ہیں اشجار سایہ دار　　بلبل ہزار بار نہ کیونکر سے ہو نثار

اصلاح :　　بلبل ہزار بار نہ کیوں دل سے ہو نثار

جلوے کا آسماں پہ نہ ہوتا اثر کبھی
کھلتے نہ پھول یہ تو نہ ہوتی سحر کبھی

چوتھے مصرع میں "کیونکر سے" یہ ٹکڑا غلط تھا اس لئے "کیوں دل سے" بنا کر مصرع کو صحیح کر دیا —

حسین :-

یہ کہہ رہی تھیں خواہر سلطان کربلا　　ناگاہ آئے اکبر و عباس باوفا
دوڑیں بلائیں لینے کو ہونے لگیں فدا　　فرمایا ان کو بھیج رہی تھی میں غمزدا

سنتی ہوں تیر شاہ کے لشکر میں آگئے
قربان جاؤں خوب کیا گھر میں آگئے

چوتھا مصرع ترمیم کیا گیا کیونکہ "میں غمزدا" یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا۔ اصلاح سے زبان کی حد میں آگیا --

حسین :-

یاں تو یہ کہہ رہے تھے پسر سے امام دیں   واں ظلم کر رہے تھے یہ عباس پر لعیں
بے انتہا تھی شیر کے نزدیک فوج کیں   بازو جدا تھے شانوں سے مجروح تھی جبیں

اصلاح :-

گھیرے ہوئے تھی چار طرف سے سپاہ کیں   بازو جدا تھے خون سے رنگیں تھی جبیں
نرغہ تھا چار سمت سے جان امام پر
تیروں کا مینہ برستا تھا اُس تشنہ کام پر

تیسرا مصرع ترمیم کیا گیا جس سے اس بند میں لطافت و فصاحت پیدا ہوگئی۔ چوتھے مصرع میں " شانوں سے " یہ ٹکڑا بے محل تھا۔ اور جبیں کو مجروح کہنا بھی اچھا نہ تھا اس لئے " خون سے رنگیں تھی جبیں" خوب بنایا *—

——(منشی احسان علی خاں 'احسان' شاہجہانپوری مرحوم)——

محمد عشرت حسین 'مضطر' مارہروی :

دل کسی پر بھی مبتلا کیوں ہو
اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

اصلاح :
دل حسینوں پہ مبتلا کیوں ہو
اور اگر ہو تو پھر گلا کیوں ہو

چونکہ پہلے مصرع میں "بھی" زاید تھا اس لئے "حسینوں پہ" بنایا اب مطلع صاف و بے عیب ہو گیا —

---

* یہ اصلاحیں جناب تمنا لکھنوی سے ملیں—

مضطر: مجھ سے بیباک کیوں نہیں ہوتے
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

اصلاح: پاس آکر گلے سے مل جاؤ
مجھ سے خلوت میں تم جدا کیوں ہو

دونوں مصرعوں میں "مجھ سے" کی تکرار بد نما تھی اس لئے پہلا مصرع ترمیم کیا گیا۔ اصلاح سے پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہو گیا —

مضطر: راز کی بات کیجے پوشیدہ
راز کی بات برملا کیوں ہو

اصلاح: کیجئے عـــــہد وصل پوشیدہ
راز کی بات برملا کیوں ہو

چونکہ دونوں مصرعوں میں راز کی بات کی تکرار عیب دے رہی تھی۔ دوسرا نقص یہ تھا کہ لفظ 'کیجے' اب شعرائے حال نے متروک کر دیا ہے اس لئے مصرع اولی بالکل بدل دیا گیا۔ عمدہ اصلاح ہے —

مضطر: معاملہ میرا اور آپ کا ہے
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

اصلاح: عشق کا ہے معاملہ بے ڈھب
درمیاں میرے دوسرا کیوں ہو

شاگرد کے پہلے مصرع میں "معاملہ" کا عین ساقط ہو رہا تھا اس لئے اُستاد نے پورا مصرع بدل دیا —

مضطر: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم آھوں کی پھر ہوا کیوں ہو

اصلاح: سینے میں کچھ اگر نہیں جلتا
گرم دم آھوں کی ہوا کیوں ہو

مصرعۂ ثاني میں تعقید تھی اس لئے اک ذرا سے اُلٹ پھیر میں یہ عیب رفع ہو گیا —

مضطر: مدت سے میرا ہوگیا اے دل یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے اُن کی بدولت وبال کیا

اصلاح: مدت سے تیرا ہو گیا مضطر یہ حال کیا
تجھ پر پڑا ہے دل کی بدولت وبال کیا

اصل مطلع بہت الجھا ہوا تھا دونوں مصرعوں کی ترمیم سے اچھا خاصہ مطلع ہوگیا - مضمون وہی رہا صرف دو چار الفاظ ترمیم کئے گئے جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی —

مضطر: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
اب تم بتاؤ تم سے کہوں دل کا حال کیا

اصلاح: ناداں ہو جانتے نہیں دل کی لگی کو تم
بے فایدہ میں تم سے کہوں اپنا حال کیا

مصرعۂ ثانی میں " تم " کی کیا ضرورت تھی جب مصرعۂ اولیٰ میں تم موجود تھا اس لئے " بے فایدہ " بجاے " اب تم " کے بنایا اور دل کی تکرار بھی دونوں مصرعوں میں اچھی نہ تھی اس لئے " اپنا " بجاے " دل " کے بنا کر شعر کو شعر کردیا —

مضطر: تم اور مجکو یاد کرو کس طرح کہوں
تم کو عدو کے سامنے مرا خیال کیا

اصلاح: تم اور مجکو یاد کرو یہ یقیں نہیں
تم کو عدو کے سامنے مرا خیال کیا

مصرعۂ اولیٰ میں " کس طرح کہوں " یہ ٹکڑا مہمل سا تھا - اس لئے " یہ یقیں نہیں " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

مضطر : جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا پھر ایسے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح : جو داغ تھے جگر کے وہ ناسور ہوگئے
ہوگا ہمارے زخموں کا اب اندمال کیا

اصلاح سے شعر میں صفائی پیدا ہوگئی —

مضطر : وہ بھولے بن کے کہتے ہیں بتلاو تو ہمیں
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح : وہ بھولے بن کے پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح
کیا شے ہے وصل اور سوال وصال کیا

اصلاح سے شعر میں فصاحت پیدا ہوگئی " کہتے ہیں بتلاو تو ہمیں " یہ ٹکڑا غیر فصیح تھا اس لئے " پوچھتے ہیں ہم سے اس طرح " بنایا —

مضطر : تیری فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
مجھ کو دنیا سے پر ارمان لئے لیتی ہے

اصلاح : شب فرقت مری اب جان لئے لیتی ہے
گھر کی دولت مری مہمان لئے لیتی ہے

پہلے مصرع میں بجائے " تری " کے " شب " کا لفظ بنایا دوسرا مصرع کچھ نہ تھا - اس لئے پورا مصرع بدل دیا گیا جس سے مطلع کی شان ہی اور ہوگئی —

مضطر : دخت رز کےہیں اشارے مرےایمان کی طرف
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

اصلاح : لے چلی ہے سوے دیر اُس بت کافر کی تلاش
ہائے ظالم میرا ایمان لئے لیتی ہے

پہلا مصرع بالکل بدل دیا گیا کیوں کہ پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو تعلق نہ تھا اب باہمی مصرعوں میں ربط پیدا ہو گیا اور شعر مزے کا ہوگیا —

مضطر : یہ اشارہ ہے نگاہوں کا نہ دیکھہ اور طرف
یہ محبت تری پیمان لئے لیتی ہے

اصلاح : یہ اشارہ ہے کہ دیکھوں نہ کسی اور طرف
ہر ادا آپ کی پیمان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں کی ترمیم سے شعر میں ایک خاص ادا پیدا ہوگئی اور مفہوم وہی رہا —

مضطر : تری شوخی کے مقابل میں میری بیتابی
اب کوئی دم میں یہ میدان لئے لیتی ہے

اصلاح : تری شوخی کے مقابل میں بنی ہے بجلی
بیقراری میری میدان لئے لیتی ہے

دونوں مصرعوں میں ترمیم کی گئی - یہ تڑپا دینے والی اصلاح ہے * —

———(منشی غضنفر علی ' حکیم ' خلف اکبر حضرت اسیر مرحوم)———

وزیر علی وزیز لکھنوی :

نظر نہ آوں کسی کو بھی جو وہ زار ہوں میں
وزیر اہل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

اصلاح : میں سب دیکھوں نہ آوں نظر وہ زار ہوں میں
وزیر اہل نظر کی جہاں کا تار ہوں میں

پہلے مصرع میں " جو " کا لفظ حشو تھا لہذا پہلا مصرع اس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ مطلع بلند ہوگیا † —

———(نواب اصغر حسین 'فاخر' لکھنوی)———

میرے محترم دوست جناب ذاخر تلمیذ حضرت 'فاخر' مرحوم بیان فرماتے

* یہ اصلاحیں خود جناب مضطر نے بذریعہ ڈاک مجھے روانہ فرمائیں —
† یہ اصلاح خود جناب وزیر سے ملی —

هیں کہ ایک دن نواب مہدی حسین 'ماہر' لکھنوی اُستاد حضرت 'فاخر' دولت کدۂ جناب 'فاخر' واقع محلہ نرھی پر تشریف فرماتھے۔نواب صاحب موصوف ترتیب دیوان کے لئے ردیف وار سلام کہہ رہے تھے "ص" کی ردیف میں یہ مصرع فرمایا " اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص " مصرع ذرا بیڈھب تھا - آپ نے اُستاد جناب 'ماہر' سے مصرع لگانے کی فرمایش کی حضرت 'ماہر' نے یہ مصرع لگایا :—

اک بیٹی دے کے لے لئے حیدر سے دو پسر
اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

مصرع لگا نے کو لگایا مگر خود ھی فرمایا کہ یہ مصرع بلند نہیں - پھر اُسی وقت جناب 'فاخر' کے ذھن میں ایک مصرع آگیا جس کی حضرت 'ماھر' نے بے حد داد دے دیکر اپنے ذی حوصلہ شاگرد کا دل بڑھایا اور یہ الفاظ فرمائے کہ میرے مصرع سے یہ مصرع بہت بلند ھے - اچھا اب وہ مصرع بھی ملاحظہ ھو :—

بڑھتے ھی جاتے ھیں شب معراج پیش حق
اللہ رے جناب رسول خدا کی حرص

——————(خان بہادر لسان العصر 'اکبر' الہ آبادی)——————

محمد علیم خان 'علیم' الہ آبادی :

علیم : ھاں اک نظر میں دل تو ھمارا اُنہیں کا تھا
پھر جو ھمارے پاس تھا سارا اُنہیں کا تھا

اصلاح : پہلی اک نظر میں دل تو ھمارا اُنہیں کا تھا
پھر جو ھمارے پاس تھا سارا اُنہیں کا تھا

پہلے مصرع میں صرف ایک لفظ بنا کر مطلع کو اھل نظر کی نگاھوں میں وقیع کردیا - اس پہلی نظر کی کیا تعریف ھو —

علیم: بٹھلایا اپنے پاس پھر اُٹھوا دیا مجھے
میں اب بھی خوش ھوں کیونکہ اِشارہ اُنہیں کا تھا

اصلاح: بٹھلایا پہلے مجکو پھر اُٹھوا دیا مگر
میں اَب بھی خوش ہوں کیونکہ اِشارہ اُنہیں کا تھا

پہلے مصرع میں جو ترمیم کی گئی اُس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ھوا " پہلے " کی مناسبت سے " پھر " کی ضرورت تھی آخر میں " مگر " کا لفظ بھی بڑھایا - اس " مگر " کی وھی داد دینگے جن کی باریک بیں نگاھیں بحر سخن کے عمق تک پہنچکر موتی نکال لاتی ھیں —

علیم : حال وقت جانکنی کیونکر کُھلے
بند ھوجائے زباں بستر کُھلے

اصلاح: حال زار جانکنی کیونکر کُھلے
بند ھوجائے زباں بستر کُھلے

ایک " زار " کے لفظ سے مطلع میں جان آگئی - روح پرور اصلاح ھے —

علیم : دم بخود رہ گیا میں سنتے ھی پیغام اجل
بات ھی ایسی تھی جو منہ سے نکالی نہ گئی

اصلاح : دم بخود رہ گیا میں سنتے ھی پیغام اجل
بات کچھہ ایسی تھی جومنہ سے نکالی نہ گئی

دوسرے مصرع میں " بات ھی ایسی تھی " یہ ٹکڑا کو غلط نہ تھا مگر " بات کچھہ ایسی تھی " خاص محاورہ ھے - اس اصلاح سے شعر میں نفاست لطف زبان پیدا ھوگیا* —

---

* یہ اصلاحیں جناب علیم کے تحویل حافظہ میں محفوظ تھیں مجھے نوٹ کرادیں اور بھی اصلاحیں دینے کا وعدہ فرمایا مگر شاعر کا وعدہ ھی کیا - ھم اسی کو غنیمت سمجھے -

حافظ قاری سید عظمت علی " مضطر :

مضطر: تیری گلی کی حسرت کیوں ہو نہ میرے دل کو
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھہ لینا

اصلاح : نظارہ اُس گلی کا جاں بخش ہو نہ کیونکر
بلبل کی زندگی ہے گلزار دیکھہ لینا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا - جس سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہوگیا۔ عمدہ اصلاح ہے —

مضطر کانپوری: رکھا ہے اب گلے پر قاتل نے مرے خنجر
جھولے گی عرش پر اب تلوار دیکھہ لینا

اصلاح : دل کو کیا ہے زخمی تیغ ادا سے اُس نے
جھولیگی عرش پر اب تلوار دیکھہ لینا

شاگرد کے پہلے مصرع میں خنجر اور دوسرے مصرع میں تلوار اچھی نہ تھی اس لئے اُستاد نے " تیغ ادا " بنایا اب دوسرے مصرع سے پہلے مصرع کو ربط پیدا ہوگیا —

مضطر: آنکھوں کا اُن کی پھر مجکو عشق ہوگیا ہے
پھر کچھہ دنوں میں مجکو بیمار دیکھہ لینا

اصلاح: کچھہ روز سے محبت آنکھوں کی ہوگئی ہے
دو چار دن میں مجکو بیمار دیکھہ لینا

مضطر کے دونوں مصرعوں میں "مجکو" کی تکرار بدنما تھی- اس لئے دونوں مصرعے ترمیم کے گئے جس سے شعر صاف ہوگیا —

مضطر : عرضِ وصال پر نگہ یار اُٹھہ گئی
لو مفت باتوں باتوں میں تلوار اُٹھہ گئی

اصلاح : شوق وصال پر نگہہ یار اُٹھ گئی
لو اک ذراسی بات پہ تلوار اُٹھ گئی

پہلے مصرع میں "عرض وصال" کے بجاے "شوق وصال" بنا کر اور نزاکت پیدا کر دی - دوسرے مصرع میں "لو مفت باتوں باتوں میں" قلم زد کر کے "لو اک ذراسی بات پہ" بنایا - اس محل پر یہی محاورہ خوب تھا —

مضطر : کئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھ بھی لو
جو حسرت رہ گئی دل میں بڑي مشکل سے نکلے گی

اصلاح : کئے لیتے ہو وعدہ وصل کا اتنا سمجھ لینا
جو حسرت رہ گئی پھر وہ بڑی مشکل سے نکلے گی

پہلے مصرع میں "سمجھ بھی لو" کے بجاے "سمجھ لینا" بنا کر مصرع میں صفائی پیدا کر دی - دوسرے مصرع میں "دل میں" یہ ٹکڑا بیکار تھا اس لئے "پھر وہ" بنا کر مصرع میں روانی و سلاست پیدا کر دی کیونکہ حسرت سوا‌ے دل کے اور کہیں نہیں رہ سکتی اس لئے دل کی ضرورت نہ تھی —

مضطر : جو نظر آتا ہے عالم میں وہ ظاہر بیں ہے
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

اصلاح : کون اس راز سے واقف ہوا عاشق کے سوا
کام کرتی ہے ادا نام قضا کا دیکھا

پہلا مصرع ترمیم کیا گیا - جس سے مضمون مصرعۂ ثانی کا ثبوت قوی ہوگیا —

مضطر : کوئی دل دیتا ہے اپنا کوئی اپنا سر اُسے
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

اصلاح : سر بکف ہر اک چلا جاتا ہے شوق ذبح میں
آج اک ہنگامہ برپا کوچۂ قاتل میں ہے

پہلے مصرع کے بدل دینے سے دوسرے مصرع کا صحیح مفہوم ادا ہو گیا -

کیونکہ دوسرے میں ھنگامہ برپا کوچۂ قاتل کا بیان کیا جاتا ھے اس لئے سر بکف ھی جانا اور پھر شوق ذبح میں نہایت ھی مناسب ھے—

مضطر: شمع ھوتی ھے جہاں پروانہ ھوتا ھے ضرور
وہ ھے جس محفل میں میرا دل بھی اُس محفل میں ھے

اصلاح: شمع روشن ھو جہاں پروانہ بھی ھوگا ضرور
وہ ھے جس محفل میں میرا دل بھی اُس محفل میں ھے

پہلے مصرع میں "شمع ھوتی ھے جہاں" کے بجائے "شمع روشن ھو جہاں" خوب بنایا کیونکہ جب تک شمع روشن نہ ھو پروانے کا آنا نا ممکن ھے - دیکھئے صرف دو لفظوں کی ترمیم سے شعر روشن ھو گیا - واقعی بے نظیر اصلاح ھے—

مضطر: خوان نعمت ھے جہاں میں اھل دولت کے لئے
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ھے

اصلاح: مجھ گدا سے کیا تواضع ھو تری اے شاہ حسن
خشک ٹکڑوں کے سوا کیا دامن سائل میں ھے

پہلے مصرع کے بدل دینے سے شعر میں تغزل کی شان پیدا ھو گئی - اُستادانہ اصلاح ھے—

مضطر: سب سے چھپتے ھیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں
سیر گلشن وہ کریں شوق سے تنہا نہ کریں

اصلاح: محرم راز تجلی ھوں ازل سے میں تو
سب سے چھپتے ھیں چھپیں مجھ سے تو پردا نہ کریں

اصل مطلع میں پہلا مصرع خوب تھا مگر دوسرا مصرع مہمل و بے ربط تھا - اُستاد کامل الفن نے پہلے مصرع پر اتنا بلند مصرع لگا دیا کہ شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا - لاجواب اصلاح ھے—

مضطر : جلایا مسیحا نے کشتوں کو اپنے
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

اصلاح : لحد پر شہیدوں کے آنا تھا کیا
کوئی تیر پھر آزمانا تھا کیا

استاد نے پہلے مصرع کو بدل کر شعر کو مطلع کر دیا - اب مطلع میں معنوی خوبیاں قابل دید هیں - واقعی اصلاح اسی کا نام هے —

مضطر : دشمنی کرنے لگی مجھہ سے تمنا میری
جان اب وہ هی نگہبان لئے لیتی هے

اصلاح : دشمنی کرنے لگی مجھہ سے تمنا میری
جان اب دل کی نگہبان لئے لیتی هے

مصرعۂ ثانی میں " وہ هی " کا ٹکڑا بے محل تھا چونکہ "تمنا" کا تعلق دل سے هوتا هے اس لئے " دل کی " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا —

مضطر : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے هیں کسی کی آج صورت دیکھنے والے

اصلاح : خبر لیتے نہیں کیوں دل کی حالت دیکھنے والے
تڑپتے هیں کسی کی پیاری صورت دیکھنے والے

مصرعۂ ثانی میں "آج" زاید تھا اس لئے " پیاری" بنا کر مطلع کو حشو و زواید سے پاک کرکے بے عیب کر دیا —

مضطر : ذرا چلمن هٹا کر سامنے آجائیں اچھا هے
کھڑے هیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

اصلاح : ذرا چلمن هٹادیں یا بلالیں سامنے اپنے
کھڑے هیں صبح سے آج اُن کی صورت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " هٹادیں یا بلالیں سامنے اپنے " یہ دونوں ٹکڑے اس محل

پر خوب بنائے گئے - انھیں دونوں باتوں کی مشتاقان چہال کو ضرورت تھی " سامنے آجائیں اچھا ہے " یہ ٹکڑا بد نما تھا - اصلاح سے شعر میں بے حد ترقی ہوگئی —

مضطر: حسینو! یہ نہ پوچھو کیا نتیجہ اس سے نکلیگا
تمہارے ظلم پر کرتے ہیں حیرت دیکھنے والے

اصلاح: حسینو! یہ نہ پوچھو کیا زمانہ تم کو کہتا ہے
تمہارے ظلم پر کرتے ہیں حیرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " کیا نتیجہ اس سے نکلیگا " برائے بیت تھا اس لئے بجائے اس کے " کیا زمانہ تم کو کہتا ہے " بنا کر شعر کو زبان کے سانچے میں ڈھال دیا —

مضطر: رہیں ناکام کب تک تیری صورت دیکھنے والے
اِدھر بھی اک نظر او دل کی حسرت دیکھنے والے

اصلاح: رہیں بے چین کب تک تیری صورت دیکھنے والے
اِدھر بھی اک نظر اودل کی حسرت دیکھنے والے

پہلے مصرع میں " ناکام " کے بجائے " بے چین " بنا کر تڑپادیا صرت ایک لفظ کی ترمیم سے مطلع پھڑکا دینے والا ہوگیا —

مضطر: وقت سخن ہوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں نکلتے ہیں منہ سے سخن کے پھول

اصلاح: وقت سخن ہوں کیوں نہ تصدق دھن کے پھول
باتیں نہیں ہیں گرتے ہیں منہ سے سخن کے پھول

مصرعۂ ثانی میں بجائے " نکلتے ہیں "کے " گرتے ہیں " بناکر شعر کو فصیح کردیا - منہ سے پھول جھڑتے ہیں یہ محاورہ بھی ہے مگر اس محل پر " گرتے ہیں " ہی اچھا ہے کیونکہ "جھڑتے ہیں" میں ایک مذموم پہلوبھی نکلتا ہے —

مضطر: آے ھیں تعزیت کو مگر دیکھتے ھیں ہم
چھوتے نہیں ھیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

اصلاح: آے ھیں تعزیت کو مگر ھے یہ اجتناب
چھوتے نہیں ھیں کشتۂ رنج و محن کے پھول

پہلے مصرع میں " دیکھتے ھیں ہم " یہ ٹکڑا مبالغہ آمیز تھا - مگر " ھے یہ اجتناب " اس اصلاح سے شعر میں جان آگئی —

مضطر: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ھاتھہ میں نازک بدن کے پھول

اصلاح: لیجاؤں کیا میں یاسمن و نسترن کے پھول
بار گراں ھیں کانوں میں نازک بدن کے پھول

دوسرے مصرع میں بجاے " ھاتھہ " کے " کانوں " میں خوب بنایا کتنی نازک اصلاح دی کیونکہ ھاتھہ میں پھولوں کے ھار پہنے جاتے ھیں - خالی پھول تو کانوں ھی میں پہنے جاتے ھیں —

مضطر: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
کس نے بتاؤ لوٹ لئے اس چمن کے پھول

اصلاح: مضطر تمہارے سینے میں ایک داغ بھی نہیں
بتلاؤ کس نے لوٹ لئے اس چمن کے پھول

دوسرے مصرع میں ایک ھلکی سی تعقید تھی اُستاد نے " بتلاؤ کس نے " بنا کر اس عیب کو رفع کر دیا —

مضطر: نہ پوچھو مجھہ سے تم اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر ، بے مروت ، خود غرض ، نا آشنا تم ہو

اصلاح: بھلا میں کیا کہوں اس بے وفائی پر کہ کیا تم ہو
ستمگر ، بے مروت ، خود غرض ، نا آشنا تم ہو

پہلے مصرع میں " تم " کی تکرار بدنما تھی اس لئے " نہ پوچھو مجھ سے تم " کے بجاے " بھلا میں کیا کہوں " بناکر مطلع کو بلند کردیا —

مضطر: یہی تواب کہوگے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہماری ہے خطا اِس میں سراسر بے خطا تم ہو

اصلاح: یہی تواب کہوگے کیوں دیا دل کس نے مانگا تھا
ہمیں مجرم تمہارے ہیں سراسر بے خطا تم ہو

مصرعۂ ثاني میں " ہماری ہے خطا اِس میں " یہ ٹکڑا قلم زد کرکے " ہمیں مجرم تمہارے ہیں " بنایا جس سے شعر میں روانی اور سلاست پیدا ہوگئی *—

——(نواب حیدر یار جنگ مولانا سید علی حیدر 'نظم' طبا طبائی لکھنوی)——

' نشتر' تخلص - نام محمدعبدالحکیم:

نشتر: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
ایک دو تنکے ہی رکھے تھے کہ صیاد آیا

اصلاح: آشیاں باغ میں بلبل کو بنانا نہ ملا
شاخ گل پر تھا نواسنج کہ صیاد آیا

مصرع ثانی میں "ایک دو تنکے ہي رکھے تھے " اس حالت میں صیاد کا آنا ممکن تو ہے مگر " شاخ گل پر تھا نواسنج " اس سے زیادہ لطیف ہے - یعني صیاد کب آیا- جب اُس کے کانوں میں بلبل کی آواز پہنچی - اُستادانہ اصلاح ہے —

نشتر: عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
ٹھوکریں قبر سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

---

* یہ اصلاحیں بذریعہ ڈاک موصول ہوئیں ہم سید حافظ قاري عظمت علی مضطر' کانپوری کے شکر گزار ہیں —

اصلاح : عشق نشتر کا وہ شہرہ تھا کہ ملنے کے لئے
ٹھوکریں کوہ سے کھاتا ہوا فرہاد آیا

دوسرے مصرع میں بجائے "قبر" کے "کوہ" بنا دیا۔ کیونکہ فرہاد کے لئے "کوہ" کی سخت ضرورت تھی—

نشتر : ازل میں نور رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

اصلاح : ازل میں حسن رخ یار تھا جو پوشیدہ
گلوں میں ہو گیا ظاہر وہ رنگ و بو ہوکر

پہلے مصرع میں بجائے "نور" کے "حسن" بنایا کیونکہ رنگ و بو دونوں لفظوں پر حسن حاوی ہے اور نور میں صرف رنگ ہی کا رنگ تھا اس لئے یہاں حسن کی ضرورت تھی۔ صرف ایک لفظ کی ترمیم سے شعر میں عجب حسن پیدا ہو گیا—

نشتر : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار ہے کوئی
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

اصلاح : مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ غمخوار نہ دلجو
غربت سے کہیں بڑھ کے میں بیکس ہوں وطن میں

مصرعۂ اولیٰ میں "ہے کوئی" کو قلم زد کرکے "نہ دلجو" بنا دیا جس سے شعر میں ترقی ہو گئی—

نشتر : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدو یہ زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

اصلاح : افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہونگا
رکھدوں کا زباں کاٹ کے مینا کے دہن میں

دوسرے مصرع میں بجائے "رکھدو یہ" کے "رکھدوں کا" بنایا کیونکہ پہلے

مصرع میں کسی اور سے خطاب نہیں ہے شاعر خود ہی افسانۂ دل پردۂ قلقل میں کہنے کو کہہ رہا ہے اس لئے اس محل پر " رکھدوں گا " کہنا بہت مناسب ہے—

نشتر : دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر سمجھیگا جو ہوا مہر گہن میں

اصلاح : دیکھو رخ تاباں کو نہ کاکل سے چھپاؤ
اندھیر ہے خورشید جو آجاے گہن میں

دوسرے مصرع کی ترمیم سے شعر میں سلاست و روانی پیدا ہو گئی - اگر پہلے مصرع میں بجاے "کاکل" کے 'زلفوں سے' ہوتا تو اور بھی اچھا تھا —

نشتر : ٹھہر ٹھہر کہ ہوں دم بھر کا مہماں میں بھی
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاح : ٹھہر ٹھہر کہ ہوں مہمان میں بھی دم بھر کا
قریب ختم ہے اے شمع داستاں میری

اصلاحی الفاظ وہی ہیں مگر اک ذرا سے اُلٹ پھیر میں تعقید کا جو ایک عیب تھا جاتا رہا - شعر بھی اچھا ہے اور اصلاح بھی خوب ہے—

نشتر : ہے مشتعل مرے قلب و جگر میں آتش عشق
سلگ رہی ہیں تپ غم سے ہڈیاں میری

اصلاح : بھڑکتی جاتی ہے اندر ہی اندر آتش عشق
سلگ رہی ہیں تپ غم سے ہڈیاں میری

پہلے مصرع کی ترمیم سے بیان میں گرمی اور شعر میں زور پیدا ہو گیا - عجب قوت کا مصرع لگا دیا جس کی جس قدر داد دی جاے کم ہے' ایسی ہی اصلاحیں سبق آموز ہوتی ہیں—

نشتر : سر جھکا کر کہہ رہا ہے یہ ہلال آسماں
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے

اصلاح : آسماں پر یہ اشارہ کر رہا ہے ماہ نو
سرفرازی میں بھی لازم ہے کہ گردن خم رہے
ہلال آسماں کے کہنے سے ماہ نو کا اشارہ زیادہ نازک ہے —

نشتر : حضرت نشتر تھے قیس و کوھکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں آوازۂ ماتم رہے

اصلاح : حضرت نشتر تھے قیس و کوھکن کے جا نشیں
کوہ و صحرا میں نہ کیوں ھنگامۂ ماتم رہے

دوسرے مصرع میں "آوازۂ ماتم" یہ ٹکڑا ٹھیک نہ تھا اس لئے "ھنگامۂ ماتم" بنا کر شعر کو صحیح کر دیا —

نشتر : زمیں پہ پھول تو گردوں پہ انجم و مہ و مہر
یہ ھیں اُسی گل و رعنا کے گل کھلائے ھوے

اصلاح : چمن میں پھول فلک پر کواکب و مہ و مہر
یہ ھیں کسی گل و رعنا کے گل کھلائے ھوے

پہلے مصرع میں "زمین پہ پھول" یہ ٹکڑا کئی عیبوں سے مملو تھا - اول تو دو قریب المخرج حرفوں کا یکجا ھونا عیوب شاعری میں داخل ہے اور پھر پھول کے لئے چمن ھی زیادہ موزوں ہے - اس لئے مصرع ترمیم کیا گیا جس سے شعر اور بلند ھو گیا —

نشتر : ہلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ہے
جو سرفراز ھیں چلتے ھیں سر جھکائے ھوے

اصلاح : ہلال جھک کے یہ گردن کشوں سے کہتا ہے
جو سرفراز ھیں رہتے ھیں سر جھکائے ھوے

مصرعۂ ثانی میں بجائے "چلتے" "رہتے" بنایا اس ایک لفظ کے تصرف نے شعر کو کتنا لطیف کردیا پہلے سر جھکانے کی خصوصیت صرف چلنے میں تھی اب ہر

حالت میں سر جھکانا پایا جاتا ھے—

نشتر : عجب ھوائے فنا چل رھی ھے اے نشتر
که سب چراغ کواکب ھیں جھلملائے ھوے

اصلاح : عجب ھوائے فنا چل رھی ھے عالم میں
که سب چراغ کواکب ھیں جھلملائے ھوے

پہلے مصرع میں بجائے " اے نشتر " کے " عالم میں " بنا کر چراغ کواکب کا جھلملانا ثابت کردیا *—

———(منشی احمد علی شوق قدوائی مرحوم)———

عبدالحکیم نشتر جالندھری :

حنا مالیدہ پاؤں سے یه کسنے سیر دریا کی
نگاھیں پھول چنتی پھرتی ھیں دامان ساحل سے

اصلاح : مگر پائے حنائی سے کسی نے سیر دریا کی
نگاھیں پھول چنتی پھرتی ھیں دامان ساحل سے

پہلے مصرع میں " حنا مالیدہ پاؤں سے " یه ٹکڑا غیر فصیح تھا اس لئے اُستاد کامل نے " مگر پائے حنائی سے " بنا کر شعر کو فصیح کر دیا—

نشتر : مدد اے جوش الفت پر لگا دے میرے قدموں کو
که منزل دور مجھه سے اور میں ھوں دور منزل سے

اصلاح : مدد اے جوش الفت پر لگا دے توھی قدموں کو
که منزل دور مجھه سے اور میں ھوں دور منزل سے

پہلے مصرع میں " میرے " کی چنداں ضرورت نه تھی که جب دوسرے مصرع میں اُس کا مترادف "مجھه سے" اور "میں" موجود ھے اس لئے اُستاد نے بجائے "میرے" کے " توھی " بنا کر مصرع میں اور زور پیدا کردیا —

---

* یه اصلاحیں بذریعه ڈاک خود جناب نشتر نے ارسال فرمائیں مؤلف شکر گزار ھے۔

نشتر : بڑھا ہے ربط و ضبط اتنا جدا دم بھر نہیں ہوتا
میرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

اصلاح : یہ ربط باہمی تو دیکھہ کس الفت سے لپٹا ہے
مرا دل تیرے پیکاں سے ترا پیکاں میرے دل سے

پہلا مصرع کس حسن سے ترمیم کیا گیا کہ دوسرے مصرع سے ربط پیدا ہوگیا—

نشتر : خیال آتا ہے جس دم نشتر مژگان جاناں کا
تو فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

اصلاح : پڑا ہے کام کسکی کاوش مژگاں سے اے نشتر
کہ فوارہ لہو کا چھوٹتا ہے ہر رگ دل سے

پہلے مصرع کو ترمیم کرکے اُستاد نے شعر کو مقطع کردیا اب یہاں نشتر نے دونوں معنی دئیے—

نشتر : منہ چھپائے ہوئے شمشیر ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلھن بن کے قضا آتی ہے

اصلاح : مجکوگھونگھٹ میں نظر اُن کی ادا آتی ہے
آج مقتل میں دلھن بن کے قضا آتی ہے

پہلا مصرع کیوں ترمیم کیا گیا - اول تو شمشیر کے منہ چھپانے کا ثبوت نہ تھا اور پھر " آتی ہے " یہ ٹکڑا برا تھا - مصرع جو استاد نے اکا دیا اُس سے دوسرے مصرع کا ثبوت قوی ہوگیا۔ " نظر " کا لفظ پہلے مصرع میں قابل دید ہے—

نشتر : داور حشر بھی عاشق نہ کہیں ہوجاے
اُن کو جاتے ہوے محشر میں حیا آتی ہے

اصلاح : بھیجدے حشر کو یارب تو اُنھیں کے گھر میں
اُن کو جاتے ہوے محشر میں حیا آتی ہے

نشتر کا پہلا مصرع معیار شادی سے بہت گرا ہوا تھا - اور سوء ادبی کا بھی ایک پہلو نکلتا تھا - حضرت شوق نے نئے انداز سے مصرع لگا دیا - اب مصرع ثانی کی جس قدر چاہے تاویل کیجئے —

نشتر : کشتۂ زلف ہوں ہر شب کو مری تربت پر
حور اوڑھے ہوے ماتم کی ردا آتی ہے

اصلاح : کشتۂ زلف وہ ہوں میں کہ مری تربت پر
رات اوڑھے ہوے ماتم کی ردا آتی ہے

پہلے مصرع میں دوسرے مصرع کی مناسبت سے کسی قدر ترمیم کی گئی - مگر دوسرے مصرع میں بجاے "حور" کے کشتۂ زلف کی رعایت سے " رات " بنایا حور کو تربت سے کیا تعلق-دیکھئے صرف ایک لفظ سے شعر میں کتنی خوبیاں پیدا ہوگئیں - رات کا ماتم کی ردا اوڑھ کر کشتۂ زلف کی تربت پر آنا نئی بات ہے —

نشتر : جو نہیں پیتا نکل جاے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

اصلاح : ہوش پیارے ہوں جسے جاے وہ میخانے سے
دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے

سبحان اللہ کیا بےنظیر مصرع لگا دیا ہے جس کی جس قدر تعریف کی جائے-اول تو اصل مصرع میں ایک نقص یہ تھا کہ پڑھنے میں کراھت معلوم ہوتی تھی - دوسرے جو نہیں پیتا یا جسے دخت رز سے بیعت حاصل نہیں وہ میخانے میں جانے ہی کیوں لگا- تیسرے " نکل جائے " یہ ٹکڑا بہت سخت تھا جس میں رکاکت پیدا ہوتی تھی-اب اصلاحی مصرع کی خوبیاں ملاحظہ ہوں- دوسرے مصرع میں ہے " دور میں آج مئے ہوشربا آتی ہے" اُس کی مناسبت سے پہلے مصرع میں "ہوش پیارے ہوں" کیا

خوب بنایا اس اصلاح سے یہ مطلع مطلع آفتاب ہوگیا * —

---

* یہ اصلاحیں بھی جناب 'نشتر' نے بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں - جناب 'نشتر' نے حضرت نظم طبا طبائی سے بھی اصلاح لی اور جناب ' شوق ' کے سامنے بھی زانوے ادب تہ کیا —

خطبات گارساں دتاسی

(اُردو زبان و ادب پر)

[مترجمہ جناب نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن]

چھٹا خطبہ

(جو ۲-دسمبر سنہ ۱۸۵۵ ع کو پڑھا گیا)

حاضرین!

اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنی ہندو (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض، کم سے کم، صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی وشمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ہی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شائع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورنمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے، جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۱ ع تک کی حالت میںنے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی - سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و

شمالی میں اُس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۹ ہندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپے خانوں سے ۱۲۹ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب ہندوستانی زبان میں تھیں - پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۳ ع تک چھاپے خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور ہندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہو گئی - اور ان تمام کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی - بہر حال ہم کو معلوم ہے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپے خانے اور ۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے' اور سنہ ۱۸۵۳ ع میں ۱۹۵ کتابیں شائع ہوئیں - اِس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں آپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہوگئے ہیں - لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی - اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ ہیں :- " زایرین ہند " بنارس کا' جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل " Debats " مورخہ ۱۶ - جنوری سنہ ۱۸۵۱ ع میں شائع کراچکا ہوں - " باغ و بہار " بھی اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز " بنارس گزٹ " جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اُردو میں شائع ہوتا تھا ؛ دہلی کا "فوائدالناظرین"' میرٹھ کا "مفتاح الاخبار"' لاہور کا "دریاے نور"' " شملہ اخبار"' لدھیانہ کا " نورٌ علی نور"' اور امرتسر کا "باغ نور" —

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جو چالیس چھاپے خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان میں سے دس آگرہ میں تھے' سات بنارس میں' ایک بریلی میں' ایک بھرتپور میں' دو لاہور میں' دو ملتان میں اور ایک سیالکوٹ میں —

نئے اخبارات جن سے ابھی میںنے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ہیں :- آگرہ میں " نورالاخبار " اور "بدھی پرکاش" یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ہی ہیں اور ایک ہی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ہیں ؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا

هندؤں کی زبان میں - ان دونوں کا اڈیٹر "سدا سکھہ" نامی ایک لائق هندو هے' جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا هے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی هے - یه اخبار بہت کامیاب هوے کیونکه ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی هے اور تاریخ' جغرافیه' ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رهتے هیں - ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ هوتا هے لیکن بہت پر تکلف نہیں هوتا' کیونکه ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جیسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے هیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری هوا هے جس کا نام "آفتاب هند" هے - اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھو ناتھہ هیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف هیں - یه اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلی سائنٹفک اور ادبی مضامین کی وجه سے جو همیشه اس میں شائع هوتے رهتے هیں' بہت مشہور هے —

سنه ۱۸۵۳ ع سے ایک اُردو جریدہ "فتح الاخبار" ضلع علی گڈہ کے قصبه کوئل سے نکلتا هے' جو با وجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع هوتا هے - اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے' عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی هے —

مغلیه سلطنت کے قدیم دارالسلطنت دهلی سے با وجود ان پانچ اخباروں کے جو وهاں پہلے هی سے موجود تھے' تین اُردو اخبار سنه ۱۸۵۳ ع سے اور جاری هوے هیں جن سے ان کی تعداد آتھه هو گئی هے - حالانکه قسطنطنیه میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع هوتے هیں - نئے اخباروں کے نام یه هیں :—

"صادق الاخبار" جسے مصطفی خاں مصطفائی پریس کے منیجر نکالتے هیں - یه پریس پہلے لکھنؤ میں تھا لیکن چند خاص وجوہ کی بنا پر یه کار خانه وهاں بند

کر دیا گیا - اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے اُس کی دو نئی شاخیں ایک کانپور اور دوسری دھلی میں قائم کیں - یہ پرچہ دھلی سے شائع ھوتا ھے - اسی نام کا ایک دوسرا اخبار فارسی زبان میں بھی شائع ھوتا ھے - دھلی کے دوسرے نئے اخبار "نور مشرقی" و "نور مغربی" ھیں - ان دونوں کا ایک ھی مقصد ھے' یعنے اھل ملک کو جب بنی نوع انسان کے خیالات اور اصول سے با خبر کیا جاے - لیکن اپنے ناموں کے لحاظ سے پہلا مشرقی خیالات کا اظہار کرتا ھے اور دوسرا مغربی یعنی یورپین خیالات کا —

گوالیار سے ایک شخص لکشمی پرشاد جو وھاں کی حکومت کا ملازم ھے سنہ ۱۸۵۳ع سے ایک سرکاری اخبار نکالتا ھے جس میں دو کالم ھوتے ھیں - ایک اُردو میں اور دوسرا ھندی میں - یہی لائق شخص اس سے قبل بریلی سے ایک اخبار نکالتا تھا جس میں اکثر حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین شائع ھوتے تھے' مثلاً ایک مضمون میں دھلی اور لکھنؤ کی اُردو کا مقابلہ کیا گیا تھا —

ملتان سے علاوہ اس اخبار کے جو وھاں پہلے سے موجود تھا' سنہ ۱۸۵۳ء سے ایک اور اُردو اخبار نکل رھا ھے - اس کا نام "شعاع شمس" ھے اور یہ مہاراجہ ھلکر کی سرپرستی میں ایک لائق درویش غلام نصیرالدین کی ادارت میں شائع ھوتا ھے —

سب سے آخر میں سیالکوٹ سے ایک اخبار "چشمۂ فیض" کے نام سے ماہ جون سنہ ۱۸۵۳ع سے جاری ھوا ھے - پنجاب کے اس شہر اور ضلع (سیالکوٹ) میں جس قدر تعلیم کے فوائد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ھے غالباً تمام ھندوستان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی - کیونکہ "دی فرنڈ آف انڈیا" (The Friend of India) نے حال ھی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ اس قرب و جوار کے نو سو پچاس دیہات نے وہ خاص ٹیکس جو حکومت برطانیہ نے دیسیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا پیشگی ادا کر دیا' جس کی وجہ سے مجوزہ مدارس بغیر کسی توقف

کے فوراً کھول دئے گئے—

حضرات! میں ابتدائی یا اس سے بھی کم درجے کی سائنس کی کتابوں کے بارے میں جو سنہ ۱۸۵۲ و ۵۳ع میں صوبجات مغربی و شمالی میں شائع ہوئیں کچھہ نہیں عرض کروں گا - میں صرف اُن کتابوں کا تذکرہ کروں گا جو ادب، تاریخ اور فلسفے کے زمرے میں شامل ہو سکتی ہیں - لہذا اس حیثیت سے میں "چراغ حقیقت" کا نام لونگا جس میں صوفیوں کے مذہبی اصول سے بحث کی گئی ہے - یا "تذکرۃ التمکین" کا، جس میں مظاہر قدرت، قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ہے - اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ہے - یا "عجائب روزگار" کا، جو در حقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ہوتا ہے مگر نام بدل دیا گیا ہے - یا "مخزن قدرت" اور "ملیات السنائی" کا جو ایک ہی قسم کی کتابیں ہیں اور ان میں مذہبی نقطۂ نظر سے فطرت کی تصویر پیش کی گئی ہے—

مجھے آپ کے سامنے قوانین منو (Laws of Manu) کے اُردو ترجمے "منوسن ہتا" کا اور عربی کے فاضل ادیب ابوالحسن بغدادی المعروف بہ قدوری کے رسالۂ فقہ کا، جس کا نام "مختصر قدوری" ہے اور رام چند کے رسالۂ "بھوت نہنگ" کا تذکرہ بھی کرنا چاہئے - یہ ہندو ادیب جس کا میں آپ لوگوں سے تعارف کرا چکا ہوں عیسائی ہو گیا ہے - اس کی اس کتاب کا مقصد ہندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدہ رکھنے سے باز رکھنا ہے - یعنی دراں حالیکہ یورپ میں لوگ اس قسم کی ارواح سے حقیقی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں، ہندو لوگ یوروپین اور عیسائی خیالات سے متاثر ہو کر اپنے ہم وطنوں کو ان پر عقیدہ رکھنے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں—

میں اس موقع پر اخلاقی ناولوں کو فراموش کرنا بھی نہیں چاہتا - مثلاً "سدھی بُدھی" جس میں برے اور بھلے اخلاق کا فرق بتایا گیا ہے - یا "بنجارا"

جس میں صاف طور سے دنیاوی چیزوں کی بے ثباتی ثابت کی گئی ہے - یا فارسی " تاریخ کشمیر " مولفۂ محمد عظیم کا اردو ترجمہ . یا سبحان کی " تاریخ فقہاے اسلام " یا " یوسف علی خاں کا سفر نامۂ یورپ " یا اس سے بھی زیادہ دلچسپ " ہندوستان کے غیر معروف حصوں میں فرساں رواے اندور کی سیاحت "۔ آخر کی دونوں کتابوں کا شائع کرنے والا امین چند ہے —

سب سے آخر میں ، قابل ذکر کتابیں امام بخش صہبائی کی تصانیف ہیں ، جن کے نام " حدیقۃالبلاغت " ، " انتخابات نظم " اور " قواعد اردو " ہیں - ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب‌الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ہے . مولانا صہبائی منشی عبدالکریم کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے - یہ دہلی کے مشہور محلے " چیلوں کے کوچہ " میں رہتے ہیں - وہ ہمیشہ پرانی وضع کا لباس پہنتے ہیں ؛ ان کی داڑھی سرخ رنگی ہوئی ہے اور چہرے پر چیچک کے نشان ہیں- اِس وقت اُن کی عمر ساٹھ برس کی ہے —

سنہ ۱۸۵۲ - ۵۳ ع میں جو کتابیں ایسی شایع ہوئی ہیں جن کا تعلق تخیل سے ہے ، خواہ وہ اصل تصانیف ہوں یا دوسری ایشیائی زبانوں کے ترجمے ، ان میں سے میں صرف ذیل کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں :- " کرشن بالپن " جس میں کرشن کے بچپن کا حال نظم میں بیان کیا گیا ہے؛ محمد حسین کی " لیلی مجنوں " ؛ " سفینۂ ظرافت " جو ظریفانہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے ؛ "شرح قصائد سودا " جو ہندوستان کے زمانۂ حال کے شعرا کا بادشاہ مانا جاتا ہے ؛ " دیوان درد " جو گذشتہ صدی کے بہترین شعرا میں تسلیم کیا جاتا ہے ؛ "رامائن " کا ایک خوبصورت ہندی اڈیشن اور " انوار سہیلی " کا خلاصہ - انوار سہیلی فارسی ادب کی بہترین

کتاب ہے جس کا حال ہی میں بہت صحیح ترجمہ مسٹر ایسٹ وک نے انگریزی میں کیا ہے، جس سے ان کے ذوق سلیم کا پتہ چلتاہےاور جن کو ہم ان کے متعدد ادبی خدمات کی وجہ سے ایک نیا" ڈی ہیمر " (De Hammer) خیال کرتے ہیں —

حضرات ! میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہندوستان کے اُس انگریز حاکم کی رائے سے اتفاق نہ کریں گے جو اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع میں ان کتابوں کا اور خاص کر " باغ و بہار " ، " گل بکاولی " ، " اخلاق جلالی " ، " زبدۃالخیال " ، " پریم ساگر " ، " ست سئی " اور " راج نتی " کا (جو میری رائے میں ہندوستانی ادب میں بہت نفیس کتابیں ہیں) نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے اور بچوں کا کھیل سمجھتا ہے جن سے دل و دماغ میں ہرگز اعلیٰ اور شریفانہ خیالات پیدا نہیں ہوسکتے —

یہ آگے چل کر کہتا ہے کہ " راج نتی " کے پڑھنے سے دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو ایک مدہوش شرابی کو دیکھہ کر ہو سکتاہے-حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب " ہتوپدیش " کا صرف ہندی ترجمہ ہے ، جس کی فضیلت کا ہر شخص معترف ہے - اس انگریز کا خیال ہے کہ ہندوستانی لٹریچر کو انگریزی زبان کے ترجموں سے نیا جنم لینا چاہئے - غالباً وہ بھولتا ہے کہ انہی کتابوں میں بعض اس قدر دلچسپ ہیں کہ یورپ میں اُنہیں اس قدر قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ خالص یورپی کتابیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں - مثال کے طور پر میں صرف " الف لیلیٰ " کا نام لیتا ہوں - یہ دنیا کی نہایت دلچسپ کتابوں میں سے ہے اور پھر لطف یہ کہ اس سے ہمیں مسلمانوں کے رسم و رواج کا بھی علم ہوجاتا ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب محض تفنن طبع کے لئے ہے ، لیکن کم از کم " گلی ورس ٹریولس " (Gullivers Travels) سے یقیناً کہیں زیادہ قابل وقعت ہے جس کے بارے میں ایک دوسرے انگریز افسر نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کی رائے دی ہے —

حضرات ! میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو کتابیں اس قدر حقارت سے دیکھی گئی ہیں وہ محض افسانے ہیں' لیکن تاریخ بھی بسا اوقات غلط ہوتی ہے اور اس کی غلطیاں زیادہ خطر ناک ہوتی ہیں - جیسا کہ " بائی رن " اپنی نظم " لارا " میں لکھتا ہے :—

" .... تاریخ کا قلم اس کی برائی یا بھلائی کو پورا کرتا ہے - وہ سچ کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے — "

انگریزی زبان سے جو کتابیں ہندوستانی میں ترجمہ ہوئیں ان میں ذیل کی کتابیں قابل ذکر ہیں :- ریورنڈ جے اے شرمن کی " تاریخ متقد میں و متا خرین " ؛ گولڈ اسمتھ کی تاریخہاے روم و یونان یازمانۂ قدیم کے فلسفیوں مثلاً اسکندر ' تمی ماس تھنیز ' سسرو وغیرہ کی سوانح زندگی جو پلوٹارک کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ کی گئی ہیں - ایک کتاب جس کا نام " بحری وبری انکشافات " ہے ؛ مارش مین کی تاریخ انگریزوں کا تسلط بنگال ؛ سلطنت چین کی تاریخ جس کو جے اف کا رکورن نے جوایک اینگلوانڈین اور پر جوش کیتھا لک تھا جسوئٹ مشنریوں کے یک طرفہ معلومات سے مرتب کیا تھا —

مشرقی علم و فضل نیز ہندوستانیوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے (جن کے لئے یہ کتابیں شائع کی گئی ہیں)' یہ بات بہت ہی قابل افسوس ہے کہ جن کتابوں کا انگریزی سے ترجمہ ہوا وہ تاریخ ' سیاست ' اور مشرقی ممالک کے مذاہب جیسے مضامین پر مشتمل ہیں - مثال کے طور پر ایک کتاب کا ایڈن برا کیبنٹ لائبریری سے ترجمہ ہوا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے؛ یا مثلاً ہندوستان کا جغرافیہ " مرے" کی " اِن سایکلوپیڈیا آف جیاگرفی " سے کیا گیا ہے : یا تاریخ فارس جو " ماڈرن ٹریولر " کا ترجمہ ہے اور اسی قسم کی اور کتابیں ہیں - اس قسم کی کارروائی کے معنی حقیقتاً ہندوستان کو وحشی ملک سمجھنا ہے - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کی بہ نسبت

ان کے ملک کو زیادہ بہتر جانتے ہیں - اگر ہندوستان میں تحریری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو اُس صورت میں بھی ہم اسے صحیح تسلیم نہ کرتے - اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی معلومات مشرق کے بارے میں ہے وہ مشرقی اصحاب قلم ہی کی بدولت ہے—

بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ اصل کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے - نیز اعلام میں بھی بہت کچھ گڈ مڈ ہو گئی ہے - اگر ان خامیوں کے ساتھ اُن خامیوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو ترجمے کے ساتھ لازمی ہیں تو ترجمے کا ماحصل حقیقتاً ایک بہت ہی نا مکمل کتاب ہوگی جس سے ملک کے باشندوں کو اپنے وطن کی تاریخ کے متعلق غلط معلومات پیدا ہوں گی - اگر ہندوستانی زبان میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں تو بھی کوئی وجہ نہیں کہ انگریزی کو فارسی پر ترجیح دی جائے؛ کیوں نہ فارسی تاریخوں کا ترجمہ کیا جائے یا کم سے کم فارسی تاریخوں پر اُن کی بنیاد قائم کی جائے - اور جو باتیں اس میں صراحت کے ساتھ غلط ثابت ہوں یا خلاف اخلاق تصور کی جائیں ان کو حذف کر دیا جائے - اس قسم کا ترجمہ آسان بھی ہو گا اور دیسی اہل قلم حضرات کی طبیعت کے موافق بھی - اس طریقے کے اختیار کرنے سے وہ اپنے ہی دائرے میں رہیں گے اور ترجمے میں جو فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس سے محفوظ رہیں گے ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ مکھی پہ مکھی مار دیتے ہیں اور ہندوستانی الفاظ کا غلط استعمال کرتے ہیں؛ خاص کر ان مترجموں کے ہاتھوں ایسے یورپی خیالات اور تلمیحات کی بڑی مٹی خراب ہوتی ہے جن سے وہ بالکل نا بلد ہیں—

مثلاً آنریبل مسٹر ڈبلیو میؤر نے جو صوبجات مغربی و شمالی کی انگریزی حکومت کے سکریٹری ہیں "تیلرس ہسٹری آف محمڈن ازم" کے ترجمے کو جسے دہلی کالج کے چار معلموں نے کیا ہے' بڑے غور سے ملاحظہ فرمایا' وہ بھی میری طرح انہیں نقائص کے شاکی ہیں - اس تاریخ کے پہلے ہی باب میں ان کو ایسے جملے

ملے جو بالکل مبہم ھیں اور جن کا کوئی مطلب نہیں اور جو یقیناً غلط ھیں۔ ان میں سے اکثر کے متعلق انھوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر اشارہ کر دیا ھے۔ اس لائق عہدہ‌دار کا بیان ھے کہ "یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس اس وجہ سے ھے کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ادب میں اچھی استعداد رکھتے ھیں ان غلطیوں کو فوراً معلوم کر لیں گے اور اس سے ھماری تمام تصانیف اور ترجموں پر بڑا حرف آئے گا"۔—

ایک بات اور بھی ھے کہ اس ترجمہ کا کام محض مسلمانوں ھی کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ چار میں سے صرف دو مترجم مسلمان تھے اور باقی دو ھندو۔ جن حصوں کا مسلمان پروفیسروں نے ترجمہ کیا ھے وہ خاصے صحیح ھیں؛ لیکن یہ حالت اُس حصے کی نہیں جسے ھندؤں نے ترجمہ کیا ھے؛ اس میں عربی الفاظ کا املا تک غلط ھے۔ اِس کے علاوہ ان ابواب میں ھندو مترجموں نے یورپی مصنف کے اُس طرز تحریر کو جو اُس نے قرآن اور اسلام کے متعلق استعمال کی ھے، نرم کرنے کی کوشش نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ھو گا کہ جو مسلمان اسے پڑھے گا وہ برہم ھوگا، حالانکہ پیغمبر (صلعم) اور مکے کے ساتھ معمولی تعظیمی الفاظ برابر استعمال کئے گئے ھیں، لیکن ان کا کتاب کے متن سے جوڑ نہیں بیٹھتا—

حضرات! میں اس سے غافل نہیں ھوں کہ اس قسم کی مطبوعات کی سرپرستی سے حکومت برطانیہ کا مقصد محض یورپین خیالات کی اشاعت نہیں ھے بلکہ اس کے ساتھ مسیحی خیالات کی اشاعت بھی ھے۔ آخری مقصد نہایت قابل قدر ھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ھو سکتا؛ مگر میرے خیال میں یہ مقصد دوسری طرح بھی حاصل ھو سکتا ھے یعنی جیسا میں نے ابھی کہا ھے، مشرقی کتابوں کی اصلاح سے۔ فلسفہ اور مسیحی اخلاق کی کتابوں کے ترجمے میں کوئی ھرج نہیں، بلکہ اس قسم کا ترجمہ در حقیقت ھندوستان والوں کے لئے مفید اور نفع بخش ھوگا۔ اسی وجہ سے میں "رابن‌سن کروسو" (Robinson Crusoe) کے ترجمے کو اور خاص کر "خدا کے وجود پر فنلن کے خیالات" (Thoughts of Fenelon on the

(Existence of God) کو جس کا ترجمہ "ای راونشا" (E. Rwenshow) کی انگریزی کتاب سے ہندوستانی میں بہت لیاقت کے ساتھہ کیا ہے' بہت پسند کرتا ہوں - در صورت امکان میں یورپ کے بہترین ادبی کارناموں کے ترجمے کا بھی بڑا موید ہوں - چنانچہ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی ہوئی کہ بنارس کے "سدھاکر" اخبار میں شکسپیر کے "مڈ سمرنا ئٹس ڈریم" کا ہندی ترجمہ شائع ہوا ہے - یہ ترجمہ "مرچنٹ آف وینس" کے بنگالی ترجمہ سے جسے خفیف ترمیمات کے بعد بالکل مشرقی بنا لیا گیا ہے' بہت اچھا ہے - اس میں شبہ نہیں کہ بہت جلد ہندوستانی میں اس نامور انگریز ڈراما نویس کی بہترین کتابوں کا ترجمہ ہو جاے گا اور کیا تعجب ہے کہ اِس وقت دہلی اور آگرے کے تھیٹروں میں بہ مقابلہ پریس کے زیادہ کامیابی کے ساتھہ "میکبتھہ" کا قابل قدر المیہ کھیلا جا رہا ہو' اور ہندوستانی اپنی ہی زبان میں ان پاکیزہ اشعار کی داد دے رہے ہوں جو نامور شاعر نے ڈنکن کے قتل کے بعد "میکبتھہ" کی زبان سے ادا کئے ہیں—

قدیم اردو

بیجاپور کے اولیاءاللہ کا ایک شاعر خاندان

(از اڈیٹر)

۲- حضرت شاہ برہان‌الدین جانم

حضرت شاہ میرانجی شمس‌العشاق کا حال پچھلے رسالے میں تحریر ہوچکا ھے - شاہ برھان‌الدین جانم قدس‌سرہ اُن کے فرزند اور خلیفہ تھے - علوم ظاھری اور باطنی کا اکتساب اپنے والد سے کیا۔ اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے - لوگوں کو ان سے بہت فیض پہنچا - تصوف اور سلوک میں متعدد رسالے تحریر فرمائے - اکثر ھندی زبان میں، جسے ھم ابتدائی اُردو کہتے ھیں، تلقین فرماتے تھے جو اُن کے رسائل سے ظاھر ھے —

مؤلف روضۃالاولیاے بیجاپور نے اُن کی تاریخ وفات صرف پانزدھم جمادی‌الاخریٰ لکھی ھے، سنہ نہیں لکھا ھے - تذکرۂ اولیاے دکن کے مؤلف نے آپ کے وصال کا سنہ ۹۵۰ ھجری لکھا ھے - لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ھوتا، کیونکہ اُن کا ایک رسالہ (جس کا ذکر آگے آئیگا) سنہ ۹۹۰ھجری کا تصنیف ھے۔اور چونکہ یہ سنہ اُنھوں نے خود اپنی نظم میں لکھہ دیا ھے، اس لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رھتی - ھمارے خیال میں یہ اُن کی آخری تصنیف تھی اور اسی سال میں انتقال فرمایا - علاوہ اس‌کے اُن کی ایک نظم نکتۂ واحد‌کے نیچے اُن کی زبانی دو " فرمان " لکھے ھیں جس میں سے ایک کی تاریخ ۲- ماہ صفر سنہ ۹۹۷ ھجری اور دوسرے کی

ماہ صفر سنہ ۹۷۷ ھجری درج ھے۔ اس سے بھی صاف ظاھر ھے کہ وہ ان سنین میں زندہ تھے - والد ماجد ھی کے مقبرے میں مدفون ھوے جس کی تصویر پچھلے رسالے میں شایع ھوچکی ھے - ان کا عرس ۱۹- جمادی‌الاخری کو ھوتا ھے—

میرے پاس اِن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ھے - ان میں سوا ے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ھیں جو تصوف سلوک کے مضامین پر لکھے گئے ھیں - ان کے علاوہ بہت سے دھرے' خیال اور مختلف چھوٹی نظمیں ھیں - ان میں سے ھر ایک کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ھے —

۱- وصیت‌الہادی - اس میں ذکر جلی' ذکر قلبی ' ذکر سری اور اسی قسم کی سلوک کی باتوں اور روح کا ذکر ھے- شروع میں دوشعر حمد میں ھیں :—

سکتا قادر قدرۃ سوں سمجھے تجھہ کوں کوئی کیا
جس کوں اوڑے* دیوے راہ کہیا یہدی من یشا
بہ روپ پرگٹ آپ چھپا یا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کوں کر سوجھے پنت

اس کے بعد دوشعر نعت کے ھیں :—

کیا محمد جگ میں پیارا جستھیں† سمجھی راہ
شیطان مدعي پکڑیا بات کیوں کرسکیں جاہ
محمد جس کی پیت پتھنکا اس کوں کیا ھے ڈر
نت اوتھہ سمریں دل میں اس کوں کلمہ جپنے کر

اِس کے بعد شریعت پر قائم رھنے کی ھدایت کی-دوئی کا اور شیطانی مقامات کا پتہ بتا یا ھے اور امر بالمعروف اور انہی‌عن‌المنکر کا رستہ سمجھا یا ھے - کہتے ھیں :—

---

* چاھے — † جس سے —

امر خدا کا لیاؤ بچا توں نہی تھی منکر ہونا
مقام شیطانی جس کوں کہنا دل تھی سارا دھونا
چلنے کا تو نیم نہوے یہ توشا پھوکٹ کھایا
اس دھات عمر خرچ کیتا آخر پھر پچتایا
تو نفس سوں زھد تقوی راکھیں شرع محمد آوے
ہونت مشغول ذکر جلی سوں منزل ناسوت پاوے

یہ کہہ کر وہ اپنا ذکر چھیڑ دیتے ہیں - آخری شعر یہ ہے :—

ظاہر باطن کا وہ دانا سکتا ہے سبحان
سب پرشاھد مطلق بینا تجھہ پر لیہ برھان

۲- ایک نظم " سُک سُہیلا " کے نام سے ہے - جس کے معنے ہیں سُکھہ کا گیت- سہیلا اصل میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جو تعریف میں ہو - یہاں اسے روحانی معنوں میں لیا ہے - اس نظم کا ہر چوتھا مصرعہ یہ ہے :—

لوکاں یہ مت کچ الادھی جس بوجھہ بختوں لادھی

مثلاً :—

گُن آدم کا نہ ھات چڑھے رے کیوں کہنا انسان
صورت پر اعتبار نراکھیں جیسے ہیں حیواں
بلکہ ان تھی گمراہ کر یوں قرآن میں فرمان
لوکاں یہ مت کچ الادھی جن بوجھہ بختوں لادھی

اوپر کی مثال میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح ہندی اور عربی کے لفظ آپس میں کھلے ملے ہیں - اسی سے ہم اسے ابتدائی اُردو کہتے ہیں - اسی نظم کی ایک دوسری مثال لیجئے جو پوری ہندی ہے.اور عربی فارسی لفظ کا نام نہیں :—

پنتھہ اکاس کا وینکم جانے جل کا مارگ * مین +

سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین

ایسا سادھو بھا گوں لہیں تو چرنو رھنا لین

او کاں یہ مت ....

یہ حقیقت میں وہ زمانہ ہے جب اردو بن رہی تھی - اس نظم میں کل ۵۶ شعر ھیں اور معرفت کی عام باتیں ھیں جو شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کی هدایت کے لئے فرمائی ھیں :—

۳— منفعت الا یمان —

شروع دو چار شعر حمد میں ھیں :—

اللہ واحد سرجنھار	دوجگ رچنا رچیا اپار
سگلا ‡ عالم کیا ظہور	اپنے باطن کیرے ظہور
دیکھن جو نلھی لایا جگ	نہ سمجھے اس کوں لگ
غفلت کیتا پردا آڑ	سب جگ لیتا اس میں آڑ $
بھوتوں خلق کیا بچار	بھولا سب جگ غفلت مار

نعت :—

نبی کیری بھولے راہ	اُن میں تھوڑے حق آگاہ
جس کوں ھووے ارادہ حق	تو وہ بوجھے حق مطلق

اس کے بعد ملحدوں کے مختلف عقائد بیان کئے ھیں اور یہ سب بیان کرنے کے بعد اُن کی تردید کی ھے اور مریدوں کو اس سے بچنے کی هدایت فرمائی اور خدا کی توحید اور اس کی عظمت کا بیان کیا ھے - یہ نظم بہت صاف اور اچھی ھے - مثال کے طور پر دوچار شعر ملحدوں کے عقائد کے متعلق اور دوچار نصیحت کے بیان سے نقل کئے جاتے ھیں :—

---

* رستہ + مچھلی ‡ سب $ پناہ

کوی کہیں سب عشق تمام　　عشق کی انگھیں● کیا ھے فہام□
عشق لیا ھے سب پھر باس　　عشق تھی سگلا بھوگ بلاس
بعض آکھیں اپنی بوجھ　　معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑیا بار　　جونکے بیچ تھی نکلیا جھاڑ△
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول　　شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار　　بیج بنے کا نا ھیں بھار
ایکی ابجیں بیج اپار　　بیج بنے سو سگلا جھاڑ
کوی کہیں یہ دیکھ مقیم　　یو سب عالم ھے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوے　　جیسا تیسا سمجھیا ھوے

نصیحت کے بیان سے چند شعر لکھے جاتے ھیں —

ایسا مالک ایکہ ھوے　　ملکت نا ھیں دوجا کوے
جے اس شرکت ھوتا آد　　ھوتا کل جگ مانہ فساد
جے ایک شاہ پر دوجا اور　　تو اس غوغا اٹلا شور
کدرے⊛ ملک تھی امن امان　　حاکم حکم یوں کرتا جان
وہ سب شاھد عالم کا　　مالک وہ جگ سالم کا
نروپ نردھار روپ بسے　　سب جگ ادھار وھی دیسے
قدرت سوں کرسب جک زیر　　جوں اس بھاوے دیوے پھیر
ایسا بیچگو نہ جان　　اس پر لیا ویں کون ایمان

آخری شعر یہ ھے :—

بندے سگلے ناتواں　　اللہ راکھے آپ پناں ⌗
یوں فرمائے شاہ برھان　　اس میں آھے نفع ایمان

● آگے　　□ فہم　　△ درخت　　⊛ مفقود ھونا　　⌗ پناہ

اس نظم میں کوئی ایک سو بیس شعر ہیں—

۴- نکتہ واحد-

یہ نظم بارہ شعر کی ہے جس میں توحید کی تلقین ہے اور ہر حرف ابجد سے کوئی لفظ بنا کر ہدایت فرمائی ہے - پہلا شعر یہ ہے—

نکتہ واحد اپیں احد ہے الف ذات اللہ صمد ہے

ب بہ* روپ کر آپیں ایکہ ت تمام سے پرگھٹ ایکھہ

اسی طرح 'ی' تک لکھتے چلے گئے ہیں—

اسی کے ساتھہ دوسری نظم بھی اسی قبیل کی ہے - اس میں بھی ہر شعر کی ابتدا میں حرف ابجد ہے اور اس سے لفظ لیکر شعر کہا ہے- مثلاً

الف ایماں اللہ پر لیاؤ ان سب جگ نپایا

ایسی قدرت بہ بھانت رجیا آپس آپ چھپایا

ز زینت دنیاں کا چھوڑیں زحمت جاوے نھاس†

زیادتی تو ھت نہ آوے زیاں انپڑے پاس

اس میں کل اُنتیس شعر ہیں - عربی حروف ابجد اٹھائیس ہیں - لیکن آخر میں ایک شعر 'پ' کا اور بڑھا دیا ہے - وہ یہ ہے:—

پ پورا جے طالب ہوے پرنور اس کا دل

پاک پند شا برھاہ آکھے پیارے حق کے واصل

۵ - نسیم الکلام -

پہلے قرآن کی ایک آیت لکھی ہے' پھر اس کا مطلب اپنی زبان میں ادا کیا ہے - آیت کے ساتھہ کہیں حدیث بھی لکھہ دی ہے - دو چار شعر اس طرح لکھہ کر پھر وہی مطالب بیان کئے ہیں جو بعض اوپر کی نظموں میں ہیں - اس میں کل ۶۵ شعر ہیں—

---

* بہت † بھاگ

۶ - رموزالواصلین -

یہ نظم بھی اُسی قسم کی نظموں میں سے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے - اس میں نور، روح، دل و نفس کی شناخت کا ذکر ہے اور اُن کے مقام فنا و خدا سے بحث کی ہے - مراقبۂ نفس، مراقبۂ دل، مراقبۂ روح اور مراقبۂ نور کے اصول بتائے ہیں اور اس کے بعد محققانہ گفتگو فرمائی ہے اور وصل و فراق، اعلیٰ عاشق اور ادنیٰ عاشق، تجرید و تفرید کا بیان فرمایا ہے - یہ سب کچھ ہے لیکن کوئی خاص ایسی بات نہیں جس کا ذکر یہاں کیا جائے - نظم اس طرح شروع ہوتی ہے —

الله پاک منزہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت ہار — سنتا، دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات — اس کوں ناھیں کد مہات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات — جوں کہ چندنا چاند سکات
احدیت وہ ذات اپیں — بعد از صفتاں اُس پچھیں

نظم کے آخر میں نظم کا نام بھی بتا دیا ہے —

یو سب بولیا مختصر — جن وہ لوڑے دے نظر
ناوں ہے رموزالواصلین — سالک پر دیکھہ آے یقین
.... — ....
تمت اس تھی کیا تمام — حق تھی بولیا حق کلام
رموزالواصلین کہی بیان — بلدگی حضرت شاہ برھان

۷ - بشارت الذکر -

اس نظم میں ذکر جلی و خفی، قلبی و روحی کا ذکر ہے - سات شعر ہیں جس کا اظہار انھوں نے خود کر دیا ہے - آغاز یوں کیا ہے —

- الله اسم ذاتی - دھوں جگ ازل — جلی ہم خفی در کیا ہے - فضل
شرت نام دیتا سہسر اُپر — ملائیک جن جکتر اُپر

دھوں جگ سہریں الھ ٹیک نام — کہ مخلص و عابد جپے ہیں مدام
خلیل محب صادق ولی اتقیا — اسی نام سیتی محیط دل کیا

آخري شعر یہ ہیں:

یہی حال واصل تو بوجھیں صفا — کہ رمزی خفی ہے صفا در صفا
نظم دیکھہ کیتا گنت سات یہ — یک یک آن موزوں کیا پات یہ
خلاصاء مذکور نمودہ تمام — بفضل النبی علیہ السلام

۸ - حجت البقا -

اس نظم میں خدا کی توحید اور اس کی ذات اور صفات کی تلقین ہے۔ شروع یوں ہوتی ہے—

آپ واحد وہی یکت — دیکھہ قدرت کیا بکت
جے دھاوے* اس کے پنتھہ — نہ سمجھا کس یہ انت
ان اپیں اپرم پار — نہ کھوجت پاویں تہار
بیچوں چگونہ جان — کیوں کرتا اس بکھان
جے نظروں دیکھہ نہ آوے — نہ بوجھیں بوجھیا جاوے
یہ معما بہت فکر — جے دھاوے اس کی دھیر

آگے چل کر یہ نظم سوال و جواب کی صورت میں ہو جاتی ہے - سوال طالب کی طرف سے ہے اور جواب مرشد کی جانب سے - اس کی صورت انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ ایک طالب تھا جسے علم کا غرور تھا اور سر میں خودی سمائی تھی، مگر چونکہ کسی سے ارادت اور محبت نہ تھی اس لئے بے بہرہ تھا - مرشد کی ہدایت نہ ہونے سے اس کا سارا علم اور اس کی ساری ریاضت بیکار تھی - اس نے سنا کہ کسی جگہ ایک مرشد کامل اور صاحب عرفاں ہیں - اسے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ خیال آیا کہ اسے چل کے آزماؤں - چنانچہ

---

* دوڑے

وهاں پہنچا اور اُن نے سوال کرنے شروع کئے اور مرشد نے اس کے جواب دئے۔ آخر میں وہ قائل هو گیا اور سارے شکوک رفع هوگئے اور مرشد کے پاؤں پر گر پڑا —

طالب کا حال وہ یوں بیان کرتے هیں :—

آپ خودی کی مت لیتا　　کہیں یک چت سیوا نہ کیتا
ناست کا گرو میلا یا　　جے پھوکٹ * جرم گنوایا
بھو بھول بکار میں ماتا　　اور تفصیل میں ڈہ دھاتا
اور علم پڑھیا تمام سارا　　بن مرشد تھا بے بارا
وہ زهد شرع ور زور　　بن دل کی بیتی اور
اور دایم صلات صیام　　نہ بن بندگی دوجا کام
وہ جپے ورد مدام　　کچھہ تاثیر مکھہ کلام
کرے جہد ریاضت ساری　　بن مرشد پرهیزکاری

....　　..............................

ولے بولا بولے بول　　دل اندھا سینہ پھول
جوں علم ابلیس کیتا　　کیا فائدہ آخر لیتا

....　　..............................

بے ارشاد خالی کام　　سب کھٹ پھٹ† دیکھہ تمام
ای ایسی اُن مت پایا　　آپ کر بھوں آپ سمایا

مرشد کی کیفیت یوں بیان کی هے :—

یک مرشد مستحق　　درمستی مستغرق
وہ صاحب توحید　　اور تجرید کا تفرید

---

* فضول - مفت میں —　　† بہت —

اور خلوت کرے مدام — نہ کس سوں اس کا کام
وہ دوست حبیب اللہ — کی مرشید ھادی اللہ
اُن سنیا ایسا جب — اس دیکھنے کیا طلب

اس کے بعد اُن کی بحث اور سوال و جواب شروع ہوتے ھیں' آخر طالب قائل ھوجاتا ھے اور جب :—

اور ھوا تسلی دل — ھو رھیا وصل مل
ان پایا انند سکھہ — تو بولیا اپنے مکھہ
" میں ثابت لیاو ایمان — سب توٹا مجھہ گمان
مجھہ کدرے دل کے بھول — جے حق لیا و قبول
حق پایا جے مکھہ تجھہ — من مراد حاصل مجھہ"
یوں کہہ پکڑیا پانوں — "مجھہ تیری ھونا چھانوں"

اِس کے بعد وہ جھل و الحاد کو ترک کرکے پیر کے گن گانے لگتا ھے۔ نظم کا خاتمہ اِن اشعار پر ھوا ھے :—

یو (جانم) لکھیا بول — لیہ یک یک معنا کھول
جی سنکر پکڑیا یاد — لیا کیتا سب سواد
جے ھوویں لوک عوام — بے مرشد بے فہام
جے برتیں خود قیاس — نہ بوجھیں راسک راس

اس نظم کے کل اشعار (۸۰۵) ھیں —

۹- ایک نظم اس نام سے ھے :—

" مسافرت شیخ خان میاں و بیان خلاصۂ حضرت شاہ برھان صاحب "

خان میاں ' حضرت شاہ برھان کے مرید معلوم ھوتے ھیں ' انھوں نے جو جو مقامات طے کئے ھیں اور وھاں جو جو کچھہ دیکھا ھے اُسے " مسافت " کے نام سے موسوم کیا ھے۔ ھر مسافرت کو ایک شعر میں ادا کیا ھے۔ اس کے بعد

" بیان خلاصه " کے نام سے حضرت شاہ برہان نے اُن مشاہدات کی تعبیر کی ہے جو خان میاں نے ہر ہر مقام پر دیکھے ہیں اور جنہیں وہ خود پوری طرح نہیں سمجھے - لیکن یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ اشعار بجنسہ شاہ صاحب کے ہیں یا خان میاں نے اپنے پیر کے ارشادات کو نظم کردیا ہے - قیاس یہ ہوتا ہےکہ خان میاں نے اپنی مسافرت لکھ‌کر دی یا بھیجی اور شاہ صاحب نے اس کے جواب میں اس کی تعبیر بیان کی - لیکن نظم کا خاتمہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم کا لکھنے والا یامرتب کرنے والا کوئی شخص راجو نام ہے اور وہ بھی شاہ برہان صاحب کا مرید ہے چنانچہ وہ کہتا ہے :—

راجو بولے بیان خلاصہ حقیقت کی بات
خان میاں مسافرت کیتے یکبیس اور سات
دل میں فکر کر اس کا معنا لکھیا میں کچھہ یاد
دل کیاں آنکھیاں جس‌کوں ہوئیں وہ سن ہوے شاد

اس سے یہ امر مشتبہ ہوگیا ہے کہ " بیان خلاصہ " کے نام سے جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ شاہ برہان کی تصنیف ہیں —

۱۰ - ارشاد نامہ

یہ شاہ برہان کی سب سے بڑی نظم ہے - اس میں تقریباً اڑھائی ہزار شعر ہیں - پہلے حمد میں کچھہ شعر ہیں :—

اللہ سنوروں* پہلیں آج کیتا جن یہ دھوں جگ کاج
جگتر کیرا توں کرتار سبھوں کیرا سرجنہار

....

ترلوک نرجے سمریں مل نت بکھانے ہو تلتل+
سب جگ روں روں‡ ہوے کلام جپیں ہردم لاکھوں نام

* سراہوں + ہر لحظہ ‡ رواں رواں

سپت* سمدر † سیاهی بھریں   سب روکھ تنکے قلم پھریں
دھرتی آکاس کئے پتر   لیکھن بیٹھے کریں چتر
قیامت لک جے کریں بھتّنت ‡   ناتجھ قدرت ہوے گنّنت $

....

ایسا رچھیا دیکھ منڈاں §   کیتا چند یں لکھ جہاں
دھرتی کیتا اور اکاس   سنکت دوجا نا اس پاس
چندر سورج چندنیاں⊕ سات   کیتا مانس دین اور رات
اور ملائک حور پری   باراں بحر خشک تری
رچیا دوزخ اور جنت   نیکی بدی کیا گنت
اِچھا ⚲ اپنی کیا جگت   کس دیہ بندھن⌶ کسی مکت●
سب کی پروے ‖ من کی آس   اچھیا' لوڑیں☺ 'بھوگ بلاس
سب کی کیلی⌑ ترے ہات   جوں تجھ بھاوے ہر ہر دھات⊙

اس کے بعد نعت میں کچھ اشعار لکھے ہیں - مثلاً :—

ختم نبوت جس کا نام   بھیجیا درود اور سلام
اب میں سنوروں کروں بکھان   نازل ہوا جس فرقان
احمد محمد جس کا نانوں   روز قیامت اس کا چھا نوں
پرگٹ کیتا جس اسلام   دھوں جگ سمریں جس کا نام

نعت کے بعد اپنے پیر اور والد میرانجی شمس العشاق کی صفت بیان کی ہے :—

---

* سات   † سمندر   ‡ بھتّئی $ کسی
§ دنیا - کائنات   ⊕ سہارے   ⚲ مرضی   ⌶ غلامی
● تاج   ‖ پوری کرے   ☺ خواہشیں   ⌑ کلنجی
⊙ طرح ' قسم

صفت کروں کچھہ اپنا پیر   جستھی روشن ھوی ضمیر
دوھوں جگ سانہ معجھہ میت وھی   سمروں لیہ من نیت وھی
تس کوں سمریں تن من شاد   جس کا آھے معجھہ پر ساد
جگ میں آھے تھیں رتن   ھردیں⊛ میں لیہ کروں جتن
راکھیا کندن کر اس ٹھانوں   تنتل سمروں نیہ اس نانوں
پیر میرانجی شمس العشاق   دھوں جگ رب تجھہ کیتا کشاف
شاہ میرانجی منجہ ھے پیر   ھے کنونتا گیان گنبھیر
آھے تیری یہ بنیاد   چشتیاں کیرا ھے خانواد
جے کوئی آھیں اندر چشت   ان کوں آکھیں اھل بہشت
پیر وھی منجہ ھے مرشید   نت بکیا نے ان توحید
سنتیں کھولیں دل کے پات   روشن ھوے حقیقت بات

پیر کی صفت وثنا کے بعد وجوہ تالیف کے متعلق کچھہ شعر لکھے ھیں اس میں شاہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد اور والد ماجد کی طرح⊙ "ھندی" میں لکھنے کی وجہ اور معذرت کی ھے اور لکھا ھے کہ ظاھر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو - لفظوں کو نہ دیکھو اور معنے پر خیال کرو - ھندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ھے - اس سے ظاھر ھے کہ ان کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ اس زبان میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے بلکہ عیب خیال کرتے تھے - فرماتے ھیں —

عیب نراکھیں ھندی بول   معنے تو چک دیکھ ڈھنڈول
جونکے موتی سمدر سات   ڈابر میں جے لاگیں ھات

⊛ ھردے   ⊙ ملاحظہ ھو اردو جلد ھفتم حصہ بست و ششم (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۷ع)

کیوں نہ لیوے اس بھی کوے — سہانا * چطور† جے کوئی ہوے
ہیں سمند‡ کے موتی یو — گیان رتن کے جوتی یو
گھڑیا یو ہے مشقت سوں — جتن راکھیں شفقت سوں
جیو کے منکے جاگے سوں — محبت کیرے دھاگے سوں
موتیوں کیرا تھا انبار — پرو کیتا ہاریں ہار
گوہر جے کوی ہوے شناس — سو ہی چن چن لیوے خاص
ارشاد نامہ اس کا نام — لوڑے⊕ فکر اسے مدام
ہندی بولوں کیا بکھان — جے گُر پرساد تھا منج گیان

اس کے بعد کتاب کے مضمون سے اطلاع دی ہے—

شریعت، طریقت، حقیقت سوں — مجمع لیا یا معرفت سوں
جے کچھ کیتا اس میں سوال — جواب انپڑیا ہے در حال

اب اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اس کی صورت بھی سوال و جواب کی ہے۔ سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔ اس میں وہی باتیں ہیں جو صوفیا کے کلام میں بار بار دہرائی گئی ہیں اور خود ان کے کلام میں بھی کئی بار آچکی ہیں۔ مثلاً حدوث و قدم، ذات و صفات، جبر و قدر، روح و نفس، کفر و اسلام، دوزخ بہشت، شہود و وجود، دیدار الٰہی، سلوک، عرفاں اور مقام شیطانی وغیرہ وغیرہ —

تصوف، ہماری ادبیات، معاشرت اور زندگی کے ہر شعبے میں رچا ہوا ہے (شاید ہماری سیاسیات بھی اس سے خالی نہیں ہے)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک لاش ہے جس میں روح کا نام نہیں اور جسے ہم صدیوں سے پیٹتے چلے آتے ہیں۔ یا ایک شاندار درخت ہے جو اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے؛ کہنے کو درخت ہے مگر صرف ایندھن کے قابل رہ گیا ہے۔ یا ایک خوبصورت اور نامور عمارت کا کھنڈر ہے

---

* سہانا † چتر ‡ سمندر ⊕ چاہے

جس کي تعریف کردینا هی همارے ذوق سلیم کی دلیل هے - یا ایک قبر هے جو اپنے پر عظمت گنبد کی وجہ سے پج رهی هے - بہت سوں نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا هے - پیشے کی بدولت بہت سی مقدس چیزیں کھیل تماشا بن کر رہ گئی هیں - یہ بھی محفل کے گرمانے کے لئے ایک لطیفہ هو گیا هے - تصوت اب اس کا نام کہ چند اصطلاحیں یاد کرلیں یا چند آسن یا ذکر رٹ لئے اور نہیں تو کم سے کم لباس هي میں جدت پیدا کرلی - حسن و عشق کے چرچے میں جب کچھ مزا نہ رہا تو تصوت نے هماری غزلوں میں چاشنی پیدا کر دی - کسی شعر میں تصوت کی اصطلاح کا آجانا همیں وجد میں لانے کے لئے کافی هے - مایوسی اور ناکامی، غفلت اور کاهلی کا سہارا اب یہی رہ گیا هے - اور کیا ستم ظریفي هے کہ ریا کا دشمن خود ریا کے لباس میں جلوہ گر هے - اور اب تو اس کی لے اس قدر بڑھتی جاتی هے کہ شاید چند روز میں همیں اپنی یونیورسٹیوں میں اس کے لئے کوئی ڈگري قائم کرنی پڑے —

غرض، تصوت ایک قسم کی روحانی منطق هے جو لفظی داؤ پیچ اور مبہم بیانات کا مجموعہ هو گیا هے - اس قسم کے بیانات اور نظموں میں بھی هیں جن سے نہ تزکیۂ نفس کا مقصد حاصل هوتا هے اور نہ اخلاق پر کوئی اثر پڑتا هے - مگر همیں ان مسائل سے کچھ بحث نہیں هے - همیں اس کلام سے اردو زبان و ادب کی تاریخ میں مدد لینی هے اور یہ همارے مقصد کے لئے کافی هے —

نظم کے آخر میں شاہ برهان نے اس کا سنہ تصنیف بھی بتا دیا هے اور جہاں تک همارا قیاس هے یہ اُن کی آخری تصنیف هے اور غالباً اسی سنہ میں اُن کا انتقال هو گیا - وہ اشعار جن میں اُن کے نام اور سنہ کا ذکر هے، یہ هیں :-

یہ سب بولیا هے انجان   عابد عاجز هے برهان
هجرت نہ صد نود سال   ارشاد نامہ لکھیا جان

کتابت اس نظم کی ۱۳ صفر سنہ ۱۰۶۸ هجری میں هوئی —

علاوہ ان نظموں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیالی، دھرے بھی لکھے ھیں، جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ھے - ھر دھرے کے ساتھہ اس کی راگ راگنی بھی لکھہ دی ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ شاہ صاحب کو موسیقی سے خاص ذوق تھا - خاندان چشتیہ کے بزرگ موسیقی کو مباح ھی نہیں سمجھتے بلکہ روحانی ذوق پیدا کرنے اور روحانی مدارج طے کرنے میں اسے بہت بڑا ممد خیال کرتے ھیں - دھرے ھندی بحروں میں اور ھندی طرز کے ھیں، جن میں روحانیت اور عشق و محبت کا راگ لگایا ھے- البتہ ان میں بھی اُن کی دوسری نظموں کی طرح ھندی الفاظ اور اصطلاحات کے ساتھہ کہیں کہیں فارسی اور عربی لفظ اور اصطلاحیں بھی پائی جاتی ھیں اور جس طرح ظاھر میں ھندی، فارسی اور عربی کے میل جول کو ظاھر کیا ھے، اسی طرح باطن میں ھندو مسلم خیالات اور تہذیب کے ارتباط کا رنگ بھی نظر آتا ھے - اس میں ذرا شبہ نہیں کہ صوفیا نے ھندو مسلم تفرقے کے گھٹانے، امتیازات کے مٹانے، خیالات کی اصلاح کرنے اور آپس میں میل جول بڑھا نے میں بڑا کام کیا ھے - جب سے اس فرقے کے ھادی پیشہ ور ھونے لگے اور اُن کے دلوں کی قوت گھٹ گئی، تو اُن میں وہ اثر بھی باقی نہ رہا —

خیالوں کے بعض اشعار نمونے کے طور پر یہاں لکھے جاتے ھیں :—

اب سندیسا مجھہ ھے شہ کا — جب کب بھاگوں انتر ملے
پیر پرم کے ھیرے میرے — نینو مانہ جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری — نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکھیں میری آگ بلے کیوں — سپنے دیکھوں سوے کھڑے
قول پیا تجھہ آس لگی من — آس لگی تجھہ پاس رھیں
جب کا جھانسا تین مجھہ لایا — یک تل نہ مجھہ ساس رھیں
نہ کا پینسا مجھہ کوں لا گیا — لوک دیوانی دیکھہ ھنسیں
جگ کی ھانسیں کیامجھہ ھوے — کہو سریجن کہاں بسیں

نس دن پیئے چنتا   تن ماس سب گلے گا
گھڑی پہرت سو میری   سل دل کا ھو سلے گا
جل بل سو دوکھہ روتی   نینو سو انجو جوتی
پلکاں سوں بند موتی   گل ھار ھو تھلے گا
پئے کے سروپ مکھہ تھی   گذری سو اپنی سوکھہ تھی
شہ کے فراق دوکھہ تھی   تن من جیو جلے گا
پئے مل مجھہ بساری   بیدھن * لگیا سو کاری
تلتل کروں سو زاری   کیوں پئے سوں ھت ٹلے گا

شاہ صاحب کے دھروں کی نظم کی دو ایک مثالیں یہاں درج کی جاتی ھیں :—

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لگ ھونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھہ کوں تب لگ ھونا نور
جب لگ سپنا نہیں چھوڑیا کان کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ھو نرال
یوں سب تن میں من برتن دیکھہ چھوڑیں اے سکھہ دکھہ
دکھہ سکھہ دونوں ایک رسی تو پاوے سہج کا سکھہ

پیاری توں کچھہ نہ بھول کس سنگ، تغیر دستا تیرا رنگ
جیوں آئنہ پکڑیا زنگ، عاشقی کے ایسے ڈھنگ
جس بھولی توں جگ بھلایا ایسی بھولی بھول
اُس بھولی سو پھول کھلے کبھیں نہ ھوے مخمول
ادگ حور تھی اُس کا اوسول [اصول ؟]

---

* چوٹ — چرکا —

بھولنا اُس کا جیوں زلیخا بھولی یوسف گیان
سب تھی اپسیں دور کرنا کھی لائی اُسی سوں دھیان
توپائی سب میں سان پھر خالق نے کییا جوان
آکہیں [جانم] پرت سب میں ہے نہیں کوئی اس تھی بہار
او زرا* ہے سب میں ظاہر ساریوں ادھار
کرو پرت یوں ہو بچار ' عشق قوی ہے قائم قرار

ہول پڑي اس نگر میں ساتی بچھڑیا میرا
پوچھیں سندیسا مجکوں حال کیا ہے تیرا
وغیرہ

آپیں جوگی ' سب جگ چیلا
آپیں الیک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا
نیکی بدي دے دو مدرے †بھایا
کلمہ نبی کا پنتھ مارگ لایا
تن کا کنتھا کر سب چیلوں پنھایا
بندگی بببوت کرفت اتھہ لایا
یقین جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا
اچیا کچھوٹی دے بندی پاسا
اس تن کے متھہ میں راول کاباسا
دھرتری پتربھر بھوجن کیتا
باد ل پھوڑواکر پانی دیتا
وغیرہ

---

* ذرہ — † مندرے

میرے پیاکو پرت سوں کروں گی اپنا
تس دن سیڑا کروں گی جپنا

....

جانم پیوسوں پرت جن لائی
سب ری سکیاں میں اُن بر پائی
جس گھر پیا جی اس گھر بدھائی

جن دیکھی پیو اپنا اُسے ارر نہ بھا رے
دھوں جگ مانند دیکھتیں نہ کوی پیو کے آوے
روپ کہوں تس پیو کا نا کوی خاطر لیا وے
بن روپ جی آرے جانسی نا کوی دیکھن پاوے
ایسا مشکل بولتیں جسے وھی سمجھا وے

....

آکھے جانم پیو آپ وہ بے مثل کہا وے
تجھ سوں مل ترے رنگ سوں بے رنگ جناوے
ھے کوی گذرے آپ تیں پھیر آپ نجھا وے

آج کی رین سوھاگ کی سکھی شہو منائیں نہ کاھے
ایسی رین سو لکھنی پھر بھور نہ آر ھے

....

برھان شاہ صاحب کی نظم بالکل سادہ ھے جو اکثر صوفیا کا رنگ ھے ، لیکن بعض مقامات پر سادگی کے ساتھہ کلام میں شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ھے ۔ مثلاً —

بن عشق بدہ کو سوج نہیں
اور بن بدہ عشق کی کوج نہیں

دکھہ سوکھہ سانت ایسا بھاو   بھری ندی میں جیسا ناو
یا جوں چینڑو* کیری دھات   توٹے کھاوے نہتیں ھات

جے آپ کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

روت کوئل کرے پکار   مور ناچے پنکھہ پسار
یہ ایسا سہج سبھاو   دیک اپنی اپنی چاو
یہ سورج دیک تاپے   چند چندنا سیتل راکھے
ان تاریاں کا انبار   دیکھہ معلق پکڑیا تھار

کون اکاس میگہ بھراوے   کون بارا دیکہ چلاوے
کون آسمان دیتا تان   کون رچیا دھرت سندان
کون معلق رچیا بارے   چندر سورج دیکھہ ستارے
یوں جیتا مخلوقات   یوں کل شے ھر ھر دھات
کون مارے کون جلاوے   کون حکمت میں یہ آوے
ولیــــک مثلي جان   کہاں اُس کا پاویں تھان

بے مثل نا مانند کوچہ   کہنے میں نہ آوے پوچھ

---

* گہند

جس وہ جناے یا دکھاے ۔۔۔ تو کچھہ سمجے دیکھن پاے
سمجیا سو نا کہنے جوگ ۔۔۔ دیکھیا سو نا دیکھے بھوگ
کہنے آے نہ سننے بات ۔۔۔ جس بر جوڑیا ہے ثبات
عارت سالک عاشق لوک ۔۔۔ وصال بن یہ سارے پھوک

اکثر نظموں کی بحر ہندی ہے اور زبان میں بھی ہندی کا رنگ غالب ہے جو ابتدائی اُردو کا رنگ تھا - وہ اپنی نظموں میں ہندو مسلم دونوں کے قصوں اور روایات سے کام لیتے ہیں - اوپر کے ایک دھرے میں یوسف زلیخا کی تلمیح پائی جاتی ہے - ایک دوسری جگہ انہوں نے سری کرشن جی کے قصے کی طرف اشارہ کیا ہے—

سولا سہس گوپن کا نا بال برم تو چاری
یو دیکھہ بھوگ ابھوگی ہونا لوڑے گیان بچاری

وہ عروض اور نظم کے اصول و قواعد کی مطلق پرواہ نہیں کرتے - اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں - ضرورت شعری کے لئے لفظ کی ہیئت بدل دیتے ہیں: ساکن کو متحرک، متحرک کو ساکن کر دیتے ہیں: اشباع اور امالہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں—

میرے پاس کے مجموعوں میں حضرت برہان الدین کی غزلیں بھی ہیں - چونکہ ابھی میں یہ صحیح طور سے تحقیق نہیں کرسکا کہ یہ رھی برھان الدین ہیں اس لئے میں نے انھیں نظر انداز کردیا ہے —

علاوہ نظم کے نثر میں بھی ان کے بعض رسالے ہیں، خصوصاً کتاب کلمۃ الحقائق جس کے میرے پاس دو نسخے ہیں، قابل ذکر ہے - یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل جواب و سوال کے طرز پر بیان کئے ہیں - شروع یوں ہوتا ہے:—

"الحمد کرے سو ہوے کہ قادر توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی

کرنہار، سہج سہج سو تیرا ٹھار و سہج ھوا بھی توج تھی بار - جدھاں کچھہ نہیں بھی تھا تہیں، دوجا شریک کوئی نہیں - ایسا حال سمجنا خدا تھی خدا کوں جس پر کرم خدا کا ھوے''—

کہیں کہیں ایسا بھی ھوا کہ سوال اور جواب دونوں فارسی میں ھیں، مگر یہ بہت کم ھے، تقریباً تمام کتاب دکھنی اُردو میں ھے - عبارت کا نمونہ دکھانے کے لئے دو سوال و جواب نقل کئے جاتے ھیں :—

سوال - یہ تن الادھا* دستا ولیکن جیتا بکار سو ٹوٹتے نہیں بلکہ ستنتر بکار روپ دستا ھے، یک تل قرار نہیں، جیوں مرکھٹ روپ —

جواب - اے عارف ظاھر تن کے فعل تھی گذریا و باطن کرتب دستے، اس کا ناؤں سو ممکن الوجود - دوسرا تن سو بھی کہ اس اینددرین کا بکار و چیشٹا کرنہارا سو وھی تن نہیں تو یو خاک و سوکھہ دوکھہ بھوگن ھارا - جیتا بکار روپ وھی دوسرا تن، تو توں نظر کر دیکھہ یہ تن فہم سوں گذریا تو گن اُس کی کیوں رھے—

سوال - جوں باو آیا نیکل گیا ولیکن جھاڑ کا ڈول تو رھا—

جواب - صحیح، ولیکن پت جھڑی ھوے جھاڑ کوں تو بارا نا ھے، ایسے سب تیرے نفس کے فعل کے پات تیری روح کے سات لگے ھیں - وہ بارا سو نفس اس سبب جھولے میں پڑیا تو پس وھاں کا بھی دیکھن ھارا ھو - وھاں کے بکار روپ کا جیتا چیشٹا ھوتا جہاں تھی سوچ - دوسرا تن، وہ توں اس کا الادا دیکھن ھارا، سو اس میں نکو گن - ایسا بکار روپ سو روح کا مرکب - وہ جیسا تن یہ ویسا چہ اسی کا عکس - وہ تن قدیم میثاق کے وقت کا - اول وہ تن بازد† یہ تن، اسی کا عکس یو، ایتاں کے دیکھنے میں اس کا عکس وہ - یو تن وقتی در سیری و طیری کناری ھوتا ھے - وہ روحانی تن ملائکاں و حوراں یہی تن دھرتے ھیں و بت و قویس یہی تن دھرتے ھیں - وہ جیسا جز نا پاک بتوں کے یہ جیتا اس تن سوں - اس تن

---

* علیحدہ † بعد از

سوں شہوت، حرص، ہوا خمس کا مورچا - اس کی صحبت سب اُسے آزار ہوتا ہے جیوں لوہا - صحبت میاں بھوگنا، سونگنا، چاکھنا، دیکھنا یہ سب فعل سب اس تن کے - یہ کیا بازد گن سب رہے بلکہ زیادت دیکھلا آئیں گے - ایسا قدرت خدا کا فہم میں آنا و نظر میں نہیں دستا ولیکن دل کا نظر باطن اس میں آتا ہے تو توں اس کا فہم دار ہو و دوزخ و بہشت، حساب سب اس سوں تعلق دھرتا ہے۔ تا توں وتے سب فعل پر قادر ہو الادھا، تو توں اس کا شاهد ہو و جواب دیہ —

اب مجھے شاہ صاحب کے کلام کے متعلق کچھہ عرض کرنا ہے - اس سے قبل اس رسالے میں دکنی زبان کی بعض خصوصیات کے متعلق کئی بار لکھہ چکا ہوں لیکن اس وقت مجھے دو ایک باتیں خصوصیت کے ساتھہ بیان کرنے کی ضرورت ہے —

یہ بات ظاہر ہے اور کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ جو زبان ہم بولتے اور لکھتے ہیں اور جسے اس وقت اُردو کہتے ہیں وہ ہندی ہی سے نکلی اور ہندی ہی سے بنی ہے - ابتدا میں بڑا فرق جس سے اس کی الگ حیثیت قائم ہو گئی، یہ تھا کہ یہ فارسی حروف میں لکھی جاتی تھی مگر نام اس کا بھی ہندی ہی رہا۔ اور قدیم اُردو کی کتابوں ہی میں نہیں بلکہ بہت مدت بعد تک یہ زبان ہندی کے نام سے موسوم رہی - چنانچہ میر حسن دهلوی نے جو اُردو شعرا کا تذکرہ لکھا ہے اُسے وہ اپنے دیباچے میں ''تذکرۂ سخن آفرینان ہندی زبان'' فرماتے ہیں - ریختے کا لفظ بعد میں آیا ہے - جب یہی زبان دکن میں آئی اور اس میں دکنی لفظ اور لہجہ داخل ہوا تو دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو اسی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی —

شاہ برہان صاحب نے اپنے کلام میں کئی جگہ اپنی زبان کو گجری کہا ہے - مثلاً وہ کتاب حجت البقا میں فرماتے ہیں:

جے ہویں گیان بچاری، نہ دیکھیں بھاکا گجری

یعنے جو صاحب عرفاں ہیں وہ گجری (گجراتی) زبان کا خیال نہ کریں گے - ایک

دوسری جھگہ اپنی کتاب ارشاد نامہ میں مرشد کی زبانی لکھتے ھیں :

یہ سب گُجری کیا زبان
کر یہ آئنہ دیا نہا

نثر کے رسالے کلمۃالحقائق میں بعد حمد و نعت یوں لکھا ھے :

" سبب ' یو زبان گُجری ' نام ایں کتاب کلمۃالحقائق "

اگر چہ دو ایک جگہ (جیسا کہ پہلے بیان ھو چکا ھے) وہ اپنی زبان کو ھندی کہتے ھیں ' لیکن خصوصیت کے ساتھہ گُجری کہنے سے اُن کا مقصد یہ ھے کہ اگر چہ وہ زبان جس میں اُن کا کلام ھے ' ھندی ھے ' لیکن گُجری ھندی ھے - اور حقیقت بھی یہی ھے- کلام کے مطالعہ سے صاف معلوم ھوتا ھے کہ اُن کی زبان پر گجرات کا اثر ھے اور یہ قدرتی بات ھے - ھندی کہو یا اُردو ' یہ جہاں گئی ' مقامی رنگ کی جھلک اس میں ضرور آگئی - چند مثالیں اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ھیں—

(۱) اچھنا اور اس کے مشتقات اچھہ ' اچھو ' اچھے ' اچھوں ' اچھتا ' اچھے گا گُجراتی چھے کا اثر ھے—

(۲) ھمن ' ھمنا گجراتی ھمنے کا اثر ھے - ھمنا کی طرح ھمنے بھی گجراتی میں فاعل اور مفعول دونوں حالتوں میں استعمال ھوتا ھے—

(۳) "اپن" ھم کے معنوں میں گجراتی ھے—

(۴) "چ" حرف تخصیص کے طور پر دکنی میں بہ کثرت استعمال ھوتا ھے اور یہی استعمال اس کا گجراتی اور مرھٹی میں ھے - مثلاً :- "جو کوئی داتا ھے نا اس کا ایساچ کام ھے ' جو بڑے پیٹ کا آدمی ھے نا او یہویچ کرتا ھے"—

(۵) گھنا (وقت گزرنا) ' سوسنا (برداشت کرنا) ' ابھال (بادل) ' ایلاڑ (ورے) ' پیلاڑ (پرے) ' انجھو (آنسو) ' ندرا (نیند) وغیرہ الفاظ خاص گجراتی ھیں اور قدیم دکنی میں بہ کثرت اور بلا تکلف استعمال ھوتے ھیں—

(۶) "سی" قدیم دکنی میں مستقبل کے لئے استعمال ھوتا تھا - جیسے کرسی ' جاسی -

یہ استعمال سب رس اور بعض دوسری کتابوں میں صرف واحد حاضر کے صیغے کے ساتھ دیکھا گیا تھا لیکن شاہ برہان نے اس کی دوسری صورتیں بھی استعمال کی ہیں۔ جیسے، ھمیں ناکرسیں، نا دیکھ سوں، کر سوں، کہہ سوں—

یہ لاحقہ ہندی زبان کی مختلف زبانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ پنجابی میں ماضی متعدی اور مستقبل کے لئے آتا ہے۔ مشرقی راجستانی میں بھی مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے (اھے سی، سوں، ساں، سو) اسی طرح ریوائی اور بھوج پوری زبانوں میں بھی لہجے کے کسی قدر اختلات سے یہ استعمال مستقبل کے لئے اب تک رائج ہے۔ گجراتی میں یہ "شے" ہے۔ جیسے، کرشے (کریگا) کوش، جشے (جاے گا) آوشے (آے گا) اصل میں یہ لاحقہ پراکرت کا ہے، جہاں یہ سنس، سسامی، ھسی وغیرہ کی صورت میں استعمال ہوتا تھا۔ سورسینی میں بھی، جس سے برج بھاشا، گجراتی وغیرہ زبانیں نکلی ہیں، یہ لاحقہ اسی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اپ بھرنشا (بگڑی ہوئی پراکرت) میں اس کی صورت سؤں، سسوں، سسی، سسے، سئی وغیرہ ہے—

اِن چند مثالوں سے ظاہر ہے کہ قدیم دکنی پر اور خاص کر اس زبان کے اس شاخ پر جو گجرات اور بیجا پور میں بولی جاتی تھی، گجراتی زبان کا اثر پڑا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے بعض اوقات گُجری سے موسوم کیا جاتا تھا—

میں بیان کرچکا ہوں کہ شاہ برہان کی نظم سادہ ہے۔ وہ قافیہ وغیرہ کے قواعد پر پورے عامل نہیں، ضرورت شعری کے لئے لفظوں کو توڑ موڑ دینا، متحرک کو ساکن، ساکن کو متحرک کردینا اُن کے لئے کوئی بات نہیں۔ اشباع، اسالہ، ترخیم سے بلا تکلف کام لیتے ہیں۔ قافئے میں وہ آواز کا خیال کرتے ہیں، تحریر کی پروا نہیں کرتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی یکساں نہیں اور بہت کم تشابہ ہے، تو بھی وہ بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں مثلاً خالق کا

قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں 'ق' کا صحیح مخرج نہیں ادا ہوتا اور 'ق' اور 'ک' کا یکساں تلفظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عارف کا صادق ' فرق کا طرف ' عشاق کا کشاف یا شرف کا فرق کیوں کر قافیہ ہوسکتا ہے - مگر شاہ صاحب بلا تامل لکھ جاتے ہیں - صوت کی بنا پر انہوں نے پاس کا خاص اور شناس کا خاص قافیہ لکھا ہے اور اس لحاظ سے یہ ٹھیک بھی ہے ' لیکن اس کے ساتھ ہی وہ انصاف کا قافیہ پاس بھی باندھتے ہیں ' شاید اس لئے کہ یہ حروف قریب‌المخرج ہیں - منسوخ کے قافئے کے لئے وہ رخ کو روخ کر دیتے ہیں - دکن اور بعض دیگر مقامات میں 'خ' کا تلفظ 'ق' کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ طوق کا قافیہ روخ لکھتے ہیں - تقصیر کے قافئے کے لئے وہ سر کو سیر ' دھیر کے لئے فکر کو فکیر ' قید کے لئے مستعد کو مستعید کہتے اور سیس کے لئے مفلس کو مفلیس کر دیتے ہیں۔ عربی الفاظ میں ح ' ع جیسے لفظوں کا تلفظ ' (جب کہ وہ آخر میں ہوتے ہیں) اکثر اہل ہند ادا نہیں کرتے - شاہ صاحب نے اسی بنا پر گرو کا قافیہ شرو (شروع) صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے - اور آخر سے 'ع' اور 'ح' اڑا دی ہے - اور وجہ معقول ہے - ایک جگھ حقا کے قافئے کے لئے بقا کے ق کو مشدد کر دیا ہے - دکنی کی اکثر نظموں میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں—

صبح بنارس (جوگی کی صدا)

از

(ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم)

یہ ستھری ستھری آنکھیں　　یہ لمبی لمبی پلکیں

یہ تیکھی تیکھی چتون　　یہ سندر سندر درشن

مایا ہے سب مایا ہے

یہ گورے گورے گال　　یہ کالے کالے بال

یہ پیاری پیاری گردن　　یہ ابھرا ابھرا جوبن

مایا ہے سب مایا ہے

کل جھوٹا ہے سنسار　　اک سچا ہے سرجن ہار

———: ** ÷ ** :———

ولہ

بچے اور بڑے

(اندلسی گیت)

(۱)	(۲)
دیکھا گیا ہے	دنیا کے نقشے
گودی میں سوتے	ہیں خواب سارے
سپنے میں بچے	دھوکے میں جن کے

ہیں سارے ہنستے
دیکھا گیا ہے
گودی سے سوتے
اٹھنے پہ بچے
ہیں سارے روتے

ہیں سارے ہنستے
لیکن جب اُٹھتے
خواب گراں سے
(بچے ہوں جیسے)
ہیں سارے روتے

باب۵ کہن

(لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی)

لچھمی نراین شفیق کے آبا و اجداد پنجاب کے کھتری تھے' لاہور اُن کا وطن تھا۔ جب عالم گیر اورنگ زیب نے دکن پر فوج کشی کی تو ان کا دادا لالہ بھوانی داس لاہور سے دکن میں آیا اور اورنگ‌آباد میں سکونت پذیر ہو گیا۔ شفیق کے والد لالہ منسا رام کی ولادت اورنگ‌آباد ھی میں ھوئی —

محمد شاہ کے زمانے میں نواب نظام‌الملک آصف جاہ دکن کے صوبہ‌دار مقرر ھو کر اورنگ‌آباد آئے تو لالہ منسا رام کو اپنا پیشکار مقرر کیا۔ بڑا فرض شناس' محنتی اور دیانت دار تھا —

لچھمی نراین ۲ صفر سنہ ۱۱۸۵ھ کو اورنگ‌آباد میں پیدا ھوے اور اسی جگہ علوم رسمی کی تحصیل کی —

نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے بڑے فرزند میر اکبر علی خاں عالی جاہ بڑے ھنرور پرور رئیس تھے' اُن کی سرکار میں ملازمت اختیار کی —

لچھمی نراین کو ابتدا سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ شروع میں 'صاحب' تخلص کرتے تھے' لیکن بعد میں مولانا آزاد بلگرامی کے ایما سے 'شفیق' اختیار کیا۔ اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ اُردو میں تو تخلص صاحب ھی رھا مگر فارسی میں شفیق لکھنے لگے۔ شفیق مولانا آزاد کے ارشد تلامذہ میں سے ھیں۔ مولانا اُن کے حال پر خاص نظر شفقت رکھتے تھے۔ شفیق کا ذوق ادب بہت اچھا ھے'

تاریخ نویسی کا بھی خوب سلیقہ ھے۔ یہ مولانا آزاد کی صحبت اور تعلیم کا اثر ھے۔ شفیق اپنے اُستاد کے قدم بقدم چلتا ھے—

شفیق کی تالیفات متعدد ھیں۔ ان میں سے چمنستان شعرا، اُردو شعرا کا تذکرہ اور گل رعنا اور شام غریباں فارسی شعرا کے تذکرے ھیں۔ تنمیق شگرف، حقیقت ھاے ھندوستان، ماثر آصفی، ماثر حیدری، بساتط الغنائم، حالات حیدرآباد، نخلستان فن تاریخ سے متعلق ھیں—

یہاں ھم اُن کا معراج نامہ نقل کرتے ھیں جو اتفاق سے ھمارے ھاتھ آگیا۔ اگرچہ شاعری اور خیالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص بات نہیں ھے، لیکن یہ اُس زمانے کا رنگ دکھاتا ھے جب ھندو مسلمان یک رنگ اور ھم خیال تھے اور آپس میں یہ اجنبیت نہ تھی جو آج کل نظر آتی ھے۔ آئندہ ھم اُن کی دوسری نظمیں بھی شایع کریں گے۔ ان کا تذکرہ 'چمنستان شعرا' بھی انجمن کی طرف سے شایع ہونے والا ھے—

در بیان معراج صاحب درۃ التاج

تصنیف لچھمی نراین 'صاحب' تخلص

اے مطرب مبارک باد کو گا
کہ ھے یہاں وصل کی شب کا تو چرچا

طنبورے کے ملا اس طور سے تار
کہ فرق تال و سر اُٹھ جاے یک بار

عجائب رات تھی او نور افشاں
کہ ھر کوکب تھا یک مہر درخشاں

کہوں گر رات اُس کو ھے تامل
کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غل

نہ تھی و ورات اور دن بھی نہاں تھا
میان روز و شب اور ھی سماں تھا

عجب کچھ نور تھا عرش بریں پر
قیامت نور تھا فرش زمیں پر

غلط میں نے کہا استغفر اللہ
زمیں کے تحت بھی تھی نور کو راہ

زمین و آسماں پر یہ زمانہ — بنا تھا نور حق کا ایک دانہ
غرض یہ ہفت سیار اور ثوابت — ہزاروں پھر کر کر کے مدنت
لے آوے وو گھڑی اور ایسے اوقات — کہ وہاں اوقات کی ہرگز نہ تھی بات
یہی کہتا تھا وقت نور افشاں — کہ ہے ذرہ یہاں کا مہر رخشاں
فقط کہنے کو تھا خورشید ناپید — سراسر آسماں تھا جرم خورشید
سمجھ مت خلق کو اُس رات تھا خواب — نہیں تھا دیدۂ عالم کے تیں تاب
کہ ایسا نور نظارے میں لاوے — کثیف اصلا لطافت کو نہ پاوے
نظر ہوتی ہے خیرہ برق کو دیکھہ — پھر اُس میں اور اِس میں فرق کو دیکھہ
غرض غفلت سبھوں پر چھا رہی تھی — خرد داروے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک پے پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا
در حجرہ پہ وو آ جوڑ کر ہات — کہا سرور ترے پر حق کے صلوات
خدا کی ذات خواہش سے بری ہے — سو اُس کو بھی تری خواہش کری ہے
چل اُتھہ اے شہ کہ ہے معراج تیرا — غنی بھی آج ہے محتاج تیرا
خدائی ساری جوں دلہن بنی ہے — ظہور عشق کی سب روشنی ہے
زباں پر قدسیوں کی ہے یہ جد تد — خدا عاشق ہے شاہد ہے محمد
زمین و آسماں سب نور ہی نور — جدھر دیکھئے ہے نور بھر پور
منور ہو رہے ہیں آٹھوں جنت — ہوئی دونوں جہاں کو زیب و زینت
ملائک تک رہے ہیں سب تری راہ — سبھی ہیں قدسیاں تیرے ہوا خواہ
کھڑے ہیں انبیا سب باندہ کر صف — لئے ہیں عہدے سب خدمت کے برکف
در دولت پہ ہے با ساز و ساماں — سواری کو براق برق جولاں
خیال اور یہ گماں اور وہم یہ فکر — ہیں چاروں نعل اُس کے کیا کروں ذکر
نہایت خوش عناں اس کو کئے ہیں — ارادے کو لگام اس کو دئے ہیں
دم گرم اُس کے سے بجلی کی ایجاد — دہن کے کف سے ہے تاروں کی بنیاد

ٹپکتے ہیں عرق کے بوند جس دم — شہاب اُس کے تئیں کہتے ہیں عالم
نہوجے اب توقف کے روا دار — کہ ہیگا منتظر خلاق دادار
پیمبر وہیں اُٹھہ بستر سے چالاک — سوار اسپ ہو جستے سے بے باک
پلک کے مارتے اقصیٰ کو پہنچے — وہاں سے عالم بالا کو پہنچے
قمر کوں چرخ اول لا کے نزدیک — کہا اس کے بھی کانسے میں ملی بھیک
کہے حضرت مثال شمس انور — کئے ماہاے قمری ہم مقرر
برائے معجزہ یہ شق ہوا ہے — ہماری ضرب سینے پر ایا ہے
قمر نے تب کہا اے شاہ شاہاں — مرے سے ہر طرف ہو نقص نقصاں
کہے حضرت تو ہے ہر چرخ دنیا — کہ یہاں لازم ہے گھٹنا اور بڑنا
ولے بخشی ترے تیں ہم نے عزت — ترے پر منحصر راکھی عبادت
ترے تیں دیکھہ روزہ کو دھریں گے — ترے تیں دیکھہ کر عیدیں کریں گے
کبھی دو دن نہ دیکھیں گے جو تجکو — بہت ڈھونڈھیں گے بدای میرو و تجکو
قمر ہو خم کیا تسلیم اُس دم — ہلال اندر وہی ہے اب تلک خم
وہاں سے چرخ دوم پر کئے عزم — عطارد قصد خدمت کو کیا جزم
معرور ہوں مجھے امداد کچھہ ہو — کتابت وحی کی ارشاد کچھہ ہو
کہے حضرت نے اُس کو اے ہنرور — رسالت ہوگئی ہے ختم مجھہ پر
وحی کا بھی سرشتہ کوئی ہے دن — کٹے گی زندگی کیوں مشغلہ بن
میں تجکو دفتر کونین بخشا — ابد تک جمع و خرچ عین بخشا
عطارد رہ گیا تسیلم کو کر — سواری گزری چرخ سیومیں پر
وہاں زہرہ خوشی سے ناچتی ہے — فلک کے دائرے کو باجتی ہے
ادا سے سامنے حضرت کے آئی — قدم بوسی کو کر سر کو جھکائی
ہوا ارشاد تو دنیا کے اندر — تمامی شب دکھا مت روے انور
سحر کو کوی دم یا شام کے تیں — نمود اپنا کیا کر نام کے تیں

حیا زن کو بجاے جان کے هے ‏ حیا بڑی شرط سے ایمان کے هے
یه تلقین پاکے زهره وهاں سے آئی ‏ خوشی کر گهر میں گائی اور بجائی
کئے جب چرخ چارم پر سواری ‏ هوئی خورشید کے تیں بے قراری
وهیں دوڑا سر اپنے کو قدم کر ‏ قیامت تک هوا روشن منور
کہے حضرت نے تجکو کچهه خبر هے ‏ قیامت ترے هی پر منحصر هے
تجهے طالع کریں گے غرب سے هم ‏ همارا سایه ترے سر په قایم
وو هی خورشید کو اب تک خطر هے ‏ سفر مغرب کا اس کو هر سحر هے
وو هی تر ایک دن مغرب کر یاد ‏ پهرا حضرت علی کا سن کو ارشاد
مسیحا پیشوا تشریف کو لا ‏ کہے میری شفاعت هوئی مولا
وهاں سے چرخ پنجم پر جب آے ‏ کئے مریخ کی یاد اور بلاے
کہے تجکو کئے مردوں کا سردار ‏ دلیروں کا جهاں میں ره مدد گار
سنا حضرت سے جب حرف بحالی ‏ تبی مریخ کے منه پر هے لالی
عنایت کا جو مژده پا رها هے ‏ اوسی شادی سے منگل کا رها هے
کئے جب چرخ ششم پر سواری ‏ وهاں تو مشتری کی پهنچی باری
اُسے ارشاد ایسا کچهه کئے هیں ‏ تجهے جوهر سعادت کا دئے هیں
وهیں برجیس آداب عنایت ‏ بجا لاکر هوے اُس جا سے رخصت
سواری چرخ هفتم پر کئے جب ‏ زحل کی منزلت والا هوئی تب
زحل نے آکے سجده کر کیا عرض ‏ سیه رو کیا کرے اب مدعا عرض
مخاطب هو کہے اُس کو اے کیواں ‏ که هے ظلمات اندر آب حیواں
بلندی پر زحل اپنی مباهی ‏ که رنگے نیست بالاے سیاهی
وهاں سے چرخ هشتم پر گزر کر ‏ کئے جرم ثوابت کو منور
ثوابت کروں کس طور اظهار ‏ که هے تاروں کی گنتی کار دشوار
یهاں آخر ثوابت کا هے قصه ‏ ملا هر یک کو قدر حال حصه

قدم وہاں سے کئیے عرش برین پر ملا چرخ فہم نے پاوں پر سر
کہا بارا اماموں کا فدا ہوں بنا بارا دری میں نے کیا ہوں
گئے جب عرش کے آگے تو براق وہاں روح الامیں بھی رہ گئے طاق
رہے جبریل بھی رت رت کے رو میں کہ میکائیل تھے وہاں سے جلو میں
اوسی میداں میں روکا شیر نے رہ کہا کچھہ بھی عنایت ہووے للہ
وہاں انگشتری اپنی دئیے ہیں کہ اپنا مہر دار اُس کو کئیے ہیں
کہوں میں لامکاں کی کس طرح بات وہاں سے سب رہے اور اوگئے ذات
بیاں سے بات یہاں کی کچھہ بروں ہے مری کیا طاقت اور کیا مجکوں سوں ہے
سرا پردہ سے نکلا ہات ایدھر کہ جس میں ووہی انگشتر تھی خوشتر
بہم شیر و برنج اوس سات کھاے چشک اُمت لئیے اس کو لے آے
گئے اور آے اس عرصہ کے اندر کہ کچھہ باقی تھی یاں گرمئی بستر
یہ نقطہ زیر ہے جب تک جدا ہے گیا جس وقت بلا پھر خدا ہے
اے صاحب قفل کر درج دہاں کو نکال اب مت در راز نہاں کو
حقیقت یہ بہت مشکل ہے پانا ملوث ہورہا ہے یہ زمانہ
حسد ہے بغض ہے کینہ عداوت رعونت کبر ہے رشک اور شقاوت
انانیت یہاں رکھتی نہیں بار یہاں ہے نیستی سے ہی سروکار
یہ شکر مل رہی ہے ریت کے بیچ اوراوس میں مل رہا ہے بہوت ساکیچ
شکر ہاتی سے یہ کھائی نہ جاوے کہ اوس کے دانتوں میں کرکرسی آوے
جو کوئی چھنٹی * بلے شکر کو کھاوے رہے تب ریت اور شکر کو پاوے
نبی تیرا ثنا خواں ہوں کرم کر غریق بحر عصیاں ہوں کرم کر
مری دونوں جہاں میں آبرو رکھہ سر اوپر میرے اپنا ہات تو رکھہ

---

* چھونٹی —

ارے صاحب تجھے ھے کیا لیاقت زباں رکھتی ھے تیری کیا طلاقت
مئے توحید کو ھر چند ھے جوش پر اے کم حوصلے خاموش خاموش
ارے بیہودہ گو بک بک کو کم کر کہاں عالم ھے اِن باتوں کا محرم
حقیقت کا سخن مستور کر تو مجازی کا ذرا مذکور کر تو
سخن پر کاملوں کے کان تو دھر نصیحت پر اب علی کی اب عمل کر
ز فہم مستمع ایں حرف دور است سخن بےرنگ شد رنگش ضرور است
بطرز ہواوی آھنگ بردار حدیث دیگراں کن پردۂ تار
اثر بردار و از آواز بگذر بدل ناخن زن و از ساز بگذر

ادب

تاریخ

متفرق

اُردو کے جدید رسالے

ادب

حکایات و احتساسات

(شیخ مبارک علی تاجر کتب - لوہاری دروازہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چار آنے)

یہ اُن مختصر فسانوں اور مضمونوں کا مجموعہ ہے جو سید سجاد حیدر صاحب بی - اے نے ترکی زبان سے ترجمہ کئے یا خود تحریر فرمائے ہیں - بعض فسانے بہت دلچسپ ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں - انسانی فطرت اور معاشرت پر خوب نظر ڈالی ہے- مضامین زیادہ‌تر خیالی ہیں جن میں ادب کی چاشنی اور خیالات کی لطافت پائی جاتی ہے - ترجمے میں بعض مقامات پر بعض ترکیبیں' جملوں کی ساخت اور الفاظ کا استعمال بہت غیر مانوس اور معجب ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اُردو اس کی متحمل نہیں ہوسکتی- اس قسم کی ترکیبوں سے عبارت بھونڈی ہوگئی ہے اور کہیں کہیں مطلب بھی خبط ہوگیا ہے — مثلاً :

" تمام رات چادر میں منہ لپٹے جن آنسوؤں کو وہ روکے رہی تھی بحران کے اس دقیقہ میں جب طغیان گریہ اٹھا تو اس نے انہیں بہنے کی اجازت دی "—

" اس خیال نے آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں اپنی پوری تاثیر سے بڑھنا اور کسب اہمیت کرنا شروع کیا ' لیکن اسی دقیقہ میں اس نے ذہناً اپنے تئیں متروک دیکھا "—

" اس ممتازیت عفیفانہ کے مقابل میں باقی تمام چیزیں قابل سقوط نہیں "—

"اس کی آنکھیں لڑکی کی تعقیب کر رہی تھیں کہ اس کا دل ایک حسن تفرع سے بھر اٹھا "—

اسی طرح اعماق مدھوشی ' آہ خسران ' حیات ساعیانہ ' تہ لک معصومانہ '

حیات سفلہانہ، گریزاں شبہ، مقرانہ کوششیں، وفور و آتشیں جوان، محبوبۂ سودا انکسا کی عجیب و غریب ترکیبیں پائی جاتی ہیں -

خود احتساس کا لفظ بھی قابل اعتراض ہے - عربی میں یہ کوئی لفظ نہیں ہے - البتہ غریب الفاظ میں اس کا شمار ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے معنے بالکل دوسرے ہیں —

مرقع ادب

[حصۂ دوم - از جناب صفدر مرزا پوری - صدیق بک ڈپو - لکھنؤ صفحے ۳۱۲
قیمت دو روپئے]

جناب صفدر مرزا پوری، جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے، اُردو زبان کی خدمت کرتے رہتے ہیں - انہوں نے اپنی محنت اور ذوق سے ایسے اچھے اچھے مجموعے تالیف کئے ہیں کہ اُردو ادب کے شائق اُن کی ضرور قدر کریں گے - مرقع ادب کا پہلا حصہ اس سے قبل چھپ چکا ہے، یہ دوسرا حصہ ہے - اس میں اکثر اُردو کے اساتذہ اور نامور اہل قلم کے خطوط درج ہیں - ایک خط مرزا غالب کا اور ایک مولانا حالی کا بھی ہے؛ یہ دونوں غیر مطبوعہ ہیں - ان کے علاوہ امیر مینائی مرحوم، اکبر الہ آبادی مرحوم، جلال مرحوم، مولانا شرر مرحوم، شاد مرحوم کے خطوط بھی ہیں - زندہ ادیبوں اور شاعروں کے خط بھی تلاش کرکے اس مجموعے میں شریک کئے گئے ہیں - بعض حضرات تو بلاشبہ اپنے خطوط کو اس کتاب میں دیکھ کر خوش ہونگے مگر بعض بہت گھبرائیں گے کہ لکھے تھے کیسے اور کس غرض سے اور پہنچے کہاں - آدمی اپنے دوست احباب کو بے تکلفی میں جو جی چاہتا ہے لکھ جاتا ہے، اُسے کیا معلوم کہ حضرت صفدر گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان پرزوں کو الم نشرح کر دیں گے - گویا یہ خطوں کے ادبی سنسر ہیں - اگر لوگوں کو یہ عام طور پر معلوم ہوگیا (اور معلوم ہو ہی جائیگا) تو وہ سنبھل سنبھل کر اور بڑے احتیاط سے خط لکھنے لگیں گے اور اس سے خطوں کا اصل لطف جاتا رہیگا - مناسب یہ ہے کہ جو لوگ زندہ ہیں اُن کے خطوط ان کی اجازت بغیر شایع نہ کئے جائیں - رہے مردہ، سو مردہ بدست زندہ ہے —

الغنیمة الکبریٰ

[شرح قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض- از مولوی محمد مصطفیٰ صاحب- ملنے کا پتہ-
احمد مجتبیٰ بن عبدالرحمن خاں اندرئی دروازہ کاسگنج ضلع ایتہ- قیمت ۸ آنے]

یہ قصیدۂ تائیہ شیخ ابن الفارض کے عربی قصیدے کا ترجمہ اور شرح ہے - آخر میں مصنف کے حالات اور بعض اصطلاحات کی تشریح ہے —

خطوط محب

[مرتبہ افضل النسا خانم صاحبہ صفحات ۴۲۶ - قیمت تین روپئے - ملنے کا پتہ
مولوی محب حسین صاحب، سابق اڈیٹر معلم نسوان- سنگل کاعات- حیدرآباد دکن]

مولوی محب حسین صاحب کو غالباً لوگ ابھی بھولے نہونگے - معلم نسوان ایک مدت تک ان کی اڈیٹری میں حیدرآباد سے شایع ہوتا رہا - پردے کے خلاف ایسے پر زور مضامین اس میں نکلے جن سے ایک ھل چل مچ گئی تھی- یہ انھیں صاحب کے خطوط ھیں جو انھوں نے اپنی شاگرد افضل النسا خانم صاحبہ کے نام لکھے ھیں اور ان میں انھوں نے اخلاق و مذھب کی تعلیم بہت خوبی اور صفائی کے ساتھہ دی ھے - یہ خطوط بہت دلچسپ اورپر از معلومات ھیں اور عبارت بہت سلیس ھے- نو جوان لڑکوں لڑکیوں اور مرد عورت دونوں کے مطالعہ کے قابل ھیں —

افکار محب

[کلام مولوی محب حسین صاحب- صفحات ۲۱۰ - قیمت دو روپئے مصنف سے
مل سکتی ھے]

مولوی محب حسین صاحب کو شاعری کا چسکا ایک زمانہ سے ھے - ان کا کلام

حکیمانہ اور اخلاقی ہوتا ہے۔اس دیوان میں قابل مصنف نے اپنی تمام غزلیں جمع کردی ہیں - جن لوگوں کو شعر و سخن کا ذوق ہے اُن کے لئے یہ مجموعہ بہت قابل قدر ہے -

حیات کیفی

[مرتبہ محمد سردار علی صاحب - کتب خانہ بزم ادب - عقب مسجد چوک حیدرآباد - قیمت ۳ آنے]

سید رضی الدین حسن کیفی مرحوم حیدرآباد کے اُن چند نوجوانوں میں سے تھے جن کے دل میں درد تھا ' جو زمانے کے رنگ کو پہچانتے تھے اور اپنے ملک کی بہبودی کے لئے اپنی بساط کے موافق ' ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے شعر و سخن کا ذوق انہیں ابتدا سے تھا - اُن کی نظمیں ہر صنف میں ہیں اور اُن میں خاص لذت اور حلاوت پائی جاتی ہے - یوں تو اچھے اچھے شاعروں سے بعض اوقات لغزش ہوجاتی ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیفی مرحوم حیدرآباد میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے ' بہت جلد کہتے تھے اور ہر قسم کے مضمون پر لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ رنگین مزاج ' صوفی منش اور سچے دوست تھے۔ یہ سولہ صفحے کا چھوٹا سا رسالہ انہیں کے حالات میں ہے - اُمید ہے کہ ان کے بیشمار دوست اور قدرداں اسے شوق سے پڑھیں گے -

دیوان اصغر اور دیوان عاقل

صاحبزادہ محمد محمود علی خان بہادر پرہوٹ سکریٹری ہز ہائنس نواب صاحب رام پور نے اپنے جد امجد محمد اصغر علی خاں 'اصغر' اور اپنے والد ماجد محمد رضا علی خاں ' عاقل' کا کلام جمع اور مرتب کر کے دو دیوانوں کی شکل ایک مجلد میں شایع کیا ہے - مومن مرحوم دہلوی کے شاگردوں میں یہ وہی اصغر ہیں جن کی وجہ سے نواب اصغر علی خاں ' نسیم' کو اپنے نام کا جزوی تخلص " اصغر " چھوڑنا پڑا تھا - ان کے کلام میں تغزل کا رنگ غالب ہے مگر نسیم سے کم - اشعار کی بلندش اور ترکیب میں وہی پرانا ڈھنگ ہے لفظی تعقید' مضمون آفرینی اور معاملہ بندی میں استاد کی پوری جھلک

موجود ہے بعض اشعار بہت بلند پایہ ہیں۔ شاگردان مومن میں مومن کا رنگ مخصوص یا تو ' قلق' میرٹھی میں دیکھا یا اب مدت کے بعد اصغر مرحوم کے کلام میں عاقل صاحب کے کلام میں سادگی اور صفائی زیادہ ہے' زبان روز مرہ کی ہے اور کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تخیل میں وہ اپنے استاد سالک کے مسلک سے اونچے جارہے ہیں مضمون آفرینی میں باپ کے قدم پر قدم ہے استاد کی پیروی سے اسی لئے بے نیاز ہیں اور ہونا بھی چاہئے ــــ

(م۔ن۔ظ)

کلام کیفی اور نظم کیفی

سید رضی الدین کیفی حیدرآبادی کا متفرق کلام ان کے ایک قدردان دوست محمد سردار علی صاحب مؤلف تذکرہ شعرائے اورنگ آباد (دکن) نے مع ایک دیباچہ کے ان دو رسالوں کی صورت میں چھپواکر شایع کیا ہے - اس میں کیا شک ہے کہ وہ حیدرآباد کے شاعروں میں مایۂ ناز شاعر تھے اور اپنے ہمعصروں میں انہوں نے ممتاز حیثیت پیدا کرلی تھی ان کا کلام ہی خود کہہ رہا ہے - کیفی ابتدا میں میکش تھانوی کے دم کشوں میں تھے ان کی وفات کے بعد فصیح الملک مرزا داغ مرحوم سے جن کو زبان کے اعتبار سے ہندوستان کا مہاشاعر کہنا چاہئے' تلمذ کا فخر حاصل ہوا - گو یہ فخر ان کو داغ مرحوم کے آخری دور حیات میں نصیب ہوا اور بہت کم اصلاح کلام اور مشورہ سخن کی نوبت پہونچی تھی کہ استاد نے کونچ کا نقارہ بجادیا اور اپنے نو مشق تلامذہ کو تشنہ کام چھوڑ کر شہر خموشاں کا راستہ لیا - لیکن اس جوہر قابل کے لئے استاد کامل کی دوچار صحبتیں ہی غنیمت ثابت ہوئیں۔ اگلی پچھلی مشق نے معاملہ بندی' روانی' سلاست اور کسی قدر زبان کی چاشنی ان کے کلام میں پیدا کردی۔ اب ان کے نمکین اشعار میں صاف نظر آتا ہے کہ میکشی کا کیف کافور ہوکر کوئی دوسری ہی ملاحت آگئی ہے اور ان کے بعض اشعار کی شیرینی اس شیرینی کا مزہ دیجاتی ہے جس میں کسی قدر داغ لگ گیا ہو اور جس کو ارباب ذوق بہت پسند کرتے ہیں ــ

ان دونوں رسالوں میں کچھ حصہ غزلوں کا ہے اور کچھ اخلاقی اور قومی نظموں کا ــ بہر حال کیفی کی شاعری کا نشو و نما جس ماحول میں ہوا اس کے لحاظ سے ان کا مجموعۂ اشعار بہت کچھ قابل تحسین و آفرین ہے ــ

(م۔ن)

شعرا ے اورنگ آباد

(مؤلفہ مولوی محمد سردار علی صاحب - صفحے ۳۸ ' قیمت ۶ آنے - کتب خانہ مسجد چوک ' حیدرآباد دکن)

یہ مختصر رسالہ اورنگ آباد دکن کے قدیم اُردو شعرا کے تذکرے میں ہے - مختصر حالات کے ساتھ کلام کا نمونہ بھی درج ہے - مولوی سردار علی صاحب اردو ادب کے متعلق بہت اچھا کام کر رہے ہیں اس سے قبل بھی وہ اس قسم کے کئی رسالے شایع کرچکے ہیں —

تاریخ

تاریخ فلسفۂ اسلام

(مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ' ایم - اے ' پی ایچ ڈی - صفحات ۱۵۸ ' قیمت ۲ روپئے ' مکتبۂ جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دھلی)

جیسا کہ فاضل مترجم نے اپنے دیباچے میں بیان فرمایا ہے زندگی اور کائنات کے عقدھاے سربستہ کے حل کرنے کی کوشش اور اس کوشش کا نتیجہ جو چند خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے فلسفہ ہے - یہ گویا انسان کی ذھنی ترقی کا ما حصل ہے - اس جد و جہد میں ہر مہذب قوم نے کچھہ نہ کچھہ کام کیا ہے - اگرچہ سائنس اور فلسفہ تمام دنیا میں ایک ہی ہے اور اس میں نسلی اور قومی تفریق نہیں ہوسکتی ' تاہم ہر قوم نے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے جو کوشش کی ہے اور عام انسانی معلومات میں جو اضافہ کیا ہے اس حد تک وہ اس سے منسوب ہے - اسلامی فلسفہ بھی اپنی خصوصیتوں کی وجہ سے اور خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نے یونان کے فلسفے کو از سر نو زندہ کیا ' اسے وسعت دی ' دنیا میں پھیلایا ' نئے خیالات کا اضافہ کیا ' دنیا کے فلسفے کا قابل قدر جز ہے - دوسرے اسلامی ممالک سے قطع نظر ' خود ہندوستان میں اسلامی فلسفے کے

بڑے بڑے ماہر گزرے ہیں اور اب بھی چند نفوس باقی ہیں ؛ لیکن ان کی نظر محدود تھی اور اس لئے وہ تاریخ فلسفۂ اسلام کے لکھنے کا حق ادا نہیں کرسکتے تھے - اس کے لئے ایسے فاضل شخص کی ضرورت ہے جو اپنے فلسفہ میں ماہر ہونے کے علاوہ اصل ماخذوں سے آگاہ ہو دنیا کی دوسری قوموں کے فلسفوں پر گہری نظر رکھتا ہو اور خیالات کو صحیح طور پر ادا کرنے اور مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو - یہ کتاب جس کے مصنف ہالینڈ کے مشہور مستشرق دو بوائر ہیں ' اگرچہ مختصر اور ناکافی ہے ' مگر جس سلیقے اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے وہ بہت قابل تعریف ہے - اور ممکن ہے کہ اس داغ بیل کو دیکھ کر ہمارے علما میں شوق پیدا ہو اور وہ اس سے بہتر کتاب تصنیف کر سکیں اور ان مسائل اور مباحث پر ' جن کا اس میں سرسری ذکر ہے ' زیادہ روشنی ڈال سکیں —

حکومت آصفی و برکات عثمانی

(مصنفہ منشی فاضل مولوی محمد شمس‌الدین صاحب مصنف کلوٹ '
حیدرآباد دکن - صفحے ۶۱ قیمت ۸ آنے - ملنے کا پتہ :- مکتبۂ
ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ ' حیدرآباد دکن)

اس مختصر رسالے میں قابل مؤلف نے حکومت آصفی حیدرآباد دکن کی برکات کا ذکر اعداد و شمار کے ساتھ کیا ہے - مثلاً بیرون ریاست کے باشندوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہندو مندروں ' دھرم سالوں کو بہ صورت نقد سالانہ باون ہزار چار سو اٹھاون روپئے دیے جاتے ہیں اور آراضی کی صورت میں دو لاکھ ایک ہزار نو سو ستاون ایکڑ ان کے لئے وقف ہیں - اسی مقصد کے لئے جو جاگیریں عطا کی گئی ہیں اُن کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے - مسیحی کلیساؤں کو سالانہ چودہ ہزار سات سو پندرہ روپئے دے جاتے ہیں - غیر مسلم معاش داران مذہبی کی تعداد ممالک محروسہ میں بشمول خالصہ و صرف خاص مبارک و سمستان و جاگیرات ایک ہزار نو سو سینتیس ہے - امرائے غیر مسلم و سمستانات کو سلطنت آصفیہ نے جن مواضعات کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے اُن کی تعداد تیرہ سو چھیانوے ہے ان مواضع کا رقبہ سات ہزار نو سو تہتر مربع میل ہوتا ہے ؛ ان کی آمدنی پینتالیس لاکھ اڑتیس ہزار تین سو تیرہ روپئے سالانہ ہے - غرض اسی طرح ہر مد اور ہر باب اور ہر شعبے کے اعداد دئے ہیں جس سے ریاست حیدرآباد کی روا داری اور بے

تعصبی ثابت ہوتی ہے - تفصیل کے لئے کتاب ملاحظہ فرمائی جائے - اس کے بعد اُن اصلاحوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے جو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے عہد میں عمل میں آئی ہیں —

لایق مولف کی یہ سعی قابل داد ہے

بیداریٔ ہند

(کارنامۂ مہاتما گاندھی ' مؤلفہ لالہ متصدی لعل صاحب ہندی - بڑی تقطیع ' صفحے ۴۰۰ قیمت دو روپئے - دارالاشاعت بیداری ہند ' میرٹھ)

اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ترک موالات کے انقلابی دور کے واقعات پر کوئی مبسوط کتاب لکھی جائے - لالہ متصدی لعل صاحب نے ایک حد تک اس ضرورت کی تکمیل کردی ہے - یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں ہے صرف انہوں نے تاریخ ہندوستان کے اس اہم دور کے مخزن سیاسیات یعنی ینگ انڈیا میں سے اہم مضامین منتخب کرکے ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کردیا ہے - ابتدا میں انہوں نے مہاتما گاندھی کے سوانح زندگی بیان کئے ہیں- فاضل مؤلف نے مہاتما جی کے ان ایام زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ کھینچا ہے جو انہوں نے ٹالسٹائی کے تتبع میں جنوبی افریقہ میں بسر کئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نو آباد ہندوستانیوں کے سیاسی حقوق کے واسطے کشمکش کی - جنگ عظیم کے بعد مہاتما گاندھی کے خیالات میں جو انقلابی شان پیدا ہوتی ہے اس کے اسباب بھی مجملاً بیان کئے گئے ہیں - پہلی ستیہ گرہ' اس کے انقلاب‌خیز نتائج' امرتسر کے درد انگیز واقعات' مارشل‌لا اور واقعات ما بعد پر فاضل مؤلف نے ایک گہری نظر ڈالی ہے اور ہنٹر کمیٹی رپورٹ ' بالخصوص مہاتما جی کی شہادت کو بالتفصیل بیان کیا ہے - ترک موالات کے ابتدائی واقعات بھی مختصراً بیان کئے ہیں اور اخیر میں ینگ انڈیا کے ان مضامین کا ترجمہ کیا ہے جو تاریخی اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہایت اہم ہیں اس جلد میں اپریل سنہ ۱۹۲۱ ع تک کے معرکۃ‌الآرا مضامین درج ہیں، جن میں مہاتما جی نے نہایت صاف طور پر مسئلہ سوراج ' برطانوی طرز عمل اور مسئلہ خلافت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے —

ہم مؤلف کی محنت کی داد دیتے ہیں - زبان سلیس اور شستہ ہے اور ان تمام تعقیدوں سے پاک ہے جو سیاسیات کے اُردو ترجمے میں اکثر پائی جاتی ہیں - لیکن

هم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ترجمے میں کئی مقامات پر جملوں کی ساخت بالکل انگریزی کی سی ہوگئی ہے —

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۰ - " آپ نے ایک ایسے خط پر نکتہ چینی کرکے جسے آپ نے نہیں دیکھا بلکہ اس کے ایک حصے کا ترجمہ پڑھا ہے مشکل سے اپنے ساتھہ انصاف کیا ہے "

صفحہ ۲۲۷ - " تومیں اس امر کا اعتراف کرنے میں آزاد ہوں گا "

صفحہ ۲۲۹ - " زمانہ بدل گیا ہے اور اب ان نوجوانوں کو جن کے دوش پر سر ہے اور جن کے دلوں میں ضمیر ہے یہ کہنے کی وجہ سے کہ تم اپنے والدین کے احکام کے مقابلہ میں بھی اپنی ضمیر کی اطاعت کرو مجھے سرزنش کی جاتی ہے -"اس قسم کی خامیاں ترجمہ میں موجود ہیں لیکن باجود اس کے فاضل مؤلف مستحق مبارک باد ہیں حقیقتاً انہوں نے نہایت کاوش و عرق ریزی سے یہ کام انجام دیا ہے —

تذکرۂ بابر

(مؤلفہ جناب نواب صدر یار جنگ بہادر - صفحے ۶۰
قیمت ۶ آنہ - کتب خانہ مسجد چوک - حیدرآباد دکن)

چالیس برس ہونے کو آتے ہیں کہ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) نے یہ مضمون لکھا تھا جو حیدرآباد کے مشہور رسالے "حسن" میں شایع ہوا تھا اور اُن مضامین میں شمار ہوا جن پر ایک اشرفی انعام دی جاتی تھی —

بابر اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے مغلیہ خاندان میں ایک عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے - فاضل مؤلف نے کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ مضمون لکھا ہے - علاوہ تاریخی معلومات کے جس انداز سے یہ مضمون لکھا گیا ہے (جو مولانا کا خاص طرز ہے) وہ بہت قابل داد ہے- مولانا کی تحریرمیں جو ادبی شان اور ایک بانکپن پایا جاتا ہے وہ اس میں بھی صاف نظر آتا ہے —

متفرق

خزینۂ اخلاق

[مولوی سید عبدالعزیز صاحب عزیز - صفحے ٥٦ ' قیمت چھ آنے -
مکتبۂ ابراھیمیہ' حیدرآباد' دکن]

قابل مصنف نے اس کتاب میں اپنے نظم و نثر کے مضامین جمع کئے ھیں - مضامین سب اخلاقی ھیں ' زبان صاف اور سادہ ھے - لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ھے - نثر میں صرف سات مضمون ھیں جو نو دس صفحوں میں آگئے ھیں ؛ نظمیں دلچسپ اور سادہ ھیں ساتھ ھی سبق آموز ھیں —

علم الصحۃ

مؤلفہ شمس العلما مولوی عبدالجلیل صاحب سابق پروفیسر کوئینس کالج ' بنارس و ڈاکٹر جی - پی داس گپتا ' ایم - بی مڈیکل افسر انچارج بنارس اسٹیٹ ھاسپٹل - صفحے ۱۳۴ - قیمت ۱۰ آنے - ملنے کا پتہ :- سعید برادرس' برنا کا پل ' بنارس چھاؤنی]

اگرچہ یہ کتاب مختصر ھے مگر ھمارے اھل وطن کے لئے بہت مفید اور کار آمد ھے - اس میں گیارہ فصلیں ھیں' جن کی تفصیل یہ ھے —

پہلی فصل' جسم انسانی - دوسری فصل' ھوا - تیسری فصل' پانی - چوتھی فصل ' کھانا پینا - پانچویں فصل' مکان - چھٹی فصل' کوڑا کرکٹ اور غلاظت کی صفائی - ساتویں فصل' لاش کے متعلق - آٹھویں فصل' ذاتی صفائی - نویں فصل ' متعدی امراض کے پیدا ھونے کے وجوہ - دسویں فصل ' متعدی امراض - گیارھویں فصل ' بیماروں کی غذا- آخر میں بطور تتمے کے طاعون اور ھیضے کے متعلق ھدایات درج ھیں -

ھر فصل میں روز مرہ کے کام کی باتیں لکھی ھیں جن کا جاننا صحت کے لئے ضروری ھے اور جدید تحقیقات کے رو سے جو باتیں دریافت ھوئی ھیں وہ بھی درج کردی ھیں - کتاب عام فہم اور سلیس زبان میں ھے -

لازمی ابتدائی تعلیم

[مصنفۂ منشی میوارام صاحب سابق انسپکٹر مدارس - صفحے ۸۳- قیمت ۶ آنے
ملنے کا پتہ :- منشی شانتی کمار صاحب - هیوٹ روڈ - لکھنؤ]

لازمی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ هر صوبہ میں مصلحان تعلیم کے زیر غور ہے - منشی میوا رام صاحب نے اس کتاب کی تصنیف سے ملک پر بڑا احسا ن کیا - تعلیم یافتہ حضرات تو ان مسائل کو سمجھہ سکتے هیں ضرورت اس امر کی تھی کہ اوسط اور ادنی طبقہ کے لوگ بھی تعلیم کی ضرورت کو سمجھیں - منشی صاحب نے شرح و بسط کے ساتھہ یہ بات ثابت کردی ہے کہ ابتدائی تعلیم هر طبقہ کے لئے ضروری ہے - اس کے بغیر نہ شہر کا کاریگر اور مزدور اور نہ دیہات کا کسان اپنے فن میں ترقی کر سکتا ہے - کون نہیں جانتا کہ آج مزدور اور کسان سرمایہ دار اور زمیندار کے ظلم و تعدی کا شکار بنا ہوا ہے؛ وہ نہ اپنے حقوق هی جانتا ہے اور نہ اپنی محنت کی قیمت سے واقف ہے -

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھہ میں آجاتی ہے کہ ابتدائی لازمی تعلیم هی همارے ملک کے اقتصادی امراض کا ازالہ کر سکتی ہے - اس کے بغیر زراعت، دستکاری، مزدوری، صنعت و حرفت غرض کہ کسی پیشے میں ترقی نہیں هوسکتی آج بھی موجودہ زمانہ نے کسان اور کاریگر کے معلومات ایک هزار سال قبل کے لوگوں سے زیادہ نہیں - دنیا صدها میل آگے بڑھ چکی ہے - مگر یہ جہاں تھے وهیں هیں -

همیں امید ہے کہ صوبہ داری حکومتوں کو چاهئیے کہ اس کتاب کی اشاعت میں مدد دیں گی اور جلد از جلد لازمی ابتدائی تعلیم رائج کرنے کی کوشش کریں گی جو مہذب ملکوں میں عوام کی ضرورت اولین سمجھی جاتی ہے - اس کے بغیر حکومت مدد کا موجودہ انتخابی نظام کامیاب نہیں هوسکتا -

بهر حال ابتدائی تعلیم کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں هوسکتا - منشی میوارام کی کتاب ارباب حکومت اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے - کتاب میں زبان کی غلطیاں بہت هیں مگر یہ ادبی نقص اس مقصد پر کوئی اثر نہیں ڈالتا جو منصف نے نے پیش نظر رکھا ہے —

لکھائی چھپائی اچھی - کاغذ چکنا ہے - کتاب منشی شانتی کمار صاحب "شانتی نواس" هیوٹ روڈ لکھنؤ سے ۶ آنے میں ملسکتی ہے —

[ط]

اُردو کے جدید رسالے

———:o:———

جدید رسالے جس قدر اس عرصے میں ہمیں وصول ہوے ہیں وہ سب کے سب تقریباً اسی قسم کے ہیں جیسے کہ عام طورپر اور رسالے اس وقت جاری ہیں۔ یعنی ان میں کچھہ ادبی مضمون ہیں - اور کچھہ تاریخی - نظم و نثر دونوں پائی جاتی ہیں - لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ذوق ادب اور لکھائی چھپائی کی صفائی میں ترقی نظر آتی ہے - 'کیف' اجمیر سے شایع ہونا شروع ہوا ہے - اس میں ادبی اور تاریخی مضامین کے ساتھہ قصے کی کی چاشنی بھی ہے - چونکہ آستانۂ خواجہ اجمیر سے نکلتا ہے اس لئے تصوف کا چھینٹا بھی نظر آتا ہے - 'تجلی' ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو حال ہی میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا - اس میں ادب کے ساتھہ تاریخ کا پلہ بھی مساوی ہے - رسالہ بہت اچھا ہے اور معلومات کے جمع کرنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے - 'حسن ادب' لکھنؤ سے نکلا ہے- علاوہ نثر کے زیادہ ترحصہ طرحی غزلوں کا ہے-ہر لحاظ سے اوسط درجےکا معمولی پرچہ ہے- 'بیدار' جوالاپور ضلع سہارنپور سے شایع ہوتا ہے - علاوہ ادبی اور اخلاقی نظم و نثر کے مذہبی تحریکوں کا بھی ذکر کرتا ہے - دو رسالے عورتوں کے لئے مخصوص ہیں ایک 'نورجہاں' دوسرا 'سہیلی' دونوں امرتسر سے شایع ہوتے ہیں اور سلیقے سے مرتب کئے جاتے ہیں - عورتوں کے لئے بلاشبہ مفید ہیں —

یہ سب رسالے' سواے حسن ادب لکھنؤ کے ' لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں —

جیسے جیسے نئے نئے رسالے نکلتے آتے ہیں' لکھنے والے بھی نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور لوگوں میں بھی مطالعہ کا شوق بڑھتا جاتا ہے یہ اُردو زبان کی مقبولیت کی دلیل ہے اور اس سے زبان کو ضرور فائدہ پہنچے گا - لیکن جو صاحب کسی نئے رسالے کے جاری کرنے کا ارادہ کریں تو انہیں تمام پہلوؤں پر غور کر کے اس میدان میں قدم رکھنا چاہئے - ایک آدہ یا چند رسالے جاری کر کے بند کردینا بہت مذموم اور ناعاقبت اندیشی پر دلالت کرتا ہے - اردو کے متعدد رسالے اس کے شکار ہو چکے ہیں —

———

انجمن ترقی اُردو کا نیا سہ ماهی رسالہ "سائنس"

اگرچہ اُردو زبان میں رسالوں کی تعداد کچھہ کم نہیں هے اور آے دن نئے نئے رسالے شایع هوتے رهتے هیں، مگر وہ سب کے سب شعر و سخن، خیالی مضامین اور عام ادب تک محدود هیں۔ جو رسالے علمی کہلاتے هیں، اُن کی جستجو بھی تاریخ و فلسفہ تک رهتی هے - سائنس سے همارے رسالے اور هماری زبان بالکل خالی هے - سائنس کی تعلیم هر جگهہ همارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں هوتی هے، مگر اب تک هماری زبان پر اس کا کچھہ اثر نہیں پڑا اور اهل ملک میں اس کا ذوق پیدا نہیں هوا - یہ بہت بڑی کمی هے اور اس کا پورا کرنا همارا فرض هے - اس لئے انجمن ترقی اُردو نے یہ ارادہ کیا هے کہ وہ ایک سہ ماهی رسالہ ایسا شایع کرے جو شروع سے آخر تک سائنس کے مضامین اور سائنس کی تحقیقات کے لئے وقف هو - اس تجویز کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا هے —

مقاصد

۱ - زبان اُردو کے ذریعے ملک میں جدید تجربی اور طبیعی علوم کی ترویج و اشاعت --

۲ - یورپ و امریکہ کے اکتشافی کارناموں سے اهل هند کو آگاہ و با خبر کرنا اور انھیں بھی اِن علوم کے سیکھنے سمجھنے اور اُن کی تحقیقات میں حصہ لینے کا شوق دلانا —

۳ - زبان اُردو کو تجربی علوم کے هر قسم کے مضامین و مطالب ادا کرنے کے قابل بنانا اور جدید علمی یا فنی مصطلحات وضع کرنے کی مشکلات حل کرنا —

نظام عمل

۱ - مقاصد بالا کے حاصل کرنے کے لئے انجمن ترقی اُردو اپنے مستقر سے ایک رسالہ موسوم بہ " سائنس " شایع کرے گی، جو سر دست سہ ماهی اور خالص علوم تجربی کے مضامین و مباحث کے واسطے وقف هوگا —

الف - رسالے کے هر نمبر میں رسالۂ اُردو کی تقطیع کے کم سے کم سو صفحے هوں گے اور اسے بہترین ٹائپ میں تصاویر و اشکال کے ساتھہ خوش نمائی کا پورا لحاظ رکھہ کر طبع کیا جاے گا —

ب ـ ہند اور بیرون ہند کے لائق سائنس دانوں کے مفید اور پر از معلومات مضامین فراہم کئے جائیں گے اور ہر مضمون کا کشادہ دلی سے معاوضہ دیا جائے گا ــ

ج ـ انگریزی یا دوسری زبانوں کے مضامین کے اُردو میں ترجمہ کرنے کا مستقل انتظام کیاجائے گا - اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا جائیگا کہ تمام مضامین کی زبان تاامکان عام فہم اور سلیس ہو ـــ

۵ ـ رسالہ کے مستقل ابواب فی الحال حسب ذیل ہونگے :ـــ

(۱) اخبار علمیہ: یعنے جدید انکشافات اور علمی تجربات کی خبریں - ایسے مسائل ومباحث حاضرہ کی اطلاعیں جن کا علمی دنیا میں چرچا ہے ـــ

(۲) علمی مضامین : [الف] علوم تجربی کے متعلق پرمغز اور محققانہ مضامین اور ان کے ترجمے - اور [ب] نسبتاً سادہ اور مفید عام مضامین ـــ

(۳) علمی مصطلحات: جدید اصطلاحات اوران کے وضع کرنے کے قواعد پر بحث وتنقید۔

(۴) قدیم علوم تجربی: زمانۂ گزشتہ میں طبیعی اور تجربی علوم کی جو کچھہ تحقیقاتیں ہوی ہیں اُن پر تاریخی اور تحقیقی مضامین۔

(۵) صناعتی علوم: جن کا مختلف مصنوعات کی ایجاد اور تیاری سے تعلق ہے -

(۶) تبصرے : یعنے اعلیٰ درجے کی تازہ علمی کتابوں کو تفصیلی طور پر اُردو خواں حضرات میں روشناس کرنا -

۲ ـ ڈاکٹر مظفرالدین صاحب قریشی [پی - ایچ - ڈی] پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی رسالے کے اڈیٹر منتخب کئے گئے ہیں اور اسی غرض سے ان کے تحت میں ایک دفتر حیدرآباد میں قایم کیا جائیگا جو مضامین کی فراہمی' ترجموں اور ترتیب وغیرہ جملہ فرائض کا ذمہ دار ہوگا ـــ

۳ ـ رسالے کی سالانہ قیمت آٹھہ روپئے کلدار اور ایک نسخے کی قیمت دو روپئے کلدار ہوگی ـــ

تصریح :ـــ رسالے کے مصارف کا جو تخمینہ کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے جب تک پانسو یا کچھہ زیادہ مستقل خریدار نہ ہوجائیں' رسالے کا خرچ پورا نہیں ہوسکتا۔ لیکن انجمن ترقی اُردو نے فیصلہ کیا ہے کہ کم از کم دوسال تک بطور تجربہ اس کے تمام مصارف کی کفالت کرے - اُمید کی جاتی ہے کہ روشن خیال اہل وطن جو اُردو زبان کی ترقی اور ملک میں جدید علوم کی ترویج کے فوائد بخوبی سمجھتے ہیں' اس تجربے میں انجمن کی تا امکان مدد فرمائیں گے ـــ

معتمد انجمن ترقی اُردو' اورنگ آباد [دکن]

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکتری انجمن ترقی اُردو، اورجناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) " عطاے سلیم "

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جاے گا -

(۲) " عطاے عبدالحق "

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا ، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی —

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا- اورہرسال کے اخیر مہینے میں جوحضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کرکے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا-انعام کی اہلیت کافیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعـــــــــــــــــلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظام و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ھی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے اسکو اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ھی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

تاریخ تمدن

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مکر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہئین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوے ہیں' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کئے ھیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ھے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاهیر یونان و روما

ترجمہ ھے - سہرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ھے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ھے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ھر ایک صفحہ معمور ھے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ھے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ھر ایک ضروری مسئلہ درج ھے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ھے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ھے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ھے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ھیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ھے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ھے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ھندوستانی ھے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ھیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے - قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ھے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھہ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ھوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ھے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ھے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں —

کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں- مولانا محمد حبیب‌الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلسچپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھہ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آتھہ آنہ غیر مجلد دو رپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسرعثمانیہ‌کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ہے ور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی' مفرد ومرکب اصطلاحات کے طریقے - سابقوں اور لاحقوں - اردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اورعلمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں-اُردو میں بعض‌اوربھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیاباب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات ۳۰۵ - قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل - بلی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں - اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زریں

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا کے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایوں نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ —

قاموس المشاھیر

جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ —

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ —

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدھ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدھ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ —

مسالک النظر فی نبوت سید البشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

مقتل فریب مغربی محفل خانے

مؤلفہ مولوی سید طالب علی طالب الہ آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت ، کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ، قلمی ، نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم ، متروک ، اجنبی ، ہندی ، دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ، دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ، قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی مدت سے نایاب تھی ، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا ، اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ' اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ اردوٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکراس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ' جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید' قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر' سہل' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ' شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجاے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے' کاغذ بہت عمدہ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے سکہ انگریزی ' غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ' یہ انھیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc); Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے نا گزیر ہے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ—

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

صداقت کا بیان کیا ھے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ھوتے ھیں' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ھے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ھے —

کتاب بہت عمدہ' کاغذ پر مجلد چھپی ھے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ھے -

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ھر جگہہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ھیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رھی ھیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ھے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ھے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ھے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ھیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ھے - ساتھہ ھی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاھور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاھور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دھلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ' اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریو یو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ-مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں هندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زهرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواهر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یاد گار هیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارهروی و جناب تیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' هر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو هاتھوں هاتھہ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اهتمام و نفاست سے طبع هوا ہے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' هر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دهلی نے خاص اهتمام سے چھپوایا ہے-

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں هیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے- کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ —

اُردوے قدیم

مجلس دارالسورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگ‌زیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح خیالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس‌اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی' فارسی اُردو' انگریزی ' فرانسیسی' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب وتالیف کیا ہے- قابل دید ہے- قیمت قسم اول دو روپیہ' قسم‌دوم ایک روپیہ‌آٹھ‌آنہ -

معراج‌العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنھوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۹ آنہ —

مسکوکات قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلباے تاریخ دکن کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس‌اللہ صاحب' قیمت ۹ آنہ —

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و قصیدگانی شاعر ظہیر فاریابیؔ کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر ناقدانہ

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۲ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

• جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھایا ہے ' مرتضی' مشفق' کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات-قیمت ڈیرھ روپیہ—

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفی کمال پاشا کی کتاب " المسئلةالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' علمی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سیدجمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوئی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا ' قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا ' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا ' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت تیرہ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا۔ ان کی فیاضی' ہمدردی' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت تیرہ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاہدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپیہ	کلیات شبلی	تیرہ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۹ روپیہ	انقلاب الامم	۲ روپیہ
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ	برکلے	تیرہ روپیہ
سفر نامۂ مولانا شبلی	۲ روپیہ	مکالمات برکلے	تیرہ روپیہ
علم الکلام	۲ روپیہ	مثنوی بحرالمحبت	۱۲ آنہ
الکلام	۲ روپیہ	تفسیر ابو مسلم اصفہانی (عربی)	۲ روپیہ
		سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ

(نوٹ' کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

روح الاجتماع ۲ روپیہ

ابن رشد ۴ روپیہ

گل رعنا ۵ روپیہ

سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ

شعر الہند مجلد ۵ روپیہ

شعر الہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

تیاتر (فارسی) ۲ روپیہ ۸ انہ

تاریخ سنی ملوک الارض (عربی) ۲ روپیہ ۸ آنہ

نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ

رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ

تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ

ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دہلی)

الخلافت الکبری ۵ روپیہ

الصراط المستقیم ۲ روپیہ

بصائر ۶ آنہ

سیرۃ الرسول ڈیڑھ روپیہ

خلافت راشدہ ۲ روپیہ

خلافت بنی امیہ ڈیڑھ روپیہ

خلافت عباسیہ ۲ روپیہ

خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ

مبادی معاشیات ۱ روپیہ

انتخاب کلام میر (از نورالرحمن صاحب) ۱ روپیہ

قواعد عربی ۲ روپیہ

عرض جوہر ۸ آنہ

مجموعۂ کلام جوہر ۶ آنہ

اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ

ازہار العرب (عربی) ۸ آنہ

انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ

ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ

خطبۂ شیخ الہند ۴ آنہ

خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ

ہمارے نبی ۸ آنہ

تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۶ روپیہ

قاموس المشاہیر جلد دوم ۶ روپیہ

نکات غالب مجلد ۱ روپیہ

دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ

دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑھ روپیہ

دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ

دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ڈیڑھ روپیہ

خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ

خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ

لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ

انتخاب زریں مجلد ۳ روپیہ

مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ

مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ

قسم دوم ۴ روپیہ

قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ

مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مکاتیب اکبر	۱ روپیہ	میلاد نبوی	۴ آنہ
میلاے سخن	۱ روپیہ	تصویر درد	۴ آنہ
حزن اختر	۸ آنہ	شمع و شاعر	۲ آنہ
درس عمل	۴ آنہ	فریاد اُمت	۳ آنہ
خواتین انگورا	۱ روپیہ	(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)	
بیگمات بنگال	۶ آنہ	صبح زندگی	۱ روپیہ ۸ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر	۴ آنہ	شام زندگی	۱ روپیہ ۴ آنہ
مشرقی ترکستان	۶ آنہ	شب زندگی ہر دو حصہ	۲ روپیہ ۴ آنہ
سیاحت زمین	۱ روپیہ	منازل السائرہ	۱ روپیہ
سیاحت ہوا	۱ روپیہ	سلنجوگ	۱۰ آنہ
(الناظر پریس - لکھنؤ)		جواہر قدامت	۱ روپیہ ۸ آنہ
فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب		تحفۂ سائنس	۲ روپیہ ۸ آنہ
	۱ روپیہ ۸ آنہ	مشاہیر ہند	۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ	نیلی چھتری	۱ روپیہ ۴ آنہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد	۳ روپیہ	بہرام کی گرفتاری	۱ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری	۱ روپیہ ۴ آنہ	اختر النسا بیگم	۱ روپیہ ۸ آنہ
اصول المسح	۶ آنہ	روشنک بیگم	۲ روپیہ
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ	رانی کرونارت	۱ آنہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ	رسوم دہلی	۴ آنہ ۶ پائی
ہوم رول	۵ آنہ	ان پورنا دیوی کا مندر	۱ روپیہ ۸ آنہ
خوان دعوت	۱ روپیہ	ایام غدر	۱ روپیہ ۴ آنہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ	نقش فرنگ	۱ روپیہ ۴ آنہ
و کرم عروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ	پریم پچیسی مکمل	۳ روپیہ
مسلمانوں کی تہذیب	۶ آنہ	پریم بتیسی حصہ اول	۱ روپیہ ۸ آنہ
الاحسان	۸ آنہ	بانگ درا غیر مجلد	۴ روپیہ
ارض نہرین	۴ آنہ	نعمت خانہ	۱ روپیہ ۴ آنہ
تذکرۂ حزین	۴ آنہ	چندن ہار	۲ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ	انمول موتی	۱ آنہ ۹ پائی
خطاب	۴ آنہ	سوکن کا جلاپا	۶ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گوهر مقصود	۹ آنه	تین توپیاں	۸ آنه
لیلیٰ	۲ روپیه	ظفر کی موت	۴ آنه
سواءالسبیل	۱ روپیه	قزاق	۸ آنه
سخندان پارس	۱۰ آنه	بگڑے دل	۸ آنه
قوانین دولت	۴ آنه	(دوسری قابل قدر کتابیں)	
میلا	۱۲ آنه	رسائل شبلی	۱ روپیه ۸ آنه
چترا	۱۲ آنه	کتب خانۂ اسکندریه	۵ آنه
امتیاز پچیسی	۸ آنه	بشریٰ	۶ آنه
دلپسند کہانیاں	۱۲ آنه	زکریٰ	۱۰ آنه
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنه	سیرالمصنفین	۲ روپیه
(تصا نیف نورالهي و محمدعمر صاحبان)		جہاں آرا بیگم	۸ آنه
موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیه		
ناٹک ساگر [یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ]			
مجلد ۳ روپیه			

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیه چارآنه کمی قیمت کے ساتھ دي جائینگی - اُمید هے که ناظرین اس رعایت سے فائدہ اُٹھا ئینگے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں‘ ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی‌خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے—

اِن معاونوں کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی—

انجمن ترقی اُردو- اورنگ آباد (دکن)

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کے تصانیف
جو دفتر دلگداز کترہ بزن بیگ خاں لکھنؤ
میں موجود ھیں

(تاریخ اور لائف)

جنید بغدادی

سلسلۂ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب' حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی - آپ کی تعلیمیں' آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفۂ الہی ۱ روپیہ—

حسن بن صباح

بانیء فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی - اُس کی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور اس کے جانباز فدائی - ۶ آنہ—

ملکۂ زنوبیہ

ارض شام کی ایک عربی نژاد ملکہ جو ظہور نیر اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا - ۳ آنہ—

افسانۂ قیس

مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی - جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شایع ھوے تھے - ۳ آنہ—

ابوبکر شبلی

آپ کے حالات' آپ کا جوش وحدت اور جذب و خروش ۱ روپیہ—

خواجہ معین الدین

حضرت قطب الہند خواجہ اجمیری کے مستند تاریخی حالات و کمالات - ۶ آنہ—

سکینہ بنت حسین

جناب امام حسین(رض) کی صاحبزادی کے سچے تاریخی حالات - ۲ آنہ—

قرۃ العین

ایران کی ایک مشہور مجتہد زادی کے دلچسپ حالات ڈھائی - آنہ—

ولادت سرور عالم

مولد شریف مصنفہ علامہ ابوالفرج بن جوزی رحمۃ اللہ کا اُردو زبان میں فصیح و بلیغ ترجمہ - نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں ۸ آنہ —

ذي النورين

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی ۱۰ آنہ—

ثانی اثنین

حضرت ابوبکر صدیق (رض) کے حالات زندگی ۲ آنہ —

ابوالحسنین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی ۸ آنہ —

——:O:——

(ناول)

یوسف و نجمہ مکمل

ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول - ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد کا ایک واقعہ - جگ بیتی نہیں آپ بیتی - کیا موثر ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میري ۱ روپیہ ۸ آنہ—

شوقین ملکہ

دوسری صلیبی لڑائی کے واقعات الینر ملکۂ فرانس کی عشق بازیاں - مردوں کے پہلو میں زنانہ کیمپ او. اُس کی سحر آفرینیاں - عجب مزے کا ناول ھے ۱ روپیہ ۸ آنہ—

فتح اُندلس

اسپین پر عربوں کا حملہ - جولین حاکم سبطہ کی بیٹی کے ساتھہ مسیحی شاہ اسپین کی دغابازی - اور آخر اُن مظالم کا مسلمانوں کے ھاتھہ سے عجب لطف کے

ساتھ خاتمہ - صرف ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے سچے واقعات میں کیسی جان ڈالی ہے ۲ روپیہ —

مقدس نازنین

ایک انگریز لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے میں ترقی کر کے پوپ منتخب ہو جانا - مسند پاپائی پر بیٹھ کے اُس کا وضع حمل - مسیحیوں میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھ سے اُس کا نجات پانا ۱ روپیہ ۸ آنہ —

فلورا فلورندا

ھسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان میں عیسائیوں کی حالت اور اُن کا مجذوبانہ جوش شہادت - ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور محو حیرت بنا دینے والا انجام ۱ روپیہ ۸ آنہ —

ایام عرب

[دو حصہ] - جاہلیت عرب کے رسم و رواج - شاعری اور بہادری - رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق - دو عربی شاہزادیاں اور دو عربی سچے بہادر نوجوان اور پھر اُس کے ساتھ عربی مکاری دغابازی اور انتقام لینے کی تصویر - دربار بنی غسان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیریں و مریم کی سرگذشت ۲ روپیہ ۸ آنہ —

ملک العزیز ورجنا

تیسری صلیبی لڑائی - رچرڈ شیر دل - اور صلاح الدین اعظم - معرکۂ کارزار - جانبازی اور سرفروشی - اور پھر اُس کے ساتھ سچا عشق - دس آنہ —

حسن اینجلنا

روس اور روم کی لڑائی - ایرانیوں اور ترکوں کی پھوٹ - اس کا انجام اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد - دس آنہ —

منصور موہنا

ارض سندھ میں ایک مسلمان انصاری خاندان - اس کی تباہی اور پھر محمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا - حسن و عشق کی نہایت دلفریب و دلکش تصویریں - مسلمان مجاہدوں کے آگے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری - دس آنہ —

فردوس بریں

نہایت ہی حیرت انگیز ناول فرقۂ باطنیہ - حشیشین - اور اُن کے فدائی - جیتے جی

جنت کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حور بن جانا - اور اُس کے عاشق کا باطنی لوگوں کے هاتھه میں پڑ کے خراب هونا- اعلیٰ درجے کا ظاهری فلسفۂ الٰهی اور اُس کا دوسرا نهایت تاریک باطنی رخ - اس مسئلے کی توضیح که هر ظاهر کا ایک باطن هے- بے مثل و بے نظیر ناول هے- قیمت ایک روپیه —

شهید وفا

غرناطه اور اسپین میں مسلمانوں کا زوال اور اس زوال کی حالت میں بهی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا - بیتابانه عشق - حسرت و اندوہ کی سچی تصویر قیمت ایک روپیه —

درگیش نندنی

بابو بنکم چندر چٹر جی کے اِسی نام کے دلچسپ ناول کا ترجمه نهایت فصیح اُردو میں-قیمت ایک روپیه —

دلچسپ

[دو حصے] مصنف کا پهلا زور قلم - عشق اور اُس کی بیتابیاں - خاندانی جهگڑے- بگڑے شریف زادے-اس کا دلکش لٹیریچر خاص شان اور خاص رنگ کا هے — قیمت چودہ آنه —

دلکش

[دو حصے] طالب علمی اور عشق - نهایت هی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نهایت دلکش و پر لطف- قیمت چودہ آنه —

ڈاکو کی دولهن

ایک نهایت هی دلچسپ انگریزی ناول جس کا ترجمه کرکے دلگداز میں شایع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - قیمت بارہ آنه —

آغاصادق کی شادی

لکهنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر-جو عورتیں دهوکه دے کے کوئی اور صورت دکها دینا معمولی بات سمجهتی هیں اُن کی غفلت کا خمیازہ— قیمت دس آنه —

بدرالنسا کی مصیبت

ایک حسرت ناک داستان جس میں ریل پر بیبیوں کے بدل جانے سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا هوئیں- قیمت چهه آنے —

ماہ ملک

دولت غوریہ کا عروج، سلاطین غوریہ کے کارنامے اور اُس عہد کي معاشرت -
۲ روپیہ—

طاھرہ

لکھنؤ کے آخري عہد شاھي کا ایک نہایت ھی دلکش اور دلچسپ ناول جس سے ھماری معاشرت کو بہت سے فائدے پہونچ سکتے ھیں بالکل نیا اور اچھوتا -
۱ روپیہ—

حسن کا ڈاکو

حرام پور کے نواب کا اعمال نامہ حصۂ اول ۱۲ آنہ حصۂ دوم ۱۲ آنہ—

اسرار دربار حرام پور حصۂ اول و حصۂ دوم

نواب مذکور کے رھے سہے حالات - فی حصہ ۵ آنہ—

خوفناک محبت

ھندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ھو سکتی ۱ روپیہ ۴ آنہ—

غیب دان دولھن

بی بی کی حیرت انگیز غیب دانی ۱ روپیہ—

مینا بازار

شاھجہاں کے عہد کا ایک دلچسپ اخلاقی و تاریخی ناول ۱ روپیہ --

نیکی کا پھل

مولانا کا سب سے آخری تاریخی ناول - ۱ روپیہ—

——: o :——

(ڈرامے اور نظمیں)

اسیری بابل

گولڈاسمتھہ کے ایک ڈراما کا نظم اُردو میں ترجمہ - ۴ آنہ—

زمانہ اور اسلام

ایک پرسوز و گداز نظم - ۳ آنہ—

شب غم

فراق کی بیتابیاں اور بیقراریاں - ۱ آنہ—

——:o:——

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ

معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک پر مغز رسالے کا ترجمہ - ۳ آنہ—

حلیۃ العذرا (فارسی)

دین برحق حنیفی کی تاریخ جس میں انبیاے سلف کے صحیح مشرح حالات کے سلسلے میں تاریخ قدیم بھی درج کر دی گئی ھے - اسیریا - مصر - یونان - روم کے پورے تاریخی حالات موجود ھیں اور ملت ھاے یہود و نصاریٰ کی سچی تاریخ معلوم ھو جاتی ھے اور کل سنین ولادت محمدی سے نکالے گئے ھیں - اس کتاب کو مولانا نے اپنی صاحبزادی کی تعلیم کے لئے نہایت سلیس و فصیح فارسی میں لکھا اور چکنے سفید ولایتی کاغذ پر چھپوایا ھے - قیمت حصۂ اول' ۱ روپیہ- حصۂ دوم ۲ روپیہ ۸ آنہ' کامل ۳ روپیہ ۸ آنہ—

سرسید کی دینی برکتیں

اِس کا بیان کہ سرسید احمد مرحوم سے مسلمانوں کو کیسا دینی فائدہ پہنچا - ۲ آنہ—

ھندوستان کی موسیقی

مولانا شرر کا ایک عالمانہ لکچر جس میں ھندی موسیقی پر عربی موسیقی کا اثر دکھایا ھے ۴ آنہ—

معیار زندگی

مولانا مرحوم کا ایک قابل قدر لکچر ۴ آنہ—

معتزلہ

فرقۂ معتزلہ کے مفصل حالات - اس فرقے کا عروج و زوال ۱۲ آنہ—

——:•:——

دلگداز کی جلدیں

جلد دلگداز سنہ ۱۸۹۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۶ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۷ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۸ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۱۹ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۱ ع یہ جلد ۱۹۲۰ ع و ۱۹۲۱ ع میں مرتب (ہوئی مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۲ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۳ ع (مکمل بارہ پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۲۴ ع (دس پرچے) ۱ روپیہ ۴ آنہ

———:*:———

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

اتالیق بی بی

میاں بی بی کی نوک جھوک خلوت کا جاسوس ۸ آنہ—

پاداش عمل

رینالڈز کے مشہور ناول کلتھہ کا نہایت فصیح اور عام پسند ترجمہ یہ ناول نہایت ھی دلچسپ اور دیکھنے کے قابل ھے جن لوگوں نے دیکھا بہت پسند کیا-پانچ جلدوں میں پورا ھوا-حصۂ اول ۱ روپیہ ۴-آنہ حصۂ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ سوم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ - حصۂ پنجم ۱ روپیہ ۱۲ آنہ - مکمل کی قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ

دولت ھسپانیہ عرب

خود اسپین کا مورخ کانڈی وہ ھے جس کی نسبت یقین کرنا چاھئے کہ اسلام

کا دلدادہ اور مسلمان تھا۔ اصل عربی و ہسپانی تاریخوں سے اخذ کرکے ایک صدی پیشتر اِس نے یہ صحیح تاریخ لکھی تھی جو تقریباً پانچ پانچ سو صفحوں کی تین جلدوں میں ہے۔ اِس کا ترجمہ یورپ کی سب زبانوں میں ہوگیا ہے۔ اب مولوی محمد صدیق حسن صاحب نے بڑی محنت سے اور عربی ناموں کی تصحیح کے ساتھہ اُس کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ قیمت حصۂ اول ۱ روپیہ حصہ دوم ۱ روپیہ ۴ آنہ حصہ سوم ۲ روپیہ ۲ آنہ۔ حصۂ چہارم ۱ روپیہ ۴ آنہ۔ حصۂ پنجم ۲ روپیہ —

رفع النقاب

مروجہ پردہ کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۸ آنہ —

رامائن کے بعض سین ۴ آنہ —

مسلمان تاجداران ہند حصۂ اول

یعنی مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مستند اور نہایت بکارآمد تاریخ جس میں خلافت فاروقی سے آخر عہد سلاطین غوریہ تک کے حالات بہت اچھی اور سادی زبان میں بیان کردیے گئے ہیں قیمت فی جلد ساڑھے ۵ آنہ —

مسلمان تاجداران ہند حصۂ دوم

جس میں غلام تاجداروں کے عہد سے صاحبقران تیمور کے حملے تک کے تمام حالات بیان کردیے گئے ہیں۔ قیمت ساڑھے ۶ آنہ —

مسلمان تاجداران ہند حصۂ سوم

جس میں صاحبقران تیمور کے ہندوستان سے جانے کے بعد جو سلطنتیں قائم ہوئیں اُن کا اور سلاطین سادات اور لودھی و بابر و ہمایوں و شیر شاہ اور اس کے خاندان کے دیگر بادشاہوں کا حال لکھا گیا ہے۔ قیمت ۸ آنہ —

مجذوب

جنگ کریمیا کے واقعات پر ایک دلچسپ ناول جس میں سباسٹپول اور پیرس کے مناظر اور انگریزی اور فرانسیسی معاشرت کے اختلافات نہایت خوبی کے ساتھہ بیان کئے گئے ہیں قیمت ۸ آنہ —

مولانا شرر مرحوم کی یاد گار

دلگداز

لکھنؤ کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اُردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹیریچر سے بہرہ دیا - خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال مابعد کے چندے اور محصولڈاک پروی‌پی روانہ کردیا جاتا ہے قیمت سالانہ مع محصولڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے دلگداز کا وی پی ایک روپیہ گیارہ آنے کا اور ناول کا اُس کا محصول بڑھاکے ایک روپیہ بارہ آنے کا بھیجا جاتا ہے —

منیجر دلگداز

کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

اُردو

جلد ہفتم　　　　　　　　　　　　حصۂ بست و ہشتم

اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرستِ مضامین

۱۲۶۱ هجری میں دهلی کا ایک مشاعرہ

از

[جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی - اے دهلوی]

۱ - تمہید

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت بر قرار

بقول غالب مرحوم انسان "ایک محشر خیال" هے لیکن خیال میں حشر بپا هونے کے لئے کسی بیرونی تحریک کا هونا لازمی هے - دماغ خیال کا گنجینہ هے ' لیکن اس گنجینے کے کهلنے کے واسطے کسی ظاهری اسباب کی کُنجی کی ضرورت هے - مجھے بچپن سے شعراے اُردو کے حالات پڑهنے اور سننے کا شوق رها هے ' مگر کبهی کوئی ایسی تحریک نہیں هوئی جو اُن کے حالات کو ایک جگه جمع کرنے کا خیال پیدا کرتی - اور یه خیالات الفاظ کی شکل میں ظاهر هوکر ایک خوشنما چلتی پهرتی تصویر بن جاتے -

جب کوئی بات هونیوالی هوتی هے تو اسباب خود بخود پیدا هوجاتے هیں - اتفاق دیکهئے که پرانے قدیم کاغذات میں مجهکو حکیم مومن خاں 'مومن' دهلوی کی ایک قلمی تصویر ملی؛ تصویر کا ملنا تها که یه خیال پیدا هوا که تو بهی محمدحسین آزاد مرحوم کے "نیرنگ خیال" کی محفل شعراء کی طرح ایک مشاعرہ قایم کر ' مگر اُن لوگوں کے کلام پر تنقید کرنے کی بجاے صرف اُن کی چلتی پهرتی تصویریں دکها - خیال میں رفته رفته پختگی هوئی اور اس پختگیء خیال نے ایک مشاعرے کا خاکه پیش نظر کردیا - لیکن یه سمجهه میں نہیں آتا تها که مختلف زمانوں کے شاعروں کو کس طرح ایک جگه جمع کروں اس عقدے کو امیراللہ تسلیم مرحوم کے اس شعر نے حل کردیا —

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

اس شعر کا یاد آنا تھا کہ شعرائے دہلی کا آخری دور آنکھوں کے سامنے پھر گیا - اور دل میں یہ بات جم گئی کہ بجائے تمام شعرائے اُردو کے، دہلی کے آخری دور کا نقشہ کھینچ دیا جائے - قاعدے کی بات ہے کہ مرنے سے پہلے بیمار سنبھالا لیتا ہے - اُردو شاعری کے حق میں بہادر شاہ ثانی کا زمانہ بھی دہلی کا سنبھالا تھا - بادشاہت برائے نام تھی اور جو تنخواہ بادشاہ سلامت کو ملتی تھی اس میں قلعہ کا خرچ بھی مشکل سے چلتا تھا - برخلاف اس کے دکن اور اودہ میں دولت کی گنگا بہ رہی تھی، پھر بھی "دریائے جمنا کی چمکیلی ریت" دہلی والوں کے لئے نظر فریب رہی اور اس "اُجڑے دیار" میں شعرا ہی نہیں ہر فن کے کاملوں کا ایک ایسا مجمع ہو گیا جس کی نظیر ہندوستان تو ہندوستان دوسرے کسی ملک میں بھی ملنی دشوار ہے—

زمانہ ایک رنگ پر نہیں رہتا - ۱۸۵۷ع سے قبل ہی ان کاملین فن میں سے بہت سے تو ملک عدم کو سدھارے، جو بچے کُھچے رہ گئے تھے ان کو غدر کے طوفان نے تتر بتر کر دیا - جس کو جہاں کچھہ سہارا ملا، وہیں کا ہو رہا - دہلی برباد ہو کر حیدرآباد اور رامپور آباد ہوے - اکثر شرفا گھروں سے ایسے نکلے کہ پھر ان کو دہلی کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی، جو رہ گئے ہیں وہ چلنے چلانے کو تیار بیٹھے ہیں؛ بہت سے اُٹھہ گئے، بہت سے اُٹھتے جاتے ہیں؛ اور ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ کوئی یہ بتانے والا بھی نہ رہے گا کہ مومن مرحوم کا مکان کہاں تھا، جس طرح سوائے میرے اب شاید کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی قبر کہاں ہے—

ان حالات کو دیکھہ دیکھکر مجھے خیال آیا (اس خیال کی محرک مومن مرحوم کی تصویر بھی ہوئی) کہ "اُردو" کے لئے ان سے ایک ایسا تو چراغ روشن کر لوں

جس کی روشنی میں آنے والی نسلیں زبان اُردو کے ان محسنوں کی شکلیں (خواہ وہ دھندلی ھی کیوں نہ سہی) دیکھہ سکیں اور ان کا کلام پڑھتے وقت کم سے کم ان کی صورتوں کا ایک موھوم سا نقشہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے پھر جاے۔ جو لوگ علمی مذاق رکھتے ھیں وہ جانتے اور سمجھتے ھیں کہ کسی کا کلام پڑھتے وقت اگر اس کی شکل و صورت، حرکات و سکنات، آواز کی کیفیت، نشست و برخاست کے طریقے، طبیعت کا رنگ اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کے لباس اور وضع قطع کا خیال دل میں رھے تو اس کا کلام ایک خاص اثر پیدا کردیتا ھے اور پڑھنے کا لطف دوبالا ھوجاتا ھے - ورنہ مصنف کے حالات سے واقف ھوے بغیر اسکی کسی کتاب کا پڑھ لینا گراموفون کے ریکارڈ سننے سے زیادہ موثر نہیں ھوتا - یہی وجہ ھے کہ آجکل مہذب ممالک کے کسی مصنف کی کوئی کتاب شائع نہیں ھوتی جس کے شروع میں اسکے حالات درج نہ کئے جائیں اور وہ واقعات نہ دکھائے جائیں جن کی موجودگی میں وہ تصنیف ضبط تحریر میں آئی —

یہی خیالات تھے جنھوں نے مجھے ان چند اوراق کے لکھنے پر آمادہ کیا - اس البم میں آپ ایسی بہت سی تصویریں دیکھیں گے جو ان کاملین فن نے اپنے ھاتھہ سے خود کھینچی ھیں؛ بہت سے ایسے مرقعے پائیں گے جو دوسرے مصوروں کے ھاتھہ کے بنے ھوے ھیں؛ بعض ایسے نقش و نگار ملیں گے جو فوٹو یا قلمی تصاویر دیکھکر الفاظ میں اُتارے گئے ھیں؛ اکثر و بیشتر ایسی صورتیں ھوں گی جو خود میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھکر بنائی ھیں - لیکن ھر صورت میں شہادت تائیدی کے مقابلے میں شہادت تردیدی کو زیادہ وقعت دی ھے یعنی اگر کسی واقعے کے متعلق ایک بھی مخالف بات معلوم ھوئی تو اس واقعے کو قطعاً ترک کر دیا—

اگر اتنے سارے حلیے ایک جگہ ھی جمع ھو جاتے تو یقیناً یہ مضمون فوج کے چہروں کا رجسٹر بن کر بے لطف ھو جاتا لیکن اِدھر تو آزاد مرحوم کے نیرنگ خیال نے دل میں مشاعرہ کا خیال ڈالا، اُدھر کریم الدین مغفور کی کتاب

طبقات الشعرائے ہند کے طبقۂ چہارم نے رجب ۱۲۶۱ ھجری کے ایک مشاعرے کا پتہ دیا - اب کیا تھا دونوں کو ملا کر ایک مضمون پیدا کر لیا ' رہی رنگ آمیزی اس کی تکمیل میں خود کر دیتا ہوں - البتہ اچھے برے کی ذمہ داری نہیں لیتا—

بحیثیت مورخ ۱۲۶۱ ھجری کے واقعات میں خود اس طرح لکھ سکتا تھا گویا یہ سب میرے چشم دید ہیں - اور

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

پر نظر رکھتے ہوے اس زمانے کا بھی "مرزا الم نشرح" بن سکتا تھا - مگر میرے دل نے گوارا نہیں کیا کہ کریم الدین مرحوم کی کامیابی کا سہرا اپنے سر پر باندھوں اور ایسے شخص کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینکدوں جس نے اس مشاعرے میں بہت بڑا حصہ لیا تھا ؛ جس کے مکان پر یہ مشاعرہ ہوا تھا اور جو اس مشاعرے کی روح رواں تھا - یہ ضرور ہے کہ ان کی یہ مجلس محدود تھی اور میں نے اس کو اتنی وسعت دی ہے کہ اُس زمانے کے تقریباً سب بڑے بڑے شعراء کو اس میں لا بٹھایا ہے - اب اس میں مجھے کامیابی ہوئی یا نہیں اس کا اندازہ قارئین کرام فرما سکتے ہیں - اگر ہوئی ہے تو زہے نصیب میری محنت ٹھکانے لگی' اگر نہیں ہوئی تو کم سے کم یہی سمجھ کر میری داد دی جاے کہ " مرزا صاحب نے بات تو اچھی پیدا کی تھی مگر نباہ نہ سکے'جو ان سے نہیں ہوا وہ اب ہم کر دکھاتے ہیں"- ممکن ہے کہ اس طرح کوئی قلم کا دھنی ان "خفتگان خاک" کا ایک ایسا مرقع تیار کردے جو بزم ادب اُردو میں سجانے کے قابل ہو—

لیجئے "میں" اب "مولوی کریم‌الدین صاحب" کی جون میں حاضر خدمت ہوتا ہوں' لیکن یہ ضرور عرض کئے دیتا ہوں کہ جب میں اپنی تمام محنت "کریم‌الدین صاحب" کے نذر کر رہا ہوں تو جو کچھ برا بھلا آپ کو اس مضمون کے متعلق کہنا ہے وہ مجھے نہ کہئے' مولوی صاحب کو کہئے اور خوب دل بھر کر کہئے - میں خوش اور میرا خدا خوش - والسلام—

۲ - تدبیر

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا　　نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

میرا نام کریم‌الدین ہے - میں پانی پت کا رہنے والا ہوں یہ قصبہ دہلی سے ۴۰ کوس پر بجانب شمال مغرب واقع ہے اور اپنی لڑائیوں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہے - ہم اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے؛ مولویوں کا خاندان تھا؛ لیکن زمانے کی گردش نے ایسا پیسا کہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگئے؛ جائداد ضبط ہوگئی؛ میرے دادا صاحب قبلہ ایک مسجد میں جا بیٹھے اور اللہ اللہ کرکے گزاردی - جب ضبط شدہ جائدادوں کے متعلق دریافت شروع ہوئی تو توکل نے انکا دامن پکڑلیا؛ اپنی جگہ سے نہ ہلے - نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے روٹیوں کا سہارا کھو بیٹھے - میرے والد سراج الدین مرحوم بمصداق عصمت بی بی از بے چادری متوکل بنے رہے اور مسجد میں ایسے بیٹھے کہ مر کر اٹھے - میں ۱۲۳۷ ہجری میں عین عیدالفطر کے دن پیدا ہوا - میری تعلیم انہی دونوں بزرگوں کے ہاتھوں ہوئی - لیکن بے چین طبیعت اور خاندانی جھگڑوں نے آخر پانی پت چھڑایا - اس زمانے میں دہلی میں علم کا بڑا چرچا تھا ہر فن کے کاملوں سے دہلی بھری پڑی تھی؛ ہر سمت علم کے چشمے جاری تھے ''ملا کی دوڑ مسجد'' میں بھی پانی پت چھوڑ دہلی آگیا - کاپی نویسی سے گزارا کرتا؛ محنت مزدوری کے بعد ہی ذوق علم ہر حلقہ درس میں مجھے لے جاتا - اسی زمانے میں دہلی کالج کی تنظیم جدید ہوئی تھی - طالب علموں کی تلاش تھی؛ میں بھی ۱۸ سال کی عمر میں وہاں شامل ہوگیا - سولہ روپیہ وظیفہ بھی مقرر ہوا اور اس طرح میں نے علم کی پیاس بڑی حد تک بجھائی، لیکن یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ علم کو علم کے لئے حاصل کیا جاتا؛ اب اس کے ساتھ گزارہ کی ایک بڑی شق لگ گئی تھی - اس لئے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ایک مطبع کھولا - قاضی کے حوض پر مبارک‌النساء بیگم کی حویلی کرایہ پر لی - عربی کی مشہور کتابوں کے ترجمے چھاپے لیکن مطبع جیسا چلنا چاہئے تھا نہ چلا - یہ اُردو شاعری کے

شباب کا زمانہ تھا - بادشاہ سے لیکر فقیر تک سب اسی رنگ میں رنگے ہوے تھے خیال آیا کہ ایک مشاعرہ قائم کر کے شعراء کے حالات اور ان کا کلام طبع کروں ' ممکن ہے کہ اس طرح مطبع چل جاے - مجھے شاعری سے نہ کبھی لگاؤ تھا اور نہ اب ہے' بلکہ شعر کہنا میں برا جانتا ہوں ؛ کیونکہ اہل علم کا یہ پیشہ نہیں ہے - وہ لوگ جو معیشت سے فارغ البال ہیں اپنے دل بہلانے اور حسرت نکالنے کے لئیے شاعری کرتے ہیں —

میں خود عالم ہوں ' میرے باپ دادا عالم تھے ' بھلا میں تو اس قسم کے فضولیات کی طرف توجہ بھی نہ کرتا ' مگر کیا کروں ' ضرورت سب خیالات پر حاوی ہوگئی اور مجھے قیام مشاعرہ پر مجبور کیا - لیکن بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک تو اس شہر میں غریب اور خاص کر پردیسی غریب کو منہ نہیں لگاتے ؛ دوسرے یہ کہ میری جان پہچان تھی تو مولویوں سے وہ بھلا اس معاملے میں میرا کیا ساتھہ دے سکتے تھے- سوچتے سوچتے نواب زین‌العابدین خان 'عارف' پر نظر پڑی ' اُن سے دو چار دفعہ ملنا ہوا تھا - بڑے خوش اخلاق آدمی ہیں - لال کوئیں کے پاس ایک حویلی ہے اس کو مدرسہ بھی کہتے ہیں ' وہاں رہتے ہیں- کوئی ۳۰ سال کی عمر ہے؛ گوری رنگت' اونچا قد اور نہایت جامہ‌زیب آدمی ہیں-البتہ داڑھی بھر کر نہیں نکلی‌ہے'تھوڑی ہی پر کچھہ گنتی کے بال ہیں - غالب کے بھانجے بھی ہیں اور شاگرد بھی-کچھہ عرصے تک شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی ہے' بہر حال اُن کی محبت' اُن کی شرافت اور سب سے زیادہ اُن کے رسوخ نے مجھے ان کی خدمت مین حاضر ہونے اور اس بارے میں ان کی امداد حاصل کرنے پر مجبور کیا - ایک روز صبح ہی صبح گھر سے نکل ان کے مکان پر پہنچا - معلوم ہوا کہ وہ حکیم احسن‌اللہ خاں صاحب وزیراعظم کے مکان پر تشریف لے گئے ہیں - حکیم صاحب کا مکان سرکی والوں ہی میں تھا - واپسی میں دروازے پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نواب زین‌العابدین خان اندر ہیں - چوبدار کے ذریعہ سے اطلاع کرائی- انہوں نے اندر بلا لیا - بڑا عالیشان مکان ہے '

صحن میں نہر ہے' سامنے بڑا چبوترہ ہے اور چبوترے پر بڑے بڑے دالان در دالان' مکان خوب آراستہ پیراستہ ہے ؛ ہر چیز سے امارت ٹپکتی ہے - سامنے گاؤتکیہ سے لگے نواب صاحب بیٹھے تھے- میں نے تو ان کو پہچانا بھی نہیں' سوکھ کر کانٹا ہوگئے تھے اور چہرے پر جھریاں پڑگئی تھیں - میں نے سلام کرکے کیفیت پوچھی - کہنے لگے '' مولوی صاحب کیا کہوں کچھ دل بیٹھا جاتا ہے بظاہر کچھ مرض بھی معلوم نہیں ہوتا' علاج کر رہا ہوں مگر بے نتیجہ - بھئی اب ہمارے چل چلاؤ کا زمانہ ہے کچھ دنوں دنیا کی ہوا کھا رہے ہیں - مگر یہ تو کہئے آج آپ کدھر نکل آئے ''- میں نے واقعات کا اظہار کر کے ضرورت بیان کی - تھوڑی دیر تک سوچتے رہے - پھر ایک آہ بھر کر کہا '' میاں کریم الدین تم کو بات تو اچھی سوجھی ہے' مگر بھئی اس کا نباہنا مشکل ہے - تمہیں خبر نہیں دہلی کے پہلے مشاعروں نے کیا کچھ دلوں میں فرق ڈالدئے ہیں - دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھ لوں جس میں یہاں کے سب کاملین فن جمع ہوجائیں' مگر مجھے یہ بیل منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی - اچھا تم بھی کوشش کرو' میں بھی کرتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صورت نکل آئے - ہاں ٹھیرو' حکیم صاحب کو آنے دو' ایک تجویز ذہن میں آئی ہے' اگر چل گئی تو میری بھی آخری خواہش پوری ہوجائیگی اور تمہارا بھی کام نکل جائے گا'' - ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حکیم صاحب نکل آئے - گورے چٹے آدمی ہیں' سفید بھری ہوئی ڈاڑھی' گول چہرہ اس میں کچھ کچھ چیچک کے داغ' آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی ؛ سر سے پاؤں تک سفید لباس پہنے ہوئے تھے ؛ فن طب میں کامل اور تاریخ کے عالم ہیں- میں آداب بجا لایا- میری طرف مسکرا کر دیکھا- اور نواب صاحب سے کہا ''آپ کی تعریف کیجئے''-اُنھوں نے کہا ''یہ میرے قدیم ملنے والوں میں سے ہیں- خود شاعر نہیں مگر شعر فہم ہیں - آجکل خیال پیدا ہوا ہے کہ شعراے دہلی کا ایک تذکرہ لکھیں اور اس میں ان کے حلیے اور ان کے کلام کے نمونے دکھائیں - مجھ سے

مشورہ کرنے آئے تھے - آپ جانتے ہیں مجھے ان چیزوں سے عشق ہے - اب اپنے آخری وقت میں چاہتا ہوں کہ پرانے رنگ کا ایک مشاعرہ اور دیکھ لوں اگر آپ مدد فرمائیں تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے "- حکیم صاحب کہنے لگے " میاں عارف خدا کے لئے تم ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیا کرو، ابھی جوان ہو ، انشاءاللہ خود طبیعت مرض پر غالب آجائیگی اور تمہیں مرض ہی کیا ہے، وہم ہی وہم ہے، مگرہاں یہ تو بتاؤ تم مجھ سےکس قسم کی مدد چاہتے ہو"- نواب صاحب نے کہا " حکیم جی اور کچھ نہیں اتنا کردو کہ میاں کریم‌الدین کو بارگاہ جہاں پناہی تک پہنچادو ، میں خود جاتا مگر ہمت نہیں ہوتی ، میں ان کو بہت کچھ سمجھا دونگا - اگر حضرت ظل‌اللہ اپنا کلام بھیجنے پر راضی ہوگئے تو مشاعرے کا جم جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے - اور اگر بدقسمتی سے انکار ہوگیا تو پھر مشاعرے کا خیال کرنا ہی فضول ہے - اب رہا مشاعرے کا انتظام وہ میں خود کرلوں گا ، کیونکہ یہ بچارے ان چیزوں کو کیا سمجھیں " - حکیم صاحب پہلے تو کچھ سوچتے رہے - پھر کہا " عارف ! تمہارے لئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں ، اس لئے اور بھی کرونگا کہ اس سے تمہاری طبیعت بہل جائیگی اور کچھ دنوں اس مشغلے میں لگ کر ممکن ہے کہ تمہارے دل سے مرض کا وہم جاتا رہے - بادشاہ سلامت سے تو میں کہتا نہیں ، ہاں آپ کے دوست کو صاحب عالم مرزا فتح‌الملک بہادر ٭ سے ملا دیتا ہوں - ان کو آجکل مشاعرہ کی لولگی ہوئی ہے ، حضور سے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکے ہیں مگر وہ ٹال گئے - اگر

٭ ان کا نام مرزا فخرالدین، خطاب مرزا فتح‌الملک، شاہ بہادر عرف مرزا فخرو اور تخلص 'رمز' تھا - بہادر شاہ ثانی کے منجھلے بیٹے تھے - مرزا محمد دارا بخت عرف مرزا شبو ولیعہد سلطنت کے انتقال کے بعد ۱۸۴۹ء میں ولیعہد ہوئے- مگر غدر سے پہلے ہی ۱۰- جولائی ۱۸۵۶ء میں ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا - ان کے انتقال کے بعد مرزا جوان بخت کی ولیعہدی کے جھگڑے ہوئے —

ان صاحب نے ذرا بھی زور دیا تو مجھے یقین ہے کہ صاحب عالم کہہ سن کر ضرور اجازت حاصل کرلیں گے - اچھا تو مولوی صاحب کل آپ ایک بجے قلعۂ معلیٰ میں آجائیے - میں چوبدار سے کہے جاتا ہوں ' یہ اندر پہنچادے گا ' آگے آپ جانیں اور آپ کی قسمت " - یہ کہہ کر حکیم صاحب نے خدابخش کو آواز دی - وہ آیا تو اس سے کہا کہ " کل یہ صاحب حویلی * میں ایک بجے آئیں گے ' ان کو میری بیٹھک میں پہنچا دینا " - یہ کہہ کر وہ نواب صاحب کی طرف متوجہ ہوگئے اور میں آداب کرکے واپس چلا آیا —

دوسرے روز ایک بجے کے قریب میں مولویانہ ٹھاٹھہ سے جبہ پہن ' شملہ باندھ قلعۂ معلیٰ پہنچا - لاہوری دروازے کے باہر خدابخش کھڑے ہوے تھے وہ مجھ کو حکیم صاحب کی بیٹھک میں لے گئے - یہ بیٹھک جس کو پہلے زمانے میں " نشست " کہا جاتا تھا دیوان عام سے ملی ہوئی تھی حکیم صاحب بیٹھے کچھہ لکھہ رہے تھے ' مجھے دیکھہ کر بولے - اجی مولوی صاحب ! میں نے آپ کا کام کردیا ہے : صاحب عالم مرزا فتح الملک بہادر سے صبح ہی کو ملنا ہوگیا ' وہ اس تجویز سے بڑے خوش ہوے - فرماتے تھے ' جہاں پناہ سے میں اجازت لئے لیتا ہوں ' مگر مشاعرے کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ ہم لوگ بھی آسکیں - خیر بیٹھئے ' شاید ابھی آپ کی یاد ہو - میں ایک طرف بیٹھہ گیا - بیٹھا ہی تھا کہ چوبدار نے آکر کہا ' " وہ کریم الدین کون صاحب ہیں ان کو حضور والا یاد فرماتے ہیں " - یہ سننا تھا کہ میرے پسینے چھوٹ گئے - میں سمجھا تھا کہ حکیم صاحب ہی کے پاس جاکر معاملہ طے ہوجائے گا ' یہ کیا خبر تھی کہ بارگاہ جہاں پناہی میں یاد ہوگی - اور یاد

---

* قلعۂ دہلی کو لال حویلی یا صرف حویلی بھی کہا جاتا تھا —
حافظ عبدالرحمن خاں احسان کا شعر ہے کہ

مری تنخواہ لوٹی ان لٹیروں نے حویلی میں
بہادر شاہ غازی کی دوہائی ہے دوہائی ہے

بھی ایسے وقت کہ میرا سانس بھی پیٹ میں پوری طرح نہیں سمایا ہوگا - " حکم
حاکم مرگ مفاجات " اُٹھا اور چوبدار کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا - تمام راستے
آیۃالکرسی پڑھتا رہا' آنکھ اُٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بندۂ خدا کدھر لئے جارہا
ہے - اندر سے قلعہ دیکھنے کا مدت سے شوق تھا ' اب جو موقعہ ملا تو کن انکھیوں سے
بھی دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی - چلتے چلتے آندہ آگئی - آخر خدا خدا کرکے چوبدار
نے دیوان خاص کی سیڑھیوں کے پاس لے جاکر کھڑا کر دیا اور آپ اندر اطلاع دینے
چلا گیا- حضرت جہاں پناہ اس وقت حمام میں رونق افروز تھے- جن صاحبوں نے دھلی
کا قلعہ نہیں دیکھا ہے وہ شاید نہ سمجھ سکیں کہ گرمیوں میں حمام میں بیٹھنے کے
کیا معنی - اصل یہ ہے کہ یہ حمام کیا ہے ایک عالی شان عمارت ہے- اس کے دو درجے
ہیں ' ایک گرم اور دوسرا سرد - عمارت کا جو حصہ موتی مسجد کی جانب ہے وہ
گرم ہے اور جو جمنا کے رخ پر ہے وہ سرد ہے - ریتی کے رخ خس کے پردے ڈال کر
خس خانہ بنا لیا جاتا ہے - اندر نہر بہتی ہے - بیچ میں کئی بڑے بڑے حوض ہیں '
ان میں فوارے چلتے ہیں - حمام کیا ایک بہشت کا ٹکڑا ہے - چوبدار جو گیا
تو آنے کا نام نہیں لیتا - دھوپ میں کھڑے کھڑے فشار ہوگیا - پسینہ میں تر بتر
گردن نیچی کئے کھڑا ہوں اور ناک سے پسینے کی بوندیں ٹپک رہی ہیں - ارادہ
ہوا کہ واپس چلا جاؤں ' مگر اول تو طلبی کے بعد بھاگ جانا ہی نازیبا ' دوسرے
راستہ کس کو معلوم - خدا خدا کرکے یہ مشکل آسان ہوئی اور چوبدار نے آکر کہا کہ
" چلئے " - اِس ایک لفظ نے خود بخود پاؤں میں لغزش اور دل میں کپکپی پیدا
کردی-خیر کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے پاؤں ڈالتا' حمام مبارک میں داخل ہوگیا-
چوبدار نے آواز دی " ادب سے ' نگاہ روبرو ' حضرت جہان پناہ سلامت ' آداب بجا
لاو " - میں نواب زین العابدین خاں صاحب سے یہ سبق پورا اور اچھی طرح پڑھ کر
آیا تھا ' دھرا ہوکر سات تسلیمات بجا لایا اور نذر گزارنی - نذر دیتے وقت ذرا
آنکھ اونچی ہوئی تو وہاں کا رنگ دیکھا - حضرت پیر و مرشد ایک چاندی کی

پلنگڑی پر لیٹے تھے ' پائنتی مرزا فخرو بیٹھے پاوں دبا رہے تھے - دہلی میں وہ کون ہے جس نے حضرت ظل‌اللہ کو نہیں دیکھا - میانہ قد ' بہت نحیف جسم ' کسی قدر لمبا چہرا ' بڑی بڑی روشن آنکھیں ' آنکھوں کے نیچے کی ہڈیاں بہت اُبھری ہوئی ' لمبی گردن ' چوکا ذرا اونچا ' پتلی ستواں ناک ' بڑا دہانہ ' گہری سانولی رنگت' سر منڈا ہوا' چھدری ڈاڑھی' کلوں پر بہت کم ' تھوڑی پر ذرا زیادہ ' لبیں کتری ہوئی - (۷۰) برس سے اونچی عمر تھی ' بال سفید بھق ہوگئے تھے : لیکن پھر بھی ڈاڑھی میں اکا دکا سیاہ بال تھا - چہرے پر جھریاں تھیں لیکن باوجود اس پیرانہ سالی اور نقاہت کے آواز میں وہی کرارا پن تھا - سبز کمخواب کا ایک برکا پیجامہ اور سفید ڈھاکے کی ململ کا کرتہ زیب بدن تھا - سامنے ایک چوکی پر جامہ وار کی خفتان اور کار چوبی چوگوشیہ ٹوپی رکھی ہوئی تھی - اب رہے مرزا فخرو تو وہ عین مین باپ کی تصویر تھے' ۳۲' ۳۳ برس کی عمر تھی' فرق تھا تو بس یہی کہ وہ بڈھے تھے ' یہ جوان - اُن کا رنگ بڑھاپے کی وجہ سے ذرا کلونس لے آیا تھا - اِن کا کُھلا گیہواں رنگ تھا- اُن کی ڈاڑھی سفید تھی ' اِن کی سیاہ- ورنہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ایک بادشاہ لیٹے ہیں اور ایک بیٹھے ہیں - دونوں نے مجھ پر ایک گہری نظر ڈالی اور بادشاہ سلامت نے فرمایا - " اماں * ! تمہارا ہی نام کریم‌الدین

---

* شاہان دہلی ہمیشہ مرد عورت دونوں کو " اماں " سے خطاب کیا کرتے تھے - چنانچہ اس طرز کلام کی جھلک ابتک حیدرآباد میں پائی جاتی ہے - مجھے بڑا تعجب ہے کہ ایک مورخ نے اس طریقۂ مخاطبت کی بنا پر قلعۂ معلی کی تہذیب و اخلاق پر حملہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ " بادشاہ کے اخلاق کی پستی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی "اماں" کہتا تھا " - معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب انگریزی نہیں جانتے تھے ورنہ انکو یہ پڑھ کر تعجب ہوتا کہ جس قوم کو وہ تہذیب کا پتلا اور اخلاق کا نمونہ ظاہر کرتے ہیں انکے ہاں بھی خاوند اپنی بیوی کو " اماں " ہی کہتا ہے اور بیوی خاوند کو کبھی "ابا" کبھی "دادا" پکارتی ہے —

(میرے خیال میں یہ " ارے میاں " کا اختصار ہے - چنانچہ اب بھی بے تکلف بول چال میں میاں کو ماں ہی کہہ جاتے ہیں - اڈیٹر)

ہے : تم کہیں باہر کے معلوم ہوتے ہو - " میں نے کہا کہ " خانہ زاد پانی پت کا رہنے والا ہے ، بچپن ہی سے حضرت ظل اللہ کے سایۂ عاطفت میں آ رہا ہے " فرمایا " اماں ! ابھی تمہارا ہی تذکرہ مرزا فخرو کر رہے تھے میرا خود جی چاہتا ہے کہ پہلے کی طرح دیوان عام میں مشاعرہ کروں ، مگر کیا کروں زمانے کی ہوا ایسی بگڑ گئی ہے کہ مناسب معلوم نہیں ہوتا - یہ صحیح ہے کہ " بود هم پیشه باهم پیشه دشمن " لیکن خدا محفوظ رکھے ایسی دشمنی بھی کس کام کی کہ دو گھڑی مل جل کر نہ بیٹھنے دے - دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا ؛ وہ کچھ دنوں ٹھیک چلا ، پھر میں نے دیکھا کہ بے لطفی بڑھ رہی ہے - اس لئے بند کردیا - منشی فیض پارسا نے اجمیری دروازے کے باہر غازی الدین خاں کے مدرسے میں مشاعرہ شروع کیا ، وہ تیلیوں کی طرح بکھر گیا - وہ تو کہو غنیمت ہوا کہ ردیف میں " تیلیاں " ہی تھیں ، کہیں خدانخواستہ اگر ردیف " کڑیاں " ہوتیں تو خدا معلوم کتنوں کے سر پھوٹ جاتے - تم مشاعرہ تو کر رہے ہو مگر ان ہاتھیوں کی ٹکر کیسے سنبھالو گے - اُستاد ذوق تو بچارے بے زبان آدمی ہیں ، مگر خدا بچائے حافظ ویران سے وہ ضرور لڑ مریں گے - اور تم جانتے ہو " اندھے کی داد نہ فریاد اندھا مار بیٹھے گا " کسی نے اگر مشاعرے میں استاد پر ذرا بھی چوٹ کردی تو ان نابینا صاحب کا سنبھالنا مشکل ہوجائے گا - میاں تم سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا "- میں نے عرض کی کہ " قبلہ عالم ! میری کیا ہمت ہے جو میں اتنے بڑے کام میں ہاتھ ڈال سکوں ، مشاعرے کا سارا انتظام نواب زین العابدین خاں 'عارف' نے اپنے ذمے لیا ہے - " فرمایا " تو پھر مجھے اطمینان ہے - یہ لڑکا بڑا ہشیار اور ذہین ہے ، مرزا نوشہ اور مومن خاں کو وہ سنبھال لے گا ، رہے اُستاد ذوق ان سے میں کہدوں گا - خدا نے چاہا تو اس طرح مشاعرہ چل جائے گا - مگر میں یہ کہے دیتا ہوں - کہ مشاعرے سے پہلے ان لوگوں سے مل لو - کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت پر انکار کر بیٹھیں - میں اور مرزا شبو تو آ نہیں سکتے ہیں - ہاں مرزا فخرو کو اپنی جگہ بھیج دوں گا اور

انشاءاللہ اپنی غزل بھی بھیجوں گا-ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم نے "طرح" کیا رکھی ھے :
"طرح" ھی تو بڑے جھگڑے کی چیز ھے - یہ ذرا سوچ سمجھ کر دینا -" یہ باتیں
ہو ھی رھی تھیں کہ بازو سے آواز آئی -" اے ھے ' یہ انا بچہ کو کیا بے طرح سلا
گئی ھے " - یہ سنتے ھی بادشاہ سلامت نے یہ فرمایا " لو بوا‌ئی ! یہ خود بخود
فال گوش مل گئی - تم اس مشاعرے میں کوئی " طرح " ھی نہ دو - جس شخص
کا جس بحر ' جس ردیف قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاھے پڑھے - نہ لینا ایک نہ
دینا دو -" میں نے عرض کی " تاریخ " فرمایا " ۱۴ رجب مقرر کردو ' دن بھی
اچھا ھے ' چاندنی رات بھی ہوگی ' آج پانچ تاریخ ھے نو دن باقی ھیں : اتنے دنوں
میں بہت کچھ انتظام ھوسکتا ھے : ۲۰ جولائی پڑے گی موسم بھی ٹھنڈا ھوجائے گا -
اچھا اب خدا حافظ " میں نے عمر و دولت و اقبال کو دعا دی اور خوش خوش الٹے
قدموں واپس ھوا - مرزا فخرو بیچ میں کچھ نہیں بولے مگر میں سمجھتا تھا کہ
یہ سب کیا دھرا انہیں کا ھے ' ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ خلوت شاھی - سچ ھے
" بگڑی بن جاتی ھے جب فضل خدا ھوتا ھے " - یہاں میں اتنا ضرور کہوں گا کہ
میرے لئے حضوری اتنا مشکل کام نہ تھی جتنا یہ الٹے پاؤں واپس ھونا - زمین
پاؤں کو نہیں لگی تھی ' اس لئے دو چار قدم ھی چلا ھوں گا کہ دیوار سے ٹکر کھائی
اس ٹکر سے نہیں سنبھلا تھا کہ نہر میں پاؤں جا پڑا - خیر بہ ہزار دقت باھر نکل
ھی آیا - اِدھر میں نکلا اُدھر چوبدار ساتھ ھوا - اس کو انعام دے دلا کر ٹالا - حکیم
صاحب کے پاس آیا - وہ میرے انتظار ھی میں بیٹھے تھے- ان سے تمام واقعہ بیان کیا -
فرمانے لگے " مولوی صاحب بات یہ ھے کہ مرزا فخرو بہت دنوں سے مشاعرے کے لئے
بیچین ھو رھے تھے - انھی کی یہ کارگزاری ھے ' ورنہ بھلا یہ معاملہ اس طرح تھوڑی
طے ھوتا - مگر چلو تمہارا کام بن گیا - میاں عارف سے بھی جاکر کہدو ' وہ میرے
ھی ھاں بیٹھے انتظار کررھے ھوں گے —

حکیم صاحب کے مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ واقعیً نواب صاحب میرے انتظار

میں بیٹھے ھیں - ان سے حالات بیان کئے - کہنے لگے کہ " چلو یہ مشکل تو آسان ہوئی اب تم یہ کرو کہ کل کم سے کم استاد ذوق' مرزا نوشہ اورحکیم مومن خان کے مکان کا گشت لگا ڈالو ؛ مگر دیکھنا ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا' یہ تینوں بڑے دماغ دار آدمی ھیں' اگر ذرا بھی تم سے بات چیت میں لغزش ہوئی تو یاد رکھو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا - جب دیکھو کہ ان میں سے کوئی ہاتھوں سے نکلا ھی جاتاھے تو میرا نام لے دینا - امید ھے کہ میرا نام سنکر شاید راضی ہوجائیں - دوسری بات یہ ھے کہ مبارک‌النساء بیگم کی حویلی جسمیں تمہارا مطبع ھے دو روز میں خالی کرکے بالکل میرے حوالے کردو' مجھے وہاں نشست کا انتظام کرنا ہوگا " میں نے کہا " اور میں کہاں جاؤں " فرمانے لگے "میرے مکان میں آٹھ نوروز کے لئے آجاؤ- تم کو تکلیف تو ہوگی مگر کیا کیا جاے - جب قلعہ کے لوگوں کو بلا رہے ھیں تو انھی کے رتبے کے موافق مکان کو بھی درست کرنا ہوگا - دیکھئے خرچ کیا پڑتا ھے "- میں نے کہا " مشاعرے میں خرچ ھی ایسا کونسا ہوتا ھے' زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپئے اُٹھ جائینگے" - یہ سنکر نواب صاحب مسکراے اور کہا " میاں کریم‌الدین- تم کیا جانو کہ ایسے مشاعروں میں کیا خرچ ہوجاتا ھے- ہزار دو ہزار میں بھی اگر پوتھہ پورا ہو گیا تو سمجھو کہ سستے چھوٹے " - یہ سنکر تو میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے-میں نے کہا "نواب صاحب اگریہ صورت ھے تومیرا ایسے مشاعرے کو دورھی سے سلام ھے؛ مطبع تومطبع اگر اپنے آپکو بھی بیچ ڈالوں تواتنی رقم نہ اُٹھے"- فرمانے لگے " بھئی تم اس خرچ کے جھگڑے میں نہ پڑو' خدا یہ مشکل بھی آسان کردیگا - جب میں نے اس کام میں ہاتھ ڈالا ھے تو میں جانوں اور میرا کام جانے - تم بیٹھے تماشہ دیکھو - مگر ہاں مکان کل تک خالی کردینا - تھوڑے دن تو رہ گئے ھیں' رات کم اور سوانگ بہت ھے - اب جاؤ خدا حافظ - تم تھک بھی گئے ہو' ذرا آرام لیلو اور کل صبح ھی سے اِدھر مکان خالی کرنے کی فکر کرو' ادھر ان تینوں استادوں کے مکان کا چکر لگاؤ - مکان خالی ہوجاے تو فوراً مجھے اطلاع دینا اور خود میرے ہاں چلے

آتا۔ اس میں شرم کی کونسی بات ھے ' آخر میری ھی وجہ سے توتم اپنا مکان چھوڑ رھے ھو''۔ وھاں سے نکل کرمیں اپنے گھر آیا ' مطبع کو بند کرتے کرتے اور سامان کو سمیٹتے سمیٹتے شام ھوگئی۔صبح اُٹھکر اپنے پہننے اُوڑھنے کا سامان تو نواب زین العابدین خان کے مکان پر روانہ کیا اور خود کابلی دروازے کی طرف چلا کہ پہلے استاد ذوق ھی سے بسم اللہ کروں —

کابلی دروازے کے پاس ھی ان کا مکان ھے' مکان بہت چھوٹا ھے' چھوٹی سی ڈیوڑھی ھے اس میں ایک طرف جاے ضرور ھے ۔ اندر صحن اتنا چھوٹا ھے کہ دو پلنگ بچھنے کے بعد راستہ چلنے کے لئے مشکل سے جگہ رھتی ھے ۔ سامنے چھوٹا سا دالان ھے اور اس کے اوپر ایک کمرہ۔ صحن میں سے زنانے مکان میں راستہ جاتا ھے۔ جب میں پہنچا تو اُستاد صحن میں بان کی کُھری چارپائی پر بیٹھے حقہ پی رھے تھے ۔ دوسری چار پائی پر ان کے چاھیتے شاگرد حافظ غلام رسول ویران بیٹھے تھے ۔ یہ اندھے ھیں اور انھی سے ھوشیار رھنے کے لئے حضرت جہان پناہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اُستاد ذوق قد و قامت میں متوسط اندام ھیں ' رنگ اچھا سانولا ھے ' چہرے پر چیچک کے بہت داغ ھیں۔ آنکھیں بڑی بڑی اور روشن اور نگاھیں تیز ھیں ۔ چہرے کا نقشہ کھڑا کھڑا ھے ۔ اس وقت سفید تنگ پیجامہ ' سفید کُرتہ اور سفید ھی انگرکھا پہنے ھوئے تھے ۔ سرپر گول چندوے کی ململ کی ٹوپی تھی ۔ میرے پاؤں کی آھٹ سنتے ھی حافظ ویران نے چونک کر کہا " کون ھے " میں نے کہا ''کریم الدین ' استاد ذوق کی خدمت میں حاضر ھوا ھوں " ۔ اُستاد نے اپنا نام سنکر کہا " آئیے آئیے ' اندر تشریف لائیے'' میں نے آداب کیا ۔ انھوں نے فرمایا " بیٹھو ' بھئی بیٹھو "۔ میں حافظ ویران کے پاس چار پائی پربیٹھ گیا۔ کہا " فرمائیے کیسے تشریف لانا ھوا میں نے عرض کی کہ " میرا ارادہ قاضی کے حوض پر ایک مشاعرہ شروع کرنے کا ھے ۔ ۱۴۔رجب تاریخ مقرر ھوئی ھے اگرحضور بھی از راہ ذرہ نوازی قدمرنجہ فرمائیں تو بعید ازکرم نہوگا " ۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ حافظ ویران تو چراغ پا ھوگئے ۔ کہنے لگے

''جائیے' جائیے' کہاں کا مشاعرہ نکالا ہے؛ استاد کو فرصت نہیں ہے- ان مرزا لےپالک *
کے پاس کیوں نہیں جاتے جو خواہ مخواہ ان کو آکر دق کرتے ہو''- استاد نے کہا
'' بھئی حافظ ویران ! تمھاری زبان نہیں رکتی - بیٹھے بٹھائے تم دنیا بھر سے
لڑائی مول لیتے ہو''- حافظ ویران کہنے لگے '' اُستاد' جب وہ آپ کو برا بھلا کہیں تو
ہم کیوں چپ بیٹھنے لگے - وہ ایک کہینگے تو ہم سو سنائینگے - اور تو اور میاں
آشفتہ کو دن لگے ھیں ' کل ھی کی بات ھے آپ کو ناوڑا+ کہہ رھے تھے ' مگر میں نے
بھی ایسی خبر لی کہ تمام عمر یاد کرینگے اُن کی سات پشت کو توم ڈالا '' - اُستاد
ھنسکر فرمانے لگے '' نا ' بھئی نا ' تم میرے وجہ سے کیوں بلا میں پڑتے ھو - مجھے
جس کا جو جی چاھے سو کہے میں نے تو ان سب کا جواب ایک رباعی میں دیدیا ھے —

تو بھلا ھے تو برا ھو نہیں سکتا اے ذوق
ھے برا وہ ھی کہ جو تجھکو برا جانتا ھے
اور جو خود توھی برا ھے تو وہ سچ کہتا ھے
کیوں برا کہنے سے اس کے تو برا مانتا ھے

میں نے عرض کی کہ '' میں کل بارگاہ سلطانی میں حاضر ھوا تھا ' حضرت
ظل اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس مشاعرے میں ھم مرزا فتح الملک بہادر کو اپنی
طرف سے بھیجیں گے اوراپنی غزل بھی بھیج کر مشاعرے کی عزت بڑھائیں گے-اور یہ بھی
ارشاد ھوا تھا کہ استاد ذوق سے بھی کہدیں گے وہ بھی مشاعرے میں ضرور آئیں گے ''
یہ سنکر حافظ ویران تو ٹھنڈے پڑگئے - استاد نے فرمایا '' ھاں بھئی مجھے یاد آگیا

* اُن دنوں دھلی میں لوگوں نے یہ اُڑا رکھا تھا کہ مرزا نوشہ [غالب] مرزا عبداللہ
بیگ کے بھتیجے نہیں ھیں بلکہ اُنہوں نے ان کو پال لیاھے اوریہ در اصل کسی کشمیری کی اولاد
ھیں - حافظ ویران نے اسی کی طرف اِشارہ کیا ھے - خدا محفوظ رکھے دھلی والوں سے
جو باھر سے آیا اس کے حسب نسب میں اُنھوں نے کیڑے ڈالے —

+ اُستاد ذوق کو شہر بھر نائی کہتا ھے - یہ دوسری بات ھے کہ آزاد مرحوم نے
اُن کے ھاتھ میں استرے کی بجائے تلوار دیکر اُن کو سپاھی زادہ بنا دیا ھے —

کل شام کو حضرت پیرو مرشد نے مجھ سے بھی فرمایا تھا اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ تو بھی ضرور جائیو - میاں میں انشاءاللہ تعالیٰ ضرور آؤنگا - مگر یہ تو بتاؤ "طرح" کیا رکھی ھے"- میں نے واقعہ عرض کیا اور کہا کہ "حضرت ظل سبحانی نے "طرح" کا جھگڑا ھی نکال دیا- جو شخص جس بحر اور جس ردیف قافیہ میں چاھے آکر غزل پڑھے" - اُستاد تو "بہت خوب - بہت خوب" کہتے رھے مگر حافظ ویران کی تیوری کے بل نہیں گئے' برابر بڑبڑاتے ھی رھے کہ "اللہ خیر کرے' دیکھیے اس مشاعرے کا کیا حشر ھوتا ھے - حضرت پیر و مرشد بھی بیٹھے بیٹھے اشقلے• چھوڑا کرتے ھیں"- وہ اپنی کہے گئے میں تو اُٹھ سلام کر چلا آیا—

دوسرا حملہ اسداللہ خاں غالب پر تھا - چاندنی چوک سے ھوتا ھوا بلی ماروں میں آیا - حکیم محمود خاں صاحب کے مکان کے سامنے سے قاسم جان کی گلی کٹتی ھے - بائیں طرف پہلا ھی مکان اُن کا تھا - یہ مکان مسجد کے پیچھے ھے اس کے دو دروازے ھیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ - محلسرا کا ایک راستہ مردانے مکان میں سے بھی ھے - باھر کے دروازے کی دھلیز ذرا دھنسی ھوئی سی ھے - دروازے کے اوپر ایک کمرہ ھے اور کمرے کے دونوں پہلوؤں میں دو کوٹھریاں - گرمی میں مرزا صاحب دو پہر کے وقت اسی ایک کوٹھری میں رھا کرتے ھیں - دروازے سے گزر کر مختصر سا صحن ھے اور سامنے ھی دالان در دالان - جب میں پہنچا تو اندر کے دالان میں گاؤ تکیے سے لگے بیٹھے کچھ لکھ رھے تھے—

مرزا نوشہ کی عمر کوئی ۵۰ سال کی ھوگی - حسین اور خوشرو آدمی ھیں - قد اونچا اور ھاڑ بہت چوڑا چکلا ' موٹا موٹا نقشہ اور سرخ و سفید رنگ ھے - لیکن اس میں کچھ کچھ زردی جھلکتی ھے - ایسے رنگ کو محاورے میں چمپئی کہا جاتا ھے - آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ھیں' داڑھی بھری ھوئی ھے' مگر گھنی نہیں ھے-

---

• معلوم نہیں کہ یہ کس زبان کا لفظ ھے - مگر دھلی میں عام طور پر "شگوفے" کے معنی میں استعمال ھوتا ھے—

سر منڈا ہوا اُس پر لمبی سیاہ پوستین کی ٹوپی ہے جو کلاہ پاپاخ سے ملتی جلتی ہے - ایک بر کا سفید پیجامہ، سفید ململ کا انگرکھا، اُس پر ہلکے زرد زمین کی جامہ وار کا چغہ * میری آہٹ پا کر لکھتے لکھتے آنکھ اونچی کی - میں نے آداب کیا۔ سلام کا جواب دیا اور آنکھوں سے بیٹھنے کا اشارہ کیا - میں ایک طرف بیٹھ گیا - ابھی بیٹھا ہی تھا کہ نواب ضیاءالدین احمد خاں آگئے - یہ امین‌الدین خاں صاحب نواب لوہارو کے بھائی ہیں - ریختے میں 'رخشاں' اور فارسی میں 'نیر' تخلص کرتے ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے - انشاء پردازی، جغرافیہ، تاریخ، علم انساب، اسماے رجال، تحقیق لغات اور واقفیت عامہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے - مرزا نوشہ کے خلیفہ ہیں - چھوٹا قد، بہت گورا رنگ، نازک نازک نقشہ، غلافی آنکھیں، چگی ڈاڑھی، چھریرا بدن - غرض نہایت خوبصورت آدمی ہیں - ایک بر کا سفید پیجامہ اور سفید ہی انگرکھا زیب بدن تھا۔ قالب چڑھی ہوئی چوگوشہ ٹوپی سر پر تھی - ایک بڑا رومال سموسہ بنا کندھے پر ڈالے ہوے تھے - میں نے اُٹھ کر سلام کیا - اُنھوں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور خاموش ایک طرف دو زانو نہایت ادب سے بیٹھ گئے - تھوڑی دیر میں مرزا غالب بھی لکھنے سے فارغ ہوے، پہلے نواب صاحب کی طرف مڑے اور کہنے لگے "میاں نیر! تم کس وقت آبیٹھے - بھئی، اس مرزا تفتہ نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے - ظالم کی طبیعت کی روانی کسی طرح کم نہیں ہوتی - ہر خط میں آٹھ دس غزلیں اصلاح کے لئے بھیج دیتے ہیں - اصلاح دیتے دیتے تھک جاتا ہوں"- میری طرف دیکھکر کہا " آپ شاید مولوی کریم‌الدین صاحب ہیں" - میں نے کہا "جی ہاں" فرمانے لگے "حضرت آپ کے تشریف لانے کی مجھے پہلے ہی سے اطلاع مل گئی تھی - کل ہی میاں عارف آکر مجھ سے مشاعرے میں چلنے کا وعدہ لے گئے ہیں - کہو میاں نیر! تم بھی چلو گے"- نواب صاحب نے

---

* قلعۂ دہلی کے عجائب خانے میں مرزا غالب کی ایک تصویر ہے - اس سے یہ لباس لیا گیا ہے۔

کہا ''جہاں آپ وہاں میں۔ آپ تشریف لے جائیں گے تو انشاالله میں بھی ضرور همراه هونگا''۔ مرزا صاحب نے پوچھا ''مگر بھئی اب تک 'علائی' نہیں آے۔ مجھکو ان کا کل سے انتظار ھے۔ اے لو! وہ آھی گئے۔ بھئی بڑی عمر ھے' ابھی میں تم کو پوچھہ رہا تھا''—

نواب علاء الدین خاں 'علائی' نواب لوهارو کے ولیعهد هیں۔ کوئی ۲۳' ۲۴ سال کی عمر ھے۔ متوسط قد' گندمی رنگ' موٹا موٹا نقشہ' گول چهره' شربتی آنکھیں اور گھنی چڑھی هوئی ڈاڑھی ھے۔ لباس میں غلطے کا تنگ مہری کا پیجامہ' سفید جامدانی کا انگرکھا' اس پر سینه کُھلی هوئی سیاه مخمل کی نیمه آستین اور سر پر سیاه هی مخمل کی چوگوشیه ٹوپی تھی؛ وہ بھی آداب کر کے ایک طرف بیٹھہ گئے اور کہا '' واقعی آج دیر هوگئی' مجھے خود خیال تھا که آپ انتظار کر رهے هوں گے''۔ میری طرف دیکھکر کہا ''آپ کی تعریف'' مرزا نوشه نے تمام قصه بیان کیا اور کہا '' علائی تم کو بھی چلنا هوگا' ابھی تو شاید تم لوهارو نہیں جا رهے هو''۔ انھوں نے کہا ''بہت خوب آپ تشریف لے جائیں گے تو میں بھی حاضر هوں''۔ جب یه مرحله بھی طے هو گیا تو میں نے اجازت چاهی۔ وهاں سے رخصت هو کر زین العابدین خاں کے مکان میں آیا۔ انھوں نے مردانے کا ایک حصه میرے لئے خالی کر دیا تھا۔ جو اسباب صبح میں نے بھیجا تھا اس کو جما جمایا پایا۔ کپڑے اُتارے' اندر سے کھانا آیا۔ کھانا کھا کر تھوڑی دیر سو رہا۔ چار بجے کے قریب اُٹھکر حکیم مومن خاں کے هاں جانے کی تیاری کی—

حکیم صاحب کا مکان چیلوں کے کوچه میں ھے۔ راستے میں مولوی امام بخش صاحب 'صهبائی' مل گئے۔ یه کالج میں میرے استاد رهے هیں۔ کُھلا هوا گندم گون رنگ ھے' منه پر کہیں کہیں چیچک کے داغ هیں۔ سر پر پٹے هیں' بڑے دبلے پتلے آدمی هیں۔ کوئی ۴۰ سال کی عمر هوگی۔ ایک بر کا سفید پیجامه' سفید انگرکھا' کشمیری کام کا جبه پہنتے اور سر پر چھوٹا سفید صافه باندھتے هیں۔ یه بھی

چیلوں کے کوچے ھی میں رھتے ھیں - مجھہ سے پوچھنے لگے " کہاں جاتے ھو" میں نے کہا " حکیم مومن خاں کے پاس"- پوچھا " کیا کام ھے"- میں نے حال بیان کیا - کہنے لگے' " چلو میں بھی وھیں جا رھا ھوں"- حکیم آغا خاں کے چھتے کے سامنے خاں صاحب کا مکان تھا - بڑا دروازہ ھے ' اندر بہت وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت ھے - دو طرف دو صحنچیاں ھیں اور سامنے بڑے بڑے دالان در دالان - پہلے دالان کے اوپر کمرہ ھے - سامنے کے دالان کی چھت کو کمرے کا صحن کردیا ھے - لیکن منڈیر بہت چھوٹی رکھی ھے* - دالانوں میں چاندنی کا فرش ھے - اندر کے دالان میں بیچو بیچ قالین بچھا ھوا ' قالین پر گاؤ تکیے سے لگے حکیم صاحب بیٹھے ھیں - سامنے حکیم سکھانند المتخلص بہ 'رقم' اور مرزا رحیم الدین 'حیا' مؤدب دو زانو بیٹھے ھیں - معلوم ھوتا تھا کہ کوئی دربار ھو رھا ھے کہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بولنے کا یارا نہیں - حکیم مومن خاں کی عمر تقریباً ۶۰ سال کی تھی - کشیدہ قامت ' سرخ و سفید رنگ تھا جس میں سبزی جھلکتی تھی - بڑی بڑی روشن آنکھیں ' لمبی لمبی پلکیں ' کھنچی ھوئی بھوئیں ' لمبی ستواں ناک ' پتلے پتلے ھونٹ ' ان پر پان کا لاکھا جما ھوا ' مسی آلودہ دانت ' ھلکی ھلکی موچھیں ' خشخاشی داڑھی ' بھرے بھرے ڈنڈ ' پتلی کمر ' چوڑا سینہ اور لمبی انگلیاں - سر پر گھونگر والے لمبے لمبے بال کاکلوں کی شکل میں کچھہ تو پشت پر اور کچھہ کندھوں پر پڑے ھوے - کان کے قریب تھوڑے سے بالوں کو موڑ کر زلفیں بنا لیاتھا- بدن پر شربتی ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا تھا لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا

---

* میں نے خود یہ مکان ۲۰ ' ۲۲ برس ھوے دیکھا تھا - ٹوٹ کر کھنڈر ھوگیا تھا - تین طرف کی عمارت ڈھے گئی تھی - سامنے کا حصہ قائم تھا - معلوم نہیں کہ اوپر کی منڈیر کیوں اتنی نیچی رکھی گئی تھی - اسی منڈیر سے ٹھوکر کھا کر حکیم مومن خاں نیچے گرے- ھاتھہ اور بازو ٹوٹ گیا اور اسی کی وجہ سے انکا انتقال ھوا - خود ھی مرنے کی تاریخ کہی تھی کہ " دست و بازو بشکست "-

اور جسم کا کچھہ حصہ انگرکھے کے پردے میں سے دکھائی دیتا تھا - گلے میں سیاہ
رنگ کا فیتہ ' اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ - کاکریزی رنگ کے دوپٹے کو
بل دے کر کمر میں اپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوے تھے -
ہاتھہ میں پتلا سا خار پشت' پاوں میں سرخ گلبدنی کا پیجامہ ' مہریوں پر سے تنگ
اوپر جاکر کسی قدر تھیلا - کبھی کبھی ایک برکا پیجامہ بھی پہنتے تھے - مگر کسی
قسم کا بھی ہو ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا : چوڑا سرخ نیفہ - انگرکھے کی
آستینیں آگے سے کٹی ہوئیں ' کبھی لٹکتی رہتی تھیں اور کبھی پلٹ کر چڑھالیتے
تھے - سر پر گلشن کی بڑی دو پلڑی ٹوپی ' اس کے کنارے پر باریک لیس - ٹوپی
اتنی بڑی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈہ کر آگئی تھی - اندر سے مانگ اور ماتھے کا
کچھہ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے - غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب
آدمی تھے - جب ہم دونوں پہنچے تو صاحب عالم مرزا رحیم الدین ' حیا ' سے کہہ رہے
تھے کہ " صاحب عالم ! تمہارے شطرنج کے نقشوں نے میرا ناک میں دم کردیا ھے :
ایک ہوں ' دو ہوں ' آخر یہ روز روز کی فرمائشیں کوئی کہاں تک پوری کرے " -
صاحب عالم نے کہا " استاد کیا کروں رزیڈنٹ بہادر کے پاس ولایت سے حل کے لئے
شطرنج کے نقشے آیا کرتے ہیں ' کچھہ تو میں خود حل کرکے ان کے پاس بھیج دیتا
ہوں ' جو سمجھہ میں نہیں آتے وہ آپ کے پاس لے آتا ہوں " - حکیم صاحب نے نظر
اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا - ہمارا سلام لے کر کہا " بیٹھئے ' بیٹھئے " - ہم بیٹھہ گئے
اور وہ پھر صاحب عالم کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے " میاں حیا ! جو
نقشہ تم لائے ہو وہ تو میرے خیال میں کچھہ پیچیدہ نہیں ھے - تم کہتے ہو کہ سرخ
مہروں کو مات ہوگی ' میں کہتا ہوں نہیں ' سبز کو ہوگی - تم بساط بچھاؤ ' میں
ابھی سمجھائے دیتا ہوں - اچھا پہلے ذرا مولوی صہبائی سے بات کر لوں - اور میاں
سکھا نند تم بیٹھے انتظار کرتے رہو ' میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کی
طرف سے اس چھپکلی کا جوڑا نہ آجاے یہ سامنے کی دیوار سے نہ جاے گی - اس کا

جوڑا آے پر آے -" سکھا نند حکیم تھے ' رقم تخلص کرتے تھے ؛ دھرم میں پورے رھتے تھے - کوئی ۴۰ سال کی عمر تھی - ریختے میں شاہ نصیر کے اور رمل میں خاں صاحب کے شاگرد تھے-بڑے خوش پوشاک ' خوش وضع' خوش اخلاق' ظریف‌الطبع ' حلیم ' خوبصورت اور شکیل آدمی تھے - استاد کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے کوئی بیٹا باپ کا کرتا ھے - حکیم صاحب کی باتیں سن کر " بہت خوب ' بہت مناسب " کہتے رھے - ان سے گفتگو کرکے حکیم صاحب ھماری طرف متوجہ ھوے اور کہنے لگے " ارے بھئی صہبائی ! تم تو کئی دن سے نہیں آے - کہو خیریت تو ھے - اور آپ کے ساتھہ یہ صاحب کون ھیں " - مولوی صہبائی نے کہا " یہ پہلے کالج میں میرے شاگرد تھے' اب مطبع کھول لیا ھے ' وھاں مشاعرہ کرنا چاھتے ھیں : آپ کو تکلیف دینے آے ھیں " - حکیم صاحب نے ھنس کر کہا " بس صاحب مجھے تو معاف ھی کیجئے - اب دھلی کے مشاعرے شریفوں کے جانے کے قابل نہیں رھے- ایک صاحب ھیں وہ اپنی امت کو لے کر چڑھ آتے ھیں * ؛ شعر سمجھنے کی تو کسی کو تمیز نہیں ' مفت میں ! واہ واہ ! سبحان اللہ ! کا غل مچاکر طبیعت کو منغض کر دیتے ھیں- یہ نہیں سمجھتے کہ —

صائب دو چیز می شکند قدر شعررا　　تحسین‌ناشناس و سکوت سخن‌شناس

دوسرے صاحب ھیں وہ ھد ھد کو ساتھہ لئے پھرتے ھیں اور خواہ‌مخواہ استادوں پر حملہ کرتے ھیں - خود تو میدان میں نہیں آتے ' اپنے نا اھل پٹھوں کو مقابلے میں لاتے ھیں - اس روز جو اس جانور نے یہ شعر پڑھ کر—

مرکز محور گردون بہ لب آب نہیں　　ناخن قوس قزح' شبہہ مضراب نہیں

کہا کہ یہ غالب کے رنگ میں لکھا ھے تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھکو کس قدر ناگوار گزرا - غالب کے رنگ میں شعر کہنا تو کجا وہ یا ان کے اُستاد پہلے

---

* یہ اُستاد ذوق اور شہزادوں کی طرف اشارہ تھا —

مرزا نوشه کے شعروں کوسمجھه تو لیں- اب رهے میر صاحب * تو اُن کی بات دوسری هے - وه بهی واهیات بکتے هیں مگر کسی پر حمله تو نهیں کرتے ' بلکه ان کی وجه سے مشاعرے میں چهل پهل هوجاتی هے - بهئی میں نے تو اسی وجه سے مشاعروں میں جاناهی ترک کردیا هے - میں نے عرض کی که " اس مشاعرے میں استاد ذوق اور مرزا نوشه نے آنے کا وعده کرلیا هے - حضرت ظل سبحانی کی غزل بهی آئیگی" فرمایا "هرشخص مختار هے چاهے غزل بهیجے' میں تو نه آؤں گا نه غزل بهیجوں گا"- یه باتیں هی هورهی تهیں که ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لیکر آیا - شهر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تها - ریشمی کپڑوں سے ان کو عشق تها- کوئی کپڑا پسند آتا تو پهر قیمت کی پروا نهیں کرتے تهے - جو مانگتا دیتے - اس سوداگر نے آکر ایک گٹھری مزدور کے سر پر سے اُتاری - اس میں سے پٹ سے ایک چهپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ گئی - جو چهپکلی پهلے سے دیوار پر جمی بیٹهی تهی وه لپک کر اس سے آملی اور دونوں ملکر ایک طرف چلے گئے + - هم لوگ بیٹهے یه تماشه دیکهتے رهے - جب دونوں چهپکلیاں چلی گئیں توحکیم صاحب نے کہا" کهو میاں رقم' تم نےدیکها" انهوں نے کها "جی هاں'ایک خانے کے حساب لگانے میں مجهه سے غلطی هوئی-میں نے جو اپنی رائے پر اصرار کیا تها اس کی معافی چاهتا هوں"- کهنے لگے "بهئی انسان هی سے غلطی هوتی هے - هاں تو بهئی صهبائی مشاعرے کے متعلق همارا تو صاف جواب هے "- میں نے جب دیکها که خاں صاحب هاتهوں سے نکلے هی جارهے هیں تو مجهے نواب زین‌العابدین خان کا آخری نسخه یاد آیا - میں نے کها " مجهے تو اس مشاعرے سے برائے نام تعلق هے ' سب کیا دهرا نواب زین‌العابدین خان عارف کا هے - وه بهت

---

* انکا مفصل حال آگے آئےگا یه بهی عجیب رقم تهے-

+یه واقعه هے- اس کے دیکهنے والےایک صاحب‌کا ابهی کوئی بیس برس هوئے انتقال هوا هے - میں نے یه واقعه خود اُن کی زبانی سنا هے —

بیمار ہوگئے ہیں اور ان کو اب زندگی کی اُمید نہیں رہی - اُن کی آخری خواہش ہے کہ مرتے مرتے ایک ایسا مشاعرہ دیکھہ لوں جس میں دهلی کے تمام کاملین فن جمع ہوں - وہ خود حاضر ہوتے مگر حکیم احسن‌الله خاں صاحب نے ان کو کہیں آنے جانے سے منع کردیا ہے" - یہ آخری فقرہ میں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا - خاں صاحب بڑے غور سے میری بات سنتے رہے - میں خاموش ہوا تو مولوی امام بخش صاحب کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے " افسوس ہے' کیا خوش فکر اور ذہین شخص ہے - یہ عمر اور یہ مایوسی - سچ ہے ' ہمیشہ رہے نام الله کا ' " - میری طرف دیکھکر کہا " اچھا بھئی ' تم جاؤ : میری طرف سے عارف سے کہدینا کہ میاں میں ضرور آؤں گا " - جب میں نے دیکھا کہ یہ جادو چل گیا تو اور پاؤں پھیلائے اور کہا " نواب صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صہبائی صاحب ' مفتی صدرالدین صاحب اور نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ کو بھی اپنے ہمراہ لائیےگا تو عنایت ہوگی" - حکیم صاحب کہنے لگے- "میاں صہبائی سے تو میں ابھی کہے دیتا ہوں' اب رہے آزردہ اور شیفتہ تو واپس جاتے جاتے ان سے بھی کہتے جاو - یہ کہدینا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے - ہاں تاریخ کیا مقرر کی ہے ؛ مشاعرہ کہاں ہوگا اور ' طرح ' کیا ہے" - میں نے تاریخ بتا کر مکان کا پتہ دیا - " طرح " کے متعلق حضرت جہاں پناہ کے حضور میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بیان کی- کہنے لگے "ہمارے بادشاہ سلامت بھی عجیب چیز ہیں' جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے - شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوا ہوگا جس میں " طرح " نہ دی گئی ہو - خیر یہ تو اچھا ہوا جھگڑے کا جھونپڑا ہی نہیں رہا - مگر بھئی بات یہ ہے کہ جب تک مقابلے کی صورت نہو نہ شعر کہنے میں جی لگتا ہے اور نہ پڑھنے میں لطف آتا ہے" - یہ کہکر وہ کپڑے دیکھنے میں مشغول ہوگئے اور میں سلام کرکے رخصت ہوا —

چتلی قبر کے قریب حویلی عزیزآبادی کے سامنے مفتی صدرالدین صاحب کا مکان تھا اس کے نزدیک متیا محل میں نواب مصطفیٰ خان صاحب شیفتہ رہتے ہیں

مفتی صاحب کے ھاں جاکو معلوم ھوا کہ شیفتہ بھی مفتی صاحب ھی کے پاس بیٹھے ھیں - میں نے کہا چلو ' اس سے بہتر موقعہ ملنا مشکل ھے' دونوں سے ایک ھی جگہ ملناھوگیا- یہ سوچ کر اندر گیا - مکان کوٹھی کے نمونے کا ھے' انگریزی اورھندوستانی دونوں وضع کو ملاکر بنایا گیا ھے صحن بہت بڑا نہیں ھے - اس میں مختصر سی نہر ھے - سامنے دالان در دالان اور پہلو میں انگریزی وضع کے کمرے ھیں - باھر کے دالان میں کواڑ لگا کر اسکو بھی کمرے کی شکل کا کردیا ھے - دالانوں کے سامنے اونچا چبوترہ ھے- چبوترے کے اوپر تخت بچھے ھوئے تھے' اس پر چاندنی کا فرش اور دو طرف گاؤ تکیے لگے ھوے تھے- تختوں پر مفتی صاحب اور نواب صاحب بیٹھے باتیں کر رھے تھے - مفتی صاحب کی عمر کوئی ۵۶ ' ۵۷ سال کی تھی- گداز جسم' سانولا رنگ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں' ذرا اندر کو دھنسی ھوئیں ' بھری ھوئی ڈاڑھی ' بہت سیدھی سادی وضع کے آدمی ھیں ؛ ظاھری نمائش سے کوئی سرو کار نہیں- لباس سفید ایک بر کا پیجامہ ' سفید کرتا اور سفید ھی صافہ تھا * جامہ زیبی میں حکیم مومن خاں کے بعد دھلی میں نواب مصطفی خان شیفتہ ھی کا نمبر تھا ' ان کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن ناک نقشہ غضب کا پا یا تھا - اس پر نیچی سیاہ گول ڈاڑھی بہت بھلی معلوم ھوتی تھی - جسم کسی قدر بھاری اور قد متوسط تھا - لباس میں بھی زیادہ تکلف نہیں کرتے تھے - تنگ مہری کا سفید پیجامہ' سفید کرتہ'

---

* پرانے زمانے میں شرفاء گھر پر بھی پورا لباس پہنے رھتے تھے - زنانے میں جانے کے خاص خاص وقت تھے ورنہ سارا وقت مردانے ھی میں گزرتا تھا- ھر وقت کوئی نہ کوئی ملنے جلنے والا پاس بیٹھا رھتا - عالم ھوے تو درس کا حلقہ ھوتا ' شاعر ھوے تو شعر کا چرچا رھتا - غرض کوئی وقت بیکار نہ گزرتا- خاص خاص دوستوں سے مذاق کی گفتگو ھوتی ورنہ عام طور پر اپنے کو بہت لئے دئے رھتے - جہاں جاؤ یہی معلوم ھوتا کہ دربار لگا ھوا ھے - ھر شخص دوزانو مودب بیٹھا ھے- بےضرورت نہ بات کی جاتی ھے نہ جواب دیا جاتا ھے - کوئی ھنسی کی بات ھوئی تو ذرا مسکرا دئے' کھلکھلاکر ھنسنا معیوب اور بڑھ بڑھ کر بولنا یا اونچی آواز میں بات کرنا خلاف ادب سمجھا جاتا تھا -

نیچی چولی کا سفید انگرکھا اور قبہ نما پچگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے - تقریباً ۳۹، ۴۰ سال کی عمر ہے—

میں آداب کر کے تخت کے ایک کونے پر دو زانو بیٹھ گیا - مفتی صاحب نے آنے کا سبب پوچھا - میں نے حکیم مومن خاں کا پیام پہنچا دیا - مفتی صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا " ہیں! خاں صاحب نے تو مشاعرے میں نہ جانے کا عہد کر لیا ہے - بھئی شیفتہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ یا تو خود نہیں جاتے تھے یا دوسروں کو بھی ساتھ گھسیٹ رہے ہیں" - میں نے نواب زین العابدین خاں عارف کا واقعہ بیان کیا - کہنے لگے " ہاں، یوں کہو ، یہ بات ہے - ورنہ مجھے تو یہ سنکر حیرت ہوئی تھی کہ حکیم صاحب اور مشاعرے میں جائیں - اچھا بھئی عارف سے کہدینا کہ میں اور شیفتہ دونوں آئیں گے" - یہاں سے چھٹی ہوئی تو میں یہ سمجھا کہ گویا گنگا نہا لیا - خوشی خوشی آکر نواب زین العابدین خاں سے واقعہ بیان کیا - وہ بھی مطمئن ہو گئے - میں نے حکیم مومن خاں کا جب حال بیان کیا تو ان کے آنسو نکل آئے - کہنے لگے " میاں کریم الدین! تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میری حکیم صاحب سے صفائی نہیں ہے"- میں نے کہا " نواب صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں ان پر تو آپ کی بیماری سننے کا ایسا اثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا - شاید ان کا سگا بھائی بھی بیمار ہوتا تو اتنا ہی اثر ہوتا - مفتی صاحب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے مشاعروں میں نہ جانے کا عہد کرلیا تھا ، صرف آپ کی وجہ سے انھوں نے یہ عہد توڑا ہے" - نواب صاحب نے کہا " بھئی، تم کو ان لوگوں کی محبتوں کا کیا حال معلوم؟ یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے دشمن کو بھی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے- خیر اس کو جانے دو ؛ اب یہ بتاؤ کہ تمھارا مکان خالی ہو گیا یا نہیں"- میں نے کہا " جی‌ہاں بالکل خالی ہے - حکم ہو تو میں بھی خدمت میں حاضر رہ کر مدد کروں"- فرمایا " نہیں بھئی، نہیں- جہاں دو آدمیوں نے مل کر کسی کام میں ہاتھ ڈالا اور وہ خراب ہوا - تم اس انتظام کو بس مجھ پر چھوڑ دو، میں جانوں اور میرا

کام جانے - بلکہ تم تو ادھر آنا بھی نہیں - تم نے آکر اگر میں میخ نکالی تو مجھ پر دوھری تہری محنت پڑ جائیگی"—

۳ - ترتیب

به شعر و سخن مجلس آراستند نشستند و گفتند و برخاستند

میں تاریخ ابوالفداء کے ترجمے میں ایسا گُتھ گیا کہ ۷ ' ۸ روز تک گھر سے باھر ھی نہیں نکلا - نواب زین العابدین خاں کے شوق کی یہ حالت تھی کہ با وجود کمزوری و نقاھت کے روز صبح ھی سے جو باھر نکلتے تو کہیں رات کے آٹھ نو بجے جا کر ان کی صورت گھر میں دکھائی دیتی - اس لئے ان سے ملنا نہیں ھوا کہ کچھ حال پوچھتا - بہر حال یہ آٹھ دن آنکھ بند کرتے گزر گئے اور مشاعرے کی تاریخ آھی گئی- ۱۴ - رجب کو شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب میں بھی مشاعرے میں جانے کو تیار ھوا - نواب صاحب کو دریافت کیا تو معلوم ھوا کہ وہ صبح سے جو گئے ھیں تو اب تک واپس نہیں آئے - گھر سے جو نکلا تو بازار میں بڑی چہل پہل دیکھی - ھر شخص کی زبان پر مشاعرے کا ذکر تھا - کوئی کہتا تھا کہ یہ میاں کریم الدین کون ھے - کوئی کہتا کہ بھئی کوئی ھوں مگر انتظام ایسا کیا ھے کہ دیکھکر جی خوش ھوتا ھے- "میں یہ باتیں سنتا اور دل میں خوش ھوتا ھوا قاضی کے حوض پر آیا ' کیا دیکھتا ھوں کہ سڑک کے دونوں جانب ٹٹیاں لگا کر اور ان میں روشنی کے گلاس جما کر رات کو دن کر دیا ھے - سڑک پر خوب چھڑکاؤ ھے' کٹورا بج رھا ھے - مبارک النساء بیگم کی حویلی کے بڑے پھاٹک کو گلاسوں' قمقموں اور قندیلوں سے سجا کر گلزار آتشین کر دیا ھے - صدر دروازے سے اندر کی دھلیز تک روشنی کا یہ عالم ھے کہ آنکھوں میں چکا چوند آتی ھے - مکان کے اندر جو قدم رکھا تو ھوش جاتے رھے - یا اللہ یہ میرا ھی مکان ھے یا کسی شاھی محل میں آگیا ھوں - گھڑی گھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا اور کہتا " واہ میاں عارف واہ! تم نے تو کمال کر دیا " - کہاں وہ بچارے کریم الدین کا مکان اور کہاں یہ

بادشاہی ٹہاٹھ ؛ واقعی تمہارا کہنا صحیح تھا کہ اگر دو ہزار میں بھی کام نکل جائے
تو یہ سمجھو کہ کچھ نہیں اُٹھا "- چونے میں ابرک ملا کر مکان میں قلعی کی گئی
تھی جس کی وجہ سے در و دیوار پڑے جگ مگ، جگ مگ کر رہے تھے - صحن کو
بھروا کر تختوں کے چوکے اس طرح بچھائے تھے کہ چبوترہ اور صحن برابر ہو گئے تھے۔
تختوں پر دری، چاندنی کا فرش، اس پر قالینوں کا حاشیہ، پیچھے گاؤ تکیوں کی
قطار، جھاڑوں، فانوسوں، ہانڈیوں، دیوار گیریوں، قمقموں، چینی قندیلوں اور
گلاسوں کی وہ بہتات تھی کہ تمام مکان بقعۂ نور بن گیا تھا - جو چیز تھی خوبصورت
اور جو شے تھی قرینے سے - سامنے کی صف کے بیچوں بیچ چھوٹا سا سبز مخمل کا
کارچوبی شامیانہ، گنگا جمنی چوبوں پر سبز ہی ریشمی طنابوں سے استادہ تھا -
اس کے نیچے سبز مخمل کی کارچوبی مسند، پیچھے سبز* کارچوبی گاؤ تکیہ، چاروں
چوبوں پر چھوٹے چھوٹے آٹھ چاندی کے فانوس نصب تھے؛ فانوسوں کے کنول بھی
سبز - چوبوں کے سنہری کلسوں سے لگا کر نیچے تک موتے موتے موتیا کے گجرے
سہرے کی طرح لٹکے ہوئے - بیچ کی لڑیوں کو سمیٹ کر کلابتونی ڈوریوں سے
جس کے کونوں پر مقیش کے گچھے تھے اس طرح چوبوں پر کس دیا گیا تھا کہ شامیانے
کے چاروں طرف پھولوں کے دروازے بن گئے تھے - دیواروں میں جہاں کھونٹیاں
تھیں وہاں کھونٹیوں پر اور جہاں کھونٹیاں نہیں تھیں وہاں کیلیں گاڑ کر
پھولوں کے ہار لٹکا دئیے تھے - اس سرے سے لگا کر اُس سرے تک سفید چھت گیری
جس کے حاشیے سبز تھے، کھنچی ہوئی تھی - چھت گیری کے بیچوں بیچ موتیا کے
ہار لٹکا کر لڑیوں کو چاروں طرف اس طرح کھینچ دیا گیا تھا کہ پھولوں کی چھتری
بن گئی تھی - ایک صحنچی میں پانی کا انتظام تھا؛ کورے کورے گھڑے رکھے تھے
اور شورے میں جست کی صراحیاں لگی ہوئی تھیں، دوسری صحنچی میں پان
بن رہے تھے - باورچی خانے میں حقوں کا تمام سامان سلیقے سے جما ہوا تھا -

* سبز رنگ دہلی کا شاہی رنگ تھا—

جابجا نوکر صاف ستھرا لباس پہنے دست بستہ مؤدب کھڑے تھے - تمام مکان مشک ، عنبر اور اگر کی خوشبو سے پڑا مہک رہا تھا - قالینوں کے سامنے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حقوں کی قطار تھی ؛ حقے ایسے صاف ستھرے تھے کہ معلوم ہوتا تھا ابھی دوکان پر سے خرید ہوکر آے ہیں - حقوں کے بیچ میں جو کچھ جگہ چھوٹ گئی تھی وہاں چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھ کر ان پر خاصدان رکھ دئے تھے - خاصدانوں میں لال قند کی صافیوں میں لپٹے ہوے پان - گلوریوں کو صافی میں اس طرح جمایا تھا کہ بیچ میں ایک ایک تہہ پھولوں کی آگئی تھی - خاصدانوں کے برابر چھوٹی چھوٹی کشتیاں ، ان میں الائچیاں ، چکنی ڈلیاں اور بن دھنیا - مسند کے سامنے چاندی کے دو شمعدان ، اندر کافوری بتیاں ، اوپر ہلکے سبز رنگ کے چھوٹے کنول - شمعدانوں کے نیچے چاندی کے چھوٹے لگن ، لگنوں میں عرق کیوڑا - غرض کیا کہوں ایک عجیب تماشہ تھا - میں تو الف لیلی کا ابوالحسن ہوگیا - جدھر نظر جاتی اُدھر ہی کی ہو رہتی * - میں اس تماشے میں محو تھا کہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا —

سب سے پہلے مرزا کریم الدین ' رسا ' آے - یہ سلاطین زادے ہیں - کوئی ستر برس کے پیٹے میں ہیں - استعداد علمی تو کم ہے مگر شاعری میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے - بہت رحم دل ، خوش خلق اور سادہ مزاج ہیں - دغل فصل نام کو نہیں ہے - ملاح کہا کرتے ہیں کہ کشتی میں " چڑھے سب سے پہلے اور اترے سب سے پیچھے " - انھوں نے اس مقولہ کو مشاعرے سے متعلق کر دیا ہے - مشاعرے میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جب تک ایک ایک کرکے سب نہیں چلے جاتے یہ اُٹھنے

---

* بزرگوں کی زبانی دیوان عام کے مشاعروں کا جو حال میں نے سنا ہے بجنسہ اسی پر اس مشاعرہ کا نقشہ قایم کیا ہے —

کا نام نہ لیتے - ایک روز کا واقعہ ہے کہ مشاعرہ ہو رہا تھا - بڑے زور سے ابر آیا - سب نے جلدی جلدی مشاعرہ ختم کیا - لوگ اپنے اپنے گھر گئے لیکن یہ ٹھیرے اپنی وضع کے پابند جب تک سب نہ جا چکے اپنی جگہ سے نہ اُٹھے - ہاں گھڑی گھڑی جھک جھک کر آسمان دیکھہ لیتے - اتنے میں موسلا دھار مینھہ برسنا شروع ہوا - ایسا برسا ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے - کہیں دو گھنٹے کے بعد خدا خدا کرکے ذرا مینھہ تھما تو یہ بھی اُٹھے مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ہاتھہ کو ہاتھہ نہیں سوجھتا تھا - مالک مکان نے ایک نوکر کو قندیل دے کر ساتھہ کردیا - گلیوں میں ٹخنوں ٹخنوں پانی تھا - ان بچارے کے پاوں میں زر دوزی کا قیمتی جوتا ، کیچڑ میں پاوں رکھیں تو کیسے رکھیں - آخر چپکے سے نوکر سے کہا کہ تو اپنا جوتا مجھے دیدے - اس کا جوتا کیا تھا لیترے تھے ، وہی گھسیٹتے ہوے چلے ؛ اپنا جوتا بغل میں دبا لیا - قلعہ پہنچ کر ایک نیا جوتا نوکر کو دیا اور کہا "میاں تونے آج میرے ساتھہ ایسا احسان کیا ہے کہ تمام عمر نہ بھولوں گا ، جب کبھی تجھے کوئی ضرورت ہو تو میرے پاس آجایا کیجئیو " - آگے چل کر اس بدمعاش نے ان کو بہت دق کیا اول تو اس راز کا ڈھنڈورا پیٹ دیا دوسرے ہر تیسرے چوتھے ان سے ایک دو روپئے مار لاتا - مگر انہوں نے کبھی " نا " نہیں کی ؛ جب جاتا کچھہ نہ کچھہ سلوک ضرور کرتے -

نواب زین‌العابدین خاں صاحب نے بڑہ کر لب فرش ان کو لیا اور پوچھا - " ہیں صاحب عالم ! میاں ، حیا ، آپ کے ساتھہ نہیں آے " - مرزا رحیم‌الدین حیا، ان کے بڑے بیٹے ہیں ، لیکن تھوڑے دنوں سے باپ بیٹے میں کچھہ صفائی نہیں رہی ہے - نواب صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ صاحب عالم ناسور کی طرح پھوٹ بہے ، کہنے لگے " نواب ! وہ بھلا میرے ساتھہ کیوں آتے - جب سے بنارس ہوکر آئے ہیں ان کا تو رنگ ہی بدل گیا - میں بچارہ تو کس گنتی میں ہوں وہ کسی کو بھی اب خاطر میں نہیں لاتے - پالا پوسا ، بڑا کیا ، پڑھایا ، لکھایا ، شاعر بنایا ، بٹیریں لڑانا

سکھایا اور تخت * کی قسم وہ وہ نسخے بٹیروں کے بتاے ھیں کہ قلعہ تو قلعہ
ہندوستان بھر میں کسی کے فرشتہ خاں کو بھی معلوم نہ ھوں گے ' اور اب وہ -۱/
صاحبزادے صاحب ھیں کہ استاد مانفا تو درکنار مجھکو باپ بھی کہتے شرماتے ہ آئے -
ہاں بھئی کیوں نہ ھو ' تیرھویں صدی ھے - ان کو بنارس بھیج کر میں تو مد صاحب
میں آگیا - ایک نقصان مایہ دوسرے شماتت ھمسایہ - بیٹا ھاتھہ سے گیا تو گ ن ان کی
رات کی دانتا کلکل اور مول لے لی " - یہ باتیں کرتے کرتے نواب صاحب اُستاد سے
' رسا ' کو لے جاکر ایک جگہ بٹھا دیا - ابھی ان سے فارغ نہ ھوے تھے کہ ایسا ھیں
کا ایک گروہ حافظ عبدالرحمن احسان کو جھرمٹ میں لئے آ پہنچا - ! ھے - کوئی
شہر میں کون ھے جو " حافظ جیو " کو نہ جانتا ھو ' جگت استاد ھیں - رھے ھیں -
قلعے کا قلعہ ان کا شاگرد تھا مگر اُستاد ذوق کے قلعے میں قدم رکھتے ھی ان د سولانا
ذرا ٹوٹا - یہ بھی زمانے کی آنکھیں دیکھے ھوے تھے اور شاہ نصیر سے ٹکر لڑا چکے ذ شرع
اس بڑھاپے میں بھی خم ٹھونک کر سامنے آگئے اور مرتے دم تک مقابلے سے نہ ھٹنہ دُلمہ
تھا نہ ھٹے - کوئی ۹۰ برس کی عمر تھی ' کمر دھری ھونے سے قد کمان بن گیا تھا -
اپنے زمانے کے بلعم باعور تھے - لیکن غزل اس کڑاکے سے پڑھتے تھے کہ تمام مشاعرے پر چھا
جاتے تھے - ان کی استادی کا سکہ زمانے سے تمام دلی پر بیٹھا ھوا تھا - پہلے مرزا تیلی
کے استاد ھوے ' رفتہ رفتہ شاہ عالم بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہ تک رسائی ھوگئی -
وہ ان کو " حافظ جیو " کہتے تھے ' اس لئے اسی نام سے تمام قلعے میں مشہور تھے -
مصرعے پر مصرعہ لگانے میں کمال تھا اور سند ایسے تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض
منہ دیکھتے رہ جاتے تھے - ایک روز بادشاہ سلامت نے مصرعہ کہا —

صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں

---

* روز روز کی خانہ جنگیوں نے ھر شہزادے کے دل میں یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ
شاید کل میں ھی بادشاہ ھوجاؤں ' اسلئے قلعہ کے سب لوگ خواہ وہ شہزادے ھوں یا
سلاطین زادے ھمیشہ تخت کی ' تاج کی اور اسیطرح کی قسمیں کھایا کرتے تھے —

اُنہوں نے فوراً عرض کی:—

ناسفا سب ہے میاں وقت سحر گاہ نہیں

کسی نے " وقت سحر گاہ " کی ترکیب پر اعتراض کیا - انہوں نے جھٹ صائب

کا شعر پڑھا :—

آدمی پیر چو شد حرص جوان می گردد

خواب در وقت سحرگاہ گران می گردد

معترض صاحب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے —

دبلے پتلے آدمی تھے ' رنگ بہت کالا تھا ؛ شاہ نصیر نے اسی رنگ کا

طرح اُڑایا ہے:—

اے خال رخ یار تجھے ٹھیک بنا تا

پر چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

نواب صاحب نے اُن سب کوبھی ہاتھوں ہاتھ لیااور اپنی اپنی جگہ لاکر بٹھا یا۔

ابھی ان کوبٹھانے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ منشی محمدعلی 'تشنہ' چُم ننگے' نشے میں چور' جھومتے جھامتے اندر آئے۔نوجوان آدمی ہیں مگر عجب حال ہے۔کبھی برھنہ پڑے پھرتے ہیں ' کبھی کپڑے پہن خاصے بھلے آدمی بن جاتے ہیں۔ کسی کے شاگرد نہیں اور پھر' سب کے شاگرد ہیں۔ کبھی حکیم آغا خاں عیش سے اصلاح لینے لگتے ہیں' کبھی اُستاد ذوق کے پاس اصلاح کے لئے غزل لے آتے ہیں - ذہن بلا کا پایا ہے ؛ لاکھوں شعر زبان کی نوک پر ہیں ' شعر سنا اور یاد ہوا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی کی غزل سنی اور یاد کرلی - مشاعرے میں خود اپنے نام سے وہ غزل پڑھ ڈالی اور وہ بچارا منہ دیکھتا رہ گیا - نواب صاحب آگے بڑھے ' پوچھا " منشی جی یہ کیا رنگ ہے " - کہنے لگے " اصلی رنگ ' مشاعرہ کب شروع ہوتا ہے" - نواب صاحب نے کہا " ابھی شروع ہوتا ہے آپ بیٹھئے تو سہی"- خیر ایک کونے میں جاکر بیٹھ گئے- میاں عارف نے اُن پر ایک دوشالہ لاکرڈالدیا- اُنہوں نے اٹھا کر پھینک دیا- غرض جس طرح ننگے آئے تھے

اسی طرح بلا تکلف بیٹھے رہے - اس کے بعد تو لوگوں کے آنے کا تانتا بندھ گیا - جو آتا اس کا استقبال نواب صاحب کرتے اور لا لا کر بٹھاتے - حکیم مومن خاں آئے - ان کے ساتھ آزردہ، شیفتہ، صہبائی اور مولوی مملوک العلی تھے - مولوی صاحب مدرسۂ دھلی میں مدرس اول ھیں - عجیب با کمال آدمی ھیں - مدرسے میں ان کی ذات بابرکات سے وہ فیض ھوا ھے کہ شاید ھی کسی زمانے میں کسی اُستاد سے ھوا ھو - بہت پابند شرع ھیں، اس لئے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ھیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کر دینا گویا اس کو دوام کی سند دینا ھے - کوئی ۶۰ سال کا سن ھے - رھنے والے تو نانوتے کے ھیں مگر مدتوں سے دھلی میں آرھے ھیں - دن رات پڑھنے پڑھانے سے کام ھے - مشاعروں میں کم جاتے ھیں، یہاں شاید مولانا صہبائی ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے - تھوڑے ھی دن ھوے بچارے پابندیٔ شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے تھے - ھوا یہ کہ رزیڈنٹ بہادر مدرسے کے معائنہ کو آئے - ان کے علم اور رتبے کے خیال سے ھاتھ ملایا - جب تک صاحب بہادر وھاں رھے انھوں نے ھاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ھے - صاحب کے جاتے ھی بہت احتیاط سے ھاتھ کئی بار دھویا - کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی، اُن کو بہت غصہ آیا کہ ھم نے تو ھاتھ ملا کر ان کی عزت افزائی کی انھوں نے اس طرح ھماری توھین کی - غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ھوا —

مولوی صاحب میرے بھی اُستاد تھے - میں بھی آگے بڑھا - آداب کیا - فرمانے لگے ”میاں کریم الدین میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا - تم نے تو دھلی والوں کو مات کر دیا، سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا انتظام ھے، دیکھکر دل خوش ھو گیا، خدا تمھیں اس سے زیادہ حوصلہ دے“- میں نے عرض کی ”مولوی صاحب بھلا میں کیا اور میری بساط کیا؛ یہ سب کیا دھرا نواب زین العابدین خاں کا ھے“- فرمانے لگے ”بھئی یہ بھی اچھی ھوئی، وہ کہیں کہ سارا انتظام کریم الدین خاں کا ھے، تم کہو

که نواب صاحب کا هے - چلو، من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو"- ابھی یہ باتیں هو هی رهی تهیں که مرزا نوشه پالکی میں سے اُترے - نیر، علائی، سالک اور حزیں اُن کے همراه تهے - مرزا غالب مومن خاں کی طرف بڑھے، مصافحه کیا اور کہا "بھئی حکیم صاحب آج محمد قاصر خاں معزوں کا عظیم‌آباد سے خط آیا تھا، تم کو بہت بہت سلام لکھا هے؛ معلوم نہیں که کیوں ایکا ایکی پٹنه چلے گئے - خواجه میر درد کے پوتے هوکر ان کا دهلی کو چھوڑنا هم کو تو پسند نہیں آیا، اب یاروں کو روتے هیں - دیکھنا کیا درد بھرا شعر لکھا هے —

نه تو نامه هی نه پیغام زبانی آیا

آه معزوں مجھے یاران وطن بھول گئے

ارے بھئی رات تو خاصی آگئی هے، ابھی تک میاں ابراهیم نہیں آئے - آخر یه مشاعره شروع کب هو گا" - حکیم صاحب کچھه جواب دینے هی والے تهے که دروازے کے پاس سے "السلام علیکم" کی آواز آئی - مولانا صہبائی نے کہا "اے لیجئیے مرزا صاحب وه اُستاد کے نشان کے هاتھی حافظ ویران صاحب آگئے اور وه آپ کے دوست هدهد بھی ساتھه هیں؛ دیکھئیے آج کس کے چونچ مارتے هیں"- میاں هدهد کا نام عبدالرحمن هے - پورب کے رهنے والے هیں، دلی میں آکر حکیم آغا خاں عیش کے هاں تهیرگئے هیں- ان کے بچوں کو پڑھاتے هیں - حکیم صاحب هی کے مشورے سے هدهد تخلص اختیار کیا - انهی کی تجویز سے چگی ڈاڑھی رکھی، سر منڈا کر نکو عمامه باندها اور اس طرح خاصے کھٹ بڑھئی هو گئے - انهی کے ذریعے سے دربار میں پہنچے اور طائرالاراکین، شہپرالملک، هدهدالشعراء، منقار جنگ بہادر خطاب پایا - شروع شروع میں تو ان کے ظریفانه کلام سے مشاعره چمک جاتا تھا، مگر بعد میں انهوں نے اُستادان فن پر حملے شروع کر دئیے - کہتے تو یه هیں که حکیم صاحب کے اشارے سے ایسا کیا، لیکن کچھه بھی هو، آخر آخر سب کو ان سے کچھه نفرت سی هو گئی اور بجائے دوسروں کا مذاق اُڑنے کے خود اُن کا مذاق اُڑ جاتا تھا -

حکیم صاحب علانیہ تو اُن کی مدد کر نہیں سکتے تھے خود ان میں اتنی قابلیت نہ تھی جو دلی والوں کی پھبتیوں کو سنبھال سکتے' اس لئے تھوڑی ھی دیر میں ٹھنڈے ھوکر رہ جاتے - مرزا نوشہ اور حکیم مومن خاں پر ھمیشہ منہ آتے تھے - اسی لئے مرزا نوشہ مولانا صہبائی کے منہ سے ''آپ کے دوست'' کا لفظ سنکر مسکرائے اور کہا "بھئی میں تو ان کے منہ کیوں لگنے لگا مگر آج دیکھا جائیے گا "ھر فرعونے را موسیٰ'' سنتا ھوں کہ ھمارے میر صاحب مولوی ھدھد کی شان میں آج کچھہ فرمانے والے ھیں - ان کے سامنے اگر یہ شہباز سخن ٹک گئے تو میں سمجھونگا کہ بڑا کام کیا''- غرض یہ باتیں ھو رھی تھیں کہ اُستاد ذوق بھی اندر آگئے - تمام قلعہ ان کے ساتھہ آیا تھا - صاحب سلامت کر کے سب اپنی اپنی جگہ بیٹھہ گئے - قلعہ والوں اور اُن لوگوں میں جن کا تعلق قلعہ سے ھے سلام کرنے کا کچھہ عجیب طریقہ ھے - سیدھے کھڑے ھو کر دایاں ھاتھہ اس طرح کان تک لے جاتے ھیں جس طرح کوئی نماز کی نیت باندھتا ھے اور پھر چھوڑ دیتے ھیں' چلو سلام ھو گیا- باقی سب لوگوں سے معمولی طرح سلام کرتے ھیں- قلعہ والوں کی صورت کچھہ ایسی ھے کہ ایک ھی نظر میں پہچان لئے جاتے ھیں - شہزادے ھوں یا سلاطین زادے سب کی وضع قطع ایک سی ھے - وھی لمبی گردن' وھی پتلی اونچی ناک' لمبا کتابی چہرہ' بڑی بڑی لمبوتری آنکھیں' بڑا دھانہ' اونچا چوکا' آنکھوں کے نیچے کی اُبھری ھوئی ھڈیاں' گہرا سانولا رنگ' داڑھی کلوں پر ھلکی' ٹھوڑی پر زیادہ- غرض جیسی مشابہت ان لوگوں میں ھے شاید ھی کسی خاندان والوں میں ھوگی- امیر تیمور سے لگا کر اس وقت تک ان کی شکل میں کوئی فرق نہیں آیا ھے - پہلے تو قلعہ بھر کا ایک ھی لباس تھا * مگر اب کچھہ دورنگی ھوگئی ھے - وجہ یہ

---

* اس مضمون میں جابجا دھلی والوں کے لباس کا ذکر آیا ھے - مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ذرا وضاحت سے اس لباس کو بتا دوں تاکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

ھوئی کہ جب سے سلیمان شکوہ کا اودھ کے دربار میں رسوخ ھوا خاندان کے کچھہ لوگ تو وھیں جا رھے ھیں اور کچھہ ایسے ھیں کہ بنارس آتے جاتے رھتے ھیں - جو وھاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۵)

اس مخمل کانقشہ اور اچھی طرح پھر جاے- مرزا نوشہ کاتو ذکر جانے ھی دو وہ تو ڈیڑہ اینٹ کی مسجد الگ بناتے ھیں ' ان کی ٹوپی دنیا بھرسےجدا تھی -نہ ترکی تھی نہ تاتاری کھال کو (خواہ وہ سمور ھو یا برہ) اس طرح سی لیا جاتا تھا کہ نیچے کا گھیر اوپر کے چندوے سے ذرا بڑا ھے - اس کے بعد چار کنگرے قائم کرکے کھال کو ٹوپی کی آدھی لمبان تک اس طرح کاٹ لیا کہ ٹوپی گرگچ کی شکل بن گئی - بیچ میں چندوے کی جگہ مخمل یا گہرے رنگ کی بانات کنگروں کے کناروں سے ملا کر سی لی ' اندر استر دےدیا ' چلو مرزا نوشہ کی ٹوپی ھو گئی- شہر میں کلاہ ترکی کا بہت استعمال ھے جس کو عام اصطلاح میں چوگوشیہ ٹوپی کہتے ھیں - یہ بھی کئی وضع کی ھوتی ھیں اور کئی طرح پہنی جاتی ھیں - جو ٹوپی شرفا استعمال کرتے ھیں اس کا دمہ (گوٹ) ذرا نیچا ھوتا ھے - دمے کے اوپر چار پاکھے - پاکھے کی وضع بالکل شاھجہانی محراب کی سی ھوتی ھے - چاروں کو اس طرح ملا کر سیتے ھیں کہ چاروں کونے کمرک (کسرخ) کے نمونے کے ھوجائیں - بعض لوگوں نے اس میں ذرا جدت بھی کی ھے ' وہ یہ کہ دمے کو اونچا کرکے پاکھوں کی لمبان کو چوڑان سے کسی قدر بڑھا دیا ھے اور ان کے سل جانے کے بعد جو پھل پیدا ھوے ھیں ان کو پھر کاٹ کر کلیاں ڈال دی ھیں - اس طرح بجاے چار پھل کے ٹوپی کے آٹھہ پھل ھوگئے ھیں- خوبصورتی کے لئے دمے کے کناروں پر پتلی لیس اور گوشوں کے کناروں پر باریک ڈھطون لگاتے ھیں - بادشاہ سلامت کی ٹوپی ھوتی تو اسی نمونے کی ھے مگر سلمے ستارے کے کام سے لپی ھوئی اور جابجا موتی اور نگینے ٹکے ھوے-اس قسم کی ٹوپی کئی طرح پہنی جاتی تھی- قلعہ والے تو پاکھوں کو کھڑا رکھتے ھیں ' باقی لوگ ان کو کسی قدر دبالیتے ھیں - جو ٹوپی آٹھہ پھل کی ھوتی ھے اس کے پاکھوں کو تو اتنا دباتے ھیں کہ گوشے دمے کے باھر پھیل کر کنول کی شکل بن جاتے ھیں - اس قسم کی ٹوپی ھمیشہ آڑی پہنی جاتی ھے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا ایک کونہ بائیں بھوں کو دبانے - اس ٹوپی کے علاوہ ارخ چین کی ٹوپی کا بھی بہت رواج ھے - اس کا بنانا کچھہ مشکل کام نہیں - ایک مستطیل کپڑے کے کناروں کو سر کے ناپ کے برابر سی لیا ' نیچے پتلی سی گوٹ دیدی اور اوپر کے حصے میں چنٹ دے کر چھوٹا سا گول ٹکڑا لگا دیا - دھلی کی دوپلڑی ٹوپی اور لکھنؤ کی ٹوپی میں صرف یہ فرق ھے 'کہ یہاں یہ ٹوپی اتنی بڑی بناتے تھے کہ سر پر منڈھ جاے '

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

جاکر آتا ہے لباس میں نئی تراش خراش کرتا ہے - اس طرح اس کا لباس آدھا تیتر آدھا بٹیر ہوکر نہ لکھنؤ کا رہتا ہے نہ دہلی کا- اب جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں انہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۵)

بر خلاف اس کے لکھنؤ کی ٹوپی صرف بالوں پر دھری رہتی ہے - ان ٹوپیوں کے علاوہ بعض بعض لوگ پچ گوشیہ ٹوپی بھی پہنتے ہیں - اس ٹوپی میں پانچ گوشے ہوتے ہیں ' لیکن اس کی کاٹ چوگوشیہ ٹوپی سے ذرا مختلف ہے - گوشوں کے اوپر کے حصے نوک دار ہوتے ہیں ' بس سمجھ لو کہ جیسے فصیل کے کنگرے - نیچے دمے کی بجائے پٹلی سی گوٹ ہوتی ہے - یہ ٹوپی قالب چڑھا کر پہنی جاتی ہے - قالب چڑھ کر بس ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ہمایوں کے مقبرے کا گنبد- عام لوگوں میں بڑے گول چندوے کی ٹوپی کا بھی بہت استعمال تھا - بعض تو بالکل سادی ہوتی ہیں اور بعض سوزنی کے کام یا فیتے کے کام کی ہوتی ہیں - اس ٹوپی کو بھی قالب چڑھا کر پہنتے ہیں—

لباس میں انگرکھا بہت پسند کیا جاتا ہے - انگرکھے کی چولی اتنی نیچی ہوتی ہے کہ ناف تک آتی ہے - چونکہ ہر شخص کو کسرت کا شوق ہے اس لئے جسم کی خوبصورتی دکھانے کے لئے آستین بہت چست رکھتے ہیں اور بعض شوقین آستینوں کو آگے سے کاٹ کر الٹ لیتے ہیں - انگرکھے کے نیچے کرتہ بہت کم لوگ پہنتے ہیں - قلعے والوں کے انگرکھے کے اوپر جامہ وار یا مخمل کی خفتان ہوتی ہے ' بہت تکلف کیا تو اس کے حاشیوں پر سمور لگا لیا ' نہیں تو عموماً پٹ‌ای لیس لگاتے ہیں - بٹنوں کی بجائے صرف ایک تکمہ اور گُھنڈی ہوتی ہے جس کو " عاشق معشوق یا چشمے " کہتے ہیں ' اس کی آستینیں ہمیشہ آدھی ہوتی ہیں- قلعے میں تو اس کو خفتان کہا جاتا ہے - مگر شہر والے اس سینہ کُھلے نیمہ آستین کو " شیروانی " کہتے ہیں - انگرکھے کے اوپر چوکور شامی رومال سموسہ کرکے پیٹھ پر ڈال لیتے ہیں - اس رومال کو عام اصطلاح میں " ارخ چین " کہتے ہیں - کمر میں بھی بٹی کرکے رومال لپیٹنے کا رواج ہے ' مگر بہت کم - پائجامہ ہمیشہ قیمتی کپڑے کا ہوتا ہے ' اکثر گلبدنی ' قلطے ' مشروع ' مرتہ ' اطلس یا گورنٹ کا ہوتا ہے - پرانی وضع کے جو لوگ ہیں وہ تو اب بھی ایک برھی کا پائجامہ پہنتے ہیں ' مگر تنگ موریوں کے پائجامے بھی چل نکلے ہیں - سلیم شاہی جوتی کا استعمال شروع ہوگیا ہے - پھر بھی دہلی کے شرفا گھیتلی جوتی زیادہ پسند کرتے ہیں شاید ہی شہر بھر میں کوئی ہوگا جس کے ہاتھ میں بانس کی لکڑی اور گز بھر کا

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

کو دیکھہ لیجئے - جو شاهزادے لکھنؤ جاکر آے هیں ان کے سرپر لکھنؤ کی دو پلڑی ٹوپی هے' اونچی چولی کا انگرکھا هے' نیچے باریک شربتی ململ کا کرته اور تنگ پیجامه هے - جنهوں نے قلعه کبھی نہیں چھوڑا اُن کے جسم پر وهی پرانا لباس هے - سر پر چوگوشیه ٹوپی' جسم پر نیچی چولی کا انگرکھا ' اس کے اُوپر مخمل یا جامهوار کی خفتانی ' پاؤں میں گلبدنی یا غلطے کا ایک برکا پیجامه - جو لوگ لکھنؤ هو آئے هیں انہوں نے دهلی کے لباس کے ساتھه ڈاڑهی کو بھی خیر باد کهدیا هے' چهرے کی ساخت سے تو ان کو دهلی کا شهزاده کهدو توکهدو مگر لباس اور وضع قطع سے تو یه ٹھیٹھ لکھنؤ والے معلوم هوتے هیں—

اُستاد ذوق سب سے مل ملا کر شامیانے کے دائیں طرف بیٹھه گئے - مشاعرے میں شعرا کو سلسلے سے بٹھانا بھی ایک فن هے - نواب زین‌العابدین خاں کی تعریف کروں گا که جس کو جهاں چاها بٹھا دیا اور پھر اس طرح که کسی کو نه کوئی شکوه نه شکایت - اگر کوئی ایسی جگه بیٹھه جاتا جهاں ان کے خیال میں اس کو نه بیٹھنا چاهئیے تھا تو بجائے اس کے که اس کو وهاں سے اٹھاتے خود ایسی جگه جا بیٹھتے جهاں اس کو بٹھانا چاهتے' تھوڑی دیر کے بعد کهتے " ارے بھئی ' ذرا ایک بات تو سننا " - وه آکر اُن کے پاس بیٹھه جاتا' اس سے باتیں کرتے رهتے : اتنے میں کوئی ایسا شخص آجاتا جس کو وه خالی جگه کے موزوں سمجھتے اس سے کهتے ' " تشریف

(بقیه حاشیه صفحه ٦٠٧)

لٹھے کا چوکور رومال نه هو - ڈھونڈه ڈھونڈه کر لمبی پور کا ٹھوس بھاری بانس لیتے ' تیل پلاتے' مهندهی مل کر باورچی‌خانے میں لٹکاتے' یهاں تک که اس کی رنگت بدلتے بدلتے سیاه هوجاتی اور وزن تو ایسا هوجاتا گویا سیسه پلا دیا هے - جو نکلتا هے اینٹھتا هوا نکلتا هے ' جسکا دیکھو ' چوڑا سینه ' پتلی کمر ' بلے هوئے ڈنڈ - شرفا میں تو شاید ڈھونڈے سے ایک بھی نه نکلیگا جسکو کسرت کا شوق نه هو اور بانک ' بنوٹ اور لکڑی نه جانتا هو - بچپن هی سے ان فنوں کی تعلیم دیجاتی هے ' مقابلے هوتے هیں' واه واه سے بچوں اور نوجوانوں کا دل بڑھاتے هیں اور فنون سپاه گری کو شرافت کا تمغه سمجھتے هیں —

رکھئے ' وہ جگہ خالی ہے "۔ جب وہ جگہ بھرجاتی تو کسی بہانے سے اُٹھہ جاتے اور اس طرح دو نشستوں کا انتظام ہوجاتا - شہزادوں کا سلسلے سے بٹھانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ کر اُٹھہ جاتے ہیں کہ واہ ہم اور یہاں بیٹھیں - پھر لاکھہ منائیے وہ بھلا کیا ماننے والے ہیں- ان جھگڑوں کو استاد ذوق خوب سمجھتے تھے اس لئے اپنے ساتھہ والوں کا انتظام اُنہوں نے خود کرلیا ' مگر اس طرح کہ کسی کو یہ خیال ہی نہیں ہوا کہ یہ محفل کا بندوبست کر رہے ہیں- کسی سے کہتے "صاحب عالم ' ادھر آئیے" - کسی سے ' کسی خاص جگہ کی طرف اشارہ کرتے' کہتے " بیٹھو ' بھئی بیٹھو " - غرض تھوڑی دیر میں پوری مجلس جم گئی - نشست کا یہ انتظام تھا کہ میر مشاعرہ کے دائیں جانب وہ لوگ تھے جن کا تعلق قلعے سے تھا اور بائیں طرف شہر کے دوسرے استاد اور ان کے شاگرد- ایک چیز جو مجھے عجیب معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ قلعے والے جتنے آئے تھے ' سب کے ہاتھوں میں بٹیریں دبی ہوئی تھیں- یہ بٹیر بازی اورمرغ بازی کا مرض قلعہ میں بہت ہے - روزآنہ تیتروں ' بٹیروں اور مرغوں کی پالیاں ہوتی ہیں - ایک شہزادے صاحب نے تو کمال کیا ہے ' ایک بڑے چھکڑے پر ٹھاٹھر لگا کر چھوٹا سا گھر بنا لیا ہے اور اوپر چھت پر مٹی ڈالکر کلکنی بودی ہے - ٹھاٹھر میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو لاکھوں ہی پدڑیاں ہیں- جہاں چاہا چھکڑا لیگئےاور پدڑیاں اڑا دیں ' ایسی سدھی ہوئی ہیں کہ جھلڑ سے ایک بھی پھٹ کرنہیں جاتی انھوں نے جھلڈی ہلائی او ر وہ اُڑیں ' انہوں نے آواز دی اوروہ آکر چھت پر بیٹھہ گئیں —

اُستاد ذوق کو آئے ہوے چند ہی منٹ ہوے ہونگے کہ مرزا فتح الملک ہوادار میں آپہنچے - اُن کے ساتھہ نواب مرزا خاں داغ تھے - میاں داغ کی کوئی سولہ سترہ برس کی عمر ہوگی - رنگت تو بہت کالی ہے مگر چہرے پر غضب کی نرماہٹ ہے - بڑی بڑی غلافی آنکھیں ' ستواں ناک کشادہ پیشانی ' سر پر سیاہ مخمل کی لیس لگی ہوئی چوگوشیہ ٹوپی - جس میں ساسنلیٹ کا انگرکھا ' سبز گُلبدنی کا پیجامہ'

هاتھ میں ریشمی روماں-ھیں تو ابھی نو عمر مگرشعر ایسا کہتے ھیں کہ سبحان‌اللہ-
شہر بھر میں ان کی غزلیں گائی جاتی ھیں - غرض ھوادار فرش سے ملا کر
لگا دیا گیا - پہلے میاں داغ اُترے* اور اُتر کر ایک طرف کھڑے ھوگئے - ان کے بعد
مرزا فتح‌الملک اُترے ان کا نیچے قدم رکھنا تھا کہ سب سرو قد کھڑے ھوگئے -
چار چوبدار سبز کھڑکی دار پگڑیاں باندھے، نیچی نیچی سبز بانات کی چپکلیں پہنے،
سرخ شالی روماں کمر سے لپیٹے، ھاتھوں میں گنگا جمنی عصا اور مورچھل لئے
ھوادار کے پیچھے تھے - ادھر مرزا فخرو نے فرش پر قدم رکھا ادھر عصا بردار تو
ان کے سامنے آگئے اور مورچھل بردار پیچھے ھولئے - اس سلیقے سے یہ جلوس
آھستہ آھستہ شامیانے تک آیا - مرزا فخرو نے شامیانے کے قریب کھڑے ھوکر سب کا
سلام لیا - پھر چاروں طرف نظر ڈال کر کہا "اجازت ھے"۔ سب نے کہا "بسم‌اللہ،
بسم‌اللہ" - اجازت پا کر یہ شامیانے میں گئے اور سب کو سلام کرکے بیٹھ گئے -
دوسرے سب لوگ بیٹھنے کی اجازت کے انتظار میں کھڑے تھے - ان سب کی طرف
نظر ڈال کر کہا "تشریف رکھئے، تشریف رکھئے" - سب لوگ سلام کر کے اپنی اپنی
جگہ بیٹھ گئے - اُستاد ذوق نے داغ کو اپنے قریب ھی ایک جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا،
وہ وھاں جا بیٹھے - مورچھل بردار شامیانے کے پیچھے اور عصا بردار سامنے کی صف
کی پشت پر جا کھڑے ھوے - جب یہ سب انتظام ھو گیا تو نواب زین‌العابدین خاں
آگے بڑھے، شامیانے کے پاس جا کر تسلیمات بجا لائے اور دو زانو ھوکر وھیں بیٹھ گئے-
چپکے چپکے صاحب عالم سے کچھ باتیں کیں اور پھر اُٹھ کر اپنی جگہ جا بیٹھے-

---

* مرزا فخرو کے ساتھ نواب مرزا خاں داغ کے آنے کی یہ وجہ تھی کہ نواب
شمس‌الدین خاں کے پھانسی پانے کے بعد ان کی بیوی یعنی داغ کی والدہ کا نکاح مرزا
فخرو سے ھو گیا تھا اور اسی نسبت سے داغ قلعہ میں رھتے تھے - (نواب فتح‌الملک کا
عرف مرزا فخرو تھا)—

اُن کے اُٹھہ کر چلے جانے کے بعد نواب فتح الملک نے دونوں ھاتھہ فاتحہ * کو اُٹھائے۔ ساتھہ ھی اھل مجلس نے ھاتھہ اُٹھائے - فاتحہ خیر کے بعد صاحب عالم نے فرمایا "اے خوشنوایان چمن دھلی! میری کیا بساط ھے جو آپ جیسے اُستادان فن کے ھوتے ھوے میر مشاعرہ بننے کا خیال بھی دل میں لاسکوں - صرت حضرت پیر و مرشد کے فرمان کی تعمیل میں حاضر خدمت ھو گیا ھوں، ورنہ کہاں میں اور کہاں ایسے بڑے مشاعرے کی میر مجلسی - محبو! اس مشاعرے کی ایک خصوصیت تو آپ کو معلوم ھے کہ اس کے لئے کوئی "طرح" نہیں دی گئی - اس کی دوسری خصوصیت آپ یہ پائیں گے کہ بجائے ایک شمع کے دو شمعیں گردش کریں گی - جس طرح "طرح" کے نکل جانے نے ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر و مباھات کا دروازہ بند کر دیا ھے، اسی طرح دو شمعوں کی وجہ سے پڑھنے میں تقدیم و تاخیر سے جو خیالات طبیعتوں کو مکدر کرتے تھے وہ بھی رفع ھو جائیں گے- مشاعرے کی ابتدا کرنے اور ختم کا خیال بھی اکثر دلوں میں فرق ڈالتا ھے، لیکن اس مشاعرے میں، میں نے انتہا کو ابتدا کر دیا ھے - چنانچہ حضرت ظل سبحانی کے کلام معجز نظام سے مشاعرے کی ابتدا ھوگی اور اس کے بعد ھی میں اپنی غزل عرض کرکے ابتدا اور انتہا کے فرق کو مٹا دونگا"- یہ کہکر مرزا فخرو نے ھاتھہ کا اشارہ کیا - دونوں چوبدار جو سامنے کھڑے تھے دونوں شمعیں اُٹھا کر ان کے سامنے لائے - انھوں نے بسم اللہ کہکر فانوس اُتارے اور شمعیں جلا کر فانوس چڑھا دئے - چوبداروں نے شمعوں کو لیجا کر لگنوں میں رکھدیا اور سیدھے کھڑے ھو کر مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انھوں نے گردن سے اشارہ کیا- اشارہ پاتے ھی دونوں چوبداروں نے بآواز بلند کہا "حضرات! مشاعرہ شروع ھوتا ھے"—

اس آواز کا سننا تھا کہ ایک سناٹا سا ھو گیا - قلعے والوں نے بگیریں تھیلیوں

---

* نواب فتح الملک بڑے کٹے مسلمان تھے، کوئی کام بغیر فاتحہ خیر کے شروع نہ کرتے تھے اسی لئے سب قلعے والے ان کو "ملا" یا "ملّیٹا" کہا کرتے تھے—

میں بند کر، تکیوں کے پیچھے رکھدیں - نوکروں نے جھٹ پٹ حقے سامنے سے ھٹا دئے
اور ان کی جگہ سب کے سامنے اوگالدان، خاصدان اور بُن دھنیے کی طشتریاں رکھھ
اپنی اپنی جگہ جا کھڑے ھوے - اتنے میں بارگاہ جہاں پناھی کا خواصی بادشاہ
سلامت کی غزل لئے ھوے قلعے سے آیا - اس کے ساتھہ کئی نقیب تھے وہ خود شمع
کے قریب آکر تسلیمات بجا لایا اور غزل پڑھنے کی اجازت چاھی - مرزا فخرو نے
گردن کے اشارے سے اجازت دی - وہ وھیں بیٹھہ گیا - نقیبوں نے آواز لگائی—

"حاضرین! حضرت ظل سبحانی، صاحبقران ثانی خلداللہ ملکہ و سلطنتہ کا
کلام معجز نظام پڑھا جاتا ھے - نہایت ادب کے ساتھہ گوش دل سے سماعت فرمائیے"—

تکمیل

حضور شاہ میں اھل سخن کی آزمایش ھے

چمن میں خوشنوایان چمن کی آزمایش ھے

نقیب کی آواز کے ساتھہ ھی سب اھل محفل دوزانو ھو سنبھل کر بیٹھہ گئے
اور پاس ادب سے سب نے گردنیں جھکا لیں - خواصی نے بادشاہ سلامت کی غزل خریطے
میں سے نکالی، بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور بلند آواز سے سورٹھہ کے سروں میں
پڑھنا شروع کیا - الفاظ کی نشست، زبان کی خوبی، مضمون کی آمد اور سب سے
زیادہ پڑھنے والے کے گلے نے ایک سماں باندہ دیا - ایک کیفیت تھی کہ زمین سے
آسمان تک چھائی ھوئی تھی، کسی کو تعریف کرنے کا بھی ھوش نہ تھا - اُستادان فن
ھر شعر پر جھومتے تھے - کبھی کبھی کسی کے منہ سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کے
الفاظ بہت نیچی آواز میں نکل گئے تو نکل گئے ورنہ ساری مجلس پر ایک عالم
بے خودی طاری تھا - مقطع پر تو یہ حال ھوا جیسے کسی نے سب پر جادو کر دیا -
ھر شخص وجد میں جھوم رھا تھا - باصرار تمام کئی کئی دفعہ مقطع پڑھوایا اور
مضمون اور زبان کی چاشنی کا لطف اُٹھایا - لیجئے آپ بھی پڑھئیے اور زبان

کے مزے لیجئیے—

نہیں عشق میں اسکا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا ' کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہد نشاط ' یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دو دم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

غزل پڑھ چکنے کے بعد خواص نے کاغذ مرزا فخرو کے ہاتھ میں دیا - زر افشاں' کاغذ پر خود حضرت ظل اللہ کے قلم کی لکھی ہوئی غزل تھی - خط ایسا پاکیزہ تھا کہ آنکھوں میں کھبا جاتا تھا- مرزا فخرو نے کاغذ لے کر اِدھر اُدھر دیکھا - مملوک العلی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا " صاحب عالم ! ہمارا کیا منہ ہے جو ہم حضرت ظل سبحانی کی غزل کی جیسی چاہئیے ویسی تعریف کرسکیں ' البتہ ان نوازشات شاہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو حضرت پیر و مرشد نے غزل بھیج کر شرکائے مشاعرہ پر مبذول فرمائی ہیں ' بارگاہ جہاں پناہی میں ہمارا ناچیز شکریہ پیش کرکے ہماری عزت افزائی فرمائی جائے " - مرزا فخرو نے خواص کی طرف دیکھا - اُس نے عرض کی " قبلہ عالم ! میں یہ پیام جاتے ہی پیش گاہ عالی میں پہنچا دوں گا "- خواص آداب کرکے جانے والا ہی تھا کہ مرزا فخرو نے روکا اور کہا " جانے سے پہلے صاحب عالم و عالمیان حضرت ولی عہد بہادر کی غزل بھی پڑھتے جاو ' چلتے چلتے مجھے عنایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ کسی خوش گلو شخص سے پڑھوانا - بھلا تم سے زیادہ موزوں

اور کون شخص مل سکتا ھے - " یہ کہہ کر جیب میں ھاتھہ ڈالا اور ایک کاغذ نکال کر خواصی کو دیا - اُس نے آداب کرکے کاغذ لیا اور وھیں بیٹھہ کر یہ غزل سنائی —

دل سے لطف و مہربانی اور ھے ۔۔۔ مہربانی کی نشانی اور ھے

قصۂ فرھاد و مجنوں اور ھے ۔۔۔ عشق کی میرے نشانی اور ھے

روکنے سے کب مرے رکتے ھیں اشک ۔۔۔ بلکہ ھوتی خوں فشانی اور ھے

ھم سے اے دلدار وہ کب ھوتے ھیں صاف ۔۔۔ ان کے دل میں بد گمانی اور ھے

غزل تو بہت پھسپھسی تھی مگر ولی عہد بہادر کی غزل تھی ' بھلا کس کا جگرا تھا جو تعریف نہ کرتا - البتہ غالب اور مومن بالکل چپ بیٹھے رھے - بعض قلعے والوں کو برا بھی معلوم ھوا مگر ان دونوں کو خوب سمجھتے تھے کہ یہ سچی تعریف کرنے والے لوگ ھیں - ولی‌عہد تو ولی عہد اگر بادشاہ سلامت کی بھی کمزور غزل ھو تو گردن تک نہ ھلائیں-القصہ خواصی تو غزل پڑھ رخصت ھوا اور اب حاضرین جلسہ کے پڑھنے کی نوبت آئی —

مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا - اس نے دونوں شمعیں لا شامیانے کے سامنے رکھہ دیں - صاحب عالم نے اپنی غزل نکالی اور اِدھر اُدھر نظر ڈال کر اور گردن کو ذرا جھکا کر کہا " بھلا میری کیا مجال ھے کہ آپ جیسے کاملین فن کے مقابلے میں کچھہ پڑھنے کا دعوے کروں ' البتہ جو کچھہ برا بھلا کہا ھے وہ بہ نظر اصلاح عرض کرتا ھوں" —

۱ - غم وہ کیا ھے جو جاں گزا نہ ھوا ۔۔۔ درد وہ کیا جو لا دوا نہ ھوا

۲ - حال کھل جائیں غیر کے سارے ۔۔۔ پر کروں کیا کہ تو سرا نہ ھوا

۳ - درد کیا جسمیں کچھہ نہو تاثیر ۔۔۔ بات کیا جس میں کچھہ مزا نہ ھوا

۴ - وہ تو ملتا ' پر ' اے دل کم ظرف ۔۔۔ تجھہ کو ملنے کا حوصلہ نہ ھوا

۵ - شکوۂ یار اور زبان رقیب ۔۔۔ کھیل ٹھیرا کوئی گلہ نہ ھوا

۶ - تم رھو اور مجمع اغیار ۔۔۔ میرا کیا ھے ' ھوا ' ھوا نہ ھوا

۷ - پھر تمہارے ستم اٹھانے کو   رمز اچھا ہوا برا نہ ہوا

مرزا فخرو کی آواز تو اونچی نہ تھی، مگر پڑھنے میں ایسا درد تھا کہ سن کو دل بے قابو ہوجاتا تھا سارا مشاعرہ واہ واہ اور سبحان اللہ کے شور سے گونج رہا تھا۔ تیسرے شعر پر مرزا غالب نے اور پانچویں پر حکیم مومن خاں نے ایسے جوش سے واہ واہ کی کہ صف سے آگے نکل آے - مرزا فخرو اپنی غزل پڑھتے رہے مگر اِن دونوں کو انھی دو شعروں کی رٹ لگی رھی - پڑھتے اور مزے میں آکر جھومتے۔ جب غزل ختم ہوئی تو مرزا نوشہ نے کہا " سبحان اللہ ! صاحب عالم ! سبحان اللہ - واہ کیا کہنا ھے ، شعر یوں کہتے ھیں ، مزا آگیا "- اُستاد ذوق بھی مسکرائے کہ چلو اسی بہانے سے میری تعریف ہورھی ھے - مرزا فخرو نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا " یہ آپ اصحاب کی بزرگانہ شفقت ھے جو اس طرح ارشاد ہوتا ھے ورنہ من آنم کہ من دانم " - وہ جدھر نظر ڈالتے لوگ تعریفیں کرتے اور وہ جھک جھک کر سلام کرتے - جب محفل میں ذرا سکون ہوا تو مرزا فخرو نے چوبدار کو اشارہ کیا اس نے شامیانے کے سامنے سے ایک شمع اٹھا ، سامنے کی صف میں میاں یل*

---

* اس غرور ھی نے آخر اُن کو نیچا دکھایا - ان کا روز روز اکھاڑے میں آکر خم ٹھونکنا لوگوں کوناگوار گزرا - شہخو والوں کے اُستاد حاجی علی جان نے ایک پٹھا تیار کیا۔ بدن میں تو کچھ ایسا زیادہ نہ تھا مگر داوپیچ میں طاق تھا اور پھرتی اس بلا کی تھی کہ کیا کہوں - ایک دن جو میاں یل نے حسب معمول شہخو والوں کے ھاں آکر خم ٹھونکے تولونڈا کپڑے اتار پھرا بدل سامنے آگیا اور خم ٹھونک کر ھاتھ ملانا چاھا - میاں یل کو ھلسی آگئی کہ بھلا یہ پودنا مہرا کیا مقابلہ کریگا - ھاتھ ملانے میں تامل کیا - اُستاد علی جان نے کہا " کیوں بھئی ھاتھ کیوں نہیں ملاتے ، یا تو ھاتھ ملاو یا پھر کبھی اس اکھاڑے میں آکر خم نہ ٹھونکنا " - کہنے لگے " استاد ! جوڑ تو دیکھ لو ، خواہ مخواہ اس لونڈے کو پسوانے سے حاصل "- اُستاد نے کہا " میاں جوجیسی کریگا ویسی بھریگا 'دنگل میں تم اسے کچل ڈالنا یہی ہوگا نا کہ ھڈی پسلی تڑوا کر آیندہ کو کان ہوجائینگے "- بہرحال دونوں ھاتھ مل گئے - تاریخ مقرر ہوگئی - اس مشاعرے کے دوچار ھی دن بعدشاھی دنگل میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے آگے رکھدی - نام تو ان کا عبدالقادر تھا مگر شہر کا بچہ بچہ ان کو میاں یل کہتا تھا۔ ان کو اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا کہ کسی پہلوان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جس اکھاڑے میں جاتے وہاں خم ٹھونک آتے اور کسی کو جواب میں ان کے سامنے خم ٹھوکنے کی ھمت نہ ھوتی، پہلوانی کی نسبت سے تخلص 'یل' رکھا تھا - مضمون بھی رندانہ باندھتے تھے - پڑھتے اس طرح تھے کہ گویا میدان کارزار میں رجز پڑھ رھے ھیں - اس سے غرض نہ تھی کہ کوئی تعریف کرتا ھے یا نہیں کرتا، ان کو اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۵)

کشتی قرار پائی - عیدگاہ کے پاس ھی یہ دنگل ھے، دس پندرہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ھے مگر اس روز وھاں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی - جدھر نظر جاتی سر ھی سر دکھائی دیتے - میاں یل کی بیہودگیوں کی وجہ سے ساری دھلی اس لونڈے کی طرف تھی - پہلے چھوٹی موٹی کشتیاں ھوتی رھیں، ٹھیک چار بجے یہ دونوں جانگئے پہن، چادریں پھینک دنگل میں اُترے - اُترتے ھی دونوں نے " یا علی " کا نعرہ مارا - دوچار ڈھکیلیاں کھائیں، کچھہ پڑھ کر مٹی سینے پر ڈالی اور خم ٹھونک آمنے سامنے آگئے - دونوں کے جسموں میں زمین آسمان کا فرق تھا - ھاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا - تمام دنگل میں سناٹا تھا۔ سوئی بھی گرے تو آواز سن لو - ھاں آواز تھی تو یا علی کی یا خم ٹھوکنے کی۔ میاں یل نے لونڈے کا ھاتھہ پکڑ جھٹکا دیا۔ وہ آگے کو جھکا یہ کمر پر آگئے - وہ جھٹ غوطہ مار ھاتھوں کو چیر نکل گیا - انہوں نے اس کا سیدھا ھاتھہ پکڑ دھوبی پاٹ پر کسنا چاھا وہ توڑ کر کے الگ جا کھڑا ھوا - یہ گاؤزوری کر کے اس کو دبا تو لیتے لیکن وہ اپنی پھرتی کی وجہ سے ذرا سی دیر میں صاف نکل جاتا - آخر ایک دفعہ یہ اس کو دبا ھی بیٹھے وہ چپکا پڑا رھا انہوں نے ھفتے کس لئے۔ تھوڑی دیر تک اس کو خوب رگڑا وہ سہے چلا گیا - انہوں نے پہلو میں آ کسکر اس کا سینہ کھولنا چاھا، وہ بھی موقعہ تاک رھا تھا، یہ کھینچنے میں ذرا غافل ھوئے اس نے ٹانگ پر باندہ جو اُڑایا تو میاں چاروں خانے چت جا پڑے لونڈا اُچک سینے پر سوار ھوگیا۔ " وہ مارا - وہ مارا " کی آوازوں سے دنگل ھل گیا - لوگوں نے دوڑ لونڈے کو گود میں اُٹھا لیا - کسی نے یہ بھی پھر کر نہ دیکھا کہ میاں یل کہاں پڑے ھیں - یہ بھی چپکے سے اُٹھہ چادر اُوڑھ منہ لپیٹ ایسے غایب ھوئے کہ پھر کسی نے ان کی صورت نہ دیکھی - دنگل سے کیا گئے ھمیشہ کے لئے دھلی سے گئے - تھے بڑے غیرتمند وہ دن اور آج کا دن، پھر اُن کی صورت نظر نہ آئی ؛ خدا جانے کہاں مرکھپ گئے —

شعر پڑھنے سے کام تھا۔ غزل لکھی تھی :—

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے
ہرگز نہیں ہیں یار بھی کچھہ اس ڈبنگ سے

لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے
ساقی نے پشت دی مئے صافی کو بنگ سے

دل اب کے بے طرح سے پھنسا زلف یار میں
نکلے یہ کیونکہ دیکھئے قید فرنگ سے

آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا
یاری تو تم نے کی ہے 'یل' اس شوخ و شنگ سے

ان کی غزل ختم ہوتے ہی چوبدار نے دوسری شمع اُٹھا ' مرزا علی بیگ کے سامنے رکھدی - یہ بڑے گورے چٹے نو جوان آدمی ہیں - کسرت کا بھی شوق ہے - نازنین تخلص کرتے ہیں۔ دھلی میں بس یہی ایک ریختی گو ہیں۔ ادھر شمع رکھی گئی اُدھر نواب زین العابدین خان نے آواز دی " اوڑھنی لاؤ "۔ایک نوکر فوراً تاروں بھرے گہرے سرخ رنگ کی اوڑھنی لیکر حاضر ہوا - نازنین نے لے بڑے ناز و انداز سے اس کو اوڑھا ایک پلو کا بکل مارا' دوسرا پلو سامنے پھیلا لیا اورخاصی بھلی چنگی عورت معلوم ہونے لگے - غزل ایسی لڑ لڑ کر اور آڑ آڑ کر پڑھی کہ سارا مشاعرہ عش عش کرنے لگا - نرت ایسا پیارا کرتے تھے کہ کوئی بیسوا بھی کیا کریگی - دوسرا شعر تو اس طرح پڑھا کہ گویا "باجی" کو جلانے کے لئے سب کچھہ کرنے کو تیار ہیں۔ قلعے والوں کو تو اس غزل میں بڑا مزا آیا مگر جو ریختے کے اوستاد تھے وہ خاموش بیٹھے سنتے رہے - غزل یہ تھی :—

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
ہوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

مجھے کہتی ہیں باجی تونے تاکا چھوٹے دیور کو
نہیں ڈرنے کی میں بھی 'ہاں' نہیں تاکا تو اب تاکا

اگر اے نازنین تو دبلی پتلی کامنی سی ہے
چھریرا سا بدن نام خدا ہے تیرے دولھا کا

اب دونوں شمعیں اس طرح گردش کرنے لگیں کہ پہلے صف کے سیدھی جانب کا

ایک شخص غزل پڑھتا تھا اورپھراسی طرف کا۔ نیچے ایک نقشہ دیتا ہوں اس سے نشست

نازنین کے پڑھنے کے بعد دائیں جانب کی شمع ہٹ کر میاں عاشق کے سامنے آئی - یہ بچارے ایک مزدور پیشہ آدمی ہیں، لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے، نہ کسی کے شاگرد ہیں نہ کسی کے اُستاد - شعر خاصہ اچھا کہتے ہیں - اس مشاعرے میں ایک شعر تو ایسا نکل گیا ہے کہ سبحان اللہ، لکھا ہے:—

فقط تو ہی نہ میرا اے بت خونخوار دشمن ہے

ترے کوچے میں اپنا ہر در و دیوار دشمن ہے

غزل میں باقی سارے اشعار تو صرف بھرتی کے تھے مگر اس شعر پر ہر طرف سے بڑی دیر تک واہ واہ ہوتی رہی - ان کے غزل ختم کرنے پر بائیں طرف کی شمع اُٹھا کر عبداللہ خاں 'اوج' کے سامنے رکھ دی گئی - یہ بڑے پرانے ۴۰، ۴۵ برس کے مشاق شاعر ہیں - مضمون کی تلاش میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں لیکن ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایسے بلند مضامین اور نازک خیالات لاتے ہیں کہ ایک شعر تو کیا ایک قطعے میں بھی ان کی سمائی مشکل ہے اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایک ہی شعر میں مضمون کو کھپا دیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے - بھلا دوسروں کو تو ان کے شعروں میں کیا مزا آئے اور کوئی کیا داد دے - ہاں یہ خود ہی پڑھتے ہیں خود ہی مزے لیتے ہیں اور خود ہی اپنی تعریف کر لیتے ہیں - غزل اس زور شور سے پڑھتے ہیں کہ زور میں آکر صف مجلس سے گزوں آگے نکل جاتے ہیں - ان کے شاگرد تو دو چار ہی ہیں مگر اُستاد بھی ان کو اُستاد مانتے ہیں - بھلا کس کا بل بوتہ ہے جو ان کو اُستاد نہ کہکر مفت کی لڑائی مول لے - اِدھر انہوں نے شعر پڑھایا اُدھر اُستاد ذوق یا مرزا غالب نے داد دی - داد دینے میں ذرا دیر ہوئی اور ان کے تیور بدلے - ان کے غصے کی بھلا کون تاب لا سکتا ہے - چار و نا چار تعریف کرنی پڑتی، جب کہیں جا کر یہ ٹھنڈے پڑتے - غزل ہوئی تھی:

دم کا جو دمدمہ یہ باندھے خیال اپنا　　　　بے پل‌صراط، اُتریں، یہ ہے کمال اپنا

طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرا سے نفرت　　　　سم میں گڑا ہوا ہے، آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا، ہے یاد کسکو قاتل شانچےمیں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
چیچک کے آبلوں کی میں باگ توڑتا ہوں (رکھہ کے) دیوی کے آستاں پر سیمیں ہلال اپنا

آخری شعر پر تو مرزا غالب اُچھل پڑے - کہنے لگے " واہ میاں اوج اس شعر کے دوسرے مصرعے نے تو غضب ڈھا دیا ہے - بھئی واللہ الفاظ " رکھہ کے" کیا خوب پھنسائے ہیں - یہ سب کافر ہیں جو تمہیں اُستاد کہتے ہیں - میاں تم تو شعر کے خدا ہو خدا " - غرض، سب اُستادوں نے تعریفوں کے پل باندہ دئے اور میاں اوج ہیں کہ پھول کر کُپا ہوے جاتے ہیں - جب ذرا سکون ہوا تو سیدھی طرف شمع کھسک کر محمد یوسف 'تمکین' کے سامنے آئی - اُن کی عمر کوئی ۱۵، ۱۶ سال کی ہوگی - مدرسۂ دھلی میں طالب علم ہیں - غضب کی ظریفانہ طبیعت پائی ہے - بات کرنے میں منہ سے پھول جھڑتے ہیں - نازک نازک نقشہ، سانولا رنگ، بھرے بھرے ھاتھہ پاؤں - جوان ہوں گے تو بڑے خوبصورت آدمی نکلیں گے - غزل کہی تھی :

دوزخ بھی جس سے مانگتا ہر دم پناہ تھا کس دل جلے کی بار خدایا یہ آہ تھی
خانہ خراب ہو جو ترا عشق بے حیا ق آئین کون سا تھا یہ کیا رسم و راہ تھی
تونے جو دل کو میرے صنم‌خانہ کردیا رهتا خدا تھا جس میں یہ وہ بارگاہ تھی
تمکیں کو اک نگاہ میں دیوانہ کر دیا جادو فریب آہ یہ کس کی نگاہ تھی

میاں تمکین کا دل بڑھانے کو سب نے تعریف کی - قطعہ کو کئی کئی دفعہ پڑھوایا - اُستاد احسان نے کہا "میاں یوسف! کیا کہنا ہے، خوب کہتے ہو، کوشش کئے جاؤ؛ ایک نہ ایک دن اُستاد ہو جاؤ گے - مگر میاں کسی کے شاگرد ہو جاؤ، بے اُستادے رہے تو بھٹک نکلوگے"- میاں تمکین نے مسکرا کر کہا " اُستاد! میں کہیں آپ کے حکم سے باہر ہو سکتا ہوں، کل ہی انشاءاللہ اُستاد اوج کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں"- اُستاد ذوق نے کہا " ہاں، بھئی ہاں، خوب انتخاب کیا - بس یہ سمجھو کہ چند ہی دن میں بیڑا پار ہے"- یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسری شمع غلام احمد 'تصویر' کے سامنے پہنچ گئی - ان کو میاں ببن بھی

کہتے ہیں - الف کے نام بے نہیں جانتے، مگر طبیعت غضب کی پائی ہے - پہلے میاں تنویر کے شاگرد تھے، بعد میں اُن سے ٹوٹ کر اُستاد ذوق سے آ ملے - بھاری بدن، منڈی ہوئی ڈاڑھی، چھوٹی چھوٹی موچھیں، گہرا سانولا رنگ، جسم پر سوسی کا تنگ مہری کا پائجامہ، اوپر سوسی ہی کا کرتہ، کندھے پر لٹھے کا رومال، سر پر سوزنی کے کام کی گول ٹوپی - بچارے نیچہ بندی پر گزر اوقات کرتے ہیں - بڑے پرگو شاعر ہیں، لکھنا پڑھنا تو جانتے ہی نہیں اس لئے جو کچھہ کہتے دل و دماغ ہی میں ٹھونستے جاتے ہیں - یاد اس بلا کی ہے کہ ذرا چھیڑ دو تو ارگن کی طرح بجنے لگتے ہیں اور ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیتے - کلام ایسا پاکیزہ ہے کہ بڑے بڑے اُستادوں کے سر ہل جاتے ہیں - ان کو سنو تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ایک اُمی پڑھ رہا ہے - بس یہ سمجھہ لو کہ "الشعراء تلامیذالرحمن" کی بہترین مثال ہیں - غزل کہی تھی :—

ہجر کی شب تو سحر ہو یارب وہ نہ آیا تو قیامت ہی سہی

جان بے کار تو اپنی نہ گئی اے ستمگر تری شہرت ہی سہی

مجھہ سے اتنا بھی نہ کھنچئےصاحب آپ پر میری طبیعت ہی سہی

جذبۂ دل نہیں لایا تم کو آپ کی خیر عنایت ہی سہی

ہر شعر پر واہ، واہ اور سبحان اللہ کے شور سے محفل گونج جاتی تھی - غزل تمام ہوئی تو اُستاد ذوق نے حکیم مومن خاں کی طرف دیکھکر کہا "خاں صاحب یہ میاں ببن بھی غضب کی طبیعت لیکر آئے ہیں - کہنے کو تو میرے شاگرد ہیں مگر اب تک ان کے کسی شعر میں اصلاح دینے کی مجھے تو ضرورت نہیں ہوئی - کل ایک غزل سنائی تھی، میں تو پھڑک گیا - ایک شعر تو ایسا بے ساختہ نکل گیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - ہاں میاں ببن، وہ کیا شعر تھا" - میاں ببن نے ذرا دماغ پر زور ڈالا اور شعر دماغ سے پھسل زبان پر آگیا - مطلع تھا :—

۲ برچھی تری نگاہ کی پہلو میں آ لگی
پہلو سے دل میں، دل سے کلیجہ میں جا لگی

اور شعر یہ تھا —

دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آ لگی

حکیم صاحب نے بہت تعریف کی اور کہا "میاں ببن! یہ خدا کی دین ہے، یہ بات پڑھنے پڑھانے سے پیدا نہیں ہوتی - میاں خوش رہو، اس وقت دل خوش کردیا" —

ان کے بعد شمع محمد جعفر تابش کے سامنے آی - یہ الہ‌آباد کے رہنے والے ہیں، بہت دنوں سے دلی میں آرہے ہیں - بیچارے گوشہ نشین آدمی ہیں - شاعری سے دلی لگاؤ ہے، کوئی مشاعرہ نہیں ہوتا جہاں نہ پہنچتے ہوں - غزل میں دو شعر بہت اچھے تھے وہی لکھتا ہوں —

کبھی بن بادہ رہ نہیں سکتے تو یہ کچھ ہم کو سازگار نہیں
دل میں خوش ہیں عدو، پر اے تابش وہ ستمگر کسی کا یار نہیں

مقطع کی کچھ ایسی پیاری بندش پڑی ہے کہ سب کے منہ‌سے بے ساختہ واہ واہ نکلی - مفتی صدرالدین صاحب کی تو یہ حالت تھی کہ پڑھتے تھے اور جھومتے تھے —

تابش کے بعد الٹی جانب کی شمع میاں قلق کے آگے گئی - خدا ان سے محفوظ رکھے بڑے چالاک آدمی ہیں - عبدالعلی نام ہے، مدراس کے رہنے والے ہیں، کوئی ۳۰ برس کی عمر ہے - بچپن ہی میں گھر سے نکل کھڑے ہوے، حیدرآباد ہوتے ہوے دہلی آے - ہزاروں کو تعویذوں کے جال میں پھنسا کر پتڑا کردیا - ان کی شکل سے لوگ گھبراتے ہیں - شاہ صاحب بنے پھرتے ہیں مگر دل کا خدا مالک ہے - شعر خاصہ کہتے ہیں - لکھا تھا —

خم شراب سے خم گردوں تو بن گیا
ساقی بنا دے ماہ پیالا اوچھال کے

هم مشربوں میں چل کے قلق میکشی کرو
جھگڑے وہاں نہیں ہیں حرام و حلال کے

یہ پڑھ چکے تو شمع* منشی محمود جان اوج کے سامنے آئی - ان کی غزل میں دو ہی شعر ایسے تھے جن کی تھوڑی بہت تعریف ہوئی' باقی تو سب بھرتی کے تھے —

آنے میں اس جان جاں کے دیر ہے کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے
ہے یقیں وہ جان جاں آتا نہیں موت کے آنے میں پھر کیوں دیر ہے

اُن کے بعد مرزا کامل بیگ کی باری آئی - یہ سپاہی پیشہ آدمی ہیں' کامل تخلص کرتے ہیں - مشاعرے میں بھی اوپچی بن کر آئے ہیں - غزل اس طرح پڑھی گویا فوج کی کمان کر رہے ہیں - دیکھو تو مضمون میں بڑی وہی سپاہیانہ رنگ کی جھلک ہے ان کی غزل میں قطعہ بڑے مزے کا تھا وہی لکھتا ہوں —

"مژگاں سے گر بچے دل' ابرو کرے ہے ٹکڑے"
یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اب حکیم سید محمد تعشق کے پڑھنے کا نمبر آیا - یہ بڑے پایہ کے ادیب ہیں' ۹۳ - ۹۴ برس کی عمر ہے - حکمت میں اپنا جواب نہیں رکھتے - غرض کیا کہوں ایک جامع کمالات شخص ہیں مگر اپنے آپ کو بہت دور کھینچتے ہیں - اچھا شعر سنتے ہیں تو بیتاب ہوجاتے ہیں' چاہتے ہیں کہ جس طرح میں تعریف کرتا ہوں' اسی طرح دوسرے بھی میرے شعر کی تعریف کریں - شعر برا نہیں کہتے مگر ایسا بھی نہیں ہوتا کہ مشاعرہ چمک اُٹھے اور ہر شخص کے منہ سے بیساختہ واہ واہ نکل جائے - اب

---

* آیندہ یہ ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ سیدھی طرف کی شمع بڑھی یا اُلٹی جانب سے' بس یہ سمجھ لیجئےکہ پہلے دائیں طرف کا ایک شاعر پڑھتا تھا اور پھر بائیں طرف کا —

خود ھی ان کا کلام دیکھہ لیجئیے —

تجھہ کو اس میری آہ و زاری پر رحم اے فتنہ گر نہیں آتا
وعدہ شام تو کیا لیکن کچھہ وہ آتا نظر نہیں آتا
تیرے بیمار کا ہے یہ عالم ہوش دو دو پہر نہیں آتا

تعریف تو ہوئی مگر کچھہ ان کے دل کو نہ لگی اس لئیے ذرا آزردہ سے ہوگئیے —

ان کے بعد شمع میر حسین تجلی کے سامنے آئی - یہ میر تقی میر کے پوتے ھیں - بڑے ظریف اور نکتہ سنج آدمی ھیں - کلام میں وھی میر صاحب کا رنگ جھلکتا ھے - زبان پر جان دیتے ھیں - غزل تو چھوٹی سی ہوتی ھے مگر جو کچھہ کہتے ھیں اچھا کہتے ھیں - کیوں نہ ہو ، آخر کس کے پوتے ھیں —

سری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر ، یہ تیغ ھے ، لے اب تو اعتبار آیا
یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

دوسرے شعر پر وہ وہ تعریف ہوئی کہ میاں تجلی کی باچھیں کھل گئیں —

میاں تجلی پڑہ چکے تو حکیم سکھا نند رقم کی باری آئی - ان کو میں حکیم مومن خاں صاحب کے مکان پر دیکھہ چکا تھا - کلام تو ایسا اچھا نہیں ہوتا مگر پڑھتے خوب ھیں - جہاں کسی نے ذرا بھی تعریف کی اور انہوں نے سلام کا تار باندہ دیا - غزل لکھی تھی —

بجھانا آتش دل کا بھی کچھہ حقیقت ھے ذرا سا کام تجھے چشم‌تر نہیں آتا
عدم سے کوچۂ قاتل کی راہ ملحق ھے گیا ادھر جو گزر پھر اُدھر نہیں آتا
ہو خاک چارہ گری اس مریض کی تیرے نظر میں تجھہ سا کوئی چارہ گر نہیں آتا

تیسرا شعر حکیم مومن خاں صاحب کے رنگ کا تھا ، اس کی اُنھوں نے بہت تعریف کی - مگر اس کے ساتھہ یہ بھی کہا " میاں رقم ! یاتوتم حکمت ھی کرو یا شعر

ھی کہو ' ان دونوں چیزوں کا ملاکر چلانا ذرا مشکل کام ھے " —

شمع کا شیخ نیاز احمد جوش کے سامنے جانا تھا کہ شاگردان ذوق ذرا سنبھل بیٹھے - جوش کو اُستاد ذوق بہت عزیز رکھتے ھیں - ان کی عمر تو ۱۸ - ۱۹ سال کی ھےمگربلاکے طباع اور ذھین ھیں-ان کی سخن‌گوئی‌اورسخن فہمی‌کی‌قلعےبھر میں دھوم‌ھے' مگر مشاعرے میں اُنھوں نے جو غزل پڑھی وہ تو مجھے کچھہ پسند نہ آئی - ھاں قلعے والوں نے واہ واہ کے شور سے مکان سر پر اُٹھا لیا' استاد ذوق نے بھی سبحان‌الله سبحان الله کہہ کہہ کر شاگرد کا دل بڑھایا - غزل دیکھہ لیجئے ممکن ھے کہ میں نے ھی غلط اندازہ لگایا ھو—

کیونکر وہ ھاتھہ آئے کہ یاں زور و زر نہیں
لے دے کے ھے اک آہ سو اس میں اثر نہیں

قسمت سے درد بھی تو ھوا وہ ھمیں نصیب
جس درد کا کہ چارہ نہیں ' چارہ گر نہیں

قسمت ھی میں نہیں ھے شہادت وگرنہ یاں
وہ زخم کونسا ھے کہ جو کارگر نہیں

سجدے میں کیوں پڑا ھے ارے اُٹھہ شراب پی
اے جوش مےکدہ ھے خدا کا یہ گھر نہیں

آپ نے غزل ملاحظہ کرلی - میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ کوئی شعر بھی ایسا نہیں جو تعریف کے قابل ھو' اب زبر دستی کی تعریفیں کرنا دوسری بات ھے —

اُن کے بعد مولوی امام بخش صہبائی کے بڑے فرزند محمد عبدالعزیز کا نمبر آیا - یہ عزیز تخلص کرتے ھیں - غزل خوب کہتے ھیں - کیوں نہو بڑے باپ کے بیٹے ھیں - ھائے! کیا کیا شعر نکالے ھیں ' لکھتے ھیں :—

جوں شمع شغل تیرے سراپا نیاز کا — جلنا جو سوز کا ھے تو رونا گداز کا
کج فہمیوں سے خلق کی دیکھا کہ کیا ھوا — منصور کو حریف نہ ھونا تھا راز کا

هم عاصیوں کا بار گُنہ سے جھکا ہے سر　　اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا
مغرور تھا ہی اور وہ مغرور ہوگیا　　اس میں گلہ نہیں مجھے آئینہ ساز کا
اوروں کے ساتھہ لطف سے تھا صورت نیاز　　یاں بڑھگیا دماغ تغافل سے ناز کا

ذرا سچ کہئے گا ' ساری کی ساری غزل مرصع ہے یا نہیں - ہاں اس غزل کی جو کچھہ تعریف ہوئی وہ بجا ہوئی - اُستاد ذوق نے بھی کہا " بھئی صہبائی تمہارا یہ لڑکا غضب کا نکلا ہے ' خدا اس کی عمر میں برکت دے ' ایک دن بڑا نام پیدا کریگا - واہ میاں صاحبزادے واہ! کیا کہنا ہے! دل خوش ہوگیا- کیوں نہو ایسوں کے ایسوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں "- میاں عزیز نے اُٹھہ کر سلام کیا اور بیٹھہ گئے —

میاں عزیز کے بعد شمع خواجہ معین‌الدین یکتا کے سامنے آئی - ان کا کیا کہنا ' سرکار سے خطاب خالق پایا ہے - کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے-کبھی کسی کے شاگرد ہوتے ہیں کبھی کسی کے- پہلے احسان سے تلمذ تھا؛ آج کل مرزا غالب کی طرف ڈھلک گئے ہیں -ایسے متلون مزاجوں کو نہ کبھی کچھہ کہنا آیا ہے نہ آئیگا-میرا بڑا دل خوش ہوا کہ کسی نے تعریف نہیں کی - بڑے جلے ہونگے - بھلا ایسے شعروں کی کوئی خاک تعریف کرتا —

اے آہ شعلہ زا یہ خس‌وخار بھی نہیں　　نوآسمان ہیں 'دو بھی نہیں چار بھی نہیں
ہے کس کو بات شکوۂ دشمن کہ ضعف سے　　لب پر ہمارے تذکرۂ یار بھی نہیں
جینا فراق یار میں وعدے کی لاگ پر　　آساں گو نہیں ہے تو دشوار بھی نہیں

ہاں اب جس کے سامنے شمع آئی ہے وہ شاعر ہے - یہ کون ہیں - مرزا حاجی بیگ شہرت -گورا رنگ'میانہ قد-'کوئی ۳۰ ' ۳۲ برس کی عمر-بڑے بلے سنورے رہتے ہیں - پہلے انہی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا ' اب تھوڑے دنوں سے بند ہے - مفتی صدرالدین صاحب کے شاگرد رشید ہیں - کہتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں- بڑی پاٹ دار آواز ہے' پڑھنے کا ڈھنگ ایسا ہے کہ ایک ایک لفظ دل میں اُترتا جاتا ہے - ہر شعر پر تعریفیں ہوتیں اور کیوں نہ ہوتیں ' ہر شعر تعریف کے قابل

تھا- غزل یہ ھے :—

ایک دن دو دن ، کہانتک ، تو بھی کچھہ انصاف کر
یہ تو جلنا روز کا اے سوز ھجراں ھوگیا

ھے ترقی جوھر قابل ھی کے شایاں کہ میں
خاک کا پتلا بنا ، پتلے سے انسان ھوگیا

کفر دیں میں تھا نہ کچھہ عقدہ بجز بند نقاب
اس کے کھلتے ھی یہ کار مشکل آسان ھوگیا

پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا
کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا

آخری شعر پر تو مرزا غالب کی یہ حالت تھی کہ گویا بالکل مست ھوگئے ھیں ، رانوں پر ھاتھہ مارتے اور کہتے " واہ میاں شہرت واہ! کمال کردیا ، شعر کیا ھے اعجاز ھے - یہ ایک شعر بڑے بڑے دیوانوں پر بھاری ھے - ھاں کیا کہا ھے ، سبحان اللہ ! پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا - کچھہ درستی پر جو آج آیا تو انسان ھوگیا '' - غرض اس شعر نے ایک عجیب کیفیت محفل میں پیدا کردی تھی - لوگ خود پڑھتے ، ایک دوسرے کو سناتے ، مزے لے لے کر جھومتے اور جوش میں واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرے مارتے - بڑی دیر میں جاکر محفل میں ذرا سکون ھوا تو شمع نوازش حسین خان تنویر کے سامنے گئی - یہ نو جوان آدمی ھیں ، کوئی ۳۲ ، ۳۳ برس کے ھونگے - بادشاہ سلامت اُن کو بہت عزیز رکھتے ھیں ، میاں شہرت کے شعر نے وہ جوش پیدا کردیا تھا کہ ان کی غزل کسی نے بھی غور سے نہیں سنی -غزل بھی معمولی تھی ، صرف یہ قطعہ خاصہ تھا —

جان کر دل میں مجھے اپنا مریض تپ غم کہتا لوگوں سے بظاھر بت عیار ھے کیا
رنگ رخ زرد ھے ، ترچشم ھے ،لب پردم سرد پوچھنا اس سے کہ اس شخص کو آزار ھے کیا

یہ پڑھ چکے تو شمع میر بہادر علی حزیں کے سامنے رکھی گئی - یہ بڑے

سنجیدہ، متین اور وضع دار آدمی ہیں، عارف کے شاگرد ہیں۔ اُن کا ایک شعر بڑے مزے کا ہے —

ہم سبو سے منہ لگائیں گے اب اتنا صبر ہے کس کو
کہ بھرتے خم سے مے شیشے میں اور شیشے سے ساغر میں

جو غزل انہوں نے اس روز مشاعرے میں پڑھی تھی، اس کے یہ دو تین شعر اچھے تھے —

دنیا کی وسعتیں ترے گوشے میں آگئیں
اللہ رے وسعتیں تری اے تنگنائے دل
جل جل کے آخرش تپش غم کے ہاتھ سے
اک داغ رہ گیا مرے پہلو میں جائے دل
دیکھا وہ اپنی آنکھ سے جو کچھ سنا نہ تھا
اور دیکھئے حزیں ابھی کیا کیا دکھائے دل

مقطع کو سب نے پسند کیا اور واقعی ہے بھی اچھا —

ان کے بعد شمع ایسے شخص کے سامنے آئی جو خود شاعر، جس کا باپ شاعر، جس کا بھائی شاعر، جس کا سارا خاندان شاعر - وہ کون؟ - میاں باقر علی جعفری، فخرالشعراء نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی، ملک الشعراء قمرالدین منت کے چھوٹے بیٹے - ان کی غزل میں زور نہ ہوگا تو اور کس کی غزل میں ہوگا۔ دو شعر لکھے ہیں —

ہم تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
نا خدا ترس تو کعبے میں تو تلوار نہ کھینچ
بے سر و پا چمن و دشت میں عالم کے نہ پھر
ناز ہر گل نہ اُٹھا منت ہر خار نہ کھینچ

غزل کی جیسی چاهئے ویسی تعریف نہیں ہوئی - وجه یه هے که یه رنگ اب دهلی سے اُٹھتا جاتا هے - اب تو روز مرہ پر لوگ جان دیتے هیں' اس میں اگر مضمون پیدا هو گیا تو سبحان اللہ - مرزا غالب اس رنگ کے بڑے دلدادہ تھے' وہ بھی اس کو اب چھوڑتے جارہے هیں —

اس کے بعد منشی محمد علی تشنه کے پڑھنے کی باری تھی - چوبدار ان کے سامنے شمع رکھنے میں ذرا ہچکچایا - یه ننگ دھڑنگ مزے میں دوزانو بیٹھے جھوم رہے تھے - چوبدار نے مرزا فخرو کی طرف دیکھا - انہوں نے آنکھ سے اشارہ کیا که رکھ دے - اس نے شمع رکھ دی - جب شمع کی روشنی آنکھوں پر پڑی تو میاں تشنه نے بھی آنکھیں کھولیں - کچھ سمجھ کر پھونک مار شمع گل کردی اور کہا میں بھی کچھ عرض کروں - سب نے کہا "ضرور فرمائیے"- انہوں نے نہایت آزادانه لہجے میں کچھ گاتے ہوئے' کچھ پڑھتے ہوئے یه غزل سنائی —

آنکھ پڑتی هے کہیں' پاؤں کہیں پڑتا هے
سب کی هے تم کو خبر' اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع هے' گل بھی هے' بلبل بھی هے' پروانه بھی
رات کی رات یه سب کچھ هے' سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم هے سب کہتے هیں یوں هے یوں هے
فتنه هے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

نیستی کی هے مجھے کوچۂ هستی میں تلاش
سیر کرتا هوں اُدھر کی که جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نه کرے اے تشنه
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

میں کیا بتاؤں که اس غزل کا کیا اثر هوا - ایک سناٹا تھا که زمین سے آسمان

تک چھایا ہوا تھا - غزل کا مضمون، آدھی رات کی کیفیت، پڑھنے والے کی حالت، غرض یہ معلوم ہوتا تھا کہ ساری محفل کو سانپ سونگھ گیا ہے - اِدھر یہ عالم طاری تھا، اُدھر میاں تشنہ ہاتھ جھٹکتے ہوے اور "کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کہتے ہوے اُٹھے اور اسی عالم بے خودی میں دروازے سے باہر نکل گئے - ان کی "کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں" کی آواز بڑی دیر تک کانوں میں گونجتی رہی - جب ذرا طبیعتیں سنبھلیں تو سب کے منہ سے بے اختیار یہی نکلا کہ "واقعی کچھ بھی نہیں"—

مرزا فخرو نے شمع منگا کر روشن کی اور کہا "ہاں صاحب پھر شروع کیجئیے"- شمع حافظ محمد حسین بسمل کے سامنے رکھی گئی - بھلا تشنہ کے بعد ان کا کیا رنگ جمتا - اول تو یہ نومشق ہیں، مرزا قادر بخش صابر سے اصلاح لیتے ہیں؛ دوسری غزل میں بھی کوئی خاص بات نہ تھی، البتہ مقطع اچھا تھا - غزل ملاحظہ ہو—

دل تونے ہم سے او بت کافر اُٹھا لیا
اس نازکی پہ بوجھہ، یہ کیونکر اُٹھا لیا
بار گران عشق فلک سے نہ اُٹھہ سکا
کیا جانے میرے دل نے یہ کیونکر اُٹھا لیا
پیر مغاں نے بسمل میکش کو دیکھکر
شیشہ بغل میں ہاتھہ میں ساغر اُٹھا لیا

بہر حال کسی نے سنا کسی نے نہیں سنا، کچھہ تھوڑی بہت تعریف بھی ہوئی اور شمع میر حسین تسکین کے پاس پہنچ گئی - ان کی کوئی ۴۰ برس کی عمر ہوگی - صہبائی کے شاگرد ہیں، مومن سے بھی اصلاح لی ہے - ان کا خاندان دھلی میں بہت مشہور ہے؛ انھی کے دادا میر حیدر نے میر حسین علی وزیر فرخ سیر

اُن کی وجہہ سے چہک نہیں اُٹھتا ؛ کونسی محفل ھے جہاں ان کے قدم کی برکت سے رونق نہیں آجاتی - ان کا نام تو شاید گنتی کے چند لوگ جانتے ھوں ' ھم نے تو جب سنا ان کا نام میز صاحب ھی سنا- کوئی ستر برس کی عمر ھے ' بڑے سوکھے سہمے آدمی ھیں ' غلافی آنکھیں ' طوطے کے چونچ جیسی ناک ' بڑا دھانہ لمبی داڑھی ' بٹیا سا سر ' خشخاشی بال ' گوری رنگت ' اونچاقد - غرض ان کے حلیے کو دھلی کے کسی بچے سے بھی پوچھئے تو پورا پورا بتادے- نہایت صاف ستھرا لباس ' سفید ایک بر کا پائیجامہ ' سفید کرتہ اس پر سفید انگرکھا ' سر پر ارخچین کی ٹوپی ' چہرے پر متانت بلا کی تھی- مگر جب غصہ آتا تھا تو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلتے تھے - چھوٹا ھو یا بڑا کوئی ان سے بغیر مذاق کے بات نہیں کرتا تھا اور یہ بھی تڑ سے وہ جواب دیتے تھے کہ منہ پھر جائے - اس سے ان کو غرض نہ تھی کہ جواب ھو بھی گیا یا نہیں - مشاعرے میں بادشاہ سلامت سے لیکر میاں تمکین تک ان کو چھیڑ تے تھے- انھوں نے نہ اِن کا برا مانا نہ اُن کا ' جواب دینے میں نہ اِن سے رکے نہ اُن سے - غزل ھمیشہ فی‌البدیہ پڑھتے تھے - لکھکر لانے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی - غزل میں مصرعوں کے توازن کی ضرورت ھی نہ تھی - صرف قافیہ اور ردیف سے کام تھا - جو کچھہ کہنا ھوا نہایت اطمینان سے نثر میں بیان کرنا شروع کیا - بیچ میں دوسروں کے اعتراضوں کا جواب بھی دیتے رھے-جب کہتے کہتے تھک گئے تو ردیف اور قافیہ لا شعر کو ختم کردیا - اُنھوں نے شعر پڑھنا شروع کیا اور چاروں طرف سے اعتراضوں کی بوچھاڑ ھوئی - یہ بھلا کب دبنے والی آسامی ھیں' چو مکھالڑتے ؛ جب زبان سے نہ دباسکتے تو زور میں آکر کھڑے ھوجاتے - یہ کھڑے ھوئے اور کسی نہ کسی نے ان کو بٹھا دیا ' معترض کو ڈانٹا میر صاحب کا دل بڑھایا اور پھر وھی اعتراضوں کا سلسلہ شروع ھوا - اور تو اور مولوی مملوک‌العلی صاحب کو ان سے الجھنے میں مزا آتا تھا یہ بھی مولوی صاحب کی وہ خبر لیتے تھے کہ اگر ان کا کوئی شاگرد سن لیتا تو مدرسے سے مولوي صاحب کا سارا رعب داب رخصت ھوجا تا ——

میر صاحب * نے شمع کے سامنے بیٹھتے ھی ساری محفل پر ایک نظر ڈالی۔ اور کہا"حضرات! میں آج میاں ھد ھد کی شان میں ایک قصیدہ سناؤں گا؛ اپنے منہ میاں مٹھو' یہ اپنی تعریف خود تو بہت کچھہ کرچکے ھیں اب ذرا دل لگا کر اپنی ھجو بھی سن لیں" —

میاں ھد ھد سے سب جلے بیٹھے تھے' اب جو سنا کہ ان کی ھجو ھورھی ھے اور پھر وہ بھی میر صاحب کے منہ سے ' سب نے کہا " ھاں میر صاحب ضرور فرمائیے"۔ میاں ھد ھد حکیم آغا جان عیش کے پٹھو تھے اور اُنھی کے بل پر پھدکتے تھے' اب جو حکیم صاحب نے سنا کہ میر صاحب ھد ھد کی ھجو پر اترآئے ھیں تو بہت پریشان ھوئے ڈر تھا کہ کہیں مجھکو بھی نہ لپیٹ لیں ' دوسرا کوئی ھجو کرے تو جواب بھی دیا جائے بھلا میر صاحب کی بحر طویل کا کون جواب دے سکتا ھے۔ اور تو کچھہ بن نہ پڑا' میاں ھد ھد کو گاؤ تکیہ کے پیچھے غایب کردیا ۔ اب جو میر صاحب ادھر نظر ڈالتے ھیں تو ھد ھد ندارد ھیں ۔ بہت گھبرائے ' ادھر دیکھا ادھر دیکھا' جب کسی طرف نظر نہ آئے تو کہا "ھجو ملتوی کر کے اب میں غزل پڑھتا ھوں" سب نے کہا "ھیں! میر صاحب' یہ آپ نے ارادہ کیوں تبدیل فرمادیا' پڑھئے میر صاحب! خدا کے لئے پڑھئے ۔ سودا کے بعد ھجوتو اُردو زبان سے اُٹھہ ھی گئی ' اگر آپ بھی اس طرف توجہ نہ کرینگے تو غضب ھوجائے گا ' زبان ادھوری رہ جائے گی "۔ میر صاحب نےکہا " نا 'بھئی نا میاں ھد ھد ھوتے تو ھم کوجو کچھہ کہنا تھا ان کے منہ پر کہتے ' ان کے پیٹھہ پیچھے ان کو کچھہ کہنا ھجو نہیں' غیبت ھے' اور میں غیبت

---

* غدر کے بہت بعد میر صاحب کا انتقال ھوا ھے ۔ میاں کالے صاحب کے فرزند میاں نظام الدین صاحب کے مکان پر جو مشاعرہ ھوتا تھا اس میں بھی یہ شریک ھوتے تھے ۔ اس مشاعرے کے دیکھنے والے اب بھی دھلی میں بہت موجود ھیں ۔ انھی لوگوں کی زبانی میر صاحب کے حالات معلوم ھوئے اوردرج کئے گئے ۔ تذکروں میں تو ان بچارے کا کیوں ذکر آنے لگا —

کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہوں ''۔جب میر صاحب کا یہ رنگ دیکھا تو حکیم آغاجان کے دم میں دم آیا انھوں نے بھی اس ہجو اور غیبت کے فرق کے متعلق چند مناسب الفاظ کہے اور خدا خدا کر کے یہ آئی بلا ٹلی —

اب میر صاحب نے غزل شروع کی - کیا پڑھا، خدا ہی بہتر جانتا ہے؛ بس اتنا تو معلوم ہوا کہ تیر، پیر، کھیر قافیہ اور ''ہے'' ردیف ہے - اس کے علاوہ میں تو کیا، خود میر صاحب بھی نہیں بتا سکتے کہ انھوں نے کیا پڑھا اور مضمون کیا تھا - جہاں قافیہ اور ردیف آئی لوگوں نے سمجھ لیا کہ شعر پورا ہو گیا اور تعریفیں شروع ہوئیں - کسی نے ایک آدھ اعتراض بھی جڑ دیا - اعتراض ہوا اور میر صاحب بگڑے - ان کے بگڑنے میں سب کو مزا آتا تھا - اعتراضوں اور میر صاحب کے جوابوں کا رنگ بھی دیکھ لیجئے - غزل میں میر صاحب نے جو ایک مصرعے کو کھینچنا شروع کیا تو اتنا کھینچا، اتنا کھینچا کہ شیطان کی آنت ہو گیا - مولوی مملوک العلی صاحب نے کہا ''اجی میر صاحب! یہ مصرعہ بحر طویل میں جا پڑا ''۔ میر صاحب نے کہا '' مولوی صاحب کبھی بحر طویل دیکھی بھی ہے یا یوں ہی سنی سنائی باتوں پر اعتراض ٹھونک دیا - پہلے مطول پڑھئے، مطول* جب معلوم ہوگا کہ بحر طویل کس کو کہتے ہیں''۔ مولوی صاحب بڑے چکرائے کہنے لگے '' میر صاحب بھلا مطول کو بحر طویل سے کیا واسطہ، ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ، آپ کا جو جی چاہتا ہے کہہ جاتے ہیں'' - میر صاحب کو اب کسی حمایتی کی تلاش ہوئی - مولانا صہبائی کی طرف دیکھا - انھوں نے کہا ''مولوی صاحب! مطول میں بحر طویل کی بحریں نہیں ہیں تو اور کیا ہے، آپ بھی ہمارے میر صاحب کو اپنی علمیت کے دباؤ سے خاموش کر دینا چاہتے ہیں''- بس اتنی مدد ملنی تھی کہ میر صاحب شیر ہو گئے۔ کہنے لگے '' جی ہاں، مولوی صاحب آپ سمجھے ہوں گے کہ آپ کے سوا کسی نے مطول پڑھی ہی نہیں - اجی حضرت میں تو روزانہ اس کے دو دور کرتا ہوں، کل ہی اس

---

* علم کلام پر حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف کا نام مطول ہے —

کی ایک بحر میں غزل لکھنے بیٹھا تھا ، لکھتے لکھتے تھک گیا ، ایک مصرعہ کوئی پونے دو سو صفحے میں لکھا؛ وہ تو کہو کہ بیاض کے صفحے ھی ختم ھو گئے جو مصرعہ ختم ھوا ورنہ خدا معلوم اور کہاں تک جاتا"۔ مرزا نوشہ نے کہا " میر صاحب! آپ سچ فرماتے ھیں' ھمارے مولوی صاحب نے بحر طویل کہاں دیکھی - مجھ سے پوچھو' میرے بھتیجے خواجہ امان کو جانتے ھو' اُس نے ایک کتاب بوستان خیال لکھی ھے' یہ بڑی اور یہ موٹی' بارہ جلدیں ھیں' بحر طویل کے بس بارہ مصرعوں میں ساری جلدیں ختم ھو گئی ھیں - آپ کا مصرعہ بحر طویل میں نہیں رباعی کی بحر میں ھے"۔ میر صاحب نے بڑے زور سے "ھیں" کی اور بگڑ کر کہا " واہ مرزا صاحب یہ سیدھا چلتے چلتے بھٹک گئے' رباعی کی بحریں آپ کو معلوم بھی ھیں' بھلا بتائیے تو سہی کونسی کتاب میں ھیں"۔ یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا' مرزا غالب ذرا چپ ھوے تو خود میر صاحب نے کہا "میں تو پہلے ھی جانتا تھا کہ آپ نے زبردستی اعتراض کر دیا ھے - مرزا صاحب! اربعین* پڑھئے' جب معلوم ھوگا کہ رباعی کی بحریں کون کونسی ھیں"—

غرض اسی طرح کی خوش مذاقی میں کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا - ھنستے ھنستے جو آنسو نکلے انھوں نے نیند کے خمار سے آنکھیں صاف کردیں اور ایسا معلوم ھونے لگا گویا مشاعرے کا دوسرا دور شروع ھو رھا ھے اور سب لوگ تازہ دم ابھی آکر بیٹھے ھیں - جب لوگ اعتراض کرتے کرتے اور میر صاحب جواب دیتے دیتے تھک گئے تو ایک دفعہ ھی میر صاحب نے کہا "حضرات! غزل ختم ھوئی"۔ سب نے کہا "میر صاحب! ابھی مقطع تو آیا ھی نہیں' بے مقطع کی یہ کیسی غزل" - میر صاحب نے فرمایا "مقطع کی اس شاعر کو ضرورت ھے جو بتانا چاھے کہ یہ غزل مِری ھے؛ ھمیں اس کی ضرورت نہیں' ھماری غزل کی یہی پہچان ھے' جہاں شروع

---

* اربعین فی اصول الدین حضرت امام غزالی (رح) کی ایک مشہور تصنیف ھے جس کو میر صاحب نے رباعیوں کی بحروں سے متعلق کر دیا —

کی بس معلوم ہو گیا کہ یہ میر صاحب کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی"۔ یہ کہتے کہتے انہوں نے جزدان گردانا اور اپنی جگہ آبیٹھے - ایک شمع اُٹھا کر میر صاحب کے عین مقابل کے شاعر مرزا جمعیت شاہ ماہر کے سامنے رکھدی گئی - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی انارالله برهانه کے پوتے اور صابر کے شاگرد ہیں۔ کلام صاف اور زبان بڑی میٹھی ہے، لکھا تھا—

ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا
ناصح کی بات سننے کا کس کو یہاں دماغ
تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا
اے ہمنشیں وہ حضرت ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا، سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

میر صاحب کے کلام نے سب کی آنکھوں سے نیند کا خمار اُتار دیا تھا، اس لئے اس غزل کی جیسی چاہئے ویسی تعریف ہوئی اور میاں ماہر کو محنت کا پورا پورا صلہ مل گیا—

ان کے بعد شمع قاضی نعیم الدین برق کے سامنے آئی - یہ سکندرآباد کے رہنے والے ہیں کوئی ۲۰، ۲۲ برس کی عمر ہے - سر پر لمبے لمبے بال، سانولی رنگت اس میں سبزی جھلکتی ہوئی، اونچا قد، وجیہ صورت، سفید غرارہ دار پائجامہ، سفید انگرکھا، دو پلڑی ٹوپی، بڑے خوش مزاج، شیریں کلام، ہنس مکھ، بذلہ سنج، وارستہ مزاج، رند مشرب آدمی ہیں-پہلے مومن خاں کے شاگرد تھے پھر ان کے ایما سے میاں تسکین کو کلام دکھانے لگے - آواز بڑی دلکش اور طرز ادا خوب ہے - غزل بھی ایسی پڑھی کہ واہ، واہ - کہتے ہیں—

بزم اغیار ہے، ڈر ہے نہ خفا تو ہوجائے
ورنہ اک آہ میں کھینچوں تو ابھی ہو، ہوجائے

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھادے تو، توھی تو ھوجاے
کچھہ مزہ ھے یہ ترے روٹھہ کے من جانے کا
چاھتا ھوں یوں ھی ھر روز خفا تو ھو جاے
تو تو جس خاک کو چاھے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناوں جو خفا تو ھو جاے
آپ انکار کریں، وصل سے میں در گزرا
کچھہ تو ھو، جس سے طبیعت مری یکسو ھو جاے
ھو نہ ھو، بس میں کوئی،کچھہ نہیں اسکی پروا
دل بیتاب پہ اے برق جو قابو ھو جاے

اللہ، اللہ! درو دیوار سے بے خودی برس رھی تھی - جب یہ مصرعہ پڑھا کہ "میں خدا کس کو بناوں جو خفا تو ھو جاے" تو ساری محفل پر ایک مستی سی چھا گئی - اور تو اور استادان فن کی بھی یہ حالت تھی کہ بار بار شعر پڑھواتے، خود پڑھتے اور مزے لیتے تھے —

ابھی ان کی تعریفیں ختم نہ ھوئی تھیں کہ شمع مرزا منجھلے المتخلص بہ فسوں کے سامنے رکھی گئی- یہ نوجوان آدمی ھیں مرزا کریم بخش مرحوم کے فرزند اور حضرت ظل سبحانی کے نواسے ھیں - ان کا کیا کہنا، زبان تو ان کے گھر کی لونڈی ھے - گا کر غزل پڑھتے ھیں؛ پڑھتے کیا ھیں جادو کرتے ھیں - ان کی غزل کے دو شعر لکھتا ھوں —

اللہ رے جذبۂ دل مضطر کہ تیر کا
باھر ھمارے پہلو کے سوفار بھی نہیں
کچھہ آپ ھی آپ دل یہ مرا بیٹھا جاے ھے
ظاھر میں تو الہی میں بیمار بھی نہیں

دوسرے شعر میں الفاظ کیا بٹھائے ھیں ' نگینے جڑ دئے ھیں - آخر کیوں نہ ھو' قلعہ کے رھنے والے ھیں—

ان کے بعد سیدھی جانب سے شمع سرک کر لالہ بالمکند حضور کے سامنے آئی - یہ ذات کے کھتری اور خواجہ میر درد کے شاگرد ھیں - کوئی ۷۰ ' ۸۰ برس کا سن ھے - سفید نورانی چہرہ اس پر سفید لباس' بغل میں انگوچھہ' کندھوں پر سفید کشمیری رومال - بس جی چاھتا تھا کہ ان کو دیکھے ھی جاے - شمع سامنے آئی تو انہوں نے عذر کیا کہ میں اب سنانے کے قابل نہیں رھا ' سننے کے قابل رہ گیا ھوں - جب سبھوں نے اصرار کیا تو انہوں نے یہ قطعہ پڑھا—

نہ پاوں میں جنبش نہ ھاتھوں میں طاقت
جو اٹھہ ' کھینچیں دامن ' ھم اس دلربا کا
سر راہ بیٹھے ھیں اور یہ صدا ھے
کہ اللہ والی ھے بے دست و پا کا

قطعہ اس طرح پڑھا کہ خود تصویر ھوگئے - " نہ پاوں میں طاقت " کہتے ھوے اٹھے مگر پاوں نے یاری نہ کی لڑکھڑا کر بیٹھہ گئے - " نہ ھاتھوں میں طاقت" کہہ کر ھاتھہ اُٹھاے مگر ضعف سے وہ بھی کچھہ یوں ھی سے اُٹھہ کر رہ گئے - دوسرا مصرعہ ذرا تیز پڑھا - تیسرا مصرعہ پڑھتے وقت اس طرح بیٹھہ گئے جیسے کوئی بے دست و پا سر راہ بیٹھہ کر صدا لگاتا ھے' اور ایک دفعہ ھی دونوں آنکھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر جو چوتھا مصرعہ پڑھا تو یہ معلوم ھوتا تھا گویا ساری مجلس پر جادو کردیا - ھر ایک کے منہ سے تعریف کی بجاے بیساختہ یہی نکل گیا " کہ اللہ والی ھے بے دست و پا کا "- استاد ذوق نے کہا " استاد یہ خدا کی دین اور خواجہ میر درد کا فیض ھے ؛ سبحان اللہ ! کیا موثر کلام ھے - ھم دنیا داروں میں یہ اثر پیدا ھونے کے لئے میر درد ھی جیسا استاد چاھئے" -

اس کلام کے بعد مرزا غلام محی الدین اشکی کی غزل بھلا کون سنتا - یہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے پوتے ہیں - کوئی ۴۰ سال کی عمر ہے - اونچا قد ' سفید پوش ' ثقہ صورت آدمی ہیں - پہلے نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے اب مفتی صدرالدین کے شاگرد ہوگئے ہیں - لکھا تھا —

کچھہ وجد نہیں نغمہ مطرب ہی پہ موقوف
کافی ہے یہاں نالۂ بے ربط درا کا
سجدے میں گرے دیکھہ کے تصویر بت' اشکی
معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا

ان کے بعد شمع صاحبزادہ عباس علی خاں بیتاب کے سامنے آئی - ۳۰ ' ۳۲ کا سن ہوگا - رامپور کے رہنے والے اور مومن خاں کے شاگرد ہیں - نواب مصطفی خاں شیفتہ سے بڑی دوستی ہے - انہی کے ساتھہ مشاعرہ میں آگئے تھے - بڑی اونچی آواز میں غزل پڑھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تحت اللفظ پڑہ رہے ہیں - غزل تو کچھہ اچھی نہ تھی مگر قطعہ ایسا تھا کہ تعریف نہیں ہوسکتی - میخانے کی تقسیم ایسی خوبی سے کی تھی کہ سبحان اللہ - ہاے لکھا ہے —

معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ
ساقی اگر نہیں ہے ' نہ ہو' مے سے کام ہے
بیتاب پی' خدا نے تجھے بھی دئے ہیں ہاتھ
یہ خم ہے' یہ سبو ہے' یہ شیشہ ' یہ جام ہے

بھلا ایسے بڑے مشاعرے میں مرزا فخرالدین حشمت کو پڑھنا کیا ضرور تھا- نہ کلام ہی اچھا نہ پڑھنے کی طرز ہی اچھی - مگر ان کو روک کون سکتا تھا - شہزادے تھے اور وہ بھی شاہ عالم بادشاہ کے پوتے- خیر پڑہ لیا اور بھائی بندوں نے تعریفیں بھی کردیں خوش ہوگئے - غزل یہ تھی —

ترے بیمار ہجراں کا، ترے بن یہ عالم ہے کہ عالم نوحہ گر ہے

مجھے روتے جودیکھا ہنس کے بولے — مرے حشمت بتاکیوں چشم تر ہے

ہاں ان کے بعد جس کے سامنے شمع آئی وہ نوجوان سہی مگر شاعر ہے؛ اور ایسا شاعر ہوگا کہ ہندوستان بھر میں نام کرے گا۔ بھلا کونسا مشاعرہ ہے جس میں مرزا قربان علی بیگ سالک کی غزل شوق سے نہیں سنی جاتی - اور کونسا شعر ہوتا ہے جو بار بار نہیں پڑھوا یا جا تا -جو ایک دفعہ بھی کسی مشاعرہ میں گیاہے وہ ان کو دور سےپہچان لے گا۔ چھوٹا سا قد، دبلے پتلے ہاتھ پاؤں، موٹی سی ناک ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں ' موٹی جلد ' گندمی رنگ ' اس پر چیچک کے داغ ' چھدری چھوٹی سی داڑھی ' کلوں پر کم ٹھوڑی پر ذرا زیادہ ' سر پر خشخاشی بال - کوئی ۳۰ سال کی عمر - بس بخارا کے ترک معلوم ہوتے ہیں - ہاں لباس ان لوگوں سے مختلف ہے- نیچی چولی کا انگر کھا ' تنگ مہری کا پائجامہ ' سر پر سفید گول ٹوپی ' ہاتھ میں سفید لٹھہ کا رومال - شمع کا ان کے سامنے آنا تھا کہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے- انھوں نے بھی انگر کھے کی آستین اُلٹ ' ٹوپی کو اچھی طرح جما اپنے استاد مرزا غالب کی طرف دیکھا - ادھر سے مسکرا کر کچھ اشارہ ہوا تو انھوں نے صاحب عالم کی طرف دیکھ کر عرض کی " اجازت ہے" مرزا فخرو نے کہا " ہاں میاں سالک پڑھو' آخر اس میں اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے" سالک نے جیب میں سے کاغذ نکالا ' کچھ اُلٹا پلٹا ' پھر ایک بار سنبھل کر کہا ' "عرض کیا ہے" —

۱- انتہا صبر آزمائی کی — ہے درازی شب جدائی کی

۲- ہے برائی نصیب کی' کہ مجھے — تم سے اُمید ہے بھلائی کی

۳-نقش ہے سنگ آستاں پہ ترے — داستاں اپنی جبہہ سائی کی

۴- ہے فغاں بعد امتحان فغاں — پھر شکایت ہے نارسائی کی

۵- کیانہ کرتا وصال شادی مرگ — تم نے کیوں مجھ سے بے وفائی کی

۶- راز کھلتے گئے مرے سب پر — جس قدر اس نے خودنمائی کی

۷- کتنے عاجز ہیں ہم کہ پاتے ہیں — بندے بندے میں بو خدائی کی

۸- رہ گئیں دل میں حسرتیں سالک آ گئی عمر پارسائی کی

ایک ایک شعر پر یہ عالم تھا کہ مجلس اڑتی جاتی تھی - ایک ایک شعر کئی کئی بار پڑھوایا جاتا تھا - ایک ایک لفظ پر تعریفیں ہوتیں اور ایک ایک بندش کی داد ملتی - استاد ذوق نے تیسرے شعر پر کہا " واہ میاں سالک کیا کہنا ہے ؛ سب ہی جبہہ سائی باندھتے آئے ہیں ' تمہاری د'ستان کو کوئی نہیں پہنچا - کیا کلام ہے ' کیا روانی ہے ' سبحان اللہ " - حکیم مومن خاں نے کہا " میاں سالک یہ جوانی اور مقطع میں یہ بوڑھا مضمون ' تمہاری " عمر پارسائی " کو بہت دن پڑے ہیں ' ابھی سے تو بڈھوں کی سی باتیں نہ کیا کرو " میاں سالک نے جواب دیا " استاد میں تو جوانی ہی میں بڈھا ہوگیا ' دیکھئے بڑھاپا دیکھنا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں ' پھر دل میں آئے ہوئے مضمون کیوں چھوڑدوں ' بعد میں یہ کون دیکھتا پھریگا کہ یہ شعر بڈھے نے کہا تھا یا جوان نے - ہم نہ رہینگے مضمون رہ جائیگا "—

جب تعریفوں کا سلسلہ ذرا رکا تو شمع مرزا رحیم الدین ایجاد کے سامنے آئی - یہ شہزادے مرزا حسین بخش کے صاحب زادے اور مولانا صہبائی کے شاگرد ہیں - کوئی ۲۴ ' ۲۵ سال کی عمر ہے - شعر کہتے ہیں مگر پھیکے - ہاں پڑھتے بڑی اچھی طرح ہیں - گانا خوب جانتے ہیں - ان کی آواز شعر کی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتی —

بت خانے میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا
اے زاہد ناداں تجھے کیا ہے میں کہیں تھا

ہر چند کہ میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے ' وہ جہاں تھا یہ وہیں تھا

توڑا ہے یہ کچھ آپ کو میں نے کہ جہاں میں
ثابت نہ رہا نام کا جو میرے نگیں تھا

غزل میں تو کیا خاک مزا آتا ہاں ان کے گانے میں مزا آگیا - گاکر پڑھنے کا یہ نیا رنگ

قلعہ سے چلا ھے ' مگر استادان فن اس کو پسند نہیں کرتے —

ان کے بعد شمع نواب علاءالدین خان علائی کے سامنے آئی - انھوں نے بہت اونچی آواز میں اپنی غزل سنائی - علائی مرزا غالب کے بڑے چاھیتے شاگرد ھیں ' ابھی نو عمر ھیں ' بڑے ھوکر اچھے شاعر نکلینگے —

شمع کا سامنے رکھنا تھا کہ مرزا کریم‌الدین رسا سنبھل کر بیٹھ گئے ایک بڑی لمبی غزل پڑھی مگر ساری کی ساری بے مزا - نہ الفاظ کی بندش اچھی نہ مضامین میں کوئی خوبی ' تعقیدوں سے اُلجھن پیدا ھوتی تھی اور رعایت لفظی سے جی گھبراتا تھا- ان کے بس دوھی شعر نمونے کے طور پر لکھدینا کافی سمجھتا ھوں—

باز آستا تومجھکو بہت عشوہ گر نہیں   کرتا کسی پہ ظلم کوئی اس قدر نہیں

گونزع‌میں‌ھوں‌میں ترےبن آے جان من   کرنے کي جان بھی مرے تن‌سے سفر نہیں

یہ پڑہ چکے تو نواب ضیاءالدین‌خاں نیرو رخشاں‌کےپڑھنے کی باري آئي-فارسي کے شعر خوب کہتے ھیں' اُردو کی غزلیں ذرا پھیکی ھوتی ھیں - لکھا تھا —

پی کے گرنے کا ھے خیال ھمیں   ساقیا لیجیو سنبھال ھمیں

شب نہ آے جو اپنے وعدے پر   گزرے کیا کیا نہ احتمال ھمیں

دل میں مضمر ھیں معنی باقی   کسی صورت نہیں زوال ھمیں

تیرے غصے نے ایک دم میں کیا   مردۂ نہ ھزار سال ھمیں

طالع بد سے نیر رخشاں   اپنے ھی گھرمیں‌ھے وبال ھمیں

ان کے بعد شمع مرزا پیارے رفعت کے سامنے آئی . یہ سلاطین زادے ھیں - بٹیریں لڑانے کا بڑا شوق ھے - شعر بھی خوب کہتے ھیں ' پڑھتے بھی خوب ھیں - پہلے احسان کے شاگرد تھے اب مولانا صہبائی سے تلمذ ھے - کوئی ۴۰ سال کی عمر ھوگی ' لکھا تھا—

بسان طائر رنگ پریدہ وحشت سے
کسے دماغ ہے اب آشیاں بنانے کا
نہ عذر تھا ہمیں ہونے میں خاک کے، گر ہم
یہ جانتے کہ وہ دامن نہیں بچانے کا
گندھی تھی کون سے بدمست تشنہ لب کی وہ خاک
کہ جس سے خم یہ بنائے شراب خانے کا
بذوق یار کو دے رخصت جفا کہ یہاں
ہمیں بھی عزم ہے طاقت کے آزمانے کا
ہیں ایک وہ بھی کہ تم سے ہے جن کو راز و نیاز
اور ایک ہم ہیں کہ تکتے ہیں منہ زمانے کا

آخری شعر میں مایوسی کی جو تصویر کھنچی ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کوئی نہ تھا جو اس شعر کے دوسرے مصرعے کو پڑھ پڑھ کر نہ جھومتا ہو اور بار بار واہ واہ اور سبحان اللہ نہ کہتا ہو۔ ہوتے ہوتے میاں عارف کا نمبر آہی گیا۔ بھلا ان کو مشاعرے کے انتظام سے کب فرصت تھی جو غزل لکھتے۔ پھر بھی چلتے پھرتے کچھ لکھ ہی لیا تھا، وہی پڑھ دیا۔ اس دن رات کی گردش کے بعد اتنا بھی لکھ لینا کہاں ہے۔ غزل تھی—

اُٹھتا قدم جو آگے کو اے نامہ بر نہیں
پیچھے تو چھوڑ آئے کہیں اس کا گھر نہیں
اوروں کو ہو تو ہو، ہمیں مرنے سے ڈر نہیں
خط لیکے ہم ہی جاتے ہیں گر نامہ بر نہیں
بے التفاتیوں کا ترے شکوہ کیا کریں
اپنے ہی جب کہ نالۂ دل میں اثر نہیں

مطلع کی سب نے تعریف کی۔ اُستاد احسان نے کہا "میاں عارف! میں بھی

شعر کہتے کہتے بڈھا ہو گیا ہوں، لاکھوں شعر سنے، لاکھوں سنائے، مگر یہ مضمون بالکل نیا ہے اور کس خوبی سے ادا کیا ہے کہ دل خوش ہو گیا"۔ میاں عارف کے بعد شمع مرزا غلام نصیرالدین عرف مرزا منجھلے کے سامنے آئی - یہ شہزادے ہیں، احسان کے شاگرد ہیں اور قناعت تخلص کرتے ہیں - غزل خاصی کہتے ہیں - میں تو یہی کہونگا کہ شہزادوں میں بہت کم ایسے شاعر ہوں گے - غزل تھی—

شوق کو کثرت نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسر ہو وہ دیدار مجھے

کعبے تک جانے میں تھی خاطر زاہد ورنہ
دیر میں بھی تھی سدا رخصت دیدار مجھے

جنس دزدیدہ کی مانند ہے اُلجھاؤ میں جاں
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے

راز دل لب پہ نہ لانا کبھی منصور، کہ یاں
کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

شمع کا حکیم آغا جان عیش کے سامنے آنا تھا کہ لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں - حکیم صاحب بادشاہی اور خاندانی طبیب ہیں - زیور علم سے آراستہ اور لباس کمال سے پیراستہ، صاحب اخلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ صورت، جب دیکھو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسکرا رہے ہیں - طبیعت ایسی ظریف و لطیف اور لطیفہ سنج پائی ہے کہ سبحان اللہ - میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک ایک اُنگل بال سفید، ایسی ہی ڈاڑھی، اس گوری سرخ و سفید رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی ہے - گلے میں ململ کا کرتہ جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہے - مگر کچھ دنوں سے اُن کے دوست بھی ان سے ذرا کھنچ گئے تھے - میاں ہد ہد کو پال کر انہوں نے سب سے بگاڑ لی - شروع شروع میں تو اس کی واہی تباہی باتوں پر کسی نے دھیان نہیں کیا، لیکن جب اس نے اُستادوں پر حملے شروع کئے اس وقت سے

ھدھد کے ساتھہ ھی حکیم صاحب سے بھی لوگوں کو کچھہ نفرت سی ھو گئی۔ غضب یہ کیا کہ اجمیری دروازے والے مشاعرے میں خود انھوں نے مرزا نوشہ پر کھلا ھوا حملہ کر دیا۔ ایک قطعہ لکھا تھا کہ

اگر اپنا کہا تم آپ ھی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ھے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مولوی مملوک‌العلی نے کہا "حکیم صاحب، شعر کے سمجھہ میں نہ آنے کی دو ھی صورتیں ھیں یا تو شعر ھی بے معنی ھے یا سمجھنے والے کے دماغ کا قصور ھے۔ ھم سب تو ان کے شعر سمجھتے ھیں، پھر آپ نے ھم غریبوں کو کیوں لپیٹ لیا"۔ مومن خاں نے کہا "بھئی مجھے تو اس قطعے کے تیسرے مصرعے میں بھی شاعرانہ تعلی معلوم ھوتی ھے"۔ بھر حال بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ھوا۔ اس معرکے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ حکیم صاحب مشاعرے میں تشریف لائے تھے۔ میر صاحب نے ھدھد کے مقابلے میں جو اعلان جنگ کیا تھا وہ سن چکے تھے، اب لوگوں میں جو کانا پھوسی ھونے لگی اس سے اور بھی پریشان ھوے۔ پڑھنے میں تامل کیا۔ آخر مرزا فخرو کے اصرار پر یہ غزل پڑھی—

صلح ان سے ھمیں کئے ھی بنی ٭ دل پہ جھگڑا تھا دل دئے ھی بنی
زھد و تقوے دھرے رھے سارے ٭ ھاتھہ سے اس کے مے پیئے ھی بنی
لائے وہ ساتھہ غیر کو، ناچار ٭ پاس اپنے بٹھا لئے ھی بنی
کس کا تھا پاس شوق ظلم، اے عیش ٭ ان جفاؤں پہ بھی جئے ھی بنی

جب ایسی غزل ھو تو بھلا کون تعریف نہ کرے۔ صل علی کے شور اور سبحان‌اللہ کی آوازوں نے پڑھنے والے اور سننے والوں دونوں کے دلوں سے غبار کدورت دور کردیا اور حکیم صاحب وھی حکیم صاحب ھو گئے جو پہلے تھے۔ نہ

ان سے کسی کو رنج رہا اور نہ ان کو کسی سے ملال - ہاں اگر پہلے کہیں میاں ھد ھد کچھہ چوک جاتے تو خدا معلوم مشاعرے کا کیا رنگ ہو جاتا - وہ تو خدا بھلا کرے ہمارے میر صاحب کا انہوں نے پہلے ہی اس پکھیرو کی زبان بند کردی- خیر رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت —

حکیم صاحب کے بعد مرزا رحیم الدین حیا کا نمبر آیا - یہ وہی میاں حیا ہیں جن کی تعریف مشاعرے میں آتے ہی ان کے والد صاحب قبلہ مرزا کریم الدین رسا نے فرمائی تھی - بڑے خوش طبع ' ذہین ' نیک فطرت ' بدیہہ گو اور ظریف آدمی ہیں - کوئی ۳۵ - ۳٦ سال کی عمر ہے- اکثر بنارس میں رہتے ہیں ' کبھی کبھی دہلی چلے آتے ہیں - شکل تو بالکل شاہزادوں کی ہے مگر داڑھی منڈی ہوئی اور لباس لکھنو والوں کا ہے - پہلے اپنے والد کے شاگرد ہوے ' پھر شاہ نصیر سے اصلاح لی' اب اپنا کلام استاد ذوق کو دکھاتے ہیں - شطرنج بے مثل کھیلتے ہیں ؛ پہلے حکیم شرافت علی خاں سے سیکھی اب مومن خاں کو گھیرے رہتے ہیں - ستار ایسا بجاتے ہیں کہ سبحان اللہ - شاعر بھی اچھے ہیں ' مگر محنت نہیں کرتے ؛ زبان کی چاشنی پر مضمون کو نثار کر دیتے ہیں - یہ غزل لکھہ کر لاے تھے —

موت ہی چارہ ساز فرقت ہے رنج مرنے کا مجھہ کو راحت ہے

ہوچکا وصل ' وقت رخصت ہے اے اجل جلد آ کہ فرصت ہے

روز کی داد کون دیوے کا ظلم کرنا تمہاری عادت ہے

کارواں عمر کا ہے رخت بدوش ہر نفس بانگ کوس رحلت ہے

سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے دم نکلتا نہیں ' مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیا کو دیکھہ آو آج اس کی کچھہ اور حالت ہے

پانچویں شعر پر ان کے والد نے ٹوکا اور کہا " میاں حیا ! لکھنؤ جاکر اپنی شکل تو بدل آے تھے اب زبان بھی بدل دی ' سانس کو مونث باندھ گئے " - حیا نے جواب دیا - " جی نہیں قبلہ میں نے تو استاد ذوق کی تقلید کی ہے ' وہ فرماتے ہیں

"سینے میں سانس ہوگی اڑی دو گھڑی کے بعد" - بھلا صاحب عالم * کب چوکنے والے تھے کہنے لگے "بھلا ہمارے مقابلے میں آپ کے استاد کا کلام کہیں سند ہوسکتا ہے ' وہ جو چاہیں لکھیں ' یہ بتاؤ قلعے میں سانس مذکر ہے یا مونث" - بچارے حیا مسکرا کر خاموش ہوگئے —

اب شمع مولانا صہبائی کے روبرو آئی - ان کی علمیت کا ڈنکا تمام ہندوستان میں بج رہا ہے - ایسے جامع‌الکمال آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں - ہزاروں شاگرد ہیں - اکثر ریختہ کہتے ہیں ' ان کو اصلاح دیتے ہیں اور خوب دیتے ہیں ' مگر خود ان کا کلام تمام و کمال فارسی ہے - میں نے تو ریختے میں نہ کبھی ان کی کوئی غزل دیکھی نہ سنی ' اور مشاعرے میں بھی فارسی ہی کی غزل پڑھی - خوب خوب تعریفیں ہوئیں مگر ایمان کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو مزہ نہ آیا —

همچو شبنم خویش را فارغ ز عالم ساختم
محرم خورشید گشتم با خساں کم ساختم

مردم و در چشم مردم عالمے تاریک گشت
من مگر شمعم چو رفتم بزم برهم ساختم

کفر در کیشم سپاس نعمت دیدار اوست
جلوه در هر رنگ دیدم گردنے خم ساختم

جرم عشقم را جزا شد حور و من از هجر دوست
داغ بر دل بردم و خلدش جهنم ساختم

نیست صهبائی چو جام جم نصیبم گو مباد
مے زخون دل کشیدم خویش را جم ساختم

مقطع پر تو اتنی تعریفیں ہوئیں کہ بیان سے باہر ہے ' مگر جو بیچارے

---

* قلعے والوں کو خواہ وہ شہزادے ہوں یا سلاطین زادے ' صاحب عالم کہا جاتا تھا —

فارسی نہیں سمجھتے تھے وہ بیٹھے منہ دیکھا کئے - صاف بات تو یہ ہے کہ اُردو کے مشاعرے میں فارسی کا ٹھونسنا کچھہ مجھے بھی پسند نہ آیا —

اھاھا ! زبان کا لطف اٹھانا ہے تو اب سید ظہیرالدین حسین خان ظہیر کو سنئیے - ابھی ۳۰-۳۲ سال کی عمر ہے مگر کلام میں خدا نے وہ اثر دیا ہے کہ واہ‌واہ' اُستاد ذوق کی اصلاح نے اور سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے - شکل صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی طبیعت اس بلا کی ہے- قد خاصہ اونچا' چھریرا بدن' کشادہ سینہ ' سانولی رنگت ' کشادہ دھن ' اونچی ستواں ناک ' آنکھیں نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی مگر روشن - گول ڈاڑھی نہ بہت گھنی نہ بہت چھدری ' سر پر پٹھے ' لباس میں انگرکھا ' تنگ مہری کا سفید پائجامہ ' سر پر سفید گول ٹوپی ' خوش مزاج اور لطیفہ سنج ایسے کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں - پڑھنے کا بھی ایک خاص طرز ہے - لکھنؤ والے کے تحت‌اللفظ پڑھنے سے ملتا جلتا ہے ' ساتھہ ہی اشاروں سے ایک ایک لفظ کو سمجھاتے جاتے ہیں- غزل ہوئی تھی —

جبیں اور شوق اس کے آستاں کا ؎ ارادہ اور ارادہ بھی کہاں کا
لٹا ہے قافلہ تاب و تواں کا خدا حافظ ہے دل کے کارواں کا
مری وا ماندگی منزل رساں ہے ؎ سراغ نقش‌پا ہوں کارواں کا
رہے پابند دل کے دل میں ارمان ؎ قدم منزل نے پکڑا کارواں کا
اُٹھا سکتے نہیں سر آستاں سے غضب ہے بار منت پاسباں کا
ھمیشہ مورد برق و بلا ہوں ؎ مٹے جھگڑا الہی آشیاں کا
دل بیتاب نے وہ بھی مٹایا کسی کو کچھہ جو دھوکا تھا فغاں کا
ظہیر ! آو چلو اب میکدے کو نکالا زھد و تقویٰ ہے کہاں کا

اور تو اور اُستادان فن نے اس غزل کی ایسی داد دی کہ میاں ظہیر کا دل غنچے کی طرح کھل گیا - تیسرے شعر پر تو یہ حالت تھی کہ تعریفوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا - سلام کرتے کرتے بیچارے کے ہاتھہ دکھہ گئے ہونگے - جب ذرا سکون

ھوا توسیدھی جانب کی شمع نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے سامنے آئی- ان کا کیا کہنا- یہ استادان فن میں شمار کئے جاتے ھیں- مومن کے شاگرد ھیں مگر خود استاد ھیں- انھوں نے کسی شعر کی تعریف کی اور اس کی وقعت بڑھی؛ یہ سنکر ذرا خاموش ھوئے اور شعر دوسروں کی نظروں سے بھی گرگیا- زبان کے ساتھہ مضمون کو ترتیب دینا ایسے ھی لوگوں کا کام ھے- پڑھتے بھی ھیں تو ایک ایک لفظ سمجھا سمجھا کر- آواز ایسی اونچی ھے کہ دور اور پاس سب کو صاف سنائی دے- غزل پڑھنے سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا، ذرا انگرکھا درست کیا، ٹوپی درست کی، انگرکھے کی آستینوں کو چڑھایا اور یہ غزل پڑھی —

آرام سے ھے کون جہان خراب میں ۔۔۔ گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
سب اس میں محو اور یہ سب سے علاحدہ ھے ۔۔۔ آئینہ میں ھے آب، نہ آئینہ آب میں
معنی کی فکر چاھئے صورت سے کیا حصول ۔۔۔ کیا فائدہ ھے، موج اگر ھے شراب میں
ذات و صفات میں بھی یہی ربط چاھئے ۔۔۔ جوں آفتاب و روشنی آفتاب میں
وہ قطرہ ھوں کہ موجۂ دریا میں گم ھوا ھوں ۔۔۔ وہ سایہ ھوں کہ محو ھوا آفتاب میں
بیباک شیوہ، شوخ طبیعت، زباں دراز ۔۔۔ ملزم ھوا ھے پر نہیں عاجز جواب میں
تکلیف شیفتہ ھوئی تم کو، مگر حضور ۔۔۔ اس وقت اتفاق سے وہ ھیں عتاب میں

غزل تو ایسی ھے کہ بھلا کس کا منہ ھے جو تعریف کا حق ادا کر سکے، مگر تعریف بڑی سنبھل سنبھل کر کی گئی- بڑے مشاعروں میں میں نے ھمیشہ یہ دیکھا کہ نو مشقوں کے دل تو تعریفوں سے خوب بڑھاتے ھیں مگر جب استادوں کے پڑھنے کی نوبت آتی ھے تو وہ جوش و خروش نہیں رھتا، بلکہ جوش کے بجاے متانت زیادہ آجاتی ھے- استادوں کے انھی شعروں کی تعریف ھوتی ھے جو واقعی قابل تعریف ھوں- اگر کسی شعر کی ذرا بے جا تعریف کردی جاے تو اس سے ان کو تکلیف ھوتی ھے- یہ صرف اسی کلام کی تعریف چاھتے ھیں جس کو یہ خود سمجھتے ھیں کہ اس کی تعریف ھونی چاھئیے- شعر پڑہ کر اگر دیکھتے بھی ھیں تو اپنے

برابر والوں کی طرف' اور وھی داد بھی دیتے ھیں ' مشاعرے کے باقی لوگ ان کے کلام سے لطف ھی نہیں اُٹھاتے ' کچھہ حاصل بھی کر لیتے ھیں ' ان کے لئے یہ غزلیں کسی طرح اُستاد کی اصلاح سے کم نہیں ہوتیں —

اُن کے بعد شہزادہ مرزا قادر بخش صابر کی باری آئی یہ کوئی ۴۰ برس کے ہونگے - ان کی شاعری کی قلعہ میں بڑی دھوم ھے - خود ۵ ان کو بھی اپنے کلام پہ ناز ھے- شعراے دھلی کا ایک تذکرہ لکھہ رھے ھیں مگرمشہور یہ ھے کہ الف سے لیکر یے تک مولانا صہبائی کا قلم ھے : یہ سچ ھے یا جھوٹ خدا بہتر جانتا ھے - خود انہوں نے اپنے حالات ایک قطعہ‌میں لکھے ھیں' وہ نقل کرتا ھوں —

قطعہ

پہلے اُستاد تھے احساں و نصیر و ممنون
ھوئی احساں سے پر اصلاح طبیعت میری
پھر ھوا حضرت صہبائی کی اصلاح کا فیض
طبع باریک ھوئی ان کی بدولت میری
اور ھم بزم رھے موسن و ذوق و غالب
اُوستادوں ھی سے ھردم رھی صحبت میری
ھلد کا فضل و ھنر ذات پہ ھے جن کی تمام
مانتے ھیں وھی اشخاص فضیلت میری
منعقد ھوتی ھے جب شہر میں بزم انشا
کرتے ھیں اھل سخن وقعت و عزت میری

اب اس کلام پر ان کو استاد کہو یا جو جی چاھے کہو- غزل میں بھی یہی پھیکا رنگ ھے ' مضمون بھی کچھہ بلند پایہ نہیں ھیں ' مگر سارا شہر ان کو استاد مانتا ھے؛ ھونگے ' ممکن ھے میری ھی سمجھ کا پھیر ھو - غزل کہی تھی —

نظارہ برق حسن کا دشوار ہوگیا   جلوہ حجاب دیدۂ بیدار ہوگیا

محفل میں، میں تو اس لب میگوں کے سامنے　　نام شراب لے کے گنہگار ہوگیا

حائل ہوئی نقاب تو تھیری نگاہ شوق　　پردہ ہی جلوہ گاہ رخ یار ہوگیا

معلوم یہ ہوا کہ ہے پرسش گناہ کی　　عاصی گنہ نکردہ گنہگار ہو گیا

اس کی گلی میں آن کے کیا کیا اٹھائے رنج　　خاک شفا ملی تو میں بیمار ہوگیا

پیری میں ہم کو قطع تعلق ہوا نصیب　　قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہوگیا

یہ پڑھ چکے تو شمع مفتی صدرالدین صاحب آزردہ کے سامنے پہنچی - اس پایے کے عالم شاعر نہیں ہوتے اور ہوتے ہیں تو استاد ہوجاتے ہیں - مفتی صاحب کے جتنے شاگرد جید عالم ہیں اس سے کہیں زیادہ ان کے تلامذہ شاعر ہیں اور شاعر بھی کیسے کہ بڑے پایے کے - مفتی صاحب کہتے تو خوب ہیں مگر پڑھتے اس طرح ہیں گویا طالب علموں کو سبق دے رہے ہیں - آواز بھی ذرا نیچی ہے لیکن ان کی وجاہت کا یہ اثر ہے کہ مشاعرے میں سناٹا ہوتا ہے اور تعریف بھی ہوتی ہے تو خاص خاص شعروں پر اور بہت نیچی آواز میں - ہاں مرزا نوشہ ان سے مذاق کرنے میں نہیں چوکتے - کبھی کبھی اعتراض بھی کر بیٹھتے ہیں اور مزے مزے کی نوک جھونک ہوجاتی ہے - غزل ملاحظہ ہو؛ کیا پختہ کلام ہے —

باتوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمیں و زمیں آسماں نہیں

افسردہ دل نہو در رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں

شب اس کو حال دل نے جتا یا کچھ اس طرح
ہیں لب تو کیا، نگہ بھی ہوئی ترجماں نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کٹتی کسی طرح بھی نہیں یہ شب فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں
کہتا ہوں اس سے کچھ میں، نکلتا ہے منہ سے کچھ
کہنے کو یوں تو ہیگی زباں اور زباں نہیں
آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے روبرو
مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

آزردہ جیسے اُستاد کے بعد نواب مرزا خاں داغ کا پڑھنا ایک عجیب سی چیز ہے، مگر بات یہ ہے کہ اول تو داغ کو سب چاہتے ہیں، دل بڑھاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کسی دن یہی داغ ہندوستان کا چراغ ہوگا؛ دوسرے مرزا فخرو کے خیال سے ان کو اُستادوں میں جگہ ملی تھی مگر انہوں نے غزل بھی ایسی پڑھی کہ اُستاد بھی قائل ہو گئے - ۱۷، ۱۸ برس کے لڑکے کا اس قیامت کی غزل اور اس جرأت سے پڑھنا واقعی کمال ہے - میری تو یہ رائے ہے کہ جو زبان داغ نے لکھی ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوگی - ذرا زبان کی شوخی، مضمون کی رنگینی اور طبیعت کی روانی ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے—

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں ناز والے نیاز کیا جانیں
شمع رو آپ گو ہوے لیکن لطف سوز و گداز کیا جانیں
کب کسی در کی جبہہ سائی کی شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جو رہ عشق میں قدم رکھیں وہ نشیب و فراز کیا جانیں
پوچھئے میکشوں سے لطف شراب یہ مزا پاکباز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک وہ مرے دل کا راز کیا جانیں
حضرت خضر جب شہید نہوں لطف عمر دراز کیا جانیں
جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے آپ بندہ نواز کیا جانیں

اللہ، اللہ! وہ سہانا وقت، وہ چھوٹی سی آواز، وہ دلکش سر، وہ الفاظ کی

نشست، وہ بندش کی خوبصورتی اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ داغ کی بھولی بھالی شکل، ایک عجیب لطف دے رہی تھی - ساری محفل میں کوئی نہ تھا جو محو حیرت نہ ہو گیا ہو اور کوئی نہ تھا جس کے منہ سے جزاک اللہ، سبحان اللہ اور صل علیٰ کے الفاظ بیساختہ نہ نکل رہے ہوں - مرزا فخرو کی تو یہ حالت تھی کہ گھڑی گھڑی پہلو بدلتے اور دل ہی دل میں خوش ہوتے تھے - غزل ختم ہوئی اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کب ختم ہوگئی - جب شمع حکیم مومن خاں مومن کے سامنے پہنچ گئی اس وقت لوگوں کا جوش کم ہوا اور اس ریختے کے اُستاد کا کلام سننے کو سب ہمہ تن گوش ہو گئے - انہوں نے شمع کو اُٹھا کر ذرا آگے رکھا، ذرا سنبھل کر بیٹھے، بالوں میں اُنگلیوں سے کنگھی کی، ٹوپی کو کچھ ترچھا کیا، آستینوں کی چنٹ کو صاف کیا اور بڑی دردانگیز آواز میں دلپذیر ترنم کے ساتھ یہ غزل پڑھی—

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں' یہ تو کچھہ باغ خلد ھے
کس جاے مجھکو چھوڑ گئی موت' لا کے ساتھہ

اللہ رے گمرھی' بت و بتخانہ چھوڑ کر
مومن چلا ھے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھہ

شاعری کیا تھی' جادو تھا - تمام لوگ ایک عالم محویت میں بیٹھے تھے - وہ خود بھی اپنے کلام کا مزا لے رھے تھے - جس شعر میں ان کو زیادہ لطف آتا تھا اس کے پڑھتے وقت ان کی اُنگلیاں زیادہ تیزی سے بالوں میں چلنے لگتی تھیں - بہت جوش ھوا تو کاکلوں کو اُنگلیوں میں بل دیکر مروڑنے لگے - کسی نے تعریف کی تو گردن جھکا کر ذرا مسکرا دئیے - پڑھنے کا طرز بھی سب سے جدا تھا ' ھاتھہ بہت کم ھلاتے تھے اور ھلاتے بھی کیسے'ھاتھوں کو بالوں سے کب فرصت تھی - ھاں آواز کے زیر و بم اور آنکھوں کے اشاروں سے جادو سا کرجاتے تھے - غزل ختم ھوئی تو تمام شعرا نے تعریف کی - سنکر مسکراے اور کہا "آپ لوگوں کی یہی عنایت تو ھماری ساری محنت کا صلہ ھے' میں تو عرض کرچکا ھوں

ھم داد کے خواھاں ھیں نہیں طالب زر کچھہ
تحسین سخن فہم ھے مومن صلہ اپنا"

ان کے بعد شمع اُستاد احسان کے سامنے آئی - میں سمجھا تھا کہ ان کی آواز کیا خاک نکلے گی مگر شمع کے پہنچتے ھی وہ تو کیچلی سی بدل کچھہ سے کچھہ ھو گئے اور اتنی بلند آواز سے غزل پڑھی کہ تمام مجلس پر چھا گئے - کسی شعر پر مومن خاں کو متوجہ کرتے' کسی پر مرزا نوشہ کو' کسی پر اُستاد ذوق کو - ان کی عظمت کچھہ لوگوں کے دلوں پر ایسی چھائی ھوئی تھی کہ جس کو انھوں نے متوجہ کیا اس کو تعریف ھی کرتے بن پڑی - ردیف سخت اور قافیہ مشکل تھا مگر ان کی اُستادی کی داد دینی چاھئے کہ ان دشواریوں پر بھی ساری کی ساری غزل مرصع کہہ گئے ھیں - ھاے لکھتے ھیں—

تو کیوں ہے گریہ کناں ، اے مرے دل محزون
نہ رو نہ رو کہ نہ تجھ کو کبھی رولائے خدا
بتو! بتاؤ تو ، کیا تم خدا کو دو گے جواب
خدا کے بندوں پہ یہ ظلم ، بندہ ہائے خدا
رضا پہ تیری ہوں دن رات اے صنم مصروف
جو اس پہ تو نہیں راضی ، نہ ہو ، رضائے خدا
بتوں کے کوچے میں کہتا تھا کل یہی احسان
یہاں کسی کا نہیں ہے کوئی سوائے خدا

جب یہ پڑھ چکے تو مرزا غالب کی باری آئی - یہ رنگ ہی دوسرا تھا۔ صبح ہو چلی تھی ، شمع کے سامنے آتے ہی فرمانے لگے " صاحبو ! میں بھی اپنی بھیرویں الاپتا ہوں"- یہ کہہ کر ایسے دلکش اور موثر لہجے میں غزل پڑھی کہ ساری محفل محو ہوگئی - آواز بہت اونچی اور پر درد تھی - یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدر داں نہیں پاتے اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے - غزل تھی —

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے   آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار   یا الہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں   کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جبکہ تجھ بن کوئی نہیں موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں   غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکن زلف عنبریں کیوں ہے   نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آے ہیں   ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ، ہے امید   جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا   اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں　　میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب　　مفت ہاتھ آے تو برا کیا ہے

غزل پڑھ کر مسکرائے اور کہا " اس پر بھی نہ سمجھیں وہ تو پھر ان سے خدا سمجھے "- حکیم آغا جان سمجھ گئے اور کہنے لگے " مرزا صاحب ! غنیمت ہے کہ تم اس رنگ کو آخر ذرا سمجھے "- غرض تعریفوں کے ساتھ ساتھ مذاق بھی ہوتا رہا اور شمع اُستاد ذوق کے سامنے پہنچ گئی - اُستاد نے مرزا فخرو کی طرف دیکھ کر کہا " صاحب عالم غزل پڑھوں یا کل جو قطعہ ہوا ہے وہ عرض کروں- کل رات خدا جانے کیا بات تھی کہ کسی طرح نیند ہی نہ آتی تھی، لوٹتے لوٹتے صبح ہوگئی، شب ہجر کا مزا آگیا - اسی کشمکش میں ایک قطعہ ہو گیا ہے اجازت ہو تو عرض کروں - مرزا فخرو نے کہا " اُستاد آج کا مشاعرہ سب بندوں سے آزاد ہے ؛ غزل پڑھئیے ، رباعی پڑھئے ، قصیدہ پڑھئے، قطعہ پڑھئے ، غرض جو دل چاہے پڑھئے، ہاں کچھ نہ کچھ پڑھئے ضرور " - اُستاد ذوق سنبھل کر بیٹھ گئے اور یہ قطعہ ایسی بلند اور خوش آیند آواز میں پڑھا کہ محفل گونج اُٹھی اور اُن کے پڑھنے کے انداز نے کلام کی تاثیر میں اور زیادہ زور پیدا کردیا —

کہوں کیا ذوق احوال شب ہجر　　کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر　　مرے بخت سیاہ کی تیرگی نے
تپ غم شمع ساں ہوتی نہ تھی کم　　اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے　　کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں میں اور کہاں یہ شب، مگر تھے　　مری جانب سے تیرے دل میں کینے
سو اس ظلمت کے پردے میں کئے ظلم　　ارے ظالم تری کینہ وری نے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج　　پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پینے
حواس و ہوش جو مجھ سے قریں تھے　　قرینے سے ہوئے سب بے قرینے
مری سینہ زنی کا شور سن کر　　پھٹے جاتے تھے ہمسایوں کے سینے

اٹھایا گاہ اور گاھے بٹھایا مجھے بیتابی و بے طاقتی نے
کہا جب دل نے توکچھہ کھا کے سو رہ بہت الماس کے توڑے نگینے
نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ بہت سی جان توڑی جانکنی نے
بہت دیکھا نہ د کھلا یا ذرا بھی طلوع صبح سے منہ روشنی نے
کہا جی نے مجھے یہ ھجر کی رات یقیں ھے صبح تک دے گی نہ جینے
لگے پانی چوانے منہ میں آنسو پڑھی یاسینؔ سرھانے بیکسی نے
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی لگا رکھے تھے میری زندگی نے
کہ قسمت سے قریب خانہ میرے اذاں مسجد میں دی بارے کسی نے
بشارت مجھکو صبح وصل کی دی اذاں کے ساتھہ یمن و فرخی نے
ھوئی ایسی خوشی اللہ اکبر کہ خوش ھوکر کہا خود یہ خوشی نے
موزن مرحبا بر وقت بولا تری آواز مکے اور مدینے

آخری شعر پر پہنچے تھے کہ برابر کی مسجد سے آواز آئی " اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! " اس کے ساتھہ ھی سب کے منہ سے نکلا " تری آواز مکے اور مدینے " - آذان ختم ھوئی تو سب نے دعا کو ھاتھہ اُٹھاے - دعا سے فارغ ھوکر مرزا فخرو نے کہا " صاحبو ! کچھہ عجب اتفاق ھے کہ فاتحہ خیر ھی سے یہ مشاعرہ شروع ھوا تھا اوراب فاتحہ خیر ھی پر ختم ھوتا ھے "- یہ کہہ کر اُنھوں نے دونوں شمعوں کو جو چکر کھا کر ان کے سامنے آگئی تھیں بجھا دیا - شمعوں کے گُل ھوتے ھی نقیبوں نے آواز دی " حضرات مشاعرہ ختم ھوا "- یہ سننا تھا کہ چلنے کو سب کھڑے ھوگئے - سب سے پہلے مرزا فخرو سوار ھوے اور پھر سب ایک ایک کرکے رخصت ھوے - آخر میں ' میں اور نواب زین العابدین خاں رہ گئے - میں نے انکا شکریہ ادا کیا - کہنے لگے " میاں کریم الدین یہ تمھاری نیک نیتی تھی جو اتنا بڑا مشاعرہ بہ خیر و خوبی ختم ھوا - تمھارا کام بھی بن گیا اور میرا ارمان بھی نکل گیا - اچھا خدا حافظ " —

— تقدیر —

درماندگی میں غالب کچھہ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ' ناخن گرہ کشا تھا -

دوسرے روز سب سامان اُتھہ گیا اور پھر وهی چھاپے خانے کی گھڑ گھڑ اور پریسمینوں کی گڑبڑ شروع هوگئی - دوسرے مہینے میں پھر مشاعرے کا اعلان کیا' اشتہار بھی تقسیم هوئے ' مگر گنتی کے آدمی آئے ' آخر یہ مجلس بند کرنی پڑي - کچھہ تو مطبع کے کام میں نقصان هوا' کچھہ ملازمین پیشگی رقمیں دبا بیتھے ' غرض تھوڑے هی دنوں بعد میرے دوچار جاهل شرکا نے مجھ سے فریب کرکے مطبع چھین لیا - هر چند کہ میں نے سوچا تھا کہ اگر دعویٰ کروں ' حاکم بےشک میرا انصاف کریگا ' لیکن چند صدمات پڑجانے کی وجہ سے وہ ارادہ بھي پورا نہ هوا - اس مشاعرے کی کیفیت کے مسودات پڑے رہ گئے هیں ' دیکھئے کب چھپتے هیں اور کون چھاپتا هے —

مومن پر ایک نظر

از

(جناب ضیاء احمد صاحب ایم - اے بدایونی لکچرار اُردو' انٹرمیڈیٹ کالج - علی گڈھ)

جس زمانے میں هندوستان میں سلطنت مغلیه کا آفتاب نصف النهار پر جلوہ گر تھا اور اسلامی تہذیب و تمدن کی شعاعیں نزدیک و دور پڑ رهی تھیں تمام اهل فن اپنے اپنے فنون کو ترقی دینے اور ان میں باریکیاں پیدا کرنے میں همہ تن مصروف تھے - ایک طرف سلاطین و اُمرا کی فن شناسی اور سرپرستی مخفی استعدادوں کو قوت سے فعل میں آنے کی دعوت دیتی تھی دوسری طرف ارباب فن کی جدت اور جودت قدما کے چھوڑے هوے ذخیرے میں اضافه کرنے پر مائل تھی۔ فن تعمیر هو یا فن مصوری' نقاشی هو یا موسیقی' هرایک کے اندر ارتقا کا عمل جاری تھا اور ضرورت کے بدلے تکلف کار فرما تھا - جب یه حالت تھی تو غیر ممکن تھا که فن شعر اس کلیے سے مستثنیٰ رهتا - چنانچه شاعری میں بھی انقلاب اور زبردست انقلاب هوا! متاخرین• نے متقدمین کی سادگی اور متوسطین کی مضمون آفرینی پر قناعت نه کرکے نازک خیالی اور بدیع الاسلوبی کی بنیاد ڈالی اور اسی موهوم بنیاد پر تخیل کے فرضی سوبفلک قلعے تعمیر کردئے - ظاهر هے که قدما نے واردات حسن و عشق کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا تھا اور اب ان فرسودہ خیالات میں کسی قسم کی دلکشی

• متاخرین کی شاعری پر مفصل بحث همارے مضمون " ارتقاے ادب فارسی عہد اکبری میں " کا موضوع هے جو اُردو اور انگریزی میں شائع هو چکا هے —

باقی نه تهی - اس لئے ضرور تها که همارے شعرا انهیں خیالات میں استعارہ در استعارہ کے زور سے جدت طوازیاں اورموشگافیاں پیدا کریں- اسی کا نتیجه تها که عرفی* اور اس کے معاصرین نے تمامتر نزاکت تخیل اور ندرت اسلوب پر شاعری کا دارومدار رکها - یه لے یہاں تک بڑھی که آخر میں بیدل اور اس کے هممصروں کے یہاں شاعری معما بن کر رهگئی —

ملک کی فضا ابهی انهیں نغموں سے گونج رهی تهی اور بیدل و علی کی نکته سنجیاں مشاقان فن کے لئے ابهی شمع راہ بنی هوئی تهیں که سنه ۱۲۱۵ ھ میں مومن نے اس خراب آباد گیتی میں قدم رکها —

شاهجهان‌آباد جیسی مردم خیز سر زمین کا اثر ' دارالسلطنت کے ادبی چرچے ' خاندان کے علمی مشاغل' اور سب پر مستزاد مومن + کی نادرہ کار اور دقیقه آفرین طبیعت ان سب نے مل کر تهوڑے هی عرصے میں ان کی شاعری کو سحرسامری بنادیا ' رجحان طبعی نے طرز بیدل' کی طرف رهنمائی کی اور ندرت پسندی نے چند روز میں کلام کو شہرت کے عرش‌الکمال پر پہنچا دیا —

مگر اِس کو ان کی دقت پسندی کا اثر کهو یا ملک کی بد مذاقی کا ' ان کی شاعری کو مقبولیت عام نه هوی —

شعرو سخن سے مومن کو فطرتاً ذوق تها اور بقول شمس‌العلما آزاد عاشق مزاجی نے اسے چمکادیا - ان کی شاعری پر حقیقت میں "قلندر هرچه گوید دیدہ گوید" کی مثل پورے طور پر صادق آتی تهی - یہی وجہ تهی که جو بات ان کی زبان سے نکلتی

---

*هندوستان میں عرفی وغیرہ جو نازک خیالی کے دل دادہ تهے' فغانی کے مقلدین میں گنے جاتے تهے- اِس کے برخلاف ایران میں شرف جهاں کی معامله بندی کادور دورہ تها -

+ مومن کے هم عصر و حریف استاد مرزا غالب بهی اپنے کو طرز بیدل کا متبع کهتے تهے' جس کا انهوں نے اپنے اشعار میں بهی اعتراف کیا هے ، مگر جیساکه هم آینده بتائیں گے مومن اس رنگ میں ان کے شریک غالب هیں —

تھی درد و اثر کے اعتبار سے نشتر بنکر نکلتی تھی - اور" ازدل می خیزد و بر دل می ریزد" کی مصداق ہوتی تھی - تجربہ اسکا شاہد ہے کہ اگرچہ مومن کا کلام عوام میں مقبول نہ ہوا تاہم ہرزمانے میں خواص اونکی اشعار پر سردھنتے رہے ہیں - مومن کے ہم عصروں (ذوق و غالب) میں ہر ایک بے شبہ اپنے رنگ میں بے نظیر اور با کمال استاد گذرا ہے ' مگر انصاف سے دیکھئے تو مومن کا درجہ بھی کسی سے نیچے نہیں ہے - البتہ یہ مومن کی بد قسمتی کہ اونکو کوئی آزاد یا حالی نہیں ملا جو انکے محاسن کلام کو ملک کے سامنے نمایاں طور پر پیش کر تا —

ایسی حالت میں جبکہ مومن پر ناقدانہ مضمون لکھنے کےلیئےکسی موزوں ہستیکی ضورورت تھی'عالی جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردوکا اس کیلئے ارشاد اورمیری تعمیل دونوں حیرت انگیز ہیں-مگر محض اس خیال سے امتثال‌امر کی جرات کی گئی کہ مجھے ذاتی طور پر مومن سے خاص دلچسپی ہے - نیز یہ گمان ہے کہ شاید میری یہ جسارت اُن ہل قلم کےلیئے محرک بن سکے جو اس مبحث پر تحریر کر نےکے مجھہ سے زیادہ اہل ہیں —

حکیم مومن خاں کے کلیات پر بالاستیعاب نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اونکی حسن پرستی اور عاشق مزاجی کے باعث کلام میں سوز و گذار اور تاثیر و درد کی بجلیاں کوندتی ہیں اور دوسری طرف انکی روش عام سے بیزاری اور ندرت پسندی کی بدولت شاعری کے مطلع پر اخلاق و ابہام کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں- یہ بحث بڑی تفصیل چاہتیہےاور ضرورت ہے کہ مومن کی ہر صنف شعر اور اس کے خصوصیات کو کھول کر بیان کیا جائے - لیکن اصناف سخن پر بالترتیب بحث کر نے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی وہ خصائص جو عام طور پر انکی تمام شاعری کا امتیازی جوہر ہیں پیش کروں —

خصائص کلام مومن

(۱) تغزل - غزل سے ماخوذ ہے جس کے معنے لغت میں ''حکایت از جوانی و حدیث عشق با زنان'' ہیں - اور حقیقت یہ ہے کہ خاں صاحب کی زندگی اور اُن کی شاعری دونوں اس تعریف کی صحیح مصداق ہیں۔ اُن کی زندگی سراپا عشق تھی اور اُن کا کلام یکسر تغزل - عرب کے شاعر کی طرح وہ موہوم وصل اور مصنوعی ہجر کے تخیل سے نا آشنا تھے بلکہ جو کہتے تھے دل کے جوش اور طبیعت کی اُمنگ سے کہتے تھے —

اُن کی رندی و سرمستی اخلاقی نقطۂ نظر سے کتنی ہی بدنما سہی مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسی صفت نے اُن کے کلام میں وہ سوز وگداز پیدا کردیا جس سے اُن کے ہم عصروں کی شاعری عاری ہے - یہ رنگ اس قدر گہرا ہے کہ غزل و مثنوی تو در کنار قصیدوں میں بھی ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے ' اُن کی معاملہ بندی یا وقوعہ گوئی کو دیکھہ کر ہر ہر قدم پر جرأت کا دھوکا ہوتا ہے - ذیل کی مثالوں سے اس کا کسی قدر اندازہ ہوگا —

مضامین تغزل و واردات عشق · —

وصل

شب وصل آپ کا عذر نزاکت — بجا ہے' پر نہ مجھہ سے نیمجاں سے

وصل* کی شب شام سے میں سو گیا — جاگنا ہجراں کا بلا ہوگیا

نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھہ گئی — بہار ' وضع ترے مسکرا کے آنیکی

یا رب وصال یار میں کیونکر ہو زندگی — نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کیسا تھہ

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے — کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جانفشاں کیلئے

کشاد دل پہ باندھی ہے کمر آج — نہیں خیر آپ کے بند قبا کی

---

* اس مضمون سے ملتا ہوا مرزا غالب کا شعر ہے اور انصاف یہ ہے کہ کہیں بہتر ہے - خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے :—

آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

هجر

مرگ نے هجراں میں چھپایا هے منه　　لو منه اُسی پردہ نشیں کا کیا
جانا حرام هجر بتاں میں تو کیا گناہ　　پیر مغاں شراب هے شیشه میں سم نهیں
خار بستر په شب هجر بچھاوں کیوں کر　　دل میں تو هے وہ گُل اندام اگرپر میں نهیں
تو کہاں جاے گی کچھه اپنا ٹھکانا کر لے　　هم تو کل خواب عدم میں شب هجراں هونگے
شب هجر میں کیا هجوم بلا هے　　زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

رشک

یه مومن کا مخصوص مضمون هے جس کے وہ بلا شرکت غیرے مالک هیں —

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل　　میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
دیکھه اپنا حال زار منجم هوا رقیب　　تھا ساز گار طالع ناساز دیکھنا

شاعر نے اپنی بد نصیبی کی داستان منجم کو سنائی ' مگر سوے اتفاق که وہ خود رقیب بن بیٹھا ' اور اُس (شاعر) کے ستارے کی گردش دیکھه کر اُس کو اپنی کامیابی کے خواب نظر آنے لگے —

رشک فغاں کی هاے رقیب آفریلیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یعنی محشر نے میری فغاں کے رشک میں صور پھونکا مگر افسوس خرابی یه هوئی که نفخ صور کے ساتھه هی بے شمار رقیب بھی پیدا هوگئے —

وہ علی الرغم عدو مجھه پر کرم کرتے هیں
هے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے هیں

اُستاد ذوق کا شعر بھی سننے کے قابل هے —

سمجھے هے واجب الرعایت دوست　　دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے

وهم فغان غیر نے سینه جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دلدار کی طرف

غیروں* سے شکر لب سخن تلخ بھی تیرا　　ہرچند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے

رشک پیغام ہے عناں کش دل　　نامہ بر راہ بر نہ ہو جاے

رندی

کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے　　افسوس سے آلودہ لب جام نہ ہوگا

خاک میں حیف یہ شراب ملے　　محتسب ! بادہ خوار ہونا تھا

حوض میخانہ پئے سے بھی مرا جی نہ بھرا　　کیا تنگ ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں

چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں پتہ　　ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں

وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں　　بد تلمک آکے حریفان بادہ خوار مجھے

خم کدہ کشی کی ترکیب اُن کی ایجاد خاص ہے۔حریف اِس لئے زہر دیتے ہیں کہ میں (شاعر) اُن کے لئے شراب کا قطرہ باقی نہیں چھوڑتا —

جنون اور اس کے لوازم

ایچلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس　　جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

ہم چارہ گر کو یونہی پنہائیں گے بیڑیاں　　دم میں ہمارے گر وہ پری زاد آگیا

دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین　　ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں　　نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

دست جنوں نے میرا گریبان سمجھ لیا　　الجھا ہے ان سے شوخ کے بندقبا کے ساتھ

صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں　　چارہ فرما بھی کبھی قیدئی زنداں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی　　پھر وہی پاؤں وہی خار مغیلاں ہوں گے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا　　خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

---

* مرزا فرماتے ہیں

ہے ہم کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
ہرچند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

مگر خاں صاحب کا انداز بیان زیادہ نادر ہے —

جدوں میں بھلا کوئی کیا خاک اُڑاے   کہ اک جوش ھی میں زمیں ھوچکی
یہ ناتواں ھوں کہ ھوں اور نظر نہیں آتا   مرا بھی حال ھوا تیری ھی کمر کا سا
پھر وحشت اثر نہو جاے   کہیں صحرا بھی گھر نہو جاے
میرے* تغئیر رنگ کو مت دیکھہ   تجھے اپنی نظر نہو جاے

زار نالی

اُس کوچے کی ھوا تھی کہ میری ھی آہ تھی   کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
بجھہ گئی اک آہ میں شمع حیات   مجکو دم سرد نے ٹھنڈا کیا
نالہ اک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں   چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
کوئی تیر اُس کا دل میں رہگیا تھا کیا کہ آنکھوں سے   ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا
چھوڑا نہ کچھہ بھی سینے میں طغیان اشک نے   اپنی ھی فوج ھوگئی لشکر غنیم کا
بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر   جو حادثہ کبھی نہ ھوا تھا سو اب ھوا
آتش آہ بے اثر سے مری   آسماں گلشن خلیل ھوا

شاعر نے آتش (آہ) کے بے اثر ھونے کے لحاظ سے آسماں کو گلشن خلیل سے تشبیہ دی ھے اور یہ تشبیہ درحقیقت اپنی ندرت میں لاجواب ھے —

اے پردہ نشیں چلون اٹھہ دے کہ نہ جلجاے
کرتا ھوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت

چھٹ +کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بلد غم نہیں قید حیات ھے

---

* میر تقی کا مشہور شعر ھے —:
میرے تغئیر رنگ پر مت جا   انقلابات ھیں زمانے کے
مگر مومن کے یہاں ترقی معلوم ھوتی ھے ؛ پھر بھی الفضل للمتقدم—
+ اسی مضمون کو مرزا نے یوں ادا کیا ھے :-
قید حیات وبند غم اصل میں دونوں ایک ھیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاے کیوں

[باقی بر صفحہ آیندہ]

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

یہ اوپر کی مثالیں چند مخصوص عنوانوں سے متعلق ہیں جو کسی طرح جامع نہیں کہے جاسکتے - اور سہولت کی غرض سے یہ مثالیں صرف غزلیات ہی سے انتخاب کی گئی ہیں (اور فی الحقیقت غزل کو مومن کی معراج الکمال سمجھنا بھی چاہئے) تاہم قارئین کرام کو بآسانی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک ایک شعر جوش قلب اور صدق جذبات کا آئینہ ہے —

قصائد کی تشبیب میں شعرائے سلف بالعموم بہاریہ مضامین یا مناظرے وغیرہ سے ابتدا کیا کرتے تھے - خاں صاحب نے تشبیب کو اس کے حقیقی معنے میں منحصر کردیا - گویا ان کی تشبیب میں سر تا پا تغزل کی شان نظر آتی ہے - مثال کے لئے قصیدہ سوم، چہارم، پنجم، ہفتم ملاحظہ ہوں- امثلۂ بالا اس امر کی شاہد عدل ہیں کہ مومن کا کلام ایک طرف تغزل اور لطیف تغزل میں رئیس المتغزلین نظیری کی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف معاملہ بندی و وقوعہ گوئی میں میلی و وحشی کا نقش ثانی نظر آتا ہے —

مومن کے بعض بعض مسلسل غزلوں پر واسوخت کا گمان ہوتا ہے مثلاً وہ غزل جس کا آغاز یہ ہے - اب اور سے لو لگائیں گے ہم - یا - تو بہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے —

نازک خیالی اور بلند پروازی - متاخرین فارسی کی شاعری کا یہ خاص مابہ الامتیاز جوہر ہے کہ وہ کمزور سی بنیاد پر تخیل کی بلند عمارت قائم کردیتے ہیں - ان کے کلام میں عموماً اِغلاق اور دقت پائی جاتی ہے جس کی وجہ یاتو یہ ہے

[بقیہ صفحۂ گزشتہ]
مگر جذبہ داری کا الزام نہ لگایا جاے تو کہا جا سکتاہے کہ خاں صاحب کا اسلوب زیادہ لطیف ہے —

که مبالغه اس قدر پر از غلو اور بعید هوتا هے که عام ذهن کی رسائی اوس تک محال هوتی هے؛ یا یه که تمام شعر کی بنا ایهام یا رعایت لفظی پر رکھی جاتی هے؛ یا استعارہ در استعارہ کی بدولت اصل خیال حقیقت سے دور جا پڑتا هے یا بڑے خیال کو مختصر عبارت میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی هے۔ شعرائے متاخرین کے مقلدین کا کلام فارسی و اُردو بھی اسی صفت سے متصف نظر آتا هے - غالب اور مومن کی نازک خیالی دیکھکر اِن با کمالوں کے انتقال ذهن کی داد دینی پڑتی هے ' مگر حق یه هے که گو تخئیل کے بغیر شاعری ناقص هے پھر بھی بے اعتدالی کی حدتک پہنچ کر تخئیل بے مزہ هوجاتی هے —

بہرحال اشعار ذیل پڑھئے اور حکیم صاحب کی بلندئی خیال کا اعتراف کیجئے۔ مثلاً وہ ایک شعر میں شام وعدہ اپنے تھک کر سورهنے کو کس خوبی سے "شکوۂ ستم اضطراب" قرار دیتے هیں —

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یه که سورهے	آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

یا معشوق کے نه دیکھنے کو کس شوخی سے "نگہۂ التفات" ثابت کرتے هیں —

پامال اک نظر میں قرار و ثبات هے	اوس کا نه دیکھنا نگہۂ التفات هے

شاعر خوف رسوائی سے معشوق کی طرف ملتفت نہیں هوتا اور اس کے دیکھنے سے شرم کرتا هے ' لیکن یہی شرم موجب رسوائی هوگئی اور دیکھنے والے اس بے کانه وشی کو دیکھکر تاڑ گئے که دل میں چور هے ورنه غیر ممکن هے که ایسے پری وش کو کوئی نه دیکھے —

اُن سے پری وش کو نه دیکھے کوئی	مجکو مری شرم نے رسوا کیا

اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دوسرے پیرایه میں یوں ادا کیا هے —

دوستی کا پردہ هے بیگانگی	منه چھپانا هم سے چھوڑا چاهئے

اختر شناش (منجم) عوام کے عقیدے میں آنے والے واقعات سے با خبر هوتا هے ' اگروہ اتفاق سے بد نصیب هے تو نتیجه یه هوگا که وہ قبل از وقت اپنے آئندہ

مصائب سے مطلع ہو جائیگا اور بجاے اس کے کہ نوشتۂ تقدیر کو مٹا سکے اُس کا ہر ایک لمحہ کرب و الم میں گذرے گا - حکیم مومن خاں جو در اصل اختر شناس تھے اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ھیں—

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ھے ستم ایجاد کیا

شاعر نے محبوب سے بے رخی کا شکوہ کیا جس پر اُس نے یہ عذر کیا کہ میں تمھارے جذب دل کا امتحان کرتا تھا کہ اگر واقعی طلب صادق اور جذب کامل ھے تو مجھے خود کھینچ بلاے گا—

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مومن نے غم مآل کے خیال سے عشق صنم ترک کیا، مگر دیکھا تو ترک صنم بھی سوز جحیم سے کم نہیں؛ گویا جس انتہا کے خوف سے عاشقی چھوڑی تھی ابتدا ھی میں وہ دکھ پیش آیا—

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

شرع مطہر میں ایک طرف تو دوزخ کی یہ تعریف کی گئی ھے کہ "وقودها الناس والحجارة" (اُس کا ایندھن انسان اور بت ھوں گے)، دوسری طرف کافروں سے دوزخ میں عذاب الیم کا وعدہ کیا گیا ھے - شاعر اپنے زعم میں یہ سمجھتا ھے کہ اگر دوزخ میں کافروں کے ساتھ بتوں کو بھی رکھا گیا تو عذاب الیم بھی راحت جاوداں بن جاے گا - اس لئے دریافت کرتا ھے

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں؟
ھے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بیقراریٔ کامیاب کو جس کی تاثیر سے معشوق بے چین ھو جائے دنیا سراھتی ھے،

مگر مومن اپنی بیقراریٔ ناکام کے ممنون ہیں کہ معشوق جیسے شوخ طبع کو اُس نے سنبھال لیا—

تاثیر بیقراریٔ ناکام، آفریں!

ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

ناصح کی دوستی کو عشق کے مذہب میں ہمیشہ عداوت مانا گیا ہے لیکن مومن کا شاعرانہ استدلال قابل داد ہے۔ لکھتے ہیں—

جیب درست لایق لطف و کرم نہیں

ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

یعنی جب میرا گریباں ثابت ہوگا تو کون مجھہ پر رحم کرے گا—

رقیب عمر دراز کی دعا مانگتے ہیں، مگر شاعر کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ زمانۂ ہجر ہی دراز ہوتا ہے کیونکہ مہلت وصل کا مختصر ہونا امر بدیہی ہے—

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو

دیکھو زمان ہجر کے امیدوار ہیں

گھر کا صحرا ہونا تو معمولی بات ہے، مگر خاں صاحب کس خوبی سے صحرا کے گھر ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں—

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے

کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

مطلب یہ ہے کہ ہم نے صحرا پر قناعت کرلی ہے مگر خوف یہ ہے کہ کہیں وہ بھی گھر کی طرح کاٹنے کو نہ دوڑے—

دیکھہ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب

تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

رشک فغاں کی ہاے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

یہی حال قصائد کا ہے - دیکھئے ایک بڑے خیال کو کن مختصر الفاظ میں ادا کرتے ہیں—

مدد غیب پہ کی لشکر مغلوب سے صلح
کہ مسلمان نہوں معتقد طالع شوم

مراد یہ ہے کہ ممدوح (سیدنا امام حسن رض) کے مخالفوں کے طالع میں نحوست ہے، اگر آپ اُن سے لڑتے تو وہ ضرور ہارتے؛ اس طرح سے مسلمانوں کو اُن کی نحوست کا یقین اور واثق ہو جاتا، مگر چونکہ نحوست اور سعادت کا اعتقاد شرعاً ممنوع ہے اس لئے حضور نے عامہ مسلمین کو اس بد اعتقادی سے بچانے کے لئے لشکر مغلوب سے صلح کرلی—

دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا خاطر حاسد کا غبار

ممدوح کے دل روشن نے حاسد کو حیرت زدہ کردیا، گویا اس حیرت کی وجہ سے (نہ کہ صفا سے) اُس کا دل آئینہ ہو گیا اور اُس کے غبار خاطر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی کہ وہ اس آئینے کے صیقل کا کام دے سکے؛ یعنے دل حاسد کی حیرت کو اور ترقی دے - فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضاً—

اُن کے کلیات کا بامعان نظر مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اُن کے قصائد اور غزلیات سر تا پا نازک خیالی اور بلند پروازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں - ان کی مضمون آفرینی کہیں کہیں خاص لطف دے جاتی ہے، جس سے ہر صاحب ذوق سلیم مومن کے علو خیال کے اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے؛ مگر بعض مواقع پر خیال کی رفتار اس قدر دور از کار اور مضمون اتنا مستبعد ہوتا ہے کہ اُس کے حل کرنے کے لئے ایک مسئلۂ ریاضی سے کم محنت نہیں پڑتی - روش عام سے علیحدگی ہر ہر قدم پر

اس درجہ نمایاں ہے کہ کلام کا اغلاق طبیعت کو اُلجھن میں ڈال دیتا ہے اور نشاط روح ہونے کے بجائے شعر دماغ پر بار ہو جاتا ہے —

۳ - ندرت اسلوب بیان ور شوخیء ادا —

یہ خصوصیت حکیم صاحب کی شاعری میں نہایت امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور لاریب کہ اس میں اُن کا نظیر محال نہیں تو قریب محال ضرور ہے۔ وہ سیدھی سی بات کو ایسے انوکھے پیرایے میں بیان کرتے ہیں کہ سامع حیران رہ جاتا ہے —

مثلاً مقصود یہ ہے کہ محبوب کی گالی بری نہیں معلوم ہوتی ۔ اس مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں —

۱ دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

اور سنئے —

۲ محفل میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیء عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اس کو طفل تسلی کہئے یا طنزیہ شوخی، بہر حال خوب ہے —

معشوق قتل عام کرتا ہے؛ شاعر کو اُس کی عاشق کُشی پر کوئی اعتراض نہیں، صرف یہ شکایت ہے کہ اگر ایک کے سامنے دوسرے کو قتل کیا جاتا تو سفاکی کا منشا زیادہ خوبصورتی کے ساتھ پورا ہوتا —

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

سبحان اللہ ! شعر نہیں جادو ہے —

حرم کی یہ شان ہے کہ اس کا دروازہ ہر خاص و عام کے لئے کشادہ ہے : نیز یہ کہ وہاں کشت و خون منع ہے - خاں صاحب اُس سے یوں مضمون پیدا کرتے ہیں —

۳ درباں کو آنے دیجئے پہ میرے نہ کیجیے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

ذیل کے اشعار سے قارئین کرام یہ اندازہ کر لیں گے کہ مومن کا اسلوب بیان کس قدر نادر تھا - ہم ان اشعار کو بلا تشریح نقل کر دینے پر اکتفا کریں گے —

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیٔ بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہے کوئی دن یہ بیاباں ہوگا

ہنسیں نہ غیر مجھے بزم سے اُٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

اُلجھا ہے پاوں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

تم * مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بجلی گری فغاں سے مری آسماں پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
اُلٹا کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

جذب دل اُسے کھینچ کے لاے تو کہاں لاے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا

---

* یہ شعر در حقیقت مومن کے شاہ کاروں میں شمار ہونے کے قابل ہے - اور مشہور ہے کہ مرزا غالب اس کو بار بار پڑھتے تھے اور وجد کرتے تھے ' اور اپنے دیوان سے بدلنے کو تیار تھے —

بتخانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن خضر راہ برہمن ہے ہمارا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد، شکایتوں پہ تری، مدعی سے ہم

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں اُن کا مدعا ہوں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نا رسا عبث*

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں

جی اُٹھے اور وہی رنج محبت کا عذاب
ہم نہ مانیں‌گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

---

* اسی مضمون کو مرزا صاحب نے دو موقعوں پر باندھا ہے—

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

ایضاً

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزہ حرف مکرر میں نہیں

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہو جاے

رقیب کہاے قسم تو وفا کا آے یقین
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

کبھی انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اوس کو میں رہا کی

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے

وہ آے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی * لاوں کہاں سے

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
کریں ہم کیا نکل کر آشیاں سے

---

* زندگی کی تمنا کس انوکھے انداز سے کی ہے - یہ مکر شاعرانہ ہر آئینہ قابل ستایش ہے —

مانگا کریں گے اب سے * دعا هجریار کی
آخر تو دشمنی هے اثر کو دعا کے ساتھ

علی ھذا قصائد کو دیکھو اور غور کرو کہ وہ شاهراہ عام سے کس قدر الگ چلتے هیں —

یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ
هوا وفور سخاوت سے مانع سائل
هر بار کیوں نهو تری تلوار تیز تر
اعدا کی هے قساوت قلبی فسان تیغ
جوهر ترے مخالف مجروح میں نهیں
کوئی مگر یهی کہ وہ هے قدردان تیغ
سائلوں کو جو وہ دیتا هے طلب سے پهلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رهے کوچہ میں نہ دهوم

ایسی وحشت سرا میں آے کون بے دری کر رهی هے در بانی

اِسی طرح مثنوی میں فرماتے هیں - (هجو)

گر نہ تها غنچہ دهن گلرنگ تها گو زبان سے هو' و لیکن تنگ تها

حمد میں کهتے هیں —

وہ حافظ کہ آتش سے خس کو بچاے غم عشق سے بوالهوس کو بچاے

اِسی سلسلے میں شوخئی ادا کی تمثیل کے لئے ذیل کے اشعار پر اکتفا کی جاتی

---

* مرزا فرماتے هیں :—

خوب تها پهلے سے هوتے جو هم اپنے بد خواہ کہ بهلا چاهتے هیں اور برا هوتا هے

مگر واقعہ یہ هے کہ مومن کا طرز بیان زیادہ شاعرانہ هے اس طرح کے هم مضمون اشعار محض تفنن طبع کے لئے دیدئےهیں' حاشا اس سے مرزا کی تنقیص مقصود نہیں نہ اس قسم کا موازنہ شعرا کے مجموعی طرز پر کوئی معتدبہ اثر ڈال سکتا هے -

ھے ؛ مذاق سلیم کلیات مومن سے اس قسم کی بیشمار مثالیں اخذ کر سکتا ھے —

نجاؤں گا کبھی جنت کو میں نجاؤں گا
اگر نہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

ھم چارہ گر کو یونھیں پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا

کس دن تھی اس کے دل میں محبت جو اب نہیں
سچ ھے کہ تو عدو سے خفا بےسبب ھوا

خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ھے وہ شوخ
مجکو یہ غم ھے کہ میں کیوں ترا قاتل نہوا

اِسی ضمن میں حضرت ناظم کا شعر پڑھو اور مومن کی شوخی سے موازنہ کرو ۔ ناظم (نواب یوسف علی خاں) فرماتے ھیں —

کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ھیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ھیں کہ مرے در پہ ھے غوغا کیسا

انصاف سے کہو مومن کے شعر میں کس قدر ترقی ھے —

اِسی طرح معشوق کے عاشق ھونے کا مضمون اکثر اساتذہ نے باندھا ھے - مرزا لکھتے ھیں :—

عاشق ھوئے ھیں آپ بھی اک اور شخص پر — آخر ستم کی کچھہ تو مکافات چاھئیے

لیکن خاں صاحب کا انداز بیان سب سے نرالا ھے ، اُن کا شعر ھے —

عاشق ھوے ھیں آپ کہیں ، گو اُسی پہ ھوں
شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا

عاشقی کا اثر دکھانا مقصود ھے یعنی بےخودی اور دوسروں سے بے اعتنائی ، اسی کا نتیجہ تھا کہ " شب حال غیر مجھہ سے زیادہ خراب تھا " - مگر یہ ٹکڑا " گو اسی پہ ھوں " شوخی ھے اور بے پناہ شوخی —

دونوں باکمال اُستادوں کے کلام کو نکتہ سنج انصاف کی ترازو میں تولیں اور دیکھیں کہ کس کی شوخی کا پلہ بھاری ہے - الحق کہ یہ محاسن وجدانی ہیں نہ کہ استدلالی - ہر شخص کا ذوق صحیح بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے - اور دو تین مثالیں ملاحظہ کیجئے :—

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجکو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

کرذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سودا گری زیاں کے لئے

علی ھذاالقیاس شوخی کی تمثیل میں مثنوی دوم کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جہاں محبوب کے حسن کا حضرت یوسف(ع) کے حسن سے موازنہ کیا ہے ' یہاں بخوف طوالت ترک کئے جاتے ہیں —

ندرت اسلوب کے تحت میں ایک نہایت اہم نکتہ قابل گزارش ہے' یعنی مومن کے کلام میں ایک مخصوص وصف ہے جس میں کوئی استاد ان سے بہتر تو در کنار ان کے برابر بھی نہوسکا - وہ یہ کہ مومن اپنے مطالب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب اس میں اپنا فائدہ تصور کرتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ دشمن کی طرف نہ دیکھو' مگر ان غریب کی سنے کون' تو یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں—

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا — جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

دیکھو ذیل کے شعر میں رقیب کے خط کی تعظیم سے کس طرح روکتے ہیں —

سرمگیں آنکھوں سے تم نامہ اٹھاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

مسلمہ اصول ہے کہ عادت کے خلاف ہر بات تکلیف دیتی ہے - غور کرو اس سے کیونکر فائدہ اُٹھایا ہے - فرماتے ہیں —

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

اسی رنگت کے اور چند شعر ملاحظہ ہوں—

مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجیے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردش ایام ہم

لذت جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں

خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیونکر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

دے دیا کیجئے بوسہ طلب اول پر
سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں

پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے

وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

گو ذکر وفا سے بھی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

یہ مکر شاعرانہ مومن کا طرز خاص ہے اور اُردو شاعری میں اوروں کے یہاں بہت کمیاب ہے - اصل یہ ہے کہ وہی اس رنگ کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی—

(۴) لطافت تشبیہات و استعارات —

اکثر مقامات پر تشبیہ و استعارہ کی خوبی نے کلام کے حسن کو دوبالا کردیا ہے اور اثر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے جیسے —

کیا کیا شکن دئے ہیں دل زار کومگر اُس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

قاعدہ ہے کہ کتاب میں جو منتخب ورق ہوتا ہے اُس کو موڑ دیتے ہیں—

ہم‌رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
طوفان باد ہے مجھے جھونکا نسیم کا

چھوڑا نہ کچھہ بھی سینے میں طغیان اشک نے
اپنی ہی فوج ہوگئی لشکر غنیم کا

محو مجھہ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

آتش آہ بے اثر سے مری
آسمان گلشن خلیل ہوا

سوز دل سے گئی جان بخت چھکنے کے قریب
کرتے ہیں موسم گرما میں سفر آخر شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخر شب

ہر دم رہین کشمکش دست یار ہیں
چلمن کے تار کس کے گریباں کے تار ہیں

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماھی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

کبھی انصاف ہے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اُس کو میں رہا کی
بے سبب قتل سے آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے مری خاک مزار
ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ
دشمنوں کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوپارہ حلقوم
خط بیاض صبح وہ شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو آئینۂ سکندری
طرہ یا روز سیاہ بوالہوس
جعد رشک دود آہ بوالہوس

کہیں کہیں مرکب اور مسلسل تشبیہات خاص لطف دیتی ہیں؛ دیکھو مثنوی پنجم (اشعار ہجو)- بعض موقعوں پر صائب کی سی مرکب تشبیہات اور اخلاقی تمثیلات بھی لکھی ہیں مگر چونکہ وہ اُن کی رنگ کی نہیں اس لئے بے مزہ ہیں- جیسے—

بے صبر کو کہاں تپ داغ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجر بارور سے فیض
بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض
ہے چرخ سے اُمید کشایش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ھی میں بخیلوں کا مال ھے
دیکھو تو ھے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض
تصویر سے ترے مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض

(۵) شکوہ و زور۔

مومن کی شاعری (اور خصوصاً قصائد) میں زور و شکوہ اس درجہ پایا جاتا ھے کہ کوئی شخص تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُن کے کلام کا زور اور موقع بہ موقع تعلی کا جوش دیکھ کر معاً عرفی کا دھوکا ھوتا ھے۔ اسی کے دوش بدوش شکایت زمانہ کی تلخ نوائی اس قدر پر اثر ھے کہ پڑھنے والے کا دل ھمدردی کے جذبات سے لبریز ھو جاتا ھے۔ اس مبحث کی مزید تفصیل کئے بغیر ھم اپنے دعوے پر ذیل کے اشعار بطور شاھد پیش کرنا کافی سمجھتے ھیں۔

مومن تجھے تو وھب ھے مومن ھی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا
کٹتی ھے میری تیغ زباں سے زبان تیغ
کیونکر سخن فروش ھوں سوداگران تیغ
میرے نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ھے کہ دم نہ رھے درمیان تیغ
فردوسی ایک خار جنان بیان تھا
گلریز میرے دم سے ھوئی داستان تیغ
میدان کشت و خوں میں مرا دست نے سوار
جائے عناں کشیدہ تو ھو ھم عنان تیغ
ھرگز نہ کر سکے مرے خامہ سے سرکشی
پیدا سر نگوں سے ھے عجز عیان تیغ

مت پوچھہ مجھہ سے خون عنادل کا ماجرا
ھر گل زمین شعر یہ ھے آسمان تیغ
کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھہ سکے
ھر خط پہ نکتہ چیں کو ھے وھم و گمان تیغ

چند شعر اور ملاحظہ ھوں—

کیا ھوئی وہ بلندیء دیوار کیا ھوے وہ عماد طولانی
جاے گل ھیں چمن میں ریزۂ سنگ کاہ کرتی ھے ناز ریحانی
نظر آتی نہیں وہ تصویریں نقش دیوار کیوں نہ ھو مانی
صرف دلق گدا ھوے پردے زینت افزاے کاخ سلطانی
آپ کا شانہ فرش خاک ھوا کیسے غالیچھاے کاشانی

....

وہ خردمند ھوں کہے ھے مجھے عقل اول حکـــــیم لاثانی
میں روش دان حکم برجیسی میں ادا فہم سیر کیوانی
ھوں وہ نباض جس کے ناخن میں حرکات عروق شریانی
آئنہ ھے صفا سے دل میرا کیا ھوا گر نہیں ھے حیرانی
میرے خامہ کے جوش گریہ سے روے دیتا ھے ابر نیسانی
سامنے میری تر زبانی کے نطق الکن حدیث سحبانی
میرے ربط کلام کو پہونچے نثر سعدی نہ نظم سلمانی
میرے زاغ قلم کی نیم صریر صد صفیر ہزار دستانی
میرے گوھر تمام ناسفتہ میرے یاقوت سب بدخشانی
میرے نسبت سے خاک ھند کو ھے رونق سرمۂ صفاھانی

(۹) تراکیب جدیدہ—

کلام میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں اور دلکش تراشیں ھیں جو کہیں کہیں

بقول آزاد اُردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں، تا ہم مجموعی طور پر نہایت دل پسند اور مفید ہیں بلکہ انصاف یہ ہے کہ غالب کی ترکیبوں سے شوخ تر ہیں - مومن کی مجتہدانہ اختراعوں میں ذیل کی بندشیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں - اشعار بہ خوف طوالت نقل نہیں کئے گئے—

خموشی اثر (جس کا اثر خاموشی ہو) - اجل چارہ (جس کا علاج موت ہو) آشوب گاہ حشر غم - جراحت زار - امام اقتداسنت - آمین سرا - زبان اجابت فشاں - دم خون‌نابہ ریز - حادثہ ریز - زخم ریز - تیر بار - رنہ خمکدہ کش - جراحت منکر - ابر تنہ بار ظفر - گرم پائی برق تپاں - زبان بیہدہ سائل - گلریز تکلم - بے پروا خرامی - زود کشتنی - غم ہلاک شدن - حسرت فرماں روا - نوی بخش - تتق بند بہ دور آور - بہ الم خو کردہ - بخت بخواب آسودہ - عقوبت ربا - قدم فرسا - خواب تمنایاب - عشق جبلت - زبون اضطراب - مصیبت بہرہ - قبول شوق دشواری پسند - پایہ بالا تربرافروز سخن - کج خرام شاہراہ عاشقی - دورگرد بار گاہ عاشقی - رقیب آفرینیاں (رقیب آفرینی کی جمع بہ‌قاعدۂ اُردو) - میکدہ آشام - آہوے نیمخواب - جان نہفتہ راز - نالۂ رخلہ ساز - اثر اہتمام - چشم ستارہ بار - شوق ہرزہ کار وغیرہ وغیرہ—

(۷) کلام میں کہیں کہیں ترصیع و تقابل کی بدولت قاآنی کی شان نظر آتی ہے، قاآنی ان کے ہم عصر تھے - معلوم ہوتا ہے کہ قاآنی کا آوازۂ کہاں سن کر مومن نے بھی غالب کی طرح اُن کا تتبعؔ کرنا چاہا مگر زمانے نے موقع نہ دیا - نمونہ حسب ذیل ہے—

ترے ہی فیض سے ہر قطرہ آبیار عجوس

ترے ہی نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس

یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل

یہی امامت برحق کو اس کو بس ہے سجل

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجکو اٹھانے سودے کا خلل جانا
یہ چشم سیاہ تو نہ ہوگی
یہ شوخ نگاہ تو نہ ہوگی
بے داد ستم گراں بد کیش
فریاد الم کشاں دلریش

(۸) قصیدوں میں اور غزلوں کے مقطعوں میں اپنے تخلص سے خاص فائدہ اُٹھایا ہے؛ یوں تو مثالیں بکثرت ہیں مگر نمونے کے طور پر اشعار ذیل نذر ناظرین کئے جاتے ہیں —

جان مومن پہ گو نہ گونہ ستم
کافر اتنی بھی نا مسلمانی
بتخانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا
حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بتخانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا
بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم
وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم
اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

سن اے مومن یہ ایمان ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو
کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اُس بت سے شرمساری کی
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

اوپر کے سطور سے مومن کے اُن خصائص شاعری کا اندازہ ہو گیا ہوگا جو اُن کی تمام اصناف شعر میں کم و بیش پائی جاتی ہیں - اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف سخن کو ترتیب وار لیا جاے اور اس کی خصوصیات پر بحث کی جاے —

مختلف اصناف شعر اور ان کی خصوصیات

الف - قصائد —

مومن سے پہلے جس قدر شعرا گذرے ہیں قصیدے میں (بہ استثناے سودا) مومن کا کوئی ہمسر نہیں - اگرچہ پختگی اور روانی میں قصائد ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے تاہم زور وندرت میں مومن کا جواب نہیں ہو سکتا - یہ گو اصلاً وجدانی امور ہیں جن کا فیصلہ ہر شخص بذات خود کرسکتا ہے ' تاہم ایک حد تک گذشتہ مثالوں سے ہمارا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا —

اُن کی تشبیب عموماً نادر اور انوکھی ہوتی ہے - نمونے کے طور پر سیدناعمر فاروق کے قصیدۂ منقبت کی تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں - تشبیب کیا ہے گویا غزل ہے —

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
تم اور حسرت ناز آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نرہا امتحان کے قابل

....

فغاں کہ دلبر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بیکار و سعی بے حاصل
وہ بےنیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آے ہے پس محمل

....

گریز میں فرماتے ہیں :—

وہ فتنہ گر بت حق ناشناس نا انصاف
جو فرض عین گنے کین داور عادل
امام اہل یقیں شہر یار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقتل
بلند پایہ عمر جس کی قصر رفعت کا
گداے خاک نشیں شاہ آسماں منزل

اس کے ساتھہ ہی ہر قصیدے میں تعلی اور شکایت زمانہ کہ سنت الشعرا ہے ' اس شکوہ اور زورکے ساتھہ پائی جاتی ہے کہ عرفی کی صداے باز گشت معلوم ہوتی ہے.(امثلۂ سابق ملاحظہ ہوں)- تخلص یا گریزالبتہ نسبتاً کمزور ہوتاہے ' جیسا کہ حضرت عمر (رض) کی منقبت میں گذرا —

یا جیسے

اے صنم چاہئیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تونے سنا قصہ شاہ ابرار

[منقبت سیدنا عثمان رض]

یا

سبزہ رنگی نے تری قتل اکیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم

[منقبت سیدنا امام حسن رض]

گریز میں اکثر یہ کمی ہے کہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ بات میں بات پیدا

ہوگئی ہے، بلکہ بعض جگہ صاف تکلف و تصنع ٹپکتا ہے - اس میں اگرچہ یک گونہ تنقیص کا پہلو نکلتا ہے مگر ناقد کا فرض ہے کہ بے کم و بیش تمام حسن و قبح ظاہر کردے —

انصاف شیوہ ایست کہ بالاے طاعتست

کلام میں عقیدت مذہبیت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے - نعت شریف اور منقبت خلفاے راشدین کے قصیدے اوس و الہانہ اور بےخودانہ محبت اور عقیدتمندی سے لبریز ہیں جو ان کے مذہبی تقشف و تشدد کو دیکھتے ہوے تعجب انگیز ہے - البتہ کہیں کہیں مذہبی تعریض بھی کر جاتے ہیں جو ایک پبلک شاعر کے ہرگز شایان شان نہیں - مثلاً :—

وہ شوخ بے سبب آزار و بیگنہ خونریز — کہ جرم قاتل عثمان کا نہو قائل

وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دیں کہے تا — دم شکایت عاشق نہو جفا سے خجل

وہ دور بیں کہ خدا پر کرے بدا ثابت — نہیں ہے غیر ز بس اعتماد کے قابل

وہ فتنہ گر بت حق نا شناس نا انصاف — جو فرض عین گنے کین داور عادل

قصائد میں علمی مضامین بکثرت لاتے ہیں اور چونکہ خود نجوم و رمل وطب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اس لئے مخصوص مصطلحات سے کلام کا اغلاق بڑھا دیتے ہیں- ملاحظہ ہو: —

ملے ہیں خاک میں کیا کیا سرے فنون وعلوم — خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس

حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر — کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس

طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل — نظارۂ رخ گلفام سے مجھے محسوس

جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح — کرے دعاے رواج طریق جالینوس

درم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم — کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس

کروں جو گردش انجم کی میں رصد بینی — فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس

گواہ عصمت مریم ہو کثرت اولاد — عقیمہ مجھسے سنے گر بیان شکل عروس

طلسم ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن ‏ بلائے مہر دھن چرخ نقطۂ جا سوس
یقین کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو ‏ پڑھوں جو میں پہ دوری دعائے بدر بطوس
مرے کلام ثریا نظام کا منکر ‏ وہ تیرہ روز جو برجیس کوکبے منحوس

یا

وہ نیر اسماں تقدیس ‏ جانسوز مناظر و سرایا

.... ‏ ....

نے عقل بسیط اوسکا پرتو ‏ نے نور مجرد اسکا سایا

یا

جوشمس شمسۂ قصراوسکاہو توھند سه‌دان ‏ کریں نہ مدخل ظل سےتمیز مخرج ظل
جو دیوے تلخی خصم لئیم سے تشبیہ ‏ کوی بلید تو سقمونیا نہو مسہل
رہے نہ بیم خسوف اور نہ احتمال ھبوط ‏ جو اوسکی رائے سے ھومستفی مہ کامل
رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ہوا ‏ کہ گفتگو میں بھی مرفوع ھوگیا فاعل
دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم ‏ نگاہ لطف و غضب سے مثالث عامل
و داد و خشم ترا صو فیوں نے دیکھا ھے ‏ جبھی تجدد امثال کے ھوے قائل

یا

توسن چرخ سے تشبیہ فرس کاترے ننگ ‏ کلب جبارسے نسبت سگ در کوترےعار

یا

فکر الزام حکیم و متکلم ھو اوسے ‏ تو مجسم نظر آجائیں نقاط موھوم

غرض کہاں تک لکھا جائے ' کم و بیش ھر قصیدے میں علمی اصطلاحات کا یہی عالم ھے ' کہیں کہیں تلمیحات اور آیات و احادیث کی طرف بھی اشارات کرجاتے ھیں اور عربی جملوں کو تواس خوبی سے تضمین کرتے ھیں کہ انگوٹھی پر نگینے کا گمان ھوتا ھے - نظر بہ اختصار صرف چند مثالیں عرض کرونگا —

وہ نعرہ عملہ' بھالی جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

.... ‏ ....

جوخواب‌میں بھی کبھی دیکھتی جہاں اس کا ‏ تودیتی دل کہیں یوسف کوہ ختر طیموس

اگر کہے مدد ے یا محمد عربی
صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس

ترے عدو کی خرابی کا کچھہ علاج نہیں
نہو قبول دعا سے بھی رفعت بسوس

ترے خیال سے اصحاب کہف کرھے یہ چین
وگر نہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس

اس کو ہو رستم زماں کا خطاب
جو کرے قتل خرد سالہ پسر

ہیں گدا پر غرور شیرویہ
بے گنہ جو کیا ہے خون پدر

جب اولوالفضل سنگم اے حاسد
اس کے حق میں کہے جہاں داور

....

یقین کہ راہ نہای ہے پیروی اس کی
وگرنہ سایہ سے کیوں بھاگتا ہے دیو مضل

ذیل کے عربی جملوں کی تضمین ان کی قادرالکلامی کی روشن دلیل ہے -

المحمد او اهب ا لعطا یا (یا) اکشف بجھالک العطا یا

ختم اللہ کا مورد ہے زبس قلب سیاہ
تیرے دشمن کو ہے خوننا بہ رفیق مختوم

کلام میں خیالات کی پیچیدگی کے ساتھہ کہیں کہیں بندشوں کی سستی اور اور نا درستی ضرور تعقید پیدا کر دیتی ہے ' تاہم عام طور پر نئی ترکیبوں میں ان کا مجتہدانہ اختراع اردو کی توسیع کی طرف ایک مبارک قدم کہا جا سکتا ہے -

ب ' غزلیات - غزلوں میں مضامین نہایت بلند اور خیالات بہت نازک ہیں - عشق و رشک ' وصل وھجر کے مضمون مومن کا حصہ ہیں ؛ فلسفہ اور اخلاق اُن کے یہاں الشاذ کا المعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ تصوف* و فلسفہ وغیرہ

---

* تصوف کی امہات اصول میں سے ایک مسئلۂ توحید وجودی یا وحدۃ الوجود ہے اور اسی کا تصرف ہے کہ تصوف کا لٹریچر یکسر درد و اثر بن گیا ہے - مرزا غالب نے (دوسرے اساتذہ کی طرح) تشیع کی آن توڑ دی اور اس "شجر ممنوع" کے قریب چلے گئے مگر مومن خاں نے اصحاب حدیث کی وضع قایم رکھی اور تصوف سے کنارہ کش رہے چنانچہ خود لکھتے ہیں —

مومن ہے اگرچہ سب اوسی کا یہ ظہور
توحید وجودي کا نہ کرنا مذکور

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

حکیم صاحب کا رنگ نہیں اور وہ اُس کے سرد میدان ہرگز نہیں کہے جا سکتے؛ ڈھونڈھے سے کلیات میں شاید دو تین شعر اس طرز میں نکل آئیں وہ بھی با دل نا خواستہ قافیہ پیمائی کی خاطر کہے ہیں مگر بے لطف - مثلاً (اخلاق کے موضوع پر)

سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیان شمع

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض

بخت سیاہ اے منعمو آخر ملاے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سر زمین شام لو

ندرت اسلوب قدم قدم پر دل کو کھینچتی ہے اور اسی کے ساتھہ بعض موقعوں پر زبان کی چاشنی اور محاورات کی صفائی نہایت با مزہ اور دلکش معلوم ہوتی ہے - یہ امر واقعہ ہے کہ محاورات کی صفائی جہاں جہاں مومن نے برتی ہے شعر میں ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے - مثلاً —

اُس کوچہ کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

جوں خفتگان خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۲)

یعنی کہ بندے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بنانے کس کا مقدور

خاں صاحب فلسفے میں کافی دخل رکھتے تھے مگر مزاج کی رنگینی نے اُس کے خشک مباحث سے ہمیشہ نفور رکھا—

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہو گا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہو گا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

اٹھی نہ لاش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمیں کو شاداب دیکھ کر

بتخانۂ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو اب نہ آئیں گے ہم

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوے اک جواب میں *

جانا حرام ہجر بتاں میں تو کیا گناہ
پیر مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

اسی سلسلے میں خاقانی ہند اُستاد ذوق (خدا اُن کی روح سے شرمندہ نہ کرے) کا مطلع پڑھو اور سلاست اور صفائی کا موازنہ کرو۔

---

* اس مضمون اور بحر میں ذوق کا مطلع لا جواب ہے۔
یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
اور مومن سے بہتر ہے۔

(ذوق) تم مسی مل کر نہ غرفہ سے نکالا منہ کرو
اور نہیں گر مانتے تو جاؤ کالا منہ کرو

مومن کے اور چند شعر سنئیے —

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے
جب اُس بت سے کہا مرتا ہے مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی *
میرے تغئیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جاے
کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لئے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لئے

اس زمین میں "کیسا نکل آیا ' جھگڑا نکل آیا'' یا "عدو بھرتے ہیں' سبو بھرتے ہیں'' ' غزلوں کی غزلیں زبان کے لحاظ سے لا جواب ہیں - تعجب یہ ہے کہ ایک طرف خاں صاحب بندشوں کی نا ہمواری کی بدولت نہایت بدنام ہیں دوسری طرف جہاں صفائی برتی ہے روانی کے دریا بہا دئیے ہیں - سستیٔ بندش

---

* اُستاد ذوق کا مقطع بھی خاصا ہے -
ذوق کے مرنے کی سن کر پہلے وہ کچھ رک گئے
پھر کہا تو یہ کہا منہ پھیر کر 'اچھا ہوا
مگر مومن کا شعر زیادہ صاف ہے —

کے متعلق هم آگے چل کر بحث کریں گے—

صنائع، بقول علامه شبلی شاعری کے دامن پر بدنما داغ هیں، مگر کیا کیا جاے مومن بھی اس سے نه بچ سکے - حقیقت یه هے که صنائع کا استعمال (وہ بھی آورد و تکلف کے ساتھه) ایک زمانے میں سکهٔ رائج کی طرح عام اور سرمایهٔ آرایش کلام تھا، لیکن اب ارباب ذوق صحیح ان باتوں کو معیوب جانتے هیں - اس بارے میں غور کرنے سے یه قول فیصل معلوم هوتا هے که رعایت اگر بے ساخته هوتو معیوب نهیں بلکه محمود هے، رها رعایت کی نوعیت کا فیصله یه ذوق صحیح کے ذمه هے—

مومن کے کلام میں اگرچه قدیم اساتذہ لکھنؤ کی طرح * مبتذل اور سوقیانه رعایتیں نهیں تاهم مراعات النظیر بیشتر اور ایهام و طباق کمتر پایا جاتا هے جیسے:

پالغز محبت سے مشکل هے سنبھل جانا
اس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

خواب میں کیا خوش هو یوسف کو زلیخا دیکھکر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھکر

فرماتے هیں وصال هے انجام کار عشق
کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

نام وصال سنتے هی هوتا هے مضطرب
کیوں کر کهوں اسے مرے مرنے کا غم نهیں

---

* تعجب هے که مومن کے کلام میں خال خال شعر قدیم لکھنوی رنگ کے بھی نظر آجاتے هیں - مثلاً :-

تاهی کا لانا کفن همدم که میں تو مرگیا | چلو ئیں سے جلوہ خورشید (سیما) دیکھکر پا

کشتهٔ حسرت دیدار هیں یارب کس کے | نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

اسی مضمون کا شعر ذوق کے یهاں بھی هے :—

آنکھیں دیدار طلب گور سے آئی هیں نکل | دسته نرگس کا نهیں میرے سرهانے رکھا

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے

ہم مزید مثالوں سے قارئین کرام کے مذاق سلیم کو مجروح کرنا پسند نہیں کرتے
ج- مثنوی-مثنویاں کیابلحاظ صفائی زبان اور کیاباعتبار اسلوب ادا اُردوکی بہترین مثنویات کے ساتھ برابرکے درجے میں رکھی جاسکتی ہیں۔اور چونکہ جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی ہیں' اس لئے خاص درد واثر رکھتی ہیں'البتہ بعض مواقع پرکسی قدر عریانی کی جھلک آگئی ہے جو اُس دور میں نہ سہی ہمارے دور میں ضرور معیوب سمجھی جاتی ہے - اس کا اندازہ کرنے کے لئے ضرورت ہےکہ کم ازکم دو تین مثنویات بالاستیعاب پڑھی جائیں' دس پندرہ شعر نقل کردینے سے صحیح اندازہ ناممکن ہے —

بعض مثنویاں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہیں اور لاریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوش اعتقاد کا ایک دریا ہےکہ اُمڈا چلا آتا ہے - مثنوی میں عشق و محبت کے علاوہ مناجات ' حمد' نعت ' رجز (مثنوی جہاد) کے مضامین کو اس ذوق و شوق کے ساتھہ لکھتے ہیں کہ قادرالکلامی ان کا کلمہ پڑھتی ہے ' جی چاہتا ہے کہ ان کے خاص رنگ کے چندشعرھدیہ ناظرین کروں اگرچہ اس مقالہ کا " تنگنائے ظرف" "بقدر شوق" نہیں - (ساقی نامہ) -

پلا ساقیا جام کوثر مجھے — خراب شراب ھدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب — کہ تسلیم ہو شرم سے جس کی آب
وہ مے جوکرے لوث عصیاں کو دور — کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کے حور وملک تشنہ کام — وہ مے جو سوا احمدی کے حرام
وہ مے جس کی تیزی دم ذوالفقار — علی سر خوش نشہ بے خمار
وہ مے مشتری جس کے ہیں سر فروش — وہ مے جس کا صدیق سا خم بدوش
وہ مے جس کی قلقل ندائے صلوۃ — سجود صُراحی ادائے صلوۃ

بجھے اس سے گر تشنہ کامی مری　　منشی ہو شیریں کلامی مری
خراب شراب سخن ہو قبول　　بنوں مے فروش ثنائے رسول
وہ امی ولے نقشبند علوم　　کلام اس کے سب دل پسند علوم
اسی بات پر حجت اتمام ہے　　کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
عجب بات ہے اس کی نام خدا　　کہ بعض سخن ہیں کلام خدا
نہیں عقل اول کو بھی یہ کمال　　اسی کو ہے معلوم آخر کا حال
یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں　　کہ اُن کے ہے ظل اِس کے سایہ نہیں
کدورت کہاں ، جسم اطہر ہے وہ　　کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ
اگر ذات وجہ وجود امم　　تو سایہ سے آباد ملک عدم
گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا　　رہا سایہ حاضر حضور خدا
زبس سایہ * تھا ہم شمار گناہ　　نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

یا

پلا سا قیا آب آتش اثر　　کہ جل جائے گرمی سے دامان تر
صراحی نمط اشک باری کروں　　تہ دل سے فریاد و زاری کروں
الٰہی مجھے دل دے اور دل کو داغ　　جلے صبح محشر تلک یہ چراغ
مری چشم دریا بہاتی رہے　　مری آگ عالم جلاتی رہے
مری وحشتیں چین لینے نہ دیں　　مری حسرتیں جان دینے نہ دیں
قلق سے مرا زخم ناسور ہو　　مے لالہ گوں زرد انگور ہو
مرا ولولہ خوں تراوی کرے　　نہانی خلش سینہ کاوی کرے
جو دم بے فغاں کو ملامت کروں　　رکے دم تو کیا کیا قیامت کروں
مرے پند گو مجھ سے ڈرتے رہیں　　لحاظ لگد کوب کرتے رہیں

---

*جسم اطہر کے سایہ نہونے کی مختلف توجیہیں اُن کے ذہانت اور عقیدت کی شاہد عدل ہیں۔ سایہ اور گنہ ہر ایک کے عدد ۷۶ ہیں—

سلاسل پہ زور آزماتا رہوں سدا بیڑیاں میں تڑاتا رہوں

انصاف یہ ھے کہ یہ جوش ' یہ اثر ' یہ صفائی دیکھہ کر لامحالہ کہنا پڑتا ھے کہ چند مثنویوں کو چھوڑکر اُردو کی کوئی مثنوی مومن کی مثنویوں سے ہمسری نہیں کر سکتی' رھے ذوق و غالب' اونکو مثنوی میں مومن کا حریف ٹھہراتا بھی ستم ھے —

اسی طرح خانصاحب کے واسوخت اور مراثی بھی درد و جوش کا بہترین مرقع ھیں خصوصاً واسوخت کے متعلق تو بلا خوف تردید کہا جاسکتاھے کہ واسوخت کا حقیقی مفہوم مومن سے بہتر تو در کنار مومن کی برابر بھی اُردو شاعری مدتوں تک پیش نہیں کرسکے گی —

علاوہ بریں کچھہ قطعات ' رباعیات ' مسمطات * وغیرہ ھیں جو اپنے رنگ میں نمایاں درجہ رکھتے ھیں -غرض یہ کہ کوی صنف شعر ایسی نہیں جس میں مومن‌خاں نے طبع آزمای نہ کی ھو اور داد سخنوری نہ دی ھو —

تصویر کا دوسرا رخ

ایک ناقد کا تلخ فرض یہ ھے کہ تصویر کے روشن رخ کی طرح اسکے تاریک رخ کو بھی منظر عام میں لاے ' اس لئے نہایت ضروری معلوم ھوتا ھے کہ مومن کے کلام کے نقائص پر بحث کی جاے-اصل یہ ھے کہ عرفی † کی طرح مومن کی اُٹھان بھی خوب ھوی ' مگر افسوس کہ ترقی کا موقع نہ مل سکا - اگر مومن کی عمر وفا کرتی اور انکی مجتہدانہ ایجاد پسندی اور لاأبالیانہ وارستہ مزاجی انکی مہلت دیتی تو اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری میں انکا جواب نہوتا - انہوں نے شاعری

---

* مومن کا کلام تمام اصناف شعر پر حاوی ھے - چنانچہ انکا کلیات ۹ قصیدوں متعدد غزلوں ' چند فردوں ' ۲۳ قطعوں ۱۳۱ رباعیوں ' ۱۹ مسمط ' ۲ مسدس اور مثمن واسوخت ' ۱ ترجیع بند ۱ ترکیب بند ۱۰ مثنویوں پر مشتمل ھے ' مگر ھمنے صرف بڑے اصناف قصائد ' غزلیات اور مثنویات سے تعرض کیا ھے —

† مومن اپنے زور طبیعت اور نقائص شاعری میں عرفی سے بہت مشابہ ھیں ' مگر دونوں کی زندگی نے وفا نہ کی اور " غنچۂ استعداد "" شگفتہ " ھونے سے پہلے " مردہ "ھوگیا —

کو فن کی حیثیت سے کبھی اختیار نہیں کیا' البتہ تفریح کی نیت سے کیا اور اپنے دوسرے مشاغل کی طرح سامان دلبستگی سمجھا - یہی سبب تھا کہ اُن کے کلام میں چند نقائص رہ گئے جنہوں نے اُس کو تمام تر مغلق اور پیچیدہ بنا دیا - اس اِغلاق کی تہ میں خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی ناھمواری دو خاص عنصر ھیں جن کو ذیل میں کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جاتا ھے—

(۱) خیالات کی پیچیدگی -

ھم پہلے لکھہ چکے ھیں کہ اُس زمانے میں متاخرین کے انداز (طرز بیدل وغیرہ) کی پیروی فیشن سمجھی جاتی تھی' لوگ فارسی میں اسی طرز پر لکھنا معیار کمال جانتے تھے - مومن چونکہ فارسی کے خاصے شاعر تھے اس لئے متاخرین کے طرز سے اُن‌کو خاص‌دلچسپی تھی' اسی وجہ سے اُردو میں بھی بلا ارادہ وھی طرز اختیار کی* اگرچہ اس کی تقلید کا اعتراف کرنا اُن کی شان اجتہاد کے خلاف تھا - علاوہ بریں خاں صاحب طبعاً روش عام سے احتراز کرنا اپنی خود داری کا مقتضا سمجھتے تھے - اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اُردو میں میر و مرزا' سید انشا و شیخ مصحفی کسی کی پیروی نہ کی بلکہ اپنی راہ دنیا سے الگ نکالی - حد ھو گئی کہ خیالات کی پرواز اور اسلوب بیان کی جدت میں غالب بھی اُن سے پیچھے رہ جاتے ھیں - سننے والے سنتے ھیں اور سر دھنتے ھیں - یہی بلند پروازی جب اعتدال سے بڑہ جاتی ھے تو معما بنکر رہ جاتی ھے - مثالیں آپ اوپر ملاحظہ کر چکے - خیر پھر تجدید عہد سہی—

دیکھہ اپنا حال زار منجم ھوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

---

* اگرچہ مومن نے کہیں بیدل کے تتبع کا اقرار نہیں کیا ھے اور در اصل کسی کا تتبع کرنا اُن کی خود دار طبیعت کے منافی تھا مگر وہ قدرتاً ملک کی فضا سے متاثر ھوے بغیر نہیں رھے—

اُن سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھکو مری شرم نے رسوا کیا

تاثیر بیقراریء ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

کیا رم نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا

ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

(۲) زبان کی ناہمواری -

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے لااُبالی پن اور خود پرستی کی وجہ سے صحت زبان اور درستیء بندش کی طرف کبھی توجہ نہ کی - اس امر کو اُن کے رتبے سے فروتر سمجھو یا بالا تر، مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس بارے میں مرزا غالب سے بھی زیادہ بدنام ہیں اور بجا طور پر بدنام ہیں - خیالات کی ندرت کے علاوہ بندش کی تعقید خاص طور پر اُن کے کلام کے اِغلاق کی ذمہ دار ہے - دیوان مثالوں سے بھرا پڑا ہے- چند مشتے نمونہ از خروارے درج کی جاتی ہیں-

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے، ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

ہاں جوش طپش چھیڑ چلی جاے' کہ پر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہو گا
غریق گریۂ خونیں رہا نہ کر مومن
لباس' یعنی پہنتے نہیں مسلمان چرخ
خدایا لشکر اسلام تک پہنچا' کہ آ پہنچا
لبوں پر دم' بلا ہے جوش خون شوق شہادت کا
ہے کفر و بدعت ایک' نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آے ہے کیوں برہمن کی یاد
لکھ کے بہ مستی غم' تا کہ وہ میکش پڑہ لے
باندہ دیتا ہوں سر شیشۂ صہبا کاغذ
غم خانہ تنگ و تار ہے' اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں' یعنی چاہئے آٹھوں پہر چراغ
وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغئیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر' شیشہ کی
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے'
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز' تو دیکھو

اُن کی عادت ہے کہ جملے کا ایک ٹکڑا ایک مصرع میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے میں لاتے ہیں جس کی مثالیں اوپر گزری ہیں - کبھی نامانوس تراکیب اور ثقیل الفاظ سے اور کبھی مشکل اصطلاحات اور بعید اشارات سے شعر کو گورکھ دھندا بنا دیتے ہیں - جیسے بندۂ شور عجز ادراک' سیمیاے عرض شموس' نہ فلک نو آفرین' وجہ عطاس عزو جاہ خجلت آب پیکری' زبان بیہدہ سائل وغیرہ - یا ایلاؤس' افیوس' ادافیوس' شاموس' بلبوس' جام نہرود' فال اختر' قمر چاکر' مثلث عامل' تجدد امثال' افتاے سدوم' حدیث صغانی' وغیرہ ذلک ــــ

وہ نعرۂ علمہٗ بحالی جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا

کو پڑھ کر فوراً ذہن کا قصۂ حضرت خلیل کی طرف منتقل ہونا - یا

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے

مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ

سے معاً آیۂ کریمہ ' بدلناھم جلوداً غیرھا ' تک خیال کی رسائی ہونا - یا

تیشہ کچھہ دشنہ شیرویہ نہیں اے غیرت

اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

کو سن کر شیرویہ کے اپنے باپ (خسرو پرویز) کو قتل کرنے کی تاریخی واقعہ تک حافظے کا رسا ہونا دشوار اور یقیناً دشوار ہے —

خاں صاحب نے باوجود تبحر علمی بے پروائی سے بعض الفاظ کا غلط استعمال کیا ہے - مثلاً شہر بسکون میم کو شہر بہ فتح میم لکھا ہے - یا مضاف الیہ کی نون آخر کا اعلان کیا ہے ' جیسے ' یہ دیکھہ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں - اسی سلسلے میں ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ مومن نے بعض موقعوں پر ردیف بالکل بے کار رکھی ہے جیسے —

مجھہ پہ طوفاں اُٹھائے لوگوں نے

مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کل دیکھہ کے وہ عذار آتش

کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش

یہ نقائص * اُن کے کلام میں نہ ہوتے تو بہتر تھا ' تاہم ان سے اُن کے کمال میں

---

* مومن کے کلام میں تنافر ترکیب بھی بعض جگہ زیادہ پایا جاتا ہے اور کان کو ناگوار گذرتا ہے - جیسے —

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فرق نہیں آ سکتا —

مومن کی عدم مقبولیت

مگر زمانہ کی آواز کو دبانا ممکن نہیں ' ذوق و غالب کو دنیا نے بقاے دوام اور شہرت عام کا سر ٹیفکٹ دیا ' لیکن مومن کی طرف کسی نے اعتنا نہ کی - ذوق کے کلام کا شہرہ اُن کے عہد سے لے کر نصف صدی تک رہا' شمس العلما آزاد نے اُن کے کمالات سے خلق کو روشناس کیا اور مرزا داغ اور تلامذہ داغ نے اُن کے طرز کو رنگ قبول دیا۔ اب بھی نئی تعلیم یافتہ جماعت کے بعض سخن سنج اصحاب(خصوصاً آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب)کلام ذوق کی نشر و اشاعت کی جانب متوجہ ہیں - مرزا غالب کے کمال کا آوازہ ملک کی فضا میں پچیس تیس برس سے گونج رہا ہے اور جدید تعلیم کی ترقی کے ساتھہ روز بروز روبہ ترقی ہے- سب سے پہلے شمس العلما حالی نے اس طرف توجہ کی اوراُن کے محاسن شعر سے ملک کو آگاہ کیا - اُس کے بعد بدایوں سے ایک آواز اُٹھی اور چند ہی روز میں بھوپال بلکہ برلن تک اُس کی صداے باز گشت سے گونج اُٹھے - مگر مومن کی بد قسمتی تھی کہ انھیں کوئی ایسا نقاد فن نہ ملا جو اُن کے محاسن کو اُجاگر کرکے دکھاتا اور نہ آیندہ اُمید ہے' کیوں کہ حکیم صاحب کا رنگ زمانے کی روش کے اُسی طرح خلاف ہے جیسے پہلے تھا —

ہمارے ناقص خیال میں خاں صاحب کی عدم مقبولیت کے اسباب حسب ذیل ہیں —

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۳

کیا ہوا ' ہوا گر وہ بعد امتحاں اپنا

(یا) ہوتی ہیں بے حجابیاں جان نہفتہ راز میں

(یا) پھر اپے تنکے چلنے کی کہیں دھوم دھام ہے

(یا) جادو کو کہا نرگس جا و نے نظر بند

(یا) مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا

(۱) مومن کو کوئی آزاد یا حالی نہ ملا جو ملک کے سامنے اُن کی وکالت کرتا —

(۲) ہندوستان کی موجودہ ذہنیت اُن کے رنگ سے تھائی کلی رکھتی ہے - خاں صاحب ہمیشہ روش عام سے علیحدہ رہے' اب روش عام اُن سے علیحدہ ہو تو کیا تعجب - اب تک دہلی میں جذبات کی اور لکھنؤ میں تصنع کی حکومت تھی- زمانے نے دونوں کا ورق اُلٹ دیا اور جذبات و معاملات کی جگہ آج کل تصوف اور فلسفے نے لے لی - لکھنؤ کی زمانہ شناسی دیکھئے کہ اُس نے رفتار زمانہ کا ساتھ دیا گو دہلی پیچھے رہ گئی- حکیم صاحب کے کلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اُن کو در اصل تصوف و فلسفہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہ تھا ' یہی سبب ہے کہ اُن کا کلام نئی نسل کے نکتہ سنجوں کے نزدیک پایۂ قبول کو نہ پہونچا —

(۳) ان کے خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی نادرستی بھی بڑی حد تک اس کی ذمہ دار ہیں —

(۴) ان کی غیور طبیعت درباری تعلقات سے ہمیشہ نفور رہی ' اس وجہ سے بھی ان کو شہرت کے کافی مواقع نہ ملے —

(۵) خاں صاحب کے کلام میں مذہبیت کا عنصر بہت پایا جاتا ہے اور اُسی کے ساتھہ وہ مذہبی نوک جھونک سے بھی نہیں چوکتے' شاید اسی وجہ سے وہ ایک مقبول پبلک شاعر نہوسکے - چند نمونے اس سے پیشتر آپ ملاحظہ کرچکے ' بعض *

---

* حد ہوگئی کہ عشقیہ غزلوں میں بھی جہاں موقع ملتا ہے مذہبی حملے کر جاتے ہیں- مثلاً :—

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ جو ہے
محب حسین کا اور دل رکھے عمر کا سا

یا

ملہ کو مومن سے چھپانا کافر یہ تقیہ تو نہ تھا یا مجکو

یہ غالباً ناسخ کی مذہبی تعریضوں کا جواب ہے —

رباعیات اور ملاحظہ ہوں —

یہ چند مخالف سراپا بدعت ہے کفر و ضلال و فسق جنکی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت

ایضاً

یہ کچھ رہ سنت نہ طریق توحید پھر کیا ہے ضرور سبکی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید

ایضاً

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار پر توبہ سے از بسکہ ہوا ہوں بیمار
مے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور تقلید ابوحنیفہ کا ہے اقرار

ایضاً

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام گو رائے صواب ہو نہیں مجکو کام
تقلید کی ٹھیری تو بنوں کا شیعہ کس واسطے چھوڑ دیجے افضل ترامام

(۶) مومن اپنے سامنے کسی استاد کی (قدیم ہو یا معاصر) حقیقت نہ سمجھتے تھے بلکہ ہرایک کو حقارت کے ساتھہ یاد کرتے تھے - خود کسی استاد سے تلمذ کرنا تو درکنار' وہ کسی کی تعریف کرنا یا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے - مرزا غالب بایں نازک مزاجی و خرد پسندی اساتذۂ عجم اور سخنوران ہند کی جائز مدح میں عار نہ سمجھتے تھے مگر مومن کے متعلق مشہور ہے کہ گلستان سعدی پر بھی ناک بھوں چڑھاتے تھے اور فرماتے تھے اس میں گفت گفت کے سوا کیا دھرا ہے یہ بد دماغی یقیناً ان کی ہر دل عزیزی میں حائل ہوی - نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے تلامذہ نہیں ملے جو ان کے رنگ کو ملک میں مقبول بناتے اور ان کے محاسن کو پبلک کے سامنے نمایاں کرکے دکھاتے - اشعار ذیل سے اندازہ ہوگا کہ وہ اس بارے میں کس قدر خود پرست واقع ہوے تھے :—

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھہ نہیں کہتا
مومن تجھے وہب ہے؛ مومن ھی وہ نہیں
جو متعقد نہیں تیری طبع سلیم کا
ایسی غزل کہی ہے کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا
سردوں کو تجھہ پہ دیتے ھیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ھیں
مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو
یار مومن سے بھی ھیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر اِن ادمغۂ یابس کے
عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئے کا کیا اس سے؛ بے مثال تو ہے

معاصرین سے موازنہ

تنقید نگاروں کا فیشن ہو گیا ہے کہ جب کسی شاعر پر تنقید کرتے ھیں تو اس کے اور اس کے ہم عصروں کے کمتر ہم مضمون اشعار اور بیشتر ہم طرح اشعار نقل کرتے ھیں اور اس کے بعد محاکمہ کرتے ھیں جس کا فیصلہ عموماً ان کے ھیرو کے حق میں ہوا کرتا ہے —

میری فہم ناقص میں یہ طریقہ آن سائنٹیفک اور غیر مفید ہے - ہم مضمون اشعار میں تو ایک حد تک رائے قائم کرنا ممکن بھی ہے گو وہ انھی اشعار تک محدود ہوسکتی ہے؛ ہم طرح غزلوں اور ہم قافیہ شعروں میں جو شے مشترک ہے وہ محض بحر یا قافیہ ہے؛ اس لئے وجہ ترجیح قائم کرنا اور زیادہ مشکل اور عمل

معاکمہ بالکل ھی سطحی ھوتا ھے —

یہ مشکل اُس وقت اور بھی کُھلتی ھے جب کہ وہ اساتذہ جن کے اشعار زیر موازنہ ھیں قطعی جداگانہ طرز کے مالک ھوں —

یہ ممکن ھے کہ دس بارہ شعر میں فرداً فرداً ..ومن اپنے معاصروں سے یا ان کے معاصر اُن سے اظہار خیال و انداز بیان میں قادر تر ثابت ھوں، لیکن کیا وہ فیصلہ ان کے مجموعی طرز اور باقی کلام کو دیکھتے ھوے بھی صادق اور صحیح تھیریگا، ھر گز نہیں- اسی طرح یہ بھی ھوسکتاھے کہ بعض غزلیات جن میں مومن، ذوق اور غالب تینوں کے یا مومن اور ذوق یا مومن اور غالب کے ھم طرح اشعار ملتے ھیں (مثلاً وہ غزل جس کا قافیہ و ردیف ھے ' امتحان اپنا ؛ یا' مجنوں نہ تھیرے گا ؛ یا' کیا ھوتا ھے؛ یا' دیکھا جاے ھے ؛ یا' جان کے لئے وغیرہ) نقل کی جائیں اور قافیہ وار اشعار کا موازنہ کرکے کسی ایک کے حق میں منفرداً منفرداً فیصلہ کیا جاے مگر اس سے بڑھکر سطحی اور محدود طریقۂ تنقید اور کیا ھوگا ؟ سب پر مستزاد یہ کہ ان تینوں باکمال اساتذۂ فن میں ھرایک کی طرز جدا ، اسلوب جدا ، ذھنیت جدا ، افتاد مزاج جدا —

میرے نزدیک اگر کوئی شخص مومن و ذوق و غالب کے بارے میں فی الحقیقت کسی صحیح فیصلے پر پہونچنے کا خواھشمند ھے تو اُس کے لئے ضروری ھے کہ تینوں کی کلیات کا باستیعاب مطالعہ کرے اور ھرایک کی طرز سے اپنی طبیعت کو مانوس کرے اور اُسکے بعد غالباً یہ ممکن ھوگا کہ وہ کسی صحیح نتیجے پر پہونچ جاے ؛ اگرچہ طرزوں کے تباٸن کی بنا پر کوئی وجہ ترجیح تلاش کرنا جب بھی دشوار ھو گا —

آخری فیصلہ

میری ناچیز راے میں (جس کو غلط ثابت ھونے پر میں فوراً ترک کرنے کو تیار ھوں) اردو شاعری کی کائنات کے یہ مرالید ثلاثہ اپنے اپنے رنگ میں بے نظیر

هیں اور اصلاً قدر مشترک ان میں بہت کم ہے۔ تاہم جس نتیجے پر میں پہونچا ہوں یہ ہے کہ مومن مثنوی کے بادشاہ ہیں (ذوق و غالب کے یہاں مثنوی کا وجود بمنزلہ عدم ہے) اور ذوق قصدے کے (مومن وغالب کے قصائد میں پختگی نہیں)، رہی غزل اس میں تینوں شاعروں کا رنگ جدا گانہ ہے اور لاجواب ہے —

جیساکہ میں نے ابھی عرض کیا، ان اساتذہ میں بجز غزل گوئی کے اور کوئی بات مشترک نہیں ، پھر بھی ہرایک کی غزل گوئی کے خصائص کی جداگانہ تفصیل حسب ذیل ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اس مقالے کے پڑھنے والے اصحاب اوپر کی بحث کی بناپر خاکسار راقم سطور سے اتفاق فرمائیں گے - نازک خیالی، معاملہ بندی اور سوز و گداز میں مومن اپنے تمام معاصرین سے فائق ہیں، اسی طرح زبان اور محاورے میں ذوق اور فلسفہ وتصوف میں غالب اپنے سب ہم عصروں سے برتر ہیں —

اسی سلسلے میں اگر یہ اور اضافہ کردیا جاے تو شاید بیجا نہ ہو کہ صدق جذبات اور جدت ادا مومن کے سوا دوسرے میں سرے سے موجود ہی نہیں - نازک خیالی کی صفت میں البتہ غالب اُن کے شریک ہیں مگر شریک غالب نہیں - دونوں کی تخئیل کا میدان مختلف ہے - خاں صاحب کی نازک خیالی کی بنیاد واردات عشق اور تاثرات قلب پر ہے اور مرزا صاحب تخئیل کی بنا حقائق کونیه اور معارف روحانیه پر - پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ غالب کا کلام منتخب ہے مگر مومن کو یہ موقع نہیں ملا - یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مومن کی شاعری میں جو ہمہ گیری ہے وہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو - اُن کا کلام شعر کی تمام اصناف پر حاوی ہے اور اس میں ایک طرف نازک خیالی کے جلوے نظر آتے ہیں، دوسری طرف معاملہ بندی کے - گویا وہ ایک ہی وقت میں فغانی کی طرز کے بھی مالک ہیں اور شرف جہاں کے انداز میں بھی ماہر ہیں —

غرض یہ ہے کہ مومن کی شاعری کی تمام خامیاں مسلم ، مگر

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اس سے انکار کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ اُردو شاعری کے ایک با کمال اُستاد اور نازک خیال سخن گو گذرے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص تغزل میں نظیری کو، نازک خیالی میں عرفی کو اور وقوعہ گوئی میں وحشی کو دیکھنا چاہے تو وہ مومن کو دیکھ لے جن کی شاعری بیک وقت تینوں کے طرز کی جامع ہے۔

مومن کی تصویر کے متعلق نوٹ

(از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی۔ اے)

حکیم مومن خاں مومن کی ایک غزل کا مقطع ہے۔

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

خدا معلوم یہ مقطع لکھتے وقت ان کو الہام ہوا تھا یا نجوم کے ذریعے سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ تقریباً (۸۰) برس تک "نام سننے" کے بعد لوگ " اس شعرا کے امام" کو رسالۂ اُردو میں دیکھیں گے۔ یہ تصویر مدتوں سے میرے خاندان میں "بخیل کا خزانہ" بنی ہوئی تھی، اب خدا خدا کرکے سب اس پر راضی ہوے کہ اس کو پبلک پر " وقف" کر دیا جاے۔ ہمارے خاندان میں دو بڑے شاعر گذرے ہیں ایک 'غالب' دوسرے 'مومن'۔ خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے ہی ذریعے سے دونوں کی تصویریں پبلک میں آئیں۔ میرے عم بزرگوار مرزا عبدالصمد بیگ مرحوم نے غالب کی تصویر ان کے انتقال سے چند ہی روز پہلے رحمت علی فوٹو گرافر سے کھچوائی تھی۔ یہی وہ تصویر ہے جس کو لوگ اب آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ میرے پاس اس کی اصل پلیٹ تھی، لیکن رفتہ رفتہ مسالا (Hypo) اس کو کھا گیا اور

زرد ہوتے ہوتے بیکار ہو گئی - اب یہی گھرانا مومن کی تصویر سے آپ کو روشناس کراتا ہے - اصل تصویر میرے پاس موجود ہے - لیکن اس رسالے کی تصویر اور اس اصلی تصویر میں کچھہ فرق ہے - سر سے سینے تک کا جو حصہ ہے وہ اصل تصویر کا فوتو ہے البتہ طریقۂ نشست کو ذرا بدل دیا گیا ہے - وجہ یہ ہے کہ دھلی کے مصور تصویر کا چہرہ لاجواب بناتے ہیں، مگر ہاتھہ پاؤں اس طرح ہوتے تھے گویا لکڑی کے بنا کر جڑ دئے ہیں - زمانۂ موجودہ کے مذاق کا خیال رکھتے ہوے اس تصویر کے ہاتھہ پاؤں کو اعضاے انسانی کی صورت دیدی گئی ہے - بقیہ کل حصوں کو جوں کا توں رکھا ہے—

اس تصویر کو دیکھکر سب سے پہلے ہر شخص کے دل میں یہی خیال پیدا ہوگا کہ "کیا یہ تصویر اصلی ہے" - یہی وہ سوال ہے جس کا جواب میں اس تحریر میں دینا چاہتا ہوں—

سب سے پہلے یہ غور فرمائیے کہ اس تصویر کے بنانے سے کیا کسی کو کچھہ منفعت ہوئی ہے؟ - ہندوستان کسی طرح یورپ اور امریکہ نہیں ہو سکتا، جہاں مشاہیر کی تصویروں کے ہزاروں ہی نہیں لاکھوں روپے دیدئے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں جعلی تصویریں بنانا نہ صرف ایک فن بلکہ روپیہ کمانے کا ذریعہ بن گیا ہے - ہمارے ہندوستان میں خود کاملین فن کو کوئی کوڑی کو نہیں پوچھتا تو بھلا ان کی تصویروں کے کیا دام دیگا - اب اسی تصویر کو لیجئے، اگر مغرب میں مومن جیسے کسی شاعر کی تصویر مل جاتی تو لاکھوں کی تعداد میں چھپتی اور بکتی، لیکن یہاں یہ تصویر انشاالله بس اسی رسالے میں نظر آئیگی اور پھر طبع ہونا تو کیا کوئی دوبارہ دیکھنے کی تکلیف بھی نہ اُٹھاے گا - جب ناقدری کا یہ حال ہو تو پھر خیال بھی نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں کوئی شخص جعلی تصویر بنانے کی زحمت گوارا کر سکتا ہے— کیوں؟ آدمی شہرت کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے!

اس معیار کے علاوہ پرانی تصویروں کو جانچنے کے اور کئی طریقے ہیں - اس

بارے میں ہمیشہ پہلی تنقیح یہ قائم ہوتی ہے کہ "کیا یہ تصویر حفاظت جایز (Safe Custody) سے آئی ہے؟" یعنی یہ کہ تصویر زیر تنقید کیا ایسے شخص کے پاس سے نکلی ہے جس کے قبضے میں یہ بطور جائز ہو سکتی تھی - اس کے متعلق میں یہ ظاہر کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ تصویر میرے پاس ہے اور خواجہ امان کے فرزند خواجہ قمرالدین خاں راقم کے ذریعے سے مجھ تک پہنچی - مومن مرحوم میری پر دادی کے بھائی اور راقم مغفور ددھیال کی طرف سے میرے دادا اور ننھیال کے رشتے سے میرے نانا ہوتے تھے - یہ تصویر خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان مترجم بوستان خیال کی بنائی ہوئی ہے - گویا یہ میرے ہی خاندان کے ایک شخص کی تصویر اور میرے ہی خاندان کے ایک شخص نے اس کو بنایا ہے اس لئے میرے قبضے میں اس تصویر کا ہونا ہر طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے—

حفاظت جائز کی بحث کے بعد یہ تصفیہ کرنا ہوگا کہ کیا واقعی یہ تصویر خواجہ امان مرحوم کی بنائی ہوئی ہے؟ - اس کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مصور تھے بھی یا نہیں - اس کے متعلق میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دھلی بھر میں وہی ایک شخص تھے جن کو دھلی کے مصوروں نے یہ کام سکھایا تھا - وہ دھلی کے مشہور مصور محمد فضل کے شاگرد تھے اور خود تصویر کا "عمل" بتا رہا ہے کہ یہ کوچہ نتّوان کے کسی مصور کا قلم ہے - اسی تنقیح کے ضمن میں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا بلحاظ زمانہ خواجہ امان مرحوم کو حکیم مومن خاں کی تصویر کھینچنے کا موقع تھا؟- خاندانی تعلقات کے علاوہ اگر دھلی کے بڈھے بڈھے لوگوں سے پوچھا جاے تو پتہ چل سکتا ہے کہ یہ دونوں ہم عمر تھے اور دونوں میں انتہا درجہ کی محبت اور دوستی تھی - ان حالات میں خواجہ امان مرحوم کا یہ تصویر بنانا کسی طرح خلاف قیاس نہیں ہو سکتا —

اب رہی یہ بحث کہ یہ خواجہ امان مرحوم کے ہی ہاتھ کی تصویر ہے تو اس کے دو ثبوت ہیں - اول ان کی "تحریر" دوسرے ان کا "عمل" - تصویر کے اوپر

کے الفاظ " شبیہ * حکیم مومن خاں صاحب دهلوی ' بہ عہد شباب " خواجہ صاحب مرحوم کے قلم کے هیں - اسی عبارت کے مقابلہ کے لئے اُن کے هاتھہ کی لکھی هوئی بوستان خیال کی ایک جلد میرے پاس موجود هے - دونوں تحریروں کو دیکھہ کر ایک هی نظر میں کہا جاسکتا هے کہ یہ دونوں خط ایک هی شخص کے هیں - اب رها "عمل" تو اس کا مقابلہ ان کی بنائی هوئی دوسری تصویروں سے هوسکتا هے - همارے خاندان میں ان کے هاتھہ کی کھنچی هوئی کئی تصویریں موجود هیں ' جس کا جی چاهے آکر مقابلہ کر لے —

یہ تو هوئی گرد و پیش کی شہادت جس کو اصطلاح میں بیرونی شہادت کہا جاتا هے - اب شہادت اندرونی کو لیجئے - اس کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا هوگا کہ جس شخص کی یہ تصویر هے اس کا لباس ' خط و خال اور وضع قطع اسی تصویر سے ملتے جلتے هیں یا نہیں - مومن مرحوم کا جو حلیہ ان کے معاصرین نے بیان کیا هے اس کا مقابلہ اگر اس تصویر سے کیا جاے تو اس تصویر کے اصلی هونے میں ذرا بھی شک نہیں رهتا —

اس کے بعد یہ دیکھنا هوگا کہ یہ تصویر کس قسم کے کاغذ پر کھنچی هے یہ تصویر چانول کے بلے هوے اور مہرہ کئے هوے باریک کاغذ پر هے اور اس کاغذ کو وصلی پر بٹھایا هے - اول تو ایسا کاغذ اب کمیاب تو کیا مفقود هوگیا هے - دوسرے وصلی پر کاغذ کو جما کر مہرہ کرنے کا طریقہ اب بالکل رائج نہیں هے - شہادت اندرونی میں سب سے زیادہ قابل غور چیز اس تصویر کے رنگ هیں - میں خود اس فن سے واقف هوں اور شاید اس زمانے میں میرے سوا اور کوئی نہیں هے جو محمد فضل کے خاندان کا شاگرد هونے کا دعوی کرسکے - یہ خواجہ امان مرحوم هی کے تعلقات تھے جن کی وجہ سے مجھے ان لوگوں نے شاگرد بھی کرلیا ورنہ اُن کے هاں تو کوئی غیر شخص قدم بھی نہیں رکھہ سکتا —

---

* افسوس کہ بلاک بنواتے وقت یہ عبارت رہ گئی ہے - (اڈیٹر)

یہ واقعات میں نے اس لئے عرض کئے کہ رنگوں کے متعلق میرے واقفیت کا اندازہ ہوسکے - دھلی کے مصوروں کی قدیم تصویریں چار رنگوں سے بآسانی پہچانی جاتی تھیں - ایک نیلا، دوسرا شنگرفی، تیسرا سفید اور چوتھا سنہرا - یہ سب رنگ گھروں میں بنائے جاتے تھے اور ان کے بنانے کا راز اس طرح چھپایا جاتا تھا کہ ان کے خاندان والوں کے علاوہ آج تک کسی کو یہ بھید معلوم نہیں ہوا جب سے انگریزی رنگ چلے ہیں ان لوگوں نے سہولت کے خیال سے ولایتی رنگوں کا استعمال شروع کردیا اور اب نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ سفیدا بنانا اور سونا گھونٹنا تو ضرور جانتے ہیں لیکن نیلا اور شنگرفی رنگ بنانا بالکل بھول گئے ہیں - مومن خاں مرحوم کی تصویر میں یہ چاروں رنگ دیسی بنے ہوے استعمال ہوے ہیں اور یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ تصویر اس زمانے کی ہےجب انگریزی رنگوں کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا،میں اس سلسلےمیں برش لگانے '' کے طریقہ سے بھی بحث کر سکتا تھا اور بتا سکتا تھا کہ پہلے زمانے میں تصویروں اور خاص کر چہرے پر کس طرح برش لگاتے تھے اور اب کس طرح رنگ دیتے ہیں - لیکن اس مختصر سے مضمون میں اتنا گہراجانا بے ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مومن کی قبر کہاں ہے اور کس حالت میں ہے تو پھر ان کی تصویر سے وہ کیا خاک دلچسپی لینگے۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ اس مرحوم کی قبر مینڈھیوں میں کس مشکل سے مجھے ملی اور کس حالت میں ملی ہے - اگر اس قبرستان کا وہ بڈھا گور کن مرگیا جسنے مجھے اس ذخیرہ کا پتہ دیا تھا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ کسی کو ہندوستان کے اس بے بدل شاعر کا نشان مزار بھی نہ ملے، سچ ہے :—

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

———•———

پروفیسر براؤن

نوشتۂ

میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی (لندن)

مترجمہ

(اختر محمود شیرانی ایڈیٹر " بہارستان " لاہور)

ذیل کا مضمون ، جس کا ترجمہ ، حضرت قبلہ مولانا مولوی عبدالحق صاحب مد ظلہ کے حکم کی تعمیل میں کیا گیا ہے ، ایران کے نامور محقق اور فاضل میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے زور قلم کا نتیجہ ہے - میرزا صاحب موصوف ایک بلند مرتبہ ادیب اور وسیع‌النظر محقق ہیں اور تقریباً سنہ ۱۹۰۵ ع سے لندن میں قیام پزیر اور تحقیقات علمیہ میں مصروف ہیں - آپ کی محققانہ ژرف نظری کا پایہ بہت بلند ہے اور اس بارے میں ' ایران تو ایران ' خود یورپ کے مستشرقین میں کوئی ایسا نہیں جو آپ کے مقابلے میں لایا جاسکے - میرزا صاحب کی مرتب کردہ متعدد قابل‌قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بلاد یورپ کے علاوہ ' ہندوستان و ایران میں بھی مقبول ہوئی ہیں - مسائل علمیہ میں اُن کی دقت نظر ' اور متانت فکر ' ان کی خدا داد قابلیت کا اختصاصی جوہر ہے - فارسی ' عربی ' اور ترکی ' کے عالم ہونے کے علاوہ انگریزی ' فرنچ ' اور جرمن زبانوں میں بھی درک رکھتے اور تقریباً ہفت زبان شخص ہیں —

پروفیسر براؤن آنجہانی سے اُن کے تعلقات کا یہ عالم تھا کہ وہ اُن کے دست

راست شمار ہونے لگے ' حالانکہ یہ امر ' میرزا صاحب جیسے عالی جاہ اہل قلم ' اور محقق کے لئے باعث فخر نہیں ہوسکتا۔ یورپ بھر میں میرزا صاحب کی قابلیت کے جھنڈے گڑے ہیں اور بالخصوص فارسی ادبیات کے دائرے میں تو' اُن کی عدیم المثال مہارت ' اور وسعت نظر ' سند تسلیم کی جاتی ہے —

پروفیسر براؤن کے ساتھہ (نبج کے طور پر) وہ مدتوں کام کرتے رہے ہیں اور اس لئے یہ کہنا ناموزوں نہ ہوگا کہ مرحوم کی نسبت ' ان کے معلومات و اطلاعات خاص قدر و قیمت کے مستحق ہیں !

اس مضمون کو' ایران وملت ایران کا وہ خون آلود آنسو سمجھنا چاہئے جو اُس نے اپنے اسلاف اور ادبیات کی روح کو بیدار کرنے والے محسن کے مزار پر نذر چڑھایا ہے —— اور ہمیں کہنا چاہئے کہ فردوسی و سعدی ' اور حافظ و خیام کے وطن کی شعر آفریں ' سر زمین کا یہ وہ خراج ماتم ہے جو صرف خوش نصیب اور زندۂ جاوید براؤن ہی کی موت کو نصیب ہوسکتا تھا —— !!

اختر

فارسی زبان' اور اُس کے ادبیات کے لئے ' کوئی بڑے سے بڑا' نا قابل تلافی نقصان' اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا' جو پروفیسر براؤن (پروفیسر عربی و فارسی کمبرج یونیورسٹی ' انگلستان) کی حسرت ناک موت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ ۲۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۴۴ھ (مطابق ۵-جون سنہ ۱۹۲۶ ع) کو' ۶۴ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا اور ۷-شعبان سنہ ۱۲۷۸ھ (مطابق ۷- فروری سنہ ۱۸۶۲ ع) کو وہ پیدا ہوے تھے —

میرا خیال ہے کہ ایران میں بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو پروفیسر براؤن کو نہ جانتے ہوں یا جنھوں نے ان کا نام نہ سنا ہوکیونکہ ایران اور ایرانیوں کے حق میں ان کی جلیل القدر خدمات' صرف ان کے ادبی کارناموں پرھی منحصر نہ تھیں

جو فقط علما و ادبا کے حلقه تک محدود رهتیں، بلکه، جیسا که ایک دنیا کو معلوم هے، مرحوم نے عالم سیاست میں بھی، ایران و حقوق ایران کی نهایت شاندار اور عظیم خدمات انجام دی هیں —

ایران میں قیام جمهوریت کی ابتدا (سنه ۱۳۲۴ھ) سے لیکر، جنگ عظیم کے آغاز (سنه ۱۳۳۲ھ) تک، یورپ میں، ایران کی حمایت اور طرف داری کے سلسلے میں، مرحوم نے جیسی جیسی تکلیفیں اُٹھائیں اور حقوق ایران کی تائید اور اپنی حکومت یعنی حکومت انگلستان اور روس کی جابرانه سیاست کے خلاف اعتراض و احتجاج کے طور پر، جو زبردست مجاهدے، اخبارات میں مضامیں لکھکر، کتب و رسائل کی تالیف سے، تقریریں کرکے، اور امرا و وزراے برطانیه سے ملاقات کے ذریعے انهوں نے انجام دئیے، وہ اس قدر عجیب اور فوق العادت هیں که اُن پر حقیقت میں، کوئی یقین نهیں کرسکتا۔ اور اُن لوگوں کے سوا، جنهوں نے اپنی نظروں کے سامنے اُن کو یه حیرت انگیز کام کرتے دیکھا هے، دوسروں کے لئے اس کا تصور بھی مشکل هے۔ چونکه اُن کے مضامین کے تراجم، وقتاً فوقتاً ایرانی جرائد و رسائل میں بھی، شایع هوتے رهتے تھے اس لئے میرا خیال هے که ایران کے دیهات و قصبات بھی اُن کی شهرت سے محروم نه هونگے؛ یهاں تک که کرمان و بلوچستان کے دور دست علاقوں میں بھی کوئی اُن کے نام سے بے خبر نهوگا —

میرا عقیدہ هے که ایران اور یورپ کے مابین باضابطه روابط کے افتتاح سے، ایک قرن ادهر سے، کسی یورپین نے ایران میں اس درجه نیک نامی اور شهرت، هرگز حاصل نه کی هوگی اور عام ایرانیوں کے جذبات اخلاص و محبت کو، اپنی طرف، اس حد تک نهیں کیا هوگا ——— اس لئے که مرحوم کی سیاسی خدمات، هر ایک ایرانی کے دل و دماغ میں مرتسم هیں - علاوہ بریں ایران کے بهت سے مدبر، جمهوریت پسند اور آزادی خواہ، اُن کے ساتھه ربط ضبط رکھتے تھے، جن میں اکثر نے مدتوں ان کی یکجائی صحبت کے لطف بھی اُٹھاے هیں——اور ان میں سے بهت سے، اب تک زندہ

و سلامت موجود ہیں اس لئے میں اس موضوع کو زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں دیکھتا ! لیکن ـــــــ اس مرحوم کی علمی و ادبی خدمات کی میں بڑی جرأت کے ساتھ قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یورپ و امریکہ کے مستشرقین میں سے (خواہ وہ اُن کے پیشرو ہوں خواہ معاصرین) کسی نے بھی، اس منزل میں اس قدر، کاوشوں اور تکلیفوں کا سامنا نہیں کیا ہے - کسی نے بھی اپنی تمام عمر کو ، ۱۸ ویں سال سے لیکر اپنی ۶۴ سالہ زندگی کے آخری لمحے تک بھی بغیر کسی سستی یا تکان کے اپنے تمام قوائے مادی و باطنی کے ساتھہ، ایران کے آثار علمی کے احیا پر قربان نہیں کیاہے- کسی نے بھی یہ عالی ہمتی، یہ فداکاری، اور یہ از خود رفتگی نہیں دکھلائی اور اپنی ذاتی جیب پر ، اس قدر مالی قربانیوں کا بار نہیں رکھا ہے اور ـــــــ خاص طور پر یہ کہنا چاہئے کہ کسی نے بھی، اپنی تمام عمر میں ایران کے ادبیات ذوقیات اور معنویات ، یعنی اس ملک کے شعرا، حکما، عرفا، اور ارباب مذاہب کے افکار سے، اس قدر خاص، اور خالص ضمیمی محبت ، جو دل کی انتہائی گہرائیوں سے نکلی ہو، اور ہرقسم کے سیاسی ، مالی، اور دنیوی اغراض و مقاصد سے پاک ہو؟ بلکہ اس درجہ شدید عشق نہیں برتاہے، جس کا مرحوم کی تصنیفات کے ایک ایک حرف سے ثبوت ملتا ہے - اس امر کو ، اُن لوگوں کی بہ نسبت ، جو مرحوم کی تالیفات سے غائبانہ لطف اُٹھاتے تھے ، وہ ایرانی ہزاردرجہ زیادہ بہتر طور پر ، اور عینی مشاہدہ کی صورت میں محسوس کرچکے ہیں ، جنہوں نے اُن سے ملاقات کی ہے اور جنکو انکی پرلطف صحبتیں نصیب ہوچکی ہیں - یہ لوگ ، مرحوم کی اُس خالص محبت کے آثار و علامات سے جو وہ اِنسے محض ایران کی خاطر کرتے تھے ، فی الحقیقت متاثر ہوتے تھے —

عالم اسلام سے عموماً اور ایران اور ایرانیوں سے خصوصاً اُن کی محبت کی کوئی انتہا نہ تھی اور یہ محبت کسی مادی یا علمی غرض مثلاً دولت یا سیاست یا مرتبہ یا وطنی خدمت سے آلودہ نہ تھی بلکہ دلی احساسات اور روحی جاذبیت

کا کرشمہ تھی یعنی حسن اور حق و راستی سے عشق! اور جو اُن کے خلاف ہو اُس سے نفرت!!

یورپ کے بہت سے حقیقی مستشرقین کو، جو فی‌الواقع عالم و فاضل ہیں اور ایرانی تاریخ و زبان کی کافی خدمات انجام دے چکے ہیں، جب آپ بہت قریب سے دیکھیں گے یا اُن کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اُن کو ایران سے دلی لگاؤ نہیں ہے اور ایران کے علوم و فنون کے بارے میں اُن کی کاوش دماغی اور اس موضوع پر تصنیف و تالیف کی بارش، ایران سے محبت کرنے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے، حسب ذیل اغراض میں سے کسی ایک پر مبنی ہے:—

یا محض، محبت علم کی خاطر—یہ نایاب ہے! یا آریائی نسل کی زبان اور تاریخ کی خدمت کے لئے، جس سے اُن کا مقصد، اپنے ہی ملک کی خدمت ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ایران بھی، آریائی نسل کی لڑی کا ایک ٹوٹا ہوا موتی ہے اس لئے بامر مجبوری اور اپنے اصلی مقصد کی خرابیوں کے سد باب کی غرض سے، انہوں نے اپنی عمر کی ایک مدت، ایران کی تاریخ و زبان اور آثار قدیمہ پر بھی صرف کی ہے تا کہ وہ آریائی نسل کو، سامی نسل اور خصوصاً یہودیوں کے مقابلے میں بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور اُن کی اہمیت کو سراہ کر، یہودیوں کی اہمیت کو نام دھریں! یا بعض شخصی اغراض، مثلاً کسی یونیورسٹی کی پروفیسری، یا کسی اکیڈمی کی رکنیت، یا محض حصول مرتبہ و شہرت اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی خاطر، جن کی تہ میں، ہر طرح کوئی نہ کوئی غرض اور مطلب چھپا ہوتا ہے! قصہ مختصر ایران کی محبت کی لگن کسی کے دل میں نہیں ہوتی—

یہ اگر محبت نہ کریں تو بھی غنیمت ہے، مگر ستم تو یہ ہے کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ اگر اُن کا دل چیرا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ ایران کی قوم کی نسبت، اُن کی فطرت میں، دشمنی کی سی حس اور حقارت بسی اور رچی

ہوئی ہے - اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے یورپی تربیت کی گود میں آنکھیں کھولی ہیں، جس کی بنیاد، قدیم یونان اور روم کے علوم و فنون اور تاریخ و ادبیات پر رکھی گئی ہے - اب چونکہ اگلے زمانے میں، ایران اور یونان و روم کے مابین جنگ و جدل کے بازار گرم رہے ہیں اور اُن دونوں قوموں کے مورخین، ایران کو ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھتے اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ ان جنگ آزمائیوں کو، اپنی اور اپنی قوم کی "طفل تسلی" کی خاطر "متمدن قوموں پر وحشی قوموں کی تاخت و تاز" کے عنوان سے یاد کریں، اور ایرانی تمدن کو یونانی اور رومی تمدن کی بہ نسبت بہت گرا کے دکھلائیں، اس لئے یونانیوں اور رومیوں کی اس روحی کیفیت کا اثر، یورپ کی موجودہ نسل پر بھی ہوا ہے خواہ وہ اپنے تئیں کتنی ہی تربیت یافتہ، متمدن اور بلند نظر لکھے!—

ایران کی نسبت، دشمنی کے اس جذبے کے اظہار میں، خواہ وہ کیسی ہی خود داری اور ضبط سے کام لینے کی کوشش کریں پھر بھی اُن کی زبان کے تیور، اور لہجے کے انداز سے کہیں کہیں "کاسہ" کے اندر کی چیز ٹپک ہی پڑتی ہے—

تم یوں تو لاکھ پیار کی باتیں کرو مگر
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم سے خفا سے ہو!

ان کے ہاں کی تاریخوں میں، جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، مذکورۂ بالا معرکہ آرائیوں کے ذکر میں، اس قسم کی حقارت آمیز مثالیں " ایشیائی جرگوں* کا حملہ یونان پر" ! بہت سی ملتی ہیں - جرمنی کے ایک نامور مستشرق نے "تاریخ ساسانیان" میں یزد جرد کے حالات کے سلسلے میں، طبری کی اس عبارت کا ترجمہ

---

* (Hordes Asiat ques) ہورڈ کے معنی لشکر کے ہیں - مگر یورپی زبانوں میں یہ لفظ صرف تحقیر اور توہین کے موقع پر، اور وحشی قوموں کے لٹیروں اور غیر منظم جرگوں اور جتھوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - اُن کے اپنے خیال میں یہ لفظ متمدن قوموں کے منظم لشکر کے مقابلے میں آتا ہے—

دے کر کہ "یزد جرد*" عامۃالناس سے بہت سوء ظن رکھتا اور کسی معاملے میں بھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی اُس سے کسی اور شخص کی نسبت کچھہ عرض کرتا تو یزد جرد پوچھتا کہ تونے اُس شخص سے اس سفارش کا کیا حق العمل وصول کیا ہے؟"

اس کے حاشیے میں اپنی رائے ان الفاظ میں لکھی ہے "یزد جرد نے ایرانیوں کو خوب سمجھا ہے" —— اس حاشیے میں اس نشتر کے سوا، جس کے استعمال کئے بغیر اس کو صبر نہ آسکا، اور کوئی بات نظر نہیں آتی؛ یوں کہنا چاہئے کہ اُس نے حاشیہ، صرف اسی رائے کے اظہار کے لئے لکھا ہے اور یہ متن کے لئے جس قدر "ضروری" اور "اہم" ہے محتاج بیان نہیں - یہی مستشرق، اسی کتاب کے مقدمہ میں اپنے مآخذ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"کتاب حاجی بابا مؤلفہ موریر سے بھی ایک شخص، قدیم ایرانیوں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہے!"

پھر ایک اور مقام پر، بعض قدیم ایرانی مآخذ مثلاً "خدائی نامہ" وغیرہ کا ذکر کرکے ساسانیوں کی تاریخ اور اس سے متعلق روایات کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں کہتا ہے :—

"ان مآخذ میں کوئی بات بھی حقیقت سے نزدیک نہیں، سچ تو یہ ہے کہ قدیم زمانے سے آج تک ایرانیوں نے مبالغہ ہی سے کام لیا ہے اور حقیقت سے مطلقاً سروکار نہیں رکھا ہے † —

---

* "وکان دھرہ للناس متھما و لم یکن یأتمن احداً علیٰ شیء من الاشیاء ...... و ان جسر علیٰ کلامہ فی امر کلمہ فیہ رجل لغیرہ قال لہ ما قدر جعالتک فی ھذا الامر الذی کلمتنا فیہ و ما اخذت علیہ" (طبری ۱-۸۴۸)—

† اس جرمن مستشرق کے احترام کی خاطر، جو اس قسم کی نشتر زنی کے باوجود ایران اور اس کی زبان پر بہت زیادہ حقوق رکھتا ہے ہم اُس کے نام اور اس کی کتاب کے نام سے قطع نظر کرتے ہیں —

ایران کے بارے میں اس قسم کے زہر میں بجھے ہوے نشتروں سے مستشرقین کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ہمارا مقصد صرف ایک دونمونے پیش کرنا تھا تاکہ ہمارے وطن اور اہل وطن کے بارے میں اُن کے دل کا "چور" ظاہر ہوجائے ——— اب، اگر ان لوگوں کی تالیفات کا ' تعرف‌الاشیاء باضدادها ' کے طور پر ' مرحوم و مبرور پروفیسر براؤن افاض‌الله علیه شآبیب‌الغفران' کی تالیفات کے ساتھہ (جوشروع سے اخیر تک ایران و متعلقات ایران کی خالص محبت سے لبریز ہیں) موازنہ کریں تو، مرحوم کی قدر منزلت، اور دوسروں سے اُن کے کھرے فرق کا صحیح اندازہ ہوسکے گا اور آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ مستشرقین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں، ان سے فی صدی ایک درجہ بھی مشابہت نہیں رکھتا-اور تب آپ سمجھہ سکیں گے کہ اُن کی موت کے ساتھہ ' یورپ سے، ایران کا کس قدر زبردست پشت و پناہ، ایرانیوں کے ہات سے کھو گیا ہے ؟، اور موت کے ظالم ہاتوں نے ۵- جون کو ایران کی ملت و معنویت کے کتنے بڑے حامی کا شکار کرلیا ہے؟ اور ان سے بڑھکر یہ کہ اُن کی موت نے،اہل علم و فضل کی محفل پر کیا افسوسناک اثر ڈالا ہے کہ کوئی چیز اور کوئی شخص ' برسوں تک اُن کی خالی جگہ پر نہیں کرسکتا - اُن کے ایرانی دوستوں کے دلوں کے لئے یہ وہ گہرا زخم ہے جو زندگی بھر بھرنے میں نہ آئے گا - الله تعالیٰ اُن کے مزار پر نور کی کرنیں برسائے! اُن کے حال پر اپنی وسیع رحمت کا نزول فرمائے اور اُن کی پاک روح کو اعلیٰ علیین میں، اُن شاعروں اور عارفوں کي ارواح کے ساتھہ رکھے جن سے وہ عمر بھر محبت کرتے رہے تھے !—

حقیقت میں پروفیسر براؤن کا وجود ایران کےلئے ایک نعمت خدا داد، اور فطرت کے اُن نادر اتفاقات حسنہ میں سے تھا جو کبھی کبھی، اور سہواً ' اس کے ہاتوں سے ظاہر ہوجاتے ہیں- اس سے زیادہ عجیب بات کون سی ہوسکتی ہے کہ اجنبی قوم کا ایک فرد،اور وہ بھی اس قوم کے اعاظم علما و فضلا میں سے ایک، اپنی ساری زندگی ' ہمارے ملک کی طرفداری میں گزار دیتا ہے اور مدت‌العمر، محض ہمارے ملک کی ایک

بیگانہ ملک کی خاطر، خود اپنے ملک اور قوم سے مقابلہ اور اُن کے اعمال پر انتقاد
واعتراض کی بوچھار کرتا رہتا ہے! کیا یہ چیز، فطرت کے ——— آج کل کی اُس
فطرت اجتماعیہ کے (جس کی بنیاد ظلم و ستم، جور و جفا اور دشمنی وغضب پر
قایم ہے) اتفاقی نوادر اور سہو و غلطی کے امور میں سے نہیں تھی؟ مگر کیسی
غلطی! کہ ہمارے لئے، اور ہماری خوش نصیبی کے لئے محض صواب اور صواب محض
تھی! افسوس! صد ہزار افسوس!! کہ یہ نعمت عظمیٰ ہمارے ہات سے چھن گئی!
رائگاں گئی!! —

اس مضمون سے، مرحوم کے بعض خصائل حمیدہ اور علم و فضل کے بارے میں
چند اشارات مقصود ہیں اور بس، ورنہ اگر کوئی اس عجیب و غریب ہستی کے
مفصل حالات زندگی اور بے مثال مناقب و فضائل کا مناسب اظہار کرنا چاہے تو
'اُمیدی' طہرانی کا ہم زبان ہوکر کہہ اُٹھیگا —

کتاب فضل ورا، آب بحر کافی نیست
که تر کنی سر انگشت و صفحه بشماری

اگرچہ کہ اس قسم کے اغراقات میں، حقیقت، ہلاکت پیشہ ثابت ہوتی ہے
مگر میں کہتا ہوں کہ اس موضوع پر بلا مبالغہ کئی سو صفحات کی کتاب لکھی
جاے تب بھی اس مرحوم کے کارناموں کا حق ادا نہیں ہوسکتا البتہ ان کی عملی
زندگی کے اُن تمام مختلف شعبوں، مثلاً سیاسی، تحقیقی، اور خصوصاً بابی مذاہب
کے سلسلے کی (جن میں ہر ایک حصہ ایک جدا گانہ مبسوط و مفصل باب چاہتا ہے)
صحیح تفصیل دی جاسکتی ہے - میں خود اگر یہ افسردہ دلی، اور پریشاں دماغی،
جسنے اس منحوس خبر کے پہنچتے ہی، میرے ہات پاؤں اور خیال و ارادہ کو
مفلوج کردیا ہے، نہوتی تو مرحوم کے ہزاراں ہزار حقوق میں سے کسی قدر ———
ادا کرنے کی غرض سے اس کام کو اپنے ذمہ لےلیتا، مگر غم و یاس کا ہجوم دنیا و مافیہا
سے بیزاری، اور کار وبار سے برداشتہ خاطری ایسی چیز نہیں، جس نے مجھ میں

ذرا بھی کام کرنے کی طاقت باقی چھوڑی ہو - یہ پریشان سطریں بھی اپنے محترم دوست آقائی کاظم زادہ * جزاہ‌اللہ خیراً کے حکم کی تعمیل میں لکھتا ہوں ' جنھوں نے مجھے اپنا وجدانی فرض یاد دلایا اور حتی‌الامکان تسکین و تسلی دی اور نہایت اصرار کے ساتھہ ' فرض سپاس گزاری کے ایک ہلکے سے جزو کی ادائگی پر مجبور کردیا - محترم ناظرین سے اُمید ھے کہ اختلال الفاظ اور اضطراب معانی پر (جن سے وہ ان سطور میں قدم قدم پر دوچار ہونگے) مجھے مجبور خیال کرینگے اور اور اس عذر کو مان لینگے کہ اس مصیبت کی عظمت ان چیزوں سے کہیں بالا ھے! —

مرحوم کے حالات اوائل عمر سے سنہ ۱۸۸۷-۸ ع [۱۳۰۵-۶ ھ] تک کے لئے جو اُن کے سفر ایران کا زمانہ ھے اور جب کہ اُن کی عمر ۲۷ سال تھی ' اُن کی کتاب " ایک سال ایرانیوں میں † " کا مقدمہ ملاحظہ ہو جس میں اُنھوں نے اپنے تمام سوانح حیات اور وہ اتفاقات ' جنھوں نے اُن کے السنۂ مشرقیہ کی تحصیل پر آمادہ کیا اور طبی تعلیم کی بجائے (جیسی کہ ان کے والد کی خواہش تھی) ان کو اسی سلسلے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا ' سب کچھہ مفصل بیان کیا ھے ' اس کے بعد ' اسی کتاب کا متن ملاحظہ ہو جو اکثر نہایت دلکش کتابوں کے نفائس سے بیحد جاذب نظر و توجہ ھے اور ایران کے ایک سالہ قیام (صفر ۱۳۰۵ - صفر ۱۳۰۶) کے حالات واقعات پر مشتمل ھے —

مرحوم کی ادبی زندگی کے اجمالی تصور کے لئے ' جو انکی زندگی کا بنیادی پہلو ' اور حقیقی مشغلہ تھی ' ۱۸- سال کی عمر سے لیکر (جبکہ انھوں نے فارسی کی تحصیل شروع کی) اخیر لمحہ حیات تک کی تفصیلات کے لئے ' مرحوم کی

---

* برلن (جرمنی) کے مشہور فارسی رسالہ " ایران شہر" کے اڈیٹر اور موجودہ ایران کے نامور اور بلند مرتبہ انشا پردازوں میں سے ھیں — (اختر)

† A year amongst the Persians, London 1893.

تالیفات ' (جو ۱۲ - بڑی کتابوں اور ۲۲- رسالوں * پر مشتمل ھیں)پر نظر ڈالنی چاھئیے - ان میں " تاریخ ادبیات ایران " ان کے شاھکار کا درجه رکھتی ھے - یہ ایک اھم ترین کتاب ھے - آج تک کسی مستشرق نے ' اس سے پہلے ' ایسی یا اس کے قریب قریب ' کوئی کتاب نہیں لکھی ھے - یه ھماری (فارسی) زبان کے ادبیات کے بارے میں نه صرف یورپ میں اپنے رنگ کی ایک اور بے نظیر کتاب ھے بلکه فارسی زبانوں میں بھی (جیسا که ھرایک کو معلوم ھے) آج تک کوئی ایسی کتاب ' جس میں ایسی عجیب ترتیب و نظم ھو ' جواس بسط و تفصیل کی حامل ھو ' جواس قدر اھم اور نادر اطلاعات و معلومات پرحاوی ھو اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ایک ایسے علامه ذوفنون کے ۳۰-۴۰ ساله مطالعه اور تحقیقات کا نتیجه ھو ' اصلاً و ابداً نہیں لکھی گئی - اور کوئی ایسی رنگا رنگ تالیف ' جس میں تاریخ بھی ھو حالات مشاھیر بھی ' ادبیات بھی ھوں اور تذکرۂ شعرا بھی ' جو معجم الادبا بھی ھو اور منتخب الاشعار بھی ' جامع الحکایات بھی ھو اور گنجینۂ نکات بھی ' اور ھزارھا ایسے ھی حقایق و معارف و محاسن سے لبریز ھو ' ابتک ھم میں منصۂ شہود پر نہیں آئی ھے —

مرحوم کے سیاسی کارناموں کی پہلی تحریک کو انکے ۱۸ ساله دورحیات ' (۱۳۲۴ - ۱۳۳۲ ھ) سے تعلق ھے جب که ایران کے شیرازۂ حکومت کی پریشانی ' اور اس ملک میں روس و برطانیه کے ظالمانه عمل دخل نے اُن کے تمام ذکر و فکر ' اور دن رات کے حصوں کو ' سراسر اپنی طرف مشغول کرلیا تھا ؛ یہی حوادث تھے جو آگے چلکر ' اس سلسلے میں مرحوم کے تمام تکلیفات و مجاھدات کا باعث ھوئے - سیاسیات کے اس شعبے میں مرحوم سے دو نفیس کتابیں یادگار ھیں - ایک " انقلاب ایران " (۱۹۱۰ ع - ۴۹۶ صفحات - ۳۲ تصاویر) - دوسری " ایران کے جدید اشعار و مطبوعات "

---

* مرحوم کی سیاسی اور بابی مذاھب کے متعلق ' جو کتابیں ھیں وہ اس فہرست میں شامل نہیں ھیں - صرف ادبی چیزوں کا ذکر ھے —

(۱۹۱۴ع - ۳۹۷ صفحات - ۳۲ تصاویر) - ان کے علاوہ کئی جداگانہ رسائل بھی ھیں جن کے نام اُس فہرست تالیفات میں (جو خود مرحوم نے سنہ ۱۳۴۲ ھ میں شایع کی تھی) موجود ھیں - یہ اُن لا تعداد مضامین کے علاوہ ھیں جو انگریزی جرائد و رسائل میں مسلسل شائع ھوتے رھے ھیں اور جن کی صحیح فہرست تیار نہیں کی جا سکتی ـــ

بابی مذاھب کی تحقیقات کے معاملہ میں ان کی دلچسپی لینے کی کیفیت کے لئے، ان کی اس سلسلے کی مشہور کتابوں اور خصوصاً ان کے مبسوط مقدموں کا مطالعہ کرنا چاھئے جن میں وہ تفصیل کے ساتھہ بیان کرتے ھیں کہ کونت دوگو بینو (Conte de gobinow) کی کتاب کے مطالعہ سے کس طرح اُن کی حیرت و تلاش کی رگ بیدار ھو گئی اور اس گروہ کی حقیقت حال کے دریافت میں ان کا ذوق و شوق بڑھتا گیا اور اس کے بعد وہ خود ان مسائل کی تحقیقات پر کمر بستہ ھو گئے اور کمال سرگرمی و جد و جہد سے، اس جماعت کی سرگذشت اور اس کے ان دردناک واقعات کے بارے میں (جو ان کی نسبت ایران میں واقع ھوے اور جنھوں نے سارے یورپ کو متاثر کر دیا) چاروں طرف سے اطلاعات و معلومات حاصل کرنے میں مشغول ھو گئے - شروع میں انھوں نے سفر ایران کے دوران میں اس مذھب کے بہت سے پیرووں سے دوستی پیدا کی اور اُن سے بہت کچھہ معلومات حاصل کئے، بعد ازاں سنہ ۱۳۰۷ھ میں، اس سلسلے کے اصلی سرچشمہ سے تازہ اطلاعات مہیا کرنے کی غرض سے 'عکا' اور 'قبرس' کا سفر کیا اور میرزا یحیی معروف بہ "صبح ازل" اور میرزا حسین علی معروف بہ "بہاء اللہ" ـــــ دو بابی پیشواؤں سے ملاقات کی - علاوہ بریں اس گروہ کے دوسرے علما و فضلا سے، جو ایرانی یا ترکی علاقوں میں تھے یا مصر و شام میں، جہاں پتہ چلا، خط و کتابت شروع کر دی، اور قیمتاً یا بلا قیمت، جس طرح بھی ممکن ھوا، اُن سے کتب و رسائل اور اسناد و اوراق حاصل کئے اور تب کہیں جاکر اپنی بلند ھمتی اور راسخ العزمی کے سایہ میں

کسی قسم کی تکان اور محنت سے گھبرائے بغیر' اس شہرۂ آفاق اور اہم کتاب کی تالیف سے فارغ ہوے اور جیسا کہ اُن کا اصلی مقصد تھا کونت ڈی گوبینو کی تحقیقات کے بعد سے (جو سنہ ۱۲۶۹ھ تک منتہی ہوتی ہے) اپنے زمانے تک کی تفصیلات جمع کردیں—

کونت ڈی گوبیلو فرانس کے مشہور فاضل ہیں' بہت سی فلسفیانہ' اجتماعیاتی' مذہبی اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ فلسفۂ تاریخ کے مخصوص طریقے "گوبنزم" کے (جس کے پیرو جرمنی میں زیادہ ہیں) یہی موسس و مخترع ہیں۔ کونت موصوف سنین ۱۲۷۱ - ۱۲۷۴ میں' فرانسیسی سفارت متعینہ طہران کے نائب اول اور سنین ۱۲۷۸ - ۱۲۸۰ میں' اسی شہر میں' اسی حکومت کی طرف سے وزیر مختار کی حیثیت میں مقیم رہ چکے ہیں۔ اس مناسبت سے اُن کی اکثر تالیفات' ایران اور اُس کے اجتماعی و تاریخی مسائل پر مشتمل ہیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں ایک "ایشیاے وسطی میں فلسفہ مذاہب" (Les relgions et les Philoso-phies l' Asie centrale) کے نام سے ہے' جس کی دو اشاعتیں نکل چکی ہیں۔ پہلی اشاعت سنہ ۱۸۶۵ع (سنہ ۱۲۸۲ھ) میں ہوئی تھی۔ اس کتاب میں تقریباً تین سو صفحات کا ایک باب' صرف تاریخ و مذہب بابیہ کی بحث پر مشتمل ہے اور چونکہ باب کے قتل کے کچھ ہی بعد اور اس گروہ میں مذہبی اختلافات رونما ہونے سے پہلے' وہ خود بنفس نفیس طہران میں موجود تھے اور اُن کو خاص طور پر تحقیق مذاہب کا شوق تھا اس لئے اس کتاب میں بابیوں کے باب میں نہایت اہم اور فوق العادت معلومات ملتے ہیں—

پروفیسر براؤن مرحوم نے (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) بابیوں کے وقائع کو' گوبیلو کی تحقیقات کے بعد سے شروع کیا ہے اور اُن اختلافات کو جو باب کے بعد اُن میں رونما ہوے' بازلی' بہائی' ناقضین' اور ثابتین' کی اقسام اور ان کی مخاصمتوں کے بیان اور ایک دوسرے کے فرق و اختلات اور دول ایران و ترکی سے

اُن کے مراسم و روابط وغیرہ کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور گوبینو کی تحقیقات کو جو قیمتی اور اہم ہونے کے با وجود، بڑی حد تک ناقص اور نا مکمل تھی، نہایت اچھے طریقے پر پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا ہے اور اس طرح اس جدید مذہب کے ۷۰ سالہ واقعات کو اُس کے ظہور (سنہ ۱۲۶۰ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک) بے کم و کاست تشریح و تکمیل کے ساتھہ دنیا کی نظروں کے سامنے رکھدیا ہے اور اس فرسودہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرکے عالم تاریخ کو ابدالاباد تک کے لئے اپنا رہین منت کرلیا ہے—

بابی مذہب سے متعلق مرحوم کی تالیفات، جن میں سے ہر ایک حقیقت میں بجائے خود ایک شاہکار ہے، حسب ذیل ہیں—

(۱) "ترجمۂ مقالۂ سیاح" تالیف عباس آفندی معروف بہ عبدالبہا، بہت مفصل اور مبسوط حواشی کے ساتھہ (سنہ ۱۸۹۱ - ۵۰۲ صفحات)—

(۲) "ترجمہ تاریخ جدید" تالیف میرزا حسین ہمدانی۔ مع حواشی (سنہ ۱۸۹۳ع - ۵۳۷ صفحات)—

(۳) "بعض اسناد دربارۂ مذہب بابیہ" (سنہ ۱۹۱۸ع - ۴۰۴ صفحات) —

ان کے علاوہ دو بابی کتابیں بجنسہ فارسی میں شائع کی ہیں۔ پہلی یہی "مقالۂ سیاح" جس کا ذکر اوپر آچکا ہے (سنہ ۱۸۹۱ع - ۲۱۱ صفحات) اور دوسری "نقطۃ الکاف" تالیف حاجی میرزا جانی کاشانی۔ جو قدماء بابیہ اور باب کے معاصرین میں سے تھا (سنہ ۱۹۱۰ع - ۴۷۰ صفحات) اس قسم کے معلومات سے جن لوگوں کو دلچسپی ہو، اُنھیں "نقطۃ الکاف" کا مقدمہ پڑھنا چاہئیے جو ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس موضوع پر مستقل ایک تصنیف معلوم ہوتا ہے—

پروفیسر براؤن کی اِن کتابوں نے، بابی موضوع پر، صحت معلومات کے لحاظ سے جن کو اسناد و وثائق اور اس گروہ کے پیشواؤں کے خطوط نے چار چاند لگادئیے ہیں، یورپ میں اس درجے اہمیت حاصل کی ہے اور اُن پر علما کو اس قدر

اعتماد و رثوق ہے کہ ان کتابوں نے پروفیسر براؤن کے علمی پایہ کو، یورپ کے علماء فن‌تحقیق‌ادیان‌ومذاہب میں، اول درجے پر پہنچا دیا ہے، اس موضوع پر اُن کے اقوال، بالاجماع سند مانے جاتے ہیں، اُن کی تالیفات، اس فن کی اصولی اور بنیادی کتابیں شمار کی جاتی ہیں - خاتمۂ سخن کے طور پر کہا جا سکتا ہےکہ اگر حسن اتفاق، ان دو مغربی ہستیوں (گوبینو اور براؤن) کی تلاش و فکر کواس ڈگرپر نہ ڈال دیتا اور اُن کی یہ قیمتی اور قابل‌قدر کتابیں وجود میں نہ آتیں تو اس گروہ کا تمام تاریخی سرمایہ، غارت ہوگیا ہوتا اور اُن کی آنے والی نسل بلکہ خود اُن کے معاصرین کے لئے بھی کوئی تاریخی اطلاع ملنی دشوار ہوتی-کیوں کہ اس مذہب کے مختلف فرقوں کے مناقشات، باہمی تعصبات کا ہجوم، ایک دوسرے کی نسبت اکاذیب و اباطیل کے طومار، ایک دوسرے کے ہاتوں ہر فرقہ کی کتابوں کا اتلاف، باہمی، تاریخی وقائع کو مسخ کرنے کی کوششیں، اور فریقین کا ایک دوسرے کے معاملات میں تجاہل عارفانہ یا انگریزی اصطلاح میں "اجماع سکوتی"* (Complot de silence) (جو بابیوں کے تفریق و تقسیم کی ابتدا سے ان فرقوں میں ہمیشہ واقع ہوتے رہے، ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں‌گے) یہ ایسے اسباب تھے کہ ان کی ہنگامہ آفرینیوں میں اصل مطلب کبھی کا "غت ربود" ہوجاتا اور ہمیشہ ہمیشہ کےلئے پردۂ عدم میں چھپ جاتا! —

واضح رہے کہ اس گروہ کے حالات و واقعات کو، بالخصوص یورپ میں، صرف

---

* مرحوم اس قسم کے مکر و تلبیس، اور تجاہل عارفانہ کی بہت مزیدار اور ایسی دلچسپ مثالیں سناتے تھے کہ انسان مبہوت رہ جاتا تھا - افسوس ہے کہ یہاں چلد مثالیں دینے کی بھی گنجائش نہیں، جو "ارباب مذاہب کی روحی کیفیت" کی آئینہ دار ہوتیں اور معلوم ہوجاتا کہ متدینین کی وہ جماعت، جس کے مذہب میں تمام امور عادیہ، انتہائی ورع و تقویٰ کی شکل میں ہوتے ہیں، بااین ادعا، صریحی جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتی، یہ کچھ بابی مذہب ہی پر موقوف نہیں بلکہ جملہ مذاہب میں حلال سمجھی گئی ہے- اور فن فلسفۂ مذاہب و ادیان کی ایک شاخ یہ "نفسیات" بھی ہے—

فن تحقیق ادیان و مذاہب، اور مطلق فن تاریخ کے نقطۂ نظر سے اهمیت دی جاتی هے اور بس! ورنه اصل بابی مذهب ' فی حد ذاته' اور فلسفۂ مذهب و نهضت فکری کے لحاظ سے یورپ والوں کی نظر میں چنداں اهمیت نهیں رکھتا اور اُن کے عقیدے میں چند احمقانه تخیلات سے زیادہ قابل وقعت نهیں —

اب هم مرحوم کے عام حالات و سوانح پر ایک اجمالی نظر ڈالتے هیں :—

اگرچه که اس دنیا میں خوش نصیب هونا ایک موهوم چیز هے' اور خارج میں اس کا وجود نهیں ' لیکن اس مختصر سی زندگی میں کسی شخص کے لئے کوئی اضافی اور نسبی سعادت فرض کی جا سکتی هے تو هم کهه سکتے هیں که وہ اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب تھے' اور اکثر و بیشتر سعادتیں اور مسرتیں اُن کی ذات میں موجود تھیں' اول یه که مزاج صحیح اور قوی تندرست تھے' اور اگر اُن کی بیوی کی نا وقت موت کا مهلک صدمه نه پهنچتا تو ابھی ۳۰ - ۴۰ سال اور زندہ رهتے' دوسرے یه که ذاتی طور پر متمول اور باثروت تھے' اگر کیمبرج کی پروفیسری کی خدمات متعلق نه هوتیں توبھی بهت آرام سے زندگی بسر کر سکتے تھے - تیسرے یه که اُن کی زندگی مصروفیت کی سادہ زندگی تھی' رنگین مزاجی یا عیاشی کو اس میں مطلقاً دخل نه تھا - علاوہ بریں جس مشغلے کو اُنهوں نے اپنی مدت‌العمر کے لئے ' منتخب کرلیا تھا وہ ایسا نه تھا که اُن کے خلاف مزاج هو اور محض کسب معاش کے لئے گوارا کیا گیا هو' بلکه وہ اُن کی انتهائی آرزؤں اور تمناؤں کا مرکز اور اُن کے ذوق طبیعت کے عین مطابق تھا- یعنی ادبیات السنۂ اسلامی' اور خصوصاً ادبیات فارسی کا مشغله! مگر عربی و ترکی سے اُن کا شغف ' تفنن کے طور پر تھا اور فارسی سے حقیقی ' بنیادی اور مستقل طور پر جیسا که فارسی ادبیات سے ظاهر هوتا هے- چونکه ذاتی طور پر (جیسا که لکھا جا چکا هے) متمول تھے ' اس لئے اس سلسلے میں ' اپنی انتهائی خواهشوں کے مطابق ' قسم قسم کی نادر اور نفیس قلمی کتابوں کے حصول' اور حسب دلخواہ طباعت و اشاعت کے لئے (اگر ضرورت هو'

(سنہ ۱۹۱۳ع میں پمبروک کالج (کمبرج) باغ میں !)

(۱) بیگم براؤن (۲) پروفیسر براؤن (۳) حسین قلی خاں نواب
(۴) حقی پاشا صدر اعظم ترکی (۵) مدیر پمبروک کالج
(۶) علی رضا بک پروفیسر ترکی

ورنہ حالت یہ تھی کہ کتب فروش منتیں کرکے لےجاتے تھے) اُن کو کوئی دقت نہ ہوتی تھی - ان معاملات میں چونکہ ان‌کو انتہائی لذت و مسرت حاصل ہوتی تھی اس لئے وہ پانی کی طرح روپیہ بہانے میں ' زرا توقف نہیں کرتے تھے اور جس چیز کو ان کا دل چاھتا تھا اُس کے حصول میں ان کو کوئی سالی دقت نہ ہوتی تھی —

اُن کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ " تاریخ ادبیات ایران " کو (جو اُن کی ہی نہیں ساری دنیا کی نظروں میں اُن‌کا اہم‌ترین کارنامہ تھی) کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی میں مکمل کرلیں ' اور موت کا ناگہانی حملہ اسکو ناتمام نہ رکھے - اُن کی ساری زندگی کا مطمح نظر ' اور واحد شغل یہی تھا اور وہ سب سے زیادہ اسی کو اہمیت دیتے - اور اس کام کو اصل اور دوسرے کاموں کو اس‌کے فروع خیال کرتےتھے—— چونکہ انسانی خوش نصیبیوں میں‌سےایک خوش نصیبی اور بڑی خوش نصیبی ' اُمید برآنا بھی ہے ' اور مقدر ہو چکا تھاکہ مرحوم ہرلحاظ سے اس دنیا میں ' عاش‌سعیداً و مات‌حمیداً کے مصداق ہوں ' اسی لئے اللہ‌تعالیٰ اور اتفاقات زمانہ‌نے اُن‌کو اس خوش نصیبی سے بھی محروم نہیں رکھا - اور یہ شاندار تصنیف جس کی مدت تالیف تقریباً تیس سال * بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے ' ان‌کی آرزو کے مطابق ' اُن کی زندگی میں تکمیل کو پہنچ گئی - عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب کی آخری جلد اُن کے انتقال سے صرف ڈیڑھ سال پہلے شائع ہوئی‌تھی ' گویا اللہ نے اُن کو اسی مدت تک کہ لئے زندہ رکھا تھا کہ وہ اپنا اہم فرض بجالائیں

---

* اس کتاب کی پہلی اور اخیر جلد کے مابین ۲۲ - سال کا فاصلہ ہے (۱۹۰۲ع - ۱۹۲۴ع) اس حساب سے ایک ایک جلد آٹھ آٹھ سال میں مرتب ہوئی ہے ' جن‌کی مجموعی مدت ۲۴ سال ہوتی ہے مگر چونکہ پہلی جلد کی تالیف کی مدت معلوم نہیں اس لئے صرف ۶ سال شمار کئے گئے ہیں جس سے کم وقت یقیناً صرف نہیں ہوا ہوگا - خود مرحوم نے اخیر جلد کے مقدمہ میں لکھا ہے" اس کتاب کی تالیف عمربھر (آغازجوانی سے جب فارسی شروع کی ۱۹۲۴ع تک) کی محنت کانتیجہ ہے" —

اور پھر واپس چلے آئیں —

سعادت بشری کے اسباب میں ، ایک محبت یا عشق بھی ھے ، خدا نے اُن کےلئے یہ ساماں فراھم کردیا اور سنہ۱۳۲۴ھ (سنہ ۱۹۰۶ ء) میں ، مرحوم نے کیمبرج کے ایک شریف خاندان کی لڑکي سے (جس سے برسون سے محبت تھی) نکاح کرلیا یہاں پہنچ کر اُن کی خوش نصیبی ھر طرح مکمل ھوگئی ، اور ان کا وجود ، خوشی و مسرت سے لبریز ھوگیا - مرحوم ، اپنی بیوی کی محبت کا حال ، ھر جگہ اور ھر شخص سے کہتے اور لکھتے تھے ، یہ محبت یک طرفہ نہ تھی ، بلکہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بےانتہا محبت بلکہ پرستش کرتے تھے —

مرحوم کی خاص صفات میں سے ایک عجیب و غریب صفت یہ تھي کہ وہ کبھی تھکتے نہ تھے ، گویا قدرت نے ، اُن کی فطرت میں ، خستگی کا احساس ھی نہیں رکھا تھا کیسا ھی مستعد اور محنتی نوجوان ھوتا ، اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا - جو شخص کچھہ دنوں ، اُن کے ساتھہ کام کرتا اور اُن کی لگا تار محنت کو دیکھتا تو ، باوجود اس کے کہ وہ خود بھی بہت محنتی ھوتا تھا پھر بھی شرمندہ ھو جا تا تھا ، عام طور پر مرحوم رات کے ایک بجے تک کام کرتے تھے ، صبح کے متعلق معلوم نہیں ، کس وقت اُٹھتے تھے ، مگر اس سے اندازہ ھوسکتا ھے کہ ۸ بجے ڈاڑھی ، غسل اور ناشتے سے فارغ ھوکر کام میں مشغول ھوجاتے تھے ، میں نہیں سمجھہ سکتا ، آدمی کتنا ھی سالم المزاج اور اچھے قویٰ کا ھو ، اور کیساھی محنتی ھو مگر اس قدر کام کس طرح کر سکتا ھے ؟ اتنی کتابیں لکھنا اور اس قدر یادگاریں چھوڑنا معمولی بات نہیں! میں نہیں جان سکا کہ یہ افراط کار ، اُن کے قویٰ کی تندرستی اور طاقت کا نتیجہ تھی کہ وہ مشین کی طرح دماغی کاموں سے تھکتے نہ تھے ، یا اُن کے مشاغل شبانہ روزی ، کی ترتیب کا اثر تھی ! بہر صورت ، اُن کی تالیفات کی فہرست پر (جو انہوں نے انتقال سے ایک سال پہلے خود ، ایک رسالہ کی شکل میں شائع کي تھی) ایک نظر ڈال لینا کافی ھوگا جس کو دیکھکر انسان حیران رہ جاتاھے —

ان کی بڑی کتابیں جو خواہ مستقل تالیف ہوں خواہ فارسی کے تراجم ــــ ۱۸ ہیں - اس حساب میں "تاریخ ادبیات ایران" کی چاروں جلدیں، چار کتابیں شمار کی گئی ہیں، کیونکہ مرحوم نے اپنی مرتب کردہ فہرست میں بھی ایسا ہی کیا ہے، اس لئے کہ یہ جلدیں علیحدہ علیحدہ فروخت ہوتی ہیں - متوسط اور مختصر رسالوں کی تعداد ۳۲ ہے* ــ

وہ دیباچے، جو دوسرے لوگوں کی مرتب کردہ فارسی عربی کتابوں پر انگریزی میں لکھے ۱۳ ہیں ــ

ان تالیفات و اشاعات کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹ ہزار ۳ سو سے زیادہ ہوتی ہے، حساب حسب ذیل ہے ــ

بڑی کتابیں	۱۸	۷۰۰۰ صفحات
چھوٹے بڑے رسالے	۳۲	۱۷۵۳ صفحات
دیباچے	۱۳	۵۶۵ صفحات
	کل	۹۳۱۸ صفحات

نو ہزار تین سو اٹھارہ صفحے! جو بغیر کسی کی امداد کے، تمام تر اُن کے قلمی آثار ہیں - کیونکہ مرحوم کی عادت تھی کہ مسودہ، نقل، کاپیاں اور پروف سب کچھ خود پڑھتے تھے اور ان کاموں میں کسی شخص پر اعتماد نہیں کرتے تھے - کسی کتاب سے نقل کرنے سے زیادہ غیر دماغی کام کیا ہو سکتا ہے، مگر وہ اس کو

---

* خود پروفیسر براؤن نے اپنی تالیفات کی فہرست (مطبوعہ سنہ ۱۳۴۲) میں رسائل کی تعداد ۲۵ لکھی ہے - اُن کے علاوہ ۷ رسالوں کو، جو اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہیں، اس میں شامل نہیں کیا ہے - اول تو یہی فہرست ہے دوسرے "تجارب السلف" کی تعریف میں ایک رسالہ ہے جو اس فہرست کے بعد تالیف ہوا ہے - باقی ۵ رسالے ہیں یہ زیادہ تر سیاسی ہیں: معلوم نہیں کیوں ان کو فہرست تالیف میں شامل نہیں کیا گیا؟ــ

بھی خود انجام دیتے تھے؛ صرف اخیر کے چند سالوں میں اُن کی کتابوں کی کاپیوں کی تصحیح میں اُن کی مرحوم بیوی کسی قدر امداد کرنے لگی تھیں اور چونکہ مدتوں کے بعد اپنے شوہر کے مذاق کو سمجھنے میں کامیاب ہوئی تھیں اس لئے وہی اس سے عہدہ برا بھی ہو سکتی تھیں—

اوپر بتلایا جا چکا ھے کہ مرحوم کے وہ سیاسی مضامین جو ۸ - ۹ سال کی طویل مدت، جنگ عظیم کے آغاز تک، انگریزی جوائد و رسائل میں شائع ہوتے رھے ھیں، چونکہ ان کا حساب مجھہ سے ممکن نہیں اس لئے انھیں، صفحات کے حساب میں شمار نہیں کیا گیا ھے - اب رھیں وہ فارسی کتابیں جن کو مرحوم نے تصحیح کرکے شائع کیا——جو لوگ کہ اس قسم کا کام کر چکے ھیں وہ بخوبی جانتے ھیں کہ اس طرز کی تصحیحات اور انتقادی مطبوعات، اگر تصنیف سے زیادہ دقت طلب نہوں تو کچھہ کم بھی نہیں ہوتیں، بھر کیف یہ دو ھیں - ایک "تذکرۃ الشعرا" دولت شاہ سمرقندی (۶۴۸ صفحات) دوسری "لباب الالباب" محمد عوفی کی دوسری جلد (۵۴۸ صفحات) اس کتاب کی پہلی جلد کی تصحیح، چونکہ راقم الحروف نے کی تھی اس لئے وہ حساب میں داخل نہیں کی گئی - اسی طرح "مقالۂ سیاح" اور "تاریخ گزیدہ" کے متن، جو عکسی شائع کئے گئے ھیں اور ان میں تصحیح نہیں کی گئی ھے - ایک "نقطۃ الکاف" ھے جو اُن کے ایک دوست کی تصحیح اور اھتمام کی شرمندۂ احسان ھے مگر ان دوست نے اصرار کیا تھا کہ اصل مصحح کا نام نہ ظاھر کیا جاے اور یہ مرحوم ھی کے نام سے شائع کی جاے - اسی طرح وہ کتابیں جو اُن کے شاگردوں یا دوستوں کی تصحیح سے طبع ہوئیں اور مرحوم نے معرفی کے طور پر انگریزی میں ایک دیباچہ لکھدیا - اس قسم کی کتابیں بھی حساب میں شمار نہیں کی گئی ھیں کیونکہ ان کی تصحیح و طباعت سے مرحوم کو مطلقاً سر و کار نہ تھا - سواے اس کے کہ آثار قدیمۂ ایران کے احیا کے شوق میں، ان میں سے اکثر کے اخراجات طبع خود برداشت کئے یا "گب کے اوقات خیر" میں سے،

(جس کے وہ صدر امین تھے) دلوا دئے۔

مرحوم کے خصوصیات میں ان کا عجیب اور فوق العادت حافظہ بھی تھا۔ یونانی، لاطینی اور یورپ کی دوسری مشہور زبانوں، جرمن، فرنچ، کے علاوہ (جن سے ہر ایک تربیت یافتہ یورپین تھوڑا بہت واقف ہوتا ہے) تین مشرقی اسلامی زبانوں، یعنی فارسی، عربی اور ترکی، نہایت اچھی طرح جانتے تھے اور یورپ کے بیشتر مستشرقین کی طرح، صرف، علماً ہی نہیں، بلکہ عملاً بھی، وہ تینوں زبانیں، نہایت اچھی طرح بولتے اور لکھتے تھے - ایک مرتبہ کا ذکر ہے، راقم الحروف، مرحوم کے ہاں مہمان تھا، اتفاق سے وہاں ایک مصری عرب اور ایک اسلامبولی ترک بھی موجود تھا - میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ وہ اُسی کی زبان میں کمال صحت و روانی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے - حاضرین میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ وہ بس اُسی کی زبان میں مہارت رکھتے ہیں مگر جب اس اتفاقی اجتماع میں ان کو بولتے سنا تو سب کو تعجب ہوا کہ وہ تمام زبانوں میں تقریباً برابر ملکہ رکھتے ہیں، "تقریباً" میں نے اس لئے کہا کہ ترکی و عربی کو اچھی طرح جاننے کے با وجود، فارسی زبان میں، ان کی مہارت بہت ہی زیادہ اچھی تھی، کیونکہ ایرانیوں کے ساتھ مدتوں کی صحبتوں، اور ایک سالہ قیام ایران کی وجہ سے اُن کی فارسی —— عربی اور ترکی کی بہ نسبت، اُن کی مادری زبان کے برابر ہو گئی تھی—

اُن کو ان تینوں زبانوں کے اس قدر اشعار، امثال اور مختصر کلمات حفظ تھے اور اُن کو وہ اس کثرت سے گفتگو اور خط و کتابت میں استعمال کرتے تھے کہ بہت کم ترک، عرب اور ایرانی اُن کو پہنچ سکتے ہیں - صحبت اور خط و کتابت میں یہ نکتہ سنجیاں اور مناسب مضامین کا استعمال بہت لطف دیتا تھا - وہ ان نکات کے اس درجہ دلدادہ تھے کہ اپنی انگریزی تحریروں میں بھی، ان مشرقی امثال کا استعمال کر جاتے تھے—

مختلف زبانوں کی کتابوں کے مطالعے کی کثرت ' نیز سیر و سفر' اور مختلف قوموں کے علما و فضلا کی صحبت کی وجہ سے' بیسیوں نادر اور نہایت دلکش قصے کہانیاں اُن کو یاد تھیں جو موقعہ پر اس طرح سناتے تھے کہ سننے والا نہایت محظوظ ہوتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ صحبت ختم نہو' اور وہ اُن کی باتیں سنے جاے ' جاتے وقت وہ نہایت حسرت سے الوداع کہکر اور با دل ناخواستہ رخصت ہوتا تھا - اصل بات یہ ھے کہ ایسے شیریں اور جذاب قصہ کہانیوں کے لئے ' مرحوم کا ذوق خاص طور پر موزوں تھا اور اُن کی طبیعت ' اس سلسلے میں بہت تیز واقع ہوئی تھی - جس کتاب یا تاریخ میں وہ ایسی چیزوں کا مطالعہ کرتے ' اُن کی طبیعت کچھہ ایسی واقع ہوئی تھی کہ وہ غیر ارادی طور پر' اُس کے لطیف و نفیس ترین حصوں کو اخذ کرلیتی اور فضول اور بے نتیجہ حصوں کو بھول جاتی تھی' اسی مذاق نے اُن‌کی تالیفات میں ایک بہترین وصف یہ پیدا کردیا ھے کہ ھرایک شاعر' ادیب ' یا حکیم کے حالات' یا ھر ایک عہد کے تاریخی واقعات کے سلسلے میں اسی قسم کے نفیس ' اور مزیدار' قصے ' کہانیاں' حوادث ' نادر لطیفے اور مضامین بیان کرتے ھیں اور معمولی قصہ کہانیوں کو (جو تاریخی نقطۂ نظر سے اھم ھی کیوں نہوں) حذف کردیتے ھیں - یورپ میں اُن کی تصنیفات کی شہرت اور مقبولیت کا بڑا سبب یہی ھے —

بعض واقعات کا ' (جن کا ان پر بہت عجیب اثر ھوا تھا اور جنھیں وہ بار بار دھراتے تھے) ذکر دلچسپی سے خالی نہ ھوگا - شاید اس قسم کا واقعہ ' بجاے خود اتنا عجیب نہو' مگر دو آدمیوں کے اختلاف مذاق کو دیکھتے ھوے (جو اس واقعہ سے تعلق رکھتے ھیں مثلاً ایک تو خود وہ اور دوسرا کوئی ایرانی ' عرب ' یا ترک) اُن کو بہت عجیب معلوم ھوتا تھا - اور اس نقطۂ نظر سے دیکھا جاے تو حقیقتاً اس کی دل کشی میں کوئی شک نہیں —

مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے قسطنطنیہ کے ایک ایرانی کو لکھا

که قسطنطنیه کے فلاں کتب خانے کی کتاب کی نقل کرکے مجھے بھجوادو ــــــ اتفاق کی بات بعد ازاں مجھے خیال نہ رہا اور کچھہ ضرورت بھی نہ رہی ! ایک مدت کے بعد اس ایرانی نے مجھے اس کتاب کی نقل بھیجی - میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اس کا معاوضہ کیا ارسال کیا جاے ؟ اس نے مجھے جواب دیا تو اس میں ' سرنامہ پر خط نسخ میں جلی قلم سے یہ آیت لکھی تھی " قل لا اسألکم علیه اجراً ان هو الا ذکری للعالمین" اس کے بعد مفصل طور پر لکھا تھا کہ میں نے یہ خدمت' محض تمھارے اخلاص و علم کی خاطر کی ھے نہ کہ اُجرت کے لئے! میں تم سے کسی اُجرت کی توقع نہیں رکھتا "ــ

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " مجھے تعجب ھوا کہ یہ شخص کیوں اپنی محنت کی اُجرت نہیں لیتا؟ کیوں کہ ھم انگریزوں کے لئے یہ فطری چیز ھے کہ جو شخص کام کرتا ھے اس کے لئے اُجرت لازمی چیز ھے ' بہت کم ایسا ھوتا ھے کہ کوئی مفت کسی کا کام کردے ' کسی کا اخلاص اور علم کی خدمت' اُجرت لینے کو کوئی منع نہیں کرتا' غرض کہ میں نے چاھا کہ اُس کو دوبارہ لکھوں اور اُجرت لینے پر اصرار کروں مگر جب دوبارہ اُس قرانی آیت پر (جو جلی قلم سے لکھی ھوئی تھی) نظر پڑی تو میں نے اُس کی سچائی کو غلط نہ سمجھا اور سوچا کہ میں نے اس پر کچھہ احسان نہیں کیا ھے اور نہ اُس کا کوئی کام انجام دیا ھے جس کے شکریہ کے طور پر وہ مجھہ سے اجرت نہیں چاھتا ' پس اس کے اُجرت نہ لینے کا سبب ' میری محبت اور علم کی خدمت کے سوا (جیساکہ اس نے خود لکھا ھے). اور کچھہ نہیں ھے! خصوصاً اس لئے بھی کہ وہ ایک مسلمان ھے اور اس نے ایک قرآنی آیت سے استشہاد کیا ھےــ

وہ کہتے تھے کہ "میں ڈرا کہ اگر اُجرت کے لئے لکھوں تو وہ کہیں اسے قرآنی آیت کی توھین نہ خیال کرلے ' چنانچہ میں نے اُس کو خط لکھا تو اُجرت کے بارے میں ایک حرف نہ لکھا اور دوسرے امور کے ذکر پر بس کردیا - اس کے دو تین ماہ بعد

مجھے میرے ایک ایرانی دوست (مقیم قسطنطنیہ) کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ " فلاں شخص تمہاری شکایت کرتا ہے کہ اُس نے تمہارے لئے فلاں کتاب نقل کی مگر تم نے اُس کو اُجرت نہیں ادا کی " —

مرحوم کہتے تھے "مجھے یہ دیکھکر اس قدر تعجب ہوا کہ میں کچھہ کہہ نہیں سکتا، میں نے فوراً اتنا روپیہ (جو میرے خیال میں اُس کی کافی اجرت تھی) اس دوست کے توسط سے روانہ کردیا اور اُس کو لکھا کہ " آقا! تم نے جو اپنے خط میں جلی آیت کریمہ لکھی تھی کہ میں اُجرت نہیں چاہتا ! میں نے اس پر یقین کرلیا ! میں کیا جانتا تھا کہ تم اپنی صریحی انکار کے جو قرآنی آیت سے موکد تھا خلاف کروگے " ! —

مرحوم پروفیسر ، اس واقعہ کو اُس ایرانی کی عیب جوئی کے لئے نہیں بیان کرتے تھے، حاشا و کلا، بلکہصرت اور صرت،تعجب و حیرت کی وجہ سے کہ آخر اُس شخص کے انتہائی تناقص کا کیا مطلب تھا ؟—

ایرانیوں کے لئے ، جو اس قسم کے تکلفات کے عادی ہیں ، اس ایرانی کا طرز عمل، طاقاً تعجب خیزنہ ہوگا اور یقیناً اگر مرحوم براؤن کی جگہ کوئی ایرانی ہوتا تو اُس شخص کے اصرار اور آیت شریفہ کے باوجود، بہت جلد اُسے ، اس کا حاصل مطلب یعنی روپیہ ارسال کر دیتا - مگر چونکہ مرحوم ان تکلفات کے عادی نہ تھے اس لئے یہ معمولی سا واقعہ ، اُن کی نظروں میں بہت عجیب معلوم ہوا —

اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کرتے تھے ایک مرتبہ میں جامع ازہر (مصر) کے ایک عالم کے ساتھہ ، جو ادیب، نحوي ، اور لغوی ، مشہور تھا ، بیٹھا تھا - میں اس کا نام بھول گیا ہوں - کلمۂ " زندیق " پر گفتگو چھڑ گئی ، جس کو لغت کی کتابوں میں " اشتقاقات بے بنیاد " میں شمار کیاگیا ہے مثلاً کہتے ہیں کے یہ"زن‌دین" کا معرب ہے ، یعنی " صاحب دین زنانہ "—

مرحوم کہتے تھے کہ میں نے اس عالم شخص سے کہا کہ پروفیسر

بوان* (A . A . Bevan) کی تحقیقات کے مطابق " زندیق" " آرامی الاصل † " ہے۔اس کی اصل صدیق ہے۔صدیق مانو یہ اصطلاح میں صاحب کتاب الفہرست‡ اور ابوریحان البیرونی (صاحب الآثارالباقیہ $) کی شہادت پر ' اُن کے مذہبی مدارج خمسہ کا ایک درجہ ہے - ان درجوں کی ترتیب (اوپر سے نیچے) اسطرح ہے :—

معلمین ' مشمسین ' قسیسین ' صدیقین ' سماعین (میم پر تشدید ہے)

بظاہر کلمۂ صدیق ' فارسی میں آکر زندیق ہو گیا ہے ' اسکی پہلی دال نون سے بدل گئی ہے ' جیسے فارسی کلمہ "شنبہ " جس کی قدیم شکل " شنبہ" تھی - اور یہ " شنبہ " عربی لفظ " شبت " کا مفرس ہے (بہ تشدید ' ب ' جو عربی نسبت سے ہے) زندیق فارسی کے ذریعہ عربی میں داخل ہوا ہے نہ کہ اصل آرامی سے ! عربوں کے نزدیک اس کا اطلاق عام مانویوں پر ہوتا تھا چاہے وہ اس درجے سے متعلق ہوں یا نہوں! بعد میں بتدریج مطلق ملحد اور بے دین کے معنی میں (جو اس کا فعلی مفہوم ہے) استعمال ہونے لگا! "—

مرحوم براؤن کہتے تھے کہ " جب میں اپنی بات ختم کرچکا تو وہ عالم خوب قہقہے لگاکر حاضرین سے بولا " دیکھو! فرنگیوں نے کیسی مزخرفات' اختراع کی ہیں؟ کہتے ہیں کہ زندیق صدیق سے نکلا ہے ! " یہ سنکر حاضرین بھی ہنسنے لگے اور میں بہت پشیمان ہوا —

---

* ایک ہمعصر انگریز مستشرق —

† Arameen آرامی ایک کلمہ ہے جس کا اطلاق اُن تمام اقوام وقبائل پر (جو عراق و بین النہرین میں اسلام سے پہلے سکونت رکھتے تھے) اور اسی طرح اُن کی زبانوں پر (جن کی دوشاخیں سریانی ' اور قبطی بھی ہیں) ہوتا ہے - قدیم مورخین اور مسعودی نے اُن کو ارمانیین سے تعبیر کیا ہے —

‡ کتاب الفہرست صفحہ ۳۳۳

$ آلاثا را لباقیہ صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸

مستشرقین یورپ اور علماے اسلام کے اختلاف مذاق کی یہ ایک بہت اچھی مثال ہے، مستشرقین یورپ، مختلف السنۂ عالم پر عبور رکھنے کی وجہ سے (جو ان کی تعلیم و تعلم کی بنیاد ہے) اصول لغات اور الفاظ و کلمات کی تحقیق، زبانوں کے متحدالوضع الفاظ اور اُن کے حقیقی اشتقاقات کی توجیہ اور تصحیف شدہ تاریخی یا جغرافیائی اسماء کا کھوج نکالنے میں (جو ہزاروں برس سے ہماری کتابوں میں جوں کے توں غلط سلط اور محرف و ممسوخ چلے آرہے ہیں اور کوئی شخص آج تک السنۂ اصلی کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے اُن کی تصحیح پر قادر نہیں ہو سکا ہے) کامل مہارت اور فوق العادت دسترس رکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اُن کی اُن مخصوص فضیلتوں میں سے ہے جن کی گرد کو بھی اہل مشرق نہیں پا سکتے—

علماء مذہب اسلام، چونکہ عربی کے سوا، (جو اُن کے لئے اشرف اللغات، اور ان کے علم و ادب اور ہر ایک چیز کی بنیاد ہے) کسی دوسری زبان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے وہ ان فضیلتوں سے محروم رہتے ہیں اور صنعت اشتقاق اور اُس کے اصول کے ذریعے، لغات کی تاریخی سرگذشت، اور رد الفاظ، اور اس قسم کی باتیں اُن کے نزدیک، ناقابل اعتنا ہیں۔ بھولے سے اگر کبھی علماے لغت کسی اشتقاق کا ذکر، بالخصوص خارجی الفاظ کے بارے میں کرتے ہیں تو وہ نہایت مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ خارجی الفاظ کے بارے میں با وجود اس کے کہ خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ خارجی ہے اور معرب ہے مگر پھر اُن کے اشتقاقات کی توجیہ عربی الفاظ سے کرتے ہیں! مثلاً فرماتے ہیں کہ: اسطرلاب "سطرہ لاب" سے ماخوذ ہے یعنی "لاب نے اس کو لکھا" (اُن کے زعم میں "لاب" اس آلہ کے موجد کا نام ہے!) —

ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

'الفیوم' مصر کا مشہور شہر ہے۔ یہ 'الف یوم' سے مرکب ہے، کیونکہ فرعون نے اس کو ایک ہزار دن میں تیار کرایا تھا—

چند اور مثالیں!

"طلسم" عربی لفظ "مسلط" کا مقلوب ھے!!

"شطرنج" عربی "شطر" سے مشتق ھے کیونکہ "شطر" یعنی "اجزاے مختلفہ" رکھتی ھے—

الغرض لغات کی کتابیں، ایسی ھزاروں مثالوں سے بھری پڑی ھیں مگر ان کے باوجود کہنا پڑتا ھے کہ علماے اسلام چونکہ اپنی زبان (عربی) سے خاص تعلق رکھتے ھیں اور ساری عمر ایک ھی زبان پر صرف کردیتے ھیں اور اس زبان کے صرف و نحو اور لغت وغیرہ میں مہارت رکھتے ھیں اس لئے اکثر اُن فاحش غلطیوں سے محفوظ رھتے ھیں جو مستشرقین یورپ سے کسی مشرقی کتاب کی ترتیب و تصحیح میں سرزد ھو جاتی ھیں - نحو، لغت، ادب اور شاعری کی وہ اھم کتابیں جو مصر کے علماے متبحر کے زیر اھتمام مصر سے شائع ھوئی ھیں مثلاً لسان العرب، تاج العروس، مخصص ابن سیرہ، آغانی اور تفسیر طبری! اُن کی صحت و تصحیح کے شاھکاروں میں ھیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی یورپی مستشرق (خواہ وہ کیسا ھی عالم و فاضل کیوں نہو) اس قسم کی اھم اسلامی کتابوں کی اشاعت سے عہدہ برا ھو سکتا ھے! میری نظر سے بہت سی ایسی عربی، فارسی اور ترکی کی کتابیں گزری ھیں، جو یورپ سے شائع ھوئی ھیں اور اُن کے متن بلحاظ صحت و مطابقت قواعد صرف و نحو و لغت، بہت خراب اور اغلاط فاحشہ سے لبریز ھیں اور ان کے اشعار اکثر "لنگڑے لنجے" اور ناموزوں ھیں- الغرض علماے اسلام کے مقابلے میں مستشرقین یورپ میں یہی نمایاں ترین کمزوری ھے اور محض اس لئے ھے کہ جب ایک شخص اپنے اوقات کو اس قدر مختلف زبانوں اور فنوں کی تحصیل میں صرف کرے گا تو یقیناً اُس شخص کے مقابلے میں (جو اپنی تمام عمر، صرف ایک زبان اور ایک فن پر وقف کردیتا ھے) کس طرح آسکتا ھے؟ یقینی ھے کہ ثانی الذکر کی مہارت اور گہرائی، اس کی (تنہا) زبان یا فن کے تمام شعبوں اور مسائل میں

اول الذکر سے زیادہ ہوگی' اگرچہ کہ اول الذکر کی معلومات کی رنگا رنگی اور اطلاعات کا پھیلاؤ' ثانی الذکر سے کہیں زیادہ ہوگا - نتیجہ یہ نکلا کہ تحصیل السنہ میں' ان دو مشرقی اور مغربی طریقوں میں سے کسی ایک کو اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا بلکہ ہر ایک میں ایسے معائب و محاسن "دست و گریباں" نظر آئیں گے جو دوسرے میں بھی ہوں گے!—

آمدم برسر مطلب: پروفیسر براؤن' السنۂ مشرقیہ کی مہارت اور مستشرقی حیثیت کی فضیلت کے علاوہ' انگریزی زبان کے بھی بہت اچھے انشا پرداز شمار ہوتے تھے' اُن کی کتابیں جس وقت طبع ہو کر آتی تھیں تو نہ صرف مستشرقین بلکہ عامۃ الناس بہت تیزی سے خریدتے تھے اور کتب فروش بڑی خوشامدوں کے ساتھ پہلے سے اخراجات طبع پیش کردیتے تھے اور خوب نفع اُٹھاتے تھے - اس لئے کہ مرحوم کا حقیقی مقصد ساری عمر یہی رہا کہ ایرانی علوم و ادبیات کو' عام یورپ والوں سے روشناس کریں! اور ان کو علما و ادبا کے محدود گروہ یا مستشرقین کے محدود ترین گروہ میں ہی "مقید" نہ رہنے دیں! یہی سبب ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنی تصنیفات و تالیفات کو خالص فنی اور علمی کتابوں کے تنگ دائرے میں محصور نہیں کرتے تھے اور علوم و فنون کی شکل اصطلاحات سے (جن کا سمجھنا بھی متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے جو ان فنون میں درک نہیں رکھتے' دشوار ہوتا ہے) اپنی کتابوں کو گرانبار نہیں کرتے تھے اور جرمن مستشرقین کے اُس کسالت انگیز طرز تالیف سے' (جس میں مخصوص اصطلاحات کی بھرمار اور رموز و اشارات و اختصارات کی کثرت' کتاب کو چیستاں بنا دیتی ہے اور جن کا سمجھنا عام لوگ تو کیا بہت سے علما و فضلا کے لئے بھی دوبھر ہوتا ہے) سخت نفرت اور پرہیز کرتے تھے - ہمیشہ کہتے تھے کہ "انسان کو چاہئے کہ اپنی محنت کے ثمرہ سے عام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے' اور علم کی زکواۃ کو' اس کے جائز مستحقین تک (جو عوام کا طبقہ ہے) پہنچائے ورنہ علما و فضلا تو خود دولت علم

سے مالا مال ھیں اور ھماری زکواۃ علم کے محتاج نہیں ھیں!"—

اُن کی تالیفات میں عام طور پر ان کا روے سخن علما کے ساتھہ ساتھہ طبقۂ متوسط سے بھی ھے! یورپ میں عموماً اور انگلستان میں خصوصاً اُن کی کتابوں کی شہرت کا ایک راز یہ بھی ھے—

انگریزی نثر کے اچھے ماھر ھونے کے علاوہ مرحوم شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ فارسی کے اکثر اشعار کا انگریزی اشعار میں ترجمہ کیا ھے اور خود انگریزوں کی راے میں بہت کامیابی اور مقبولیت حاصل کی ھے* —

مرحوم بہت مخیر اور فیاض تھے اور ھر ایک مذھب و قوم کے فقرا و محتاجین کی اعانت کرتے تھے، عام طور پر، جس طرح بھی ممکن ھوتا تھا، روپیہ پیسہ سے، یا جگہ تلاش کرنے یا سفارش کرنے اور کسی قسم کی امداد دینے میں، ذرا کوتاھی نہیں کرتے تھے! خصوصاً علما و فضلا کی کتابوں سے اعانت کرنے میں ضرب المثل تھے - جو کتاب بھی نئی طبع ھوتی تھی، خواہ وہ اُن کی تصنیف ھو، خواہ اُن کی نگرانی میں شائع ھوئی ھو، یا ان کے علاوہ کوئی اور کتاب جو مشرقیات سے متعلق ھو، ایک کثیر رقم صرف کرکے، یورپ کے مستشرقین اور مسلمان فضلا اور ایرانیوں کو (جن سے ان کی ملاقات تھی یا کوئی پتہ بتلاتا) بڑے شوق سے بھجواتے تھے اور ھمیشہ کہتے تھے کہ "کتابوں کی اشاعت کا صحیح مقصد یہ ھے کہ وہ اھل فضل اور ان کتابوں کے محتاجین تک پہنچیں" اس سے اُن کی طبیعت کے ذوق و احساس اور ادبی آثار و معنویات کی محبت کا بخوبی اندازہ ھو سکتا ھے - یہی ایک چیز تھی جس سے اُن کی طبیعت کو لگاؤ تھا اور تمام عمر اسی غرض و غایت کی رعایت میں گزار دی - یہی طبیعی میلان تھا جس نے (جیسا کہ ھم اوپر لکھہ آئے ھیں) اُن کے والد کی خواھش دربارۂ تحصیل طب سے بیزار کرکے اُن کو عمر بھر کے لئے ادبیات کے شغل میں مبتلا کردیا - اُن کے وجود کا سراپا، شعر و ذوقیات کا پروانہ تھا

---

* دیکھو ٹائمس (لندن) مورخہ ۶ جون سنہ ۱۹۲۶ع مرحوم کے حالات کے سلسلے میں-

اور اس معاملہ میں وہ تمام و کمال مجذوب اور از خود رفتہ تھے! ایرانی اور عرب شعرا کے اکثر شاہکار اور چیدہ چیدہ اشعار اُن کو ازبر تھے' دیوان حافظ (رح) تو شروع سے لے کر اخیر تک حفظ تھا' ایرانی شعرا کے اکثر بہترین اشعار کا (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) "تاریخ ادبیات ایران" میں انگریزی نثر میں اور اکثر کا شعروں میں ترجمہ کیا ہے! اس لحاظ سے اُنھوں نے یورپ میں ایرانی معنویات اور ایرانی روح کی لطافت کو بہت با وقار کردیا ہے اور روح ایران کی عظمت اور ایرانیوں کی دقت افکار و احساسات اور شعرا و حکما و علما و مفکرین کی اُن خدمات کو جو انھوں نے نوع بشر کی معنویات کی انجام دی ہیں' ان سب کو یورپ میں اپنی شیریں زبان اور سحر کار قلم سے پھیلا دیا ہے! خدائے تعالیٰ اُن کو ہم ایرانیوں کی طرف سے جزائے خیر دے—

حقیقت یہ ہے کہ یورپ والوں میں سے کوئی بھی ایرانیوں پر اس قدر حقوق نہیں رکھتا اور کیا اچھا ہوتا اگر ہماری انجمن آثار ملی' یا حکومت ایران' یا خود ایران' اُن کی جلیل القدر اور عظیم الشان خدمات کا پاس کرکے اُن کی یادگار کے طور پر' ایران میں ایک انجمن قایم کر دیتا جس کا مقصود (گِب اوقاف خیر' کی طرح جس کے مرحوم موسس اور صدر تھے) فارسی کی نفیس کتابیں شائع کرنا ہو۔ اس سے بہتر کوئی چیز اُن کی روح کو خوش نہیں کر سکتی اور نہ اُن کے اس مقصد سے مناسبت رکھ سکتی ہے جو اُن کی ساری عمر کی امیدوں اور آرزؤں کا منتہا تھا—

اس قسم کی یادگار کا کوئی کام ایک ادنیٰ ترین اور ناچیز ترین ہدیہ ہوگا جو ملت ایران کی سی ایک حق شناس اور شریف قوم' ایک ایسے علامۂ زماں محسن کی خدمت میں پیش کرسکتی ہے' جس نے اپنی تمام عمر شروع جوانی سے لیکر' زندگیء مستعار کے آخری لمحہ تک' خالصاً و مخلصاً ایران پر قربان کردی—

میرا خیال ھے کہ اُن کی حساسی اور رقت طبع ھی اُن کی موت کا بہانہ بن گئی کیونکہ اُن کو اپنی بیوی سے (جیسا کہ لکھا جا چکا ھے) بے حد محبت تھی۔ اپنی تالیفات میں سے دو' یعنی ''تاریخ ادبیات ایران'' کی دوسری اور تیسری جلد کو بیوی ھی کے نام معنون کیا ھے۔ دوسری جلد کی پشت پر چند انگریزی اشعار لکھکر' جن میں اپنی بے حد محبت کا اظہار ھے' نیز تیسری جلد میں' ذیل کی عبارت ''میں یہ کتاب اپنی بیوی کی (جس کی خاص تحریک اور تشویق سے یہ تکمیل کو پہنچی ھے) نذر کرتا ھوں'' انگریزی میں لکھکر 'اماسی' کے اس بیت کو' جلی قلم سے خط نسخ میں نہایت خوبصورت لکھوایا ھے —

یک روز بود عید بیک سال بیک بار
ھر روز سرا عید ز دیدار تو ھموار!

اُن کو بیوی سے محبت نہیں عشق تھا اور وہ ھر جگہ اور ھر صحبت میں' نیز اپنے خطوط میں اکثر اس کا اظہار کرتے رھتے تھے' اُن کے تمام دوست اور دوسرے لوگ' اپنے پرائے سب' میاں بیوی کی باھمی محبت سے با خبر تھے۔ وہ ۱۹ سال تک یہ مبارک خانداِنی زندگی' کمال خوشی و خرمی' اور آرام و راحت کے ساتھہ بسر کرتے رھے ——— مگر یک بیک ''روزگار دوں پرور'' کی عداوت پیشگی نے اپنا زھریلا اثر دکھلایا —

بیوی سینہ کے مرض میں مبتلا ھو گئیں' یہ موسم سرما کا زمانہ تھا۔ بہت علاج و معالجہ کیا مگر مطلقاً فائدہ نہ ھوا۔ حتیٰ کہ موسم گرما میں وفات پا گئیں۔ مرحوم کے لئے یہ ایسا سخت صدمہ تھا کہ اُن کے ھوش و حواس جاتے رھے اور اس وقت سے تمام دنیا و مافیہا اور دوسرے تعلقات' درس و بحث و تالیف و تصنیف وغیرہ سے بیزار ھو گئے' دنیا اُن کی آنکھوں میں تاریک ھوگئی اور اُسی دن سے روز بروز جسمانی و روحانی طور پر گُھلنے لگے۔ میرے ایک ایرانی دوست' جنھوں نے مرحوم کو موت سے ایک دو ماہ پہلے دیکھا تھا' مجھہ سے کہتے تھے کہ ''خدا شاھد ھے

پروفیسر براؤن کو جس وقت میں نے دیکھا تو بہت دیر تک نہ پہچان سکا، اس قدر ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے کہ کیا کہوں"۔

مرحوم نے اپنی محبوب شریک زندگی کے بعد، ایک سال بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا اور چھہ سات ماہ بعد ھی (۵ جون سنہ ۱۹۲۶ع کو) اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

دوست بر دوست رفت و یار بر یار!
خوشتر ازیں در جہاں بگو چہ بود کار؟

ھاں! پروفیسر براؤن نے ھمیں ایک ابدی الوداع کہدی اور ہم سے رخصت ہوگئے! مگر اُن کا نیک اور مبارک نام ھمارے دلوں سے ھرگز نہیں مٹ سکتا! وہ خود موت کے پنجے میں اسیر ہو گئے مگر اُن کا ذکر خیر اب بھی زندہ ھے! زندۂ جاوید ھے! اُن کا وجود نظروں سے ضرور غائب ہو گیا مگر اُن کی یاد سے ھمیشہ سینے آباد رھیں گے! اُن کا جسم گو خاک کے پردے میں چھپ گیا مگر اُن کی روح جنات نعیم میں، حافظ و سعدی و روم (رح) کی ارواح طیبہ کے ساتھہ گلگشت کر رھی ھے! اُنھوں نے موت کا تلخ جام پی لیا لیکن دنیا کے کام و دھن کو حشر تک کے لئے شعرائے ایران کے نتائج افکار کی شیرینی سے فیضیاب کر گئے! اُن کی قلم کی حرکت موقوت ہو گئی مگر ان کے قلمی آثار رھتی دنیا تک طبائع کو ایران کی محبت کا سبق دیتے رھیں گے! اُن کی محبوب صورت نظروں سے چھپ گئی لیکن اُن کی مرغوب سیرت ذھنوں میں بسی ہوئی ھے! ایران کی خاطر اُن کی نیکیوں کو! اُن کی فدا کاریوں کو! اُن کے مجاھدوں کو! اور غیر فانی خدمات کو! اور بیکراں حقوق کو، ایرانی ھرگز فراموش نہیں کر سکتے! اور اُن کی سپاس گزاری اور حق شناسی کے فرض کو ھمیشہ اپنے بچوں کے منہ میں ماں کے دودہ کے ساتھہ جگہ دیں گے! اور اس بزرگ، بہادر، فیاض، نیک فطرت، پاک دل، مخلص اور ایران دوست، ھستی کی شکر و ثنا کو ابدا لآباد تک اپنی زبانوں پر جاری اور

لوح قلوب پر مسطور رکھیں گے - رحمت اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ!!!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے بعض فارسی خطوط کے اکثر حصے نظر ناظرین کر دئیے جائیں جن سے مرحوم کے ادبی اور سیاسی خیالات پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے اور اس کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کی قدرت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے یہ تحریریں اُن کی اصل عبارتیں ہیں اور بجنسہ درج کی گئی ہیں - ان کے مخاطب اُن کے اکثر ایرانی دوست ہیں —

ایک خط مورخہ ۶ - مارچ سنہ ۱۹۲۱ع میں لکھتے ہیں :-

"در ایں جا موقع آں نیست کہ فلسفۂ حیات و عقائد روحانیۂ خود را بیان نمایم ولے اجمالاً میگویم کہ چوں خدائے تعالیٰ مالے فوق لیاقت و احتیاجات خود بمن ارزانی داشتہ است، بر خود دو قسم زکواۃ فرض میدانم، یکے دینی از قبیل اعانت فقرا و غم دیدگاں از ہر قبیل و ہر ملت و مذہب، و یکے علمی، از براے ترویج آں علوم کہ مطمح نظر من است، یعنی علوم اسلامیہ و تاریخیہ و ادبیہ خصوصاً علومے کہ راجع بایران باشد، و در ہمہ قرآن ہیچ آیۂ بہتر از قولہ تعالیٰ لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر .... الی آخرالایۃ ندیدہ ام کہ ایں حیات فانی سریع الذھاب است و بر صاحب ہمت واجب است کہ قبل الانتقال از براے ابقاء نام خود و ترغیب خلف باصطلاح رومیاں یادگارے "ابقی من النحاس" (Aere prennius) بنا کند تا نام نیکو از او بماند و چہ خوب نقشے است کہ یکے بر قبر خود نویسایند "آنچہ خرج کردم داشتم، آنچہ نگاہ داشتم گم کردم، آنچہ دادم دارم" و در ایں طریق بخیال خودم اقتدا بصنادید العجم میکنم و شاید مثل ایشاں پیش دانش پژوہان زمان آئندہ مذکور باشم"—

چہار مقالہ کی طباعت کے بعد اُس تعریف و توصیف پر جو اس کتاب کے ناشرہ

● یہ خود میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی ہیں، جن کے تصحیح و اہتمام سے "چہار مقالہ" شائع ہوا ہے— اختر

پروفیسر براؤن کو جس وقت میں نے دیکھا تو بہت دیر تک نہ پہچان سکا' اس قدر ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے کہ کیا کہوں"۔

مرحوم نے اپنی محبوب شریک زندگی کے بعد' ایک سال بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا اور چھہ سات ماہ بعد ھی (۵ جون سنہ ۱۹۲۶ع کو) اُن کے پیچھے روانہ ہو گئے—

دوست بر دوست رفت و یار بر یار!
خوشتر ازیں در جہاں بگو چہ بود کار؟

ھاں! پروفیسر براؤن نے ھمیں ایک ابدی الوداع کہدی اور ہم سے رخصت ہوگئے! مگر اُن کا نیک اور مبارک نام ھمارے دلوں سے ھرگز نہیں مٹ سکتا! وہ خود موت کے پنجے میں اسیر ہو گئے مگر اُن کا ذکر خیر اب بھی زندہ ھے! زندۂ جاوید ھے! اُن کا وجود نظروں سے ضرور غائب ھو گیا مگر اُن کی یاد سے ھمیشہ سینے آباد رھیں گے! اُن کا جسم گو خاک کے پردے میں چھپ گیا مگر اُن کی روح جنات نعیم میں' حافظ و سعدی و روم (رح) کی ارواح طیبہ کے ساتھہ گلگشت کر رھی ھے! اُنہوں نے موت کا تلخ جام پی لیا لیکن دنیا کے کام و دھن کو حشر تک کے لئے شعراے ایران کے نتائج افکار کی شیرینی سے فیضیاب کر گئے! اُن کی قلم کی حرکت موقوف ھو گئی مگر ان کے قلمی آثار رھتی دنیا تک طبائع کو ایران کی محبت کا سبق دیتے رھیں گے! اُن کی محبوب صورت نظروں سے چھپ گئی لیکن اُن کی مرغوب سیرت ذھنوں میں بسی ھوئی ھے! ایران کی خاطر اُن کی نیکیوں کو! اُن کی فدا کاریوں کو! اُن کے مجاھدوں کو! اور غیر فانی خدمات کو! اور بیکراں حقوق کو' ایرانی ھرگز فراموش نہیں کر سکتے! اور اُن کی سپاس گزاری اور حق شناسی کے فرض کو ھمیشہ اپنے بچوں کے منہ میں ماں کے دودھ کے ساتھہ جگہ دیں گے! اور اس بزرگ' بہادر' فیاض' نیک فطرت' پاک دل' مخلص اور ایران دوست' ہستی کی شکر و ثنا کو ابدا لآباد تک اپنی زبانوں پر جاری اور

لوح قلوب پر مسطور رکھیں گے - رحمت اللہ علیہ رحمة واسعة !!!

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے بعض فارسی خطوط کے اکثر حصے نظر ناظرین کر دئے جائیں جن سے مرحوم کے ادبی اور سیاسی خیالات پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے اور اس کے علاوہ فارسی زبان پر اُن کی قدرت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے یہ تحریریں اُن کی اصل عبارتیں ہیں اور بجنسہ درج کی گئی ہیں - ان کے مخاطب اُن کے اکثر ایرانی دوست ہیں —

ایک خط مورخہ ۲ - مارچ سنہ ۱۹۲۱ع میں لکھتے ہیں :-

"در ایں جا موقع آں نیست کہ فلسفۂ حیات و عقائد روحانیۂ خود را بیان نمایم ولے اجمالاً میگویم کہ چوں خدائے تعالیٰ سالے فوق لیاقت و احتیاجات خود بمن ارزانی داشتہ است، بر خود دو قسم زکواۃ فرض میدانم، یکے دینی از قبیل اعانت فقرا و غم دیدگاں از ہر قبیل و ہر ملت و مذہب، و یکے علمی، از برائے ترویج آں علوم کہ مطمح نظر من است، یعنی علوم اسلامیہ و تاریخیہ و ادبیہ خصوصاً علومے کہ راجع بایران باشد، و در ہمہ قرآن ہیچ آیۂ بہتر از قولہ تعالیٰ لیس البر ان تولو وجوہکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر .... الی آخرالایۃ ندیدہ ام کہ ایں حیات فانی سریع الذہاب است و بر صاحب ہمت واجب است کہ قبل الانتقال از برائے ابقاء نام خود و ترغیب خلف باصطلاح رومیاں یادگارے "ابقی من النحاس" (Aere prennius) بنا کند تا نام نیکو از او بماند و چہ خوب نقشے است کہ یکے بر قبر خود نویسایند "آنچہ خرج کردم داشتم، آنچہ نگاہ داشتم گم کردم، آنچہ دادم دارم" و در ایں طریق بخیال خودم اقتدا بصنادید العجم میکنم و شاید مثل ایشاں پیش دانش پژوہان زمان آئندہ مذکور باشم" —

چہار مقالہ کی طباعت کے بعد اُس تعریف و توصیف پر جو اس کتاب کے ناشر*

---

* یہ خود میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی ہیں، جن کے تصحیح و اہتمام سے "چہار مقالہ" شائع ہوا ہے — اختر

نے اپنے مقدمے میں مرحوم کی کی تھی لکھتے ھیں :-

" خواستم قبل ازین بنویسم و اظهار تشکرات خود را بکنم ازانچه در حق مخلص در مقدمۂ چهار مقاله مرقوم فرموده بودید اگرچه خیلے بالا تر از استحقاق من است و خودم را بهیچ وجه لایق چنین تعریفات نمی بینم - منتهی این است که علم را دوست دارم و علما و افاضل را مکرم و معزز می شمارم و زبان فارسی را و ادبیات ایران را در مرتبه بزرگے میدانم و آزادی و بهبودی ایران را خواهانم که این همه چیزها حقیقتاً جبلی است و از ایام شباب در دل مخلص بیخ زده است و جزوے از وجود من شده است"—

ایک اور مکتوب (مورخه ۲۷ فروری سنه ۱۹۲۱ ع) میں لکھتے ھیں :-

" در این اواخر بعضے از اکابر و مشاهیر ایران بمناسبت داخل شدن مخلص در سال شصتمین عمر خود (در ۷ فروری سنه ۱۹۲۱ ع) یعنی گذشتن از پنجاه و نه سالگی' تبریک نامۂ با مدیحۂ بخط بسیار قشنگ یعنی بخط عمادالملک که بیچاره از قرارے که نوشته است' چهار سال در حبس بوده است در قوطی نقرۂ با کتابت مناسبے و دیگر یک قالی بسیار خوب کاشانی بطریق ارمغان و یادگار به مخلص فرستاده بودند - این لطف و مهربانی از طرف اشخاصیکه بعضے از ایشان را شخصاً هیچ نمی شناسم' خیلے بر من اثر کرده و خجالت می کشم که این خدمتهاے جزئی را که به ایران کرده ام' باین درجه تقدیر میفرمایند - ولے حقیقتاً از هیچ شرفے که در مدت العمر حاصل شده اینقدر تفاخر و ابتهاج نه کرده ام که از این و نمیدانم بچه زبان و بچه وسیله بتوانم چنانکه باید و شاید از عهدۂ شکر این نعمت کبریٰ بدر آیم *" ؟

ایک اور مکتوب میں راحة الصدور کی اشاعت کے بارے میں لکھتے ھیں :-

" آیا براے آقانی .... ممکن است مشغول استنساخ راحة الصدور شوند

* اس تبریک نامے کا عکس شائع کیا جاتا ہے —

اکابر ایران کا تبریک نامہ
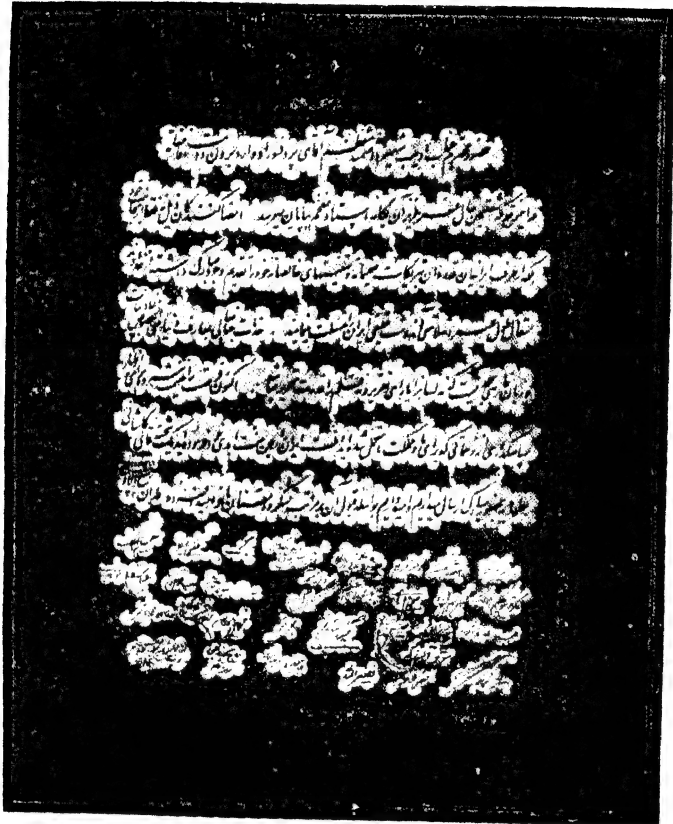
پروفیسر براؤن کی ساٹھویں سالگرہ پر

که مدتے است در صد و چاپ کردن آں هستیم' احیاے صنادید عجم حالا بیش از بیش اهمیت دارد تا روح ایران قوت بگیرد و بزرگی ایران بر همهٔ عالم واضح گردد ۔ جناب عالی باید مخلص را از انچه کردنی است مطلع بفرمائید وچه خوب می بود اگر میتوانستید در اوقات فراغت یک دستورالعملے بنویسید مشتمل بر اسماء کتب فارسی که نشر و چاپ یا عکس انداختن آنها بیشتر اهمیت دارد و کجائی و چگونگی نسخه ها و حجم آنها تا بعد از ملاحظهٔ کار و پول و مخارج آنچه لازمتر باشد در دست بگیریم"—

ایک اور خط میں قدیم فارسی املا کی حفاظت کے بارے میں لکھتے هیں :-

"عقیدهٔ مخلص این است که اصل املا را حتیٰ در غرایب باید حفظ کرد' یعنی مثلاً 'ج' و 'ب' و 'ز' عوض 'چ' و 'پ' و 'ژ' و کذا' آنج' و آنک' و هرج و بلک' و کجون' همانطور که مخلص کردم در رسالهٔ "یک تفسیر قدیم فارسی" (An old persian commentary) حتیٰ در غرایب مثل "عصآموسی" وغیرہ بهماں قرار که ما خود ماں معمول می داریم در چاپ متنهاے قدیم انگلیسی که ابداً معترض تصرت در اینطور املاهاے قدیم نمی شویم' چرا که هر گاه بنا باشد دست زدن بمتنیے قدیم خیلے مشکل است پیشروی نه کنیم تا آخر بجاے اشخاصے میرسیم که متن ایں کتابهاے قدیم را بکلی تغییر و تجدید کرده اند۔ امیدوارم که ایں راے مطابق راے جناب عالی باشد"—

ایک اور مکتوب میں صفوی دور کے ادبیات سے متعلق لکھتے هیں :—

"حالا شروع کرده ام بتالیف تتمهٔ تاریخ ادبیات ایران و خیلے اشکالات دارم که کدام شعر او محررین را ذکر کنم' چیزے که نمی توانم بفهمم این است که باوجود آنکه در هیچ وقتے بعد از اسلام' ایران سلاطیںے مقتدر تر و بهتر از ملوک صفویه نداشته است چطور است که تقریباً هیچ شاعرے مشهور که درجهٔ اول باشد در آں مدت بظهور نرسید؟ یا شاید ایں بود که بر حسب "الناس علی دین ملوکهم" همه صرت

همت در مسائل دین و مذهب بود و ظهور اکابر علما درآں وقت بود''—

اسی موضوع پر ایک اور خط میں لکھتے ھیں:-

" بیشتر شعراے ایرانی که درآں دور (یعنی دور صفویه) شهرتے بهم رسانیده اند مثل عرفی و صائب وغیرهما جلاوطن کرده بهندوستان رفتند و آنجا صلات جمه یافتند و گویا در خود ایران متاع آنها تا درجهٔ کساد داشت این شعراے ایرانی‌الاصل را نسبت باکابر شعراے قرون سابقه از فردوسی گرفته تا جامی چه طور تقدیر می کنید؟ و چه قدر اصلیت داشتند؟ چه معلوم است که ترازوے اهل هند (مثل 'مولوی شبلی' که کتابے مفصل مسمی به "شعرالعجم" نوشته است) غیر ترازوے اهل ایران است''—

ایک اور مکتوب (مورخه... مارچ سنه ۱۹۲۳ ع) میں لکھتے ھیں:-

" در این روزها کتاب قصص‌العلما را خوانده ام' ولے باوجود بعضے مطالب مفیده' خیلے بے ترتیب و پر از مزخرفات است که تعجب می کنم کسے که خودش را از زمرهٔ علما بداند چنیں چیزها بنویسد- کتاب دیگرے هم که الآن آنرا میخوانم نجوم‌الاسماء است که مشتمل است بر چهار صد پانصد ترجمهٔ حال از علماے قرون اخیره (از اوایل صفویه ببعد) ولے چوں هر یک از آنها را "فرید عصر" و "فاضل یگانه" وغیره میگوید تمیز دادن مابین آنهاے که خیلے بزرگ بودند مثل میرداماد' و ملا صدرا' و ملا محمد تقی مجلسی' و ملا محمد باقر مجلسی' از کسانے که حقیقتاً هیچ اهمیتے نداشته اند براے یک اجنبی مثل مخلص بسیار دشوار است''—

ایک مکتوب (مورخه ۱۹ اکتوبر سنه ۱۹۱۰ ع) میں ایران کی پر آشوب سیاسی حالت کے بارے میں لکھتے ھیں:—

''از این خبر دهشت انگیز تهدید نامهٔ انگلیس بحکومت ایران' یاس بر یاس افزود - یک طریقے مانده بود از براے خلاصی ایران از چنگ حریصان' و بنیان آن اولاً بر اتحاد کامل بود و فدا کاری از براے وطن' و قرض گرفتن از زردشتیان بمبئی

که حاضر بودند بشروط مقبوله' و تدارک جیش بهر زودے که ممکن باشد' و تمسک باذیال مجتهدین کبار خصوصاً جناب ملا محمد کاظم خراسانی که از وطن پرستهاے حقیقی و عقلاے دوربین است تا ایشان حتماً بقبایل جنوب مثل قشقائی تلگرات کنند که چوں اغتشاش بهانۂ باجنبی میدهد و حتماً باعث مداخله انگلیس می شود لهذا در ایں موقع هر کس دزدی و راهزنی کند و سبب اغتشاش شود کافر و دشمن اسلام و استقلال ایران است' افسوس که از قراریکه میرزا اسداللہ خاں میگوید انقلابیوں بر خلاف مجتهدین کار میکنند و ارمنی هاے دشناک در امور داخل شده اند و حرف سوسیالیزم وغیره درمیان آورده اند و نمی بینند که اگر خود ایران نباشد نه سوسیالیزم می شود و نه چیز دیگر' بغیر از ذلت و خواری و بندگی و تحمل طوق اجانب' بد بختانه هیچ اتحاد کلام نیست و چارۂ نمانده است

فقلت من التعجب لیت شعری

اایقاظ امیته ام نیام!

از کثرت حزن حالتے ندارم بیش از ایں بنویسم و مخلص خود خیال داشتم جرأت نموده بنجف اشرف به جناب ملا محمد کاظم عریضۂ بنویسم و مراتب امور را معروض دارم ولے یاس بطورے غالب شده است که عزم من بر چیزے قرار نمی گیرد"—

اسی زمانے میں ایک اور خط میں اسی موضوع پر لکھتے ھیں:—

"شکے نیست که قلوب مردم از رفتار مبهم وزارت خارجه در ایں جا خیلے مضطرب است و یقیں دارم که بعد از نه روز دیگر که پارلمان (پارلمنت) جمع خواهد شد' خیلے قیل و قال و سوال و جواب خواهد بود ۔ ولے قوت ظلم در ایں دنیا خیلے است گاهے می ترسم که عدل و حب حریت کم کم نادر تر از کبریت احمر شده است و شکے نیست که بیشتر ایں تعدیات از تحریکات مالیون (Financiers)

است که همیشه حاضر اند زر سرخ بخون مردم بخرند و نه از خدا می‌ترسند و نه از آه مظلومان، اے کاشکه می توانستم از این عالم سیاسیات رهائی یابم و در عالم افکار و معانی و روحانیات آرام بگیرم - حالا دو سه سال است بواسطۂ اوضاع ایران مثل حالت نزع از براے من حاصل شده است‘‘۔
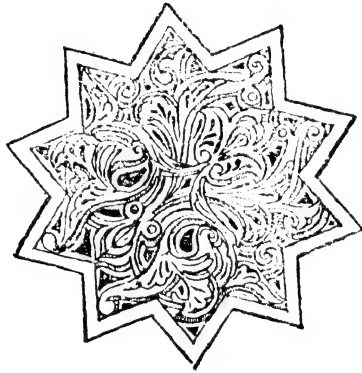
کیا اُردو شاعری تقلیدی اور غیر فطری ھے

از

(جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی 'ادیب' ایم - اے لکچرار
لکھنؤ یونیورسٹی)

[میرا ایک طویل مضمون اس رسالۂ اُردو کے جولائی سنہ ۱۹۲۶ع کے پرچے میں "اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ" کے عنوان سے شائع ھو چکا ھے - جس کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیم یافتہ" طبقے کے اکثر افراد کو اُردو شاعری کے متعلق جو غلط فہمیاں ھیں وہ دور ھو جائیں اور اُردو شاعری کو سمجھنے کے لئے جس ذھنیت کی ضرورت ھے وہ پیدا ھو جاے - جو مضمون آج ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رھا ھے اس کو اُس مضمون کا تتمہ سمجھنا چاھئے -]

جن لوگوں کو موجودہ نظامِ تعلیم نے اُردو ادب سے بیگانہ اور انگریزی ادب کا دلدادہ بنا دیا ھے ان کو اُردو شاعری پر ایک اعتراض یہ بھی ھے کہ وہ تقلیدی اور غیر فطری ھے - یعنی اُردو کے شاعر اپنے دل کا حال نہیں کہتے' اپنی زندگی کی سرگزشت نہیں سناتے' اپنے عینی تجربے سے کام نہیں لیتے' اپنی ذاتی راے نہیں دیتے' جو کچھ دیکھتے ھیں دوسروں کی آنکھوں سے' بالخصوص قدیم ایرانی شاعروں کی نگاہ سے دیکھتے ھیں' جو کچھ کہتے ھیں انھیں کے انداز میں کہتے ھیں اور اپنے بیانوں میں فطرت کی موافقت کا لحاظ نہیں رکھتے—

اس اعتراض کے دو جز ھیں - دونوں پر الگ الگ نظر کرنا مناسب معلوم

هوتا هے - پهلے جز کے متعلق گزارش هے که اُردو کے ابتدائی شاعروں نے بے شک فارسی شاعری کی تقلید کی هےمگر یه تقلید ناگزیر تهی اس لئے اُس پر اعتراض کرنا فطرت سے لڑنا هے - بات یه هے که ان کے سامنے دو نمونے موجود تهے؛ ایک بهاشا کی شاعری' دوسرے فارسی کی شاعری - اِن میں سے جس نمونے کو بهی وہ اختیار کرتے اُسی کے مقلد کہلاتے - ابتدا میں تقلید کے سوا چارہ هی کیا تها مگر یه بات غور کرنے کے قابل هے که انهوں نے فارسی کی تقلید کو بهاشا کی تقلید پر کیوں ترجیح دی - وجه یه تهی که اُس زمانے میں بهاشا علمی زبان نه تهی' اپنے ادبی سرمائے کے اعتبارسےبهی بالکل تہی دست تهی؛ اُس کےکتب خانے میں مذهبی اور اخلاقی نظموں اور قصوں کہانیوں کے سوا شاید کچهه نه تها' نه اُس کے اصول و قواعد معین تهے نه لغت مرتب تها - اُس کے برخلاف فارسی کا خزانه علمی ذخیروں سے معمور تها' اُس کے صرف و نحو کے قاعدے بندھے هوے تهے' الفاظ و محاورات کی تحقیق کے لئے لغت موجود تهے' فصاحت کے معیار معین اور بلاغت کے اصول مقرر تهے اور فارسی شاعری و انشا پردازی ایک مستقل فن کی حیثیت رکهتی تهی - سب سے بڑی بات یه تهی که حاکم وقت کی زبان فارسی تهی؛ اکثر اُمرا اور بیشتر اهل منصب فارسی هی بولتے تهے' درس و تدریس کا وسیله اور سلطنت کے کار و بار کا ذریعه یهی زبان تهی؛ جو وقار اِس کو حاصل تها وہ بیچاری بهاشا کو کہاں نصیب تها - بعض لوگ اپنے فطری ذوق کی بدولت بهاشا کی شاعری سے بهی دل بہلا لیتے تهے' لیکن فارسی شاعروں کا کلام درسیات میں پڑهتے تهے' اس کے لفظ لفظ پر بحث هوتی تهی' نکتے نکتے پر غور کرتے تهے' فارسی شاعروں کی عزت و حرمت شان و شوکت کے قصے کتابوں میں پڑهتے تهے اور ان کی شاهانه قدردانیوں کی حکایتیں بزرگوں سے سنتے تهے - اِن سب وجوہ سے فارسی کی عظمت کا نقش دلوں پر بیٹهه جاتا تها - ایسی حالت میں وهی هوا جو هونا چاهئے تها اور اِس کے سوا کچهه نه هو سکتا تها - یعنی جب لوگوں نے اُردو شاعری کے میدان میں قدم رکها تو فارسی شاعری کو

خضر راہ بنایا —

جس طرح اب انگریزی کی تعلیم ہمارے مذاق کو بدل رہی ہے اور انگریزی شاعری کو اس آب و تاب سے جلوہ دے رہی ہے کہ ہم اُس کے دلدادہ ہوئے جاتے ہیں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی تعلیم نے لوگوں کے مذاق کو متاثر کر کے انہیں فارسی شاعری کا شیدائی بنادیا تھا - جس طرح اب انگریزی کی واقفیت اور فارسی سے اجنبیت اس کی مقتضی ہے کہ ہمارے " تعلیم یافتہ " شاعر انگریزی شاعری کی تقلید کریں اُسی طرح اگلے زمانے میں فارسی کی عام واقفیت اور انگریزی سے کامل ناواقفیت کا تقاضا یہ تھا کہ اُس وقت کے شاعروں کے کلام میں فارسی شاعری کا رنگ نمایاں ہو اور انگریزی شاعری کی بوتک نہ ہو - ہمارے لئے فارسی کا تتبع دشوار ہے ' اُن کے لئے انگریزی کی پیروی محال تھی - جن لوگوں نے شیکسپیر' ملٹن' ورڈزورتھ ' اور ٹینیسن کا نام بھی نہ سنا ہو اُن سے ان شعرا کی تقلید کی اُمید کیا کہوں کہ کیسا خیال ہے ' ع :- ایں خیال است و محال است وجنوں —

یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ جولوگ اُردو شاعری کو رسمی اور تقلیدی کہہ کر اُس کی تحقیر کرتے ہیں وہ خود انگریزی شاعری کی تقلید جائز رکھتے ہیں - انصاف کہتا ہے کہ اُس صورت میں بھی تو ہماری شاعری تقلیدی ہی رہیگی - فرق صرف اتنا ہوگا کہ تقلید شعرائے ایران کی نہ ہوگی شعرائے انگلستان کی ہوگی-فارسی کی تقلید ترک کر کے انگریزی کی پیروی کر نے کی تجویز سے مجھے بھی اختلاف نہیں ہے - فارسی شاعری سے ہم کو جو کچھہ لینا تھا لے چکے ' اب اُسی پرقانع رہنا اور اپنی شاعری کو محدود رکھنا مناسب نہیں - اگر انگریزی شاعری کی تقلید سمجھہ کر کی جائے تو شاعری کے لئے نئے نئے راستے نکلینگے ' نئے نئے موضوع ہاتھہ آئینگے ' اظہار جذبات کے نئے نئے اسلوب اور دل پر اثر ڈالنے کے نئے نئے طریقے مل جائینگے - مگر اس تقلید کے جوش میں ایک خطرے سے خبردار رہنا ضروری ہے - کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خیالات و جذبات میں بھی انگریزوں کی

نقل کرنے لگیں - اگر ایسا ہوا تو ہماری شاعری محض نقالی ہوکر رہ جاے گی - نہ اُس میں سچا جوش ہوگا نہ گہرا اثر—

میں یہ تو کہہ چکا ہوں کہ اُردو کے شاعروں نے فارسی شاعری کی تقلید کی ہے اور چونکہ یہ تقلید ناگزیر تھی لہذا قابل اعتراض نہیں - اب یہ بھی بتادوں کہ تقلید سے میری مراد کیا ہے - تقلید کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہمارے شاعروں نے ایرانیوں کے خیالات اور جذبات اُردو میں منتقل کردئے - میری مراد تقلید سے صرف یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کا موضوع' بیان کے اسلوب' عروض کے قاعدے' تشبیہیں اور استعارے' تلمیحیں اور صنعتیں فارسی شاعری سے لے لیں' لیکن خیالات اور جذبات اپنے رکھے - اس لئے ہم اُردو شاعری کو صرف ایک مخصوص معنی میں تقلیدی کہہ سکتے ہیں —

جن لوگوں کو فطرت نے شاعر نہیں بنایا مگر طبیعت کی موزونی کے برتے پر شاعر بننے کی ہوس میں گرفتار ہیں ان کو البتہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ وہ شاعروں کی نقل کریں - جو کچھہ اُنہیں کہتے سنیں خود بھی کہنے لگیں اور جو کچھہ اُنہیں کرتے دیکھیں خود بھی کرنے لگیں - ان کی شاعری بے شک تقلیدی بھی ہوگی اور غیر فطری بھی - مگر اس میں اُردو کی کیا تخصیص ہے' ہر زبان میں متشاعروں کے کلام کی یہی حالت ہوتی ہے - نظم کا سلیقہ اکثر میں اور شاعری کا ملکہ کمتر میں ہوتا ہے - اس لئے ہر زبان میں شاعر کم ہوتے ہیں اور متشاعر بہت - انگریزی زبان کا بھی یہی حال ہے - بے شمار انگریز شاعروں میں صرف چند اس قابل ہیں کہ انہیں حقیقی شاعر کہہ سکیں' انہیں کا ذکر ہر زبان پر ہے اور انہیں کو شہرت عام اور بقاے دوام حاصل ہے - اُردو میں بھی متشاعر بہت ہیں لیکن اُردو شاعری کی عمر کو دیکھتے ہوے حقیقی شاعروں کی تعداد بھی کچھہ بہت کم نہیں معلوم ہوتی—

یہ تو میں بتا چکا کہ اُردو شاعری کس معنی میں تقلیدی ہے - اب یہ بھی

بتا دینا چاهتا هوں که یه اعتراض پیدا کیونکر هوا - اس کا خاص سبب یه معلوم هوتا هے که همارے شاعروں کا کلام بہت کچھه ملتا جلتا هے اور یه مسلم هے که سب کی طبیعتیں ایک سی نہیں هوتیں' اس لئے یه شبه پیدا هوتا هے که انہوں نے اپنے ذاتی خیالات نظم نہیں کئے هیں بلکه ایک ڈھرّا بندھ گیا هے' سب اُسی کی پیروی کرتے هیں' ایک لیک بن گئی هے سب اُسی پر آنکھیں بند کئے چلے جاتے هیں۔ مگر حقیقت یه نہیں هے - اصل یه هے که همارے شاعر اپنے معیاروں' نظریوں اور اصولوں میں اس قدر هم خیال تھے که سب کی شاعری ایک هی سی معلوم هوتی هے- اس هم خیالی کی خاص وجه یه تھی که تعلیم و تربیت کے قاعدے' حسن و قبح کے معیار' معاشرت و معاملت کے اصول' حقوق و فرائض کی حدیں' رسم و رواج کے ضابطے نہایت مضبوطی سے بندھ گئے تھے' سب لوگ نہایت سختی سے ان کی پا بندی کرتے تھے' اس لئے تمام سوسائٹی ایک هی رنگ میں رنگی هوئی تھی- مدت سے هندوستان کی تاریخ میں کوئی ایسا واقعه بھی نہیں گزرا تھا جو اهل هند کی معاشرت میں' خیالات میں' جذبات میں انقلاب پیدا کردیتا۔

هم خیالی کی ایک وجه یه بھی تھی که اگلے زمانے میں اصول اور کُلیے بنانا' نظریے اور معیار قائم کرنا هر شخص کا کام نہیں سمجھا جاتا تھا' یه صرف عالی دماغ فلسفیوں اور مذهبی پیشواؤں کا حق تھا - جو اصول انهوں نے مقرر کردئیے تھے عقیدت اُن کی پیروی اپنا فخر سمجھتی تھی اور دخل درمعقولات کو گناه جانتی تھی؛ اسی کا نتیجه تھا که اگلے لوگ اس قدر هم خیال تھے - گو همارے اور ان کے درمیان کچھه بہت زمانه نہیں گزرا لیکن حالات و اتفاقات نے هماری اور اُن کی طبیعتوں میں زمین اور آسمان کا فرق کردیا هے - تواضع' تسلیم' قناعت' تقلید اُن کی طبیعت کے خصوصیات تھے - خود بینی' سرکشی' تجسس' اجتهاد همارے مزاج کے خواص هیں- وه قدامت کے پجاری تھے' هم جدت کے پرستار هیں- معینه اصول اور قدیم رسوم کی پابندی اُن کے لئے مایۂ ناز تھی- بنے هوے

اُصولوں کو بگاڑنا اور بندھی ہوئی رسموں کو توڑنا ہمارے لئے فخر کا سرمایہ ہے - مشرقی اور مغربی فلسفے کی کشمکش اور ایشیائی اور یورپی تمدن کے تصادم نے ہماری طبیعتوں میں اضطراب اور خیالوں میں انتشار پیدا کردیا ہے- اس صورت حال کا ایک خاص سبب روز روز کے نئے ایجاد اور نئے انکشات بھی ہیں کہ ہمارے خیال کو کسی نقطے پر قائم نہیں ہونے دیتے اور کسی بات پر جمنے نہیں دیتے - اس اضطراب اور انتشار کے زمانے میں اگلے لوگوں کی ہم خیالی سمجھہ میں بھی مشکل سے آتی ہے' مگر واقعہ یہی ہے - لیکن پھر بھی اصول و کلیات سے قطع نظر کیجئے تو ایک عام ہم رنگی کے باوجود طبیعتوں میں کچھہ نہ کچھہ اختلات ضرور ہوتا ہے - یہ اختلات طبائع ہمارے شاعروں میں بھی تھا اور ان کے کلام میں بھی ہے- میر کی 'آہ' سودا کی 'واہ' درد کی صوفیت' غالب کی فلسفیت' ناسخ کی پہلوانی' آتش کا بانکپن' انشا کا تمسخر' جرأت کی بے باکی اُن کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے—

اعتراض کا دوسرا جزو یہ تھا کہ اُردو شاعری غیر فطری ہے - یہ بات صرف اِس حد تک صحیح ہے کہ ہمارے شاعروں نے جذبات کے اظہار میں اکثر مبالغہ کیا ہے اور کیفیت و مناظر کے بیان میں اکثر فطرت کی متابعت نہیں کی ہے - مگر صرف اس بنا پر اُردو شاعری بالکل ناقص نہیں ٹھیر سکتی - شاعری کے دو عنصر ہیں' ایک محاکات دوسرا تخئیل - ہمارے قدیم شاعروں کی نگاہوں میں محاکات کا درجہ تخئیل سے بہت پست تھا - وہ اپنی شاعری میں فطرت کا اتباع فرض نہیں سمجھتے تھے؛ وہ اس دنیا کا نقشہ کھینچنا کوئی بڑا کام نہ جانتے تھے؛ وہ ایک نئی دنیا بنانا چاہتے تھے' اُنہیں نقالی میں لطف نہ آتا تھا؛ تخلیق میں مزہ ملتا تھا - شاعروں کی تخصیص نہیں اُس زمانے کا رجحان اِسی طرف تھا - دیو و پری کے افسانوں اور طلسمات کے بیانوں کا مقبول عام ہونا اِس دعوے کی دلیل ہے - اب فطرت پرستی کا زمانہ ہے - کیا شاعر' کیا افسانہ نویس' کیا تمثیل نگار

سب کے سب فطرت کی تصویریں اُتارنے میں لگے ہوے ہیں اور اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں - مگر ہمارے قدیم شاعر اس تصویرکشی کے قائل نہ تھے' وہ تخئیل کو شاعری کا اصل جوہر سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ تخئیل کا جو زور اُن کے کلام میں دکھائی دیتا ہے وہ آج کل کی شاعری میں کمیاب ہے - جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی بعض نقادانِ سخن ہمارے قدیم شعرا کے ہم خیال ہیں - ذیل کا اقتباس جو "خمخانۂ کیفی"* کے مقدمے سے لیا گیا ہے ملاحظہ ہو :—

"شاعر درس فطرت کا ابجد خواں نہیں بلکہ وہ معلم ہے جو اپنی سحر طرازیوں سے خود فطرت کو نئے سبق دیتا ہے ....

.... مرقع سخن میں رنگ بھرنے کے لئے فطرت سے استمداد کرنا شاعر کا عجز ہے اِس کے محسوسات سے تو یہ توقع ہے کہ وہ فطرت کی کوتاہیاں اُبھار اُبھار کر دکھاے - اُس کے ایک ایک رنگ میں سو رنگ کی بہار دکھاے .... اُس شاعر کو جس کا دائرۂ عمل فقط مناظر قدرت اور مظاہر فطرت کے عکس لینے تک محدود ہو جگت اُستاد نہیں کہہ سکتے ' یہ تو ہفتخوان شاعری کی منزل اول ہے - سر منزل اُسی وقت نصیب ہوگا جب اُس کا قلم آئینہ رونما کے بجاے خوردبین کا شیشہ بن جائے گا "—

---

* خمخانۂ کیفی پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی کی چند نظموں کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۹۲۴ع میں لاہور میں چھپا تھا - اس مختصر کتاب کا مختصر مقدمہ ناٹک ساگر کے مصنف شیخ محمد عمر اور شیخ نور الٰہی صاحبان نے لکھا ہے—

اُردو شاعری کو جس معنی میں غیر فطری کہہ سکتے ہیں وہ میں نے اوپر بیان کردئے ہیں لیکن معترضوں کے نزدیک اردو شاعري ہرحیثیت سے فطرت کے خلاف ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ جو خیالات اور جذبات ہمارے شاعروں نے ظاہر کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر غیر فطری ہیں - میں اپنے اُس مضمون میں جس کا عنوان تھا " اُردو شاعری پر اعتراض کی نظر اور تحقیق کی نگاہ " جن اعتراضوں سے بحث کرچکا ہوں وہ سب گویا اسی اعتراض کے مختلف پہلو تھے - اس لئے ہر پہلو سے اس اعتراض کا جواب دیا جا چکا ہے ' لیکن مزید وضاحت کے خیال سے کچھہ باتیں اِس سلسلے میں اور لکھتا ہوں —

اُردو شاعری کے غیر فطری معلوم ہونے کا خاص سبب یہ ہے کہ اب ہماری طبیعتیں بدل گئی ہیں - جب اہل یورپ ہمارے ملک میں آئے اور اپنے ساتھہ نئی زبان ' نئے خیالات ' نئی معاشرت ' نیا فلسفہ' نئی حکومت ' نئے علوم وغیرہ لائے تو ہماری طبیعتوں میں بڑا انقلاب ہوگیا ' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ہر چیز کو کچھہ دوسري نظر سے دیکھنے لگے - اخلاق کا نظریہ ' سوسائٹی کا تخیل ' مذہب کا تعقل' حسن و قبح کا معیار ' باہمی تعلقات کے تصور' امداد و استمداد کا کُلیہ' ایثار و استیثار کے اُصول سب کچھہ بدل گئے - خود شاعری کی تعریف اُس کا موضوع ' اُس کے حدود ' نقد شعر کے اصول ' یہ سب چیزیں بھی بدل گئیں - اِس صورت میں جو بات اگلوں کے نزدیک عین فطرت تھی وہ اگر ہمیں خلاف فطرت معلوم ہوتو کیا عجب —

اسي اختلاف طبائع کے باوجود یقین کے ساتھہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری شاعری کا معتدبہ حصہ ایسا ہے کہ اگر ہم ماضی کو حال کي نگاہ سے نہ دیکھتے اور سخن فہمی کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو ہمارے نزدیک بھی وہ فطرت کے خلاف نہ ٹھیرتا- شعر کو سمجھنے اور اُس سے لطف اُٹھانے کے لئے نکات زبان اور شاعرانہ انداز بیان سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے - اکثر شعروں کو سمجھنے میں نہ کسی علم

کی واقفیت کام آتی ھے نہ کسی فن کی مہارت ، اُن میں نہ فلسفے کے مسائل نظم کئے گئے ھیں نہ سائنس کے حقائق : وہ صرف جذبات و کیفیات کی تصویریں ھیں ، جن کے خط و خال صرف زبان دانی کی خوردبین سے دکھائی دیتے ھیں - میں ذیل میں چند شعر لکھتا ھوں جو سر سری نظر میں بالکل معمولی اور سادے سادے سے معلوم ھوتے ھیں لیکن زبان کے نکتوں اور بیان کی باریکیوں کے جاننے والوں کے لئے اُن میں دلچسپی کے بڑے بڑے سامان موجود ھیں :—

نہ ھم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

قواعد نحوی سے اِس شعر کا مطلب پوچھئے تو عجب نہیں کہ وہ اسے مہمل بتادیں - شاعر کہتا ھے کہ ھم نہیں سمجھے اور آپ کہیں سے نہیں آے ، اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھہ ڈالئے - معلوم ھوتا ھے کہ وہ کسی سے کہنا چاھتاتھا مگر ابھی صرف اتنا کہا تھا " نہ ھم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے " کہ اُس کی نظر مخاطب کی پیشانی پر پڑگئی - دیکھا کہ پسینہ بہ رھا ھے اپنی بات کاٹ کر کہنے لگا " پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے " لیجئے شعر ختم ھوگیا اور مطلب کچھہ نہ نکلا —

جو لوگ اداے مطلب کے نازک اور لطیف انداز سمجھتے ھیں اُن کے لئے یہ شعر معنی کا ایک دفتر ھے - اُن کی نگاھیں دیکھتی ھیں کہ ایک معشوق اپنے کسی چاھنے والے سے ملنے گیا - وھاں سے واپس آرھا تھا کہ ایک دوسرے عاشق سے آنکھیں چار ھوگئیں ، جس سے وہ اِس ملاقات کا حال پوشیدہ رکھنا چاھتا تھا - دل چور تھا معاً خیال گزرا کہ کہیں یہ سمجھہ نہ گیا ھو کہ میں کہاں سے آرھا ھوں اس خیال کا آنا تھا کہ شرم سے پسینے پسینے ھوگیا - عاشق نے اس کو رقیب کی گلی سے نکلتے ھوئے دیکھہ ھی لیا تھا بدگمانی اُس کے کان میں کچھہ کہہ چکی ھی تھی، اب جو معشوق کے چہرے پر نظر پڑتی ھے تو اُس کی جھپی ھوئی نگاھیں اور عرق

آلودپیشانی اس کے گمان کو یقین سے بدل دیتی ہے - وہ دل میں کہتا ہے کہ یہ موقع اچھا ہے، مجرم بھی موجود ہے گواہ بھی حاضر ہے اور موقع واردات بھی سامنے ہی ہے، اسی وقت معشوق پر اُس کا جرم ثابت کردو ورنہ بعد کو کھو گے تو شاید مکر جائے - مگر آخر عاشق کا دل ہے وہ ایسا انداز بیان اختیار نہیں کرنا چاہتا جو معشوق کی نازک طبیعت پر گراں گزرے، اس لئے اپنا مطلب یوں ادا کرتا ہے —

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

بیان کے رموز جاننے والے جانتے ہیں کہ کہاں 'نہیں' میں 'ہاں' نکلتی ہے اور کہاں 'ہاں' میں 'نہیں' اس موقعے پر عاشق نے کہا تو وہ جو شعر میں مذکور ہوا اور مطلب نکلا یہ کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ کہیں سے آرہے ہیں اور یہ بھی سمجھ گئے کہ کہاں سے آرہے ہیں - آپ ہم کو جھٹلا بھی نہیں سکتے، آپ کی پیشانی کا پسینہ ہمارے دونوں خیالوں کی تصدیق کررہا ہے —

اس شعر میں 'آپ' کا استعمال بھی ایک پر معنی پہلو لئے ہوئے ہے - جب کوئی بات ناراضی یا طنز سے کہی جاتی ہے یا تاکید یا تہدید مقصود ہوتی ہے تو بے تکلف سے بے تکلف لوگوں سے، یہاں تک کہ اپنے چھوٹوں سے بھی 'آپ' کر کے بات کرتے ہیں - اس شعر میں 'آپ' کا لفظ عاشق کے دل کی حالت ظاہر کر رہا ہے اور معشوق کو اُس کی بات توجہ سے سننے پر مجبور کر رہا ہے —

دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے

پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا (تعشق)

ایک زبان کا نہ جاننے والا تو کہیگا کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں ہے - پہلے مصرعے میں تو یہ کہا کہ ہم دل پر داغ کا حال کیا کہیں دوسرے مصرعے میں ایک سوال پوچھ بیٹھے - مگر ادب کے کسی نکتہ شناس

سے پوچھئے تو وہ اس شعر کو بلاغت کی ایک عمدہ مثال بتائیگا - کسی درد رسیدہ
سے کسی نے کہا کہ ذرا اپنے دل کا حال تو بیان کرو ' شاعر اپنا شعر اس سوال کے جواب
سے شروع کرتا ہے - وہ درد رسیدہ کہتا ہے کہ ہم اپنے پرداغ دل کا حال تم سے کیا
کہیں' نہ ہم کہہ سکینگے نہ تم سمجھہ سکو گے - اتنا کہنے کے بعد اُسے خیال آتا ہے کہ
ایک چیز ہے جو میرے داغ دار دل سے کسی قدر مشابہ ہے اور وہ لالے کا پھول
ہے - یہ خیال آنا تھا کہ اُس نے پوچھنے والے سے سوال کیا کہ تم نے کبھی لالے کا پھول
بھی دیکھا ہے - یعنی اگر تم نے لالے کا پھول دیکھا ہےتو تم میرے دل کا کچھہ
اندازہ کر سکوگے —

اس انداز بیان سے شعر میں کئی خوبیاں پیدا ہوگئی ہیں - اول تو محبیب
کے دل کی جسمانی اور نفسانی دونوں کیفیتوں کی تصویر کھنچ گئی ہے '
دوسرے' شعر میں ایک خاص اثر پیدا ہو گیا ہے - یہ بھی ایک پر لطف بات ہے کہ
پہلے مصرعے میں سوال سے جواب نکلتا ہے' یہ ندرت بھی شعر کے حسن اور اثر میں
اضافہ کر رہی ہے - اگر پہلے سوال کیا جاتا اور پھر جواب دیدیا جاتا کہ ہمارا پرداغ
دل لالے کے پھول کا سا ہے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی—

شعر کو سمجھنے میں لہجے کو بھی بہت دخل ہے - اگر شعر صحیح لہجے میں
پڑہ دیا جاے تو جو دلی کیفیتیں شعر کے لفظوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں وہ خود
بخود نمایاں ہو جاتی ہیں - اس شعر کا پہلا مصرع افسردگی اور مایوسی کے لہجے
میں پڑھئے اور کچھہ وقفے کے بعد دوسرا مصرع سوال کے لہجے میں پڑھئے ' مطلب
خود واضح ہو جاے گا—

پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے
خدا مجنوں کو بخشے مرگیا اور ہم کو مرنا ہے

(شاد لکھنوی پیرو میر)

اس شعر میں کہنا یہ تھا کہ مجنوں نے عشق کو بدنام کردیا کہ لیلی کے بعد

مرا - لیکن اگر یہ بات اِنہیں لفظوں میں صاف صاف کہدی جاتی تو نہ کہنے والے کے دل کا کچھہ حال کُھلتا نہ سننے والے کے دل پر کوئی اثر پڑتا - شاعر نے جو طرز ادا اختیار کیا ھے اُس کی لطافت و معنویت کا کیا کہنا - کہنے والا پہلے دنیا کی ایک بات کہتا ھے کہ معشوق کے بعد مرنا عشق کو بدنام کرنا ھے' پھر مجنوں کی بخشش کی دعا کرتا ھے - سننے والوں کو یاد آ جاتا ھے کہ مجنوں لیلی کے بعد مرا تھا اور وہ بات مجنوں پر چھا جاتی ھے—

"خدا مجنوں کو بخشے" یہ جملہ غور کرنے کے قابل ھے - اھل زبان جب کسی مردے کا ذکر کرتے ھیں تو "خدا بخشے' اللہ بخشے' یا اسی معنی کا اور کوئی فقرہ اکثر استعمال کرتے ھیں - اس لئے اس شعر میں اس فقرے کے آنے سے بیان میں اصلیت اور کلام میں زور بڑہ گیا - اس کے علاوہ جب کسی مرے ھوے شخص کی برائی کا ذکر کرتے ھیں تو بھی اُس کی بخشش کی دعا انھیں لفظوں میں کرتے ھیں - اس شعر میں قائل کے نزدیک مجنوں شریعت عشق کی رو سے ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب تھا کہ معشوق کے بعد بھی زندہ رھا تھا - اس لئے اُس کا پہلے یہ جملہ کہنا کہ "پس معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ھے" اور اس کے بعد ھی یہ دعائیہ فقرہ کہنا کہ "خدا مجنوں کو بخشے" مجنوں کے اس گناہ کی طرف اشارہ کرنا ھے - اشارے اور کنائے میں بات کہنا بھی ایک طرح کی لذت رکھتا ھے—

"اور ھم کو مرنا ھے" اس مختصر فقرے نے تو کلام کی معنویت کو دونا کردیا ھے - اس سے معلوم ھوتا ھے کہ کہنے والا خود بھی کسی پر عاشق ھے' عشق کی سختیوں سے بھی خبردار ھے اور یہ بھی جانتا ھے کہ عشق کے امتحان میں پورا اُترنا کس قدر مشکل ھے - اس لئے کُھلے کُھلے لفظوں میں مجنوں کو الزام دیتے ھوے دل دھڑکتا ھے کہ کہیں ایسا نہ ھو کہ عشق کی دشوار گزار منزل میں میرا قدم بھی لغزش کر جاے اور میرے مرنے کے بعد ایسے ھی الزام مجھے دیئے جائیں - پھر تم... کہ... کہ بڑے بول کا سر نیچا ھوتا ھے - اس وجہ سے بھی مجنوں سے

برگزیدۂ عشق کو کچھ کہتے ہوے جی ڈرتا ہے کہ کہیں میری وہ تعلی جو اِس الزام میں مضمر ہے اس کی یہ سزا نہ ملے کہ مجھ سے عاشقی کا کوئی بڑا فریضہ ترک ہو جاے اور لوگ مجھ پر طعنہ زن ہوں - یہ خیال بھی زبان بند کئے دیتا ہے کہ جب مجنوں سا عاشق کامل فرائض عشق کو پورے طور پر ادا نہ کرسکا تو میں کس شمار میں ہوں —

عشق کی دنیا میں مجنوں کا مرتبہ مسلم ہے' اُس پر حرف گیری کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوتی؛ اس لئے اس شعر میں جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اُس میں مجنوں کی ذات کا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس اخلاقی نکتے پر بھی نظر رکھی گئی ہے کہ مردے کا ذکر بدی کے ساتھ کرنا معیوب ہے —

صبا نے دی ترے وحشی کی قبر پر جاروب
پئے طواف بگولے ہزار بار آئے (تعشق)

مرنے کے بعد ایک عاشق کی روح معشوق سے خطاب کرکے کہتی ہے کہ تیرے وحشی کی قبر پر صبا جھاڑو دیتی ہے اور بگولے طواف کرنے آتے ہیں - اس شعر کا انداز بیان بھی عجیب ہے کہ ظاہر میں تو قبر پر ایک آبادی اور چہل پہل کا سماں دکھایا گیا ہے مگر اصلیت میں وہ ویرانی و بے کسی کا منظر نکلتا ہے ذرا غور سے دیکھئے تو یہ طرز بیان عجیب سے عجیب تر معلوم ہوتا ہے اور اس میں بڑی بڑی باریکیاں نکلتی ہیں —

صبا کا خاک اُڑانا اور بگولوں کا چکر لگانا جنگل کا سنسان منظر پیش نظر کردیتا ہے - آبادی سے دور ویرانے میں عاشق کی قبر کا ہونا اُس کی صحرا نوردی پر شاہد اور اُس کے وحشی ہونے پر گواہ ہے اور اُس کی وحشت جز لازمۂ عشق ہے اُس کی سچی محبت کا ثبوت ہے - صبا کے خاک اُڑانے کو قبر پر جھاڑو دینے سے اور بگولوں کے چکر کھانے کو قبر کا طواف کرنے سے تعبیر کرنا ایک اشارہ ہے' اس بات

کی طرت کہ عشق صادق کس احترام کا مستحق ھے- چاھئیے تھا کہ جو لوگ عشق کے مرتبے سے آگاہ ھیں وہ عاشق کی قبر کی زیارت کو آتے' اُس پر جھاڑو دیتے' اُس کا طوات کرتے' مگر دنیا دل والوں سے ایسی خالی ھوگئی ھے کہ اُس کی قبر پر بےکسی برس رھی ھے اور ویرانی چھائی ھوئی ھے —

"ترے وحشی" سے یہ بات نکلتی ھے کہ یہ کسی معمولی آدمی کی قبر نہیں ھے ' تیرے عاشق کی قبر ھے؛ پھر وہ عزت و حرمت کی مستحق کیوں نہ ھوتی - انھیں لفظوں میں یہ شکایت بھی مضمر ھے کہ غیر'وروں نے اگر اِس قبر کے احترام میں کوتاھی کی تو اُن کی ناواقفیت اُن کی طرت سے عذر خواہ ھوسکتی ھے لیکن تو تو اُس کے رتبے سے خوب واقف تھا اور تیرا ھی عشق اُس کی غربت کی موت کا باعث تھا ' تیری طرت سے یہ تغافل اور یہ بےالتفاتی ضرور دل کو صدمہ پہنچاتی ھے —

اِن چند مثالوں سے مجھے یہ دکھانا تھا کہ اُردو شاعری کا ایک معتدبہ حصہ خاص کر اساتذۂ لکھنؤ جلھوں نے اپنی شاعری میں مضمون کی ندرت سے زیادہ بیان کی لطافت پر توجہ کی ھے ان کا زیادہ تر کلام ایسا ھے جس سے لطف اُٹھانے کے لئے اھل زبان کا روز مرہ ' ان کے محاورے' مثلیں ' کنائے ' تلمیحیں ' الفاظ کے محل استعمال ' مترادفات کے نازک فرق ' اِظہار جذبات کے طریقے' فصاحت کے رمز' بلاغت کے نکتے اِن سب چیزوں کا علم ضروری ھے - اگر اِن چیزوں کا علم ھوجائے تو بہت سے شعر جو بے معنی ' بے اثر اور خلات فطرت معلوم ھوتے ھیں اُن میں معنی بھی پیدا ھوجائینگے ' اثر بھی آجائیگا اور فطرت سے اختلات بھی نہ رھیگا —

مختصر یہ کہ یہ اعتراض بھی ناواقفیت ھی نے پیدا کیا ھے- جو لوگ انگریزی ادب کے ماھر ھیں مگر اُردو کے مذاق سے اشنا نہیں ھیں انھیں صرت انگریزی شاعری سے لطف حاصل ھوتا ھے اور اُردو شاعری بے مزہ اور عیبوں کا مخزن معلوم ھوتی ھے- اسی طرح جو لوگ اُردو ادب کے رمز شناس ھیں مگر انگریزی مذاق سے بیگانہ ھیں

وہ اُردو کے ایک ایک شعر پر سر دھنتے ہیں اور انگریزی شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتے لیکن جو لوگ اُردو اور انگریزی دونوں کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اُردو شاعری پر بھی جھومتے ہیں اور انگریزی نظموں پر بھی وجد کرتے ہیں۔ میں اِس سلسلے میں لکھنؤ کے نامور بیرسٹر پنڈت بشن نراین در مرحوم کے خیالات اردو شاعری کے بارے میں اپ کے سامنے پیش کرتا ہوں - یہ بزرگ انگریزی کے زبردست ادیب اور انشاپرداز تھے ؛ اپنی مادری زبان اُردو سے بھی اُنس رکھتے تھے ' شعر بھی کہتے تھے ' ابر تخلص تھا؛ دنیا کے معاملات اور ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے ؛ سیاسیات کے ماہر خصوصی اور وطن پرستی کے شیدائی تھے - اُن کی علمی قابلیت ' وسعت نظر ' غیر معمولی ذہانت ' سلامت ذوق اور قوت تنقید سے ہندوستان کا علمی طبقہ بخوبی واقف ہے - اُنہوں نے پنڈت رتن ناتھہ سرشار کی تصانیف پر جو تبصرہ لکھا ہے اور اس میں فسانۂ آزاد کی جو تنقید کی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے - ایسے جامع شخص کی رائے اُردو شاعری کے بارے میں خاص اہمیت رکھتی ہے - اصل مضمون جس کا اقتباس اُردو میں ترجمہ کرکے ذیل میں لکھتا ہوں انگریزی زبان میں ہے - اِس کو اُردو کی کمزوری کہئے یا میری ناقابلیت ' بہر حال واقعہ یہ ہے کہ ترجمے میں اصل کی سی کیفیت پیدا نہیں ہوسکی اور بعض باریک اور نازک خیالات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوسکے پھر بھی قابل نقاد کی رائے کا کچھہ اندازہ تو ہو ہی جائے گا - لکھتے ہیں :-

" حسن سے متاثر کرنے کی جو قوت شاعری میں ہے جہاں تک اُس قوت کا تعلق ہے یہ بات قابل لحاظ نہیں کہ شاعر کے جذبات صحیح ہیں یا علیل اور اس کے خیالات صحیح ہیں یا غلط۔ وہ جو کچھہ سوچتا ہے اگر اس کا احساس بھی کرتا ہے اور دوسروں سے زیادہ کرتا ہے' اگر اس کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ حواس اور ذہن کے معلومات ہمیشہ جذبات کی شکل اختیار کرلیا کر تے ہیں اور اگر ان جذبات کو الفاظ میں خوبصورت اور مترنم الفاظ میں منتقل کردینے کی قدرت بھی اُسے حاصل ہے تو وہ حقیقی شاعر ہے

اور ایک زبردست آلہ اُس کے هاتھہ میں هے' اب خواہ وہ اُسے نیکی کے لئے استعمال کرے خواہ بدی کے لئے - غدر سے پہلے کے اُردوشاعر اس معنی میں حقیقی صناع تھے؛ وہ مخصوص خواہشیں رکھتے تھے' مخصوص معیاروں کی پیروی کرتے تھے' بعض عقاید پر دل سے ایمان رکھتے تھے؛ زندگی کے بلند ترین مقصد اور اُس کے حصول کے بہترین ذرائع کے بارے میں اُن کو کوئی شک نہ تھا' وہ اپنی سوسائٹی سے پوری همدردی رکھتے تھے؛ اپنے انتہائی باغیانہ انداز خیال میں بھی اُس کے مسلمہ روایات پر کبھی اعتراض نہ کرتے تھے؛ اُس کی خوشیوں اور غموں میں شریک تھے اور اُن کے سینوں میں بھی وهی جذبہ اور وهی کشمکش هل چل مچائے هوئے تھی جسکی آگ وہ اپنے چاروں طرف اپنے بھائیوں کے سینوں میں مشتعل دیکھتے تھے - صدیوں کی تربیت اور تجربے نے اُن کو یہ سکھایا تھا کہ مذهب هی سب کچھہ هے' یہ دنیا محض ایک عکس هے اور انسان کی زندگی صرف ایک خواب اور یہ کہ آجکل ترقی نہیں بلکہ ایک تدریجی تنزل هورها هے - انسانی مسرت کا آفتاب نصف‌النہار پر پہنچ چکا اور اب غروب هونے کے لئے عجلت کررها هے؛ آدمی اپنی تقدیر کا مالک نہیں غلام هے' بادشاہ ظل الہی هوتا هے اور هماری دنیاوی زندگی بالکل اُسی کے هاتھہ میں هے- زندگی کے وقتی اور عارضی خوابوں کے اُس طرف بہشتی خطے هیں جہاں کے هرباغ میں سیہ چشم حوریں گلگشت کر رهی هیں اور جہاں کی هر هوا میں آسمانی موسیقی کے نغمے بھرے هوے هیں - اِن خیالوں کے ساتھہ وہ کچھہ ایسے جذبات بھی رکھتے تھے جو بالعموم مشرقی طبائع کی طرف منسوب کئے جاتے هیں - یعنی رشک' انتقام' فخر' نسب وغیرہ- وہ دوسروں کی خوشامد کرتےتھے اور اپنی خوشامد کروانا پسند کرتے تھے - وہ اپنی محبت و نفرت میں متشدد تھے' عورت اُن کا کھلونا تھی' حب وطن کا تصور تو ان کے دماغ میں نہ تھا مگر اپنی نیچ کی درستی میں وفادار تھے - اگر کوئی دشمن اُن کے شہر پر حملہ کردیتا تو انہیں غصہ نہ آتا لیکن اگر اُن کی قابل اعتراض عشق بازیوں میں کوئی دخل دینے کی جرأت کرتا تو اپنی

جان دیدینے کے لئے تیار تھے- وہ اپنے زمانے کے لوگ تھے اور جو نمایاں خیالات اور احساسات وہ نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ محسوس کرتے تھے اُن کو خوب بڑھا چڑھا کے اپنی شاعری میں بیان کردیتے تھے - اِسی وجہ سے اُن کی شاعری کی خاص خوبی اُس کا خلوص ھے- وہ (شاعری) اُن کی اصلی فطرت کا اور جس سوسائٹی میں وہ رھتے سہتے ' چلتے پھرتے ' اور زندگی گزارتے تھے اُس کی حقیقی طبیعت کا صحیح عکس ھے - اُس (شاعری) میں برے جذبات بھی ھیں اس لئے کہ شعرا خود وھی جذبات رکھتے تھے ؛ اُس کا انداز بالعموم مایوسانہ اور حسرتناک ھے ' اس لئے شاعر خود افسردہ دل تھے - لیکن جو باتیں اُن کے دلوں کو سب سے زیادہ بےچین کردیتی تھیں ' جو باتیں اُن کے جذبات کو مشتعل کردیتی تھیں اور دماغوں میں آگ لگا دیتی تھیں وہ ان کی شاعری میں جگہ پاتی تھیں - اسی کا نتیجہ ھے کہ ھم اُس (شاعری) کو پسند کریں یا نہ کریں اُس کی مقناطیسیت کا احساس کرنا ھی پڑتا ھے کیونکہ اُس میں خلوص ھے ' وہ شعرا کے دلوں کی اندرونی گہرائیوں سے نکلی ھے اور جو کچھہ اُنھوں نے اِس دنیا میں سوچا اور محسوس کیا اُس کا کچا چٹھا اُنھیں کے خیالات کے مطابق ھے " —

جولوگ اُردو شاعری کو محض تقلیدی اور غیر فطری سمجھتے ھیں ذرا انگریزی کے اس یگانۂ عصرادیب کی رائے غور سے پڑھیں اور اپنی رائے پر نظر کریں—

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

زندگی

از

(جناب مولانا وحیدالدین صاحب سلیم، پروفیسر جامعۂ عثمانیہ)

ذرے ذرے میں دواں روح رواں پاتا ہوں میں
زندگی کو ایک بحر بیکراں پاتا ہوں میں

غنچہ غنچہ نطق پر آمادہ آتا ہے نظر
پتے پتے کی زباں کو نغمہ خواں پاتا ہوں میں

زندہ ہستی کی خبر دیتی ہے رفتار نفس
بوئے گل کو زندگی کا ترجماں پاتا ہوں میں

برق کی جنبش ہو، یا باد صبا کا ہو خرام
زندگی کا ہر تموج میں نشاں پاتا ہوں میں

چپہ چپہ اس مکاں کا ہے مکینوں سے بھرا
زندگی کو شش جہت پر حکمراں پاتا ہوں میں

اُس سے آگے بھی ہیں روحیں اُڑتی پھرتی بیشمار
طائر سدرہ کا جس جا آشیاں پاتا ہوں میں

مردنی جس شے پہ ہے ظاہر میں چھائی، اس میں بھی
زندگی کا اک نیا جلوہ عیاں پاتا ہوں میں

ہو چکی ہے حکمراں جس نخل پر باد خزاں
اُس کی رگ رگ میں بہار بے خزاں پاتا ہوں میں

برقیوں کا رقص ہے ہنگامۂ جوش بقا
قالب پتھر میں بھی آثار جاں پاتا ہوں میں

چار سو راہ سفر پر دوڑتی ہے جب نظر
زندگی کو کارواں در کارواں پاتا ہوں میں

لہلہاتی کھیتیوں کا جلوہ آتا ہے نظر
گڑگڑاتے سیل کا حملہ جہاں پاتا ہوں میں

جانے والوں کی تباہی کے نشانوں میں نہاں
آنے والی ہستیوں کی بستیاں پاتا ہوں میں

الغرض سمجھے ہو جن کو موت کی بربادیاں
زندگی کے انقلاب اُن میں نہاں پاتا ہوں میں

(نیم)

جب نیم کی شاخیں ٹھنڈی ہوا کھا کھا کے تھرکنے لگتی ہیں
پھر زریں کرنیں سورج کی پتوں پہ چمکنے لگتی ہیں
پتوں کی رگوں میں نیم کا رس چڑھتا ہے نہایت سرعت سے
یہ ریشہ دوانی دیکھ کے میں تصویر بنا ہوں حیرت سے
کیا فیض الہی کی کرنیں پڑتی نہیں مجھ پر شام و سحر
کیا موج نسیم رحمت حق چلتی نہیں مجھ پر آٹھ پہر
پھر کیا ہے کہ نیم کا جوش نمو پاتا نہیں اپنے سینے میں
دل مردہ ہے' افسردہ ہے' مشغول نہیں رس پینے میں
محروم ہے فیض سے دل میرا' فیضان میں تم غرقاب رہو
اے نیم کے متوالے پتو! سرسبز رہو' شاداب رہو

ادب

اخلاق و مذہب

ادب

خمکدۂ خیام

(از جناب آغا شاعر صاحب - شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب
لاہور - قیمت ۳ روپے)

اس نام سے آغا شاعر قزلباش نے حکیم عمر خیام کی منتخب رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کیا ہے' شروع میں چھ صفحے کا ایک دیباچہ ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انگریز مصنفین نے خیام کی قدر صرف اس وجہ سے کی کہ وہ دہریت کی طرف مائل ہے' اور پھر اس کی چند رباعیوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے' کہ خیام کا تصوف بہت بڑھا ہوا تھا - آغا شاعر صاحب کی یہ رائے یک طرفہ ہے' اگر وہ تحقیق سے کام لیں' اور یہ دیکھیں کہ خود مسلمان تذکرہ نویسوں اور مصنفوں نے (مثلاً نجم الدین رازی نے مرصادالعباد میں یا القفطی نے تاریخ الحکماء میں) خیام کے عقائد کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے تو شاید وہ اپنی ذاتی رائے بدل دیں' علاوہ ازیں الحاقی رباعیوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے' حضرت ابو سعید ابوالخیر' بابا طاہر ہمدانی اور دوسرے بہت سے صوفی منش شعراء کی رباعیاں آج خیام سے منسوب کی جاتی ہیں—

آغا شاعر صاحب نے دیباچے کے صفحہ ۹ پر "آغائی ترجمہ" کی چند خصوصیات بتائی ہیں - سب سے پہلے انہوں نے ترجمے کا صحیح نقاد اس شخص کو قرار دیا ہے جو فارسی زبان اور اُردوے معلیٰ دونوں پر کافی عبور رکھتا ہو' پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ "مکھی پر مکھی مارنی مجھے نہیں آتی' ترجمہ لفظی نہیں ہے" - ہم کو بد قسمتی سے نہ "اُردوے معلیٰ پر کافی عبور" کا دعویٰ ہے' اور نہ فارسی پر' تاہم ترجمے کی جو

خامیاں ہمیں سرسری طور پر نظر آئیں وہ عرض ہیں—

صفحہ ۸

خیام	آغا شاعر
آمد سحرے ندا ز مے خانۂ ما	آئی یہ ندا صبح کو مے خانے سے
کاے رند خراباتی و دیوانۂ ما	اے رند شراب خوار دیوانے سے
برخیز کہ پرکنیم پیمانہ ز مے	اُٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم
زاں پیش کہ پرکنند پیمانۂ ما	کم بخت! چھلک جاے نہ پیمانے سے

اصل اور ترجمہ کا مقابلہ کیجئے' " پر کنند " اور " پر کنیم " کے پر لطف اور معنی خیز ایہام کی بو باس بھی ترجمہ میں نہیں ہے' پھر "دیوانے سے " میں " دیوانۂ ما " کی بات کہاں آسکتی ہے ؛ چوتھے مصرعے میں تو بات اور بھی بگڑ گئی ہے خیام " پیمانۂ عمر " کے لبریز ہونے سے پہلے " پیمانۂ مے " کو لبریز کرنے کا متمنی ہے ' مترجم صاحب کی " شراب سے جلد ساغر بھرنے " کی تاکید محض اس لئے ہے کہ " چھلک جاے نہ پیمانے سے " اصل اور ترجمے میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے —

صفحہ ۹

خیام	آغا شاعر
از جان و جہان ہرچہ در عالم ہست	یہ جان وجہاں اورجہاں کا سب کچھ
مقصود توی و بر محمد صلوات	مقصود تو ہی ہے ' بر محمد صلوات

اِس ترجمہ میں تو شاید مترجم صاحب کو بھی "مکھی پر مکھی مارنے کی عادت" کا اعتراف کرنا پڑے ' اصل میں " از " سے " مقصود " میں جو ربط تھا ' ترجمے میں وہ بھی غایب ہوگیا ' اور دونوں مصرعے بے جوڑ ہوگئے —

صفحہ ۱۰

خیام	آغا شاعر
ہرگاہ کہ خواہی کہ نشینند از پاء	جب تھک کے یہاں بیٹھنا تو چاہے گا
گیرد اجلت دست کہ بالا پیما	پکڑے گی اجل ہاتھ کہ مر ' اوپر جا

اصل کے " بالاپیما " کی جگہ "مر" اور پھر "اوپر جا " نہ تو مناسب ترجمہ ہے' اور نہ فصیح" اُردوے معلے"—

صفحہ ۴۹

خیام	آغاشاعر
در ہر دشتے کہ لالہ زارے بودہ است	صحرا میں جہاں لالہ رنگیں ہے کھلا
آں لالہ ز خون شہر یارے بودہ است	سلطان کا خون ہے کسی قیصر کا

" ز خون شہر یارے " کا ترجمہ " سلطان کا خون " غور طلب ہے ' اور پھر یہ ٹکڑا

کسی قیصر کا ' اپنی بے تعلقی کا شاکی ہے -
صفحہ ۵۸

خیام	آغاشاعر
ہر سبزہ کہ بر کنار جوے رستہ است	سبزہ ہو جہاں کنار جو سے لپکا
گویا زلب فرشتہ خوے رستہ است	گویا ہے لب فرشتہ خو سے لپکا
پا بر سر سبز ہا بہ خواری نہ نہی	ذلت سے کبھی نہ رکھنا سبزے پہ قدم
کاں سبزہ زخاک لالہ روے رستہ است	یہ سبزہ ہے خاک لالہ رو سے لپکا

نرا لفظی ترجمہ ہے ' اصل میں "لب فرشتہ خوے" اور " خاک لالہ روئے " سے خیام نے تناسخ ' کا عقیدہ ظاہر کیا ہے - "فرشتہ خو" اور "لالہ رو" کے آخر میں "ے" یاے تنکیری ہے مترجم صاحب نے لب فرشتہ خو ' اور " خاک لالہ رو " لکھکر مرکب اضافی اور مرکب توصیفی میں التباس پیدا کردیا اور رباعی کی جان (یعنی مسئلہ تناسخ کی طرف اشارہ) نکال لی —
صفحہ ۱۹۸

خیام	آغا شاعر
روزیست خوش و ہوا نہ گرم است و نہ سرد	کیا خوب ہے دن ' دھوپ نہ زیادہ سردی
ابر از رخ گلزار ہمی شوید گرد	پڑتی ہی بھرن باغ کی سب گرد دھلی

اصل کے دوسرے مصرعے کی لطافت کا مقابلہ ترجمے کے دوسرے مصرعے سے کیجئے ' زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے ' ایسے ہی موقعوں پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ غیر زبان کی شاعری کا اپنی زبان کے شعر میں ترجمہ کس قدر مشکل ہے اصل کی لفظی لطافتوں کو ترجمے میں باقی رکھنے کا تو ذکر ہی کیا ' مطلب کا ادا کرنا ہی بہت دشوار ہوجاتا ہے —

خیام	آغا شاعر
خشت سر خم ہزار جان می ارزد	خشت سر خم ہزار جان پرور ہے

فاضل مترجم نے "جان پرور" پر نوٹ لکھا ہے کہ " پرور بمعنی پالنے والا " اہل نظر اس نوٹ کو پیش نظر رکھیں کہ ان معنوں کے ساتھ " ہزار " کا لفظ ترجمہ میں کیا مطلب رکھتا ہے - اصل اور ترجمہ کی لطافت اور مفہوم میں جو زمین آسمان کا فرق ہے اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی —

آغاشاعر صاحب سے پہلے کئی اصحاب نے خیام کی رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہوسکے تاہم یہ راے ہے کہ آغا صاحب کا ترجمہ

کہیں بہتر ہے ' لیکن بہتر ہوتا کہ فاضل مترجم بجاے ترجمہ کرنے کے' یہ کوشش کرتے کہ خیام کے مطالب کو طبعزاد اُردو رباعیوں میں ظاہر کردیا جاے' ہمیں یقین ہے کہ اس میں وہ موجودہ صورت سے زیادہ کامیاب رہتے —

کتاب ہز ہائی‌نس میر آف خیر پور نے چھپوائی ہے' لکھائی چھپائی بہت خوب ہے' کاغذ بھی اعلیٰ درجے کا ہے جلد بھی اچھی ہے اور اس پر طلائی حرفوں میں کتاب اور مترجم کا نام درج ہے —

(و)

سرگزشت ہاجرہ

(از جناب بیگم سید ہمایوں مرزا صاحب (بیرسٹر ایٹ‌لا حیدرآباد) صفحے ۱۴۲ قیمت ایک روپیہ آٹھہ آنے)

نام دیکھہ کر شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ کوئی افسانہ ہوگا ' لیکن اصل میں یہ تین سہیلیوں کی گفتگو ہے ' ہر سہیلی نے اپنا اپنا قصہ بیان کیا ہے —

افسوس ہے کہ ہمیں اس کتاب میں ربط مضمون کی کمی نظر آئی ' دوران گفتگو میں دنیا بھر کے مسائل چھڑ جاتے ہیں ' شادی کی رسمیں ' عید میلادالنبی ' مردوں اور عورتوں کا موازنہ ' تعلیم کے مسئلے ان سب پر سرسری گفتگو ہوتی ہے اور پھر آپ‌بیتی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے —

لائق مصنفہ نے اس کتاب میں تعلیم اور تربیت کے فرق کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے ' مسز عون کتاب کا کیرا ہیں ' لیکن امور خانہ داری میں بہت بد سلیقہ ہیں . سارا بھی اچھی خاصی تعلیم یافتہ ہیں ' مزاج میں ظرافت بھی ہے اور نفاست بھی ' لیکن ازدواجی زندگی میں وہ بھی کامیاب نہیں ہیں' ہاجرہ کی سیرت پر تعلیم اور تربیت دونوں کی جلا موجود ہے ' اور غالباً ایک وجہ سے اس کتاب کا نام سرگزشت ہاجرہ رکھا گیا ہے ' ورنہ دراصل یہ چند تعلیم یافتہ سہیلیوں کی آپس کی گفتگو ہے ' جس کے دوران میں ہر سہیلی اپنے سوانح بھی بیان کرتی جاتی ہے —

کتاب کے شروع کے ۱۷ صفحوں میں تبصروں اور تقریظوں کی نقل کی گئی ہے ' صاحب خان بہادر عبدالقادر ' جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر '

جناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل- جناب عبدالرحمن خاں صاحب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) ان سب نے کتاب کے متعلق جس جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھدی گئی ہے —

کتاب میں چند نظمیں اور غزلیں بھی ہیں جو لائق مصنفہ کی کہی ہوی ہوں' ان کے معیار کو دیکھتے ہوے ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اگر یہ نہ شریک کی جاتیں تو اچھا ہوتا' دو شعر ملاحظہ ہوں —

صفحہ ۱۳۴ محظوظ سامع ہوتا ہے سن کر حیا کا نغمہ
دیتا ہے کیا حلاوت شیریں سخن ہمارا

صفحہ ۱۲۷ تم رات کوبھی اپنے مکان پرنہیں رہتے کبھی صاحب
سو بار پکار آے کہ اے ماہ لقا ہو'

یا صفحہ ۱۳۴ کا ایک مصرعہ :—

آقاے نامدار ہے شاہ دکن ہمارا'

(و)

سفرنامۂ یورپ

(از جناب صغرا بیگم صاحبہ محل سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر ایٹ لا (حیدرآباد) حصہ اول و حصہ دوم قیمت ڈیڑہ ڈیڑہ روپیہ - دفترالنساء ہمایوں نگر حیدرآباد - دکن)

یہ سفرنامہ دو حصوں میں ہے' بیگم صاحبہ نے سنہ ۱۹۲۴ ء میں یورپ کا سفر کیا تھا اور چھہ مہینے تک وہاں کے مختلف حصوں کی سیر کی' اس مختصر مدت میں یورپ کے مختلف حصوں کی جو قابل توجہ باتیں نظر سے گزریں ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھہ سفرنامے کی دونوں جلدوں میں کیا گیا ہے —

پہلے حصے میں بمبئی' جہاز کا سفر' مارسیلز' پیرس' لندن' آکسفورڈ اور کیمبرج وغیرہ کا ذکر ہے - دوسرا حصہ تمام و کمال یورپ کے دوسرے ملکوں مثلاً جرمنی' سوئزرلینڈ' اٹلی وغیرہ کے حالات پر مشتمل ہے —

اُردو زبان میں اس سے پہلے بھی یورپ کے سفرنامے لکھے جا چکے ہیں' اور ایک اور معزز خاتون بیگم صاحبہ ہز ہائی نس نواب حمیداللہ خاں صاحب والیء ریاست بھوپال "سیاحت سلطانی" کے نام سے سنہ ۱۹۱۱ع میں ایک سفرنامہ لکھہ چکی ہیں' لیکن زیر تبصرہ سفرنامے کو اپنے پیش روؤں پر کئی حیثیتوں سے فوقیت حاصل ہے - یہ نہ صرف ان سب سے زیادہ مکمل اور مفصل ہے' بلکہ ایک خاص نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے - ہر ملک کے مدارس' خصوصاً مدارس نسواں کا بیان خاص طور پر فصاحت کے ساتھہ کیا گیا ہے' معاشرتی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے' اور ممالک یورپ میں جو جو باتیں ھندوستان کے عالم نسواں کے لئے سبق آموز نظر آئیں' ان سب کا ذکر خصوصیت کے ساتھہ کیا گیا ہے' مثلاً بمبئی کے زنانہ مدرسے اور ان کی حالت' انگلستان کے مختلف مشہور کالج' جرمنی کی تعلیمی حالت' وہاں کا زچگی خانہ' زچاؤں کی پرورش' بیت المعذورین' مکتب خانہ' غرض کہ جتنی کام کی باتیں نظر آئیں ان سب کا ذکر کیا گیا ہے —

سفرنامے کی زبان بہت سلیس اور آسان ہے' بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنفہ اپنی سہیلیوں کے ساتھہ بیٹھی حالات سفر سنا رہی ہیں' اس اعتبار سے یہ اُردو داں خواتین کے لئے خاص طور پر دلچسپ ثابت ہوگا - اگر طباعت پر زیادہ توجہ کی جاتی' اور تصویروں کا انتظام بھی کردیا جاتا تو اس سفرنامے کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی - موجودہ صورت میں بھی یہ کتاب اس قابل ہے کہ تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کے مطالعے میں رہے —

(و)

رقعات اکبر

(مرتبۂ محمد نصیر ہمایوں صاحب - قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور
قیمت ۱۰ آنے)

مولوی اکبر حسین 'اکبر' مرحوم کے رقعات اس سے پہلے بھی چھپے ہیں لیکن یہ اُن سے الگ ہیں - شروع میں دو صفحے کا دیباچہ خان بہادر (سر) شیخ عبدالقادر

صاحب نے لکھا ہے - اس کے بعد اکبر کے کچھہ مختصر حالات زندگی ہیں - یہ رقعات مولوی سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی، سید افتخار حسین صاحب بی - اے، مہا راجہ سر کشن پرشاد بہادر، منشی شرف الدین احمد خاں صاحب، سر شیخ عبدالقادر کے نام ہیں - خطوں میں زیادہ تر بیماری اور مکروہات دنیا کا رونا ہے اور کوئی خط اس سے خالی نہیں تاہم اس میں ایک بات ہے - ظرافت یا زندہ دلی کا نام نہیں جو ان کی نظم میں اس کثرت سے پائی جاتی ہے —

شاهد معنی

(مجموعۂ کلام حضرت باسط بسوانی مرتبۂ قاضی ظہیرالدین احمد ظہیر بسوانی - قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھہ آنے، غیر مجلد ایک روپیہ چار آنے)

اِس مجموعے میں حضرت باسط کی مختلف نظمیں شامل ہیں - کچھہ حمد و نعت میں ہیں کچھہ دینی اور اخلاقی ہیں اور کچھہ مشاہدات فطرت اور حسن و عشق کے متعلق ہیں - حضرت باسط ایک مشاق شاعر ہیں اور اپنے خیالات کے ادا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں - اس مجموعے میں بعض نظمیں پڑھنے کے قابل ہیں مثلاً روزہ ' انوکھی لوری ' خطاب گل بہ گلچیں وغیرہ جن میں شاعر نے اپنے دلی جذبات اور خیالات بڑی خوبی سے ادا کئے ہیں —

عروس غربت

(مولفہ ایم - اسلم - نسیم بک ڈپو ' بارود خانہ لاہور - قیمت ایک روپیہ چار آنے)

یہ فرانس کے نامور شاعر اور ناول نویس وکٹرھیوگو کے ایک بے مثل اور مشہور ناول " لے مزرابلی " کا مختصر خلاصہ ہے - مؤلف نے بڑی خوبی سے اس کا خلاصہ کیا ہے

جس سے قصے کا سلسلہ قائم رہا ہے۔ قصہ پر اثر ہے اور بہت دلاویز عبارت میں لکھا گیا ہے۔ محمد دین تاثیر صاحب ایم - اے نے شروع میں ایک تمہید بھی لکھی ہے - اگرچہ اصل ناول ایک اور ہی چیز ہے تاہم یہ خلاصہ بڑی عام طور پر پڑھنے کے لئے بہت خوب ہے اور لڑکے لڑکیاں مرد عورت بلا تامل اسے پڑھ سکتے ہیں - اس میں تین تصویریں بھی ہیں جو لاہور کے مشہور مصورچغتائی صاحب کے قلم کا نتیجہ ہیں—

جیبی فہرست کتب، اُردو گشتی کتب خانہ

(مرتبہ مولوی فضل الله صاحب بی - اے، مہتمم و بانی کتب خانہ)

مولوی فضل الله صاحب کی ہمت پر آفریں ہے کہ انہوں نے بڑے ایثار سے کام لیکر حیدر آباد میں ایک گشتی کتب خانہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اُردو کتابوں کا مطالعہ آسان کرنا اور بتدریج ایک عظیم الشان خالص اُردو کتب خانہ قائم کرنا ہے - افسوس ہے کہ آمدنی سے اس کا خرچ بڑھا ہوا ہے - اُمید ہے کہ حیدرآباد کے صاحب ثروت اور ذی علم اصحاب اس کی مدد کریں گے - چندہ صرف ایک روپیہ ماہانہ ہے - اگر اس کے ارکان کی تعداد میں ہی کافی اضافہ ہوجاے تو اس کا خرچ نکل سکتا ہے - یہ اُس گشتی کتب خانے کی جیبی فہرست ہے - فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر فن اور علم کی کتابیں موجود ہیں اور مطالعہ کے شوقین اس سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں—

رنگ زمانہ

(مصنفہ منشی برج بھوکن لال صاحب محب دریا بادی - قیمت دس آنے)

منشی صاحب اُن پرانے اور وضع دار لوگوں میں سے ہیں جو اپنی تہذیب وشائستگی، اپنے ادب آداب اور اپنے اطوار اور طریقوں کے عاشق ہیں - وہ نئی چیزوں اور نئے فیشنوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اپنی قدیم تہذیب کو پامال ہوتے ہوے دیکھ کر اُن کا دل کُڑھتا ہے - " رنگ زمانہ " میں (جو اُن کے کلام کا مجموعہ ہے) منشی صاحب نے

نئی چیزوں کی خوب ھلسی اُڑائی ھے اور ظرافت کے پیرائے میں خوب خوب خبر لی ھے۔
ملشی صاحب کا سارا کلام ظریفانہ ھے ' جس کا اکثر حصہ اودھ پنچ میں شایع ھوچکا ھے
یہ اکبر مرحوم کے مذھب کے پیرو ھیں - جو کچھہ لکھا ھے بہت غنیمت ھے اور دلچسپ
ھے اور کیوں نہو کہ منشی صاحب شاعری کی گھاتوں سے واقف اور پرانے مشاق ھیں —

بچوں کے پڑھنے کی کتابیں

ھماری زبان میں بچوں کے پڑھنے کی کتابوں کی بہت کمی ھے - اس کی ایک
وجہ یہ بھی ھے کہ بچوں کے لئے کتابیں لکھنا نہایت دشوار ھے - بچوں کی طبیعتوں کا
سمجھنا ' اُن کی دلچسپی اور شوق کا دریافت کرنا ' پھر ایسے مضامین کا جمع کرنا اور
ان کا ایسے الفاظ اور عبارت میں ادا کرنا جسے بچہ آسانی سے سمجھہ سکے اور ادائے
مضمون کا ایسا اسلوب اختیار کرنا جسے وہ شوق سے پڑھے' بہت ھی مشکل بات ھے-جس قدر
بچہ چھوٹا ھوگا اُسی قدر اُس کے لئے کوئی کتاب لکھنا دشوار ھوگا - لیکن یہ بڑی مسرت
کی بات ھے کہ ھمارے اھل قلم آج کل اس طرف متوجہ ھیں اور اس کمی کے پورا کرنے
کی کوشش کر رھے ھیں - حال ھی میں ھمارے پاس قومی کتب خانہ (اسکاؤٹس اون
ایجنسی) ریلوے روڈ لاھور نیز دارالاشاعت پنجاب لاھور کی طرف سے ایک خاصی تعداد
ایسی کتابوں کی وصول ھوئی ھے جو چھوٹے اور بڑے بچوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ھیں۔
بعض کتابیں ان میں سے درحقیقت نہایت عمدہ ھیں - ان کتابوں کی تفصیل
یہ ھے —

۱-ننھی کتاب ۲-منی کتاب ۳-دلاری کتاب ۴-پیاری کتاب

یہ چار کتابیں سید امتیاز علی صاحب تاج ' بی- اے کی لکھی ھوئی ھیں- یہ کتابیں
مکمل ھیں - چھپائی' لکھائی ' کاغذ بہت اچھا ھے - تصویریں بہت خوبصورت ھیں -
مضمون اور کہانیاں ایسی دلچسپ ھیں کہ بچہ شوق سے پڑھے - اسلوب بیان بھی آسان
اور بہت ھی دلکش ھے - ھم مولف کو مبارک باد دیتے ھیں کہ یہ کام انھوں نے ایسا کیا
ھے کہ اس کی جتنی داد دی جائے کم - یہ کتابیں دارالاشاعت پنجاب لاھور سے شایع
ھوئی ھیں —

اِسی دارالاشاعت سے اُردو کا قاعدہ ، اُردو کی پہلی کتاب ، اُردو کی دوسری کتاب اور اُردو کی تیسری کتاب شایع ہوئی ہے - قاعدے میں کسی قسم کی بھی سہولت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی - البتہ پہلی ، دوسری اور تیسری کتابیں اچھی ہیں اور مبتدیوں کے لئے مفید ہیں —

پارس

(لڑکوں کے لئے دلچسپ کہانیاں) اس کے چار حصے ہیں اور اس کے لکھنے والے مشہور فسانہ نویس سدرشن صاحب ہیں - کہانیوں کا بہت اچھا مجموعہ ہے —

بچوں کے لئے مہابھارت اور بچوں کے لئے راماین

یہ دونوں کتابیں بھی سدرشن صاحب نے تیار کی ہیں ان میں مہابھارت اور راماین کے قصوں کو بہت آسان زبان میں بچوں کے لئے لکھا ہے —

دنیا کے عجائبات

اس میں دنیا کی عجیب و غریب عمارتوں اور آثار کا ذکر ہے - اس کے مولف بھی سدرشن صاحب ہیں —

رستم و سہراب

اس میں سدرشن صاحب نے رستم و سہراب کا قصہ لکھا ہے —

امرت - پھول وتی - سدابہار پھول

ان تینوں کتابوں میں سدرشن صاحب نے دلچسپ اور اخلاقی کہانیاں جمع کردی ہیں —

شہید کربلا

شہادت کربلا کا حال دلچسپ عبارت میں شیخ محمد اکرم اور مرزا محمد سعید صاحب نے لکھا ہے —

شہر، شہری اور شہریت

اِس مختصر رسالہ میں شہریت کے متعلق آسان اور ابتدائی سبق ہیں —

موتیوں کی مالا۔ نعیم پچیسی

یہ دونوں کتابیں محمد اسمعیل صاحب کی تالیف ہیں - ان میں بہت سی دلچسپ کہانیاں ہیں —

سنہری گیت

(از وجاہت حسین صاحب وجاہت) اور

بچوں کے گیت

(محمد اسمعیل صاحب

ان دونوں میں چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں —

اُما

(مصنفہ بابو کیشرود چندر چٹرجی)

گدھے کی سرگزشت

(مترجمہ محمد اسمعیل صاحب)

حجاب زندگی اور دیگر افسانے

(عابد صاحب)

زرداد

(احمد شجاع صاحب کے تاریخی قصے)

یہ سب قصے اور فسانے لڑکوں لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل ھیں —

اُردو کی آسان گرامر

(دو حصے)

منازل الترجمہ

(انگریزی اُردو ترجمے کی کتاب)

مخزن فارسی

(فارسی قواعد) یہ تعلیمی کتابیں ھیں ۔اور طلبہ کے لئے مفید ھیں —

مراة الاخلاق - مخزن ادب

(میرزا محمد سعید صاحب اور حکیم محمد اکرم صاحب) پہلی کتاب میں اخلاقی اور معاشرتی مضامین ھیں - دوسری میں ادبی مضامین کا انتخاب ہے —

——:※:——

اخلاق و مذهب

هندو اخلاقیات

[مصنفہ جے - اے چندا ورکر بی - اے ' ایم - آر - اے - ایس قیمت ایک روپیہ بارہ آنے]

مسٹر جے - اے چنداورکر مشہور مصنف ہیں اور یہ کتاب اُنہوں نے بڑی محنت اور غور سے لکھی ہے - ایشیا اخلاق و مذہب کا مخزن ہے ' خاص کر ہندؤں نے انسان کی روحانیت اور اعمال پر جو غور و فکر کیا ہے وہ انسانی دماغ اور تخیل کا بہترین نتیجہ ہے - فاضل مصنف نے اس کا نچوڑ اس مختصر رسالے میں اس خوبی سے جمع کردیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے ہندؤں کے اخلاقی نظام پر کافی عبور ہوجاتا ہے - کیونکہ اس میں ویدوں' اپنشدوں' ہندو فلسفے کے چھہ مذہبوں' منو' والمیکی' مہابھارت' چانکیا' شنکراچاریہ' بھگوت گیتا' بھرتری ہری' بودہ' ہندو رشیوں کے اصول اخلاق نہایت خوبی سے بیان کئے گئے ہیں اور ہر مذہب و ملت کا شخص اسے پڑہ کر فائدہ حاصل کرسکتا ہے - لایق مصنف قابل مبارک باد ہیں - اُردو ترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب نے بہت شگفتہ اور با محاورہ کیا ہے —

برھان

[از تصنیف جناب خواجہ مولوی محمد عبدالحی فاروقی صاحب ' اُستاد تفسیر و ناظم دینیات جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی - قیمت ایک روپیہ]

یہ مولانا کی تفسیر قرآن کا ایک حصہ ہے یعنے اس میں سورۃالنور کی مبسوط تفسیر ہے - اس سے قبل اس تفسیر کے متعدد حصے شایع ہوچکے ہیں اُسی ڈھنگ پر یہ حصہ بھی لکھا گیا ہے - مولانا کی تفسیر اِس عہد کے لحاظ سے ایک بے مثل کتاب ہے - بیان بھی بہت صاف اور سلجھا ہوا ہے اور تمام مسائل اس خوبی سے اور حکیمانہ طرز میں بیان کئے ہیں کہ پڑھنے میں لطف آتا ہے اور بصیرت پیدا ہوتی ہے —

یادگار مولانا شرر مرحوم

تین سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی-اے، سکتری انجمن ترقی اُردو، اورجناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل تین سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) " عطاے سلیم "

رسالہ اُردو اورنگ آباد کے سال بھر کے مضامین نثر میں جو مضمون ہر اعتبار سے بہترین اور ادب اُردو کے لئے سب سے مفید ہوگا، اس کے لکھنے والے کی خدمت میں جناب مولوی وحیدالدین صاحب سلیم کی طرف سے مبلغ ۲۰۰ روپیہ کلدار پیش کیا جائے گا -

(۲) " عطاے عبدالحق "

رسالہ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں دوسرے درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے ، عطا فرمائیں گے —

(۳) " عطیۂ ہاشمی "

کے نام سے تیسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا ، مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالہ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی —

انعامات کا آغاز، سال رواں سنہ ۱۹۲۷ ع سے ہوگا- اورہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کرکے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا-انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعـــــــــــــــلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصہ میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے - جو ہمارے اہل وطن کے لئے بہت سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے - جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں (حجم ۴۸۲ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۳ روپیہ —

سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقہ سے بتایا گیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اور اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحہ) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

تذکرۂ شعرائے اُردو

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

تاریخ تمدن

سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد دو روپیہ - حصۂ دوم مجلد دو روپیہ —

مقدمات الطبیعات

یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

القول الاظہر

امام ابن مسکویہ کی معرکۃالآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا یہ اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہئین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

القمر

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں٬ ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنہ - مجلد ایک روپیہ —

فلسفۂ تعلیم

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھہ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپیہ - غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنہ —

دریاے لطافت

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنہ - مجلد ۲ روپیہ —

طبقات الارض

اس فن کی پہلی کتاب ہے - ۳۰۰ صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپیہ - مجلد دو روپیہ ۸ آنہ —

مشاہیر یونان و روما

ترجمہ ہے - سہرت نگاری اور انشاپردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپیہ - مجلد ۴ روپیہ جلد دوم مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ —

اسباق النحو

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنہ - حصۂ دوم مجلد ۴ آنہ —

علم المعیشت

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے- مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے (حجم ۸۸۵ صفحے) قیمت مجلد ۵ روپیہ ۸ آنہ —

تاریخ یونان قدیم

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے- قیمت مجلد ۲ روپیہ —

رسالۂ نباتات

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ —

دیباچۂ صحت

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا - پانی غذا - لباس - مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے ملک

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

کی بہترین تصنیف ہے ۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا
حجم ایک ہزار صفحے ۔ قیمت مجلد چار روپیہ —

نکات الشعراء

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے ۔ اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں ۔ نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں ۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنہ —

فلسفۂ جذبات

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے ۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے ۔ متعلمان نفسیات اسے مفید پائیں گے قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ غیر مجلد دو روپیہ —

وضع اصطلاحات

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے ۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں'' اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کیے گئے ہیں ۔ مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی' مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے ۔ سابقوں اور لاحقوں ۔ اردو مصادر اور ان کے مشتقات ۔ غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں ۔ اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں ۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں ۔ اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں ۔ اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے ۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا ۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے ۔ تعداد صفحات ۳۰۵ ۔ قیمت مجلد تین روپیہ ۱۲ آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃالآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے - جو اِس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ - غیر مجلد ۸ آنہ

ملل قدیمہ

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے- اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل- بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد- اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھہ دیے ہیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اِسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

بجلی کے کرشمے

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خانصاحب بی' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفد ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

البیرونی

مصنفۂ مسٹر سید حسن برنی بی' اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رہی تھی مگر اب اس کی چند جلدیں آگئی ہیں جن اصحاب کے پاس نہ ہو جلد طلب فرمالیں قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ غیرمجلد ڈیڑ روپیہ —

تاریخ ہند

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحہ قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ھیں

[سب قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں]

انتخاب زرین

نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ریاست حیدرآباد دکن نے اُردو شعرا کے ماضی و حال کے کلام کا اِنتخاب فرمایا ھے - اِس میں شعرا کا مختصر حال اور اُن کا کلام اُن کے زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے دیا ھے - عمدہ چکنے کاغذ پر نظامی پریس بدایون نے شایع کیا ھے اور جلد بھی بہت خوبصورت ھے - قیمت فی جلد ڈھای روپیہ ــــ

قاموس المشاھیر

جلد اول و دوم

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ھے - یعنی دنیا کے کل مشہور لوگوں کے حالات مختصر طور پر بیان کردئے گئے ھیں - ھندوستان کے لوگوں اور مسلمانوں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ھیں - مطبوعہ نظامی پریس بدایوں قیمت جلد اول چھہ روپیہ ' جلد دوم چھہ روپیہ -

فسانۂ جوش

مسٹر سلطان حیدر جوش کے بعض مضامین کا مجموعہ - مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت ایک روپیہ -

مجموعۂ قصائد مومن

ھندوستان کے مشہور نازک خیال شاعر حکیم مومن خاں مومن دھلوی کے اُردو قصاید - مرتبۂ ضیاء احمد صاحب ایم - اے مع مقدمہ و حواشی مطبوعہ الناظر پریس قیمت بارہ آنہ -

گوتم بدہ

ھندوستان کے مشہور رھنما مہاتما بدہ کی مختصر سوانح عمری اور اُن کی تعلیمات کا خلاصہ مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ قیمت چار آنہ ــ

مسالک‌النظر فی نبوت سیدالبشر

مصنفہ سعید بن حسن الاسکندرانی مترجمہ مولوی محمد نعیم‌الرحمن صاحب ایم - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چار آنہ -

حکایۂ لیلیٰ مجنوں

ایک دلچسپ افسانہ مصنفہ مولوی سید سجاد حیدر صاحب بی - اے مطبوعہ الناظر پریس قیمت چارآنہ -

مقتل فریب مغربی معمل خانے

طالب علی طالب الہ‌آبادی مطبوعہ الناظر پریس لکھنو قیمت چار آنہ

تمّ

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن

کلیات ولی

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - اور یہی گویا ہماری قدیم شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اور اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب احسن صاحب مارہروی نے نہایت محنت ' کاوش اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ' دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دیکر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد تیار ہوا ہے ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دان اُردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ —

مثنوی خواب و خیال

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی مدت سے نایاب تھی' بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا' اُردو کی خوش نصیبی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی ، اور اب خاص اہتمام کے ساتھہ عمدہ اردوٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ، طبع کی گئی ہے ، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرماکراس نایاب مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ نادر مثنوی آج تک ناپید تھی ، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے - حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں- یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے قدر دان اردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید، قیمت مجلد ڈیڑہ روپیہ غیر مجلد ایک روپیہ —

قواعد اُردو

یہ کتاب جناب سکریٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ، اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر، سہل، جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی ہے - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعہ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بے حد کاوش اور غور سے نظر ثانی ، ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ، شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے - انجمن نے اپنے پریس میں، عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے، کاغذ بہت عمدہ، جلد نہایت نفیس اور مضبوط ، قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے سکہ انگریزی ، غیر مجلد دو روپے سکہ انگریزی —

انتخاب کلام میر

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدردان اُردو واقف نہیں ، یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ، یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے —

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور، نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا، نہایت عمدہ، حجم دو سو صفحات سے زیادہ، جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا نہایت زبردست فاضلانہ و ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ ہے، قیمت مجلد دو روپے—

لغت اصطلاحات علمیہ

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:-

Astronomy, Botany, Economics. History, (Constitutional, Greece England etc.; Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differntial Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archæology, Biology.

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین فن و ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین، مترجمین اور معلمین کے لئے نا گزیر ہے—

حجم ۵۳۸ صفحہ - قیمت مجلد چھہ روپے—

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

دیوان غالب جدید و قدیم

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اهل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - میرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھہ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ - غیر مجلد دو روپیہ ۸ آنہ—

حقیقت اسلام

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر، کے، سی، آئی، ای، سی، ایس، آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹ آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھہ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں—

صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں' زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے - جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ' فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر مجلد چھپی ہے - انجمن سے بارہ آنہ میں مل سکتی ہے —

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاؤ لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم - اس کتاب سے کون واقف نہیں ! ہر جگہہ اس کے شائق موجود تھے مگر کہیں نہ ملتی تھی - اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اردو میں آگئی ہیں - اور بہت کم قیمت پر پیش کی جا رہی ہیں - جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے - قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تاریخ زوال روما

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

تاریخ عرب

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھہ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپیہ ۸ آنہ ' مجلد پارچہ ۵ روپیہ —

بانگ درا (مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا مجموعہ مع دیباچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایڈیٹر مخزن لاہور قیمت غیر مجلد ۴ روپیہ —

یاد گار غالب

یعنی مرزا اسداللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے اقسام نظم و نثر ' اردو فارسی پر تفصیلی ریو یو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپیہ —

شعر و شاعری

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے-قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد سوا روپیہ —

موازنۂ انیس و دبیر

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریو یو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ- مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت فی جلد مجلد چار روپیہ - غیر مجلد تین روپیہ —

و کرم اروسی

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈرامہ کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپیہ - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

خطوط شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی ' زهرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواهر پارے اُردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب ' بی - اے معتمد انجمن ترقی اُردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے - جس نے اِن خطوط کے جذبات ' اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ محمد امین صاحب مارهروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

دیوان غالب مطبوعہ جرمنی

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ' ہر صاحب ذوق جانتا ہے ' اُس کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبایع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعۂ ملیہ نے چھپوایا تھا جو هاتھوں هاتھہ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اهتمام و نفاست سے طبع هوا هے - ٹائپ ' کاغذ ' چھپائی ' جلد ' سائز ' ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

محشر خیال

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دهلی نے خاص اهتمام سے چھپوایا ہے-

---

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' اُن کے مضامین خاص شہرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے ۔ لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے ' قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ ــــ

چمن

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اُردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو بھیجنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنہ ــــ

اُردوے قدیم

مجلس دارالمورخین حیدرآباد کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں اُردو اور اُس کے نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ہے ابتدائی زمانے سے شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد آخر تک شعراء اور مصنفین اُردو کے صحیح حالات تحریر ہیں ' جسے مشہور مورخ مولوی شمس اللہ قادری ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی ' فارسی اُردو ' انگریزی ' فرانسیسی ' جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے مرتب و تالیف کیا ہے - قابل دید ہے - قیمت قسم اول دو روپیہ ' قسم دوم ایک روپیہ آٹھ آنہ -

معراج العاشقین

یہ کتاب بھی مجلس مذکور کے مطبوعات میں ہے اور حضرت مخدوم ابوالفتح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز [رح] کی تصنیف ہے ' جنہوں نے سنہ ۸۲۵ ھ میں انتقال فرمایا - اس کتاب میں حضرت کے بعض ملفوظات و ارشادات قدیم اُردو یعنی دکنی اُردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے : قیمت ۶ آنہ ــــ

مشکوٰۃ قدیمہ

جنوبی ہندوستان کے طلائی سکوں کی تاریخ اور حالات و اقسام جن کو " ہون " کہا جاتا تھا ' آخر میں اُن کی فہرست اور تصاویر بھی شامل ہیں - طلبائے تاریخ دکن کے لئے بہت مفید ہے - مرتبہ مولوی شمس اللہ صاحب قیمت ۶ آنہ ==

ظہیر فاریابی

یہ رسالہ بھی مجلس مذکور کی مطبوعات میں ہے ' اس میں فارسی کے مشہور و باکمال شاعر ظہیر فاریابی کے حالات و سوانح وغیرہ کے علاوہ اُس کے کلام پر ناقدانہ

قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں ــ

تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت ۶ آنہ —

طہران مخوف (یا) یادگار یک شب - جلد اول

جدید فارسی زبان کا ایک دلچسپ اور اثر انگیز ناول ہے - جس میں موجودہ ایران کی سیاسی و انتظامی حالت کا ہو بہو خاکہ کھینچا ہے- وہاں کی بدنظمیوں اور قابل اصلاح شعبوں کو دکھایا ہے ' مرتضیٰ مشفق کاظمی - تین فاضل ایرانی ادیبوں کی تصنیف ہے اور برلن پایہ تخت جرمنی کے مشہور کاویانی پریس نے نہایت عمدہ طبع کیا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ —

صوفی پنڈی بہاءالدین کی کتابیں

غازی انور پاشا

انجمن اتحاد و ترقی کی خفیہ اور حیرت انگیز کار روائیاں - طرابلس کی نبرد آزمائیاں جنگ بلقان کے معرکے اور جنگ عظیم کے حالات - عالمگیر اتحاد اسلامی کی ایک منظم کوشش - یہ کتاب بتائیگی کہ یورپ نے کس طرح اسلام کی تباہی کے لئے خفیہ سازشیں کیں- غازی موصوف کی زندگی کے مکمل حالات-قیمت ڈیڑہ روپیہ —

مسئلۂ شرقیہ

علامہ مصطفیٰ کمال پاشا کی کتاب " المسئلۃالشرقیہ " کا اُردو ترجمہ - اس کتاب میں سیاسیات اسلامی کے تمام اسرار اور رموز بےنقاب کردیے گئے ہیں- قیمت دو روپیہ —

امین و مامون

علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الہلال مصر کے عربی ناول کا ترجمہ - مامون رشید اور امین اور ہارون‌الرشید کی سیاسی چالیں ' تخت خلافت کے لئے جد و جہد - تاریخی ' ملتی اور ادبی لحاظ سے قابل دید ہے - قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے —

تاریخ افغانستان

اتحاد اسلامی اور پین اسلام ازم کے موجد سید جمال‌الدین افغانی کی اس کتاب کا ترجمہ جو سید موصوف نے افغانستان کی سوتی ہستی کو جگانے کے لئے لکھی - قیمت سوا روپیہ —

سید جمال‌الدین افغانی

(مرتبہ مولوی ظفر علی خاں صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار)

(نوٹ) کُل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

یہ اس بزرگ ہستی کے حالات زندگی ہیں جس نے موجودہ ترک احرار پارٹی کا بیج بویا اور آزادی کی روح پھونکی اور غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کا سبق دیا ' قیمت ۵ آنے —

دربار علم

عالم خیال میں دربار علم کا انعقاد - افتتاحی تقریر اور سات علمی درباروں کے بعد موجودہ تعلیم و تدریس کی بد عنوانیاں' علما و طلبا' شان تعلیم و تعلم کا نہ رہنا' اور ان خرابیوں کا علاج - مولفۂ مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی قیمت ڈیڑھ روپیہ —

فقرائے اسلام

مولفۂ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اُن پیشوایان دین اور علمائے اسلام کے حالات جنھوں نے با وجود فقر و فاقہ اسلام کے اصول و ارکان کو مستحکم کیا - ان کی فیاضی' ہمدردی' قناعت' توکل اور بے نیازی کے بے نظیر نمونے - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

پھل اور میوہ جات

ہر قسم کے ثمرات اور میوہ دار درختوں کی کاشت اور ان کی نگہداشت کے طریقے قیمت ۸ آنہ —

ترکاریاں

ہر طرح کی ترکاریوں کی کاشت اور نگہداشت کے طریقے - قیمت ۸ آنہ —

اسلامی کہانیاں

(مسلمان بچوں کے لئے) صحابۂ کرام' تابعین' مجاهدین اور علمائے سلف کے ایثار' جوانمردی اور کریم النفسی کے حالات سے کتاب میں جمع کر دیے گئے ہیں - قیمت ۴ آنہ —

روح الاجتماع ۲ روپیہ
ابن رُشد ۴ روپیہ
گل رعنا ۵ روپیہ
سیر الانصار ۳ روپیہ ۸ آنہ
شعر الہند مجلد ۵ روپیہ
شعر الہند غیر مجلد ۴ روپیہ

(مطبع کاویانی برلن)

تیاتر (فارسی) ۳ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ سنی ملوک الارض (عربی)
۲ روپیہ ۸ آنہ
نصاب الصبیان (فارسی) ۱ روپیہ
رہنمائے پسران (فارسی) ۱ روپیہ ۸ آنہ
تلغراف بی سیم (فارسی) ۱ روپیہ
ہزار و یک سخن (فارسی) ۱۱ آنہ

(جامعہ ملیہ دلی)

الخلافت الکبریٰ ۵ روپیہ
الصراط المستقیم ۲ روپیہ
بصائر ۲ آنہ
سیرۃ الرسول ڈیڑہ روپیہ
خلافت راشدہ ۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ ڈیڑہ روپیہ
خلافت عباسیہ ۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد ۲ روپیہ
مبادی معاشیات ۱ روپیہ
انتخاب کلام مہر (از نورالرحمن صاحب)
۱ روپیہ
قواعد عربی ۲ روپیہ
عرض جوہر ۸ آنہ
مجموعۂ کلام جوہر ۲ آنہ

اسلامی تہذیب و قومی تعلیم ۴ آنہ
ازہار العرب (عربی) ۸ آنہ
انتخاب مضامین جوہر ۱ روپیہ
ترکوں کی کہانیاں ۴ آنہ
خطبۂ شیخ الہند ۲ آنہ
خطبہ حکیم اجمل خاں صاحب ۲ آنہ
ہمارے نبی ۸ آنہ
تاریخ ہند قدیم ۱ روپیہ
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۱۲ آنہ

(نظامی پریس بدایوں)

قاموس المشاہیر جلد اول ۲ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم ۲ روپیہ
نکات غالب مجلد ۱ روپیہ
دیوان غالب مشرح مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
دیوان جان صاحب مجلد ڈیڑہ روپیہ
دیوان درد ۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)
ڈیڑہ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول ۳ روپیہ
خطوط سر سید قسم دوم ۲ روپیہ
لیتھو گرافی مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ
انتخاب زریں مجلد ۲ روپیہ
مراثی انیس جلد اول مجلد ۱۰ روپیہ
مراثی انیس جلد دوم قسم اول ۸ روپیہ
قسم دوم ۴ روپیہ
قصائد ذوق ۳ روپیہ

(دائرۂ ادبیہ - لکھنؤ)

یادگار غالب مجلد ۳ روپیہ
مکاتیب امیر مینائی ۲ روپیہ ۸ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں۔

مکاتیب اکبر — ۱ روپیہ
میلاے سخن — ۱ روپیہ
حزن اختر — ۸ آنہ
درس عمل — ۴ آنہ
خواتین انگورا — ۱ روپیہ
بیگمات بنگال — ۶ آنہ
اسلام کا اثر یورپ پر — ۴ آنہ
مشرقی ترکستان — ۶ آنہ
سیاحت زمین — ۱ روپیہ
سیاحت ہوا — ۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب — ۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد — ۷ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر غیر مجلد — ۳ روپیہ
مقدمۂ شعر شاعری — ۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول المسح — ۶ آنہ
ملسمانان اندلس — ۱ روپیہ
اسرار رنگون — ۱ روپیہ
ہوم دول — ۵ آنہ
خوان دعوت — ۱ روپیہ
مصنوعی شوہر — ۲ آنہ
و کرم عروسی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
مسلمانوں کی تہذیب — ۶ آنہ
الاحسان — ۸ آنہ
ارض نہرین — ۴ آنہ
تذکرۂ حزین — ۴ آنہ
حیات نظامی — ۴ آنہ
خطابہ — ۴ آنہ

میلاد نبوی — ۴ انہ
تصویر درد — ۴ آنہ
شمع و شاعر — ۲ آنہ
فریاد اُمت — ۳ آنہ

(دارالاشاعت پنجاب - لاہور)

صبح زندگی — ۱ روپیہ ۸ آنہ
شام زندگی — ۱ روپیہ ۴ آنہ
شب زندگی ہر دو حصہ — ۲ روپیہ ۴ آنہ
مقازل السائرہ — ۱ روپیہ
سنجوگ — ۱۰ آنہ
جواہر قدامت — ۱ روپیہ ۸ آنہ
تحفۂ سائنس — ۲ روپیہ ۸ آنہ
مشاہیر ہند — ۲ روپیہ ۸ آنہ
نیلی چھتری — ۱ روپیہ ۴ آنہ
بہرام کی گرفتاری — ۱ روپیہ
اخترالنسا بیگم — ۱ روپیہ ۸ آنہ
روشنک بیگم — ۲ روپیہ
رانی کرونارت — ۱ آنہ
رسوم دہلی — ۴ آنہ ۶ پائی
ان پورنا دیوی کا مندر — ۱ روپیہ ۸ آنہ
ایام قدر — ۱ روپیہ ۴ آنہ
نقش فرنگ — ۱ روپیہ ۴ آنہ
پریم پچیسی مکمل — ۳ روپیہ
پریم بتیسی حصہ اول — ۱ روپیہ ۸ آنہ
بانگ درا غیر مجلد — ۴ روپیہ
نعمت خانہ — ۱ روپیہ ۴ آنہ
چندن ہار — ۲ آنہ
انسول موتی — ۱ آنہ ۹ پائی
سوکن کا جلاپا — ۶ آنہ

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

گوهر مقصود	۹ آنه	تین ٹوپیاں	۸ آنه
لیلی	۲ روپیه	ظفر کی موت	۴ آنه
سواءالسبیل	۱ روپیه	قزاق	۸ آنه
سخندان پارس	۱۰ آنه	بگڑے دل	۸ آنه
قوانین دولت	۴ آنه	(دوسری قابل قدر کتابیں)	
مینا	۱۲ آنه	رسائل شبلی	۱ روپیه ۸ آنه
چترا	۱۲ آنه	کتب خانهٔ اسکندریه	۵ آنه
امتیاز پچیسی	۸ آنه	بشری	۶ آنه
دلپسند کہانیاں	۱۲ آنه	زکری	۱۰ آنه
دلچسپ کہانیاں	۱۰ آنه	سیرالمصنفین	۲ روپیه
(تصانیف نورالهي و محمد عمر صاحبان)		جہاں آرا بیگم	۸ آنه
موجوده لندن کے اسرار	۱ روپیه		
ناٹک ساگر [یعنی دنیاے ڈراما کی تاریخ] مجلد	۳ روپیه		

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اُردو کی شایع کی ہوئی کتابیں فی روپیه چارآنه کمی قیمت کے تهه دي جائینگی - اُمید هے که ناظرین اس رعایت سے فائده اُتھا ئینگے —

دیگر مقاماتکی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت هوتي هیں، ان کی قیمتوں میں کمی نہیں کی جاسکتی —

(نوٹ) کل قیمیں سکۂ انگریزی میں هیں —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے اُن مہربان معاونین کی فہرست مرتب کررہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر اُن سے دوبارہ دریافت کئے تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - ہمیں اُمید ہے کہ قدردان زبان اُردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیں گے کہ اُن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرلئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شایع ہو فوراً بغیر دوبارہ دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی - ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے معاونین جو اُردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —

اِن معاونوں کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کرکے روانہ ہوں گی —

انجمن ترقی اُردو - اورنگ آباد (دکن)